بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ چہاردہ صد سالہ یادگار شہادت امیر المومنینؑ (۴۰ھ - ۱۴۴۰ھ)، اشاعت نو

نفسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد (۵)

یعنی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مفصل سوانح عمری

معروف بہ

حضرت امیر المومنین علیہ السلام حصہ ثانیہ

مصنفہ

مجاہد ملت مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ

(سابق مدیر مجلۂ اصلاح)

ابن علامہ سید علی حید نقوی اعلی اللہ مقامہ

ناشرین

ادارۂ اصلاح

مسجد دیوان ناصر علی، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in

Ph. : 0091 522 4077872

ولایت پبلیکیشنز

نئی دہلی (انڈیا)

E-mail:welayatpublications@gmail.com

www.welayat.in

Contact: 09958225575

مشخصات

کتاب کا نام	:	نفس رسول جلد (۵) حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثانیہ
مؤلف	:	مجاہد ملت مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ
کمپوزنگ	:	-------------------
طبع	:	عنبر پریس، لکھنؤ
تاریخ طبع	:	شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ، اپریل ۲۰۱۹ء
صفحات	:	۶۷۲
قیمت	:	400 روپے
ناشر	:	ادارۂ اصلاح لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳ (انڈیا)

ISBN-13 : 978-93-87479-
ISBN-10 : 93-87479-

ادارۂ اصلاح

مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳ (انڈیا)

فون و فیکس نمبر: 0091 522 4077872

E-mail:islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in

فہرست کتب

بسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علیٰ اھلھا

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق سربراہ علامہ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے سیرت امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام پر ''المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ'' نامی کتاب لکھی تھی جس کے متعدد ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔اس کے دیباچہ کی ابتدا میں انہوں نے عمومی الفاظ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

''یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت ہے کہ بہت سی تاریخ ساز، عہد آفریں، اور نادرۂ روزگار شخصیات ایسی بھی ہیں جن کی مکمل سیرت (جو ان کی روشن ترین خصوصیات پر حاوی اور ان کے مرکزی اور اہم کمالات و محاسن پر روشنی ڈالتی ہو) عرصۂ دراز تک مرتب نہیں ہوئی اور یہ بات ان کے ماننے والوں اور عقیدت مندوں پر ایک اخلاقی دینی وعلمی قرض کی نوعیت رکھتی ہے۔جس کی ادائیگی بعض اوقات انہوں نے بھی نہیں کی جو ان کی تعظیم میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتے اور ان سے محبت و وابستگی کو سرمایہ ایمان و آگہی سمجھتے ہیں۔(سخن ہائے گفتنی)

آخری سطور میں اشارہ کس گروہ کی طرف ہے ان کے علم میں بہتر رہا ہوگا اسی تحریر میں آگے انہوں نے اپنے برادر بزرگ مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی کے ایک حکم کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے ایک روز بڑے دادا کے ساتھ گلو گیر لہجہ میں کہا علی تم کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت پر کتاب لکھنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ صلاحیت بخشی ہے کہ تم یہ کام کر سکو'' (سخنہائے گفتنی)

اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت جب تین دہائیوں کے بعد آئی تو اس سلسلہ میں مزید اقدام سے پہلے ان کا یہ تجزیہ تھا:

''مجھے اسلامیات کے کتابی ذخیروں میں اک شدید کمی کا احساس پیدا ہوا اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مکمل سوانح حیات (جو بقدر امکان) ان کے اہم اور مرکزی خصائص و کمالات پر روشنی ڈالتی ہو موجود نہیں ہے'' (سخنہائے گفتنی)

المرتضیٰ کی پہلی ہی اشاعت کے بعد منقولہ جملے جب میری نظر سے گزرے تھے تو مجھے مشہور اہل علم کی غفلت پر سخت تعجب ہوا

تھا۔اس لئے کہ خود ادارۂ اصلاح سے دس ضخیم جلدوں میں "نفس رسولؐ" کے نام سے سیرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام شائع ہو چکی تھی جو ایک کارنامہ ہے لیکن چونکہ یہ شیعی حلقہ کا کام ہے لہٰذا اسے نظر انداز کیا گیا۔ادعا کے باوجود المرتضیٰ 20x26/8 سائز پر 500 صفحات تک بھی نہیں پہنچ سکی جبکہ "نفس رسولؐ" ہزاروں صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود نامکمل رہی اور جو منصوبہ تھا اس کی حد آخر کو حاصل نہیں کر سکی ہے جو اس حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا اعلان ہے کہ:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم لو ان الرياض اقلام ، البحر مدادوالجن حسّابٌ والانس كتّاب ما احصوا فضائل على ابن ابى طالب عليه السلام (بحار الانوار جلد ۴۰ صفحہ ۴۰)

"اگر باغات قلم بن جائیں اور سمندر، روشنائی بن جائیں اور تمام جن شمار کرنے والے بن جائیں اور تمام انسان لکھنے والے بن جائیں پھر بھی فضائل علیؑ کا احصا نہیں کر سکتے"۔

اوصاف علی، به گفتگو ممکن نیست

گنجایش بحر در سبو، ممکن نیست

من ذات علی به واجبی نشناسم

اما دانم که مثل او ممکن نیست

جب مجلہ اصلاح کے مدیر اول اور بانیٔ اصلاح فخر الحکماء علامہ سید علی اظہر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے قابل فخر فرزند حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر طاب ثراہ نے دس جلدوں پر مشتمل سیرت امیر المومنینؑ "نفس رسولؐ" کو قلم بند کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں شدید بے چینی تھی۔اس سلسلہ میں ان کا جو منصوبہ تھا وہ نفس رسولؐ کی پہلی جلد "اعجاز الولی" میں موجود ہے۔اپنے منصوبہ کا اعلان انہوں نے بذریعہ مجلہ اصلاح کرنا شروع کر دیا تھا جیسا کہ اپنے وصیت نامہ میں انہوں نے ذکر بھی کیا ہے کہ:

"میں ماہ مئی ۱۹۵۰ء سے رسالہ اصلاح میں ایک عظیم الشان تاریخی اور تحقیقی کتاب لکھنے اور شائع کرنے کا ڈھنڈھورا پیٹ رہا ہوں اور وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سب سے بڑی سب سے زیادہ جامع سوانح عمری گویا حضرت علی علیہ السلام کے حالات کی انسائیکلو پیڈیا ہوگی جو سات آٹھ جلدوں غالباً چار ہزار صفحوں میں پوری اور سات آٹھ سال میں ختم کی جائے گی۔اس طرح میں نے ابھی سات آٹھ برس اور اس دنیا میں اپنے کو زندہ سمجھنے کا سامان کر لیا ہے کیا بغیر اس سوانح عمری کے مکمل شائع ہوئے جناب ملک الموت کو میرے پاس آجانے میں افسوس نہیں ہوگا لیکن اگر نہ مانے تو میں کیا کرلوں گا۔

''کار دنیا کسے تمام نہ کرد'' اس حالت میں آپ میرے کل خطوط کی تعمیل کرتے رہئے گا۔''

والسلام احقر علی حیدر عفی عنہ (ایک عزیز کے نام مکتوب اصلاح نومبر دسمبر ۱۹۵۰ء)

''چونکہ ہم کو علمی خدمتیں کرتے بفضل تعالیٰ ۴۵ سال گزر گئے اور اب اس عظیم الشان سوانح مبارکہ نفس رسولؐ دس جلدوں پر مشتمل سوانح امیر المومنینؑ کے مکمل شائع ہو جانے کے لئے بہت بے چین ہیں۔ مگر معلوم نہیں ہماری عمر یا قوت وفا کر سکے یا نہیں۔ اس وجہ سے بندہ زادوں مولوی سید محمد باقر صاحب ادیب فاضل (الہ آباد) فاضل ادب لکھنؤ یونیورسٹی مولوی فاضل (پنجاب یونیورسٹی) اور صدر الافاضل سے جن کی بہت مفید مقبول کتاب ''مذہبی تعلیم'' کے پانچ حصوں کی خدا کے فضل سے ہر طرف دھوم ہوگئی ہے۔ اور مولوی سید آغا جعفر سلمہ متعلم مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ سے وصیت بھی کر رکھی ہے کہ اس سوانح مبارکہ کو صرف خدائے کریم وقدیر کی تائید پر بھروسہ کرکے ہم نے شروع تو کر دیا ہے لیکن جب ہم زندہ نہ رہیں تو ''اگر پدر نتواند پسر تمام کند'' اور ''الولد سرٌ لابیہ'' کے مطابق اس کو ضرور مکمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ دونوں فرزند قادر مطلق پر توکل کرکے اس کے مکمل کرنے میں جناب مولانا علی نقی صاحب قبلہ، جناب مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ لکھنؤ، مولانا سید رضی صاحب زنگی پوری، جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب، جناب مولوی سید سبط الحسن صاحب ہنسوی، جناب ڈاکٹر مولوی سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری، جناب الحاج پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی تعلقدار شمس آباد، جناب سید فقیر حسین صاحب بخاری ایم اے پروفیسر علی گڑھ، جناب ڈاکٹر مولوی سید اعجاز حسین صاحب منیجر وقف ہوگلی، جناب خواجہ غلام السیدین صاحب پانی پتی، جناب آغا سلطان مرزا صاحب جج پنشنر کراچی، جناب ڈاکٹر محمد علی الحاج سالمین صاحب بمبئی، جناب مولانا حافظ کفایت حسین صاحب لاہور، اور جناب مولانا محمد بشیر صاحب ٹیکسلا سے پوری مدد لیتے رہیں۔''

(احقر علی حیدر عفی عنہ، ۷ر صفر ۱۳۷۰ھ ہجری مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۵۰ء)

وصیت میں مزید تحریر فرمایا ہے:

''سوانح مبارکہ کے لئے وصیت کا مضمون بھی ہم اصلاح میں شائع کر چکے ہیں۔ چند ناموں کا اضافہ اس میں بھی ضروری ہے جن سے مدد اور مشورہ لیتے رہنا بہت مفید اور اہم ہے۔:

۱) جناب سید امتیاز حسین صاحب ترمذی وکیل پٹنہ۔ ۲) جناب سید حسن عسکری صاحب پروفیسر پٹنہ۔ ۳) جناب مولوی سید ابن حسن صاحب جارچوی، لکھنؤ۔ ۴) جناب مولوی سید اختر علی صاحب تلہری۔ ۵) جناب مولوی مرزا احمد علی صاحب امرتسری۔ اور ۶) جناب مولوی محمد مصطفیٰ صاحب جوہر کراچی۔

مذکورہ بالا حضرات نیز ان حضرات سے جن کے اسمائے گرامی دسمبر کے اصلاح میں شائع ہو چکے ہیں التماس ہے کہ ہماری عمر ۶۵ سال کی ہو چکی ہے اور علمی خدمات کرتے ہوئے تقریباً ۵۰ سال گزر چکے ہم کو بہت افسوس ہے کہ سوانح مبارکہ کے مرتب کرنے کی توفیق بہت دیر کر کے ہوئی جب آفتاب لب بام پہنچ گیا ہے اس وجہ سے ہم بے چین ہیں کہ سوانح مبارکہ کیونکر اچھی سے اچھی ہوگی۔ آپ کل حضرت اس اہم دینی خدمت میں ہماری علمی اور قلمی مدد کر کے شکرگزار کریں اس طرح کہ کل حضرات سوانح مبارکہ کی دسوں جلدوں کے لئے جن قیمتی مضامین نادر تحقیقات، مفید مباحث اور ضروری افادات کا اندراج پسند کریں۔ ان سب کو جلد از جلد ہمارے پاس ارسال فرمانا شروع کر دیں۔ تاکہ ہم سب کو مرتب کرتے جائیں۔ اور دسوں جلدوں کے مسودات کو آپ حضرات کی اعانت سے اپنی زندگی ہی میں مکمل کر ڈالیں۔ اس کے بعد اگر اجل نے مہلت دی تو انشاء اللہ خود چھپوا کر شائع کریں گے۔ ورنہ خود آپ حضرات دفتر اصلاح سے شائع کراتے رہیں گے۔'' (اصلاح مئی جون ۱۹۵۱ء)

علامہ علی حید رصاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے پہلے ۶۔ ۷ جلدوں میں پھر دس جلدوں میں سوانح عمری امیر المومنینؑ کا ارادہ اس وقت کیا جب عمر ڈھل رہی تھی۔ جب اندازہ ہوا کہ عین حیات میں یہ کام پورا نہیں کر سکوں گا تو یہ کام اپنی اولاد کے سپرد کیا۔ مدیر دوم اصلاح مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ ۴ جلدیں خود لکھیں مگر اپنے والد مرحوم کے نام سے باقی دیگر مصنفین و مبلغین کی کتابوں کو شامل کر کے دس جلدیں پوری کر دیں۔ والد مرحوم مولانا سید محمد باقر جوراسیؒ ان کے ہم نام بھی تھے اور چالیس سال تک گہرے رفیق رہے تھے ان کی وفات کے بعد اپنے ایک مضمون ''امام عصرؑ کا ایک خادم'' کے عنوان سے مضمون میں تحریر فرمایا ہے:

''ان کے تالیفات و تصنیفات اور مضامین و تراجم کی تعداد تو بہت ہے جن کی فہرست پیش کرنا میرے لئے بھی دشوار ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان سب سے زیادہ نمایاں اور امتیازی حیثیت دس جلدوں میں مکمل ہونے والی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی عظیم و ضخیم سوانح عمری کو حاصل ہے یہ بات میرے علم میں ہے کہ مرحوم کے پدر بزرگوار مولانا سید علی حید رصاحب اعلی اللہ مقامہ نے اس کی صرف ابتدائی دو جلدیں ہی اپنے قلم سے تحریر فرمائی تھیں۔ اس کے بعد یہ اہم کام اپنے ہونہار فرزند کے سپرد کر دیا تھا۔ جسے مرحوم نے ان کے اعتماد اور توقعات کے مطابق پوری مہارت اور کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

(اصلاح صدی نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء صفحہ ۲۰۷)

۳ سے ۷ جلدوں تک کی محنت مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی اعلی اللہ مقامہ کی کاوش ہے۔ ایک لائق فرزند ہونے کی حیثیت سے اور اپنے والد مرحوم کے جذبۂ اخلاص کی قدردانی میں انہوں نے اس محنت کو بھی اپنے والد علام سے منسوب رکھا

لیکن اب جبکہ اس کا انکشاف ہو چکا ہے کہ بعد کی جلدیں ان کا کارنامہ ہیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان جلدوں کو انہیں سے منسوب کیا جائے۔ ۷ جلدوں کے بعد دس جلدیں مکمل کرنے کے لئے مقبول و معروف جن تین کتابوں کا سہارا لیا گیا ان کے ترجمہ کی زحمت بھی مرحوم ہی نے فرمائی تھی۔

چونکہ شہادت امیر المومنین کی چودہ سو سال مکمل ہونے کی یادگار منائی جارہی ہے لہٰذا اس مناسبت سے ترتیب میں معمولی تبدیلی اور دیگر تالیفات وتراجم کو شامل کر کے نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدیں پیش ہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ مرحوم نے جو خاکہ مرتب فرمایا تھا کام کا تکملہ اس نہج کے عین مطابق تو نہیں ہوسکا لیکن پھر بھی اس نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدوں کی اشاعت کے ذریعہ ایک غیر معمولی کام انجام پا گیا ہے۔

اب تمام ۱۴ جلدوں کی ترتیب اس طرح ہے:

جلد (۱): اعجاز الولی (حجۃ الاسلام علامہ علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۲): قرآن ناطق (حجۃ الاسلام علامہ علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۳): ثقل اکبر (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۴): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ اولیٰ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۵): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ ثانیہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۶): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ ثالثہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۷): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ رابعہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۸): ندائے عدالت انسانی ترجمہ: صوۃ العدالۃ الانسانیہ، جارج جرداق (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ)۔

جلد ۹): تہذیب المتین فی سیرت امیر المومنینؑ (مولانا مظہر حسن سہارنپوریؒ)۔

جلد (۱۰): "ضیاء الغدیر، مصنفہ: ضیاء الواعظین مولانا وصی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ۔ مع اضافہ خلاصہ الغدیر علامہ امینی اعلی اللہ مقامہ۔

جلد (۱۱): امیر المومنینؑ کے فیصلے، مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ۔

جلد (۱۲): علیؑ وفرزندان علیؑ ترجمہ: علیؑ وبنوہ، ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ)۔

جلد (۱۳): اصحاب امیر المومنینؑ، (آیۃ اللہ ناظم زادہ) (مترجم حجۃ الاسلام سلیم علوی)۔

جلد (۱۴): صفات شیعیان امیر المومنینؑ، ترجمہ صفات الشیعہ شیخ صدوقؒ۔ (مترجم حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید رضی جعفر

نقوی مدظلہ)

نفس رسولؐ کی اس جلد (۴) ''حضرت امیر المومنینؑ'' حصہ اولیٰ میں حضرت امیر علیہ السلام کے خاندان کے حالات اور آپ کی ولادت باسعادت سے وفات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے حالات درج ہیں۔

میں نے جب المرتضیٰ کے پہلے ایڈیشن کا مطالعہ کیا تھا اور شروع میں منقولہ جملے نظر سے گزرے تھے تو یہ جذبہ پیدا ہوا تھا کہ کیوں نہ نفس رسولؐ کی تمام جلدیں سامنے آجائیں تاکہ ان لا علم لوگوں کو معلوم ہو سکے جو نہیں جانتے کہ سیرت امیر المومنینؑ پر متعدد ضخیم جلدوں میں ایک قابل قدر کتاب موجود ہے۔ لیکن مالی وسائل کی دقت کی وجہ سے اس سلسلے میں اقدام کی ہمت نہیں پڑی۔ مگر جب امیر المومنینؑ کی شہادت کے چودہ سو سالہ یادگار کے منصوبے بننا شروع ہوئے تو مجلہ اصلاح کے مدیر اعزازی مولانا محمد حسنین باقری نے یہ عزم کیا کہ اس موقع کے اوپر نفس رسولؐ کی جلدوں کی اشاعت نو ہو جانا چاہئے اور اس سلسلے میں انہوں نے محنت بھی بہت کی۔ جس کا ثمرہ آپ کے سامنے ہے۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اوقات دعا میں ادارۂ اصلاح کو شامل کرنے کو فراموش نہ فرمایا کریں۔

فقط

سید محمد جابر جوراسی

مسئول ادارۂ اصلاح لکھنؤ

۱۳ / رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

پنجشنبہ ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ
وَالْاٰخِرِیْنَ خَاتِمِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ

منعم حقیقی کا لاکھوں شکر کہ محض اسی کی توفیق وعنایت سے سوانح عمری حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام جلد چہارم کا پہلا حصّہ شائع ہو کر ہمہ گیر مقبولیت کا حامل ہوا، قصد تھا کہ ایک ہی جلد میں حضرتؑ کی ولادت باسعادت سے وفات تک کے حالات درج کر دئے جائیں مگر عملاً یہ بات ناممکن ثابت ہوئی، بے حد اختصار سے کام لینے پر بھی وفات پیغمبرؐ تک ۳۲۰ رصفحات ہو گئے۔

سرمایہ کے فقدان، وقت کی کمی اور رسالہ کے حجم کی زیادتی سے مجبور ہو کر یہی سبیل نظر آئی کہ اتنے مضامین کو پہلا حصہ قرار دے کر مکمل کر دیا جائے اور وفات پیغمبرؐ کے بعد کے حالات دوسرے حصّے میں لکھے جائیں۔ چنانچہ اس حصہ میں وفات پیغمبرؐ سے قتل عثمان کے زمانے تک حضرتؑ کے سوانح حیات درج کئے جا رہے ہیں۔ خدا کرے یہ حصّہ بھی ماسبق جلدوں کی طرح شرف قبولیت سے سرفراز ہو۔

وھو حسبی و نعم الوکیل و نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

باب اوّل

زندگی کا تیسرا دور۔ دورِ ابتلاء

سرگذشت سقیفہ

دنیا میں مسلمانوں کے علاوہ شاید ہی کوئی ایسی قوم ہوگی جس نے اپنے ہادی ورہبر مصلح و پیشوا، نبی ورسولؐ کے ساتھ ایسا اہانت آمیز سلوک کیا ہو۔ جیسا مسلمانوں نے اپنے پیغمبرؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ کیا اور زمانے کے مسلمانوں کا ذکر نہیں بلکہ یہ ذکر اُن مسلمانوں کا ہے جنھوں نے پیغمبرؐ کا زمانہ پایا۔ آپؐ کے دیدار سے مشرف ہوئے، آپؐ کے ہاتھوں پر اسلام لائے، آپؐ کی صحابیت کے درجے پر فائز ہوئے۔ جنھوں نے آپؐ کی ہدایت اور ارشاد سے اُٹھتے بیٹھتے اکتساب فیض کیا۔ اُنھوں نے پیغمبرؐ کے ساتھ وہ انتہائی نازیبا سلوک کیا کہ شانِ خدا یاد آتی ہے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں ''یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آں حضرتؐ نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہوگئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسولؐ اللہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرلی جائے۔ کس کے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہؐ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو اُن کے عشق و محبّت کا دعویٰ ہو وہ اُن کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں اور اس بندوبست میں مصروف ہوں کہ مسندِ حکومت اوروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔ تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں (حضرت ابوبکر و عمر) سے سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کئے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہوجاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آں حضرتؐ سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علیؑ و خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے اُن کو آنحضرتؐ کے درد و غم اور تجہیز و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر و ابوبکر وغیرہ آں حضرتؐ کی تجہیز و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے، یہ بھی سچ ہے کہ اُنھوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے معرکہ آرائی کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے گویا ان پر کوئی حادثہ پیش آیا ہی نہیں تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اُنھوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور

حضرت علیؑ سے بزور منوانا چاہا گو بنی ہاشم نے آسانی سے اُن کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ (الفاروق، جلد ا ص ر ۲۶)

مذکورۂ بالا عبارت میں کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے جس پر تبصرہ ضروری ہو، البتہ اس کے بعد ممدوح لکھتے ہیں۔ ''لیکن اس بحث میں غور طلب جو باتیں ہیں وہ یہ ہیں: (۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا؟ (۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے؟ (۳) کیا حضرت علیؑ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ البال تھے؟۔ (۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا وہ کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟۔ دو پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت ہی مستند کتاب ''ابویعلیٰ'' کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے:

بینما نحن فی منزل رسول الله اذا رجل ینادی من وراء الجدار ان اخرج یا ابن الخطاب فقلت الیك عنّی فانا عنك مشاغیل یعنی با مر رسول الله فقال لقد حدث امر فان الانصار اجتمعوا فی سقیفة بنی ساعدة فادر کو هم ان یحدثوا امراً یکون فیه حرب فقلت لابی بکر انطلق۔
(فتح الباری، جلد ر ۷، ص ر ۲۳)

حضرت عمر کا بیان ہے کہ ہم رسولؐ اللہ کے خانہ مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دفعتاً دیوار کے پیچھے سے ایک آدمی نے آواز دی کہ ابن الخطاب (حضرت عمر) ذرا باہر آؤ۔ میں نے کہا چلو ہٹو ہم لوگ آں حضرتؐ کے بندوبست میں مشغول ہیں اس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ اس لئے جلد پہنچ کر اُن کی خبر لو ایسا نہ ہو کہ انصار کچھ ایسی باتیں کر اُٹھیں جس سے لڑائی چھڑ جائے اس وقت میں نے ابوبکر سے کہا چلو دیکھو۔

اس سے ظاہر ہوگا کہ نہ حضرت عمر وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔ (الفاروق، جلد ر ا ص ر ۶۷)

مولوی صاحب نے الفاروق کے شروع لکھا ہے، ''واقعہ کی تحقیق کے لئے پہلے راویوں کی جرح وتعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں کیوں کہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بے کار ہے۔ علّامۂ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔'' (الفاروق، جلد ر ا ص ر ۱۱۵)

اسی اصول کے مطابق دیکھنا چاہئے کہ مسند ابویعلیٰ کی روایت کا واقعہ ممکن بھی ہے یا نہیں اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں

تو مسند ابو یعلیٰ کا نہایت مستند کتاب ہونا بے کار ہے یہ واضح رہے کہ اس وقت حضرت عائشہ کے حجرہ میں حضرت عائشہ بھی تھیں حضرت حفصہ بھی۔ حضرت ابو بکر بھی آ گئے تھے۔ حضرت عمر پہلے ہی سے تھے حضرت کے چچا جناب عباس اور حضرت علیؑ بھی تھے جس پر تمام مورخین ومحدثین کا اتفاق ہے۔ اختصار کے لحاظ سے صرف ایک عبارت نقل کی جا سکتی ہے۔ جناب شاہ عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے:

فرمود برادر من علی علیہ السلام را بیا ورید علی علیہ السلام بیامد و بر بالیں آں حضرت بنشست سر مبارکش را بر زانوے خویش نہاد وآں سرور فرمود اے علی رضی اللہ عنہ فلاں یہودی پیش من چندیں مبلغ دارد کہ از وے برائے تجہیز لشکر اسامہ قرض گرفتہ بودم زنہار کہ حق او را از ذمۂ من ادا کنی۔ وفرمود اے علی علیہ السلام تو اول کسے خواہی بود کہ در لب حوض کوثر بمن برسی وبعد از من مکروہات بتو خواہد رسید باید کہ دل تنگ نہ شوی وصبر کنی وچوں بہ بینی کہ مردم دنیا را اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی......... علی علیہ السلام گوید کہ حضرت با من سخن می گفت وآب دہن وے بمن می رسید پس حال وے متغیّر شد وزناں از پس پردہ بے طاقتی می نمودند ومن نیز تحمل آں نداشتم کہ وے را بآں حال بہ بینم گفتم اے عباس مرا دریاب۔ عباس آمد و بایک دیگر وے را بخوابانیدم۔ ذکر ھذا کلہ فی روضۃ الاحباب۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۱۱۵)

حضرت رسول خداؐ نے فرمایا میرے بھائی علیؑ کو میرے قریب بلا دو حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے پاس پہنچ گئے حضرتؐ کے سرہانے بیٹھ گئے۔ اور حضرتؐ کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھ لیا اس وقت آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا اے علیؑ فلاں یہودی کا میرے ذمہ اتنا مال باقی ہے جس کو میں نے اس سے اسامہ کا لشکر روانہ کرنے کے لئے اُس کے مصارف کی غرض سے بطور قرض لیا تھا۔ خوب یاد رکھنا کہ اس کا یہ دین ادا کر دینا پھر فرمایا: کہ اے علیؑ تمھیں وہ پہلے شخص ہو گے جو کوثر کے کنارے میرے پاس پہونچو گے اور میرے بعد تم پر بڑے بڑے ظلم ہوں گے۔ چاہیئے کہ اُس وقت تم دل تنگ نہ ہو بلکہ تم صبر کرنا اور جب دیکھنا کہ لوگ دنیا کو اختیار کر رہے ہیں تو چاہیئے کہ تم آخرت ہی کو اختیار کئے رہو۔۔۔ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ آنحضرتؐ مجھ سے اس طرح باتیں کر رہے تھے اور حضرتؐ کا لعاب دہن مجھ پر گر رہا تھا اتنے میں حضرتؐ کی حالت متغیر ہوئی اور عورتوں نے پردے کے پیچھے سے بے قراری شروع کی اور میں بھی اس کی طاقت نہیں رکھ سکا کہ حضرتؐ کی وہ حالت دیکھ سکتا تو میں نے چچا عباس سے کہا کہ اے چچا میری مدد کیجئے اس پر جناب عباس میری طرف بڑھ آئے اور ہم دونوں نے مل کر حضرت کو لٹا دیا یہ پوری عبارت روضۃ الاحباب میں ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ اس وقت اس حجرہ میں پردے کے پیچھے عورتیں تھیں اور حضرت رسولؐ کے پاس جناب عباس اور حضرت علیؑ بھی تھے پھر کیا وجہ ہوئی کہ آں حضرتؐ کی وفات ہوتے ہی دیوار کے پیچھے سے جس شخص نے آواز دی اُس نے نہ حضرت سیدہؑ کو پُکارا کہ وہی آں حضرتؐ کی بیٹی تھیں۔ نہ حضرت عائشہ کو ندا دی جو آں حضرتؐ کی بیوی تھیں اور اُنھیں کے حجرے میں آں حضرتؐ اس وقت تشریف بھی رکھتے تھے۔ نہ جناب حفصہ کو بلایا کہ یہ بھی آں حضرتؐ کی زوجہ محترمہ تھیں نہ عباس کو طلب کیا جو آں حضرتؐ کے چچا تھے نہ حضرت علیؑ کو خبر دی جو آں حضرتؐ کے بھائی، داماد اور آخری وقت کے وصی تھے (کہ حضرتؐ ہی سے آں حضرتؐ نے وصیتیں بیان فرمائیں کسی اور کو اس قابل نہیں سمجھا) بلکہ اس مخبر نے سب کو چھوڑ کر صرف حضرت عمر کو آواز دی اور ''یابن الخطاب'' ہی کی صدا بلند کی اگر اس شخص نے اسلام کی ہمدردی میں ایسا کیا مسلمانوں کی بہی خواہی کی غرض سے آواز دی۔ دین رسُولؐ کی حمایت کے لئے اپنی یہ بے چینی ظاہر کی تو سب مسلمانوں سے کیوں نہیں کہا؟ آں حضرتؐ کی لاش کے پاس آ کر کیوں نہیں ذکر کر دیا؟ اپنی صورت دکھا کر اس حادثہ کی خبر کیوں نہیں کی؟ دیوار کی آڑ سے سب ارکان اسلام و اعیان خاندان رسُولؐ کو چھوڑ کر محض حضرت عمر کے پکارنے سے تو اس شبہ کی کافی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ اس شخص میں اور حضرت عمر میں پہلے ہی کوئی ایسا انتظام ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اُس نے سب کو چھوڑ کر صرف حضرت عمر کو اطلاع دی اس وقت محض حضرت عمر کے پکارے جانے اور دوسرے اعزہ مخصوصین سے چشم پوشی کر لینے کی کیا کوئی وجہ اس کے سوائے ہو سکتی ہے؟ حضرت عمر کی لاکھ حمایت کی جائے مگر اس قلیل مدت میں آپ کی سرگرمیاں ہی ایسی ہوئیں جو شکوک کا انبار لگا دیتی اور اسی رائے کو مضبوط کر دیتی ہیں کہ آں حضرتؐ کی وفات کے قبل ہی سے حضرت عمر آں حضرتؐ کی خلافت بلکہ اسلام کے کل امور کو اپنے ہی قبضہ میں رکھنے کے کل انتظامات نہایت مستعدی و کمال تدبّر اور پوری سیاست سے کر رہے تھے اور اپنی زندگی بھر آپ نے اس میں کسی کا چنگل گڑنے نہیں دیا ممکن ہے اسی غرض سے آپ نے لشکر اُسامہ کے ساتھ جانے سے پہلوتہی کی ہو۔ ممکن ہے اسی مطلب کے لئے آپ نے حضرتؐ رسول کو وصیت نامہ لکھنے سے باز رکھا ہو۔ ممکن ہے اسی مقصود کے لئے آپ نے حضرتؐ رسول کے ارشاد کو ہذیان سے نسبت دی ہو۔ ممکن ہے اسی فکر میں آپ نے حضرت رسُولؐ کی وفات سے قسم کھا کر انکار کیا ہو۔ اور اسی سبب سے وفات رسُولؐ پر آپ ہی سب سے پہلے پکارے گئے ہوں اور اسی کے لئے آپ نے حضرت رسُولؐ کا جنازہ چھوڑ کر حضرت ابو بکر کو ساتھ لے کر سقیفۂ بنی ساعدہ کا رُخ کیا ہو۔

اگر مولوی شبلی صاحب کی مذکورۂ بالا عبارت تسلیم کر لی جائے جب بھی عقل کی رو سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ دیوار کے عقب سے آواز دینے والا آدمی کون تھا؟ بعد کو اُس کا نام کیوں دریافت نہیں کیا گیا؟ محققین نے اس کا نام تحقیق کر کے

کیوں نہیں لکھا؟ حالانکہ معمولی معمولی کاموں کے آدمیوں کی تحقیق ان حضرات نے کرڈالی ہے پھر کیا اس شخص نے کوئی بُری بات کہی تھی جس سے اس کا نام صیغۂ راز میں رکھا گیا؟ یا کسی سازش کمیٹی کا وہ شخص ممبر تھا؟ اس سبب سے اس کا نام پوشیدہ ہے کیوں کہ نام ظاہر ہونے سے پتہ چل جائے گا کہ وہ سازش کن لوگوں کی تھی۔ دوسرا سوال اس سے بہت زیادہ مشکل یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُس شخص نے دیوار کے پیچھے سے کیوں پکارا؟ اُس نے مجمع سے کیوں شرم کی؟ وہ اس مقام کے حاضرین کو اپنی صورت دکھانے سے کیوں ڈرا؟ جب وہ آں حضرتؐ کے مکان کے پاس پہونچ گیا تھا تو سب کے سامنے کیوں نہیں چلا گیا کہ ہر شخص اُس کو دیکھ کر پہچان لیتا اور اُس کی تردد خیز خبر پر مطلع ہوجاتا؟ تیسرا سوال اور زیادہ صعب ہے کہ جس جگہ حضرت ابوبکر وعمر تھے وہیں حضرت علیؑ وعباس و دیگر ارکان بنی ہاشم اور دوسرے مہاجرین بھی تھے۔ پھر اس محکمۂ راز کے آدمی نے خاص کر حضرت عمر کو کیوں پکارا؟ حضرت علیؑ کو کیوں نہیں آواز دی؟ حضرت عباس کو کیوں نہیں آواز دی۔ دوسرے مہاجرین کو کیوں نہیں بُلایا؟ عام طور پر کیوں نہیں کہا یایھا النّاس اخرجوا الیّ اے لوگو ذرا باہر چلے آؤ نئی مصیبت نازل ہوگئی ہے۔ چوتھا سوال اور زیادہ دشوار ہے کہ اس محکمۂ راز کے آدمی کی صرف بیرون پردہ آواز پر خود حضرت عمر جانے کے لئے آمادہ کیوں ہوگئے؟ اس کا نام کیوں نہیں دریافت کیا؟ اس کو اپنے پاس کیوں نہیں بلایا؟ کہ وہاں اس سے مُفصّل حالات دریافت کر لیتے اور عام حاضرین کے مشورے سے کوئی کارروائی کی جاتی ہم تو برابر دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی چیز کی آڑ سے کسی کو پکارتا یا اس سے کچھ کہتا ہے تو سُننے والا پہلے گھبراتا اور تعجب کرتا ہے کہ یہ کون شخص ہے، پاس کیوں نہیں آتا، صورت کیوں نہیں دکھاتا، وہاں سے کیوں پکارتا ہے، چھپ کر یہ خبر کیوں بیان کر رہا ہے، سامنے کیوں نہیں آتا اور اس پکارنے والے کے جواب میں بے ساختہ اس سے کہتا ہے کہ ''تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ وہاں سے کیوں چیختے ہو؟ یہاں آ کر کیوں نہیں بیان کرتے؟ پانچواں سوال اس سے بھی بڑھا ہوا ہے کہ ''صیغۂ راز کے آدمی'' کی خبر پہ حضرت عمر تنہا کیوں نہیں گئے؟ اس نے تو صرف آپ کو بلایا تھا کسی اور کو ساتھ لے جانے کے لئے نہیں کہا پھر آپ نے کسی کو اپنے ساتھ لے جانے کی ضرورت کیوں محسوس کی؟ چھٹا سوال اس سے بھی زیادہ اہم ہے کہ اگر حضرت عمر نے کسی شخص کو ساتھ لے جانا ضروری سمجھا تو کسی اور صحابی پر نظر انتخاب کیوں نہیں پڑی؟ حضرت ابوبکر کو رسُولِ خدا کے جنازے کی تجہیز وغیرہ خدمات انجام دینے کے لئے کیوں نہیں چھوڑ گئے اور کسی دوسرے شخص کو ساتھ کیوں نہیں لے گئے؟ غرض صرف حضرت عمر کے تنہا نہ جانے اور حضرت ابوبکر کے علاوہ کسی کو نہ لے جانے میں کیا راز تھا؟ مگر اصح الکتب بعد کلام الباری یعنی صحیح بخاری میں خود حضرت عمر کا وہ بیان موجود ہے جو واضح کرتا ہے کہ حضرت عمر کو نہ کسی نے اشارہ کیا نہ کسی نے ڈرایا نہ کوئی خبر پہنچی بلکہ آپ خود ہی حضرت ابوبکر کو لے کر وہاں پہنچ گئے ممدوح حضرت ابوبکر کی بیعت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وانه قد کان من خبرنا حین توفی الله نبیّه ان الانصار خالفونا واجتمعو اباسرهم فی سقیفة بنی ساعده وخالف عنا علی والزبیر و من معهما واجتمع المهاجرون الی ابی بکر فقلت لا بی بکر یا ابا بکر انطلق بنا الیٰ اخواننا هٰولاء من الانصار فانطلقنا نرید هم۔ فلما دنونا منهم یقیناً منهم رجلان صالحان فذکر اماتمالأ علیه القوم۔ فقال این تریدون یا معاشر المهاجرین فقلنا نرید اخواننا هٰولاء من الانصار فقال لاعلیکم الّا تقربوهم۔ اقضوا امرکم فقلت والله لنا تینّهم فانطلقنا حتیٰ اتینٰهم فی سقیفة بنی ساعده۔ (صحیح بخاری، پارہ ۲۸، ص ۳۶۶، کتاب محاربین باب رجم الحبلیٰ)

ہماری سرگذشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اُٹھالیا تو انصار نے قاطبۃً ہماری مخالفت کی اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور علی وزبیر اور اُن کے دوسرے ساتھیوں نے بھی مخالفت کی اور مہاجرین حضرت ابو بکر کے پاس جمع ہوئے تو میں (حضرت عمر) نے حضرت ابوبکر سے کہا اے ابوبکر آؤ ہم لوگ ان انصاری بھائیوں کے پاس چلیں (حضرت ابوبکر نے ذرّہ برابر بھی تامل نہیں کیا فوراً آمادہ ہو گئے) ہم دونوں انصار کے پاس جانے کے ارادے سے روانہ ہو گئے جب ہم ان کے قریب پہنچے تو انھیں (انصار) کے دو نیک آدمی ہمیں ملے اور اس امر کو بیان کیا جس کا ارادہ انصار نے اس وقت کرلیا تھا پھر ان دونوں نے ہم لوگوں سے دریافت کیا کہ اے گروہ مہاجرین تم کہاں جاتے ہو؟ ہم دونوں نے جواب دیا کہ قبیلہ انصار کے اُن بھائیوں سے ملنا چاہتے ہیں ان دونوں نے کہا نہیں ایسا نہ کرو یعنی اُن کے پاس نہ جاؤ تم لوگ اپنے معاملہ کو خود ہی طے کرلو۔ میں نے جواب دیا خدا کی قسم ہم لوگ ضرور اُن کے پاس جائیں گے غرض ہم لوگ چلے گئے یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ان لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔

ان دونوں روایتوں سے پہلی تو پکار کر کہتی ہے کہ خلافت کے متعلق وفات رسولؐ سے پہلے کوئی گہری سازش تھی اور ہر طرف آدمی لگے ہوئے تھے کہ جہاں کوئی بات ہو فوراً اس کی خبر ان لوگوں کو کی جائے اور دوسری روایت بتاتی ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر پہلے ہی سے طے کر چکے تھے کہ خلافت اپنے ہی قبضہ میں رکھی جائے اور کسی کو اس میں شریک نہ کیا جائے کیوں کہ اگر ان لوگوں کا یہ مقصود نہیں تھا تو وہ کیا بات تھی جس کے بارے میں حضرت عمر کہتے ہیں کہ انّ الانصار خالفونا انصار نے ہماری مخالفت کی۔ کس امر میں مخالفت کی؟ جب کوئی بات تھی ہی نہیں تو انصار کے ارادے کو حضرت عمر نے اپنی مخالفت سے تعبیر کیوں کیا؟ کسی کی مخالفت تو اُسی جگہ بولی جاتی ہے جہاں کوئی شخص پہلے سے کوئی بات چاہتا ہو یا کسی مقصود کو طے کر چکا ہو اور دوسرا

شخص ویسا نہ چاہے۔ اگر کسی امر کے متعلق ہم لوگوں کی کوئی ذاتی خواہش نہ ہو اور دوسرے لوگ کسی بات کا ارادہ کریں تو اس جگہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خالفونا اُنھوں نے ہماری مخالفت کی بلکہ یہ کہیں گے ارادوا اُنھوں نے یہ چاہا مگر حضرت عمر صاف کہتے ہیں انّ الانصار خالفونا انصار نے ہماری مخالفت کی خالف عنّا علی والزبیر حضرت علیؑ وزبیر نے بھی ہماری مخالفت کی جس کا مطلب ہر شخص یہی سمجھے گا کہ حضرت عمر وابوبکر سے پہلے کسی بات کا ارادہ کر چکے تھے یا وہ قبل ہی سے کسی آرزو میں پڑ چکے تھے یا وہ پہلے سے کسی امر کی کوشش کر رہے تھے مگر انصار اور حضرت علیؑ وزبیر نے ان کا ساتھ نہیں دیا اس وجہ سے وہ ان سب لوگوں کو اپنا مخالف کہنے لگے۔

مولوی شبلی صاحب پوچھتے ہیں:

"(۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا۔ (۲) کیا یہ لوگ اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔" (الفاروق ص ر ٦٦)

ان دونوں سوالوں کا جواب صحیح بخاری کی اس عبارت میں موجو ہے جس کو مولوی صاحب موصوف نے بھی (الفاروق ص ر ٦٨) میں نقل کیا ہے اس روایت کو سامنے رکھ کر بچے بھی کہہ دیں گے کہ بیشک خلافت کا سوال حضرت عمر ہی نے چھیڑا تھا اور یقیناً یہ لوگ اپنی خواہش ہی سے سقیفہ میں گئے تھے۔

بہر کیف ان دونوں روایتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر کو اسلام کے اس حادثہ کا کہ سردار دو عالمؐ کا سایہ اُٹھ رہا ہے کچھ بھی خیال نہ تھا اور فکر تھی تو صرف خلافت کی بلکہ تمام مسلمانوں میں صرف انھیں دو بزرگوں کو خلافت کی سب سے زیادہ بے چینی تھی اور غالباً وفات رسولؐ کے بہت پہلے سے تھی۔

اگر یہ شبہ ہو کہ ان دونوں بزرگوں کو اپنے ذاتی منفعت کے لئے نہیں بلکہ محض اسلام کی ہمدردی اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے سبب سے اس کی فکر تھی تا کہ اس امت میں افتراق واختلاف نہ پیدا ہو، فتنہ وفساد کا بازار نہ گرم ہو اور مذہب حق کی قوت نہ منتشر ہو جائے جیسا کہ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع وفزع اور گریہ وزاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے اور ایک منتظم حالت قائم ہو جائے۔ (الفاروق ص ر ٧٣) تو اسکے متعلق معمولی عقل بھی فوراً کہہ دے گی کہ کسی چیز کا جدید انتظام اس وقت کیا جاتا ہے جب پہلے ہی سے اس کا انتظام نہ ہو۔ لیکن جس مسئلے کو بہت پہلے سے طے کر دیا گیا ہو اُس کے خلاف جدوجہد یا سازش کرنا انتظام نہیں کہا جا سکتا بلکہ بغاوت سمجھا جاتا ہے۔ اگر خود خدا اور رسولؐ نے خلافت کا انتظام بہت پہلے ہی سے نہ کر دیا ہوتا تب مسلمانوں کو اس کی کوشش کا موقع تھا لیکن تاریخ وحدیث

کے ذخیرے بتاتے ہیں کہ خدا و رسولؐ اپنے فرض سے کبھی غافل نہیں رہے اور اُنھوں نے اس اہم خدمت ارشاد و ہدایت میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ ایسی حالت میں خلافت کا جدید انتظام کرنے والے درحقیقت انتظام خدا و رسولؐ کے درہم و برہم کرنے والے قرار پائیں گے۔ مولوی شبلی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں ''حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں اُن میں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اُنھیں بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔'' (الفاروق ص ۱۷)

اب سوال یہ ہے کہ وہ فتنے کہاں اور کیوں کر اُٹھے؟ کیا ان فتنوں کے اٹھانے والے حضرت ابوبکر و عمر کے علاوہ بھی کچھ لوگ تھے؟ تاریخ و حدیث سے اس کا بالکل ثبوت نہیں ملتا۔ اگر کہا جائے کہ انصار نے یہ فتنے اُٹھائے تو قطعاً غلط ہے۔ [۱]

حضرت رسولؐ خدا نے تو آغاز اسلام ہی میں حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنا کر عام اعلان کر دیا تھا اور اپنی زندگی میں کبھی اس حکم کو منسوخ نہیں فرمایا اس وجہ سے خدا و رسولؐ کے انتظام سے حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے خلیفہ بلا فصل ۴ سنہ بعثت ہی سے تھے۔ اسلام کا یہ روشن واقعہ ہے کہ جب ۴ سنہ بعثت میں آں حضرتؐ پر خدا کا یہ حکم نازل ہوا وانذر عشیرتك الاقربین اے رسولؐ تم اپنے رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔ (پ/ ۱۹، ع/ ۱۰/ ۱۱)

تو حضرتؐ نے دعوت کا سامان کیا اور مکہ والوں کو جمع کر کے فرمایا، بھائیو! میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی

۱۔ تاریخ و حدیث کے صفحات پر واضح لفظوں میں خود حضرت عمر کے بیانات موجود ہیں جن سے ہر شخص آسانی سے فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہ سارے فتنے حضرت عمر و ابوبکر کے اُٹھائے ہوئے تھے۔ عبداللہ ابن عباس اور حضرت عمر کے بہت سے مکالمے مورخین کے نزدیک کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر اور ابن عباس میں یہ گفتگو ہوئی۔ حضرت عمر نے ابن عباس سے پوچھا اپنے چچا کے بیٹے کو کس حال میں چھوڑا؟ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں سمجھا عبداللہ بن جعفر کے متعلق پوچھ رہے ہیں میں نے کہا کہ میں نے انھیں اُن کے ہم سنوں میں چھوڑا۔ حضرت عمر بولے میں اُنھیں نہیں پوچھتا میری مراد تم اہلبیتؑ کے راس و رئیس بزرگ سے ہے۔ ابن عباس نے جواب دیا میں نے اُنھیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ ڈول کھینچتے جاتے تھے اور قرآن کی تلاوت جاری تھی۔ حضرت عمر نے کہا اے ابن عباس سچ سچ بتاؤ کیا اب بھی وہ یہی کہتے ہیں کہ رسولؐ نے ان کو خاص خلیفہ مقرر کیا ابن عباس کہتے ہیں کہ میں آپ کو اس سے زیادہ بتاتا ہوں۔ میں نے اپنے والد ماجد (جناب عباس) سے حضرت علیؑ کے اس دعوے کے متعلق (یعنی یہ کہ رسولؐ نے اُنھیں خود خلیفہ مقرر کیا) دریافت کیا انھوں نے فرمایا کہ ہاں وہ سچ کہتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا رسولؐ علیؑ کے متعلق ایسی ہی مبالغہ کی باتیں کیا کرتے تھے جن کا حجّت ہونا ثابت نہیں اور نہ وہ ثبوت میں پیش کئے جانے کے قابل ہیں، رسولؐ اللہ علیؑ کے متعلق وقتاً فوقتاً ایسی مبالغہ کی باتیں کہہ کر اُمّت والوں کو جانچتے تھے کہ علیؑ کو خلیفہ بنانا پسند کریں گے کہ نہیں۔ رسولؐ اللہ نے بستر مرگ پر چاہا بھی کہ علیؑ کا نام لے کر اپنے جانشین کی تصریح کر دیں میں رکاوٹ بن گیا اور میں نے رسولؐ کو ایسا کرنے نہ دیا (امام ابوالفضل احمد بن ابی طاہر کی تاریخ بغداد اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد/ ۲، ص/ ۹۷)

لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اس دین کی طرف بلاؤں۔اب تم بتاؤ تم میں سے کون شخص اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا تاکہ وہی میرا بھائی میرا وصی (قائم مقام) اور میرا خلیفہ مقرر ہو جائے اس کا کسی نے جواب نہیں دیا البتہ حضرت علیؑ نے فرمایا میں حاضر ہوں، میں آپؐ کا بوجھ اٹھاؤں گا۔اس پر حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اور لوگوں کو دکھا کر فرمایا کہ یاد رکھو یہی علیؑ میرے بھائی، میرے وصی اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں تم سب لوگ ان کا حکم مانتے اور ان کی اطاعت کرتے رہنا[۱]۔حضرت رسول خداؐ کا یہ قدیم انتظام خلافت ایسا واضح تھا کہ ہر شخص کو اس کی خبر تھی اور سب جانتے تھے کہ حضرت رسولؐ نے جس طرح سب کو خدا کی عبادت کی طرف بلایا اسی طرح اپنی اور اپنے خلیفہ بلافصل حضرت علیؑ کی اطاعت کا حکم بھی دے رکھا ہے اسی وجہ سے وفات رسولؐ پر آنحضرتؐ کے چچا جناب عباس نے حضرت علیؑ سے کہا ابسط يدك ابايعك فيقال عم رسول الله بايع ابن عم رسول الله اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں تمہاری بیعت کرلوں کہ سب کہیں رسولؐ کے چچا نے تو حضرت علیؑ کی بیعت کی ہے اُس پر حضرت علیؑ نے اُن کو جواب دیا ومن يطلب هذا الامر غيرنا ہمیں چھوڑ کر اس خلافت کا دعویٰ اور کون کرسکتا ہے؟ (کتاب الامامت و السیاست طبع مصر، ص/۶) اور جب حضرت علیؑ پر ان لوگوں نے دباؤ ڈالا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کر لیجئے تب بھی حضرت انکار کر کے یہی کہتے رہے علاّمہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے:۔

ان علیًا کرّم الله وجهه اتی به ابوبکر وهویقول انا عبد الله و اخوا رسوله فیقول له بایع ابابکر فقال انا احق بهذا الا مر منکم لا ابایعکم وانتم اولیٰ بالبیعة لی۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ، ص/۱۸)

جب حضرت علیؑ ابوبکر کے پاس لائے گئے تو فرماتے تھے میں خدا کا بندہ اور رسولؐ کا بھائی ہوں۔حضرتؑ سے کہا گیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت کر لیجئے تو حضرتؑ نے جواب دیا میں خلافت کا زیادہ حقدار ہوں میں تم لوگوں کی بیعت نہیں کرسکتا بلکہ تم لوگوں ہی کا فرض ہے کہ میری بیعت کرو۔

بس یہی بات انصار بھی کہتے تھے کہ ہم حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بھی بیعت نہیں کریں گے جس کو معتبر ترین مؤرخین اسلام نے صاف طور پر لکھ دیا ہے مثلاً علامہ طبری لکھتے ہیں۔فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبا بیع الّا علیًا قبیلہ انصار کے کل یا بعض لوگ کہتے تھے کہ ہم حضرت علیؑ کے سوائے کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔(تاریخ طبری، جلد/۳، ص/۱۹۸)

۱۔ تاریخ طبری جلد/۲، ص/۲۱۶ و کامل جلد/۲، ص/۲۲، و ابوالفدا، جلد/۱، ص/۱۱۶، وحبیب السیر، جلد/۱، جزو ۳، ص/۱۶، تفسیر طبری، جلد/۱۹، ص/۶۷، معالم التنزیل، ص/۶۶۳، خازن، جلد/۳، ص/۳۷۳، مسند احمد، جلد/۱، ص/۱۵۳، و ازالۃ الخفا مقصد/۲، ص/۲۵۴، و کنز العمال، جلد/۶، ص/392 وغیرہ۔

اب نتیجہ پیدا کر لینا آسان ہے کہ ان فتنوں کو نہ انصار نے اٹھایا نہ بنی ہاشم نے اُبھارا یہ لوگ تو حضرت رسولؐ کے غم میں جزع وفزع اور گریہ وبکا کر رہے تھے البتہ ان فتنوں کے بانی وہی لوگ کہے جاسکتے ہیں جن کو رسولؐ کی زندگی ہی سے یہ خوف تھا کہ کہیں حضرتؐ قلم ودوات لے کر اس خلافت کے متعلق تحریر بھی نہ دے دیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی خیریت اسی میں تھی کہ اسی وقت خلافت کا انتظام کر لیا جاتا ورنہ اسلام مٹ جاتا، یہ دین مبین تباہ و برباد ہو جاتا، اس میں خانہ جنگی پیدا ہو جاتی۔ وہ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ کیا اسلام کا درد صرف حضرت ابوبکر وعمر ہی کو تھا؟ باقی کل اہل اسلام اس دین کی ہمدردی سے خالی تھے؟ کیا سب اسلام کی بربادی پسند کرتے تھے؟ کیا حضرت رسولؐ خدا کے چچا جناب عباس سے بھی زیادہ حضرت ابوبکر وعمر کو اسلام کی فکر تھی؟ اگر ایسا ہی تھا تو یہ بھی بتانا چاہئے کہ اس کی وجہ کیا تھی؟ خلافت کے انتظام کی غرض سے اور کسی نے تگ ودو کیوں نہیں شروع کی اور خاص یہی حضرات کیوں اس کے لئے تڑپتے رہے؟ کیا ان حضرات کو خدا اور رسوؐل نے امور اسلام کا ذمہ دار بنا دیا تھا؟ لیکن اگر یہی باتیں ہوتیں تو حضرت رسولؐ خدا اپنے انتقال سے پہلے اس کی شدید کوشش کیوں فرماتے کہ یہ لوگ اس وقت مدینہ میں ٹھہرنے ہی نہ پائیں اور اسامہ کے ماتحت ہو کر مدینہ سے بہت دور بلکہ ملک عرب سے بھی باہر چلے جائیں۔

یہ عجیب تماشا ہے کہ اُنھیں اُٹھتے ہوئے فتنوں کے خوف سے جب حضرت رسولؐ خدا آخر وقت میں فرمائیں کہ قلم و داوات لاؤ میں تم لوگوں کو نوشتہ دے جاؤں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہیں ہو گے تو اس وقت شور کیا جائے کہ حسبنا کتاب اللہ ہمیں خدا کی کتاب بس کرتی ہے مگر رسولؐ کے انتقال پر جب وہ فتنے (جن کے روکنے کے لئے رسولؐ نے وہ وصیت نامہ لکھنا چاہا تھا) اُٹھنے لگے تو وہ قول حسبنا کتاب اللہ بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور کوئی شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ خلافت اور خلیفہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کتاب خدا ہمارے پاس موجود ہے وہ ہمیں بس کرتی ہے حضرت رسولؐ خدا ہر فتنہ کا سدِّ باب بھی کرتے رہتے تھے جب حضرتؐ کو اپنی وفات کا یقین ہو گیا تو حضرتؐ کے پیش نظر وہ کل فتنے ہو گئے جو آپؐ کے بعد اسلام میں پیدا ہونے والے تھے اور حضرتؐ کو اپنے جن صحابیوں پر اطمینان تھا اُن کو بطور اشارہ ان فتنوں سے باخبر بھی کر دیا تھا خود صحیح بخاری میں ہے:۔

عن اسامہ بن زید قال اشرف النبیؐ علی اطم من اطام المدینة ثم قال هل ترون ما اری مواقع الفتن خلال بیوتکم۔

(صحیح بخاری پارہ ص/ ۴۸۸، باب الفرقہ کتاب اللغط)

اسامہ بن زید بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت رسول خداؐ مدینہ کے ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ کر فرمانے لگے کیا تم لوگ فتنہ وفساد کی اُن جگہوں کو دیکھتے ہو جنھیں میں دیکھتا ہوں وہ سب تم صحابہ ہی کے گھروں

میں ہیں۔

عقل اورنقل سب کا اتفاق اس امر پر ہے کہ امت اسلام کی آبادی، استحکام وترقی نیز مسلمانوں کی ہدایت وحفاظت کا خیال حضرت ابوبکر وعمر سے لاکھوں درجہ زیادہ خدا اور رسولؐ کو ہونا چاہئے پس جن فتنوں کے دبانے کے لئے حضرت ابوبکر وعمر نے یہ کارروائیاں کیں اُن کا انتظام خدا اور رسولؐ کو کرنا زیادہ مناسب تھا۔اس لئے کہ اسلام کے بانی اور موجد بھی یہی دونوں ذاتیں تھیں بلکہ رسولؐ سے بھی زیادہ خدا کو اس کی تدبیر کرتی تھی اس لئے کہ رسولؐ کو بھی خدا ہی نے بھیجا تھا اور اسلام کو بھی اسی نے اپنا پسندیدہ دین قرار دیا تھا۔ان وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ اس مذہب کی جس قدر محبت خدا کو ہوگی حضرت ابوبکر وعمر کو نہیں ہوسکتی۔ اسی سبب سے آں حضرتؐ کے بعد جو فتنے پیدا ہونے والے تھے ان کا انتظام بھی خدا کے متعلق تھا نہ اوروں کے ذمہ،اور ایسا ہی خدا نے کیا بھی کہ آں حضرتؐ کی زندگی ہی میں حضرتؐ کا خلیفہ مقرر کرکے اس فرض سے سُبک دوش ہوگیا تھا۔ یہ بھی کُھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا خود سے رسول نہیں بن گئے، اپنے کسی یار کی بیعت سے پیغمبر نہیں ہوئے اپنی پارٹی والوں کی رائے مشورے سے ثبوت کے درجہ پر فائز نہیں ہوئے، دنیا کے لوگوں نے اپنے انتخاب سے حضرتؐ کو اپنا پیشوا نہیں بنایا تھا بلکہ خود خدا نے آپ کو کافہ ناس کی ہدایت وارشاد کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔تو حضرتؐ کے خلیفہ اور وصی کا انتخاب بھی لوگوں کے اختیار میں نہیں ہونا چاہئے بلکہ یہ بھی خاص خدا ہی کا کام تھا کیوں کہ جس طرح پیغمبرؐ کی شان دنیوی بادشاہ امیر اور حاکم سے علیحدہ ہے کہ بادشاہ صرف دنیا کا انتظام کرنے اور عالم کا امن قائم رکھنے کے لئے ہوتا ہے اور نبی یا رسول لوگوں کی دنیا ودین (دونوں) کی اصلاح وارشاد وہدایت کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح رسولؐ کے خلیفہ اور امام کی حالت بھی دنیا کے سلاطین اور سرداروں سے جدا ہے کہ یہ لوگ محض دنیا کی حالت درست کرنے کے لئے مقرر ہوتے ہیں اور خلیفہ یا امام ان لوگوں کی دنیا ودین کی حالت بہتر رکھنے، اس کی حفاظت کرنے اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لئے معیّن ہوتے ہیں علاوہ بریں دنیوی بادشاہ صرف جسم اور ظاہری حالت کا حاکم ہوتا ہے اور نبی یا رسول انسان کی روح وباطن کا ہادی ہوتا ہے۔اس وجہ سے دنیوی بادشاہ کا جانشین ان لوگوں کے ذریعہ سے مقرر ہوسکتا ہے جنھوں نے خود بادشاہ کو بادشاہ بنایا۔اسی طرح رسول ونبی کا قائم مقام بھی اسی ذات کے مقرر کرنے سے ہوسکتا ہے جس نے خود نبی یا رسول کو مبعوث فرمایا اور وہ خدا ہی ہے کوئی اور نہیں ہوسکتا۔مختصر یہ کہ جس طرح آدمیوں کے مقرر کرنے سے کوئی شخص نبی یا رسول نہیں ہوسکتا بالکل اُسی طرح انسان کے انتخاب سے کوئی شخص نہ خلیفۂ رسول ہوسکتا ہے اور نہ امام زمانہ یہی عقل کا حکم ہے اور یہی خدا کا بھی فیصلہ جس کو اُس نے قرآن مجید کی متعدد آیات میں واضح طور پر بیان فرما دیا ہے ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ○ (پارہ ۲۲، سورۂ احزاب، ع ۲/۵)

جب اللہ اور اس کے رسولؐ کسی بات کو طے کر دیں تو پھر کسی مومن یا مومنہ کو اس کا اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے امور کے لئے کسی کا انتخاب کرے اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کرتے ہیں وہ گمراہی میں پڑتے ہیں۔

اور ایک جگہ فرماتا ہے:۔

وربك يخلق مايشاء يختار وماكان لهم الخيرة سبحان الله وتعالى عمّا يشركون۔ (پارہ ۲۰، سورہ قصص، رکوع ۱۰/۷)

اور اے پیغمبر تمھارا پروردگار ہی جن لوگوں کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور ان میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے، انتخاب کرنا لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے یہ لوگ جو خدا کے کاموں میں شریک کرنا چاہتے ہیں اللہ کی ذات اس سے پاک اور بہت بلند ہے۔

ان آیتوں سے واضح تر فیصلہ اور کیا ہوتا جس سے خدا مسلمانوں کو یہ بتا دیتا کہ خلیفہ اور امام کا مقرر کرنا اہل اسلام کے اختیار کی بات نہیں بلکہ خاص خدا کا کام ہے جس میں نہ وہ کسی کو شریک کرتا ہے اور جسے نہ وہ کسی پر چھوڑتا ہے۔ اب جو لوگ خدا کا اختیار اس سے چھین کر خود کسی شخص کو خلیفہ مقرر کرتے ہیں وہ درحقیقت خدائی کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں (ممکن ہے کہ خدا نے اسی وجہ سے ان کو مشرک قرار دیا اور اُن کی صریح گمراہی کا اعلان فرما دیا ہے) اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یقین ہو جائے کہ یہ آیتیں بحث خلافت کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہیں اور کسی شخص کو اس کے متعلق ایک حرف بھی بولنے کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی ہے۔

یہ تو خلافت کے متعلق خدا کا قولی حکم تھا اب اس کا طرز عمل یعنی عملی اصول بھی دیکھئے۔ خداوند عالم دنیا میں لوگوں کی ہدایت و اصلاح معاش و معاد کے لئے ہمیشہ انبیاء و مرسلین کو بھیجتا رہا تاکہ کسی قوم کی کوئی حُجّت خدا پر قائم نہ ہو اور جس طرح حضرت رسولؐ خدا کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری تھا بعینہ اسی طرح حضرتؐ کے قبل جس قدر انبیاء و مرسلین آئے ہیں اُن کے انتقال پر بھی اُن کی امّتوں کے لئے کسی نہ کسی خلیفہ کی شدید ضرورت تھی کیوں کہ جو غرض انبیاء و مرسلین کے مبعوث ہونے کی ہوتی ہے تقریباً وہی اُن کے خلیفہ کے منصوب ہونے کی بھی ہے۔ انبیاء و مرسلین ایک مذہب قائم کرتے ہیں یا کوئی دین لاتے ہیں اور لوگوں کی ہدایت و اصلاح کی راہ نکالتے ہیں اور جو لوگ اُن کے خلیفہ ہوتے ہیں وہ اُن کے بعد اُن کے مذہب کی حفاظت کرتے ہیں اُن کے دین کو پھیلاتے اور اُن کی راہ کو برقرار رکھتے ہیں پس اگر خدا کے لئے انبیاء و مرسلین کا بھیجنا ضروری

ہے تو اُن کے خلیفہ کا انتظام کرنا بھی اسی کا فرض ہے ۔اب دیکھئے کہ سابق انبیاء ومرسلین کے بعدان کی شریعت کے قائم رکھنے اور اُن کے دین کی بقاء وحفاظت کے لئے خدا کا کیا اصول رہا ہے؟ کیا اُس نے سابق انبیاء ومرسلین کی امتوں کو آزادی دے دی تھی اور اس امر میں مختار کر دیا تھا کہ وہ خود اپنے میں سے جس شخص کو چاہیں اپنا مذہبی پیشوا، دینی سردار اور اپنے رسُول کا خلیفہ، وصی، نائب، قائم مقام مقرر کرلیں ۔ یا خدا نے خود ہی ہر نبی یا رسول کا خلیفہ بھی مقرر کر کے اس نبی یا رسول سے اس کا اعلان کرا دیا تھا۔

عقل تو یہی کہتی ہے کہ جب خدا نے سابق انبیاء ومرسلین کا انتخاب آدمیوں پر نہیں چھوڑا یعنی اس زمانے کے لوگوں کو اس کا اختیار نہیں دیا کہ ہدایت وارشاد کے لئے وہ خود کسی کو خدا اور رسُول یا اللہ کا نبی مقرر کرلیا کریں (بلکہ اس فرض کو خدا نے اپنے ہاتھ میں مخصوص رکھا) تو اُن کے جانشینوں کا انتظام بھی وہ آدمیوں پر نہیں چھوڑ سکتا تھا اس لئے کہ اگر آدمیوں کے لئے جائز ہوتا کہ کسی نبی کا خلیفہ وہ خود اپنے انتخاب سے مقرر کرلیں تو نبی یا رسول کا مقرر کرنا کیوں اُن کے لئے ناجائز ہوتا؟ واضح ہے کہ پیغمبر بھی انسان کی دنیوی و دینی ہدایت کے لئے آتا ہے اور اس کا خلیفہ بھی اس کی دینی و دنیوی ہدایت کے قائم رکھنے اور اس کی حفاظت ہی کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ ''خلافت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جانشینی یا قائم مقامی کے ہیں لیکن جانشینی کا مفہوم صرف جگہ پر بیٹھ جانا نہیں ہے بلکہ جانشینی بہ حیثیت عہدہ، بہ حیثیت منصب، بہ حیثیت فرائض، بہ حیثیت اخلاق واعمال اور بہ حیثیت مراتب وکمال ہوتی ہے۔

ایک شاعر کا جانشین شاعر، طبیب کا جانشین طبیب، قاضی کا جانشین قاضی اور وکیل کا جانشین وکیل ہوا کرتا ہے۔ ایک شاعر کی جگہ حکیم اور حکیم کی جگہ قاضی اور قاضی کی جگہ وکیل سے پُر نہیں ہوسکتی بلکہ ایک ہی نوع میں صنف کے بدلنے سے بھی خصوصیت مختلف ہو جاتی ہے یعنی خود شعراء میں مرثیہ گو کا جانشین غزل گو اور غزل گو کا جانشین قصیدہ گو نہیں سمجھا جاسکتا چہ جائیکہ شاعر کی جگہ لوہار اور قاضی کی جگہ معمار جانشین سمجھا جائے ۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ حقیقتاً وہ ہے جو اپنے کمالات اور خصوصیات میں اپنے پیش رو کے کمالات وخصوصیات کا زیادہ شریک وحصہ دار ہو۔اور انبیاء ومرسلین کے کمالات وخصوصیات میں سب سے اہم جزو یہی ہے کہ وہ خاص خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں انسانی انتخاب وتجویز کی اس میں ذرّہ برابر بھی شرکت نہیں ہوتی پنچائت سے کبھی کوئی شخص نبی یا پیغمبر نہیں ہوا تو خلیفہ میں بھی سب سے اہم جزو یہی ماننا پڑے گا وہ خاص خدا کا مقرر کیا ہوا ہوتا ہے اور آدمیوں کی رائے مشورہ یا پنچائت یا استخلاف یا انتخاب یا تجویز کی اس میں ذرہ برابر شرکت نہیں ہوسکتی۔

اس نظریہ کے ماتحت ہمارے سامنے قدرتاً یہ تنقیح پیش ہوتی ہے کہ حضرت رسول خداؐ کی حیثیت ایک دنیوی بادشاہ کی سی تھی یا ایک معلّم روحانی کی یعنی حضرتؐ کا مقصود کوئی حکومت وسلطنت قائم کرنا تھا یا لوگوں کے اخلاق کو درست کرنا، ان میں انسانی خوبیاں پیدا کرنا، ان کو روحانی کمالات سے آراستہ کرنا اور اُن کو مذہب حق کا پابند کرنا۔ظاہر ہے کہ حضرتؐ کسی سلطنت کی

بنیاد نہیں رکھ رہے تھے بلکہ ایک قوم بنا رہے تھے جو انسانیت و اخلاق کے جوہر سے آراستہ ہو اور بجائے تیر، تلوار، نیزے کے اپنے ورع و تقویٰ، اپنی خدا ترسی اور شرافت نفس سے روحانی حکومت دنیا میں قائم کرے۔ اگر آں حضرتؐ کی حیثیت صرف ایک دنیوی بادشاہ کی سی ہوتی تو بے شک حضرتؐ کی خلافت کے لئے ایک بادشاہ ہونے کی حیثیت کافی سمجھی جا سکتی تھی اور جو شخص بھی حضرتؐ کا خلیفہ مقرر کر دیا جاتا کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہ ہوتا لیکن اگر رسولؐ خدا کی حیثیت ایک بادشاہ کی سی نہ تھی بلکہ معلم روحانی پیشوائے دین، سردار دین و دنیا اور سب سے زیادہ خدا کی طرف سے مبعوث ہونے کی خصوصیت آپ میں پائی جاتی تھی تو ہم کو سمجھنا چاہیئے کہ آپ کے خلیفہ میں بھی جو شخص اس صفت سے متصف ہو وہی حضرتؐ کا خلیفہ برحق ہوسکتا ہے۔ غرض جب رسولؐ و پیغمبرؐ ایک معلم روحانی اور اسلام کے عقیدے کے مطابق خدا کا مقرر کردہ ہادی ہوتا ہے تو اس کی جانشینی کا انتظام بھی خدا ہی کا فعل ہونا چاہئے اور معلوم ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کو دنیا کے لوگوں نے اپنا ہادی اور خدا کا رسول نہیں بنایا بلکہ خود خدا نے آپؐ کو مبعوث فرمایا بالکل اسی طرح حضرتؐ کے جانشین کو بھی دنیا کے لوگ اپنی تجویز یا اجماع یا انتخاب سے مقرر نہیں کر سکتے بلکہ خدا ہی اس کو معیّن کرے گا اور وہ اپنے رسوؐل ہی سے اعلان بھی کرائے گا۔ یہ تو عقلی فیصلہ ہے اور جن فرقوں میں یہ اختلاف ہے اُن کی آسمانی کتاب قرآن مجید کی بکثرت آیتوں سے بھی یقین ہوتا ہے کہ جس طرح پیغمبروں کا بھیجنا خدا کا کام ہے اُسی طرح اُن کے قائم مقام، جانشین، وصی، خلیفہ اور امت کے امام کا مقرر کرنا بھی محض خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

پیغمبروں کے بارے میں خدا فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے خدا سے دعا کی ربنا وابعث فیھم رسولاً، اے پالنے والے تو ان لوگوں میں کوئی رسول بھیج (پارہ/۱، ع/۱۵) معلوم ہوا کہ رسوؐل کا بھیجنا صرف خدا کا کام ہے۔ دوسری جگہ خدا فرماتا ہے۔ کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم، جس طرح ہم نے تم میں سے ایک رسولؐ بھیجا۔ (پارہ/۲، ع/۲) لقد منّ اللہ المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم، یقیناً اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ اُن کے درمیان ایک رسوؐل اُنھیں لوگوں میں سے بھیجا، (پارہ/۴، ع/۸) ھوالّذی بعث فی الامیین رسولاً منھم، وہی خدا ایسا ہے جس نے جاہلوں میں انھیں میں سے ایک رسولؐ بھیجا۔ (پارہ/۲۸، سورہ جمعہ، ع/۱۱) اور خلیفہ و امام کے بارے میں بھی خدا کا یہی اصول معلوم ہوتا ہے مثلاً فرمایا: واذقال ربّك للملئكة انّی جاعل فی الارض خلیفه، اے پیغمبرؐ لوگوں سے اس وقت کا ذکر کرو جب تمھارے پالنے والے نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔ (پارہ اول، رکوع/۴) خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ اے فرشتو تم لوگ اپنے انتخاب یا پنچائت یا اجماع سے کسی کو خلیفہ مقرر کرلو نہ یہ فرمایا کہ اے فرشتو زمین کے رہنے والے آدمیوں کو میں اختیار دوں گا کہ جس شخص کو چاہیں

اپنے انتخاب یا اجماع یا پنچائت سے خلیفہ مقرر کرلیں نہ یہ فرمایا کہ انسان جس شخص کو بھی زمین پر خلیفہ مقرر کرے گا میں اس کو حق تسلیم کرلوں گا بلکہ سب صورتوں کو ترک کر کے فرماتا ہے کہ زمین پر خلیفہ میں ہی مقرر کروں گا اور میرا ہی یہ کام ہے کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔ پھر خدا نے حضرت داؤد سے فرمایا یا داؤد انا جعلناك خليفة في الارض، اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ (پارہ ۲۳، ع ۱۱) جس سے معلوم ہوگیا کہ جب دنیا آباد ہوگئی اور بے تعداد آدمی اُس میں بس گئے جب بھی خدا نے خلیفہ بنانے کا طریقہ ان آدمیوں کا اجماع یا انتخاب یا پنچائت نہیں قرار دیا نہ اس ضروری کام کو ان پر چھوڑا بلکہ اس کو اپنے ہاتھ میں رکھا۔

حضرت موسیٰؑ جب اپنی قوم کو چھوڑ کر کوہ طور پر جانے لگے اور آپ کی قوم کے لئے آپ کے جانشین کی ضرورت ہوئی تو آپ نے یہ نہیں کیا کہ اپنی امت سے کہا ہو میں تو جاتا ہوں تم لوگ جس شخص کو چاہنا اپنے انتخاب یا شوریٰ یا پنچائت سے میرا خلیفہ مقرر کرلینا اور نہ بغیر اپنے خلیفہ کا کوئی انتظام کئے ہوئے اپنی قوم کو چھوڑا کہ حضرت کی اُمت نے خود ہی کسی کو خلیفہ بنالیا ہو بلکہ (خدا کے حکم سے) حضرت نے پہلے اپنے خلیفہ کو اپنی جگہ مقرر کیا اس کے بعد کوہ طور پر تشریف لے گئے جس کا بیان قرآن مجید میں اس طرح ہے:۔

> وواعدنا موسیٰ ثلاثين ليلة واتممنا ها بعشر فتم ميقات ربه اربعين ليلة و قال موسیٰ لا خيه هارون اخلفني في قومي واصلح ولا تتبع سبيل المفسدين۔ (پارہ ۹، رکوع ۷)
>
> اور ہم نے (اپنے پیغمبرؑ) موسیٰؑ سے ۳۰ راتوں کا وعدہ کیا اور ہم نے دس راتیں اور بڑھا کر تیس راتوں کو پوری چالیس راتیں کردیں اور یوں موسیٰؑ کے پالنے والے کا وعدہ چالیس راتوں کا پورا ہوگیا۔ اور موسیٰؑ کوہ طور پر جاتے وقت اپنے بھائی ہارون سے کہتے گئے کہ میری قوم کے لوگوں میں نیابت اور جانشینی کرتے رہنا اور ان میں میل جول رکھنا اور مفسدوں کی راہ اختیار نہ کرنا۔

یہ آیت بھی قابل غور ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰؑ صرف چالیس دنوں کے لئے کوہ طور پر تشریف لے جاتے تھے پھر بھی اپنی اُمّت کو بغیر کسی سردار کے نہیں چھوڑا بلکہ خدا کے حکم سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کرلیا تب وہاں سے روانہ ہوئے [(۱)] اور خداوند عالم امام علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:

---

(۱) پھر حضرت رسولؐ خدا کو کیا حضرت موسیٰؑ کے برابر بھی اپنی اُمّت کی پریشانی اور اُن کے فتنہ وفساد کی پروا نہیں تھی کہ دنیا سے ہمیشہ کے لئے چلے گئے اور امّت اسلام کو بغیر کسی سردار یا خلیفہ کے چھوڑ دیا؟ جس کی وجہ سے حضرتؐ کے انتقال کرتے ہی مسلمانوں نے آپؐ کا جنازہ ترک کردیا اور اس جھگڑے میں مشغول ہوگئے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی مصنف تحفۂ اثنا عشریہ کے والد ماجد جناب شاہ ولی اللہ صاحب ایسے جلیل القدر عالم ومحقق نے اس

مضمون کو اچھی طرح ادا کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''چنانکہ نبوت مکتسب وجبلی نیست ہم چنیں خلافت خاصۂ پیغمبر مکتسب وجبلی نیست'' یعنی جس طرح نبوت وپیغمبری کسی کی خود محنت وکوشش کرنے سے اس کو حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ خود ہی اس میں پیدا ہوتی ہے (بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے پیغمبر کرتا ہے) اسی طرح پیغمبرؐ کی خاص خلافت بھی کسی شخص کی کوشش ومحنت سے اس کو نہیں مل سکتی اور نہ کسی شخص کے آپ ہی خلیفہ بن جانے یا لوگوں کے اس کو بنا دینے سے ہوسکتی ہے اور نہ خود ہی پیدا ہوتی ہے (بلکہ یہ بھی خدا ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ سب کو چاہتا ہے صرف وہی رسولؐ کا خلیفۂ برحق ہوتا ہے) دیکھئے کتاب ازالۃ الخفا مقصد اول، ص ر ۵۲، پھر ممدوح لکھتے ہیں وجہ دلائل عقلیہ یقین می کنم کہ آں حضرتؐ لابد خلیفہ برائے امّت خود معیّن فرمودہ است وانقیاد آں عزیز درانچہ بخلافت تعلق دارد لازم نمودہ'' یعنی عقلی دلیلوں سے ہم یقین کرتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا نے ضرور اپنی امت کے لئے خود ہی اپنا خلفیہ مقرر کر دیا تھا اور جو باتیں خلافت سے تعلق رکھتی ہیں اُن میں اس عزیز کی اطاعت وفرمانبرداری لازم کردی تھی۔ (ازالۃ الخفا مقصد اول، ص ر ۲۶۷) پھر لکھتے ہیں اور بہت خوب بلکہ نہایت قابل قدر تحریر کرتے ہیں:

''ہر کہ فن مغازی را تتبع نمودہ باشد البتہ می داند کہ آنحضرتؐ ہرگاہ برائے غزوۂ از مدینہ شریفہ سفری فرمودند شخصے را حاکم مدینہ می نمودند ام مسلمین را گاہے مہمل نہ گذاشتہ اند پس چوں کوس رحلت از دنیا نواختند غیبت کبریٰ پیش آمد آں سیرت مرضیہ خود را چرا مراعات نہ فرایند۔ اگر تامل کنی در رافت تامہ آں حضرتؐ شنذ رو ندر گذاشتن بنی آدم بعد سعی بلیغ در تربیت واصلاح آنہا نہافت وتناقص انگاری واگر بر سیرت علیہؑ آں حضرتؐ در نصب حکام وقضاۃ وتفویض ہر امرے بہ مستحق آں نظر برگماری بغیر استخلاف پدروا کرون دنیا مستنکر ومستبعد شماری۔ استقراء واکثر افراد واحوال باقیہ یکے از ادلہ خطابیہ است کہ در معرفت احکام بآں اکتفاء می تواں کرد۔ وقصص نُواب بعد برآمدن از غزوات ازاں واضح تر است کہ بر نقل شمۂ ازاں احتیاج افتد۔

دلیل رابع اگر شریعتے را کہ آں حضرتؐ برائے دفع مفاسد عالم واصلاح جہانیان بما آوردہ بہ چشم عبرت تتبع کنی شک نہ داری

درانکہ آں حضرتؐ آں مقربات کہ افراد بنی آدم را از حضیض بہمیت باوج ملکیت رساند بیان فرمودہ بعد ازاں ہر چہ حاجت بآں ناس است از آداب معیشت ومکاسُب ومعاملات وتدبیر منازل وسیاست آں ہمہ را مشروح ساختہ وہر نایا لستے کہ در آں جا بود ازاں منع وزجر نمودہ واز آں ہمہ گزشتہ تحسینیات وسد ذرائع مفاسد ودواعی اثم را بوجہ اتم مبین گردانید وہر چیزے۔

بیان کردہ از ارکان وشرط وآداب مفصل ساختہ مثل ایں حکیم دانا ومشفق مہربان عقل تجویز می کند کہ امت خود را در عین مہلکہ سپارد تدبیر اخلاص ایشاں نفرماید؟ در غزوۂ تبوک متوجہ شام شود واثارۃ قوۃ غضبیہ رومیاں کند وایشاں را تخویف نماید ونامہ بہ کسری نویسد کہ آتش غیرت بہ سبب آں بہ دماغ او سدودے از کمال رعونت خود قاصدے پیش آں حضرتؐ فرستد وقصد اہانت کند ومتنبیان مانند مسیلمہ کذاب واسود عنسی از زمین عرب برخاستہ باشد ومردم ضعیف الاسلام درپے ترویج کفر افتادہ باشد وسُوقر آں مانند عصافیر در دست مردم پراگندہ باشد بحکمت ایں حکیم دانا ورافت ایں مشفق مہربان مناسبت دارد کہ تدبیر اصلاح عالم نا کردہ وامت خود را زیر نسق خلیفہ نہ سپردہ از عالم بہ گزرد۔ (ازالۃ الخفا مقصد اول، ص ر ۲۷۳)

یعنی جس شخص نے حضرت رسولؐ کے جہادوں کے حالات اور غزوات کے انتظامات کا تتبع کیا (یعنی اُن کو تفصیل سے جانا) ہے وہ اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ حضرت رسول خداؐ جب کسی غزوہ کے لئے مدینہ شریفہ سے سفر کرتے تھے تو کسی شخص کو مدینہ کا حاکم ضرور بنا جاتے تھے۔ غرض مسلمانوں کے کاموں کو مہمل (بغیر کسی انتظام اور بغیر کسی سردار یا حاکم کی ماتحتی کے) کبھی نہیں چھوڑا پھر جب حضرتؐ دنیا سے سفر کرنے لگے اور یہاں سے آپؐ کی دائمی رخصت کا وقت پہنچا تو حضرتؐ اپنی وہ مناسب سیرت کیوں چھوڑ دیتے؟ اور کس سبب سے اس اصول کے خلاف عمل کرتے؟ آں حضرتؐ کی اس رحمت کاملہ وشفقت تامہ میں جو مسلمانوں پر تھی اگر تم لوگ غور وفکر کرو تو یقین کرلو گے کہ آں حضرتؐ کا اپنی امت کو اسی طرح پراگندہ (یعنی بغیر کسی سردار یا پیشوا کے) چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے جانا محال تھا اور اگر اس امر کو پیش نظر رکھو کہ آں حضرتؐ کے مبعوث ہونے کی اصلی غرض عالم میں امن وامان قائم رکھنا اور دنیا کی اصلاح کرنا تھی تو سمجھ لو گے کہ آں

حضرت حضرت کا بنی آدم کے درست کرنے، اُن کے مہذب بنانے، اُن کو زیورِ اخلاق سے آراستہ کرنے کے لئے اس قدر کوشش اور جد جہد کرنے کے بعد انھیں لوگوں کو بغیر کسی ہادی، خلیفہ، امام و رہنما کے مطلق العنان (بے سر کی فوج) چھوڑ جانا قطعاً خلاف عقل اور حضرت کی بعثت کے اغراض و مقاصد کے بالکل خلاف تھا۔ جس سے آں حضرت کی رسالت پر دھبّہ آتا ہے کہ آپؐ کے کاموں میں تناقض اور اختلاف رہتا تھا کہ زبان سے کچھ کہتے اور خود عمل کچھ کرتے اور کبھی کوئی کام کرتے اور کبھی اس کے خلاف عمل فرماتے۔ اور اگر تم آں حضرت کی اس سیرت و عادت پر نظر ڈالو جو حاکموں اور قاضیوں کے مقرر کرنے اور ہر شخص کو اس کی لیاقت کے مطابق کام سپرد کرنے اور ہر کام کو اس کے اہل کے حوالہ کرنے میں تھی تو تم کو ماننا پڑے گا کہ آں حضرت کا بغیر کسی شخص کو اپنا خلیفہ بنائے ہوئے دنیا سے رحلت فرمانا بالکل خلاف عقل اور قطعاً ناممکن تھا۔

آں حضرت کے انتظامات و اصول کو تفصیل سے جاننا اور اکثر افراد و احوال کا پتہ لگانا اور اس کے مطابق دوسرے افراد و احوال میں حکم کرنا بھی خطابی دلیلوں سے ایک دلیل ہے۔ جس پر احکام کی معرفت میں ہم لوگ اکتفا کر سکتے ہیں اور آں حضرت کے غزوات میں تشریف لے جانے کے بعد نائبوں کے مقرر کرنے کے واقعات اس سے واضح تر ہیں کہ ان کے کسی شمہ کے نقل کرنے کی ضرورت ہو۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شریعت کو جسے آں حضرت مفاسد عالم کے دفع کرنے اور دنیا والوں کی اصلاح کے لئے لائے تھے چشم عبرت سے دیکھو اور اس کی تفصیلات میں ڈوبو تو تم کو اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں رہے گا کہ حضرت رسُول خدا نے ان تمام خوبیوں اور ذریعوں کو واضح طور پر بیان فرما دیا تھا جن سے لوگ حیوانیت کے پست درجہ سے نکل کر فرشتوں کی صف میں داخل ہو سکتے اور اوج ملکیت تک پہنچ جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد آداب معیشت، طرز معاشرت، ذرائع معاش و معاملات و تدبیر منازل و سیاست مدن وغیرہ امور سے جس جس امر کی ضرورت پیش آتی گئی سب کو مفصل اور مشرح طور پر بیان فرما دیا اور جو بڑی اور نامناسب باتیں تھیں اُن سب سے منع فرما دیا علاوہ بریں اعمال خیر پر آمادہ کرنے کی جس قدر تدبیریں اور شر و فساد، فسق و فجور و اسباب گناہ سے روکنے کی جو صورتیں تھیں اُن سب کو بھی اچھی طرح واضح کر دیا اور ہر چیز کو بیان کر کے اس کے ارکان و شرائط و آداب کو بھی تفصیل سے بتا دیا۔ ایسے اعلیٰ درجے کے مدبر و حکیم دانا و مشفق و مہربان کے بارے میں کیا عقل اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ وہ اپنی امت کو بالکل ہلاکت اور گمراہی و تباہی کے سپرد کر دے اور اس کو جہنم سے بچانے کی کوئی کوشش نہ کر جائے۔ ایسا صاحب عقل پیغمبرؐ جو سید المرسلین تھا اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں غزوۂ تبوک کے لئے ملک شام کی طرف توجہ کر کے رومیوں کی قوت غضبیہ کو برانگیختہ اور اُن لوگوں کو اپنی ہیبت سے سخت خوف میں مبتلا کر دے اور کسریٰ کو ایسا خط لکھے جس کی وجہ سے آتش غیرت اس کے دماغ تک پہنچ جائے اور وہ اپنے انتہائی تکبر و غرور سے ایک قاصد آں حضرت کی خدمت میں روانہ کر کے حضرتؐ کی توہین کا قصد کرے اور نبوت کے جھوٹے دعویدار مثلاً مسیلمہ کذاب اسود عنسی زمین عرب سے اُٹھ کھڑے ہوں اور کمزور اسلام کے مسلمان کفر کی ترویج میں پڑ گئے ہوں اور قرآن کے سورے چھوٹے چڑیوں کے مانند لوگوں کے ہاتھوں میں پراگندہ ہوں۔ ایسے حکیم و دانا کی حکمت اور ایسے شفیق و مہربان کی رحمت کے لئے یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی امت کی ایسی تردد خیز اور متزلزل حالت میں بغیر دنیا کا انتظام کئے اور بغیر اپنی امت کو کسی خلیفہ کے سپرد کئے ہوئے دنیا سے چلا جائے؟

جناب شاہ صاحب کی اس تقریر سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت رسُول خدا نے اپنی زندگی میں خود ہی کسی کو اپنا خلیفہ بنا کر اس کا اعلان کر دیا تھا کیوں کہ یہ بات حضرت کی شان کے خلاف تھی کہ بغیر کسی شخص کے خلیفہ بنائے حضرت دنیا سے تشریف لے جاتے اور کوئی عقل حضرت کے متعلق ایسی رائے قائم نہیں کر سکتی۔ ایسی حالت میں جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر و عمر کا سقیفہ میں جانا ضروری تھا کہ خلافت کا انتظام کریں اُن کو سوچنا چاہئے کہ کیسی خلاف عقل بات وہ بیان کرتے ہیں کیوں کہ آں حضرت تو خود ہی اپنے خلیفہ کا انتظام کر چکے تھے اور وہ بھی دو چار روز قبل نہیں بلکہ شروع اسلام ہی میں جس کی تفصیل سے مسلمانوں کا بچّہ بچّہ واقف ہے کہ ۴ سنہ بعثت میں آں حضرت نے حضرت علیؑ کے بارے میں سب سے فرمادیا تھا **ھذا اخی ووصیی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا**، اے لوگو! یہ میرے بھائی، میرے وصی اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں تم سب ان کا حکم سنا کرو اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔

(تاریخ طبری، جلد/۲،ص/۲۱۷)۱۲

والّذین یقولون ربّنا ھب لنا من ازوجنا و ذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما یعنی وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ اے پالنے والے ہم کو ہماری ازواج و اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا (پارہ/۱۹، رکوع/۴) اس سے معلوم ہوا کہ امام کو بھی خدا ہی مقرر کرتا ہے انسان کسی شخص کو خلیفہ یا امام نہیں بنا سکتا وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا اور ہم ہی نے ان لوگوں کو امام مقرر کیا کہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے۔ (پارہ/۱۷، ع/۵) اللہ یجتبی الیہ من یشاء اللہ ہی جس کو چاہتا ہے انتخاب فرمالیتا ہے۔ (پارہ/۴، ع/۹ و پارہ/۲۵، ع/۳)۔ ونرید ان نمن علی الذین استضعفو افی الارض و نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین، ہمارا ارادہ رہتا ہے کہ جو لوگ اس زمین میں کمزور سمجھے گئے ان پر احسان کریں ان کو امام بنائیں اور ان کو وارث قرار دیں۔ (پارہ/۲، ع/۱۴)۔ وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا و کانو ابایاتنا یوقنون، اور ہم ہی نے اُن میں سے کچھ لوگوں کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کرتے تھے اور یہ منصب امامت اُن کو اس وقت ملا جبکہ وہ دشمنان خدا کے مظالم پر صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں پر یقین کئے رہے۔ (پارہ/۲۱، ع/۱۶)۔ حد ہوگئی کہ حضرت موسیٰؑ کے لئے وزیر کی ضرورت ہوئی تو آپ بھی باوجود یکہ پیغمبر اولی العزم میں سے تھے خود یہ عہدہ کسی کو نہیں دے سکے بلکہ خدا ہی نے آپ کے لئے وزیر بھی مقرر کیا، فرماتا ہے ولقد اٰتینا موسیٰ الکتب وجعلنا معہ اخاہ ھارون وزیرا، البتہ ہم ہی نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور ہم ہی نے اُن کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنایا۔ (پارہ/۱۹، ع/۲) اور حضرت ابراہیمؑ ایسے جلیل الشان پیغمبر کو بھی اس کا اختیار نہیں ہوا کہ خود کسی کو امام بنا دیں بلکہ اس کے لئے خدا ہی سے آپ نے بھی دعا فرمائی خدا کا کلام دیکھئے واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلك للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین، جب ابراہیمؑ کو اُن کے پالنے والے نے چند باتوں میں آزمایا اور انھوں نے سب باتوں کو پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی (تو لوگوں کو امام بنائے گا؟) خدا نے فرمایا (ہاں مگر) میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں مل سکتا۔ (پارہ/۱، ع/۱۵) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کو اس زمانہ کے لوگوں نے اپنے اجماع یا انتخاب یا تجویز یا پنچایت یا شوریٰ سے اپنا امام نہیں بنایا بلکہ خدا نے مقرر کیا اور یہ بھی کہ حضرت ابراہیمؑ تک کو اس کا اختیار نہیں ملا کہ اپنی اولاد سے کسی کو امام بنا سکیں بلکہ اس کے لئے بھی آپ نے خدا سے دعا کی اس کے جواب میں خدا نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم کو اپنی ذریت میں لوگوں کے امام ہونے کی فکر کیوں ہے تمھاری امت جس کو چاہے گی اپنا امام بنا لیا کرے گی بلکہ خدا نے یہ فرمایا کہ یہ عہدہ خاص میرا ہے میں ہی کسی کو دوں گا تو وہ پائے گا اور

میں جس کو نہیں دوں گا وہ ہرگز اس پر فائز نہیں ہوسکتا اور لفظ عَھدِی فرما کر خدا نے اور بھی تاکید کر دی کہ کسی کو خلیفہ یا امام بنانا آدمیوں کی قدرت کی بات نہیں ہے نہ کوئی مخلوق اس کو کرسکتی ہے بلکہ یہ خاص خدا کا عہدہ ہے وہی جس کو چاہتا ہے مرحمت فرماتا ہے اور خدا جس کو اس عہدہ سے سرفراز نہیں کرے گا اس کو خواہ دنیا خلیفہ اور امام بنائے مگر خدا کی نظر میں نہ وہ خلیفہ ہوسکتا ہے نہ امام اگر یہ شبہ ہو کہ قرآن مجید میں جس جس جگہ خلیفہ یا امام کا لفظ آیا ہے وہاں مراد وہ شخص ہے جو نبی یا رسول ہو جیسے انی جاعل فی الارض خلیفہ سے مراد نبی (حضرت آدم) ہیں۔ اس طرح یاداوٗد انا جعلناك خلیفة فی الارض سے مراد پیغمبر ہیں برخلاف اس کے حضرت رسولؐ خدا کا خلیفہ غیر نبی تھا کیونکہ نبوت تو حضرتؐ پر ختم ہو چکی تھی لہٰذا قرآن مجید کی آیات سے اس بات پر کوئی استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت محمد صلعم کا خلیفہ بھی وہی ہوگا جس کو خدا مقرر کرے کیوں کہ یہ خلیفہ غیر نبی ہوگا۔

تو یہ خیال نا قابل توجہ ہے کیوں کہ قرآن مجید میں خدا نے مطلق خلیفہ کے مقرر کرنے کا اختیار اپنے ذمہ رکھنا ظاہر کیا ہے خواہ وہ خلیفہ بمعنی نبی ہو خواہ خلیفہ بمعنی قائم مقام نبی غرض جس طرح نبی کا مقرر کرنا خدا نے صرف اپنے ہاتھ میں رکھا اسی طرح نبی یا رسول کے جانشین اور قائم مقام کا مقرر کرنا بھی صرف اپنے متعلق رکھا۔ مختصر یہ کہ خلیفہ جس معنی میں بھی لیا جائے اس کے مقرر کرنے کا اختیار کبھی اور کسی حالت میں بھی آدمیوں کو نہیں دیا گیا ہمیشہ خدا ہی کے اختیار میں رہا۔ قرآن مجید کی ایک آیت احادیث رسول خداؐ کا ایک لفظ انبیاء و مرسلین کا ایک فعل بھی ایسا نہیں مل سکتا جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ کسی امت یا کسی جماعت یا کسی زمانہ کے لوگوں کو خلیفہ (بمعنی قائم مقام نبی) مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا ہو اور خود حضرت رسول خداؐ کے خلفاء کے بارے میں بھی خدا نے تصریح کر دی ہے کہ صرف وہی مقرر کرتا رہے گا اور امت محمدیہ کو اس کا ذرّہ برابر بھی اختیار نہیں دیا۔ فرماتا ہے وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ،تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور وہ اعمال خیر بجالاتے رہے اُن کے بارے میں خدا کا وعدہ ہے کہ اُن کو زمین میں اس طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح ان لوگوں کو بنایا تھا جو ان سے پہلے گذر گئے ہیں۔ (پارہ ۱۸، رکوع ۱۳) اس آیت میں خدا نے تصریح دی ہے کہ حضرت رسول خداؐ سے قبل جس قدر خلیفہ گذرے ہیں اُن سب کو خدا ہی نے مقرر کیا تھا اور آں حضرتؐ کے بعد جس قدر خلیفہ ہوں گے اُن کو بھی وہی مقرر کرے گا (کوئی انسان کسی شخص کو خلیفہ نہیں بنا سکتا) اور یہ معلوم ہے کہ حضرت رسول خداؐ کے بعد خدا نے نبوت و رسالت کا دروازہ بند کر دیا تھا لہٰذا اب جن لوگوں کے خلیفہ کرنے کا وعدہ فرمایا وہی تھے جو شرف نبوت سے محروم رہے۔

قرآن مجید میں جن انبیاء کے خلفاء کا بیان ہے اُن سے کچھ لوگوں کا ذکر ہم اوپر کر چکے۔ اب ہم معتبر تاریخی ذخیروں

سے بھی تحقیق کرنا چاہتے ہیں کہ سابق انبیاء ومرسلین کے خلیفہ یا وصی بھی اُن کی امت کے انتخاب یا اجماع یا پنچایت یا شوریٰ کرنے سے مقرر کئے جاتے تھے یا ان کو بھی خدا ہی مقرر کرتا اور اُن انبیاء و مرسلین ہی سے اس کا اعلان کرا دیتا تھا۔ اگر ثابت ہو جائے کہ سابق انبیاء ومرسلین بھی بغیر کسی شخص کے خود خلیفہ مقرر کئے ہوئے دنیا سے انتقال کرتے رہے اور اُن کی امت بھی اپنے اجماع یا انتخاب سے کسی کو خلیفہ مقرر کرتی رہی تو حضرت ابوبکر وعمر کے متعلق بھی اس اصول کو صحیح مانا جاسکتا ہے اور خلافت رسولؐ کے لئے حضرت عمر کی جدو جہد اور جاں فشانیاں قابل قدر کہی جاسکتی ہیں لیکن اگر اس کے عوض یہ ثابت ہو جائے کہ آں حضرتؐ نے اپنی زندگی میں خود ہی اپنے خلیفہ یا وصی کو مقرر کر دیا تھا تو ماننا پڑے گا کہ اُن کی جانشینی اُمت کے ہاتھ میں نہیں تھی بلکہ یہ مسئلہ بھی خدا ہی نے طے کیا تھا۔ یہ تمام مسلمانوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ کوئی پیغمبر کوئی دینی کام اپنی خواہش سے نہیں کرتا بلکہ حکم خدا سے انجام دیتا تھا۔ نبی اور رسول کی شان ہی یہ ہے کہ دین اور شریعت کے متعلق خدا اس پر جو وحی نازل کرے وہ اس کی تعمیل کرتا رہے البتہ کل انبیاء کے حالات کتابوں میں نہیں ملتے اس وجہ سے صرف اُن کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے حالات مل سکے:۔

(۱)۔ لما حضرت اٰدم الوفاۃ دعا ابنہ شیثا فعھد الیہ عھدہ۔(تاریخ طبری، جلد/۱ص/۷۶)

جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت پہنچا تو اپنے فرزند شیثؑ کو احکام خدا کا ولی عہد کر دیا۔

(۲)۔ ان اٰدم اوصی الی ابنہ شیث و کتب وصیتہ ثم رفع کتاب وصیتہ الی شیث۔(طبری، جلد/۱ص/۷۹)

حضرت آدمؑ نے انتقال کے وقت اپنے فرزند جناب شیثؑ کو اپنا وصی مقرر کیا اور اس کا وصیت نامہ لکھ کر اُن کے حوالہ کر دیا۔

(۳)۔ ان شیث لما مرض اوصی الی ابنہ انوش و مات۔(ص/۸۱)

حضرت شیثؑ جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو اپنے فرزند جناب انوشؑ کو اپنا وصی مقرر کیا اور انتقال کر گئے۔

(۴)۔ ولد انوش قینان و نفرا کثیرا والیہ الوصیۃ۔

جناب انوشؑ نے اپنے فرزند قینانؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔

(۵) فولد قینان مھلائیل و نفرا معہ والیہ الوصیۃ۔

قینان نے اپنے فرزند مہلا ئیل کو اپنا وصی مقرر کیا۔

(۶)۔ فولد مهلائیل یرد وهو الیارد ونفر امعه والیه الوصیة۔
(طبری، جلد ۱ ص ۸۳)

مہلا ئیل کے یردیا یارد اور دوسرے لڑکے پیدا ہوئے تو مہلا ئیل نے یردیا یارد کو اپنا وصی مقرر کیا۔

(۷)۔ فولد یرد خنوخ و هو ادریس النبی و نفرا معه والیه الوصیة۔
(تاریخ کامل، جلد ۱ ص ۲)

یرد نے اپنے فرزند خنوخ یعنی حضرت ادریس کو اپنا وصی مقرر کیا۔

(۸)۔ فولد خنوخ متوشلخ و نفرا معه و الیه الوصیة۔ (طبری، جلد ۱ ص ۸۲)

حضرت ادریس کے فرزند متوشلخ آپ کے وصی ہوئے۔

ولد یرد لمهلائیل فکان وصی ابیه و خلیفته فیما کان والد مهلائیل واستخلفه علیه بعد وفاته۔ (طبری، جلد ۱ ص ۸۵)

مہلا ئیل کے فرزند یردان کے وصی اور خلیفہ ہوئے ان امور میں جن میں مہلا ئیل کے والد نے ان کو وصی کیا تھا اور ان کو اپنی وفات کے بعد اپنا خلیفہ بنایا۔

ولد لخنوخ متوشلخ فاستخلفه خنوخ علی امر الله و اوصاه و اهلبیته۔
یعنی حضرت ادریس کے فرزند متوشلخ ہوئے ان کو حضرت ادریس نے احکام خدا پر اپنا خلیفہ مقرر کیا اور وصی بنایا۔

(۹)۔ فلما حضرت متوشلخ الوفاة استخلف لمك علی امره واوصاه بمثل ما کان ابائه یوصون به۔ (طبری، جلد ۱ ص ۸۷، و کامل، جلد ۱ ص ۲۰)

جب متوشلخ کی وفات قریب ہوئی تو اپنے دین پر لمک کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور انھیں کو اپنا وصی بنایا جس طرح آپ کے آبا و اجداد بھی خود ہی اپنا وصی مقرر کرتے تھے۔

(۱۰)۔ لما حضرت نوحا الوفاة اوصی الی ابنه سام۔ (کامل، جلد ۱ ص ۲۶)

حضرت نوح نے انتقال کے وقت اپنے بیٹے سام کو اپنا وصی مقرر کیا۔

(۱۱)۔ (جناب ابراہیم) اسحاق را در دیار شام ولی وعہد و خلیفہ گردانید۔ (روضۃ الصفا، جلد ۱ ص ۵۸)

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاق کو ملک شام میں اپنا ولی عہد اور خلیفہ مقرر کیا۔

(۱۲)۔ ان اسماعیل لما حضرت الوفاۃ اوصی الی اخیہ اسحاق۔

(طبری، جلد ر ۱،ص ر ۱۶۲)

جب حضرت اسماعیل کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بھائی جناب اسحاق کو اپنا وصی مقرر کیا۔

(۱۳)۔ اسماعیل در آخر ایام حیات خویش قیداء راوصی وولی عہد خویش گردانید۔ (روضۃ الصفا، جلد ر ۱،ص ر ۶۱)

حضرت اسماعیل نے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں (دوسرے مقام پر) قیداء کو اپنا وصی اور ولی عہد مقرر کیا۔

(۱۴)۔ حضرت اسحاق نے بھی اپنے فرزند حضرت یعقوب کو خود اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا، جلد ر ۱،ص ر ۶۲ و ۶۳)

(۱۵)۔ حضرت یعقوب نے بھی اپنے فرزند حضرت یوسف کو خود ہی (بحکم خدا) اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا، جلد ر ۱،ص ر ۹۴)

ان یعقوب اوصی الی یوسف۔ (طبری، جلد ر ۱،ص ر ۱۷۲)

حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کو اپنا وصی مقرر کیا۔

(۱۶)۔ حضرت یوسف کے متعلق ہے اوصی الی اخیہ یہوداکہ انتقال کے وقت اپنے بھائی یہودا کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ (طبری، جلد ر ۱،ص ر ۱۷۲)

(۱۷)۔ حضرت ایوب نے بھی اپنی وفات کے قریب اپنے فرزند حومل کو اپنا وصی اور ولی عہد مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا، جلد ر ۱،ص ر ۱۰۰)

ان ایوب اوصی عند موتہ الی ابنہ حومل۔ (طبری جلد ر ۱،ص ر ۱۶۷، کامل، جلد ر ۱، ر ۴۷)

حضرت ایوب نے اپنے فرزند حومل کو مرتے وقت اپنا وصی مقرر کیا۔

(۱۸)۔ ان بشرا اوصی الی ابنہ عبدان۔ (طبری، جلد ر ۱، ص ر ۱۶۷، و کامل، جلد ر ۱، ص ر ۴۷)

خدا نے حضرت ایوب کے بعد آپ کے فرزند بشر کو اُن کا قائم مقام کیا اور انھوں نے اپنے فرزند عبدان کو اپنا وصی مقرر کیا۔

(۱۹)۔حضرت موسیٰ ہارون راطلب کردہ امامت وخلافت خود رابرو تفویض فرمود۔(روضۃ الصفا جلد/ ا ص/ ۱۲۰)

حضرت موسیٰ نے جناب ہارون کو بلا کر اپنی امامت وخلافت کا عہدہ اُن کے سپرد کر دیا۔

فانطلق موسیٰ و استخلف هارون علی بنی اسرائیل۔ (طبری، جلد/ ا، ص/ ۲۱۸، وکامل، جلد/ ا ص/ ۶۵)

حضرت موسیٰ رخصت ہو گئے اور جناب ہارون کو قوم بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔

(۲۰)۔مگر چونکہ جناب ہارون کا انتقال حضرت موسیٰ کے سامنے ہی ہو گیا تھا اس سبب سے پھر حضرت موسیٰ نے جناب یوشع بن نون کو اپنے انتقال سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔(روضہ الصفا، جلد/ ا ص/ ۱۲۸)

(۲۱)۔ ثم توفاہ اللہ فاستخلف علی بنی اسرائیل کالب بن یوقنا۔
(طبری، جلد/ ا ص/ ۲۳۷، وکامل، جلد/ ا ص/ ۷۰، وروضۃ الصفا، جلد/ ا ص/ ۱۳۵)

پھر جناب یوشع کو خدا دنیا سے اُٹھانے لگا تو بنی اسرائیل پر کالب بن یوقنا کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے۔

(۲۲)۔جناب کالب نے بھی اپنے فرزند یوساقوس کو خلافت سپرد کر کے دنیا سے انتقال کیا۔(روضۃ الصفا، جلد/ ا ص/ ۱۱۵)

(۲۳)۔جناب الیاس پیغمبر نے بھی وحی خدا کے مطابق مرتے وقت اپنی خلافت الیسع کو سپرد کر دی۔(روضۃ الصفا، جلد/ ا ص/ ۱۳۷)

اس سے بھی ثابت ہوا کہ سابق انبیاء ومرسلین خدا کی وحی نازل ہونے پر اپنا خلیفہ اس شخص کو مقرر کر دیتے تھے جن کے متعلق وحی ہوتی تھی۔

(۲۴)۔جب جناب الیسع کو یقین ہو گیا کہ اب موت سے ان کی جانبری نہیں ہوسکتی تو ذی الکفل کو طلب کر کے خلافت اُن کے حوالہ اور اپنی روح خدا کے سپرد کر دی۔(روضۃ الصفا، جلد/ ا ص/ ۱۴۰)

(۲۵)۔ استخلف اللہ علی بنی اسرائیل بعد شعیا یاشیۃ بن اموص۔
(طبری، جلد/ ا ص/ ۲۸۵)

خدا نے جناب شعیا کے بعد بنی اسرائیل پر یاشیہ بن اموص کو اُن کو خلیفہ مقرر کیا۔

(۲۶)۔حضرت داؤد نے بھی اپنے فرزند حضرت سلیمان کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔(کامل، جلد/ ا ص/ ۷۷)

فلما مات ورث سلیمان ملکہ و علمہ و نبوتہ و کان لہ تسعۃ عشرہ لہ

افورثہ سلیمان دونہم [1]۔ (تاریخ کامل، جلد ۱، ص ۷۸)

جب حضرت داؤد نے انتقال کیا تو آپ کے فرزند حضرت سلیمان جناب داؤد کی سلطنت اور علم نبوت کے وارث ہوئے آپ کے ۱۹ فرزند تھے مگر وارث صرف حضرت سلیمان ہوئے۔

(۲۷)۔ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنا خلیفہ خود ہی مقرر فرمایا از جملہ وصایائے عیسیٰ آں بود کہ خدا امر فرمودہ است کہ شمعون را بر شما خلیفہ گردانم وحواریان خلافت وے قبول کردند یعنی حضرت عیسیٰؑ کی وصیتوں سے ایک یہ بھی تھی کہ خدا نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کروں اور حواریوں نے اُن کی خلافت قبول کر لی۔ (روضۃ الصفا، جلد ۱، ص ۱۸۴)

غرض حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک جس قدر انبیاء ومرسلین گذرے کسی کے متعلق بھی کسی کتاب سے ثابت نہں ہوتا کہ انھوں نے اپنی امت کو یوں ہی چھوڑ دیا ہو اور بغیر اپنا خلیفہ مقرر کئے ہوئے دنیا سے چلے گئے ہوں۔ نہ کسی رسول یا نبی کے متعلق یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ اُن کی وفات پر اُن کی امت نے اپنی پنچایت یا اپنے انتخاب یا اجماع یا شوریٰ سے کسی کو اپنا امام یا پیشوا اور اپنے رسول یا نبی کا خلیفہ مقرر کیا ہو۔ اگر دنیا میں کوئی شخص بھی آدمیوں کے انتخاب یا تجویز سے کسی نبی کا خلیفہ ہوسکتا ہو تو حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کسی ایک ہی پیغمبر کے متعلق یہ ثابت ہوجاتا کہ اُن کی امت نے اپنے انتخاب سے اُن کا خلیفہ مقرر کیا تھا مگر جب ایسا نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے تمام کتب حدیث وتاریخ وسیرت وتفسیر اس سے خالی ہیں تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاص حضرت رسول خداؐ کے متعلق یہ اصول کیوں ایجاد کیا گیا اور کس وجہ سے اس کو تسلیم کیا جائے؟ اگر سابق انبیاء کا اپنے خلفاء کو مقرر کرنا خدا کا فعل مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ ان سب کو درحقیقت خدا نے مقرر کیا اور ان پیغمبروں نے صرف ان کی خلافت کا اعلان کر دیا (جو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے اور ہونا چاہئے) تو اس صورت میں خدا پر الزام عائد ہوتا ہے کہ جب اس نے حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کل انبیاء ومرسلین کے خلفاء کو خود مقرر کیا تھا تو حضرت رسول خداؐ کے بارے میں اس کے

---

[1] اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء خود بھی وارث ہوتے اور دوسروں کو بھی وارث کرتے تھے ایسی صورت میں مشہور حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ماترکناہ صدقۃ (ہم گروہ انبیاء نہ تو کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کسی کو اپنا وارث چھوڑتے ہیں بلکہ ہم لوگ جو چیزیں چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتی ہیں) کسی طرح صحیح تسلیم کی جاسکتی ہے؟ تاریخ کامل کی مذکورہ بالا عبارت ثابت کرتی ہے کہ گروہ انبیاء خود بھی دوسروں کے وارث ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنا وارث چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت داؤد پیغمبر تھے اور اُن کے وارث حضرت سلیمان ہوئے جو خود بھی پیغمبر تھے اور اس پر ہر مسلمان کو یقین رکھنا چاہئے کہ حضرت رسولؐ خدا کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے اور آپؐ کے دہن مبارک سے کوئی لفظ خلاف واقعہ نہیں نکل سکتا تھا قرآن مجید سے بھی انبیاء کا وارث ہونا اور وارث چھوڑنا واضح ہے غرض یہ کل باتیں اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حدیث نحن معاشر الانبیاء افترائے محض اور صریحی تہمت تھی پیغمبرؐ پر۔

خلاف کیوں کیا؟ کیا حضرت رسول خداؐ نے خدا کا کوئی قصور کیا تھا جس کی سزا آپ کو اس طرح دی گئی؟ یا خدا اس امت ہی سے خفا ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اُس نے اس شفقت کو اُٹھالیا؟ یا خدا کو ایسا کوئی شخص ملا ہی نہیں جس کو حضرتؐ کا خلیفہ تجویز کرتا؟ کیا سبب ہوا کہ اُس نے آں حضرتؐ کا خلیفہ خود مقرر نہیں کیا اور اس نے حضرت رسول خداؐ سے آپ کے خلیفہ کا بھی کیوں نہیں اعلان کرایا؟ حالانکہ اس کے اصول بدلتے نہیں ہیں اس نے صاف طور پر فرمادیا ہے سنة الله الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنة الله تبدیلاً خدا کا یہی طریقہ ان لوگوں کے بارے میں بھی رہا ہے جو تم سے پہلے گذر گئے ہیں اور تم کو خدا کے طریقے میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں مل سکتا۔ (سورۂ احزاب رکوع ۸/) دوسری جگہ فرماتا ہے:

فهل ینظرون الّا سنة الاولین فلن تجد لسنة الله تبدیلا ولن تجد لسنة الله تحویلاً۔ (سورہ فاطر رکوع ۵/)

یہ لوگ کیا اگلوں کے دستور اور طریقے کا انتظار کر رہے ہیں؟ (تو سمجھ رکھو) کہ تمہیں خدا کے دستور اور طریقے میں کبھی کوئی تغیر نہیں مل سکتا اور نہ اس کے دستور وطریقے کو تم کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے۔

نیز ارشاد ہوتا ہے:

سنة الله الّتی قد خلت من قبل ولن تجد لسنة الله تبدیلاً۔ (سورۂ الفتح رکوع ۳/)

یہ خدا کا وہ طریقہ اور دستور ہے جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور تم کبھی خدا کے دستور وطریقہ میں کوئی تغیر وتبدل نہیں پاسکتے۔

جب ان آیات سے ہم پر یہ امر اچھی طرح متحقق ہوگیا کہ خدا کے اصول میں اختلاف نہیں ہوتا خدا کی تدابیر میں تغیر نہیں ہوتا خدا کے دستور اور طریقہ میں تبدیلی نہیں ہوتی اور سابق تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ خلافت کے بارے میں حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک یہی دستور رہا ہے کہ اُن کے خلیفہ کا انتظام خدا ہی ان کی زندگی میں کرتا اور ان انبیاء ومرسلین سے ان کے سامنے ہی اس کا اعلان کراتا رہا ہے یہاں تک کہ شاعر نے کہہ دیا:

قبل تعیین وصی و وزیر هل تری فات نبی و هجر

کیا تم نے کسی نبی کو بھی دیکھا ہے کہ اس نے اپنے وصی اور وزیر مقرر کرنے کے پہلے انتقال کیا یا دنیا کو چھوڑا ہو پھر حضرت رسول خداؐ کے بارے میں خدا کا یہ دستور کس طرح ٹوٹ سکتا ہے اور آں حضرتؐ کے خلیفہ کے بارے میں خدا اپنا یہ طریقہ کیوں چھوڑ دیتا؟ کیا اس کی وجہ سے وہ جھوٹا نہیں ثابت ہوگا کہ کہتا تو ہے اس کے دستور میں تغیر نہیں ہوتا حالانکہ رسول خداؐ کے خلیفہ کے متعلق

اس کے دستور میں تغیر ہوگیا اور کیا اس کی وجہ سے اس پر لم تقولون مالا تفعلون تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کو کرتے نہیں ۔کاالزام قائم نہیں ہوگا کہ وہ کہتا تو یہ ہے کہ اس کے دستور بدلا نہیں کرتے اور کرتا یہ ہے کہ رسول خداؐ کے خلیفہ کے بارے میں اس نے خود ہی اپنا دستور بدل دیا اور اگر یہ کہا جائے کہ سابق انبیاء ومرسلین کے خلفاء کو خدا نے نہیں مقرر کیا نہ اُس نے اپنے پیغمبروں سے اس کا اعلان کرایا بلکہ خود ان انبیاء ومرسلین ہی نے اپنا خلیفہ خود تجویز کر کے اپنی زندگی میں مقرر کر دیا اور اس کا اعلان کر دیا تو حضرت رسول خداؐ پر الزام عائد ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس ضروری فریضہ کو کیوں ترک کر دیا اور جس دینی خدمت کو سابق انبیاء ومرسلین سے کسی نے بھی نہیں چھوڑا تھا اس سے حضرتؐ نے کیوں روگردانی کی حالانکہ خدا نے آپ کو صاف لفظوں میں حکم دیا تھا اولٰئِك الذین ھدی الله فبھدٰھم اقتدہ۔(پارہ/۷،سورہ انعام رکوع ۱۶/۱۰) گزشتہ انبیاء ومرسلین وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ہدایت کر دی تھی تو اے پیغمبرؐ ان ہی کے طریقہ کی تم بھی پیروی کرو۔ان تمام وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ حضرت رسول خداؐ کی خلافت کو بھی خدا یا رسولؐ نے مسلمانوں پر نہیں چھوڑا کہ وہ اپنے اجماع یا شوریٰ سے جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں اور نہ خدا نے آنحضرتؐ کے خلیفہ کا اعلان کرانے سے قبل اپنے حبیب کو دنیا سے اُٹھایا اور نہ آں حضرتؐ نے اپنا خلیفہ مقرر کرنے سے پہلے دنیا سے انتقال کیا بلکہ سابق انبیاء ومرسلین کی طرح خدا نے آپ کے خلیفہ کو بھی آپکی زندگی ہی میں تجویز کر کے آپ سے اس کا اعلان کرادیا اس کے بعد اپنے رسولؐ کو اپنی درگاہ میں بلایا چنانچہ کل معتبر کتب تاریخ وحدیث یہی ثابت کرتی ہیں۔علّامہ ابن جریر طبری نے جو اسلامی مورخین کے امام مانے جاتے ہیں نہایت معتبر قدیم اور مشہور مورخ ہیں لکھا ہے کہ جب ۴ سنہ بعثت میں خدا کا حکم آنحضرتؐ پر نازل ہوا کہ وانذر عشیرتك الا قربین اے رسولؐ تم اپنے قریب کے رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ تو حضرت رسول خداؐ نے دعوت کا سامان کیا اور لوگوں کو جمع کر کے پہلے کھانا کھلایا اور دودھ پلوایا پھر سب سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

> انی والله ما اعلم شابافی العرب جاء قومه یافض مما قد جئتکم به انی قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرة وقد امرنی الله تعالیٰ ان ادعو کم الیه فافیکم یوازرنی علی ھذا الامر علی ان یکون اخی و وصیی و خلیفتی فیکم قال فاحجم القوم عنھا جمیعًا و قلت و انی لا حدثھم سنّاً وارمصھم عینا واعظمھم بطنا واحمشھم ساقا انا یانبی الله اکون وزیرك علیه فاخذ برقبتی ثم قال ان ھذا اخی و وصیی و خلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا قال

فقام القوم يضحكون ويقولون لابي طالب قد امرك ان تسمع لابنك و تطيع[۱]۔

(تاریخ طبری، جلد/ ۲،ص/ ۲۱۶)

اے لوگو! خدا کی قسم میں عرب میں کسی جوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس وہ امر لایا ہو جو میرے لائے ہوئے (دین اسلام) سے جو میں تمہارے پاس لایا ہوں افضل ہو میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اس دین کی طرف بلاؤں اب بتاؤ تم میں کون شخص اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا تا کہ وہی میرا بھائی، میرا وصی (قائم مقام) اور میرا خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ آں حضرتؐ کی اس تقریر کا کسی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ مگر علیؑ نے باوجودیکہ وہ سن میں سب لوگوں سے چھوٹے تھے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں اور حضورؐ کی وزارت کروں گا۔ اس پر پیغمبرؐ خدا نے علیؑ کی گردن پکڑ کر اور پوری قوم کو دکھا کر فرمایا کہ (یاد رکھو) یہی علیؑ میرے بھائی میرے وصی اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں تم سب لوگ ان کا حکم مانتے اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ یہ بات سُن کر سب لوگ قہقہہ لگاتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جناب ابوطالبؑ سے کہنے لگے کہ لو تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ (اپنے فرزند) علیؑ کی باتیں سنا کرو اور ان کی اطاعت کرتے رہو۔

"علیؑ نے بیعت کی رسوؐل نے بیعت لی کس بات پر نصرت اسلام پر اعلاء کلمۃ الحق پر۔ اور رسوؐل نے اسی وقت اپنی خلافت و جانشینی کا مسئلہ بھی طے کر دیا۔

بیشک اگر خود علیؑ اس کے بعد اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے...... اپنے اقرار وفا میں ثابت قدم نہ ٹھہرتے، اپنے عہد نصرت میں کمزور ثابت ہوتے تو یہ معاہدہ بھی کالعدم ہو جاتا لیکن چونکہ آپ کی خدمات شروع سے آخیر تک یکساں طور پر اسی

---

[۱] ۔ یہی مضمون تاریخ کامل ابن اثیر جزری جلد/ ۲،ص/ ۲۲، تاریخ ابوالفداء، جلد/ ۱،ص/ ۱۱۶، تاریخ جیب السیر جلد/ ۱، جزو/ ۳،ص/ ۱۶، تاریخ گبن، جلد/ ۳، ص ۴۶۹، تاریخ اوکلی،ص/ ۶۵، تاریخ مسٹر کارلائل،ص/ ۶۱، تاریخ ایرونگ،ص/ ۷۳، تاریخ گلمن،ص/ ۸۳، تاریخ ڈیون پورٹ وغیرہ میں موجود ہے اور کتب تفسیر سے تفسیر طبری جلد/ ۱۹،ص/ ۲۸، تفسیر معالم التنزیل ص/ ۶۶۳، سورۂ شعراء تفسیر خازن جلد/ ۳،ص/ ۷۳ تفسیر ثعلبی تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی یہ واقعہ اسی طرح مرقوم ہے اور کتب حدیث سے مسند امام احمد بن حنبل جلد/ ۱،ص/ ۱۵۳، وخصائص نسائی و مختارہ ضیاء مقدسی و ازالۃ الخفا مقصد/ ۳ص/ ۲۵۲ وغیرہ میں موجود ہے اور احادیث کے بڑے ذخیرے کتاب کنز العمال (مطبوعہ، حیدرآباد دکن) میں اس کی متعدد روایتیں درج ہیں (کنز العمال، جلد/ ۲،ص/ ۳۲۹، ص/ ۳۹۲،ص/ ۳۹۷ وغیرہ سیرۃ حلبیہ میں بھی یہ روایت موجود ہے جس میں یہ زیادتی بھی ہے فانت اخی ووزیری ووصیی و وارثی و خلیفتی من بعدی۔ حضرت کی اس آمادگی پر حضرت رسول خداؐ نے آپ سے فرمایا تم ہی میرے بھائی میرے وزیر میرے وصی میرے وارث اور میرے بعد میرے خلیفہ مقرر کئے گئے۔ (سیرۃ حلبیہ، جلد/ ۱،ص/ ۲۸۶)

طرح قائم رہتی ہیں اس لیے ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ معاہدہ منسوخ ہوگیا۔

اب آئیے اس کی تحقیق بھی کرلیں کہ آپ نے کسی وقت کوئی کمزوری تو نہیں دکھائی اعانت رسولؐ سے کبھی منہ تو نہیں پھیرا اور جو قول وقرار ایک بار ہو چکا تھا اس سے انحراف تو نہیں کیا۔ یہ امر تاریخ اسلام کے دیکھنے والوں سے مخفی نہیں کہ جب رسول اللہؐ نے تبلیغ شروع کی تو کفار کی ایذا رسانیاں بڑھنے لگیں آپ کے قتل کی تدبیریں ہونے لگیں اور مسلمانوں کی جماعت ہجرت پر آمادہ ہوگئی چنانچہ حد یہ ہے کہ قبائل عرب میں سے چند لوگ اس بات پر تُل گئے کہ گھر کا محاصرہ کر کے آپ کو قتل کر ڈالیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وقت کتنا نازک تھا اور ایسے وقت مدد دینے والا کوئی نہیں ہوتا لیکن رسولؐ اللہ جانتے تھے کہ کون کام آنے والا ہے اس لئے آپؐ نے بلا تامل مکہ سے پوشیدہ طور پر ہجرت کا ارادہ کرلیا اور کفار کے عزائم کو ناکام بنانے کے لئے آپؐ نے جناب امیر سے یہ خیال ظاہر کر کے کہا **فنم علی فراشی واتشح ببردی الحضرمی الاخضر فنم فیه** تم میرے بچھونے پر سو رہو اور میری سبز چادر اوڑھ کر لیٹ جاؤ'' کتنا سخت مرحلہ تھا کیسی دشوار گذار منزل تھی مگر وہ جو ایک بار جاں نثاری ووفاداری کا عہد و پیمان کر چکا تھا اپنی جان دینے کے لئے چادر تان کر سو رہا اور رسالت مآب تشریف لے گئے۔ قسطلانی کہتا ہے **فکان اول من مثری نفسه** وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے اپنی جان بیچ ڈالی[1]۔

امام[2] غزالی لکھتے ہیں کہ اس موقع کے لئے علیؑ کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی **ومن یشری نفسه ابتغاء مرضات الله** ایسے بھی لوگ ہیں جو خدا کی مرضی پر جان بیچ ڈالتے ہیں۔ اکثر مورخین نے ظاہر کیا ہے کہ رسالت مآبؐ اپنے بعد علیؑ کو اس لئے چھوڑ گئے تھے کہ وہ لوگوں کی امانتیں جو رسول اللہؐ کے پاس تھیں واپس کر دیں[3] ...... غار والی آیت میں سب سے زیادہ قابل غور آخری الفاظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے صرف اپنے نبی پر اطمینان وسکون نازل کیا۔ یہاں اُن کے ساتھی کا ذکر بالکل نہیں ہے اگر جناب ابوبکر کے اطمینان وسکون کو بھی ظاہر کرنا مقصود ہوتا تو **علیٰ رسوله** کے بجائے **علیهما** ارشاد ہوتا بہر حال اس واقعہ ہجرت و واقعہ غار میں حضرت علیؑ نے جس ایثار وقربانی، جس دلیری و بے نفسی کا ثبوت دیا وہ بجائے خود اتنا اہم ہے کہ حضرت ابوبکر کی معیت وغیرہ کا کوئی سوال اس کے مقابلہ میں لایا ہی نہیں جاسکتا۔ اب اور آگے چلئے، مدینہ میں آنے کے بعد آں حضرتؐ نے مہاجرین وانصار کے درمیان دوبارہ مواخاۃ قائم کی ظاہر ہے کہ بھائی چارہ اُنھیں دو آدمیوں میں قائم کیا جاتا ہے جو اپنی خصوصیات مزاجی وعادات وخصائل کے لحاظ سے باہمدگر بہت ملتے جلتے ہوں چنانچہ اس سلسلے میں

۱۔ مواہب لدنیہ جلد ۱ ص ۷۸، ۲۔ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۲۶۷، ۳۔ ابو الفدا، جلد ۱، ص ۱۲۶، تاریخ خمیس، جلد ۱ ص ۳۶۶، کامل ابن اثیر، جلد ۲ ص ۳۹، مواہب لدنیہ قسطلائی، جلد ۱ ص ۸۰۔

حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کے ساتھ بھائی بھائی قرار دیا......رہ گئے علیؑ، سو اُن کا بھائی چارہ اپنے ساتھ کیا۔ایک دوسرے موقع پر رسول اللہؐ نے سب کو ایک دوسرے کے ساتھ بھائی بھائی بنایا تھا علیؑ کو اپنے ساتھ رکھا تھا............ایک مرتبہ آں حضرتؐ نے حکم دیا کہ سب دروازے (مسجد نبوی کے) چُن دیئے جائیں مگر علیؑ کے مکان کا دروازہ نہ چُنا جائے۔اس حکم پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں تو حضرتؐ نے منبر پر جا کر فرمایا کہ مجھے خدا کی طرف سے جو حکم ہوا وہ میں نے کیا میں نے اپنی مرضی سے نہ اُن دروازوں کو بند کیا اور نہ اُس کو کھلا رکھا[۱]۔اس واقعہ سے اور اس قسم کے نظائر سے جن کا ذکر آگے آئے گا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ رسولؐ کی ان توجہات کو جو جناب علیؑ کے ساتھ تھیں اچھی نگاہوں سے نہ دیکھتے تھے اور جناب رسالت مآبؐ کی موجودگی میں بھی نکتہ چینی سے باز نہ آتے تھے اور یہ وہ جذبات تھے جن کا آہستہ آہستہ قوی ہونا ضروری تھا کیونکہ رسول اللہؐ کے الطاف جناب امیرؑ پر برابر بڑھتے ہی جاتے تھے اور جیسا کہ آئندہ صفحات سے معلوم ہوگا۔حضرت علیؑ اپنی خصوصیات اخلاق کی وجہ سے رسولؐ اللہ کے دل میں گھر کرتے ہی جارہے تھے....اسی سال (۲ سنہ ہجری میں) حضرتؐ نے علیؑ کو اپنی دامادی سے سرفراز کیا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں نے (فاطمہؑ کی) خواستگاری کی مگر رسولؐ اللہ نے کوئی جواب نہیں[۲] دیا لیکن جب حضرت علیؑ نے خواہش ظاہر کی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ قد امرنی ربی بذالك (اس کا تو مجھے خدا نے حکم دیا ہے) جب عقد ہو چکا تو حضرتؐ نے جناب فاطمہؑ سے فرمایا اما ترضین یافاطمه ان الله اختار من اهل الارض رجلین جعل احدهما اباك والا خر بعلك[۳] ''اے فاطمہؑ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ خدا نے تمام اہل زمین میں دو شخصوں کا انتخاب کیا جن میں سے ایک تمہارا باپ ہے اور دوسرا شوہر'' اس سے ظاہر ہے کہ اس شادی کی بنیاد صرف ذاتی قرابت پر نہیں تھی بلکہ انتخاب الٰہی اور فضیلت ذاتی پر تھی مصالح اسلامی کے لحاظ سے لڑکیاں لے لینا اور خود داماد بن جانا دوسری بات تھی لیکن جب لڑکی دینے کا وقت آیا تو بڑے بڑے صحابہ کی خواہش رد کر دی گئی اور حضرت علیؑ کا انتخاب کیا گیا۔یہ واقعہ ایسا نہ تھا جس کا اثر زائل ہو جاتا رہا اور عمر بھر رہا چنانچہ حضرت عمر فرماتے تھے لقد اوتی علی ثلث خصال لان تکون لی خصلة منها احبّ الیّ من حمر النعم فسئل ماهی قال تزویج ابنته[۴]۔علیؑ کو تین باتیں ایسی حاصل ہوئیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتی تو سُرخ اونٹوں سے زیادہ مجھے محبوب ہوتی۔پوچھا گیا وہ کیا ہیں؟ کہا کہ ایک تو یہی ہے کہ رسولؐ کی صاحبزادی کا عقد

۱۔ خصائص نسائی ص/ ۷ ۳ و ریاض نضرہ، جلد/ ۲، ص/ ۱۹۲۔

۲۔ صواعق محرقہ ص/ ۸۶، تاریخ خمیس جلد/ ۱، ص/ ۴۰۸، مواہب لدنیہ جلد/ ۱، ص/ ۸۹۔

۳۔ ریاض نضرہ جلد/ ۲، ص/ ۱۸۲۔

۴۔ ریاض نضرہ۔

اُن سے ہوا.... ۳ھ میں اُحد کی جنگ ہوئی یہ وہ سخت وفیصلہ کن جنگ تھی جسے قدرت کو مسلمانوں کے عزم ثبات کی کسوٹی بنانا منظور تھا اول اول حالات بہت اُمید افزا تھے کیوں کہ لشکر کفار کے علمدار طلحہ بن عثمان کو حضرت علیؑ نے قتل کر کے دشمنوں کو شکست دے دی تھی لیکن جب کفار بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان مال غنیمت لوٹنے کے لئے پس وپیش سے بے خبر ہو گئے تو خالد بن ولید نے پشت کی طرف سے پھر حملہ کر دیا.......... دل تھرّاتا ہے قلم لرزتا ہے جی چاہتا ہے کہ مؤرخوں کے منھ پر ہاتھ رکھ دوں۔تاریخ کے صفحات سے ان حروف کو چھیل کر پھینک دوں کس طرح دیکھوں اور کیوں کر لکھوں کہ کس کس نے فرار کیا لیکن حاکم کو کیا کروں۔امام فخرالدین رازی، محمد بن جُریر طبری، ابن اثیر جزری، شیخ الاسلام سیوطی ان سب کے بیانات کو کہاں لے جاؤں جدھر دیکھئے اس طرف سے ''رو بر ہزیمت آوردند رسول اللہ! انتہا گذاشتند'' کی آواز آرہی ہے اور لطف یہ کہ ایک ایک کا نام بھی لکھ دیا ہے..... یہ تھا وہ حیرت انگیز سماں اور یہ تھا وہ امتحان محبت وصداقت جس میں سوائے ایک ذات علیؑ کے اور کوئی دوسرا کامیاب ثابت نہیں ہوا رسوؐل اللہ کو اس دل شکن طرز عمل کی وجہ سے اتنی بے اطمینانی پیدا ہوگئی تھی کہ آپ نے خاتمہ جنگ پر قتل ہوجانے والوں کے متعلق فرمایا ھولاء اشھد علیھم (یہ وہ ہیں جن کے ایمان کی گواہی میں دیتا ہوں) حضرت ابوبکر نے کہا یا رسولؐ اللہ کیا ہم اُن کے بھائی نہیں ہیں؟ اور کیا ہم اسلام نہیں لائے اور کیا ہم نے کبھی آپؐ کے ساتھ جہاد نہیں کیا؟۔ حضرتؐ نے فرمایا: بلیٰ ولا ادری ما تحدثون بعدی (ہاں مگر کیا معلوم میرے بعد تم لوگ کیا کروگے!)[۱]

۵ھ ہجری میں جنگ خندق واقع ہوئی، احد کے واقعہ کا دھبّہ دامنوں پر موجود تھا اور اس کے چھڑانے کا یہ موقع اچھا تھا لیکن عمرو بن عبدود کا سا بہادر پورے جوش وخروش سے مبارزطلبی کر رہا تھا۔کس میں ہمت تھی کہ موت کے منھ میں چلا جائے۔ تاریخ کا بیان ہے کہ طلب المبارزۃ والاصحاب ماکتون کانما علی رؤوسھم الطیر لا نھم کانوا یعلمون شجاعتہ اُس نے مقابل طلب کیا اور اصحاب تمام خاموش تھے گویا کہ اُن کے سروں پر طائر بیٹھا ہوا ہے کیوں کہ وہ سب اس کی شجاعت سے آگاہ تھے جناب امیرؑ پہلی آواز میں اُٹھ کھڑے ہوئے تھے مگر رسول اللہؐ نے انھیں روک دیا لیکن جب ہر طرف خاموشی چھائی رہی اور عمرو بن عبدود کی لن ترانیاں بڑھنے لگیں تو رسول اللہؐ نے جناب امیرؑ ہی کو اجازت دی اور آخر کار اُنھیں کی تلوار نے اس مہم کو بھی سر کیا[۲]۔

.....۷ھ ہجری میں خیبر کی مہم درپیش ہوئی.....خیبر کے قلعوں میں جو سب سے زیادہ مضبوط قلعہ تھا وہ دشمن کا مرکز

۱۔موطا امام مالک، ص ر ۱۷۴، مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

۲۔تاریخ خمیس، جلد ر ۲، ص ر ۵۴۷۔

تھا تین روز تک متواتر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پرچم اسلام لے کر تشریف لے گئے لیکن ہر بار ناکام[۱] واپس آئے جب یہ صورت دیکھی تو رسول اللہؐ نے فرمایا کل میں علم ایسے شخص کو دوں گا جو بھاگنے والا نہیں ہے، جو اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور جسے اللہ و رسوؐل دوست رکھتے ہیں خدا اسی کے ہاتھوں سے فتح کرائے گا[۲]۔ بعض روایات میں کرار غیر فرّار کا ٹکڑا نہیں ہے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری، جلد ر ۳، ص ر ۳۳وطبقات ابن سعد، جلد ر ۲، ص ر ۸۰) لیکن اگر اس ٹکڑے کو علحٰدہ کر دیا جائے تو معنی تشنہ رہتے ہیں کیوں کہ صورت حال یہ تھی کہ برابر تین دن سے اصحاب کی سرکردگی میں مہمیں بھیجی جارہی تھیں اور برابر وہ لوگ شکست کھا کر واپس آجاتے تھے اس لئے ظاہر ہے کہ رسوؐل اللہ نے یہی کہا ہوگا کہ کل میں اس کو علم دوں گا جو بھاگ کر واپس نہ آئے ورنہ یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی علاوہ اس کے اس فقرے کو علحٰدہ کر دینے سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ کل میں علم اس کو دوں گا جو خدا اور رسوؐل کو درست رکھتا ہے اور جسے خدا اور رسوؐل دوست رکھتے ہیں گویا وہ لوگ جو اس سے پہلے پرچم اسلام لے کر خیبر فتح کرنے گئے تھے وہ خدا اور رسوؐل کے دوست نہ تھے اور اس صورت میں صحابہ کی اور زیادہ توہین ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال کرار غیر فرار کا ٹکڑا ہو یا نہ ہو یہ امر مسلم ہے کہ رسوؐل اللہ تین دن کی مسلسل ناکامیابیوں کی وجہ سے کسی اور شخص کا انتخاب کرنا چاہتے تھے جس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا.... طبری نے لکھا ہے کہ جب دوسرا دن ہوا تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر علم کے واسطے گردنیں اونچی کر کے دیکھنے لگے[۳]۔ لیکن اس دوسرے دن صبح کو کیا ہوا؟ حضرتؐ نے علم کو جنبش دی اور فرمایا، کون اس کو لیتا ہے۔ ایک صاحب آگے بڑھے اور کہا، میں! آپؐ نے فرمایا: جاؤ آگے بڑھو۔ قسم خدا کی جس نے محمدؐ کے چہرے کو عزت دی ہے میں یہ علم اُس شخص کو دوں گا جو بھاگنے والا نہیں ہے۔ اے علیؑ اُٹھو اور علم لے لو[۴]۔ چنانچہ آپؑ نے علم لیا اور قلعہ فتح کیا اور کامران و بامراد واپس آئے۔

۸ سنہ ھ میں مکّہ معظمہ فتح ہوا اور مسلمان خوشیاں منا رہے تھے لیکن نبیؐ و علیؑ دو ہستیاں ایسی تھیں جو اسلام کی خدمت سے غافل نہ تھیں، وہ اصنام جو خانۂ کعبہ میں نصب کر دیے گئے تھے رسالت مآبؐ اور علیؑ بن ابی طالبؑ ان بتوں کے توڑنے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ وہ بت جو سب سے بڑا تھا اور خانۂ کعبہ کے اوپر نصب تھا اُس کے توڑنے کے لئے رسول اللہؐ نے علیؑ کو اپنے کاندھے پر بلند کیا اور آپ نے اس کو توڑ ڈالا۔ مورخ دیار بکری نے لکھا ہے کہ اس وقت رسوؐل اللہ نے حضرت علیؑ

۱۔ تاریخ خمیس، جلد ر ۴، ص ر ۵۳، سیرۃ ابن ہشام برحاشیہ روض الانف، جلد ر ۲، ص ر ۲۳۹۔

۲۔ خمیس، جلد ر ۲، ص ر ۵۳، خصائص نسائی، ص ر ۱۱، ریاض نضرہ جلد ر ۲، ص ر ۱۸۷، سیرۃ ابن ہشام، جلد ر ۲، ص ر ۲۳۹، استیعاب، جلد ر ۲، ص ر ۴۷۳۔

۳۔ ریاض نضرہ، جلد ر ۲، ص ر ۱۸۷۔

۱۔ صحیح بخاری، جلد ۳، ص ۵۳۔

سے فرمایا: مبارک ہو تم کو کہ تم حق کے لئے کام کر رہے ہو اور خوشحال میرا کہ میں حق کے لئے تمہارا بار اُٹھائے ہوئے ہوں[1] یہ باتیں بظاہر دیکھنے میں بہت معمولی حیثیت رکھتی ہیں لیکن انھیں جزئی واقعات سے عمومی تاریخ مرتب ہوتی ہے اور ایک مؤرخ انھیں واقعات سے صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

سنہ ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک واقع ہوا۔ رسول اللہؐ کی زندگی کو صرف ایک سال باقی ہے اور یہ غزوہ آخری غزوہ، گرمی کا زمانہ ہے۔ شدت کی لُو چل رہی ہے اور رسالت مآبؐ نے اپنے ساتھ چلنے کے لئے تمام اصحاب کو حکم دیا ہے لیکن حضرت علیؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ تم مدینہ میں قیام کرو اور میری جگہ رہو حضرت علیؑ کبیدہ خاطر ہو کر کہتے ہیں اتخلفنی فی الصبیان و النساء کیا آپؐ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ جائیں گے؟ حضرتؐ جواب دیتے ہیں اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے[2]۔

اگر آخری جملہ لا نبی بعدی نہ ہوتا تو ہارون کی منزلت کو صرف وقتی جانشینی اور عارضی خلافت تک محدود سمجھا جاسکتا تھا لیکن اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زندگی میں اور بعد وفات دونوں حالتوں میں جناب امیرؑ کو اسی جانشینی اور خلافت کا درجہ حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ کے بعد ہوا۔ دنیا کو معلوم ہے کہ ہارون موسیٰ کے شریک کار، معاون اور وزیر و جانشین تھے اور اگر اُن کی زندگی موسیٰ کے بعد باقی رہتی تو خلافت کا حق سوائے اُن کے کسی کو نہ پہنچتا بالکل اسی طرح جناب امیرؑ کے لئے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حیات و ممات ہر حالت میں رسولؐ اللہ کے جانشین تھے اور اگر ہارون سے کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ ہارون نبی تھے اور رسولؐ اللہ کے بعد سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا لیکن اگر یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تو نبی بھی سوائے علیؑ کے کوئی دوسرا نہ ہوتا......

اسی سال کا واقعہ ہے کہ سورۂ برأت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن کا اعلان مکۂ معظمہ میں حج کے موقع پر ہونا تھا اس واقعہ کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ نسائی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر کو ان آیات کے ساتھ روانہ کر دیا تھا اس کے بعد اُن کو واپس بلا کر یہ خدمت حضرت علیؑ کے سپرد کی۔ دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کو واپس نہیں بلایا بلکہ خود حضرت علیؑ کو روانہ کیا کہ حضرت ابوبکر سے وہ آیات لے کر خود اس خدمت کو انجام دیں بہر حال ان تمام

۱۔ تاریخ خمیس، جلد ۲، ص ۹۵۔

۲۔ تاریخ خمیس، جلد ۲، ص ۱۳۸، طبری، جلد ۳، ص ۱۴۴، ریاض نضرہ، جلد ۲، ص ۱۶۲، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲، ص ۲۱۷، مواہب لدنیہ جلد ۱، ص ۱۷۳، تاریخ الخلفا ص ۱۶۷، ۱۲۔

روایات میں رسولؐ اللہ کا یہ قول قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے علی منّی وانا منه ولا یودی عنی الا انا و علی یعنی علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے اور اپنی ترجمانی یا میں خود کر سکتا ہوں یا علیؑ۔ دوسری روایات میں یہ الفاظ اس طرح پائے جاتے ہیں انی امرت انا ابلغه انا او رجلّ من اهل بیتی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ یا میں خود اس کو پہنچاؤں یا ایسا شخص جو میرے اہلبیتؑ میں داخل ہو ؍ بہر حال حضرت ابوبکر روانہ ہو چکے تھے یا نہیں وہ واپس بلائے گئے یا نہیں یہ مسلم ہے کہ آیات قرآنی کی تبلیغ کے لئے حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو منتخب کیا اور یہ کہہ کر کہ اس خدمت تبلیغ کا اہل میں ہوں یا پھر وہ جو میرے اہلبیتؑ میں داخل ہو.....

اب وہ وقت ہے کہ رسولؐ اللہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لا رہے ہیں، حضرتؐ چلتے چلتے غدیر خم تک پہنچتے ہیں، پورا قافلہ روک دیا جاتا ہے اور اعلان ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ تقریر فرمائیں گے ہزاروں آدمی خطبہ نبوی سننے کے لئے مجتمع ہیں اور آپؐ منبر پر تشریف لے جا کر ایک مبسوط خطبہ کے ذریعہ سے اپنے قرب وفات کی پیشن گوئی کرتے ہیں، اپنی خدمات ہدایت کا ذکر فرماتے ہیں، لوگوں سے اصل اسلام و ایمان کی گواہی لیتے ہیں اور اس کے بعد وہ کچھ فرماتے ہیں جس سے انکار کی گنجائش نہیں اور جس نے ہمیشہ کے لئے آپ کی جانشینی کے مسئلہ کو طے فرما دیا..... حضرتؐ نے تین مرتبہ صحابہ سے دریافت کیا الست اولیٰ بکم من انفسکم کیا میں تم پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟ سب نے کہا بیشک، بیشک، بیشک اور پھر اس کے بعد رسوؐل اللہ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا من کنت مولاه فعلی مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه وانصر من نصره واخذل من خذله وادر الحق حیث دار ''یعنی جس کا میں مولا ہوں علیؑ اس کا مولا ہے خداوندا دوست رکھ اس کو جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اُسے جو اسے دشمن رکھے مدد کر اُس کی جو اس کی مدد کرے ساتھ چھوڑ اس کا جو اس کا ساتھ چھوڑے۔ اور حق کو اس طرف گردش دے جس طرف وہ گردش کرے۔''[1]

حافظ محب طبری نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر جناب علیؑ سے ملے اور کہا کہ مبارک ہو آپؑ کو کہ آپؑ ہو گئے ہر مومن و مومنہ کے مولاؑ[2]

اب رسوؐل کی زندگی صرف دو ماہ اور چند دن باقی رہ گئی ہے اور مسلمانوں کی شب یلدا جب ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دے گا نزدیک ہے آئیے واقعات کا جائزہ لیں۔ شاید رسوؐل اللہ کے بیانات سے کوئی شمع ہدایت ایسی مل جائے جو تجلّیات نبوی کے

۱۔ خصائص نسائی، ص ؍ ۶۲، ص ؍ ۶۴ و روض الانف، جلد ؍ ۲، ص ؍ ۲۲۸، بطری جلد ؍ ۳، ص ؍ ۱۵۴، تاریخ خمیس، جلد ؍ ۲، ص ؍ ۱۵۰، ریاض نضرہ، ص ؍ ۴۷۔

۲ ریاض نضرہ جلد ؍ ۲، ص ؍ ۱۶۹

اوجھل ہو جانے کے بعد ہمارے لئے دلیل راہ بن سکے۔

گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ شروع سے اخیر تک ہر موقع پر رسوؐل کے ساتھ مواسات و ہمدردی میں پیش پیش رہنے والا کسی موقع پر قدم میں تزلزل نہ آنے دینے والا اور سخت سے سخت وقت میں اطاعتِ رسولؐ سے سر مو انحراف نہ کرنے والا کون تھا؟ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جناب امیرؑ کی اس اطاعت و جاں نثاری کی بنا پر رسوؐل کی بارگاہ میں جو رسوخ ان کو حاصل تھا وہ دوسرے صحابہ کو گراں گذرتا تھا اور جذبات سے مجبور ہو کر شکوہ و شکایت بھی کر گذرتے تھے اور رسالتمآبؐ کی طرف سے جناب امیرؑ کے خلاف اعتراض یا شکوہ کا جو جواب ملتا وہ بھی آپ نے پڑھ لیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ نفسیات کے لحاظ سے یہ واقعات اور زیادہ صحابہ کی برہمی کا باعث ہوئے ہوں گے، چنانچہ رسالتمآبؐ کو احساس تھا کہ جب میری زندگی میں یہ ہو رہا ہے تو بعد میں خدا جانے کیا ہو..... حضرت نے اس خطرے کے وقوع کی صریح پیشن گوئی کی ہے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہنچوں گا کچھ لوگ تم میں سے میری طرف لائے جائیں گے اور جب میں چاہوں گا کہ اُنھیں اپنے قریب بلاؤں تو وہ مجھ سے جدا کر دیے جائیں گے میں کہوں گا خداوندا یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ ارشاد ہوگا تمھیں معلوم نہیں انھوں نے تمہارے بعد کیا گل کھلائے [1]۔

آں حضرؐت کو جن چیزوں کے متعلق یہ خطرہ تھا ان کو صاف طور پر حجۃ الوداع کے خطبہ میں ظاہر فرما دیا.... اس میں آں حضرؐت نے اس تمہید کے ساتھ کہ انا فرطکم علی الحوض میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں یہ فرمایا ہے کہ میں تم میں دو چیزیں بہت گراں قدر چھوڑے جاتا ہوں ایک کتابِ خدا دوسرے اپنی عترت و اہلبیتؑ، دیکھوں میرے بعد تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔ اس طرح حضرؐت نے اس پہلی بیعت کے موقع پر جو وانذر عشیرتك الاقربین کا حکم نازل ہونے پر لی گئی تھی علیؑ کی وزارت و وصایت وخلافت کا اعلان فرمادیا تھا پھر اس کے بعد مختلف طرح سے علیؑ کے کمالات کو روشن کیا علمی حیثیت سے انا مدینۃ العلم و علی بابھا فرما کر یہ ثابت کیا کہ میرے علوم اگر دستیاب ہو سکتے ہیں تو صرف علیؑ کے ذریعہ سے ''اقضاکم علی'' کہہ کر فصل مقدمات کا بہترین ماہر بتایا علی منّی کہہ کر انتہائی یگانگت و وابستگی کا اظہار فرمایا اور سب کے آخر میں غدیر خم کے میدان میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہہ کر علیؑ کی حکومت، ولایت وخلافت کا صریح اعلان فرما دیا یہاں تک کہ صحابہ نے علیؑ کو مبارکباد بھی دی لیکن کیا رسوؐل اللہ کو اطمینان ہو گیا تھا؟ ہر گز نہیں۔ واقعات بتاتے ہیں کہ آپ مطمئن نہ ہوئے تھے حضرتؐ نے اس بیماری کی حالت میں تقریر کی اور فرمایا ''اے لوگو! بہت قریب ہے وہ وقت کہ میں دنیا سے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۴، ص ۱۳۷

اُٹھ جاؤں اور تم سے رخصت ہوں میں نے اس سے قبل تم سے سب کچھ کہہ دیا ہے اور حجت تمام کر دی ہے پس تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں تمھارے درمیان خدا کی کتاب اور اپنی عترت اہلبیتؑ کو چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرتؐ نے جناب امیرؑ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے بلند کر کے فرمایا ھذا علی مع القرٰان و القرٰان مع علی لا یفترقان حتّٰی یردا علی الحوض فاسئلھما ما خلقت فیھما علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہونچیں۔ میں ان سے دریافت کروں گا کہ تم نے ان سے میرے بعد کیا سلوک کیا۔ [1]

اب مرض کی شدّت اور زیادہ بڑھ گئی حضرتؐ نے اسی عالم میں ایک علَم اسامہ بن زید کے لئے تیار کیا اور تمام بڑے بڑے صحابہ کو اسامہ کی ماتحتی میں جنگ کے لئے روانگی کا حکم دیا۔ تاریخیں متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر وعمر بھی اسامہ کے ساتھ جانے پر مامور ہوئے تھے بے شک ان اشخاص میں جو ساتھ جانے پر مامور تھے حضرت علیؑ کا نام نظر نہیں آتا۔ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسوؐل اللہ کو اپنی زندگی کے آخر ہونے کا یقین تھا وہ اپنی موت کی اطلاع رکھتے تھے اور اس کے لئے تیاریاں کر رہے تھے اس موقع پر حضرتؐ کا خاص طور سے لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم دینا اسی لئے تھا کہ وہ ان تمام لوگوں کے وجود سے مدینہ کو خالی کر دینا چاہتے تھے۔ اگر آپؐ کا منشا کسی حیثیت سے یہ ہوتا ہے کہ آپؐ کے بعد امور خلق کی ذمہ داری ان اشخاص میں سے کسی کے سپرد ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے وقت آخر میں ان لوگوں کو لشکر اسامہ کے ساتھ جانے کی تاکید نہ فرماتے۔ حضرتؐ کو اس امر میں اتنا اہتمام تھا کہ شدت مرض میں جب آنکھ کھلتی تھی تو بار بار یہی تاکید فرماتے تھے کہ لشکر فوراً روانہ ہو جائے۔ لوگ رسوؐل خدا کے اس منشاء کو سمجھتے تھے اور اسی لئے تعمیل حکم میں پس و پیش ہو رہا تھا لیکن اسامہ کا لشکر نہ جانا تھا نہ گیا اور رکا اُس وقت جب رسوؐل خدا کی وفات ہو چکی تھی اور خلافت کا مسئلہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

اب رسوؐل خدا کا مرض انتہائی شدت تک پہنچ گیا ہے مگر اب بھی اگر کوئی خیال آپؐ کو ہے تو صرف وہی ایک، کوئی اندیشہ ہے تو وہی ایک۔ ایک بار غش سے آنکھ کھلتی ہے تو فرماتے ہیں ”ذرا دوات قلم منگاؤ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ چھوڑ جاؤں تاکہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ مبتلا ہو“ مگر حضرت عمر نے انکار کر دیا فرمایا کہ پیغمبرؐ پر مرض کا غلبہ ہے اور ہم کو کتاب خدا کافی ہے..... اس میں صاف صاف تحریر ہے کہ مخالفت کرنے والے حضرت عمر تھے۔ (ملاحظہ ہو بخاری باب قول المریض قوموا عنی، جلد/۴، ص/۵) رسالت مآبؐ کو اس واقعہ سے جتنا صدمہ بھی پہنچا ہو کم ہے چنانچہ اسی صدمہ کا نتیجہ تھا کہ آپ نے برہم ہو کر سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ لیکن اس منظر کی ایک آخری کڑی اور ہے جو دیکھنے کے قابل ہے اس داستان کا ایک ٹکڑا اور

۱۔ صواعق محرقہ، مطبوعہ مصر، ص/۷۷

ہے جو سننے کے قابل ہے اور یہ کسی اور کے منہ کی بات نہیں بلکہ خود جناب عائشہ کا بیان ہے:

قالت قال رسول الله لما حضرته الوفاة قال ادعوا لی حبیبی فدعواله ابابکر فنظر الیه ثم وضع راسهٔ ثم قال ادعوالیٰ حبیبی فدعواله، عمر فلما نظر الیه وضع راسه ثم قال ادعوالی حبیبی فدعواله علیا فلما راه ادخله معه فی الثوب الّذی کان علیه فلم یزل یحتضنه حتی قبض ویده علیه۔(اخرجہ الرازی)(ریاض نضرہ مطبوعہ مصر ص/۱۸۰)

''حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ جب حضرتؐ کا بالکل وقت آخر تھا تو آپؐ نے فرمایا بلاؤ میرے حبیب کو، کوئی جا کر حضرت ابو بکر کو بلا لایا، آپؐ نے تکیہ سے سر اُٹھا کر دیکھا اور پھر تکیہ پر سر رکھ دیا، دوبارہ فرمایا، بلاؤ میرے حبیب کو اب جا کر حضرت عمر کو بلا لائے، آپؐ نے اُن کو بھی دیکھ کر تکیہ پر سر رکھ دیا، تیسری بار پھر آپؐ نے یہی فرمایا کسی نے علیؑ کو بلا لیا جب آپؐ نے علیؑ کو دیکھا تو انھیں اپنی چادر میں لے لیا جس کو آپ اوڑھے ہوئے تھے اور برابر اسی طرح لئے رہے یہاں تک کہ حضرتؐ کی روح مبارک نے جسم سے پرواز کی تو آپؐ کا ہاتھ علیؑ کے اوپر تھا۔''(مسئلہ خلافت وامامت پنڈت ہرنام منقول از رسالہ ''نگار'' لکھنؤ، مارچ ۱۹۳۵ء)

حقیقت یہ ہے کہ خدا اور رسوؐل نے خلافت کے مسئلہ کو ایسے واضح طریقہ سے ابتداء اسلام ہی میں طے کر دیا تھا کہ آج جو شخص بھی خواہ وہ کسی قوم ومذہب سے تعلق رکھتا ہو، شیعہ سنّی جھگڑوں سے الگ ہو کر اس کی تحقیق کرنا چاہے گا وہ آسانی سے یقین کر لے گا کہ خدا نے جس طرح رسالت کے مسئلے کو صاف کر دیا تھا اسی طرح خلافت کو بھی اور آں حضرت نے جس طرح نماز و روزہ کا فریضہ لوگوں کو بتا دیا تھا اسی طرح حضرت علیؑ کے خلیفہ بلافصل ہونے کو بھی اور صرف اپنے دنیا سے انتقال ہی کے قریب نہیں بلکہ اس سے بیس سال قبل جب اسلام کی طرف شروع شروع لوگوں کو دعوت دی اُسی وقت فرمایا کہ ان هذا اخی ووصیی و خلیفتی فیکم پھر انتقال کے وقت تک یہ نہیں ارشاد فرمایا علیؑ کو ہم نے اُس موقع پر اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اب ان کو اس سے معزول کرتے اور دوسرے کو اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں یا تم لوگوں پر چھوڑ جاتے ہیں کہ اپنے انتخاب یا اجماع سے جس شخص کو چاہنا میرا خلیفہ اور اپنا امام مقرر کر لینا۔

ایک معمولی کام سورۂ برأت کی تبلیغ کرنا تھا اس کے لئے حضرت رسوؐل خدا نے حضرت ابو بکر کو تجویز کر کے اُن کے حوالے یہ کام کیا اور وہ آگے بڑھ بھی گئے مگر خدا کو یہ بات پسند نہ ہوئی تو فوراً جناب جبرئیل کو بھیج کر انھیں اس عہدہ سے معزول کرا دیا اور اُن کے عوض حضرت علیؑ کو مقرر کیا اور باوجودیکہ حضرت ابو بکر کو اس کا سخت صدمہ بھی ہوا، آپ آ کر رونے بھی لگے خدا نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا امت اسلام کے ہر کام کی طرف ہر وقت نگراں رہتا اور جب کوئی امر اس کے

لئے مضر پاتا آں حضرت کو اس پر متنبہ فرمادیتا تھا اسی طرح اگر حضرت علیؑ کا خلیفہ بلافصل ہونا خدا کو ناپسند ہوتا یا وہ کسی دوسرے شخص کو تجویز کرتا یا حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان ۴ سنہ بعثت میں عارضی یا نمائشی یا نام نہادی یا صرف کار تبلیغ کے لئے رہتا تو خدا ضرور بعد کو دوسرا خلیفہ مقرر یا صرف حضرت علیؑ کو اس عہدہ سے معزول کرا کے اس کا اعلان کرادیتا مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ بجائے معزول کرانے کے خدا ہمیشہ علیؑ کی خلافت کو مستحکم کراتا اور اس عہد کو ہمیشہ تازہ کراتا رہا ۴ سنہ بعثت میں اہل مکّہ کے بڑے مجمع میں ان ھذا اخی ووصیی و خلیفتی کے ذریعہ سے حضرت علیؑ کی خلافت و وصایت کا اعلان کرایا جو آپ کی خلافت کا قول و منطوقی اشتہار تھا اور جب آں حضرت کے مکہ معظمہ سے ہجرت کرنے کا وقت ہوا اور ضرورت ہوئی کہ مکۂ معظمہ میں کوئی شخص آں حضرت کی خلافت کر کے آپ کے ضروری کاموں (امانتوں اور ودیعتوں کا واپس کرنا) انجام دے تو رسولؐ خدا کو حکم ہوا کہ اب یہاں سے جاتے وقت تم اپنا خلیفہ حضرت علیؑ ہی کو مقرر کر جاؤ کہ وہی تمہارے فرش پر سوئیں اور تمہاری ہی چادر اوڑھیں اور اس کے بعد تمہاری امانتیں لوگوں تک پہنچا دیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہر کافر و مسلم سمجھ لے کہ حضرت رسوؐل خدا کے نائب اور قائم مقام علیؑ ہی ہیں اور جس طرح اس وقت پیغمبرؐ کے ہٹنے سے آپؐ کی جگہ علیؑ مقرر کئے گئے اسی طرح پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد بھی آپؐ کی جگہ علیؑ ہی کے لئے موزوں ہے نہ کسی اور کے لئے۔ غرض علیؑ کی خلافت کا فعلی عملی اعلان پہلی دفعہ تو آں حضرؐت کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرتے وقت ہوا کہ باوجودیکہ بہت لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور اُنھیں میں حضرت ابوبکر وحضرت عمر و عثمان بھی تھے اور بہت ذی اثر بھی تھے کہ مکہ میں ان لوگوں کی بڑی قوت و دبدبہ واقتدار کا دعویٰ کیا جاتا ہے مگر کسی کے بارے میں خدا کا حکم آں حضرت کو نہیں ہوا کہ اپنا نائب (خلیفہ) بنا کر اُن کو اپنی جگہ سُلا جاؤ بلکہ حضرت علیؑ ہی اس عہدے پر سرفراز کئے گئے۔ حضرت علیؑ کی خلافت کا دوسرا فعلی و عملی اعلان غزوۂ تبوک میں ہوا جس کی تفصیل معلوم ہے کہ جب آں حضرؐت روانہ ہونے لگے اور حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ مدینہ میں قیام کر کے حضرؐت کی خلافت کریں تو حضرت علیؑ کبیدہ خاطر ہو کر کہنے لگے اتخلفنی فی الصبیان و النساء آپؐ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ حضرؐت نے جواب دیا اما ترضی ان تکون منّی بمنزلة ھارون من موسیٰ الّا انّه لا نبی بعدی کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھو جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے[1]۔ اگر آخری جملہ لانبی بعدی کا نہ ہوتا تو جناب ہارون کی منزلت کو صرف وقتی جانشینی اور عارضی خلافت تک محدود سمجھا جاسکتا تھا لیکن اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زندگی میں اور بعد وفات

---

[1] صحیح بخاری، جلد ۳، ص ۵۳، وخمیس، جلد ۲، ص ۳۸، تاریخ طبری جلد ۳، ص ۱۴۴، ریاض نضرہ جلد ۱، ص ۱۶۲، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲، ص ۳۱۷، وغیرہ

دونوں حالتوں میں حضرت علیؑ کو اسی جانشینی اور خلافت کا درجہ حاصل ہے جو جناب ہارون کو جناب موسیٰؑ کے بعد حاصل ہوا دنیا کو معلوم ہے کہ جناب ہارون حضرت موسیٰؑ کے شریک کار معاون اور وزیر و جانشین تھے اور اگر اُن کی زندگی حضرت موسیٰؑ کے بعد باقی رہتی تو خلافت کا حق سوائے اُن کے کسی کو نہ پہنچتا بالکل اسی طرح حضرت علیؑ کے لئے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حیات و ممات ہر حالت میں رسولؐ اللہ کے جانشین تھے اور اگر جناب ہارون سے کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ جناب ہارون نبی تھے اور حضرت رسولؐ اللہ کے بعد سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا لیکن اگر یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تو نبی بھی سوائے حضرت علیؑ کے کوئی دوسرا نہ ہوتا۔ اس حدیث کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں ''ایں حدیث ہم دلیل........ است در اثبات فضیلت حضرت امیرؑ در صحت امامت ایشاں......از یں حدیث مستفاد می شود استحقاق آں جناب برائے امامت'' یعنی یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جناب امیرؑ کی خلافت بلافصل صحیح تھی اور اس حدیث سے جناب امیرؑ کا امامت کے لئے استحقاق ثابت ہوتا ہے۔ (تحفۂ اثنا عشریہ، ص ر ۳۳۳) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی خلافت اور امامت پر حضرت رسولؐ نے نص کر دی تھی۔ یہی شاہ صاحب ایک اور مقام پر لکھ چکے ہیں خلفاء ثلاثہ نزد اہلسنت نہ معصوم اند نہ منصوص علیہ اہلسنت کے نزدیک خلفائے ثلاثہ نہ تو معصوم ہیں اور نہ اُن کی خلافت پر خدا اور رسولؐ نے کوئی نص کی تھی۔ (تحفۂ اثنا عشریہ) اس سے واضح ہوا کہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے متعلق کوئی نص نہیں ہے لہٰذا حضرت علیؑ کی خلافت بطور نص ثابت ہوگئی کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں صریح نص وارد ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے غزوۂ تبوک میں جاتے وقت حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اس طرح صحیحین کی منقول نص کے مطابق حضرت علیؑ حضرت رسولؐ خدا کے خلیفہ مطلق ہوئے کیونکہ جناب ہارون کو بھی حضرت موسیٰؑ نے اپنا خلیفہ ہی مقرر کیا تھا پس جب تک خدا یا رسولؐ کا کوئی قول یا فعل اس حکم اور ارشاد کا ناسخ نہیں ہوگا اس وقت تک حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے خلیفہ بلافصل رہیں گے۔ علاوہ بریں شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اس حدیث کو اس طرح نقل کیا ہے:

''فقال له اما ترضیٰ ان تكون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه ليس نبی بعدی۔ انه لا ينبغی ان اذهب الا وانت خليفتی۔ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم اس پر خوش نہیں ہوتے کہ جو مرتبہ جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا وہی درجہ تم کو بھی مجھ سے ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد پھر کوئی نبی نہیں ہوگا یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو۔ (ازالۃ الخفا مقصد ر ۲، ص ر ۲۶۱) آخری جملہ ''کسی طرح مناسب نہیں ہے'' سے حضرتؐ فرماتے ہیں کہ جب میں جاؤں گا اس وقت تمہیں کو میرا خلیفہ ہونا ضروری ہے اس طرح آں حضرتؐ کے دنیا سے جاتے

وقت بھی آنحضرتؐ کا خلیفہ حضرت علیؑ ہی کو ہونا چاہیئے[1]۔ ورنہ آں حضرتؐ کا یہ قول کہ لا ینبغی ان اذھب الا و انت خلیفتی غلط ہو جائے گا اور بعد کا جملہ انہ لا نبی بعدی اسی دعوے کی تائید کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو اے علیؑ تم ہی نبی ہوتے جیسے حضرت ہارون کو نبوت اور خلافت موسوی دونوں حاصل تھی لیکن چونکہ نبوت مجھ پر ختم ہوگئی ہے لہٰذا یہ عہدہ تم کو نہیں مل سکتا ہاں دوسرا عہدہ خلافت تمہارا ہی ہے۔

پھر سورہ براءت کی تبلیغ میں آں حضرتؐ کا فرمانا کہ لا یبلغ عنی غیری او رجل منی ''یعنی دینی احکام کو میری طرف سے سوائے میرے یا ایسے شخص کے جو مجھ ہی سے ہو کوئی نہیں پہنچا سکتا'' بتاتا ہے کہ کارِ رسالت آں حضرتؐ کے بعد اگر کوئی شخص انجام دے سکتا تھا تو وہ صرف حضرت علیؑ ہی تھے، اب دنیا سے جاتے وقت آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کی خلافت کا وہ اعلان کیا جو قولی بھی تھا اور عملی بھی حضرتؐ کو خدا کا حکم ہو۔ فاذا فرغت فانصب والیٰ ربك فارغب۔ اے محمدؐ اب کہ تم تمام احکام الٰہی کی تبلیغ سے فارغ ہو گئے تو (اپنی جگہ مقرر اور نصب کر دو) اس کے بعد اپنے پروردگار کی طرف چلے آؤ (پارہ/ ۳۰، سورہ انشراح، رکوع ،۱۹/۱) اس آیت کا مطلب بالکل صاف ہے کہ اے رسوؐل جب تم اسلام کی کل خدمتیں انجام دے لو اور میرے دربار میں آنے لگو تو اس سے پہلے اپنی جگہ اپنے خلیفہ کو بٹھا کر لوگوں کو (پھر) دکھا دو۔ یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر آں حضرتؐ کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے جانے کا حکم نہیں تھا تو اور کون سی بات تھی جس کے لئے خدا کا حکم ہو رہا ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو نصب بھی کر دو، کون سا کام باقی رہ گیا تھا؟ غرض حضرتؐ نے اس حکم کی تعمیل کی حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر خم میں حضرت علیؑ کو اپنے ساتھ منبر پر لے جا کر فرما دیا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اے مسلمانو! جس شخص کا میں مولا ہوں اسی کے مولا علی بھی ہیں۔ اگر چہ آں حضرتؐ نے ۴ سنہ بعثت ہی میں فرما دیا تھا ان ھذا اخی ووصیی و خلیفتی فیکم اور اگر چہ شب ہجرت میں اور غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی پیغمبرؐ نے علیؑ کو اپنی جگہ عملاً مقرر کر کے اپنا خلیفہ بنا دیا اور اس کا اعلان کر دیا تھا مگر اب تک کوئی ایسی صورت نہیں ہوئی تھی کہ مسلمانوں کے کسی بڑے مجمع میں ایک ہی منبر پر کھڑے ہو کر اور علیؑ کو بھی وہاں کھڑا کر کے رسوؐل خدا نے آپ کی خلافت اور مسند نشینی کا عملی اعلان کیا ہو اس سبب سے حکم خدا ہوا کہ جو مسلمان حجۃ الوداع سے

۱۔ اور علامۂ سبط ابن جوزی نے لکھا ہے: فقال الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا النبوۃ وانت خلیفتی۔ اے علیؑ تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو جناب ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا سوا اس کے کہ تم کو نبوت نہیں ملے گی اور میرے خلیفہ تم ہی رہو گے۔ (تذکرہ خواص الامہ، ص/ ۱۲) اور علامہ علی متقی نے لکھا ہے: قال رسول اللہ حین خلفه علی المدینة خلفتك تکون خلیفتی۔ حضرت رسوؐل نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم کو اس لئے چھوڑ کر جاتا ہوں کہ تم ہی میرے خلیفہ رہو۔ (کنز العمال جلد/ ۶، ص/ ۴۰۴) اور امام حاکم نے لکھا ہے کہ آں حضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ان المدینة لا تصلح الا بی او بك۔ مدینہ کی حالت یا میرے رہنے سے درست رہے گی یا تمھارے رہنے سے۔ (مستدرک)

واپس جا رہے ہیں اُن کی تعداد کافی ہے اور یہ مختلف مقامات کے بھی ہیں اس سے اچھا مجمع پھر نہیں ملے گا بس اسی جگہ یا ایّھا الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته۔ اے رسول جو (خاص) حکم تم پر نازل کیا گیا ہے اس کو (جلد) پہنچا دو اگر تم نے اس کو نہیں پہنچایا تو (معلوم ہوگا کہ) تم نے خدا کا کوئی حکم بھی نہیں پہنچایا (پارہ/۶، رکوع/۱۴) اس حکم کی تعمیل میں آں حضرتؐ نے کجاووں کا منبر تیار کرایا اور اس پر حضرت علیؑ کو لے جا کر اور مسلمانوں کو دکھا کر فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ جس کا مولا میں ہوں اُس کے مولا علیؑ بھی ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی نے اس روایت کو درج کر کے اس پر اس طرح تبصرہ کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں اور امام ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل وغیرہ ایک جماعت سے اس کی تخریج کی ہے اور اس کے طرق اسناد بہت زیادہ ہیں چنانچہ/۱۶ صحابیوں نے اس کی روایت کی ہے اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت میں ہے کہ/۳۰ صحابیوں نے اس کے سننے کی گواہی دی ہے اور اس کے اسناد اکثر صحیح وحسن ہیں۔ (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص/۲۵) استیعاب ابن عبدالبر واسد الغابہ ابن اثیر جزری وغیرہ میں متعدد مقامات پر یہ روایت مذکور ہے اور آخر میں حضرت عمر کا حضرت علیؑ کو مبارک باد دینا کہ ھنیئالك یا ابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولا کل مومن و مومنة اے فرزند ابوطالبؑ آپ کو مبارک ہو کہ آپ ہر مومن ومومنہ کے مولا ہو گئے۔ (ریاض نضرہ جلد/۲، ص/۱۶۹) بھی ثابت کرتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا ولی عہد اور خلیفہ ہی بنایا اور اس موقع پر اسی کا اعلان کیا تھا اور سب لوگوں نے یہاں تک کہ حضرت عمر نے بھی اس اعلان کا مطلب یہی سمجھا اگر یہ حضرت علیؑ کی خلافت کا آخری اعلان نہیں تھا تو اس میں آپ کی کون سی نئی عزت وفضیلت تھی جس پر حضرت عمر کو مبارک باد دینے کی ضرورت ہوئی؟

۞۞۞

فصل دوم

استحکام خلافت ابوبکر کے لئے حضرت عمر کی کوششیں

اکثر صحابہ کی سیرت کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ ارشادات پیغمبرؐ پر تبھی عمل پیرا ہوتے تھے اور انھیں احکام نبوی پر عمل کرتے تھے جب وہ صرف دین کے متعلق ہوتے اور اُخروی امور سے مختص ہوتے جیسے یہ حکم پیغمبرؐ کہ ماہ مبارک رمضان میں روزے رکھنے واجب ہیں نہ کسی اور مہینہ میں، قبلہ رُخ ہونا نماز کی حالت میں ضروری ہے نہ کہ دیگر حالات میں بھی، یا پیغمبرؐ کا حکم کہ دن میں اتنی نمازیں واجب ہیں اور رات میں اتنی، ہر نماز کی اتنی رکعتیں ہیں اور نماز کا طریقہ یہ ہے، یا پیغمبرؐ کا حکم کہ خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرنا چاہئے غرض اسی جیسے اور دیگر ارشادات و احکام پیغمبرؐ جو خالص اُخروی نفع سے مختص ہوا کرتے اُن کی تو وہ اطاعت کرتے لیکن پیغمبرؐ کے وہ ارشادات جن کا تعلق سیاست سے ہوا کرتا جیسے حکام و افسران کا تقرر سلطنت کے قوانین و قواعد کی ترتیب و تدوین اور مملکت کا نظم و انتظام فوجی بھرتی، لشکر کی روانگی وغیرہ جیسے امور ان باتوں میں وہ پیغمبرؐ کے اقوال و ارشادات کی تعمیل ضروری نہیں سمجھتے تھے نہ جملہ حالات میں مطابق حکم پیغمبرؐ کام کرنے کے پابند رہنا چاہتے تھے بلکہ اپنی سوچ سمجھ کو بھی دخل دیتے تھے اور اپنی نظر و فکر اور اجتہاد کے لئے بھی گنجائش باقی رکھتے تھے لہٰذا جب بھی اُنھوں نے دیکھا کہ حکم رسوؐل کی خلاف ورزی میں ہماری قدر و منزلت بڑھے گی یا ہماری حکومت کو نفع پہنچے گا اُنھوں نے فوراً رسولؐ کے حکم کو پس پشت ڈالا اور وہی کیا جس سے اُن کی شان دوبالا ہو یا حکومت کا فائدہ پہنچے۔(۱)

---

(۱): وہ مواقع جہاں ارشاداتِ پیغمبرؐ کی صریحی مخالفت کی گئی، احکام پیغمبرؐ پر عمل نہ کیا گیا بے شمار ہیں ہم چند بطور نمونہ ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱)۔ امام بخاری بسلسلۂ اسناد عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں انھوں ابن عباس سے روایت کی ہے ابن عباس کہتے ہیں جب رسولؐ کے انتقال کا وقت قریب پہنچا اور رسولؐ کے گھر میں بہت سے اشخاص تھے جن میں حضرت عمر بھی تھے رسوؐل نے فرمایا میرے پاس آؤ تا کہ میں تمھیں ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ میرے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ اس پر عمر بولے کہ رسوؐل پر درد کا غلبہ ہے اور تمھارے پاس کلام مجید موجود ہے، ہمارے لئے کتابِ خدا کافی ہے اس پر گھر میں جو لوگ تھے اُن میں اختلاف ہو گیا آپس میں جھگڑنے لگے۔ بعض کہتے کہ قلم و دوات رسوؐل کے قریب کر دو اور بعض حضرت عمر کی ہم نوائی کر رہے تھے۔ جب تکرار اور چپقلش زیادہ بڑھی تو رسوؐل نے فرمایا کہ ”تم میرے پاس سے اُٹھ جاؤ“ ابن عباس کہتے ہیں کہ ساری مصیبت یہ ہوئی کہ لوگوں نے باہم اختلاف کر کے شور و غل مچا کر رسوؐل کو وہ نوشتہ نہیں لکھنے دیا۔ (صحیح بخاری پارہ ر ۴ ص ر ۵ باب قول المریض قوموا عنی و صحیح بخاری پارہ اول ص ر ۲۴، کتاب العلم وغیرہ صحیح مسلم جلد ر ۲ ص ر ۱۴ وغیرہ)

اس واقعہ میں صحابہ نے پیغمبرؐ کی نافرمانی کی، زندگی کی آخری گھڑیاں تھیں، رحلت کا وقت قریب تھا آپ امت کی خیر خواہی و بہبودی کے پیش نظر ایک ایسا نوشتہ لکھ جانا چاہتے ہیں جس میں گمراہی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سدِّ باب ہو جائے، قلم و دوات طلب کرتے ہیں تا کہ وصیت نامہ تحریر فرما جائیں مگر بقول شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی اُنھوں نے دھینگا مشتی سے منصوبے ہی کو چٹکیوں میں اُڑا دیا اور مزاحمت کی

تاویل یہ کی کہ ہماری ہدایت کے لئے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبرؐ صاحب کے حواس بجا نہیں کاغذ قلم، دوات کالانا کچھ ضرورنہیں، خدا جانے کیا کا کیا لکھوا دیں گے۔'' (امہات الامہ مطبوعہ دہلی)۔

کاش صحابہ یہی کرتے کہ رسولؐ کی بات ٹال جاتے نہ مانتے لیکن رسولؐ کو یہ سوکھا جواب تو نہیں دیتے کہ حسبنا کتاب اللہ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے۔ اس فقرے سے تو دھوکا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ جیسے رسولؐ جانتے ہی نہ تھے کہ کتاب خدا مسلمانوں کے لئے کیا حیثیت رکھتی ہے یا معاذ اللہ یہ صحابہ کتاب خدا کے خواص وفوائد رسولؐ سے زیادہ جانتے تھے، اس کے رموز واسرار سے زیادہ واقف تھے کاش ''حسبنا کتاب اللہ'' ہی کہہ کر رک جاتے یہ کہہ کر کہ رسولؐ ہذیان بک رہے ہیں رسولؐ کو صدمۂ ناگہانی تو نہ پہنچاتے۔

(۲) جیش اسامہ سے تخلف۔ لشکر اسامہ رسولؐ کی زندگی کا آخری لشکر تھا جسے آپ نے روم کی طرف لڑنے کو بھیجا تھا اس لشکر کی روانگی میں آپؐ نے اہتمام عظیم فرمایا تھا اور تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا تھا۔ مسلمانوں کے ارادوں کو مضبوط اور ان کی ہمتوں کو بڑھانے کے لئے لشکر کے ساز وسامان کی فراہمی آپؐ نے خود بہ نفس نفیس فرمائی۔

مہاجرین وانصار کے سربرآوردہ افراد جیسے حضرت ابوبکر وعمر، ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص وغیرہ میں سے کوئی بھی فرد ایسی نہ بچی جسے فوج میں رسولؐ نے نہ رکھا ہو۔ (طبقات بن سعد، تاریخ طبری کامل، سیرۃ حلبیہ، سیرۃ وحلانیہ وغیرہ)۔ یہ ۱۱ھ ہجری ماہ صفر کی ۲۶؍تاریخ کا واقعہ ہے جب صبح ہوئی ۲۷؍تاریخ آئی تو آپ نے اسامہ کو طلب کیا اور فرمایا کہ جہاں تمہارے باپ قتل کئے گئے اس طرف روانہ ہو اور اُن لوگوں کو اس لشکر سے روند ڈالو، میں تمہیں اس لشکر کا افسر اعلیٰ مقرر کرتا ہوں تم صبح سویرے اہل بنی پر چڑھائی کر دینا اور بہت تیزی سے جانا تا کہ وہاں خبر پہنچنے سے پہلے پہنچ جاؤ اگر فتحیابی ہو تو بہت تھوڑی دیر وہاں ٹھہرنا، اپنے ساتھ راہ بتانے والے لے لو جاسوسوں کو آگے روانہ کر دو۔ جب ۲۸؍صفر ہوئی تو رسولؐ کا مرض موت نمایاں ہوا، تپ آگئی، سر کا درد بڑھ گیا۔ جب ۲۹؍تاریخ ہوئی اور آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ جانے میں تساہلی کر رہے ہیں تو آپ باہر تشریف لائے۔ مسلمانوں کی حمیت کو جنبش میں لانے اور ارادوں کو پختہ بنانے کے لئے آپؐ نے اپنے ہاتھ سے لشکر کا علم درست کر کے اسامہ کو بخشا اور ارشاد فرمایا کہ خدا کا نام لے کر چل کھڑے ہو اور راہِ خدا میں جہاد کرنا اور تمام کافروں سے جنگ کرنا اسامہ رسولؐ کا علم لے کے چلے؟ علم کو بریدہ کے حوالے کیا۔ مدینہ کے باہر پہنچ کر لشکر سمیت قیام کیا۔ وہاں پہنچ کر مسلمانوں میں پھر سُستی پیدا ہوئی اور وہاں سے آگے نہ بڑھے باوجودیکہ صحابہ نے ارشادات پیغمبرؐ سُنے، جلد روانہ ہونے کا آپ نے جس قدر سختی کے ساتھ صاف صاف لفظوں میں تاکیدی حکم دیا تھا وہ سُنا جیسے رسولؐ کا یہ فقرہ صبح سویرے اہل ابنیٰ پر چڑھائی کر دو اور رسولؐ کا یہ جملہ ''جلد روانہ ہوتا کہ وہاں خبر پہنچنے سے پہنے پہنچ جاؤ'' غرض اسی طرح اور بہت سے تاکیدی احکام آپ نے لشکر کی روانگی کے موقع پر دئے تھے مگر صحابہ نے کسی حکم پر بھی عمل نہیں کیا، رسولؐ کی ایک بات بھی نہیں مانی۔

صحابہ میں سے بعض لوگوں نے اسامہ کو افسر مقرر کرنے پر اعتراض بھی کیا جس طرح سابق میں اسامہ کے باپ زید کو افسر مقرر کرنے پر وہ اعتراض کر چکے تھے اور بہت کچھ باتیں اسامہ کے متعلق لوگوں نے کہیں، حد سے زیادہ برا بھلا کہا حالانکہ اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خود رسولؐ نے افسر مقرر کیا ہے، اسامہ سے رسولؐ کو یہ کہتے بھی سنا کہ میں نے تمہیں اس لشکر کا افسر مقرر کیا۔

اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی رسولؐ باوجود بخار میں ہونے کے اپنے ہاتھ سے علم لشکر درست کر کے اسامہ کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں مگر باوجود یہ سب دیکھنے اور سننے کے وہ اسامہ کے سردار مقرر کئے جانے پر اعتراض کرنے سے باز نہ رہے آخر کار اُن کے اعتراض وطعنہ زنی سے رسولؐ شدید غم وغصہ میں اسی بخار کی حالت میں سر پر پٹی باندھے، چادر اوڑھے باہر تشریف لائے، یہ سنیچر، ۱۰؍ربیع الاول انتقال سے صرف ۲؍یوم پیشتر کا واقعہ ہے آپؐ منبر پر گئے، حمد وثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا (تمام مورخین نے اجماعی طور پر رسولؐ کے اس خطبہ کو نقل کیا ہے اور تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ رسولؐ اللہ نے اس دن یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا) میرے اسامہ کو افسر فوج مقرر کرنے پر تمہیں، اعتراض ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں، اسامہ کے باپ زید کو جب میں نے افسر فوج مقرر کیا

تھا تب بھی تم لوگ معترض ہوئے تھے، خدا کی قسم زید بھی افسری کے لائق تھا اور اس کا بیٹا اسامہ بھی افسری کا سزاوار ہے۔ اس کے بعد آں حضرتؐ نے مسلمانوں کو جلدی روانہ ہونے کے لئے جوش دلایا صحابہ آپ سے رخصت ہونے لگے اور لشکر گاہ کی طرف روانہ ہونا شروع ہوئے، ...

..آں حضرتؐ انھیں جلدی روانگی پر برانگیختہ کرتے رہے اس کے بعد آپؐ کے مرض میں شدت پیدا ہو چلی مگر آپؐ شدت مرض میں یہی فرماتے رہے، لشکر اسامہ کو جلد روانہ کرو، ''لشکر اسامہ کو جلد بھیجو،'' ''لشکر اسامہ کو فوراً روانہ کرو'' یہی جملے برابر دُہراتے رہے مگر ادھر لشکر والے سستی ہی برتتے رہے۔ جب ۱۲ ربیع الاول کی صبح ہوئی تو اسامہ لشکر گاہ سے رسولؐ کی خدمت میں پہنچے رسولؐ نے فوراً روانگی کا انھیں حکم دیا اور ارشاد فرمایا۔ خدا کی برکتوں کے ساتھ سویرے روانہ ہو جاؤ۔ اسامہ نے رسولؐ کو رخصت کیا اور لشکر گاہ کی طرف واپس ہوئے پھر پلٹے اور اُن کے ساتھ حضرت عمر اور ابو عبیدہ بھی تھے۔ لوگ رسولؐ کے پاس جا پہنچے اس وقت آں حضرتؐ کا دم واپسیں تھا، اُسی دن آپؐ نے دنیا سے انتقال کیا، رسولؐ کے انتقال کے بعد علم سمیت لشکر بھی مدینہ واپس آ گیا۔

جب حضرت ابو بکر خلیفہ ہو گئے تو اس وقت بھی لوگوں نے چاہا کہ لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے اس کے متعلق حضرت ابو بکر سے لوگوں نے گفتگو بھی کی اور بڑا شدید اصرار کیا باوجودیکہ وہ اپنی آنکھوں سے لشکر کی روانگی میں رسولؐ کا اہتمام دیکھ چکے تھے جلد جانے کے متعلق فوراً لشکر روانہ ہونے کے لئے مسلسل پیغمبرؐ جو تاکیدیں کیا کئے اُسے بھی سنتے رہے خود بہ نفس نفیس پیغمبرؐ کا لشکر کا سارا سامان فراہم کرتا بحالت تپ اپنے ہاتھ سے علم لشکر سنوار کر اسامہ کے ہاتھ میں دینا یہ سب اُن کی آنکھوں کے سامنے کی بات تھی مگر اُن کی انتہائی کوشش اسی کی رہی کہ کسی طرح لشکر کی روانگی روک دی جائے اگر حضرت ابو بکر نہ ہوتے تو لشکر واپس بلا لینے اور رایت لشکر کھول دینے پر وہ سب تُل چکے تھے مگر خود حضرت ابو بکر نے انکار کر دیا۔

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ لشکر بھیجنے پر ابو بکر تلے بیٹھے ہیں تو حضرت ابو بکر کے پاس آئے اور بہ زبان انصار اُن سے درخواست کی کہ اسامہ کو معزول کر کے کسی اور کو افسر مقرر کیا جائے حالانکہ زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ اسی اسامہ کی افسری پر اعتراض کرنے کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے وہ آں حضرتؐ کا غیظ و غضب اور اس کی وجہ سے بخار کی شدید تکلیف میں سر پر پٹی باندھے چادر اوڑھے ہوئے گھر سے باہر آنا، لڑکھڑاتی چال ڈگمگاتے قدم، صدمہ کی وجہ سے آپؐ سے سنبھلا نہیں جاتا تھا، آپؐ کا منبر پر جانا، ٹھنڈی سانسیں بھرنا اور فرمانا کہ اے لوگو اُسامہ کے سردار مقرر کرنے پر تم میں سے کچھ لوگوں کے قیل و قال کرنے کی یہ کیا خبر مجھے پہنچی ہے؟ اگر آج تم اسامہ کے سردار مقرر کئے جانے پر معترض ہو تو کل اس کے باپ زید کے سردار مقرر کئے جانے پر بھی معترض رہ چکے ہو خدا کی قسم زید بھی افسری کے لائق تھا اور اُس کا بیٹا اسامہ بھی افسری کے لائق ہے۔

رسولؐ نے قسم کے ذریعہ ان جملہ اسمیہ اور لام تاکید کے ذریعہ اپنے حکم کی پوری پوری تاکید کی تاکہ لوگ اعتراض سے باز رہیں، قیل و قال نہ کریں۔ مگر افسوس رسولؐ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی، رسولؐ کے جیتے جی بھی اسامہ کی ماتحتی نہ قبول کی اور رسولؐ کے بعد حضرت ابو بکر سے خواستگاری کی گئی کہ اسامہ کو ہٹا کر دوسرے کو افسر مقرر کیا جائے لیکن حضرت ابو بکر نے ان لوگوں کی درخواست کو اسی طرح ٹھکرا دیا جس طرح لشکر کی روانگی کو ملتوی کرنے کی درخواست ٹھکرا دی تھی آپ نے لپک کر حضرت عمر کی ڈاڑھی پکڑی اور کہا تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے ستیاناس ہو تمہارا اے خطاب کے بیٹے رسولؐ تو اسامہ کو افسر مقرر کریں اور تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اُنھیں معزول کر دوں۔

جب لشکر اسامہ روانہ ہوا تو تین ہزار سپاہی اسامہ لے کر چلے جس میں ہزار سوار تھے۔

اور ایک اچھی خاصی تعداد صحابہ کی جنھیں خود رسولؐ نے فوج میں رکھا تھا اسامہ کے ساتھ جانے کا تاکیدی حکم دیا تھا لشکر کے ہمراہ نہ جانا تھی نہ گئی حالانکہ رسالت مآبؐ نے بڑی تاکید سے پیہم فرمایا تھا (جیسا کہ علامہ شہرستانی کتاب الملل والنحل مقدمہ چہارم میں رقمطراز ہیں) اسامہ کا لشکر جلد روانہ کرو، خدا لعنت کرے اس پر جو اسامہ کی ماتحتی سے گریز کرے۔

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ صحابہ نے ابتداً رسولؐ کی زندگی میں جانے میں تساہلی برتی اور آخر میں رسولؐ کے بعد جب آخر کار لشکر روانہ ہوا بھی تو لشکر کے ہمراہ

جانے سے گریز کیا فوج کے ساتھ نہ گئے اسی لئے تاکہ سیاست کے ستون استوار کرلیں، سیاست کی دیواریں اچھی طرح کھڑی کرلیں۔انھوں نے حکم رسولؐ کی تعمیل پر سیاست کو ترجیح دی، امورمملکت کا انتظام وانصرام مقدم رکھا، رسولؐ کے تاکیدی احکام پس پشت ڈالے، وہ سمجھتے تھے کہ ہماری سستی کاہلی کی وجہ سے یا ساتھ نہ جانے کی وجہ سے لشکر کی روانگی تو ملتوی ہوگی نہیں لشکر تو بہرحال جائے گا چاہے ہم جائیں یا نہ جائیں لیکن اگر ہم محاذ جنگ پر رسولؐ کے انتقال کے قبل ہی چلے جاتے ہیں تو ہمارے آتے آتے خلافت کا مسئلہ طے ہوچکا ہوگا اور اب تک خلافت کے لئے دل میں جو تمنائیں پرورش پارہی تھیں اُن کا خون ہوجائے گا، ساری امیدیں خاک میں مل جائیں گی اور ہمیشہ کے لئے خلافت سے محروم ہوجائیں گے۔حضرت سرور کائنات چاہتے تھے کہ مدینہ ان لوگوں سے خالی ہوجائے تاکہ ان کی عدم موجودگی میں امیرالمومنینؑ کی خلافت کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے اور سکون واطمینان کے ساتھ بغیر کسی اختلاف ونزاع کے امیرالمومنین تخت خلافت پر متمکن ہوجائیں۔جب یہ صحابہ جنگ سے پلٹیں گے اور یہاں خلافت کا معاملہ طے ہوچکا ہوگا، بیعت ہوچکی ہوگی تو پھر نزاع واختلاف کا اُنھیں کوئی موقع ہی باقی نہ رہے گا۔

اسامہ کو جب کہ وہ ۱۷ برس کے سن کے تھے افسر مقرر کرنے میں آپ کی یہ مصلحت تھی کہ بعض لوگوں کی گردن ذرا جھنجھوڑ دی جائے، متمرد وسرکش ہستیوں کو اُن کی سرکشی کا مزا چکھا دیا جائے نیز آئندہ اس سے ملتا جلتا واقعہ پیش آئے، آپ کسی شخص کو امیر مقرر فرمائیں جو سن میں بڑے بوڑھے صحابیوں سے کم ہو تو بڑائی کی لینے والوں کی طرف سے کسی نزاع کا خدشہ باقی نہ رہے لیکن یہ صحابہ رسولؐ کی تدبیروں کو سمجھ گئے لہٰذا انھوں نے اسامہ کے افسر مقرر کرنے پر اعتراضات کرنا شروع کئے، رسولؐ پر طعن کرنے لگے اور ان کا ماتحت بن کر جانے میں سستی کو راہ دی رسولؐ کے حکم سے مجبور ہوکر چلے بھی تو مدینہ کے باہر ٹھہر گئے وہاں سے کسی طرح آگے بڑھنا منظور نہ کیا یہاں تک پیغمبرؐ نے انتقال کیا اب انھیں کوئی کھٹکا باقی نہ تھا۔پہلی کوشش تو اُن کی یہ ہوئی کہ لشکر کی روانگی ہی ملتوی ہوجائے، جب اس میں ناکامی ہوئی تو دوسری کوشش یہ ہوئی کہ اسامہ کو معزول کر کے کسی اور کو افسر مقرر کیا جائے پھر بہت سے لوگ لشکر کے ساتھ نہ گئے جیسا کہ آپ سن چکے۔

یہ پانچ باتیں، اسی سریہ اسامہ میں پیش آئیں جس میں صحابہ نے سیاسی امور میں اپنی رائے کو مقدم رکھا اور نصوص پیغمبرؐ پر عمل کرنے سے سیاسی اغراض میں اپنے اجتہاد کو بہتر جانتے ہوئے صاف وصریح احکام پیغمبرؐ کی کھلی مخالفت کر کے آپؐ کے حکم کو ٹھکرا دیا:۔

(۱)۔رسولؐ نے اُسامہ کی ماتحتی میں محاذ جنگ پر روانہ ہونے کا حکم دیا لیکن نہ گئے۔

(۲)۔سیاسی امور میں اپنی رائے واجتہاد کو تعمیل حکم پیغمبرؐ سے بہتر جانا۔

(۳)۔اسامہ کی افسری پر طعن کیا۔

(۴)۔رسولؐ کے انتقال کے بعد کوشش کی کہ لشکر کی روانگی ہی ملتوی کردی جائے۔

(۵)۔جب اس میں ناکامی ہوئی تو اسامہ کو معزول کردینے کے لئے سازشیں کیں

(۳)۔قتل مارق۔ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ابوبکر رسولؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ میرا گذر فلاں وادی سے ہوا میں نے وہاں ایک خوشنما شکل وشمائل اور بہت ہی خضوع خشوع والے انسان کو نماز پڑھتے دیکھا رسولؐ نے فرمایا: فوراً جاؤ اور اُسے قتل کرڈالو۔ابوبکر گئے مگر جب اس شخص کو اسی حال میں پایا یعنی نماز پڑھتے ہوئے تو اُنھیں اچھا نہ معلوم ہوا کہ اُسے قتل کریں رسولؐ کی خدمت میں پلٹ آئے۔پھر آں حضرتؐ نے حضرت عمر سے کہا کہ تم جاؤ اُسے قتل کرآؤ۔حضرت عمر گئے اُنھوں نے بھی اس کو اسی حال میں پایا جس میں حضرت ابوبکر دیکھ کر پلٹ گئے تھے۔

اُنھیں بھی اُسکا قتل گوارا نہ ہوا رسولؐ کے پاس آئے اور آکر عرض کی یا رسولؐ اللہ میں نے اُسے بہت خضوع وخشوع سے نماز پڑھتے دیکھا اس لئے مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ میں اسے قتل کردوں۔اب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ تم جاؤ اور جا کر اُسے قتل کرڈالو۔حضرت علیؑ گئے مگر اُسے پایا نہیں۔حضرت علیؑ رسولؐ کی خدمت میں پلٹے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ میں گیا تو وہ جاچکا تھا میں نے اُسے نہیں دیکھا۔رسالتمآبؐ نے فرمایا وہی شخص اور اُسکے اصحاب (کی حالت یہ ہوگی کہ وہ) قرآن پڑھیں گے مگر وہ اُن کے گلے سے نیچے نہیں اُترے گا۔دین سے یوں نکل جائیں گے جس طرح تیر ہدف کے پار ہوجاتا ہے اُن کا دین میں

واپس آنا اُسی طرح ناممکن ہوگا جس طرح چلا ہوا تیر سوفار میں پلٹ نہیں سکتا۔ انھیں تہہ تیغ کرڈالو کہ وہ بدترین خلائق ہیں۔

ابو یعلیٰ نے اپنے مسند میں انس سے روایت کی (جیسا کہ ابن حجر عسقلانی کی اصابہ میں بسلسلہ تذکرہ ذی الثدیہ مذکور ہے) انس کہتے ہیں کہ رسُولؐ کے زمانے میں ایک شخص تھا جس کی عبادت واجتہاد پر ہمیں بے حد تعجب ہوا کرتا تھا ہم نے ایک مرتبہ رسُولؐ سے اس کا نام لے کر ذکر کیا، رسُولؐ نے نہیں پہچانا۔ ہم نے اس کی صفتیں بیان کیں تب بھی آپؐ نہ پہچان پائے۔ ہم اس کے متعلق گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ناگاہ وہ شخص آتا دکھائی دیا۔ ہم نے رسُولؐ کی خدمت میں عرض کی یارسُولؐ اللہ یہی وہ شخص ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا تم مجھ سے ایسے شخص کا ذکر کر رہے ہو جس کے چہرے پر شیطان کی رنگت ہے اتنے میں وہ شخص بالکل سامنے آگیا اور آکر کھڑا ہوا مگر سلام نہیں کیا۔ رسُولؐ اللہ نے اس سے فرمایا تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم جب مجمع میں تھے تو تم نے یہ بات کہی تھی کہ پوری قوم میں مجھ سے بہتر یا افضل کوئی شخص نہیں۔ اس نے کہا ہاں پھر وہ وہاں سے چل کر نماز پڑھنے لگا۔ رسُولؐ نے فرمایا کون ہے جو جا کر اس کو قتل کر آئے۔ حضرت ابوبکر نے کہا، میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں یارسُولؐ اللہ۔ وہ اسکے پاس پہنچے دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے۔ حضرت ابوبکر نے کہا سبحان اللہ کیا میں ایسے شخص کو قتل کروں اور آپ نمازیوں کے قتل سے منع فرما چکے ہیں۔ رسُولؐ نے پھر صدا بلند کی کہ کون ہے جو اس کو قتل کرے حضرت عمر بولے میں حاضر ہوں یا رسولؐ اللہ۔ وہ بھی اس کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھے ہے یعنی سجدے میں ہے حضرت عمر نے سوچا کہ ابوبکر مجھ سے افضل ہیں (جب اُنھوں نے قتل نہیں کیا تو میں کیسے کروں) وہ بھی واپس چلے آئے۔ رسُولؐ نے پوچھا کہو کیا ہوا حضرت عمر نے جواب دیا کہ میں نے اُسے اس حال میں دیکھا کہ وہ اپنی پیشانی خدا کے سجدے میں رکھے ہوئے ہے مجھے اُس کا قتل کرنا گوارا نہ ہوا۔ پھر آں حضرتؐ نے آواز دی کون ہے جو اس کو قتل کرے۔ حضرت علیؑ نے کہا میں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہاں بشرطیکہ وہ تمہیں ہاتھ بھی لگے۔ حضرت علیؑ اُس کی طرف روانہ ہوئے مگر وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ جا چکا ہے۔ رسولؐ کی خدمت میں واپس آئے۔ رسُولؐ اللہ نے پوچھا کہو کیا خبر ہے۔ عرض کی یارسُولؐ اللہ وہ جا چکا تھا۔ رسُولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص آج قتل کر دیا جاتا تو میرے اُمت کے دو شخص بھی آپس میں اختلاف نہ کرتے۔

حافظ محمد بن موسیٰ شیرازی نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب میں جسے اُنھوں نے یعقوب بن سفیان، مقاتل بن سلیمان، یوسف قطان، قاسم بن سلام، مقاتل بن حیان، علی بن حرب، سدی، مجاہد، قتادہ وکیع ابن جریج وغیرہ کی تفسیروں سے استنباط کر کے لکھا ہے درج کیا ہے۔ اور بہت سے ثقہ علماء نے بطور مسلمات اس روایت کا مرسلاً ذکر کیا ہے چنانچہ علامہ بن عبدربہ قرطبی نے اپنی کتاب عقد الفرید جلد اول میں اصحاب اہواء کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے اختتام پر یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت سرور کائناتؐ نے فرمایا: یہ پہلی سینگ ہے جو میری امت میں نکل رہی ہے اگر تم لوگ اُسے قتل کر ڈالتے تو اس امت کے کوئی دو آدمی بھی باہم اختلاف نہ کرتے۔ بنی اسرائیل ۷۲ر فرقوں میں بٹ گئے اور یہ امت ۷۳ر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سب کے سب فرقے جہنم میں جائیں گے صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔

(۴) صلح حدیبیہ: ۔غزوہ حدیبیہ کے موقع پر مصلحت میں پیغمبرؐ نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی اور کفار سے مصالحت کرلی، انجام کے لحاظ سے یہ صلح اتنے بے شمار منافع اپنے دامن میں لئے ہوئے تھی کہ خداوند عالم نے اسے فتح مبین سے تعبیر فرمایا اور بطور سند انا فتحنالك فتحاً مبينًا آیت لے کر جبریل امین نازل ہوئے۔ مگر بعض صحابہ کو یہ صلح بے حد ناگوار گذری دخل النّاس من ذالك امر عظيم حتىٰ كادوا ان يهلكوا مسلمانوں کے دل میں بڑا شک پیدا ہوا اور قریب تھا کہ وہ سب گمراہ ہوجائیں (تاریخ طبری، جلد ر ۳ ص ر ۷۹)

اس موقع پر پیغمبرؐ کی مخالفت میں حضرت عمر سب سے پیش پیش تھے اس حد تک کہ پیغمبرؐ کی رسالت ہی آپ کی نگاہوں میں مشکوک ہوگئی۔ علامہ دیار بکری و سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے: ۔

روی عن عمر انه قال والله ما شككت منذ اسلمت الا يومئذ فاتيت النبیؐ فقلت الست نبی الله حقا قال بلیٰ قلت السنا علی

الحق وعدونا علی لاباطل قال بلیٰ قلت الیس قتلا فافی الجنة و قتلا هم فی النار قال بلیٰ قلت فلم تعطی الدینة فی دیننا قال انی رسول الله ولست اعصیه و هو ناصری۔ (تاریخ خمیس، جلد ر ۲ ص ر ۲۵ تفسیر درمنثور، جلد ر ۱ ص ر ۷۷، سیرۃ ابن ہشام، جلد ر ۲ ص ر ۱۶۰)

خود حضرت عمر فرماتے تھے کہ بخدا میں جب سے اسلام لایا آج کے سوا کبھی مجھے شک نہیں ہوا چنانہ میں نے پیغمبرؐ صاحب کے پاس جا کر کہا کیا آپؐ نبی برحق نہیں ہیں؟ آں حضرتؐ نے فرمایا بے شک ہوں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالف باطل پر نہیں ہیں اور کیا ہمارے مقتول بہشت میں جانے والے اور ان کے کشتگان دوزخی نہیں ہیں؟ آں حضرتؐ نے فرمایا ہم ضرور حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر ہیں اور ہمارے مقتول جنتی ہیں اور اُن کے مقتول جہنمی۔ میں نے کہا کہ پھر دین میں دبنا اور پست ہونا چہ معنی دارد؟ حضرتؐ نے فرمایا میں اللہ کا رسولؐ ہوں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور وہ میرا معین و مددگار ہے۔

صلح نامہ مکمل ہوجانے کے بعد آں حضرتؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانی کا جانور ذبح کردو فوالله ماقام منهم رجل حتّٰی قال ذالك ثلاث مرات ظالم یقم منهم احد قام فدخل علیٰ ام سلمه۔ مگر خدا کی قسم ایک صحابی بھی نہیں اٹھا۔ حضرتؐ نے تین مرتبہ یہی فرمایا اور ہر بار صحابہ نے حکم رسولؐ کی مخالفت کی غرض جب کسی طرح کوئی صحابی آمادہ نہیں ہوا تو آں حضرتؐ جناب ام سلمہ کے خیمے میں چلے گئے۔ (تاریخ طبری، جلد ر ۳ ص ر ۸۰)

(۵) ۔غزوۂ احد کے موقع پر پیغمبرؐ کے احکام وارشادات کی قدم قدم پر مخالفت کی گئی۔ پہلی مخالفت تو یہ کہ پیغمبرؐ نے جناب عبداللہ ابن جبیر کو ۵۰ تیر اندازوں کے ساتھ لشکر کے پشت کی جانب متعیّن کیا اور ارشاد فرمایا کہ دشمن کو تیروں کی زد پر لئے رہو تا کہ وہ ہمارے عقب سے حملہ نہ کر بیٹھیں۔ یہاں سے تمہارے قدم نہ ڈگنے پائیں چاہے ہماری فتح ہو یا شکست۔ تم یہاں سے نہ ہٹنا جب تک تم قدم جمائے رہوگے ہمارا پلہ بھاری رہے گا۔ اگر تم دیکھوں کہ ہم فتحیاب ہو رہے ہیں اور مال غنیمت لوٹنے میں مشغول ہیں تو اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت لوٹنے میں ہمارے شریک نہ ہوجانا اور اگر دیکھو کہ ہم لوگ تہ تیغ کئے جارہے ہیں تب بھی تم ہماری مدد کو نہ آنا اور اگر دیکھنا کہ مشرکین کو شکست دے کر ہم مکّہ تک بھگا لے گئے ہیں تب بھی تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا اور اگر دیکھنا کہ مشرکین نے ہمیں شکست دے کر مدینہ کے اندر ڈھکیل دیا ہے تب بھی تم اپنی جگہ جمے رہنا۔ لیکن افسوس ان تمام اصحاب نے پیغمبرؐ کے ارشادات پر ذرّہ برابر توجہ نہ کی پیغمبرؐ کے حکم پر اپنی رائے کو مقدم رکھا۔ چنانچہ جب جنگ اپنے شباب پر پہنچی اور حضرت امیر المومنینؑ کی جاں فروشیوں کی بدولت مسلمانوں کا پلہ بھاری نظر آنے لگا اور مشرکین کے ۹ علمدار آپؑ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترے۔ بھگدڑ مچ گئی اور مشرکین کے قدم اُکھڑ گئے مسلمانوں نے انھیں تلواروں پر دھر لیا پیچھا کرتے ہوئے اُنھیں دور تک بھگا لے گئے۔ فتح ہونے ہی کو تھی کہ مسلمان لوٹ میں مصروف ہو گئے پچاس تیر انداز جو گھاٹی پر معین تھے جن کو پیغمبرؐ نے تاکید کی تھی کہ نتیجہ جنگ خواہ کچھ بھی ہو تم اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں اُن کے دلوں میں بھی مال غنیمت کی لالچ پیدا ہوئی پیغمبرؐ کی ساری تاکید یں ذہن سے اُتر گئیں خیال ہوا کہ فتح تو ہو ہی چکی ہے ہمارے دوسرے بھائی مال غنیمت لوٹ رہے ہیں اور ہم محروم رہے جاتے ہیں آپس میں اس پر اختلاف بھی ہوا مگر عبداللہ بن جُبیر تنہا رہ گئے صرف دس آدمی تو ان کے ہمراہ اپنی جگہ پر جمے رہے ۴۰ ر آدمی ہٹ کر لوٹ میں شریک ہو گئے۔

واقدی کہتا ہے کہ جنگ احد میں پیغمبرؐ کو جیسی شاندار فتح ہوئی ویسی کسی جنگ میں نہیں مگر لوگوں نے پیغمبرؐ کی نافرمانی کر کے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا فتح شکست سے بدل گئی خالد نے جب دیکھا کہ تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے، گنے چنے باقی رہ گئے ہیں اپنے رسالہ کو ساتھ لے کر پوری طاقت سے ٹوٹ پڑا عکرمہ بھی کمک کو آ گیا دس تیر انداز اس جم غفیر کا مقابلہ ہی کیا کر سکتے تھے جب تک ہاتھوں میں قوت رہی بلکہ جب تک ترکش میں ایک تیر بھی باقی رہا دلیروں نے مشرکین کی یلغار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جہاں اُن کے قدم تھے وہیں اُن کی لاش گری، عبداللہ بن جبیر نے پہلے تو انھیں تیروں سے روکا، تیر ختم ہو گئے تو نیزہ سے کام لیا نیزہ ٹوٹ گیا تو تلوار سے جنگ کی یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہوئے۔ بھاگتے ہوئے مشرکین نے جب اپنے لشکر کو لڑتے ہوئے دیکھا تو ان کی گئی ہوئی ہمت تازہ ہوئی پلٹ کر انھوں نے سامنے سے حملہ کر دیا مسلمان کہاں تو لوٹ میں مصروف تھے کہاں دونوں سمتوں سے نرغہ میں گھر گئے خالد نے تیر اندازوں

سے راستہ صاف کر کے مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں، دہشت وسراسمیگی اتنی پھیلی کہ مسلمان مسلمان ہی پر وار کرنے لگے اس افراتفری میں ۷۰ ستر مسلمان قتل ہوئے اور ۷۰ ستر یا اُس سے زیادہ زخمی ہوئے۔ جناب حمزہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور پیغمبرؐ کو وہ انتہائی اذیت پہنچی جا کسی موقع پر نہ پہنچی تھی۔ یہ سب کیوں ہوا۔ ایسی عظیم الشان فتح شکست سے کیوں بدل گئی، صرف اس لئے کہ صحابۂ کرام نے پیغمبرؐ کی باتوں پر دھیان نہ دیا۔ آپؐ کے حکم کو لائق توجہ نہ جانا آپؐ کے ارشادات کی تعمیل ضروری نہ سمجھی اور اپنی من مانی کی۔

اس غزوہ میں صرف یہی ایک نافرمانی نہیں ہوئی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایک اندوہناک منظر کی تصویر کشی کی ہے قدرت نے: اذ تصعدون ولا تلوون علیٰ احد و الرسول یدعو کم فی اخرا کم فاثابکم غما بغم۔ صحابہ نے پیغمبرؐ کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ کر پہاڑ کی راہ لی، پیغمبرؐ پکارتے ہی رہ گئے مگر کسی نے پلٹ کر دیکھا بھی نہیں کہ رسولؐ کس عالم میں ہیں، بس ایک علیؑ تھے جو آپؐ کے سینہ سپر رہے۔۔۔

پیغمبرؐ کے صحابیوں میں بعض نے تو سیدھے مدینہ پہونچ کر دم لیا اور بعض اُحد کی چوٹیوں پر جا کر ٹھہرے بعض مدینہ کے قریب ایک پہاڑ کی طرف بھاگے اور تین روز تک وہاں مقیم رہے، دشمن بار بار بڑھتے اور پیغمبرؐ کے قتل کے درپے ہوتے اور آپ علیؑ سے فرماتے علیؑ ان پر حملہ کرو آپؑ ان پر حملہ کر کے تتر بتر کر دیتے تھے کئی دشمنوں نے یورش کی اور ہر مرتبہ آپ علیؑ کو متوجہ کرتے رہے اور علیؑ انھیں بھگاتے رہے یہاں تک کہ سب کو پسپا کر کے دم لیا اور خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو مشرکین سے نجات دی۔

مختصر یہ کہ تمام صحابہ نے پیغمبرؐ کو کافروں کے حوالے کر کے پہاڑوں کی راہ لی۔ علامہ ابن اثیر کی لفظیں ہیں: ۔قد انتھت لھزیمۃ بجماعۃ المسلمین و فیھم عثمان بن عفان وغیرہ الی الا حوص فاقامو اب تلاثا ثم اتوا النبی فقال لھم حین ز اھم لقد ذھبتم فیھا عریضہ۔ (تاریخ کامل غزوہ احد) مسلمانوں کی پوری جماعت بھاگ کھڑی ہوئی حتیٰ کہ حضرت عثمان وغیرہ بھی یہ لوگ تین دن کے بعد پیغمبرؐ کے پاس واپس آئے جب آنحضرتؐ کی نظر ان پر پڑی تو آپؐ نے فرمایا تم لوگ تو بہت دور نکل گئے تھے۔

علامہ بلاذری حضرت عمر کے متعلق لکھتے ہیں و کان ممن انکشف یوم احد حضرت عمر ان لوگوں میں تھے جو احد کے دن بھاگ گئے تھے خود حضرت عمر کا بیان ہے۔

خطب عمر یوم الجمعۃ فقرٔا آل عمران و کان یعجبہ اذا خطب ان یقرا ھا فلما انتھی الیٰ قول لہ ان الذین تولو امنکم الا یۃ قال لما کان یوم احد ھزمنا ففررت حتی صعدت الجبل فلقد را یتنی انزو کاتنی اروی۔

(تفسیر در منثور، جلد ۲، ص ۸۸، تفسیر طبری، جلد ۴، ص ۹۰، کنز العمال، جلد ۱، ص ۲۳۸ وغیرہ)

حضرت عمر نے جمعہ کو خطبہ میں سورۂ آل عمران پڑھی جب آیۃ ان الذین تو لو امنکم (تم سے جو لوگ بھاگ گئے) پر پہنچے تو کہنے لگے غزوہ احد میں ہم لوگوں نے ہزیمت اُٹھائی تو میں نے فرار اختیار کیا یہاں تک پہاڑ پر چڑھ گیا وہاں میں نے اپنے کو دیکھا اس طرح اچکتا پھرتا تھا گویا میں بُز کوہی ہوں۔

حضرت ابوبکر فرماتے تھے ما کان یوم احد انصرف الناس کلھم عن رسول اللہ فکنت اول من فاء جب غزوہ احد میں ہم صحابہ حضرت رسولؐ خدا کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو سب سے پہلے میں ہی پلٹ کر آیا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۲۵، وتاریخ خمیس، جلد ۱، ص ۴۸۵، وغیرہ)

یہ پسپائی و فرار ایسی شرمناک شکست اور اتنا ہولناک اقدام کہ پیغمبرؐ کو کافروں کے رحم و کرم پر چھوڑ نا صرف اسی وجہ سے تو تھا کہ صحابہ نے پیغمبرؐ کی باتوں کو کوئی وقعت نہ دی آپؐ کی کسی بات کو صحیح نہ سمجھا کم سے کم میدان جنگ میں آپؐ کے احکامات کو واجب التعمیل نہ جانا اور پیغمبرؐ تو پیغمبرؐ ارشاد خداوند عالم یا ایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا ثلا تو لوھم الا دبار۔ (اے لوگو جب کافروں کی جمعیت سے مڈبھیڑ ہو تو پیٹھ نہ پھیرنا) کو اپنی رائے اپنے مزعومات کے مقابلے میں باطل قرار دیا۔

جنگ میں تو صحابہ کرام نے تو جیسے قسم کھارکھی تھی کہ پیغمبرؐ کی ایک بات کو نہ مانیں گے دومواقع اختلاف کے آپ نے ملاحظہ فرمائے ایک موقع اور ملاحظہ فرمائیے:۔

جب مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اور پیغمبرؐ خدا کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے تو مشرکین آمادہ ہوئے کہ پیغمبرؐ کو قتل ہی کر دیا جائے، پانچ شخصوں نے عہد و پیمان کئے اور جان کی بازی لگا کر پیغمبرؐ پر حملہ آور ہوئے، (۱)۔عبداللہ بن شہاب زبیری، (۲)۔عتبہ بن ابی وقاص، (۳)۔ابن قماۃ اللیثی، (۴)۔ابی بن خلف، (۵)۔عبداللہ بن حمید اسدی قرشی۔ابن شہاب نے پیشانی مبارک پر پتھر مارا، عتبہ نے چار پتھر آپؐ پر پھینکے، جس سے آنحضرتؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور لب زخمی ہوئے، ابن قماۃ نے رخساروں کو زخمی کیا تلوار لے کر سر پر آ گیا مگر ہمت نہ ہوسکی کہ آپؐ پر وار کرے زمین پر گر پڑا، ابی بن خلف اپنی تلوار لے کر آپؐ پر حملہ آور ہوا، آپؐ نے اس کی تلوار چھین کر اسے جہنم واصل کیا۔عبداللہ بن حمید جناب ابو دجانہ انصاری کے ہاتوں مارا گیا، ابن قماۃ نے مصعب بن عمیر پر حملہ کیا یہ سمجھتے ہوئے کہ یہی رسوؐل اللہ ہیں اور انھیں قتل کر کے مشرکین کی طرف دوڑا کہ میں نے محمدؐ کو مار ڈالا۔ میدان میں شور مچ گیا قتل محمدؐ قتل محمدؐ محمدؐ مارے گئے۔مسلمانوں کے دل پہلے ہی سے تھوڑے ہو رہے تھے اس شور نے رہی سہی آس بھی توڑ دی اور بے تحاشا بھاگے، ہر ایک کو یقین تھا کہ پیغمبرؐ شہید ہوئے اور مشرکین آپؐ کو اٹھالے گئے۔

کعب بن مالک صحابی پیغمبرؐ کو معلوم ہو گیا کہ پیغمبرؐ زندہ ہیں وہ فرط مسرت سے پکار اُٹھے کہ مسلمانوں مبارک ہو پیغمبرؐ زندہ ہیں قتل نہیں ہوئے، آنحضرتؐ نے انھیں اشارہ کیا کہ خاموش رہو مشرکین سُن نہ لیں کہ میں مارا نہیں گیا زندہ ہوں اور پھر وہ دوبارہ حملہ کر بیٹھیں، وہ خاموش ہو گئے۔

ابوسفیان نے مسلمانوں سے پکار کر پوچھا کہ تم میں محمدؐ موجود ہیں؟ پیغمبرؐ نے سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا، کوئی نہ بولا۔ابوسفیان نے دوبارہ حضرت عمر کا نام لے کر پکارا اور کہا تم بتاؤ محمدؐ زندہ ہیں یا نہیں حضرت عمر باوجود پیغمبرؐ کی شدید ممانعت کے بول اُٹھے وہ زندہ ہیں اور تمھاری باتیں بھی سُن رہے ہیں۔(طبقات ابن سعد سیرۃ حلبیہ سیرۃ دحلانیہ وغیرہ) موقع کی نزاکت خود بھی مقتضی تھی کہ سکوت سے کام لیا جائے اس کے ساتھ ساتھ پیغمبرؐ نے سختی سے ممانعت بھی کی مگر حضرت عمر نے پیغمبرؐ کے حکم کی تعمیل ضروری نہ سمجھی اور اپنے نزدیک جو مناسب سمجھا اسی پر عمل کیا، غرض کہ ایک دو مقامات نہیں ہزاروں واقعات ہیں جہاں صحابہ نے پیغمبرؐ کے تعمیل حکم سے گریز کیا صلح حدیبیہ میں مخالفت کی جنگ حنین میں مخالفت کی۔

جنگ حنین میں مال غنیمت جو ہاتھ آیا اس کی تقسیم کے وقت مخالفت کی، جنگ بدر کے قیدیوں سے جب فدیہ لیا گیا غزوہ تبوک میں جب سامان رسد ختم ہو گیا اور فاقہ کی نوبت آئی اور پیغمبرؐ نے بعض اونٹوں کے نحر کرنے کا حکم دیا اس وقت مخالفت کی، جنگ احد کے دن گھاٹیوں میں جو حرکتیں سرزد ہوئیں وہ بھی سراسر حکم پیغمبرؐ کی مخالفت تھی۔ابوہریرہ والے دن جب آنحضرتؐ نے خوش خبری دی تھی ہر اس شخص کو جو خدا سے موحد بن کر ملاقات کرے اور منافق کی میت پر نماز پڑھنے کے روز۔

خمس و زکوٰۃ کی دونوں آیتوں میں، متعہ کی آیتوں میں تہرے طلاق کی آیتوں میں تاویل کر کے حکم پیغمبرؐ کی مخالفت کی گئی، نوافل شہر رمضان کے متعلق جو احادیث پیغمبرؐ وارد ہیں اُن میں کیفیۃً وکمیۃً تاویل کر کے مخالفت حکم پیغمبرؐ کی گئی۔کیفیت اذان جو پیغمبرؐ سے منقول ہے اس میں تغیر کر کے پیغمبرؐ کی مخالفت کی گئی، نماز جنازہ میں پیغمبرؐ نے جتنی تکبیریں کہنے کا حکم دیا تھا ان کی تعداد میں کمی وبیشی کر کے حکم پیغمبرؐ کی مخالفت کی گئی، کہاں تک ذکر کیا جائے بکثرت موارد ہیں جہاں حکم پیغمبرؐ کی صریحی مخالفت کی گئی۔تفصیل کی جائے تو کئی ضخیم جلدیں بھی ناکافی ہوں گی، یہ تو چند نمونے دنیوی ومذہبی معاملات میں مخالفت کے پیش کئے گئے ہیں اہلبیت نبوی وعترت پیغمبرؐ کے متعلق پیغمبرؐ کے احکام وارشادات کی جو دھجیاں اُڑائی گئیں انھیں شمار کیا جائے تو عقیدت تمسخر اور ایمان استہزا نظر آنے لگے۔

خود مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں:

''نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔

اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے بعضوں نے زیادہ ہمت کی تو صرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے، باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے اس مسئلہ کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا، خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمر کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے اُن پر قدح کی ہے لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے۔''

(الفاروق حصہ دوم ص/۲۰۸ و ص/۲۰۶)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں ''حضرت عمر مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر غور کرتے تھے، اور اگر اُن کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تو اس پر نکتہ چینی کرتے تھے چنانچہ نماز کے قصر میں آپ نے نکتہ چینی فرمائی۔''

(الفاروق حصہ دوم ص، ۲۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں ''حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلی تین دوڑوں میں آہستہ دوڑتے چلتے ہیں، اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ رسولؐ اللہ جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کر دیا کہ مسلمان ایسے نحیف و کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔ آں حضرتؐ نے رمل کا حکم دیا اس کے بعد یہ فعل معمول بہ ہو گیا۔ چنانچہ ائمہ اربعہ اس کو حج کی ضروری سنت سمجھتے تھے لیکن حضرت عمر نے صاف کہا۔ مالنا وللرمل انا کنا رانیا به المشرکین و قد اهلکهم الله۔ یعنی اب ہم کو رمل سے کیا غرض اس سے مشرکوں کو رعب دلانا تھا سو اُن کو خدا نے ہلاک کر دیا۔'' (الفاروق حصہ دوم ص/۲۱۱)

گنجائش نہیں کہ مولوی شبلی صاحب کی ان عبارتوں پر کوئی تبصرہ کیا جائے ہمارا مقصود تو یہ عرض کرنا ہے کہ صحابہ کی ابتدا ہی سے روش رہی کہ وہ پیغمبرؐ کے ہر حکم کو واجب التعمیل نہیں سمجھتے تھے جب کسی حکم پیغمبرؐ میں اپنی منفعت دیکھی یا اپنا کوئی نقصان نظر نہ آیا۔ پیغمبرؐ کی عنایتوں کا اپنے کو سزاوار قرار دینے کے لئے عمل کر لیا۔

لیکن جہاں اپنی رائے اپنی تجویز اپنی منفعت و مصلحت میں پیغمبرؐ کے احکام میں تصادم ہوا ذرہ برابر وقعت نہ دی۔ حکم پیغمبرؐ کو یہ نکتہ آفرینیاں بعد میں ہوئیں، عقیدتمندوں نے بڑی مدتوں کے بعد یہ گوشے پیدا کئے کہ پیغمبرؐ کا فلاں حکم بلحاظ منصب

نبوت تھا، فلاں حکم معاشرتی حیثیت سے تھا اور فلاں حکم سیاسی مصالح کی بناء پر۔ یہ مولوی شبلی اور انھیں جیسے فدائیانِ حضرت عمر کی مضمون آفرینی ہے ورنہ سچ پوچھئے تو صحابہ کرام نے پیغمبرؐ کے عہد میں یا بعد پیغمبرؐ جو مخالفتیں حکم پیغمبرؐ کی کیں وہ یہ سمجھ کر نہیں کہ یہ حکم منصب نبوت سے جداگانہ ہے، انھیں تو بس من مانی کرنا تھا کر گزرے۔

واقعہ قرطاس جس میں پیغمبرؐ نے قلم و دوات طلب کیا تھا کوئی کہہ سکتا ہے کہ منصب نبوت سے جداگانہ تھا مگر حضرت عمر سے اس واقعہ میں جس طرز عمل کا مظاہرہ ہوا وہ دنیا جانتی ہے، یہی مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں: ''یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی و سرکشی ہوگی کہ جناب رسولؐ خدا بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے، یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لئے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے اور اس لئے اس میں سہو خطا کا احتمال نہیں ہوسکتا باوجود اس کے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔'' (الفاروق، حصہ اوّل، صفحہ/ ۶۴)

مولوی شبلی صاحب اعتراض فرماتے ہیں کہ واقعہ قرطاس میں پیغمبرؐ کا قلم و دوات طلب کرنا منصب نبوت کے لحاظ سے تھا پھر بھی حضرت عمر نے حکم پیغمبرؐ کی سخت ترین مخالفت کی۔ ظاہر ہے کہ جب شرعی مسائل دینی احکام میں صحابہ کرام کی بے پروائی کا یہ عالم تھا تو انتظام مملکت سے متعلق احکام پیغمبرؐ کو وہ کیوں کر انگیز کر سکتے تھے۔

''اس امر واقعہ سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ جب آنحضرتؐ نے مدینہ میں تشریف لاتے ہی تنظیم جماعت مسلمین کی طرف توجہ مبذول کی اور مدینہ کی غیر اسلامی جماعتوں سے ایک سردار قوم کی حیثیت سے معاہدہ کرنے بھی شروع کر دئے، تو اس خیال نے یقین کی صورت اختیار کر لی آنحضرتؐ ایک اسلامی حکومت کا قیام کر رہے ہیں یا یوں کہو کہ دنیا میں حکومت الٰہیہ کا قیام بھی آپؐ کے مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔

مورخین و محققین کی رائے ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ خیال قبل بعثت ہی کاہنوں کی پیشن گوئیوں سے خصوصاً آنحضرتؐ کے سفر شام میں عیسائی راہب بحیرا کی اس پیشن گوئی سے پیدا ہو گیا تھا کہ یہ ساری دنیا کا سیاسی سردار ہے۔ (اسلام کا نظام حکومت مصنفہ حامد اللہ انصاری، مطبوعہ ندوۃ المصنفین، ص/ ۱۹۱)[۱]۔

۱۔ جانب خاں صاحب آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی دام ظلہ ریٹائرڈ سشن جج نے خلافت و امامت امیر المومنینؑ کے متعلق بڑی گرانقدر کتاب البلاغ المبین دو جلدوں میں تحریر فرمائی ہے، یہ چند صفحے اسی کتاب کے اقتباسات ہیں ہم آگے چل کر بھی اسی کتاب سے فائدہ اُٹھائیں گے۔

کفاران مکہ نے بھی جو یورشیں کیں ان میں مدینہ کو ایک اسلامی حکومت تصور کر کے اس کے محاصرہ کی کوشش کی، آنحضرتؐ کا باہر جنگ پر جاتے وقت مدینہ پر اپنی طرف سے حاکم مقرر کرنا صاف بتا رہا تھا کہ واقعات کی رو کدھر جا رہی ہے، اندریں صورت اسی وقت سے ہر ایک متنفس کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا کہ آنحضرتؐ کے بعد اس حکومت کا کوئی وارث ہوگا بالکل فطری اور یقینی امر تھا، یہ خیال پیدا ہوا اور بہت جلد قوت پکڑ گیا یہاں تک کہ آخر کار اس نے صحابہ رسولؐ کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیا جناب رسولؐ خدا کے وقتاً فوقتاً ارشادات اور اظہار فضائل جو حضرت علیؑ کے متعلق آپؐ ابتدائے نبوت سے کرتے آئے تھے انھوں نے مطلقاً شک کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی خصوصاً غدیر خم کے اعلان نے تو کھلبلی ڈال دی، سب لوگوں کا خیال ان ارشادات کی وجہ سے اس طرف گیا کہ اب نبوت و خلافت کا اجتماع ایک خاندان میں ہو کر بنو ہاشم میں حکومت مستقل ہو جائے گی وہ لوگ جو نبوت کی شان کو سمجھے ہوئے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ نبی کے اقوال خود غرضی و خاندان پروری پر مبنی نہیں ہو سکتے اس امکان کو بہت خوشی اور اطمینان کے ساتھ دیکھتے تھے۔ لیکن اکثریت ان لوگوں کی تھی جو نبی کو اپنی جیسی کمزوریوں والا انسان سمجھتے تھے۔ انھوں نے ان ارشادات کی بناء خاندانی افتخار و محبت پر رکھی ان کے دلوں میں قبیلانہ رشک و حسد کے خیالات پیدا ہوئے، اندریں صورت فوراً ہمت و جرأت والے لوگوں کے دلوں میں حکومت پر قبضہ کرنے کے خیالات موجزن ہونے لگے اور انھوں نے ان لوگوں کو ایک جماعت میں منظم کرنے کی کوشش شروع کر دی اور اس طرح حضرت علیؑ کے خلاف ایک نہایت مضبوط و مستقل جماعت پیدا ہوگئی، حضرت علیؑ کی روز افزوں شہرت و خدمت اسلامی اور تقرب رسولؐ نے ان لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا کرنا شروع کر دیا تھا کارکنان قضا و قدر نے حسد کا خاص لگاؤ طبیعت انسانی کے ساتھ رکھا ہے، ہابیل و قابیل کا قصہ تو پرانا ہے حضرت یوسف کے بھائیوں کی کہانی لوگوں کے سامنے ہے جب اس سے اولاد نبی نہ بچ سکی تو اصحاب رسولؐ کس گنتی میں ہیں؟ تقرب رسولؐ تو ایک وجہ حسد تھی ہی، جانشینیٔ رسولؐ ایک ایسا مسئلہ تھا جو ہر وقت لوگوں کے پیش نظر رہنے لگا تھا، جب رسولِ خدا کے ارشادات سے ان کو یقین ہو گیا تھا کہ آنحضرت نے حضرت علیؑ کو اپنی جانشینی و خلافت کے لئے منتخب و مقرر کر لیا ہے۔ یہ لوگ دل سے اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے، یہ امر واقعہ ہے کہ جناب رسولؐ خدا کے صحابہ میں ایک جماعت حضرت علیؑ کے خلاف پیدا ہو گئی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ حضرت علیؑ خلیفہ نہ ہوں اس جماعت کی موجودگی کا اعتراف خود حضرت عمر

نے اپنے مکالموں میں صریحاً کیا ہے![1]

اگر اس اقبال کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تو واقعات یہی بتا رہے ہیں، ترقی اسلام اور توسیع حکومت کے ساتھ ان لوگوں کی طبیعتیں متغیر ہوتی گئیں اور چونکہ دن بدن تقرری جانشین کا سوال اہمیت پکڑتا جاتا تھا اور وہ زمانہ نزدیک آتے ہوئے دکھائی دیتا تھا ان لوگوں نے اپنی جماعت کی تشکیل و تنظیم مضبوط کرنے کی کوشش کی ان لوگوں کو بڑی تقویت اس جماعت سے ملی جس کو عرف عام میں منافقین کہتے تھے اور جس کی موجودگی پر قول الٰہی شاہد ہے ہماری رائے میں تو ان لوگوں کو بھی جو جناب رسوؐل خدا

۱: مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں ''علامہ طبری نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکالمے کی صورت میں نقل کئے ہیں ہم ان کو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر کے خیالات کا راز سربستہ معلوم ہوگا مکالمہ عبداللہ بن عباس سے ہوا تھا جو حضرت علیؑ کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر: تمہارے باپ رسوؐل اللہ کے چچا اور تم رسوؐل اللہ کے چچیرے بھائی ہو پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہ ہوئی!

عبداللہ ابن عباس: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر: لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

ا۔عبداللہ ابن عباس: کیوں؟

حضرت عمر: وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آ جائیں شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابوبکر نے تم کو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں ابوبکر نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب کوئی بات ہو نہیں سکتی تھی، اگر وہ تم کو خلافت دینا بھی چاہتے تو ان کا ایسا کرنا تمہارے حق میں مفید نہ ہوتا۔

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمے میں گزریں کچھ نئی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

حضرت عمر: کیوں عبداللہ بن عباس تمہاری نسبت میں بعض باتیں سنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اس کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ ابن عباس: وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر: میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی۔

عبداللہ ابن عباس: ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیوں کہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے لیکن حسداً تو اس پر کیا تعجب ہے، ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں پھر محسود ہوں تو کیا تعجب ہے۔

حضرت عمر: افسوس خاندان بنی ہاشم کے دلوں سے پرانے رنج اور کینے نہ جائیں گے۔

عبداللہ ابن عباس: ایسی بات نہ کہئے رسول اللہ صلعم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمر: اس تذکرے کو جانے دو۔

عبداللہ ابن عباس: بہت مناسب۔

(الفاروق حصۂ اوّل، ص/۲۰۴، ص/۲۰۵، بحوالہ تاریخ طبری، جلد/۵، ص/۳۰/۳۱/۳۲، تاریخ کامل، جلد/۳، ص/۲۴/۲۵)

کے اس حکم کو خودغرضی پر محمول کر کے اس سے اعراض کر رہے تھے اسی دائرہ منافقین میں سمجھنا چاہئے، اگر آپ یہ نہیں چاہتے تو ان کو الگ سمجھئے، ان منافقین کا شیوہ تھا کہ آنحضرتؐ کے اقوال وافعال پر طرح طرح کی نکتہ چینی کرتے رہتے تھے جب تک یہ نکتہ چینیاں توحید ونبوت تک محدود رہیں تو عام مسلمان ان منافقین سے علحدہ رہے اور ان کو بُرا سمجھتے رہے۔لیکن حکومت کے مسئلہ نے یا یوں کہو کہ سیاسی ضرورت نے صحابہ کی اکثریت کو مجبور کیا کہ منافقین کو اپنے ساتھ ملا کر تقویت حاصل کریں اور منافقین نے بھی سمجھا کہ ان کے ساتھ مل کر ہم اسلام کو زیادہ نقصان پہنچاسکیں گے۔وہ تو ایسے موقع کے منتظر ہی تھے جناب رسوؐل کے ہر قول و فعل پر نکتہ چینی کرنی تو ان کی طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی۔جناب رسوؐل خدا کا ابن عم و داماد کو اپنی حکومت سپرد کرنے کا ایسا مضمون ان کو ہاتھ لگا کہ اس پر انھوں نے نکتہ چینی کا ایک عظیم الشان قصر تیار کرلیا اور حضرت علیؑ کی مخالفت کو اپنے دن کی گفتگو اور رات کی راز گوئیوں کا نشانہ بنالیا، چونکہ جماعت منافقین اور جماعت منتظرین حکومت میں مخالفت علیؑ کا جذبہ مشترک تھا اور ایک کو دوسرے کی ضرورت تھی۔لہٰذا یہ دونوں جماعتیں مل کر ایک ہوگئیں اور دونوں میں اتحاد عمل ہوگیا۔ایک جماعت کو تو کثرت سے قوت ملی اور دوسری جماعت نے خیال کیا کہ جناب رسوؐل خدا کے سارے کام کو بگاڑنے کا اس سے بہتر وموثر اور کیا طریقہ ہوسکتا ہے کہ ان کے قائم کردہ نظام کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں نہ جانے پائے جو اس کو جناب رسوؐل خدا ہی کی سی قابلیت واہلیت اور علمیت کے ساتھ چلا کر اس کو مستقل ومستحکم کردے، بلکہ اس کے حکمراں وہ ہوں جو اس نظام ہی کو نہ سمجھیں اور ہر جگہ اپنی رائے کا پیوند لگاتے جائیں اور اسی طرح اسلام مسخ ہوجائے، لہٰذا انھوں نے اپنی ساری کوشش اس سازش کو منظم کرنے میں کردی، جس کا اظہار سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا۔

غزوہ تبوک پر جاتے وقت جناب رسوؐل خدا نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں چھوڑا تو تمام مورخین جماعت اہل حکومت لکھتے ہیں کہ منافقین خوش ہو کر حضرت علیؑ پر چشمک زنی کرنے لگے جو باعث حدیث منزلت ہوئی منافقین تو عرف عام میں ان کو کہتے تھے جو دراصل نبوت پر ایمان نہیں رکھتے تھے بظاہر منہ سے کہہ دیا تھا کہ ہم مسلمان ہیں ورنہ ان کو خدا کی وحدانیت کا بھی یقین نہ تھا۔ان منافقین کو حضرت علیؑ سے کیوں دشمنی ہوئی معلوم ہوا کہ خدا کی وحدانیت جناب رسوؐل خدا کی رسالت اور علیؑ کی خلافت میں ایک جزو مشترک تھا اگر یہ اشتراک نہ تھا تو پھر منافقین علیؑ کے عروج سے ناراض اور ان کے تنزل سے خوش نہ ہوتے۔وحدانیت کی تعلیم وابستہ تھی محمد مصطفےؐ کی رسالت اور علیؑ مرتضیٰ کی خلافت سے اور یہ وابستگی اسی خدا کی قائم کی ہوئی تھی جس نے محمدؐ کو اپنا رسوؐل مقرر کر کے بھیجا تھا لہٰذا وہ لوگ جو نہیں چاہتے تھے کہ علیؑ خلیفہ ہوں منافق تھے۔منافقین اور جماعت امیدواران حکومت نہیں چاہتے تھے کہ علیؑ خلیفہ ہوں لہٰذا دونوں میں اتحاد عمل ہونا ضروری تھا اور رہا۔واقعہ عقبہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ منافقین و

جماعت امیدواران حکومت دونوں مل کر شیر وشکر ہو گئے تھے جب ہی تو جناب رسُول خدا نے حذیفہ کو ان کے نام ظاہر کرنے سے منع کر دیا تھا کہ ان کے اصحاب کی فضیحت نہ ہو اور آپؐ کے اوپر اُن کو سزا دینی لازم نہ آجائے اگر عرف عام ہی کے منافقین ہوتے تو اس اخفا کی کیا ضرورت تھی ان کو تو سب جانتے تھے؟ حضرت عمر کا اقبال بھی کہ میں منافقین میں سے ہوں اس بحث میں قابل غور ہے۔

اس امر واقعہ کا صریح ذکر کہ جماعت اُمیدواران حکومت نے جماعت منافقین کو حضرت علیؑ کی مخالفت کے لئے اپنے ساتھ ملا لیا آپ کسی بڑی اسلامی تاریخ کی کتاب میں نہیں پائیں گے کیوں کہ بقول مولوی شبلی ''وہ تمام بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سنیوں ہی کی تصنیفیں ہیں (المامون، حصہ اوّل، ص/۶۱) لیکن حق چھپانے سے نہیں چھپتا خود واقعات و حالات اس کو ظاہر کر دیتے ہیں غور تو کیجئے کیا وجہ تھی کہ جناب رسُول خدا کی حیات میں جماعت منافقین کا نام بار بار سننے میں آتا ہے اور بہت شد و مد کے ساتھ اُن کے اقوال و افعال پر سے پردہ اٹھایا جاتا ہے، وہ اتنی کثرت وقعت والے تھے کہ ان کا ذکر قرآن شریف میں بھی آ گیا آخری آیت جو قرآن شریف کی ہے اس تک میں ان کی طرف اشارہ ہے ''واللہ یعصمك من الناس،، من الناس کا لفظ آیا ہے یا تو اس کے معنی یہ لو کہ صحابہ کی اکثریت ہی اس رنگ میں رنگ گئی تھی اکثریت کی وجہ سے لفظ ''ناس،، کہا گیا یا یہ کہو کہ یہ منافقین ہی کی طرف اشارہ ہے۔ بہر صورت اس بحث میں ہمارا مقصد دونوں تاویلوں سے پورا ہوتا ہے۔ یہ کیا ہوا کہ جناب رسُول خدا کی آنکھ بند ہوتے ہی جماعت منافقین یک لخت صفحۂ ہستی سے اُٹھ گئے ان کا ذکر ہی نہیں آتا بلکہ ان کی موجودگی پر مفروضہ حدیث نجوم سے پردہ ڈالا جاتا ہے۔ سارے صحابی ہدایت کے ستارے ہیں جس سے جی چاہے ہدایت حاصل کرلو۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ جماعت غائب یا مفقود نہیں ہوئی بلکہ یہ بزرگوار مانتے ہیں کہ جناب رسُول خدا کے زمانے سے بھی زیادہ منافقین کی شرارت ان کے بعد بڑھ گئی کیوں کہ جناب رسُول خدا کی حیات میں وہ اپنے منافقانہ جذبات کو چھپاتے تھے اور اب علانیہ ظاہر کرتے ہیں:

عن حذیفه بن الیمان قال ان المنافقین الیوم شر منهم علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم کانو ایو مئذ یسرون والیوم یجهرون۔

(صحیح بخاری الجزء الرابع باب اذ قال عند قوم شیئا ثم اخرج فقال بخلافه ص/۱۵۳، ابن حجر عسقلانی فتح الباری الجزء الثالث عشر ص/۶۴۰)

یعنی حذیفہ بن الیمان کو منافقین کا علم تھا کہتے ہیں کہ آج کے دن منافقین بہت زیادہ خطرناک اور بدی والے ہیں بہ نسبت زمانہ رسُول کے منافقین کے کیوں کہ اس وقت تو وہ اپنے کرتوت کو چھپاتے تھے اور آج علانیہ وہ باتیں اور افعال کرتے ہیں۔

سارا بھانڈا پھوٹ گیا، اتنی جرأت و دلیری منافقین میں کیوں آ گئی کہ وہ کھلم کھلا اپنے منافقانہ جذبات وافعال واقوال ظاہر کر رہے ہیں اور کوئی کچھ نہیں کہتا۔ آزادی کے ساتھ سر بازار اپنی عداوت کا اظہار کرتے پھرتے ہیں اور محفوظ ہیں، ڈر کا ہے کا ان منافقین کی اپنی ہی جماعت تو برسر حکومت تھی ان کو کس کا ڈر ہو سکتا تھا۔ ہم جماعت اہل حکومت کی کتابوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے حب علیؑ علامت ایمان اور بغض علیؑ علامت منافقت ہے۔ جو جماعت کہ حضرت علیؑ کا حق پامال کر کے خود حکومت پر قبضہ کر لے وہ علیؑ کی دوست کہلائے گی یا دشمن؟ اس قول رسولؐ سے کیا نتیجہ نکلا، حکومت کی ساری پارٹی منافق ہوئی کہ مومن؟ جناب رسولؐ خدا بھی منافقین کی اس چال سے آگاہ تھے آپؐ جانتے تھے کہ اسلام کو نقصان پہنچانے کا جو طریقہ یہ اختیار کر رہے ہیں بہت خطرناک ہے، لہٰذا آپؐ نے عداوت علیؑ کو نشان منافقت قرار دیا یعنی مخالفت علیؑ باعث تخریب اسلام تھی لہٰذا علامت نفاق ہوئی۔

جناب رسولؐ خدا کے صحابہ کی یہ سیاسی حالت وتفریق اتنی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ کوئی مؤرخ اس سے انکار نہیں کر سکتا اس کو ذہانت و دوربینی کہو یا پیغمبرانہ پیش گوئی کہ آنحضرتؐ جانتے تھے کہ میرے بعد منافقین اور امیدواران حکومت کی جماعت مل کر ایسے شیر وشکر ہو جائیں گے کہ پہچانے نہ جائیں گے اس وقت محض علیؑ ہی کی ذات سے ان کی شناخت ہو سکے گی آپؐ فرمایا کرتے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعلى بن ابى طالب لولاك ياعلى ماعرف المومنون من بعدى۔

(محب الدین الطبری ریاض النضرہ، ج ر ۲، باب ر ۴ فصل ر ۶ ص ر ۲۰۲، کنز العمال، جلد ر ۶ ص ر ۴۰۲)

یعنی جناب رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یا علیؑ اگر تم نہ ہوتے تو میرے بعد مومن کی شناخت نہ ہو سکتی۔

اب اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امیدواران حکومت کی یہ مخالفانہ کوششیں کب سے جاری تھیں یہ کوشش اس وقت ہی سے شروع ہو گئی تھی جب سے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ آنحضرتؐ ایک سلطنت الٰہی کی بنیاد ڈال رہے ہیں اور اس بات کا انکشاف یقینی طور پر آنحضرتؐ کے مدینہ تشریف لاتے ہی ہو گیا تھا۔ ازمنہ سابقہ میں جب کی یہ باتیں ہیں کہانت کا بہت زور تھا اور لوگوں کو اس پر بہت یقین تھا جب کوئی نئی بات ہوتی تھی تو لوگ کاہنوں سے اس کے اثر ونتائج دریافت کیا کرتے تھے اور جس طرح خداوند تعالیٰ نے اپنی حجت پوری کرنے کے لئے کتب سماویہ کے ذریعہ سے پیغمبرؐ آخر الزماں کی صفات وشناخت سے لوگوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ اسی طرح سے کہانت کو بھی اتنی طاقت وقوت بخش دی تھی کہ وہ بھی لوگوں کو اس عظیم الشان ہستی روحانی طاقت ودنیاوی سطوت سے آگاہ کر دے تا کہ ان لوگوں پر بھی حجت پوری ہو جائے جن کا اعتقاد کتب سماویہ پر نہیں تھا۔ آنحضرتؐ کی پیدائش سے پہلے ہی کاہنوں نے بتا دیا تھا کہ عرب میں ایک نبیؐ آخر الزماں پیدا ہونے والا ہے جس کا نام محمدؐ ہو گا اس سے

پہلے عرب میں کسی کا نام محمدؐ نہ تھا مگر جب کاہنوں سے یہ بات سنی تو لوگوں نے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھنا شروع کر دیا۔ آنحضرتؐ اپنی اور اپنے واقعات کی مشابہت حضرت موسیٰؑ سے بہت دیا کرتے تھے اس بات میں بھی وہ مشابہت قائم رہی حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے ہی کاہنوں نے اُن کی آمد کی اطلاع دے دی تھی جس وجہ سے فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکے پیدا ہوتے ہی مروانے شروع کر دیے تھے۔ (سیرۃ حلبیہ، ج ر ۱ص ر ۷۹و۲۸)

مسلمان ہونے کے بعد یہ لوگ کاہنوں کے معتقد ہی رہے اور جب جناب رسولؐ خدا نے منع کیا تو یہ بحث شروع کر دی کہ اگر کاہنان لاشے ہیں تو اُن کی پیشن گوئیاں کیوں صحیح ہوتی ہیں؟ جس پر آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جنّات یعنی شیاطین اُن کو آگاہ کر دیتے ہیں۔ (مسند احمد حنبل، ج ر ۶ص ر ۸۷)

ابھی آں حضرتؐ مبعوث بھی نہیں ہوئے تھے کہ کاہنوں نے حضرت ابوبکر کو بتا دیا تھا کہ عنقریب تمہارے شہر میں ایک عظیم المرتبت نبی مبعوث ہونے والا ہے اور تم اے ابوبکر اس کے جانشین ہو گے۔ ملاحظہ ہو تاریخ خمیس جلد ر ۱ص ر ۳۳۴، ریاض النضرہ، جلد ر ۱قسم ثانی باب اول فصل رابع ص ر ۵۲، سیرۃ حلبیہ، ج ر ۱ص ر ۲۷۴، ازالۃ الخفا مقصد ۱ص ر ۳۴۱)

ریاض النضرہ میں ہے کہ جب آں حضرتؐ نے دعویٰ نبوت کیا تو حضرت ابوبکر محض تعبیر خواب کی بناء پر جو کاہن نے اُن سے بیان کی تھی آں حضرتؐ کی خدمت میں آئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے، ص ر ۵۲۔ حضرت عمر کو بھی ایسے ہی واقعات سے سامنا پڑا۔ ایک دفعہ آپ ایک قافلہ کے ساتھ مزدوری کرتے کرتے شام میں پہنچے اور وہاں قافلہ والوں سے بچھڑ گئے ایک راہب کے دیر پر آئے اس نے کھانا وغیرہ کھلوایا اور پھر شناخت کر لی کہ یہی شخص ہم کو ہماری عبادت گاہوں سے نکالے گا چنانچہ اس نے اصرار کر کے اپنے دیر کا ہبہ نامہ اپنے حق میں لکھا لیا اور پیشن گوئی کی کہ تم بادشاہ ہو جاؤ گے اور عیسائیوں کو نکال دو گے اس دیر کا ہبہ نامہ ابھی سے میرے حق میں لکھ دو چنانچہ عمر نے لکھ دیا۔ یہ بعثت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو وہی ہبہ نامہ آپ کے سامنے پیش کیا اور آپ نے وہ دیر چھوڑ دیا۔ (ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ مقصد ر ۱ص ر ۳۲)

پھر اٹھارہ برس کی عمر میں ولید بن مغیرہ کے خدمت گار بن کر قافلہ کے ساتھ شام گئے وہاں ایک راہب نے اُن کا سر، پیٹ اور رانیں کھلوا کر دیکھیں اور مریم بتول کی قسم کھا کر کہا کہ اے عمر تم عرب کے بادشاہ ہو جاؤ گے۔

(ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ الجزء الثالث ص ۱۴۴، ازالۃ الخفا مقصد ر ۱ص ۳۲)

اندریں صورت یہ قیاس بالکل امر واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے طرز عمل پر اُن کاہنوں کی پیش گوئیوں کا بہت بڑا اثر تھا اور اُنھوں نے اپنا طریقہ کار ان پیشن گوئیوں کی روشنی میں اختیار کیا تھا کاہنوں کی پیشن گوئیوں اور حالات کے مطالعہ سے ان لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس ابتداء کی انتہا ایک بڑی سلطنت ہے اور بہت جلد جنگ بدر ہی کی فتح کے بعد یہ آئندہ

کی امیدیں اور مستقبل کے ارادے، حال کے منصوبوں اور تجویزوں میں تبدیل ہو گئے۔

جب آں حضرتؐ نے اپنے اس منشا کو جس کا دعوت ذی العشیرہ میں اعلان فرمایا تھا مختلف طریقوں سے اپنی امت پر بحکم خداوندی ظاہر کرنا شروع کر دیا تو آں حضرتؐ کے ارادے کے متعلق کسی کو کچھ شبہ نہیں رہا۔ اب تو ان لوگوں کے لئے جن کی نظریں حکومت کی مسند کی طرف لگی ہوئی تھیں، صرف ایک ہی چارہ کار رہ گیا اور وہ یہ کہ ایک نہایت مضبوط جماعت اپنے ہم خیال لوگوں کی بنالیں اور اپنے خیال کی اشاعت کسی نہ کسی طرح لوگوں میں کرتے رہیں۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور فتوحات اسلامیہ بڑھتی گئیں اس جماعت کے ارادوں اور کوششوں میں بھی ترقی ہوتی گئی یہ کہنا کہ آں حضرتؐ اس جماعت کی موجودگی اور اس کی کوششوں سے ناواقف تھے خلاف واقعہ ہے اور آں حضرتؐ کی فراست و ذہانت و ذکاوت کی توہین:

عن علی نبینا رسول اللهؐ اخذ بیدی ونحن نمشی فی بعض مكك المدینة مررنا بحدیقة فقلت یارسول الله ما احسنها من حدیقة قال لك فی الجنّه احسن منها حتی مررنا بالسبع حدائق كل ذالك اقول ما احسنها یقول لك فی الجنّة احسنها منها فلما خلی لنا الاطریق اعتقنی ثم اجهش باكیا قلت یا رسول الله مایبكیك قال ضغائن فی صدور الا قوام لا یبدونها لك الامن دینی قال فی سلامة من دینك۔

(کنز العمال جلد/۶ ص/۴۱۸، ریاض نضرہ، جلد/۲، باب/۴ فصل/۸ ص/۲۱۰)

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک دن جناب رسولؐ خدا نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم مدینہ کی بعض گلیوں میں سے گذر رہے تھے کہ ایک باغ کے پاس پہنچے میں نے کہا کہ یہ کیسا اچھا باغ ہے آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جنت میں تیرے لئے اس سے بھی اچھا باغ ہے یہاں تک کہ ہم اسی طرح سات باغوں کے پاس سے گذرے میں ہر باغ پر یہی کہتا تھا کہ کیسا اچھا باغ ہے اور آں حضرتؐ فرماتے تھے کہ تیرے لئے جنت میں اس سے بہتر باغ ہے جب ہم ایسے راستے پر آئے جہاں کوئی اور نہ تھا تو جناب رسولؐ خدا مجھے گلے سے لگا کر رونے لگے۔ میں نے دریافت کیا کہ یارسولؐ اللہ آپ کے گریہ کا کیا باعث ہے تو فرمایا کہ ان لوگوں کے دلوں میں تیری طرف سے کینے اور عداوتیں بھری ہیں جن کو وہ اب تو چھپائے ہوئے ہیں لیکن میرے بعد ظاہر کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ سب میری سلامتی دین کے ساتھ ہوگا۔ فرمایاہاں تیری سلامتی دین کے ساتھ۔

یا علی ان الامهة ستغدر بك من بعدی و انت تعیش علی ملتی و تقتل علےٰ سنتی من احبك احبنی و من ابغضك ابغضنی و ان هذا سیخضب من هذا یعنی لحیة و راسی۔

(کنز العمال علی منتقی الجزء السادس، ص ر ۱۵۷، ابوعبدللہ الحاکم۔ المستدرک علی الصحیحین، ج ر ۳، ص ر ۱۴۰ وص ر ۱۴۲، میرزا محمد بدخشانی نزول الابرار ص ر ۲۹۔ محمد اسماعیل روضۃ الندیہ شرح تحفہ العلویہ، ص ر ۹۳)

فرمایا جناب رسوؐل خدا نے کہ اے علیؑ میرے بعد تمہارے ساتھ یہ امت دغا اور بغاوت کرے گی تم میری ملّت پر ہوگے اور میری سنّت پر قتل کئے جاؤ گے۔ جس نے تم سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے تم سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور بہ تحقیق کہ تمہاری ڈاڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگی جائے گی۔

ایک جماعت کا موجود ہونا، اُن کا ایک مقصد رکھنا، اس مقصد کا عجیب وغریب طرح کامیاب ہونا، یہ سب باتیں اچھی طرح ثابت کرتی ہیں کہ جناب رسوؐل خدا اور بنی ہاشم سے پوشیدہ یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں اور سازشیں کرتے تھے۔ جناب رسوؐل خدا کے افعال واقوال پر آپس میں نکتہ چینیاں کرکے لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلاتے تھے کیوں کہ بغیر اس کے جناب رسوؐل خدا کا مقرر کردہ نظام درہم برہم نہیں ہوسکتا تھا لیکن ہم اس بات کو بھی درایت واصول پر نہیں چھوڑتے اس کا بھی ثبوت پیش کرتے ہیں:

عن العباس ابن عبد المطلب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ما بال اقوام یتحدثون فاذا رأو الرجل من اهلبیتی قطعوا احدیثهم والذی نفسی بیده لا یدخل قلب امرئ الایمان حتی یحبهم لله ولقرابتهم منّی۔ (الشرف الید، ص ر ۶۶، شیخ یوسف بن اسماعیل ینابیع المودۃ، ص ر ۱۱، منزل الابرار میرزا محمد بن معتمد خاں، ص ر ۷، تاریخ ابن عساکر)

حضرت عباس سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسوؐل خدا نے کہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ جب یہ میرے اہلبیتؑ میں سے کسی کو دیکھ لیتے ہیں تو فوراً جو باتیں وہ کرتے ہوتے ہیں اس کو قطع کرکے خاموش ہوجاتے ہیں یا دوسری بات کرنے لگتے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہ ہوگا جب تک وہ میرے اہلبیتؑ سے خدا کی خاطر اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہ کرے گا۔

قیاس ہوسکتا ہے کہ وہ کیا گفتگوئیں ہوتی ہوں گی جو اہل بیت رسوؐل سے خفیہ کی جاتی تھیں اور اُن میں سے کسی کو دیکھ کر لوگ اپنا سلسلہ بیان بدل ڈالتے تھے۔ حضرت علیؑ کو جو نسبی فضیلت تھی وہ بھی ان لوگوں کی نکتہ چینیوں سے نہ بچ سکی چنانچہ جناب رسوؐل خدا کو یہ فرمانے کی ضرورت پڑی کہ:

الاما بال اقوام یزعمون ان رحمی لا تنفع والّذی نفسی بیده ان رحمی ملوصولا فی الدّنیا والاٰخرۃ۔

کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو گمان کرتے ہیں کہ میری رشتہ داری سے میرے رشتہ داروں کو کچھ فوقیت اور فائدہ

حاصل نہیں ہوتا۔قسم خدائے لایزال کی کہ میرا رشتہ دنیاوآخرت میں باعث فضیلت وفوقیت ہے۔

آپؑ نے ان لوگوں کو یہ بھی بتادیا تھا کہ تمہاری ان سازشوں اور تمہارے ان منصوبوں کا نتیجہ تمہارے لئے اور اسلام کے لئے بہت برا ہے اور باعث فتنہ وفساد ہے۔اپنے بعد ہی کے پرآشوب زمانے کی جوتصویر آپؑ نے کھینچی ہے اور فتنہ وفساد کی کثرت کا ذکر فرمایا ہے اس کا بیان ہم نے پہلے کر دیا ہے اس زمانہ پرآشوب وفتن کے وقت امت کو کیا کرنا چاہئے آپؑ فرماتے ہیں:

سیکون بعدی فتنه فاذا کان ذٰلك فالزموا علی ابن ابی طالب فانه الفاروق بین الحق والباطل۔

یعنی میرے بعد ہی فوراً فتنے اُٹھیں گے پس جب ایسا ہوتو تم علی بن ابی طالبؑ کا دامن پکڑنا وہ فاروق حق و باطل ہے۔

ترتیب خلافت پہلے سے تجویز ہو چکی تھی:

کنا نقول و رسول الله صلی الله علیه وسلم حی افضل امة النبی صلی الله علیه وسلم بعده ابوبکر ثم عمر ثم عثمان۔

(فتح الباری ابن حجر عسقلانی،ج ر ۷،ص ر ۱۴)

عبداللہ وعبیداللہ پسران حضرت عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول خداؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ جناب رسولؐ خدا کے بعد سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان ہیں۔

یہ روایت بھی غور طلب ہے۔جناب رسولؐ اللہ کے زمانہ حیات ہی میں یہ ترتیب خلافت کس طرح طے ہوگئی،یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کو فضیلت سے کیا تعلق ہے اور وہ بھی حضرت علیؑ کے مقابلہ میں جن کی نسبت یہ تسلیم ہے کہ جتنے فضائل حضرت علیؑ کے ہیں اتنے کسی اور صحابی کے نہیں۔

قال احمد و اسماعیل القاضی و النسائی و ابو علی النیشاپوری لم یرد فی حق احد من الصحابة بالاسانید الجیاد اکثر ماجاء فی علی۔

(فتح الباری،ج ر ۷،ص ر ۵۷)

امام احمد حنبل وقاضی اسماعیل ۔نسائی اور ابوعلی النیشاپوری کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کسی

کے حق میں ایسے عظیم و فصیح اسناد کے ساتھ اپنے فضائل مروی نہیں ہیں جتنے حضرت علیؑ کے حق میں۔

جب یہ دونوں امور مسلمہ ہو گئے تو پھر حضرت عمر کے بیٹوں کا یہ کیا کہنا کہ زمانہ رسولؐ میں ہم کہا کرتے تھے کہ سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر عثمان کچھ معنی رکھتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمر اپنے بیٹوں اور معتمد دوستوں میں یہ پروپیگنڈا پھیلایا کرتے تھے۔ تاکہ لوگوں کے دلوں میں رفتہ رفتہ اسی درجہ کے ساتھ ان تینوں بزرگوں کی فضیلت نقش ہوتی رہے اور اسی طرح آخری فیصلہ کن تجویز میں یہ بات مدد دے حضرت عمر ابھی سے اپنے نامزد کردہ خلفاء کا نام ظاہر کرنا ظاہر مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے لیکن اپنے دل میں یہ نام تجویز کر لئے تھے اور لوگوں کے کانوں اور دلوں کو اُن کی فضیلت کے گیت سے آشنا کرنا چاہتے تھے تاکہ حصول مدعا میں آسانی ہو۔ شروع میں تو حضرت عمر نے اپنے تجویز کردہ خلیفہ کا نام عام پبلک میں ظاہر نہیں کیا لیکن جب خود مسند حکومت پر مستقل ہو گئے اور دیکھ لیا کہ لوگوں کے دل بہت اچھی طرح اپنی طرف کر لئے ہیں تو پھر لوگوں کو اپنی تجویز سے آگاہ بھی کرنے لگے۔ ابھی زخمی بھی نہیں ہوئے تھے اور شوریٰ تجویز بھی نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے کہہ دیا کہ میرے بعد عثمان ہوں گے۔

عن حذیفه قال قیل لعمر ابن الخطاب و هو بالمدینة یا امیر المومنین من الخلیفۃ بعدك و قال عثمان عفان۔ (کنز العمال علی متقی، ج ر ۴، ص ر ۱۵۸)

حذیفہ بن الیمان سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے مدینہ میں حضرت عمر سے پوچھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان بن عفان۔

حدثنا ابن ابی ادریس عن شعبه عن ابی اسحاق عن حادثه۔

عن مطرف قال فی امارة عمر فلم یو کنو ایشکون ان لا خلافۃ من بعده لعثمان۔ (کنز العمال، ج ر ۳، ص ر ۱۶۰)

مطرف کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانہ میں لوگوں کو مطلقاً اس بات میں شک نہیں تھا کہ عمر کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کے معرکے سے پہلے ہی جماعت مخالفین بن چکی تھی اور اُس ہی کے بھروسہ پر حضرت عمر و ابوبکر و ابوعبیدہ بن الجراح سقیفہ بنی ساعدہ کا معرکہ مارنے گئے تھے ورنہ اگر پیچھے کوئی جماعت نہ ہوتی تو فطرتاً پہلا خیال جو آنا تھا وہ یہ تھا کہ اگر یہاں انصار ہمارے کہنے کو مان بھی گئے اور حضرت ابوبکر سے بیعت کر لی تو مہاجروں کی روک تھام ہم کیوں کر کریں گے۔ اگر تمام مہاجرین علیؑ کی طرف ہو گئے تو خرابی ہو جائے گی۔ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ اپنی جماعت کی حمایت پر اُن کو بھروسہ تھا، سمجھتے

تھے کہ اگر بنوہاشم و بنوامیہ وغیرہ نے نہ بھی مانا تو فقط ہماری جماعت ہمارے کھڑا کئے ہوئے کھیل کو سنبھالنے کے لئے کافی ہے۔

تنبیہ:

ہماری اس بحث سے کہ ہنگامہ سقیفہ بنی ساعدہ اس جماعت کی عرصہ دراز کی کوششوں کا نتیجہ تھا یہ اخذ کر لینا کہ حضرت ابوبکر کا تقرر بھی لوگوں میں عرصہ سے طے شدہ امر تھا یہی نہیں کہ غلط محض ہوگا بلکہ حضرت عمر کے سیاسی تدبر و فراست و موقع شناسی کی تحقیر و توہین کرنے کا جرم عائد کر دے گا۔ دنیاوی سیاست کا یہ پہلا اصول ہے کہ اپنا اصلی مدعا اس وقت تک پوشیدہ رکھا جائے جب تک اس کا ظاہر کرنا ہی اس کی کامیابی کا باعث نہ ہو جائے ورنہ اصلی مدعا کو قبل از وقت ظاہر کرنے سے لوگوں کو بہت کچھ سوچنے کا موقع مل جاتا ہے اور اس کے خلاف بہت سے تحریکات معرض وجود میں آجاتی ہیں...... حضرت عمر نے اس اصول پر اس شدت ولیاقت وزیرکی کے ساتھ عمل کیا ہے کہ یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ دنیائے سیاست میں وہ ہی اس اصول کے موجد ہیں۔ یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت عمر اپنی جماعت میں اپنے مقرر کردہ خلیفہ کا نام پہلے ہی لے دیتے تو بنی ساعدی و بنو تیم کا سوال پیدا ہو کر حضرت ابوبکر یقیناً خلافت سے محروم رہ جاتے اور خلافت ایسی جگہ چلی جاتی جہاں لے جانا حضرت عمر کا مقصود نہ تھا ان کے لئے تو یہی مناسب تھا کہ اصلی حاکم کا نام مخفی رکھ ہر ایک میں امید پیدا کر دی جائے تاکہ ہر شخص علیؑ کی مخالفت کو اپنا کام سمجھ کر دل سے کوشاں رہے اور لوگوں میں یہی ظاہر کریں کہ ہم بھی اوروں کی طرح بھائیوں کے مشورے و حکم کے پابند ہیں اگر حضرت عمر پہلے ہی سے حضرت ابوبکر کو نامزد کر کے لوگوں سے منوانا چاہتے تو وہی عرب کی ضد اور عادت سرکشی جو حضرت علیؑ کے خلاف کام کر رہی تھی حضرت ابوبکر کے خلاف کام کرنے لگ جاتی اور لوگ کہتے کہ جب ہم رسولؐ خدا کے نامزد کردہ شخص کو نہیں مانتے تو عمر کے مقرر کردہ شخص کو کیوں مانیں۔ لہٰذا حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو اس آخری وقت پر نکال کر پیش کیا کہ جب پیش نہ کرنا مقصد کو فوت کر دیتا اور حضرت ابوبکر کی خلافت وہی فلتتہً رہی جیسا کہ حضرت عمر نے اس کامیابی کے بعد اس کی تشریح نہایت صاف الفاظ میں کر دی۔

سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع اور اُس کے اسباب:

انصار نے مہاجرین کو مکہ سے بلایا اور سر آنکھوں پر رکھا، اپنے گھروں میں جگہ دی، اپنے لقمہ میں سے توڑ کر لقمہ اُن کو دیا۔ یہ تو غربت کے وقت کی حالت تھی اس کے بعد فتوحات ہوئیں مال غنیمت آنے لگا۔ ان حالات کی تبدیلی کے ساتھ ہی انصار کے دلوں کی کیفیت بھی بدلنے لگی۔ مکہ کے حضرات کفر میں زیادہ پختہ کار تھے۔ اُن کی تالیف قلوب کے لئے جناب رسول خداؐ نے مال غنائم میں سے اُن کو زیادہ حصہ دیا۔ چوں کہ آنحضرتؐ بھی اسی قبیلہ سے تھے اور قریش کی طرح انصار نے بھی شان نبوت کو

اچھی طرح نہیں سمجھا تھا لہٰذا ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ ناجائز ترجیح ہے، آں حضرتؐ سے شکایت کی، آپؐ نے اُن کو سمجھا دیا۔ چونکہ آں حضرتؐ کے احکام کی اطاعت اسلام کا ایک جزو تھی۔ آں حضرتؐ کی زندگی میں تو یہ صورت حالات بددلی کے درجہ سے آگے نہیں بڑھی لیکن جوں جوں آنحضرتؐ کی سرداری حکومت کی صورت اختیار کرتی گئی، انصار کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ آپؐ کے بعد اس حکومت کو کون سنبھالے گا اور آیا وہ شخص ایسا ہوگا کہ ہمارے ساتھ عدل و مساوی سلوک کر سکے۔ انھوں نے اپنی اس فکر کا اظہار صاف طور سے سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں کر دیا۔ جب بشیر بن سعد اور زید بن ثابت کو مہاجرین کی حمایت کرتے ہوئے دیکھا تو حباب بن المنذر نے صاف کہہ دیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری اولاد ان مہاجرین کے دروازوں پر بھیک مانگتی پھر رہی ہے اگر انصار کو یقین ہو جاتا کہ آں حضرتؐ کے بعد بغیر کسی رُکاوٹ کے حضرت علیؑ مسند حکومت پر متمکن ہوسکیں گے تو وہ پھر مطمئن ہو جاتے۔ یہ امر قطعاً کہا جاسکتا ہے کہ اگر مہاجرین کی طرف سے حضرت علیؑ کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار کبھی اس کی ابتداء نہ کرتے اور سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس کے انعقاد کی نوبت ہی نہیں آتی۔ یہ حضرت عمر کی جماعت ہی کا طرز عمل تھا جس نے انصار کو اپنا علحدٰہ خلیفہ مقرر کرنے پر مجبور کیا۔ روزانہ کے طرز عمل اور واقعات سے انصار کو یقین ہو گیا تھا کہ اگرچہ جناب رسولؐ خدا نے علیؑ کو تمام اُمت اسلامیہ کا حاکم و خلیفہ مقرر کر دیا ہے مگر مہاجرین کی یہ طاقتور جماعت اس حکم کی اطاعت نہیں کرے گی جب ہی تو بغیر مہاجرین سے صلاح و مشورہ کئے ہوئے اپنا علحدٰہ خلیفہ بنی ساعدہ میں مقرر کرنا چاہا اور جب اس جماعت کے تین سردار وہاں آہی پہنچے تو پھر انصار نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ منا امیر و منکم امیر۔(۱)

---

(۱): اسطور بالا سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے مسئلہ کو طے کرنے کے لئے انصار کا مجتمع ہونا کسی بدنیتی کے بناء پر نہ تھا حالات ہی ایسے پیدا ہو چکے تھے جس کے سبب وہ ایسے اقدام پر مجبور ہوئے لیکن پھر بھی اُن کا یہ فعل مذہبی و شرعی حیثیت سے کسی طرح سراہا نہیں جاسکتا۔ پیغمبرؐ اسلام نے مسلمانوں کی ہدایت و ارشاد دینی و دنیوی فلاح و بہبود میں کوئی دقیقہ اُٹھا رکھا ہوتا تو ''آج کے دن میں نے اپنی نعمتیں تم پر تمام کر ڈالیں اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسندیدہ دین قرار دیا'' کی سند خداوند عالم کی جانب سے نہیں عنایت ہوتی۔ پیغمبر اسلام نے اپنے بعد کے لئے خلافت و جانشینی کے مسئلہ کو بعثت کے دن ہی صاف کر دیا تھا اور بعثت کے بعد رحلت کے دن تک اکثر مواقع پر وضاحت فرماتے رہے لہٰذا پیغمبرؐ کے ارشادات پر ایمان و یقین رکھنے والے افراد کی نگاہوں میں انصار کا اقدام اور اپنی جماعت میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کرنے کے لئے اُن کو سبقت یقیناً اسلام میں خیانت اور مسلمانوں کے حقوق غصب کرنے کے مرادف تھی۔ ایسے وقت میں جب کہ پیغمبرؐ کی رحلت سے مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے، ہر دل پر بدحواسی طاری تھی ہر شخص سراسیمہ تھا کہ اب کیا ہوگا۔ انصار کا پیغمبرؐ کے صدمہ کو اس طرح نظرانداز کر کے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں خلیفہ کے تقرر کے لئے جلد بازی چاہے وہ پیش بندی اور اپنے حقوق کو محفوظ رکھنے کے لئے ہی کیوں نہ رہی ہو کسی طرح مستحسن نہیں سمجھی جاسکتی۔ ہمیں بہرحال ان کا احترام ملحوظ ہے اور ہم اس جگہ ان کے اس اقدام کے حسن و قبح سے زیادہ بحث کرنا بھی نہیں چاہتے۔ ہمیں تو یہاں صرف اُن اسباب پر روشنی ڈالنا مقصود ہے جس کے بناء پر انصار ایسا اقدام کرنے پر مجبور ہوئے۔

انصار نے اسلام کو اپنے یہاں پناہ دی اسلام کی حمایت کی کفر کی مرکزی طاقتوں سے ٹکر لی اپنی فداکاری و جانفروشی سے ہر معرکہ میں اسلام کا علم بلند کیا۔ اپنی انھیں عظیم الشان و گراں بہا خدمات کی بناء پر وہ متمنی تھے کہ خلافت ہمارے حصہ میں آئے اور اسلامی سلطنت پر ہمارا قبضہ ہو۔ جیسا کہ خود امیدوار

خلافت سعد بن عبادہ کی اس دن کی تقریر بتاتی ہے۔ساتھ ہی ساتھ ان کا پختہ یقین کہ مہاجرین پیغمبرؐ کی خلافت و نیابت مستحق ہاتھوں میں جانے ہی نہ دیں گے۔ پھر یہ اندیشہ و تردد بھی اُنھیں سہائے ہوئے تھا کہ کہیں حکومت کی باگ ڈور ان ہاتھوں میں نہ پہونچ جائے جن کے باپ دادا عزیز و اقارب ہمارے ہاتھوں سے مارے جاچکے ہیں۔حکومت پر قابض ہوجانے کے بعد یہ لوگ گن گن کر ہم سے اپنے بدلے چکائیں گے۔انصار کے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہونے کے یہی اسباب بظاہر سمجھ میں آتے ہیں انھیں وجوہ و اسباب کی روشنی میں ہم انصار کی نفسیاتی کیفیت کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں۔ان تمام باتوں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انصار کی ساری جدوجہد جارحانہ حیثیت سے بڑھ کر مدافعانہ حیثیت کی تھی اور مدافعت ہمیشہ کمزوری و محرومی کے احساس کے بناء پر ہوتی ہے۔

کمزوری کا احساس سب سے بڑی خرابی ہے جہاں یہ احساس پیدا ہوا وہاں ارادے میں سستی آئی اور تدبیروں میں خلل پیدا ہوا چنانچہ سقیفہ میں انصار سے یہ تمام باتیں دیکھنے میں آئیں عزم و ارادہ کی کمزوری اور رائے و تدبیر کا کھوکھلا پن بھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ خود اُن میں باہمی شدید اختلاف پیدا ہوگیا آئے تو تھے کہ مہاجرین کے مقابلے میں اپنے میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کرلیں مگر وہاں خاندانی بغض و عداوت کا مظاہرہ کیا جانے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اکثریت میں ہونے کے مٹھی بھر مہاجرین کے مقابلہ میں پانی ہوکر بہہ گئے۔اُن کے احساس محرومی و پست ہمتی کا اس سے بڑھ کر ثبوت یہ ہے کہ جب وہ سقیفہ میں ابھی جس خلافت کا منصوبے بنا رہے تھے اور کوئی ان کا حریف بھی نہ تھا۔اُن کے دعوائے خلافت کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مدعی اٹھا تھا یہ خلافت میں شرکت پر اُتر آئے یعنی قبل اس کے مہاجرین سقیفہ تک پہنچیں انصار کے مقرر نے کہا اگر مہاجرین جھگڑا کریں گے تو ہم کہیں گے کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے۔اس سے کم پر ہرگز ہم راضی نہیں ہوسکتے۔سعد بن عبادہ نے ٹوکا ''یہ پہلی کمزوری ہے'' مگر واقعہ یہ ہے کہ یہی پہلی کمزوری بھی تھی اور آخری کمزوری بھی، یہ کمزوری بڑھتی ہی گئی یہاں تک کہ مہاجرین کے آنے اور دو بدو مقابلہ ہونے کے بعد بھی باقی رہی اور باوجود سعد کی تنبیہ کے انصار اپنے اسی جملہ کو دُہراتے رہے کہ منا امیر و منکم امیر ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے۔

انصار کی طرف سے اس کمزوری کا مظاہرہ جہاں اُن کی کشادہ دلی اور نرم مزاجی کی دلیل ہے ہاں اسکا ثبوت بھی کہ اس معاملہ میں انصار حملہ آور ہونے سے بڑھ کر حملہ کا دفعیہ کرنے والے تھے وہ حکومت و خلافت کے طلبگار اس لئے نہیں تھے کہ امت اسلام کے مالک بن بیٹھیں بلکہ ان کا انتہائی مدعا یہ تھا کہ جن لوگوں سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اُن کی ایذارسانی کا امکان باقی نہ رہے اسی لئے وہ شرکت پر اتر آئے کہ اس صورت میں بھی متوقع ضرر رسانیوں کا سدِ باب ہوسکتا تھا۔سچی بات یہ ہے کہ انصار میں بلند ہمتی عالی حوصلگی و دور اندیشی و بیدار مغزی کی بے حد کمی تھی۔خصوصاً قریش کے منجھے ہوئے دماغوں اور سیاسی بازیگروں کے مقابلہ میں تو وہ طفل مکتب کی حیثیت رکھتے تھے۔اگر چہ انصار کے بعض اچھے دماغوں مثلاً حباب بن منذر نے اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالنا چاہا چنانچہ اُنھوں نے بڑے معرکہ کی تقریر اس دن کی تھی جس میں یہ بھی کہا تھا ''اے جماعت انصار اپنے معاملہ کو اپنے ہاتھوں سے جانے نہ دو یہ مہاجرین تمہارے قبضہ میں ہیں کسی شخص کو تمہاری مخالفت کی جرأت نہیں ہوسکتی۔لوگوں کو تمہاری رائے کی طرف جھکنا پڑے گا تم صاحبان دولت و عزت ہو.....اسی جوش و ولولہ کی اُن کی پوری تقریر ہے جس سے امید کی جاسکتی تھی کہ وہ انصار کی گرتی ہوئی ہمت کو بحال اور انکی پست ہمتی کو ہمت و حوصلہ سے بدل دیں گے۔انھوں نے انصار کو آپس کے اختلاف سے روکا بھی اور اُس کے بُرے نتائج کی دھمکی بھی دی مگر تقریر کے خاتمہ پر ان کی زبان سے بھی نکل ہی گیا فان ابی ھولاء فمنا امیر و منھم امیر۔اگر یہ مہاجر ہمارے دعوائے خلافت کی مخالفت کریں تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر ان میں سے۔کہاں تو وہ اپنی ولولہ انگیز تقریر میں اتنے اونچے جارہے تھے اور کہاں تحت الثریٰ میں جاگرے اور ان کی زبان سے بھی وہی بات نکل گئی فان ابی ھولاء اگر یہ مہاجر انکار کریں پوچھنے والا پوچھ سکتا تھا کہ اگر مہاجرین شرکت پر بھی نہ راضی ہوں تب تم کیا بنالو گے۔

یہ بہت بڑی شکست تھی انصار کی شرکت کا سوال خود اپنی طرف سے اُٹھا کر انصار نے خود اپنے حق میں کانٹے بوئے اور یہی اُن کے خلاف سب سے بڑا حربہ بن گیا چنانچہ حضرت عمر نے اسی منا امیر و منکم امیر کے جواب میں کہا تھا ھیھات لا یجتمع اثنان فی قرن ناممکن ہے ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔

یہ مطالبہ صاف بتا رہا ہے کہ انصار جانتے تھے کہ اس جماعت نے جو طرز عمل اپنے لئے سوچ لیا ہے اس سے وہ نہ ہٹے گی اور یہ ممکن نہیں کہ ایک حاکم ہو اور وہ اُن کا ہو۔ مہاجرین کے ظلم سے بھی ڈرتے تھے حکومت میں اپنا دخل چاہتے تھے لہٰذا ایک امیر کا مطالبہ کیا خواہ وہ امیر درجہ دوئم ہی پر رکھا جاتا۔ ہمارے اس دعویٰ کی تصدیق کہ اگر مہاجرین کی جماعت کی اس طرف سے حضرت علیؑ کی مخالفت شروع نہ ہوتی تو انصار کبھی اسکی ابتداء نہ کرتے بہت سے واقعات سے ہوتی ہے۔ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ اُنھیں حضرت علیؑ سے کوئی وجہ عناد نہ تھی۔ حضرت علیؑ سے دعوائے ہمسری و رقابت نہ تھا قبیلا نہ رشک وحسد جو ایک شہر کے مختلف قبیلوں میں اس زمانے میں ہوا کرتا تھا وہ ان میں حضرت علیؑ و بنوہاشم کے خلاف نہ تھا۔ جنگہائے بدر و احد وغیرہ میں حضرت علیؑ نے اُن کے قبیلے کے آدمیوں کو قتل نہیں کیا تھا۔

وہ حضرت علیؑ کی اعلیٰ صفات اور خدمات اسلامی سے واقف تھے، ان میں سے کوئی اپنے تئیں علیؑ کا مدمقابل یا رقیب نہیں سمجھتا تھا۔ ان میں کوئی شخص حضرت عمر جیسی جرأت وہمت والا موجود نہ تھا جو باوجود جناب رسول خداؐ کے صریح احکام کے حضرت علیؑ کے مقابلہ میں کھڑا ہو جاتا یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجلاس میں حضرت علیؑ کی غیر حاضری میں بھی بہت سے انصار نے کہہ دیا کہ ہم تو سوائے علیؑ کے اور کسی کو خلیفہ نہ مانیں گے:

وبايعه الناس فقالت الانصار او بعض الانصار لا نبايع الا عليا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر، جلد ر ۲، ص ر ۱۲۴)

جب حضرت ابوبکر کی بیعت لوگ کرنے لگے تو انصار نے یا اُن میں سے اکثر نے صاف کہہ دیا کہ ہم سوائے علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔

ایک اور امر بھی غور طلب ہے۔ حضرت عمر کو جب اپنی موت کا یقین ہو گیا اور لوگوں نے ان سے التجا کی کہ آپ ہی اپنا جانشین مقرر کر دیں تو انھوں نے چند رفتگان کے نام لئے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اُن میں سے کوئی انصار نہ تھا۔ پھر جب آپ نے چھ امیدواران خلافت نامزد کئے تو ان میں کسی انصار کو نہیں رکھا بلکہ صریحاً کہہ دیا کہ خلافت میں انصار کا حصہ نہیں۔ شوریٰ مقرر کرتے وقت آپ نے لوگوں کا یا معشر المهاجرين کہہ کر خطاب کیا انصار کو مطلقاً نظرانداز کر دیا اور فرمایا: احضر وامعكم من شيوخ الانصار ليس لهم من امركم شيئا۔ (کتاب الامامة والسياسة ابن قتیبہ، ص ر ۲۲) یعنی دوران مشاورت خلافت سازی میں تم انصار کے چند بڑے آدمیوں کو تو بلا لینا مگر تمہارے امر میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ خلافت کو آپ نے تمہارے امر یعنی مہاجرین کا معاملہ بتایا۔ انصار اس قابل بھی نہ تھے کہ اُن کی طرف اضافت بادنیٰ ملابست بھی ہو سکے۔ یہ وہ انصار تھے جن کی نسبت جناب رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے کہ حب الانصار

الایمان اور اللھم انتصرون احب الناس الی قالھا ثلاث مرات۔ یعنی خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اے انصار تم میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہو۔ یہ آپؐ نے تین دفعہ کہا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا: لو ان الانصار سلکوا و ادیا والشعبا لسلك فی وادی الانصار یعنی اگر انصار ایک علحٰدہ وادی، شعب میں جائیں تو میں اُن کے ساتھ رہوں گا۔

الانصار لایحبھم الاموٴمن ولا یبغضھم الامنافق فمن احبھم احبه الله ومن ابغضھم ابغضه الله یعنی انصار کو نہیں دوست رکھے گا لیکن مومن اور اُن کو نہیں دشمن رکھے گا لیکن منافق پس جو اُن کو دوست رکھے خدا اس کو دوست رکھے گا اور جو اُن سے بغض رکھے خدا اس سے بغض رکھے گا۔ (صحیح بخاری، ج/ ۲، باب مناقب الانصار، ص/ ۲۰۵ و ۲۰۶)۔ یہی فقرہ جناب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے حق میں کہا تھا۔ حضرت عمر نے دونوں کے حق میں جناب رسولؐ خدا کے اس قول کی عزت ایک ہی طریقے پر کی یعنی دونوں کو خلافت سے محروم کر دیا۔ جناب رسولؐ خدا نے جماعت مخالفین کی خواہش خلافت کی فراوانی کو دیکھ کر وہی نتیجہ انصار کے متعلق نکالا تھا جو آپؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق اخذ کیا تھا، اس کو معجزہ پیشن گوئی بھی کہہ سکتے ہیں اور قدرت کی پیشن بینی بھی آپؐ انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے انکم ستلقون بعدی اثرة فاصبرو احتی تلقونی وموعد کم علی الحوض۔ (صحیح بخاری باب مناقب الانصار، باب قول النبی للانصار اصبروا حتی تلقونی الحوض الجزء الثانی ص/ ۲۰۷)، میرے بعد ہی تم پر مصائب و آلام آئیں گے پس تم صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر تم مجھ سے ملو۔

دونوں کے لئے یہ مصیبت قائم شدہ گورنمنٹ کی شخصیتوں کی صورت میں آئی حضرت عمر کے اعمالوں کی فہرست پر نظر ڈالو جس کو جناب شبلی نے اپنے الفاروق، حصہ دوئم، ص/ ۳۸ و ۳۹ پر نقل کیا ہے۔ بنو امیہ اور دشمنان علیؑ ابن ابی طالبؑ کی کثرت سے سوائے ایک کے اور کوئی انصاری نظر نہیں آتا سعد بن عبیدہ انصاری جو حریف سلطنت تھا اس کو شام میں قتل کرا دیا۔ اس کے بیٹے قیس سے بے رخی برتی گئی۔ اس سلوک کی تلافی جناب امیرؑ نے اس طرح کی کہ قیس بن سعد ابن عبادہ کو مصر کی گورنری پر مقرر فرما دیا۔ مسئلہ زیر غور یہ ہے کہ حضرت عمر کی یہ ناراضگی انصار پر کیوں تھی کہ خلافت میں سے ان کا حصہ نکال دیا گیا انصار امت اسلامیہ میں سے نہ تھے؟ اس کی وجوہات تھیں حضرت عمر کی سیاست کا یہ رکن عظیم تھا کہ جس شخص میں ذرا بھی حب علیؑ ہو وہ حکومت سے دور رکھا جاتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ انصار نے خلافت کو خاندان نبوت میں سے نکالنے میں جو سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر و عمر کی مدد کی تھی اس سے انصار بہت پچھتا گئے اور اپنی غلطی محسوس کرنے لگے انھوں نے مہاجرین کو ملامت کرنی شروع کر دی جس کی وجہ سے حضرت ابو بکر کی بیعت کے بعد ہی دونوں فریقین میں لڑائی جھگڑے ہونے لگے جن کے روکنے کے لئے حضرت ابو بکر نے فوراً ان لوگوں کو لڑائی پر بھیج دیا اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اگر یہ وجوہات نہ تھیں تو وکلائے اہل حکومت

ہمیں بتائیں کہ باوجود مسلمان اور ناصران رسوؐل ہونے کے انصار کا حق وحصہ کیوں خلافت میں نہ تھا اگر خلافت بنی ہاشم و بنی عدی و بنی امیہ میں جا سکتی تھی تو کیوں انصار کی طرف نہ جاتی۔ اگر آپ اس کا یہ جواب دیں کہ چوں کہ آں حضرتؐ قریش میں سے تھے لہٰذا خلافت قریش ہی کا حصہ تھا تو پھر آپ کا قصر جمہوریت متزلزل ہوتا ہے اور اگر رشتہ داری باعث ترجیح ہو سکتی تھی تو نزدیک ترین رشتہ دار خلافت کے لئے اولیٰ تھے۔ نہ کہ حضرت ابوبکر و عمر۔ اس قسم کی منطق کی خرابیوں کو دیکھتے ہوئے ہی انصار نے مجبوراً حفظ ما تقدم کے طور پر اپنا علٰحدہ خلیفہ مقرر کرنا چاہا، مہاجرین میں علیؑ کے سوائے انصار کو کوئی ایسا نظر نہیں آیا تھا جو ان کے اور مہاجرین کے درمیان عدل کامل کر سکے اور اسلام کے معاملات کو اسی طرح تکمیل کو پہنچائے جس طرح جناب رسوؐل خدا نے شروع کئے تھے۔ باقی جتنے لوگ تھے اُن سے انصار کو دعویٰ برابری تھا اور خوف رقابت بھی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ انصار ادعائے خلافت کی بناء پر نہیں اُٹھے تھے بلکہ ظلم کا سد باب کرنا مقصود تھا۔

جب انصار کو یقین ہوگیا کہ یہ جماعت مہاجرین کی علیؑ کو خلیفہ نہ ہونے دے گی اور انصار نے اپنا خلیفہ نامزد کر دیا تو پھر اُن کو بھی اس کی پیچ ہوگئی مگر وہ پیچ حضرت ابوبکر ہی کے مقابلہ میں تھی۔ اب سارا معاملہ اس نقطہ پر آن کر منتہی ہوگیا کہ انصار میں سے خلیفہ ہو یا مہاجرین میں سے۔ حضرت عمر کی کوشش ہی یہ تھی کہ شخصیت پر نظر نہ جائے بلکہ قبیلہ ہی میں معاملہ رہے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب مقابلہ آسان ہوگیا اب سعد بن عبادہ کے مقابلہ میں ابوبکر بن ابی قحافہ پیش کئے جا سکتے تھے۔ غرضکہ اس جماعت مہاجرین نے وہ حالات پیدا کر دیئے جن کی وجہ سے انصار کو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونا پڑا، اگر یہ حالات پیدا نہ ہوتے تو انصار دفن وکفن رسوؐل کی طرف توجہ کرتے نہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف جاتے۔

واقعات سقیفہ

''جناب رسول خداؐ نے رحلت فرمائی تو گروہ انصار سعد بن عبادہ کے گرد جمع ہوئے اور اُن کو اطلاع دی کہ جناب رسوؐل خدا نے رحلت فرمائی۔ سعد نے اپنے بیٹے قیس سے کہا کہ مجھ میں تو بسبب مرض کے ان لوگوں سے کلام کرنے کی طاقت نہیں لیکن تو مجھ سے میرا قول سن لے اور ان کو با آواز بلند سنا دے پس سعد بن عبادہ اپنے بیٹے قیس سے آہستہ سے کہتے جاتے تھے اور اُن کا بیٹا بلند آواز سے لوگوں کو سنا دیتا تھا کہ تمام قوم سُن لے۔

سعد بن عبادہ کی تقریر:

پس سعد بن عبادہ نے بعد حمد وثنا باری تعالیٰ کہا کہ اے گروہ انصار تم کو دین میں سبقت حاصل ہے۔ اور فضیلت سے

اسلام میں جو کہ عرب کے کسی اور قبیلہ کو نہیں ہے کیوں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں بارہ سال تک تبلیغ رسالت کرتے رہے۔ اور اُن کو خداوند تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلاتے رہے مگر اُن کی قوم میں سے صرف قلیل لوگ ایمان لائے۔ بقسم خدائے عزوجل ان میں اتنی قدرت نہ تھی کہ وہ رسُول خدا کی حمایت کرتے اور اُن کو عزت کے ساتھ رکھتے وہ آں حضرتؐ کے دین سے ناواقف تھے اور دشمنوں کو اپنے سے دور نہیں رکھ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ تمہیں فضیلت بخشے اور کرامت پہنچائے اور اپنی نعمت سے تم کو مخصوص کیا۔ اور تم کو ایمان عطا کیا تمہیں آں حضرتؐ کو اور اُن کے اصحاب کو عزت کے ساتھ رکھنے کی کرامت عطا کی اور تمہیں توفیق بخشی کہ تم ان کے دین کو قوی کرو اور ان کے دشمنوں سے جہاد کرو پس تم اپنے میں سے ان لوگوں پر کہ جنھوں نے آں حضرتؐ کی مخالفت کی، سخت ترین تھے اور جو غیر لوگ دشمن تھے اُن کے خلاف بھی تم نے آں حضرتؐ کی حمایت کی یہاں تک کہ امر خدا کو استقامت حاصل ہوئی۔ اور خداوند تعالیٰ نے تمہاری مدد سے اپنے نبیؐ کے لئے ملک کو مسخر کیا اور اہل عرب تمہاری تلواروں کی مدد سے مغلوب ہوئے اور پھر خداوند تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اپنے پاس بلالیا۔ اور بوقت رحلت وہ تم سے راضی تھے اس امر خلافت کے لئے اپنے ہاتھوں کو مضبوط کرلو کیوں کہ تمام لوگوں میں سے تم سب سے زیادہ اس امر خلافت کے لئے اہل و مستحق ہو۔ تمام گروہ انصار نے اس بات کو قبول کیا اور کہا کہ تیری رائے بہت صائب ہے اور اس امر خلافت کی سرداری کے لئے تو نہایت موزوں ہے اور اس کے لئے ہر طرح سے قابل ہے۔ یہ خبر حضرت ابوبکر کو پہنچائی گئی تو آپ بہت روئے اور جزع وفزع کی اور اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر اُن کے ساتھ تھے پس وہ دونوں بہت تیزی کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے ابوعبیدہ بن الجراح مل گئے پس وہ تینوں مل کر چلے۔

حضرات ثلثہ سقیفہ میں داخل ہوتے ہیں:

یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں داخل ہوئے اور وہاں بہت سے لوگ جمع تھے اور اُن میں سعد بن عبادہ بھی تھے۔ حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ کلام شروع کریں اور وہ بعد میں کہا کرتے تھے کہ میں ڈرا کہ کہیں ابوبکر کلام میں کوتاہی نہ کریں پس جب عمر کلام کرنے کے لئے آمادہ تھے تو حضرت ابوبکر تیار ہو گئے اور حضرت عمر سے کہا کہ تم ذرا چپ رہو۔ پس ابوبکر نے کلمۂ شہادت ادا کیا اور لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

حضرت ابوبکر کی تقریر:

بتحقیق کہ خدائے عزوجل نے حضرت محمد مصطفےؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث کیا پس انھوں نے اسلام کی طرف لوگوں کو بلایا، تو خداوند عالم نے ہماری پیشانیوں اور دلوں کو اُن کی طرف مائل کر دیا پس ہم گروہ مہاجرین سب سے پہلے

اسلام لائے۔ جو اس کے بعد اسلام لائے انھوں نے ہماری پیروی کی اور ہم رسول خداؐ کے قرابت دار ہیں اور نسب کے لحاظ سے ہم اوسط العرب ہیں۔عرب کا کوئی قبیلہ نہیں لیکن یہ کہ اس میں قریش کے لئے دلاوۃ نہ ہو یعنی ہر ایک قبیلہ میں قریش کا اثر اور اُن کے آدمی موجود ہیں۔اور تم بھی قسم خدا کی وہ ہو جنھوں نے پناہ دی ونصرت کی اور تم دین میں ہمارے وزیر ہو اور تم رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے وزیر رہو۔اور تم کتاب خدا کی رو سے ہمارے بھائی ہو اور دین خدا میں ہمارے شریک ہو اور ہمارے ساتھ سختی و نرمی میں رہے ہو۔قسم خدا کی کوئی چیز نہ تھی کہ جس میں تم ہمارے ساتھ نہ تھے تمام لوگوں کی نسبت تم ہمارے بہت زیادہ محبوب ہو اور سب سے زیادہ مکرم ہو سب سے زیادہ رضائے خدا میں راضی رہنے والے اور اس کے حکم کی اطاعت کرنے والے تھے جبکہ خدا وند تعالیٰ نے مہاجرین کو تمہارے پاس بھیجا پس اب تم مہاجرین پر حسد نہ کرو اور تم ان کی مدد کرو اور تم ہمیشہ اپنے مہاجرین بھائیوں کی مدد کرتے رہے ہو۔اور سب لوگوں سے زیادہ تم اس بات کے مستحق ہو کہ اس امر میں تمہاری وجہ سے اختلاف نہ ہو اور تم اپنے بھائیوں پر اس خیر و برکت کی وجہ سے حسد نہ کرو جو خداوند تعالیٰ نے انھیں عطا کی ہے اور اب میں تم کو بلاتا ہوں، ابوعبیدہ یا عمر کی اطاعت کی طرف میں نے ان دونوں کو تمہارے لئے اور اس امر خلافت کے لئے پسند کیا ہے۔اور دونوں اس کے لئے موزوں ہیں۔

حضرت عمر اور ابو عبیدہ کا انکسار:

ان دونوں نے کہا کہ اے ابوبکر لوگوں میں سے کسی کے لئے موزوں نہیں ہے کہ وہ تمہارے اوپر فوقیت رکھے تم صاحب غار ہو دو میں کے ایک ہو۔رسول خداؐ نے تمہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا۔سب لوگوں سے زیادہ تم خلافت کے مستحق ہو۔

انصار کا جواب:

انصار نے کہا کہ قسم خدا کی ہم تم پر کسی نیکی کی وجہ سے حسد نہیں کرتے۔جو خداوند تعالیٰ نے تم کو پہنچائی ہو اور تمام خلق خدا میں تم سے زیادہ ہمیں کوئی محبوب نہیں ہے۔اور نہ ہم کسی اور پر تم سے زیادہ خوش ہیں لیکن ہم ڈرتے ہیں کہ اس کے بعد اس امر خلافت کو کوئی ایسا شخص نہ حاصل کرلے جو نہ ہم میں سے ہو اور نہ تم میں سے ہو اور اگر تم آج ایک حاکم ہم میں سے اور ایک حاکم اپنے میں سے لے لو تو ہم بیعت کرلیں اور راضی ہو جائیں۔اس امر پر کہ اگر ایک انصار میں کا حاکم ہلاک ہو جائے تو دوسرا انصار میں سے منتخب کرلیا جائے اور اگر مہاجرین میں کا حاکم ہلاک ہو جائے تو ان میں سے ایک منتخب کرلیا جائے اور یہ سلسلہ ہمیشہ تک قائم رہے جب تک کہ یہ امت باقی رہے اور یہ مناسب ہے کہ اُمت محمدیہ میں اس طرح عدل کیا جائے برعکس اس کے اگر قریشی کو حکومت مل گئی تو انصاری اس کی مخالفت کرے گا اور اگر انصاری کو حکومت مل گئی تو وہ ڈرے گا کہ قریشی اس کی مخالفت کرے گا،

پس حضرت ابو بکر کھڑے ہوئے۔

حضرت ابوبکر کی تقریر:

اور بعد حمد و ثنائے الٰہی کہا کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر محمد مصطفےٰؐ کو مبعوث کیا اور اُن کی اُمت پر ان کو گواہ مقرر کیا تا کہ خداوند تعالیٰ کی عبادت کریں درانحالیکہ وہ اس زمانہ میں مختلف خداؤں کی پرستش کرتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ وہ سب خداوندان اُن کی شفاعت کریں گے۔ اور انھیں نفع پہنچائیں گے۔ حالانکہ وہ تراشے ہوئے پتھر اور رندہ کی ہوئی لکڑیاں تھیں پس رجوع کرو تم آیہ انکم وما تعبدون من دون اللہ الخ کی طرف پس اہل عرب کو معلوم ہوا کہ اپنے آباواجداد کے دین کو ترک کریں پس خداوند تعالیٰ نے مہاجرین کو مخصوص کرلیا کہ ایسے وقت میں اس کے نبی کی تصدیق کریں اس پر ایمان لائیں اور جو ایذائیں اُن کی قوم پہنچائے ان پر صبر کریں تمام قوم ان کی تکذیب وتحقیر کرتی تھی اور تمام لوگ ان کے مخالف ہو گئے تھے لیکن وہ باوجود اپنی قلت تعداد کے اور قوم کے غلبہ کے نہ گھبرائے پس پہلے وہ لوگ ہیں جنھوں نے زمین پر خدا کی عبادت کی اور پہلے وہ لوگ ہیں جو خدا اور رسُولؐ کے ساتھ ایمان لائے اور وہ رسول خداؐ کے اولیاء وقرابتدار ہیں اور اس امر خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں اُن کے ساتھ کوئی تنازعہ نہیں کرے گا لیکن وہ کہ جو ظالم ہوگا اور تم اے معاشر انصار وہ ہو جن کی فضیلت کا انکار نہیں ہوسکتا اور نہ اس نعمت کا جو تمہیں اسلام میں حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین اور اپنے رسُولؐ کا انصار بنایا ہے اور تمہاری طرف اپنے رسُولؐ کی ہجرت قرار دی ہے۔ پس مہاجرین اولین کے بعد منزلت میں ہمارے نزدیک تم سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے پس ہم امیر ہیں اور تم وزیر ہو ہم جو کام کریں گے اور جو امور طے کریں گے وہ تمہاری صلاح ومشورہ سے ہوا کرے گا۔ اس کے بعد حباب بن منذر، زید بن خرام انصاری کھڑے ہوئے اور کہا۔

حباب بن منذر کی تقریر:

اے گروہ انصار اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو یہ لوگ تمہاری حمایت میں اور تمہارے سایہ کے نیچے ہیں اور ان میں طاقت نہیں ہے کہ تمہاری مخالفت کریں تم لوگ اہل عزت وثروت ہو۔ تمہاری تعداد زیادہ ہے تم صاحب بزرگی ہو اور لوگوں کی نظریں تم پر لگی ہوئی ہیں کہ تم کیا کرتے ہو۔ پس تم آپس میں مخالفت نہ کرو تا کہ تمہارے مشورے میں فساد نہ پڑے اور تمہارے امور ناکامیاب نہ ہو جائیں۔ تم پناہ دینے والے ہو اور تمہاری طرف رسُولؐ خدا کی ہجرت ہوئی اور تم ہی سابقین میں سے ہو جیسا کہ مہاجرین ہیں اور تم ان سے پہلے صاحب خانہ وصاحب ایمان ہو۔ قسم خدا کی انھوں نے خدا کی عبادت علانیہ نہیں کی لیکن تمہارے شہر میں اور نماز جامع کہیں نہیں ہوئی لیکن تمہاری مسجدوں میں عرب اسلام کے لئے مغلوب نہیں ہوئے مگر تمہاری تلواروں سے

پس تمہارا حصہ اس امر خلافت میں سب سے زیادہ ہے اور اگر یہ لوگ انکار کریں تو ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک ان لوگوں میں سے ہو۔ اب حضرت عمر کھڑے ہوئے اور کہا۔

حضرت عمر کی تقریر:

افسوس ہے دو تلواریں ایک نیام میں جمع نہیں ہو سکتیں اور عرب اس کو گوارا نہ کریں گے کہ تم ان پر حکومت کرو درانحالیکہ ان کا نبی تم میں سے نہیں تھا۔ قطعاً یہ ضروری ہے کہ اس امر خلافت کے وہ لوگ والی و حاکم ہوں جن میں نبوت رہی ہے۔ ہم میں سے نبی کا ہونا ہمارے مخالفین کے اوپر حجت ظاہرہ اور دلیل باہرہ ہے۔ ہم سے محمدؐ کی حکومت و میراث کے لئے کون تنازعہ کرسکتا ہے درانحالیکہ ہم آں حضرتؐ کے اولیاء و قرابتدار ہیں۔ جو ہم سے اس امر میں تنازعہ کرے گا وہ ظالم و گنہگار ہوگا اور ورطہ ہلاکت میں پڑے گا۔

حباب بن منذر کا جواب:

اب حباب بن منذرؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے معشر انصار اپنے ہاتھوں پر قابو رکھو اور اس شخص اور اس کے ساتھیوں کی باتوں کو نہ سنو ورنہ اس امر خلافت میں سے تمہارا حصہ جاتا رہے گا۔ اگر یہ اس سے انکار کریں جو تم چاہتے ہو تو تم ان کو اپنے شہر سے نکال باہر کرو اور پھر اپنے اوپر اُن لوگوں پر اس شخص کو حاکم بنادو جس کو تم چاہتے ہو۔ کیوں کہ قسم بخدا تم اس امر کے مستحق ہو کیوں کہ اس امر کو تم نے اپنی تلواروں سے حاصل کیا ہے قسم بخدا اگر تم چاہو تو ہم پھر اس کو پہلے کی طرح کردیں میرے قول کی کوئی مخالفت نہیں کرسکتا جو کرے گا اس کو تلوار سے جواب دوں گا۔ اس پر عمر بن الخطاب نے کہا کہ یہ حباب بن المنذر ہے جو میری بات کا جواب دے رہا ہے میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں اس کی مخالفت کروں۔

حضرت عمر کو موقع پر ایک حدیث یاد آئی:

کیوں کہ ایک دفعہ زمانہ حیات رسولؐ میں میرے اور اس کے درمیان تنازعہ ہوگیا تھا تو رسول خداؐ نے مجھے منع کردیا اور میں نے قسم کھائی ہے کہ اب میں کبھی ایسی بات نہ کہوں گا جو اس کو بری لگے۔ پھر ابوعبیدہ کھڑے ہوئے اور کہا۔

ابوعبیدہ بن الجراح کی تقریر:

اے گروہ انصار تم وہ ہو جنھوں نے سب سے پہلے نصرت کی اور پناہ دی پس تم اس کو سب سے پہلے متغیر و تبدیل کرنے والے نہ بنو۔

مخالفت قیس (بشیر) بن سعد، بشیر بن سعد کی انصار سے علیٰحدگی:

راوی کہتا ہے کہ جب قیس[۱] (بشیر) نے دیکھا کہ تمام قوم سعد بن عبادہ کو امیر بنانے پر متفق ہے تو وہ سعد بن عبادہ کی مخالفت پر حسد کی وجہ سے آمادہ ہوا اور قیس (بشیر) سرداران خزرج میں سے تھا اس نے کہا۔

بشیر کی تقریر:

اے گروہ انصار چوں کہ جہاد میں ہم صاحب فضیلت ہیں اور دین میں سبقت رکھنے والے ہیں، لہٰذا ہم کو چاہئے کہ سوائے رضائے ربی وطاعت نبی کے اور کچھ خود غرضی سے کام نہ لیں۔ یہ ہمارے لئے مناسب نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے اوپر اس معاملہ کو طول دیں اور نہ ہمارے لئے مناسب ہے کہ ہم دنیاوی غرض اس امر میں ظاہر کریں کیوں کہ خداوند تعالیٰ نے یہ نعمت و احسان ہمارے اوپر کیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جناب رسول خداؐ قریش میں سے تھے لہٰذا ان کی قوم اُن کی میراث پانے کی مستحق اور اُن کے بجائے حکومت کرنے کی زیادہ سزاوار ہے۔ مجھے یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس امر میں اُن کے ساتھ تنازعہ کروں خدا سے ڈرو اُن کی مخالفت نہ کرو نہ اُن کو دھوکہ دو۔

بیعت ابی بکر:

راوی کہتا ہے کہ پھر ابو بکر کھڑے ہوئے اور بعد حمد وثنائے الٰہی کے انصار کو جماعت کی طرف بلایا اور فرقہ بندی سے روکا اور کہا کہ یہ میری نصیحت ہے کہ تم ان دونوں میں سے ایک سے بیعت کرلو ابوعبیدۃ الجراح یا عمر۔

عمر کا انکسار:

عمر نے کہا معاذ اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے دراں حالیکہ آپ ہمارے درمیان موجود ہیں آپ اس امر کے ہم سے زیادہ مستحق

۱۔ متن کتاب الامامۃ والسیاستہ میں مکاتب کی غلطی سے بشیر بن سعد کی جگہ قیس بن سعد لکھا گیا ہے۔ سعد بن عبادہ کے حسد کی وجہ سے جس نے حباب بن المنذر کی مخالفت کی اور حضرت ابوبکر کی بیعت کی تھی وہ بزرگوار بشیر بن سعد تھے۔ نہ کہ قیس بن سعد۔ یہ بات خود کتاب کی عبارت سے ظاہر ہوتی ہے ملاحظہ ہو عبارت زیر عنوان تخلف سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ: عن اللبسیعہ پہلے تو یہ لکھا ہے کہ قیس بن سعد نے مشورہ دیا کہ سعد بن عبادہ کو قتل نہ کرو ورنہ فساد ہوگا اس مشورہ کے بعد لکھا ہے وقبلو امشورۃ بشیر بن سعد یعنی انھوں نے بشیر بن سعد کا مشورہ قبول کرلیا۔ تاریخ ابن خلدون ودیگر کتب تواریخ سے قطعاً ثابت ہے کہ اس کا نام بشیر بن سعد تھا نہ کہ قیس بن سعد ملاحظہ ہو ابن عساکر تاریخ الکبیر حصہ تہذیب جلد/ ۳، ترجمہ بشیر بن سعد، ص/ ۲۶۴۔

ہیں اور ہم سے پہلے آپ کو صحبت رسوؐل حاصل ہوئی اور مال میں ہم سب سے زیادہ ہو، مہاجرین میں سب سے بہتر ہو۔ دو میں کے ایک ہو۔ آپ نے نماز پڑھائی اور نماز دین اسلام کا افضل جزو ہے۔ کس کے لئے جائز ہے کہ تم سے آگے بڑھے اور خلافت حاصل کرے۔

عمر ابوبکر کا ہاتھ نکلواتے ہیں:

اپنا ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرتا ہوں، عمر اور ابوعبیدہ بیعت کرنے کے لئے بڑھے ان دونوں سے پہلے قیس (بشیر) انصاری نے جھپٹ کر بیعت کرلی۔

حباب بن المنذر کی تقریر:

حباب بن المنذر نے اس کو ندا دی کہ اے قیس (بشیر) چھوڑنے والے نے تجھے چھوڑ دیا یعنی تو قبیلہ سے عاق کر دیا گیا۔ کس نے تجھ کو اس امر پر مجبور کیا کہ تو وہ کرے جو تو نے کیا تو نے اپنے ابن عم سعد بن عبادہ پر حسد کیا اس نے جواب دیا نہیں قسم بخدا میں نے اس امر سے کراہت کی کہ اس قوم کے ساتھ تنازعہ کروں جو اس امر کے مستحق ہیں۔

اوس و خزرج کی رقابت (۱) نے حضرت ابوبکر کی مدد کی:

(۱) انصار دو قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ قبیلہ خزرج اور قبیلہ اوس۔ سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے اور حقیقتاً سعد کو محض اپنے قبیلہ خزرج کی پشت پناہی حاصل تھی۔ آنے کو سقیفہ میں اوس والے بھی آگئے تھے جلسہ دونوں قبیلوں کا مشترکہ جلسہ تھا مگر اوس والوں نے محض ظاہری حالات کے بناء پر جلسہ میں شرکت کی تھی کیوں کہ دونوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے جو اندیشے خزرج والوں کو مہاجرین کی طرف سے تھے وہی اندیشے اوس والوں کو بھی دونوں ہی قبیلوں نے دوش بہ دوش ہو کر کفار قریش و مہاجرین کے آبا و اجداد و اعزہ و اقارب کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ مگر بہ باطن اوس و خزرج دونوں ہی کے سینوں میں ایک دوسرے کے خلاف غیظ و غضب کی آگ بھڑک رہی تھی اوس و خزرج کی باہمی عداوت اور ان دونوں کی مسلسل جنگ و جدال تاریخ عرب کا سیاہ ترین باب ہے۔ نہ معلوم دونوں قبیلوں میں کب سے کشت و خون کا سلسلہ چلا آرہا تھا۔ کتنی لڑائیاں دونوں میں ہوئیں تھیں۔ کتنے خزرج کے جوان اوس والوں کے ہاتھوں خاک میں ملے اور کتنے اوس کے نمودار خزرج دونوں کے ہاتھوں تہ تیغ ہوئے۔ وہ تو کہیے رحمۃ العالمین پیغمبرؐ کی مسیحانفسی تھی جس نے دونوں قبیلوں کی تلواروں کو نیاموں میں محبوس کر دیا تھا ورنہ انتقام کی پیاس دونوں کے کلیجوں کو سوختہ کئے ہوئے تھی۔ اُن کی آخری معرکہ کی لڑائی جنگ بُعاث تھی جو ہجرت نبوی کے ۶ ر برس پہلے پیش آئی اور یہی جنگ دونوں قبیلوں کے اسلام سے روشناس ہونے کا سبب واقع ہوئی۔ کیوں کہ اسی جنگ کے دوران میں اوس یا جرزج کا وفد مکہ پہونچا کہ قریش والوں سے جنگ میں مدد کے لئے درخواست کرے اور وہاں پیغمبر اسلاؐم کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور دلوں میں ہدایت نے راستہ پایا۔ اس لڑائی میں قبیلہ اوس کے کمانڈر ان چیف ابواسید بن حضیر تھے۔ یہی ابواسید سعد بن عبادہ کے منصوبہ خلافت کی بربادی کا باعث ہوئے۔ سبقت کر کے انھوں نے ابوبکر کی بیعت کرلی اور اُن کے ساتھ پورے اوس نے بیعت کی اور قبیلہ خزرج کے سردار عمر بن نعمان تھے جنھیں جنگ احد میں پیغمبرؐ نے اسلامی فوج کی افسری عنایت کی تھی۔ اسلام نے ان کی کھینچی ہوئی تلواروں کو نیام میں تو کر دیا تھا مگر اُن کی باہمی عداوت و دشمنی، حسد و بغض دور نہ ہوسکا تھا۔ اسلام لانے کے بعد بھی دونوں میں ٹکر ہوتی ہی رہتی اگر خزرج نے کوئی کارنمایاں انجام دیا تو اوس والے بھی جب تک ویسا ہی کارنامہ انجام نہ دے لیں چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ اسی طرح اگر اوس والوں سے کسی

ایسے کام کا اظہار ہوا تو خزرج والوں نے جب تک ویسا نہ کرلیا چین سے نہ بیٹھے۔

پیغمبرؐ کے حضور بھی برابر دونوں میں تصادم کی نوبت آتی تھی مگر جلال نبوت سے بات بڑھنے اور نوبت کشت وخون تک آنے نہیں پاتی تھی۔ سعد بن عبادہ نے سقیفہ میں لفظ انصار سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اوس کو بھی اپنا ہمنوا بنا لیا تھا کیوں کہ خزرج والے بھی انصار اور اوس والے بھی انصار اور دونوں مل کر مہاجرین وقریش کے حریف وفریق تھے۔

۱۔ چنانچہ انھوں نے اپنی تقریر میں بجائے اوس وخزرج کا نام لینے کے کہا تھا یامعشر الانصار ان لکم سابقة فی الدین و فضیلة لیست لقبیلة من العرب۔ اے جماعت انصار تم کو دین میں وہ سبقت اور فضیلت حاصل ہے جو عرب کے کسی قبیلہ (یعنی مہاجرین) کو حاصل نہیں۔ اپنی پوری تقریر میں سعد نے دونوں قبیلہ کو ایک ہی لفظ سے خطاب کیا اور اس کے جواب میں اوس والے بھی خزرج والوں کے ہمزبان ہو کر بولے ان وفقت فی الرای واصبت فی القول ولن یعدو ما امرت نولیك هذا الامر فانت لنا مقنع ولصالح المومنین رضیً۔ ہم تمہارے حکم سے تجاوز نہ کریں گے ہم تم کو اس امر خلافت کا والی مقرر کرتے ہیں۔ تم ہمارے لئے کافی ہو اور نیکو کار مومنین کے لئے پسندیدہ ہو۔

اس اتفاق رائے ہوجانے کے بعد اب اس پر بحث ہونے لگی کہ اگر مہاجرین انصار کی خلافت پر ناپسندیدگی کا اظہار کریں تب ان کا طرز عمل کیا ہونا چاہیئے۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا اذن نقول منا امیر و منکم امیر۔ تب ہم کہیں گے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے۔ سعد نے تنبیہ کی کہ یہ ہم لوگوں کی پہلی کمزوری ہے۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ یہ ان کی پہلی کمزوری اور سب سے بڑا احساس کمتری تھا جو بتاتا ہے کہ قریش والوں کے ارادے کے مقابلے میں کتنے ضعیف و پست ہمت تھے۔ یہاں تک کہ ان کا سامنا ہونے کے پہلے ہی شرکت پر گھٹ کر اتر آئے بلکہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ یوں تو وہ ایک نقطہ پر سمٹ آئے تھے مگر دلی یکجہتی قطعاً مفقود تھی دیرینہ بغض وعناد اسی طرح موجود تھا جیسے خاکستر میں چنگاری۔ سعد کی اپیل پر انھوں نے ہاں میں ہاں تو ملادی، اُن کی خلافت پر راضی ہوگئے مگر بیعت کے لئے فوراً ہاتھ نہ بڑھاسکے۔ اتنی دیر تک بے کار فضول بحثوں میں الجھے رہے کہ مہاجرین آدھمکے۔ ورنہ سچ پوچھئے تو اگر دلوں میں کھوٹ نہ ہوتا سعد کی باتوں کو سچے دل سے قبول کئے ہوتے تو فضول باتوں میں وقت ہی کیوں برباد ہوتا۔ مہاجرین کو ان کے اجتماع کی خبر بھی نہ ہونے پاتی کہ وہ سعد کی بیعت کرکے خلافت کا قصہ ختم کرچکے ہوتے۔

واقعہ یہ ہے کہ قبیلہ اوس کو سعد کی بیعت دل سے گوارا نہ تھی وہ معمولی معمولی باتوں میں قبیلہ خزرج سے مقابلہ کیا کرتے تھے۔ بھلا خزرج کی خلافت کو وہ دل سے کیسے پسند کرلیتے اصل میں انھیں منظور نہ تھا کہ وہ اختلافات کی ابتدا اپنی جانب سے کریں تاکہ دنیا کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ اوس وخزرج کی خاندانی عداوت نے معاملہ کو بگاڑ دیا، لیکن جیسے ہی بہانہ ہاتھ آیا مہاجرین آٹپکے اور بشیر بن سعد جو اتفاق سے خود خزرج ہی سے تھے انھوں نے سعد کی مخالفت کی اور لپک کر ابوبکر کی بیعت کرلی تو اوس والے سعد اور خزرج سے دامن جھٹک کر الگ ہوگئے۔ موقع بھی اچھا تھا کوئی کہہ بھی نہیں سکتا تھا کہ اوس وخزرج کی باہمی چشمک کی وجہ سے مہاجرین کی بن آئی اور سعد ناکام رہے۔ کیوں کہ سعد کی مخالفت کی ابتداء خود انھیں کے قبیلہ کی ایک فرد سے ہوئی تھی اب دل کی باتیں زبان پر آنے لگیں۔ اوس والے ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ لئن و الیتموها سعدا علیکم مرة واحدة لا ذالت لهم بذالك الفضیلة ولا جعلوا لکم فیها نصیبا ابدا فقوموا فبایعوا ابابکر۔۔

اگر تم نے ایک دفعہ بھی سعد کو اپنا حاکم مان لیا تو قبیلۂ خزرج کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم پر برتری حاصل ہوگئی اور وہ خلافت میں تمہیں کوئی بھی حصہ نہ دیں گے۔ اُٹھو اور ابوبکر کی بیعت کرلو۔

چنانچہ اوس کے نام برآوردہ شخص اسید نے اُٹھ کر ابوبکر کی بیعت کرلی اور ان کے ساتھ پورے اوس والوں نے بیعت کرلی۔
اب کون اُن سے پوچھے کہ ابوبکر کی بیعت کرکے تم نے کیا پالیا؟ ابوبکر کی بیعت کرنے سے تمہیں خلافت میں کوئی حصہ مل گیا؟

جب قبیلہ اوس کے لوگوں نے دیکھا کہ قیس (بشیر) بن سعد نے جو بنوخزرج کے سرداروں میں سے تھا بیعت کر لی اور یہ دیکھا کہ مہاجرین کیا چاہتے ہیں اور یہ دیکھا کہ خزرج سعد بن عبادہ کو امیر بنانا چاہتے ہیں تو اُن میں سے چند لوگ آپس میں کہنے لگے (اور اُسید بن حضیر اُن میں سے ایک تھا) کہ اگر تم ایک دفعہ سعد کو اپنا امیر بنا لو گے تو پھر ہمیشہ خزرج کو یہ فضیلت تم پر رہے گی اور تم کو اس میں سے کبھی حصہ نہیں ملے گا۔ لہٰذا چلو کھڑے ہو اور ابوبکر سے بیعت کر لو۔

آپس میں ہاتھا پائی ہوتی ہے:

پس اس پر حباب بن المنذر کھڑا ہوا اور اپنی تلوار کو پکڑ لیا۔ لوگ اس کی طرف دوڑے اور اس کی تلوار چھین لی۔ وہ اپنی چادر لوگوں کے منہ پر مارتا تھا یہاں تک کہ لوگ بیعت سے فارغ ہوئے تو پھر حباب بن المنذر نے کہا۔

حباب بن منذر مستقبل سے ڈرتے ہیں:

کہ اے گروہ انصار گویا میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری اولاد مہاجرین کی اولاد کے دروازوں پر کھڑی ہوئی بھیک مانگ رہی ہے اور وہ پانی بھی نہیں دیتے۔

حضرت ابوبکر جواب دیتے ہیں:

حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے حباب کیا یہ ڈر تم کو ہم سے ہے۔ حباب نے کہا تم سے نہ ڈر نہیں ہے بلکہ اُن سے ہے جو تمہارے بعد آئیں گے ابوبکر نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہوگا تو پھر تم کو اور تمہارے اصحاب کا اختیار ہوگا جو چاہے کرو ہماری اطاعت تمہارے اوپر نہیں رہے گی۔ حباب نے کہا کہ افسوس ہے کہ اے ابوبکر جب میں اور تم مر جائیں گے تو پھر وہ لوگ آئیں گے جو ہمارے اوپر بلاؤں کو اپنے ساتھ لائیں گے۔

سعد بن عبادہ کا بیعت ابوبکر سے تخلف کرنا:

سعد بن عبادہ نے کہا کہ اے ابوبکر قسم بخدا اگر مجھ میں چلنے کی طاقت ہوتی تو، تو اطراف عالم میں میری ایسی آواز سنتا جو تجھ کو اور تیرے اصحاب کو یہاں سے نکال دیتی اور تو اپنے ان ہی لوگوں میں جاتا جو ہمیشہ خادم اور مطیع رہے نہ کہ مخدوم و مطاع جو ہمیشہ گمنام رہے ہیں نہ کہ صاحب عزت۔ لیکن حضرت ابوبکر سے سب لوگوں نے بیعت کر لی یہاں تک کہ قریب تھا کہ سعد بن عبادہ پیروں میں کچلا جاتا۔ سعد نے کہا کہ تم نے تو مجھ کو مار ڈالا۔ کہا گیا کہ اس کو قتل کر دو سعد کو خدا قتل کرے اس پر سعد نے کہا کہ مجھے اس جگہ سے اُٹھا کر لے چلو۔ چنانچہ اس کو اس کے اپنے گھر لے گئے پھر ابوبکر نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ اب آن کر تم بھی

بیعت کرلو۔ تمہاری قوم نے بیعت کرلی ہے اس نے جواب میں کہلا بھیجوایا کہ میں تم کو اپنے ترکش کے تمام تیروں سے ماروں گا، اور اپنی سنان کو تمہارے خون سے رنگین کروں گا، اور اپنے خاندان و قبیلے کے لوگوں کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کروں گا اور قسم بخدا اگر تمام لوگوں کے ساتھ جن بھی مل جائیں تو میں تم سے بیعت نہ کروں گا یہاں کہ میں اپنے خدا سے ملاقات کروں اور اپنا حساب دوں۔ جب یہ پیغام ابوبکر کو ملا تو عمر نے کہا اس کو نہ چھوڑو جب تک یہ تم سے بیعت نہ کرلے۔ اس پر قیس (بشیر) بن سعد نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ اب اس نے تم سے انکار کردیا ہے وہ ہرگز تمہاری بیعت نہیں کرے گا یہاں تک قتل ہوجائے۔ اور وہ نہیں قتل ہوگا جب تک اس کے ساتھ اس کی اولاد و اہلبیتؑ وقرابت دار قتل نہ ہوجائیں اور تم ان لوگوں کو قتل نہ کرسکو گے جب تک قبیلۂ خزرج کو قتل نہ کردو اور خزرج قتل نہ ہوں گے جب تک قبیلۂ اوس کے لوگ قتل نہ ہوجائیں پس تم اس امر میں فساد نہ پیدا کرو جو تمہارے لئے درست ہوگیا ہے اُس کو تم چھوڑ دو۔ اس کو چھوڑ نا تم کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ صرف ایک اکیلا آدمی ہے پس انھوں نے اس کو چھوڑ دیا اور بشیر بن سعد کا مشورہ قبول کرلیا اور وہ بشیر بن سعد سے اس بات میں صلاح لیتے تھے جو سعد کے متعلق ہوتی تھی۔ سعد بن عبادہ نے کبھی ان کے ساتھ نماز نہیں پڑھی اور نہ ان کے مجمع میں شامل ہوا اور اگر اسے ناصر و مددگار مل جاتے تو وہ ضرور ان لوگوں سے جنگ کرتا اور ایک آدمی بھی اس کی بیعت ان لوگوں سے جنگ کرنے پر کرلیتا تو وہ ضرور جنگ کرتا۔ یہ حالت اسی طرح رہی جب تک کہ ابوبکر نے انتقال کیا اور حضرت عمر نے حکومت سنبھالی، اس وقت سعد بن عبادہ شام کی طرف چلے گئے اور وہ وہیں مرگئے اور کسی سے انھوں نے بیعت نہیں کی۔

بنوہاشم کا اجتماع حضرت علی علیہ السلام کے گرد:

اور بہ تحقیق کہ بنو ہاشم حضرت علیؑ کے پاس جمع ہوگئے اور ان میں زبیر بن العوام بھی تھے ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ اس وجہ سے وہ اپنے تئیں بنو ہاشم میں شمار کیا کرتے تھے اور حضرت علیؑ کہا کرتے تھے کہ زبیر ہمیشہ ہم میں سے تھے یہاں تک کہ ان کے لڑکے جوان ہوئے اور جب وہ جوان ہوگئے تو انھوں نے زبیر کو ہم سے منحرف کرادیا۔ بنو امیہ عثمان کی طرف جمع ہوئے اور بنو زہرہ سعد و عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف جمع ہوئے اور یہ سب لوگ مسجد میں جمع ہوئے ابوبکر اور ابوعبیدہ بن الجراح ان کے پاس آئے جب کہ ابوبکر کی بیعت ہوچکی تھی تو عمر نے ان سے کہا کہ میں تم کو یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں۔ اُٹھو اور ابوبکر کی بیعت کرو۔ میں نے اور انصار نے اس کی بیعت کرلی ہے اس پر عثمان بن عفان اور تمام بنو امیہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت کرلی اور پھر سعد و عبدالرحمٰن اور ان کے ساتھی اٹھے اور انھوں نے بھی بیعت کرلی۔

ابوبکر و عمر مسجد میں آئے اور ڈرا دھمکا کر بیعت لی:

لیکن حضرت علیؑ و حضرت عباس اور بنو ہاشم اُن کے ساتھ تھے وہ بغیر بیعت کئے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور ان کے ساتھ زبیر بن العوام بھی چلے گئے۔ پس اُن کی طرف حضرت عمر مع ایک جماعت کے جن میں اسید بن حضیر و سلمہ بن اشیم تھے گئے اور کہا کہ چلو اور ابوبکر کی بیعت کرو۔ انھوں نے انکار کیا، زبیر بن العوام تلوار لے کر نکلے حضرت عمر گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے کہ اس آدمی کو پکڑلو پس ان لوگوں نے اس کو پکڑ لیا۔

زبیر بن العوام بحالت جبر و کراہ بیعت کرتے ہیں:

سلمہ ابن اشیم نے اچھل کر تلوار چھین لی اور زبیر کو دیوار پر دے مارا اور اس کو پکڑ لے گئے۔ اس حالت میں اس نے بیعت کرلی اور اسی طرح بنی ہاشم نے بھی بیعت کرلی۔

حضرت علی علیہ السلام کا بیعت ابوبکر سے انکار:

پھر حضرت علیؑ کو پکڑ کر ابوبکر کے پاس لائے۔ حضرت علیؑ کہتے جاتے تھے کہ میں خدا کا مطیع بندہ اور رسولؐ کا بھائی ہوں۔ ان سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو۔ انھوں نے جواب دیا کہ بیعت کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں۔ میں تم سے ہرگز بیعت نہ کروں گا۔ تم کو چاہئے کہ مجھ سے بیعت کرلو۔

آپ علیہ السلام کی بحث:

تم نے انصار سے یہ امر خلافت اس دلیل کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسولؐ خدا سے قرابت ہے۔ جو اُن کو حاصل نہیں تھی اور اب ہم اہلبیتؑ سے یہ امر خلافت تم غصب کر کے لیتے ہو۔ کیا تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امر خلافت کو اُن کی نسبت زیادہ مستحق ہو کہ محمدؐ تم میں سے تھے۔ اس دلیل کو مان کر انھوں نے یہ امر تمہارے سپرد کر دیا اور حکومت تم کو دے دی۔ اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں جو تم نے انصار پر حجت قائم کی تھی ہم رسولؐ خدا کے اُن کی حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں۔ پس اگر تم محمدؐ و اسلام پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ ورنہ تم یہ ظلم جان بوجھ کر کر رہے ہو۔

حضرت عمر دھمکاتے ہیں:

عمر نے کہا کہ تم کو نہیں چھوڑیں گے جب تک تم بیعت نہ کرلو گے۔

حضرت علی علیہ السلام نے انکار کیا:

حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ وہ نفع تو حاصل کرلے جس میں تیرا ہی حصہ ہے۔ آج ابوبکر کے لئے تو شدت کرتا ہے تاکہ کل وہ اس کو تیری طرف واپس کردے۔ پھر آپؑ نے فرمایا اے عمر قسم بخدا میں تیرا قول قبول نہیں کروں گا اور ابوبکر کی بیعت نہیں کروں گا۔ ابوبکر نے کہا کہ اگر تم میری بیعت نہیں کرتے تو میں تم کو مجبور نہیں کرتا۔

ابوعبیدہ بن الجراح کی چاپلوسی:

ابوعبیدہ بن الجراح نے حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے ابن عم تم عمر میں چھوٹے ہو اور یہ لوگ تم سے عمر میں بڑے ہیں، تمہارا تجربہ ان امور کا ان کے برابر نہیں ہے اور امور سیاست کی واقفیت جو ان کو ہے وہ تم کو نہیں اور میں ابوبکر کو اس امر کے لئے تم سے قوی تر پاتا ہوں لہٰذا تم کو چاہئے کہ تم ان کی بیعت کرلو اور اگر تمہاری زندگی باقی رہی تو پھر یہ تمہارے لئے ہے کیوں کہ تم اس امر خلافت کے لئے موزوں ہو اور یہ تمہارا حق ہے۔ بہ سبب تمہارے فضل وقوت دینی وتمہارے علم وفہم کے اور بہ سبب سبقت اسلامی اور دامادیٔ رسولؐ کے۔ اس پر حضرت علیؑ نے کہا۔

حضرت علی علیہ السلام کا جواب:

اے گروہ مہاجرین محمدؐ (صلعم) کی ریاست وسرداری وحکومت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں میں نہ لے جاؤ اور آنحضرتؐ کے اہلبیتؑ کو ان کے مقام عزت سے نہ ہٹاؤ۔ قسم بخدا اے گروہ مہاجرین ہم تم سب سے امر خلافت کے زیادہ مستحق اور حق دار ہیں کیوں کہ ہم اہلبیتؑ رسولؐ ہیں، اگر کوئی قاری قرآن وفقیہ دین خداخداوند عالم سنت رسولؐ وصاحب اطلاع امور رعایا عادل ومنصف رعایا سے ان کی تکالیف کا دور کرنے والا ہے تو ہم ہیں۔ پس تم اپنی خواہشوں کی پیروی نہ کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور حق سے بعید ہو جاؤ گے۔

بشیر ابن سعد کا جواب:

بشیر ابن سعد انصاری نے کہا کہ یا علیؑ اگر انصار تم سے یہ کلام ابوبکر کی بیعت کرنے سے پہلے سنتے تو کبھی تمہاری مخالفت نہ کرتے۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ، ج ۱ ص ۱۶ تا ۱۴، والبلاغ المبین مصنفہ آغا محمد سلطان مرزا دہلوی جلد دوم)۔

جبر یہ بیعت

خلافت کے مسئلہ کو طے کرنے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں جن تدبیروں سے کام لیا گیا ہے اس کا اجمالی تذکرہ علامہ ابن قتیبہ کے حوالے سے کیا جاچکا ہے۔انصار کی باہمی چشمک سے حضرت ابوبکر و عمر کی امیدیں برآئیں اور آغاز اسلام سے جن تجویزوں کی اپنے دماغ میں پرورش کر رہے تھے وہ خود بخود بروئے کار آ گئیں۔

آنر یبل مسٹر ٹائیٹلر اپنی کتاب جنرل ہسٹری میں لکھتے ہیں: ''محمدؐ نے خود ہی اپنے داماد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا دیا تھا لیکن آپ کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنی سازش میں لے کر خلافت پر قبضہ کرلیا۔''

(ایلیمینٹس آف جنرل ہسٹری از آنر یبل مسٹر ٹائیلر، مطوبہ ۱۸۵۱ء، ص ر ۲۲۹)

انصار میں اختلاف ہوگیا اور اس اختلاف سے فائدہ اُٹھا کر حضرت عمر نے لپک کر حضرت ابوبکر کے ہاتھوں پر بیعت کرلی، حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر جانتے تھے اور جس وقت سے انھوں نے خدا اور رسوؐل کے ارادوں کو درہم و برہم کرنے کی ٹھانی اسی وقت سے دل کو یقین تھا کہ رسوؐلِ خدا کے بعد علیؑ کے مقابلہ میں جو شخص بھی خلافت پر قدم رکھے گا وہ مخالفتوں اور بغاوتوں کا شکار ہو جائے گا، بہتر یہ ہے کہ اس کے لئے حضرت ابوبکر ہی پیش کئے جائیں اور جب میدان ہموار اور کارِ خلافت آسان ہو جائے گا تو ہم خود اس بار کو اُٹھالیں گے۔وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ بی بی عائشہ کس دل و دماغ کی عورت ہیں، اُن کا پولٹیکل دماغ کسی طرح عمر سے کم نہ تھا اور بہ حیثیت ام المومنین ہونے کے اسلامی پبلک پر ان کا بڑا اثر تھا۔ بی بی حفصہ اگرچہ ام المومنین تھیں مگر نہ ان کا پولٹیکل دماغ ایسا تھا نہ اس قدر حوصلہ مند تھیں۔حضرت عمر خوب سمجھتے تھے کہ اگر حضرت ابوبکر خلیفہ نہ ہوئے تو بی بی عائشہ کبھی نچلی بیٹھنے والی نہیں ہیں وہ ایسے ایسے بکھیڑے پیدا کریں گی کہ خلافت کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔وہ خانہ جنگی شروع ہوگی کہ جان کے لالے پڑ جائیں گے۔اس لئے حضرت عمر نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ حضرت ابوبکر خلیفہ بنا دیئے جائیں اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی کہی بدی بات تھی اس پر حضرت ابوبکر کا یہ اصرار کہ حضرت عمر خلیفہ ہوں صرف زمانہ سازی تھی یا اس بات کو ظاہر کرنا تھا کہ بعد ان کے حضرت عمر ہی کا نمبر ہے۔ چنانچہ دوسرے نمبر میں حضرت عمر ہی خلیفہ ہوئے اور چونکہ حضرت ابوبکر ایک طرح سے حضرت عمر کے ممنون احسان تھے اور یہ بات پہلے سے طے شدہ بھی تھی اس لئے حضرت ابوبکر نے ایلکشن کے اصول کو توڑ دیا اور بذریعہ وصیت حضرت عمر کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔علاوہ بریں حضرت ابوبکر بہت بوڑھے ہو چکے تھے حضرت عمر کو اس کی پوری امید تھی کہ خلافت کے ابتدائی جھگڑوں کو ختم کرتے کرتے ان کی مدت حیات پوری ہو جائے گی اس وقت ان کو

خلیفہ بنا دینے سے ابتدائی مصائب سے ہم محفوظ بھی ہو جاتے ہیں اور ان پر احسان عظیم بھی ہوا جاتا ہے جس کے عوض یہ دنیا سے چلتے وقت خلافت کو ہمارے ہی حوالے کر دیں گے۔ حضرت عمر کے خیالات کچھ غلط تھے بھی نہیں۔

مسٹر ڈیون پورٹ اپنی انگریزی کتاب خلافت میں لکھتے ہیں "عمر کے اس طرح جری بلکہ بے محابہ کردار کا باعث بے شک یہ خیال ہوا کہ ابوبکر چوں کہ سن رسیدہ ہیں اس سبب سے وہ رسولؐ کے بعد غالباً بہت دن زندہ نہیں رہیں گے انھوں نے امید کی کہ ٹھیک ترکیب سے وہ خود ابوبکر کے بعد خلیفہ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ علیؑ کو خارج کر سکیں کہ وہی ایک مدمقابل تھے جن سے ان کو کسی وجہ سے خوف کرنا پڑتا تھا۔"

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے مقابلہ پر مہاجرین سے صرف تین حضرات آئے تھے حضرت ابوبکر، عمر، ابوعبیدہ بن الجراح اور انھیں تینوں کی مشترکہ کوششوں سے انصار کو ناکامی ہوئی اور خلافت انصار کے بجائے مہاجرین کے قبضہ میں آ گئی۔ حضرت ابوبکر نے عمر کا نام پیش کیا، عمر نے ابوبکر کا، عبیدہ نے دونوں کی ہمنوائی کی۔ شرط وفا یہی تھی کہ اس خلافت سے تینوں ہی حصہ پاتے اسی لئے حضرت ابوبکر دنیا سے رخصت ہونے لگے تو حضرت عمر کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے ان کے نام کا اعلان کر کے اُٹھے۔ ابوعبیدہ پر انھیں مقدم رکھنے کی وجہ بھی ظاہر ہے کیوں کہ ان کا نمبر بہر حال حضرت عمر کے بعد تھا اتفاق یہ کہ حضرت عمر کی مدت حیات دراز ہوگئی اور ابوعبیدہ اتنے دنوں جی نہ سکے وہ حضرت عمر کی زندگی ہی میں مر گئے وہ اگر زندہ رہتے تو حضرت عمر کے بعد تیسرے خلیفہ وہی ہوتے۔ حضرت عمر مرنے کے وقت بار بار کف افسوس ملتے تھے کہ کاش ابوعبیدہ زندہ ہوتے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم دونوں حصہ رسدی پا چکے ابوعبیدہ جیتے ہوتے تو یہ خلافت ان کے حوالے کر دی جاتی کہ وہ بھی اس سے فیضیاب ہو لیں۔

امیر المومنینؑ حضرت عمر، کی دلی تمناؤں سے بے خبر نہ تھے جانتے تھے کہ حضرت عمر کی ان مساعی میں کون ساجذبہ کارفرما ہے، چنانچہ جب حضرت ابوبکر کے لوگ حضرت امیر المومنینؑ کو ان کے پاس اسیر کر کے لائے اور حضرت عمر نے دھمکی دی کہ جب تک تم بیعت نہیں کرلو گے چھوڑے نہیں جاؤ گے۔ اس پر آپؑ نے فرمایا: احلب حلبا لك شطره و شدله اليوم يرده عليك غدًا۔ ہاں اس خلافت کا دودھ خوب دوھ لو جس سے تمہیں بھی حصہ ملے اور آج اس خلافت کو ابوبکر کے لئے خوب مضبوط کر دو تا کہ کل ہی یہ تمہارے حوالے کر دیں۔ (کتاب الامامۃ والسیاست، ص ر ۹۹)

حضرت عمر نے اس معاملہ خلافت میں جس زور دستی کا مظاہرہ کیا ہے خود اپنی زبان سے اس کا اقرار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

ارتفعت الاصوات واللغط فلما خفت الاختلاف قلت لابی بکر ابسط يدك ابايعك فبسط يده فبايعته وبايعه الناس ثم نزوفا علی سعد بن عبادہ فقال قائلهم قتلتم سعدا فقلت قتل الله سعدا۔ (تاریخ کامل، جلد ر ۲)

سقیفہ میں بیعت کا جھگڑا شروع ہوا تو آوازیں بلند ہوگئیں اور شوروغل ہونے لگا۔ مجھے اختلاف کا خوف ہوا۔ یہ

خیال کر کے میں نے ابوبکر سے کہا ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کروں انھوں نے ہاتھ بڑھا دیا میں نے جھٹ اس پر بیعت کر لی پھر اور لوگوں نے بیعت کی پھر ہم لوگ سعد بن عبادہ پر ٹوٹ پڑے اس پر کسی نے کہا ہائے تم لوگوں نے سعد کو قتل کر دیا میں نے کہا اللہ سعد کو قتل کرے۔

سعد بن عبادہ نہایت کمزور و بیمار تھے حضرت عمر کو موقع مل گیا کہ جو کچھ ہو سکا ان کی سزا کی صرف اس غصہ میں کہ کیوں انصار کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، علامہ طبری لکھتے ہیں:

فاقبل الناس من کل جانب یبایعون ابابکر و کادوا یطئون سعد بن عبادہ فقال ناس من اصحاب سعد اتقو اسعد الاتطئوہ فقال عمر اقتلوہ قتلہ اللہ ثم قام علی راسہ فقال لقد هممت ان اطاك ختی تنذر عضوك فاخذ سعد بلحیة عمر فقال و اللہ لوحصصت منہ شعرۃ مارجعت و فی فیك واضحة فقال ابوبکر مهلا یا عمر الرفق ههنا ابلغ فاعرض عنہ عمر و قال سعد ما واللہ لو ان لی قوۃ ما اقوی علی النهوض سمعت منی فی اقطارها وسککها زبئیرا یجحرك و اصحابك اما واللہ اذا لالحقنك بقوم کنت فیهم تابعا غیر مبتوع احملونی من هذا المکان فحملوہ فادخلوہ فی دارہ۔ (تاریخ طبری، جلد ۳ ص ۱۱۰)

ہر طرف سے لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے لگے اور قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کو روند ڈالیں جس پر سعد کے ساتھیوں سے کچھ لوگوں نے کہا سعد کو چھوڑ دو ان کو نہ روندو۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے کہا سعد کو قتل کر ڈالو خدا بھی اس کو قتل کر دے۔ پھر ان کے سر پر چڑھ کر کہنے لگے میں نے ٹھان لیا ہے کہ تم کو اس طرح کچل ڈالوں کہ تمہارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اس پر سعد نے حضرت عمر کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا خدا کی قسم اگر تم نے میرا ایک بال بھی اُکھاڑا تو میں تمہارے کل دانت توڑ ڈالوں گا اور تم اپنے گھر اس طرح واپس جاؤ گے کہ تمہارے منھ میں کوئی دانت نہیں ہوگا۔ تب حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر اپنے کو روکو یہ موقع نرمی کا ہے اسی سے کام نکلے گا اس پر حضرت عمر سعد کے اوپر سے اُتر آئے۔ تو سعد نے کہا خدا کی قسم اگر میں بیمار نہ ہوتا اور مجھ میں اتنی قوت بھی ہوتی کہ خود سے اُٹھ سکتا تو تم مدینہ کی سڑکوں اور گلیوں میں میری وہ ہیبت ناک آواز سنتے جس پر تم بھی اور تمہارے ساتھی بھی خوف سے زمین کے سوراخوں میں گھس جاتے۔ خدا کی قسم اگر میری صحت درست رہتی تو میں تم کو ان لوگوں میں ملا دیتا جن کے تم رعیت بن کر رہتے اور سردار نہیں بننے پاتے مگر میرے مرض نے مجھے بے بس کر دیا ہے پھر اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے اس جگہ سے اُٹھا لے چلو لوگ ان کو

اُٹھالے گئے اوران کے گھر پہنچادیا۔

سعد کے موقع سے ہٹائے جانے کے بعد بھی انہیں مستحق رحم نہیں سمجھا گیا۔نہ اُن کی علالت وضعف کی پرواکی گئی بلکہ:

بعثت اليه ابوبكر ان اقبل فبايع فقد بايع الناس و بايع قومك فقال اما والله حتى ارميكم بكل سهم فى كنانتى من نبل و اخضب منكم سنانى ورمحى و اضربكم بسيفى ما ملكته يدى واقاتلكم بمن معى من اهلى وعشيرتى ولا والله لوان الجن اجتمعت لكم مع الانس ما بايعتكم...... فلما ادتى بذالك ابوبكر من قوله قال عمر لا تدعه حتى يبايعك فكان سعد لا يصلى بصلاتهم ولا يجتمع بجمعتهم ولا يفيض بافاضتهم ولويجد عليهم اعوانا لصال بهم ولويبايعه احد على قتالهم فقاتلهم فلم يزل كذالك حتى توفى ابوبكر رحمه الله وولى عمر ابن الخطاب فخرج الى الشام فمات بها ولم يبايع لاحد رحمه الله۔(کتاب الامۃ والسیاسۃ ص/۱۶، تاریخ طبری، جلد/۳ص/۲۱۰)

حضرت ابوبکر نے سعد کے ہاں کہلایا آ کر بیعت کرلو کیونکہ اورلوگوں نے نیز تمہاری قوم نے بیعت کرلی ہے۔ سعد نے کہا خدا کی قسم ہرگز نہیں جب تک میں اپنے ترکش کے سب تیر تم لوگوں پر نہیں چلالوں گا اور اپنے نیزے، برچھیوں بھالوں کو تمہارے خون میں رنگین نہیں کرلوں گا اور جس وقت تک میرے ہاتھ میں تلوار رہے گی اس وقت تک تم کو اس سے ذبح نہیں کرلوں گا اور اپنے اہل وعیال واعزہ واقرباء کے ساتھ تم سے جہاد نہیں کرلوں گا اور خدا کی قسم اگر سب جن وانس بھی تمہاری طرف ہو جائیں تب بھی میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا غرض کہ وہ نہ ان لوگوں کی نماز جماعت میں جاتے نہ ان کی نماز جمعہ میں شریک ہوتے نہ ان کے ساتھ حج کو جاتے بلکہ اگر کچھ اعوان وانصار اُن کو مل جاتے تو وہ ان کے ساتھ ان لوگوں پر ضرور حملہ کردیتے اور اگر ایک شخص بھی ان لوگوں سے لڑنے پر ان کی بیعت کرلیتا تو وہ ضرور ان سے جہاد شروع کردیتے۔حضرت ابوبکر کے مرتے وقت تک وہ اسی طرح رہے پھر حضرت عمر کے خلیفہ ہونے پر شام چلے گئے وہیں مرے مگر ان میں سے کسی کی بیعت نہیں کی۔

اکثر مورخین نے صراحت کی ہے کہ وہ شام کے راستے ہی میں مارڈالے گئے اور یہ مشہور ہوا کہ انھیں کسی جن نے مارڈالا۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ یہ جن کون تھا اور کس کا تابع تھا،حضرت عمر کی سیاسی تدبیر سے واقفیت رکھنے والے افراد اس جن اور اس کے عامل سے بے خبر نہیں۔

اور خباب بن منذر کے بارے میں ہے:

فقام الحباب بن منذر الی سیفه فبادروا الیه فاخذوا سیفه منه فجعل نصیرب ثوبه وجوههم حتی فرغوا من البیعة۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ، ص/۱۵)

پھر حباب بن منذر اپنی تلوار کی طرف بڑھے اور اس کو ہاتھ میں لے لیا تو لوگ ان پر جھک پڑے اور ان کی تلوار ان سے چھین لی تب انھوں نے اپنے کپڑے ان لوگوں پر مارنا شروع کیا یہاں تک کہ لوگ بیعت سے فارغ ہو گئے۔

صنادید قریش جناب زبیر وغیرہ کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا وہ بھی قابل ماتم ہے۔ ان لوگوں کی طرف حضرت عمر ایک جتھا لئے ہوئے پہونچے اور کہا بس چل کر ابو بکر کی بیعت کرلو۔

فذهب الیهم عمر فی عصابة فقالوا انطلقوا فبایعوا ابابکر فابوافخرج الزبیرا بن العوام رضی اللہ عنہ بالسیف فقال عمر علیکم بالرجل فخذوه فوثب علیه سلمة بن اشیم فاخذ السیف من یده فضرب به الجدار والظلقوا به۔ (امامۃ والسیاسۃ، ص/۱۸، تاریخ کامل، جلد/۲، ص/۲۴ وغیرہ)

مگر ان سب نے انکار کیا بلکہ زبیر بن العوام تلوار لئے ہوئے نکل پڑے تو حضرت عمر نے (اپنے سپاہیوں سے) کہا کہ اس شخص کو گرفتار کرلو اس پر سلمہ بن اشیم زبیر پر اُچک کر پہنچ گئے اور ان کی تلوار ان کے ہاتھ سے چھین کر دیوار پر پھینک دی اور سب کو گرفتار کر کے لئے گئے۔

یہ برتاؤ تو خاص شہر مدینہ کے اکابر وانصار ومعززین مہاجرین کے ساتھ حصول بیعت کے لئے کیا گیا۔ مدینہ سے باہر دوسرے مقامات پر جو اسلامی نو آبادیات تھے ان کے ساتھ تو اس سے بھی بڑھ کر سلوک کیا گیا، حضرت ابو بکر نے انھیں عام حکم نامہ بھیجا جس میں یہ جملے بھی تحریر فرمائے کہ:

من ابی بکر خلیفة رسول الله الیٰ من بلغه کتابی هذا من عامة وخاصة اقام علی اسلامه اورجع عنه۔

انی بعثت الیکم فلانا فی جیش ومن ابی امرت ان یقاتله علی ذالك ثم لا یبقی علی احد منهم قدر علیه وان یحرقهم بالنار ویقتلهم کل قتلةٍ وان یسبی النساء والذراری۔

(تاریخ طبری، جلد/۳، ص/۲۲۷)

یہ خط ہے ابو بکر خلیفہ رسوؐل کی طرف سے ہر عام وخاص کی طرف خواہ وہ اسلام پر قائم ہو یا اس سے پھر گیا ہو۔

میں فلاں شخص کو ایک فوج کے ساتھ تمہاری طرف روانہ کر رہا ہوں اور اس فوج کو میں نے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں میں سے جو شخص میرا حکم نہیں مانے اس سے ضرور لڑے اور جو شخص قابو میں آجائے اس پر ذرہ برابر بھی رحم نہ کرے اُن سب کو آگ میں جلادے سب کو اچھی طرح قتل کر دے اور عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنالے۔

واقعہ سقیفہ سے عام بیزاری

اور

اکابر صحابہ کا حضرت امیرالمومنینؑ کی بیعت پر اصرار

پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی خلافت و جانشینی پیغمبرؐ اس حشر کو پہنچ جائے اور چشم زدن میں حضرت ابوبکر خلیفہ بن جائیں کوئی معمولی بات نہ تھی مدینہ اسلامی حکومت کا دارالسلطنت تھا آفتاب رسالت نے گیارہ برس تک اس سرزمین پر ضیا پاشیاں کی تھیں وہاں معززین انصار رہتے تھے جنھوں نے اسلام کی پشت پناہی کی اور اپنے سایہ حمایت میں پروان چڑھایا مہاجرین قریش تھے جنھوں نے سب سے پہلے پیغمبرؐ کی آواز پر لبیک کہی اور آپؐ کی محبت میں گھر بار چھوڑ کر مدینہ آرہے تھے۔ ان کا ہر لمحہ پیغمبرؐ کی بیعت میں گذرا یہ خلوت میں بھی پیغمبرؐ کے ساتھ رہے اور جلوت میں بھی شروع ہی سے آں حضرتؐ اپنی جانشینی کے مسئلہ کو جس قدر واضح فرماتے رہے وہ نہ اُن کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا نہ اُن کے گوش اس سے ناآشنا تھے۔ اکثریت ہی نہیں بلکہ مدینہ کی کل آبادی پیغمبرؐ کے اس امتیازی سلوک سے باخبر تھی جو پیغمبرؐ علیؑ کے ساتھ روا رکھتے تھے۔ مدینہ کے قیام میں ہر وقت کی قربت خصوصی مراحم مجمع اصحاب میں اُٹھتے بیٹھتے ان کے فضائل و محامد کا ذکر اپنے بعد علیؑ کے امیدگاہ مومنین ہونے کی صراحتیں ہر مہم اور ضروری کار رسالت کی علیؑ ہی کو سپردگی اور میدان جنگ میں ہر موقع پر علیؑ ہی کو سردار فوج مقرر کرنا مدینہ کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ رحلت سے دو تین مہینے پہلے جبکہ پیغمبرؐ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تھے تو ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کا مجمع آپؐ کے ہم رکاب تھا مدینہ کی پوری آبادی ساتھ آگئی تھی اور ہر ایک کی آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا کہ پیغمبرؐ نے غدیر خم کے موقع پر پہنچ کر چلچلاتی دوپہر میں پورے قافلہ کو روک کر بالائے منبر علیؑ کو مولائے مومنین فرمایا ہے۔ من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ۔ کسی اجنبی زبان کی لفظیں نہیں تھیں کہ عرب والے مفہوم و معنی سے بیگانہ رہتے نہ عبارت کوئی ایسی دقیق و پیچیدہ تھی کہ مقصد پیغمبرؐ سمجھنے میں کسی کو تذبذب ہوتا جہاں سچے مومنین پیغمبرؐ کے اس اعلان سے مطمئن ہو چکے تھے وہاں منافقوں کی مایوسیوں پر بھی مہر لگ چکی تھی کہ امر خلافت طے ہو چکا اور آپؐ کے بعد سلطنت اسلامیہ کی باگ ڈور علیؑ ہی کے ہاتھوں میں آئے گی۔ اس قطعی تصفیہ کے باوجود پیغمبرؐ

کے انتقال کے بعد چند ساعتوں ہی میں کایا پلٹ ہو جانی اور خلافت کا مسئلہ اس طرح طے ہو جانا کچھ کم باعث حیرت نہ تھا لوگوں کے ہوش وحواس معطل، دل و دماغ پراگندہ، عقل حیران تھی کہ یہ کیا ہو گیا۔ حضرت عمر اور اُن کی پارٹی نے اس کام کو اتنی عجلت میں انجام دیا کہ کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ ابھی ابھی پیغمبرؐ کا انتقال ہوا تھا بعض جگہ یہ خبر پہنچی اور بعض جگہ پہنچنے بھی نہیں پائی۔ حضرت عمر کی وارفتگی کا یہ عالم کہ تلوار کھینچے چیختے پھرتے کہ خبردار کسی نے بھی کہا کہ پیغمبرؐ انتقال کر گئے تو میں اس کا سر اڑا دوں گا کسی کو جنازہ رسوؐل کے پاس اُن کے ڈر سے جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ لوگ ابھی تذبذب میں ہی تھے کہ حضرت ابوبکر آئے نہ جانے کیا حضرت عمر سے کہا کہ یہ دونوں حضرات پیغمبرؐ کے جنازہ کو بے غسل وکفن چھوڑ کر کسی طرف کو رخصت ہو گئے۔ تھوڑی دیر بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ بیعت ابوبکر کے لئے پکڑ دھکڑ ہونے لگی۔ حضرت عمر اور اُن کے سپاہی غول کے غول ہر مجمع میں پہنچنے اور زبردستی بیعت لینے لگے۔ اس افراتفری، لوٹ مار، دھینگا مشتی میں جان بچانی ہی مشکل تھی سوچنے کی کس کو مہلت تھی کہ یہ کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے۔ یہ ہنگامہ تو ایک زلزلہ ایک بھونچال کی کیفیت رکھتا تھا کہ آیا اور آناً فاناً سب کچھ ملیا میٹ کرتا گیا۔

ان حالات میں کس کو ہمت ہوتی کہ وہ اس چڑھتے دریا اور اُمنڈتے ہوئے سیلاب کا مقابلہ کر کے حضرت امیرالمومنینؑ کی خلافت اور پیغمبرؐ کے مقرر کردہ جانشین ہونے کا ذکر بھی زبان پر لاتا۔ یہ تو حق وصداقت کا زور خلافت الٰہیہ کا اعجاز تھا کہ اس گلخپ اور چھینا جھپٹی میں جبکہ ہر فریق خلافت پر قابض ہونے کے لئے زور آزمائی کر رہا تھا بہت سے انصار نے صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ ہم علیؑ کے علاوہ کسی کی خلافت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ علامہ ابن اثیر ومورخ اعظم طبری واقعات سقیفہ کے ضمن میں بیان کرتے ہیں۔ وبایعه الناس فقالت الانصار او بعض الانصار لانبایع الا علیا۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی مگر تمام انصار یا اُن میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو سوائے علیؑ کے اور کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔

(تاریخ کامل، جلد ر ۲، ص ر ۱۲۳، تاریخ طبری، جلد ر ۳، ص ر ۱۹۸)

یہ تو آواز تھی جو سقیفہ کے اندر بلند ہوئی اس کے بعد جب حضرت عمر وابوبکر وغیرہ باہر نکلے اور دوسرے مسلمانوں کو پکڑ کر بیعت لینے لگے تو سوائے حضرت عمر ابوعبیدہ اور چند دوسرے آپ کے ہم خیال اصحاب کے کوئی شخص بھی اسلامی تاریخ میں نہیں معلوم ہوتا جس نے خوشی سے حضرت ابوبکر کی خلافت تسلیم کی ہے اور سچے دل سے اُن کی بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا ہو۔

انصار کی صریحی مخالفت کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اکابر قریش ومعزز مہاجرین کے جذبات کا اندازہ مورخین کی ان عبارتوں سے کیا جا سکتا ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

اخرج ابن عساکر عن ابی سعید الخدری قال لما بویع ابوبکر ای من الناس بعض الانقباض فقال ایها الناس ما یمنعکم الست احقکم بهذا الا مر الست اول من

اسلم الست الست فذ کر خصالا ۔(تاریخ الخلفاء،ص ر ۴۸)

و تخلف علی و بنو ھاشم والزبیر وطلحة عن البیعة و قال الزبیر لا اغمد سیفا حتی یبایع علی فقال عمر خذوا سیفه و اضربوا به الحجر ثم اتاھم عمر فاخذھم البیعة ۔(تاریخ کامل، جلد ر ۲،ص ر ۱۲۴)

ابن عساکر نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہوگئی تو انھوں نے لوگوں میں اس کی وجہ سے کچھ ناپسندیدگی اور مخالفت دیکھی تب اُن سے کہا کس سبب سے تم لوگ مجھے خلیفہ نہیں مانتے ۔کیا میں سب سے پہلے مسلمان نہیں ہوا؟ کیا میں ایسا نہیں ہوں؟ کیا میں ویسا نہیں ہوں؟ اسی طرح اپنے منھ سے اپنی ہی بہت سی خوبیاں بیان کیں ۔

حضرت علیؑ وخاندان بنی ہاشم اور زبیر وطلحہ نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور زبیر نے تو یہاں تک کہا کہ جب تک علیؑ کی بیعت نہیں کی جائے گی میں اپنی تلوار نیام میں نہیں کروں گا۔اس پر حضرت عمر نے لوگوں سے کہا کہ زبیر کی تلوار چھین کر پتھر پر پٹک دو ۔ پھر حضرت عمر ان لوگوں کے پاس گئے اور اُن کو بیعت کے لئے گرفتار کرلیا۔

یہ زبیر اور کوئی نہیں حضرت ابوبکر کے داماد تھے،خسر محترم کی خلافت میں انھیں بہت کچھ منافع کی امید ہوسکتی تھی مگر یہ اقدام اُن کی نگاہوں میں ایسا ہی ظالمانہ تھا کہ وہ تلوار اُٹھانے پر مجبور ہو گئے ۔

اسلامی مورخین زیادہ ترسُنّی ہوئے ہیں اُن سے اس بات کی امید رکھنا کہ وہ اس وقت کی اضطرابی کیفیت عام بیچینی کی صحیح تصویر کھینچیں اور اُن آوازوں کا ذکر اپنی کتابوں میں کریں جو اس ہنگامہ کے دوران خلافت امیرالمومنینؑ کے متعلق بلند ہوئیں ۔فضول سی بات ہے پھر بھی جو مختصر اشارے اُن حضرات کی کتابوں سے مل جاتے ہیں ان سے ہر جویائے حقیقت پتہ چلا سکتا ہے کہ اس وقت کے عام مسلمانوں کے دلی جذبات کیا تھے اور سقیفہ کی کارروائی اُن کے معتقدات پر کتنی کاری ضرب تھی مشہور مورخ علامہ ابوالفداء لکھتے ہیں:

خلاجماعة من بنی ھاشم والزبیر و عتبه بن ابی لھب و خالد بن سعید بن العاص والمقداد بن عمر و و سلمان الفارسی ابی ذر و عمار بن یاسر والبراء بن عازب و ابی بن کعب و مالوا مع علی ابن ابی طالب وقال فی ذالك عتبه بن لھب: ما کنت احسب ان الامر منصرف۔

عن هاشم ثم منهم عن ابی حسن
عن اول الناس ایماناو سابقة
واعلم الناس بالقرٰان والسنن
واخرالناس عهد ابالمنی ومن
جبریل عون له فی العسل والکفن
من فیه ما فیهم لا یمترون بد
ولیس فی القوم مافیه من الحسن

و کذالك تخلف عن بیعة ابی بکر ابوسفیان من بنی امیة۔

(تاریخ ابوالفدا، جلد ۱، ص ۱۰۶)

بنی ہاشم کی ایک جماعت نیز زبیر، مقداد بن عمرو سلمان فارسی ابوذر عمار بن یاسر اور براء بن عازب وغیرہم نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی بیعت کے خواہاں ہوئے اور اس کے متعلق عتبہ بن ابی لہب نے یہ اشعار بھی کہے جن کا مطلب یہ ہے کہ:

یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ رسول خداؐ کی خلافت خاندان بنی ہاشم سے نکال لی جائے گی اور خاص کر حضرت ابوالحسنؑ سے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس فضل میں سب سے زیادہ سبقت حاصل کی اور جو قرآن مجید اور احادیث رسولؐ کے سب سے زیادہ عالم ہیں جو حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں سب کے آخر تک رہے اور جن کی مدد (رسول خدا کے) غسل دینے اور کفن پہنانے میں جبریل نے کی۔ وہ حضرت علیؑ کہ دوسروں میں جس قدر فضائل ہیں وہ سب حضرت میں بھی ہیں لیکن حضرتؑ میں جو شرف و بزرگی و افضلیت ہے وہ تمام مسلمانوں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔

مذکورہ بالا لوگوں کی طرح ابوسفیان نے بھی جو خاندان بنی اُمیہ سے تھا حضرت ابوبکر کی خلافت سے انکار کر دیا۔

عباس بن عبدالمطلب:

پیغمبرؐ کے حقیقی چچا بنی ہاشم کے جلیل القدر بزرگ قریش کی معزز ترین فرد پیغمبرؐ کی نگاہوں میں بھی معزز و محترم اور مہاجرین وانصار کے نزدیک بھی واجب الاحترام شخصیت کے مالک تھے ان کی مخالفت حضرت ابوبکر وعمر کے مقاصد کی تکمیل میں بہت بڑی رکاوٹ بن سکتی تھی مغیرہ بن شعبہ نے مشورہ دیا کہ رشوت دے کر انھیں خرید لیا جائے ''مغیرہ نے کہا اگر مجھ سے

پوچھتے ہو تو اس وقت صحیح رائے یہ ہے کہ تم لوگ اس موقع پر عباس سے ملو اور امر خلافت میں اُن کا اور اُن کے لڑکوں کا ایک حصہ مقرر کردو اس سے یہ ہوگا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کا یہ پہلو بھی کمزور ہو جائے گا۔'' یہ رائے حضرت عمر و ابو بکر کو پسند آئی اور یہ چاروں آدمی اُٹھ کے چلے اور عباس کے پاس پہنچے۔ رسولؐ کو مرے ہوئے یہ دوسری رات تھی حضرت ابو بکر نے حسب معمول قدیم تحمید و تمجید الٰہی کر کے رسالتمآبؐ کی تبلیغ بلیغ اور اُن کے اسلامی احسانات کا تذکرہ فرمایا اور یہ کہا کہ ان کے بعد مسلمانوں نے میری بیعت کرلی ہے اور لوگ تمہیں آڑ بنا کر فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتے ہیں اور تمہارے سہارے سے کام نکالنا چاہتے ہیں۔ مجھے خیال پیدا ہوا کہ کہیں تم مسلمانوں کے خلاف ان لوگوں کے لئے ایک قلعۂ مستحکم نہ بن جاؤ اور اُن کی جائے پناہ نہ ہو جاؤ لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ یا تو تم بیعت کرلو جیسا کہ اوروں نے بیعت کی ہے اور یا ان لوگوں کو اُن کے ارادوں سے پلٹا دو کہ اب بعد بیعت وہ کوئی کارروائی اس کے خلاف نہ کریں اور ہم تو اس لئے بھی آئے ہیں کہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا حصہ خلافت میں قرار دیں کیوں کہ آپ رسولؐ کے چچا ہیں اگر چہ آپ کی قرابت وغیرہ رسولؐ سے مسلمانوں کو معلوم تھی اور اس قرابت ونسبت کو جانتے تھے مگر پھر بھی انھوں نے خلافت تمہیں نہ دی۔ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب تم اپنی جگہ پر (اے بنی ہاشم) ٹھہرو کیوں کہ رسولؐ ہم سے اور تم سے تھا.......

حضرت ابو بکر کی تقریر کا یہ شعبہ خلاف مصلحت حضرت عمر تھا چنانچہ آپ نے ان باتوں کو سننا گوارہ نہ کیا اور برافروختہ ہو گئے اور کچھ ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے اپنی خصوصیت کلامی کے ساتھ گویا ہوئے فرمایا'' ہاں خدا کی قسم دوسری بات یہ ہے کہ ہم کوئی حاجت اور ضرورت لے کر تمہارے پاس نہیں آئے بس صرف اس خیال سے آئے ہیں کہ جو بات مسلمانوں نے طے کرلی ہے اس میں طعن و تشنیع نہ ہو اور کھنڈت نہ پڑے جس کی وجہ سے فتنہ وفساد برپا ہو۔ لہٰذا اس مطلب کو خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔

یہ سُن کر حضرت عباس نے کہا'' اے ابو بکر جو کچھ تم نے کہا ٹھیک کہا، رسولؐ ایسا ہی تھا جیسا تم نے بیان کیا لیکن اگر تم نے رسولؐ اللہ سے قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے یہ خلافت حاصل کی ہے تو یہ دراصل ہمارا حق ہے جو تم نے لے لیا ہے۔ پیغمبرؐ سے ہم زیادہ قریب ہیں بہ نسبت تمہارے اگر تم نے مومنین کی وجہ سے یہ خلافت حاصل کی ہے کہ مومنین نے تم کو خلیفہ بنایا، پسند کیا تو مومنین میں سب سے زیادہ ہم مقدم ہیں ہماری رضا کا اس میں کوئی دخل نہیں اور ہمیں یہ بات ناگوار ہے اور جب ہم مومنین نے تمہیں اجازت نہیں دی تو تم آخر خلیفہ کیوں کر ہو گئے؟ رہ گئی یہ بات کہ تم میرا اور میری اولاد کا حصہ خلافت میں مقرر کرنا چاہتے ہو یہ بھی ایک تعجب خیز امر ہے اس لئے کہ اگر یہ حصہ جو تم دے رہے ہو اپنے حق میں سے دے رہے ہو تو ہم اسے لینے پر تیار نہیں اسے اپنے ہی پاس رکھو اور اگر مومنین کے حق میں سے یہ عطا ہو رہی ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مومنین کے ہوتے ہوئے تم دینے والے کون ہو؟ اور اگر یہ حق نہ تمہارا ہے اور نہ مومنین کا بلکہ مخصوص ہمارا (بنی ہاشم کا) ہے تو ہم اس پر کبھی راضی نہیں کہ ہمارے حق میں یوں حصہ

بانٹ ہو کہ کچھ تم لو اور کچھ ہم لیں۔ ہم اپنا حق پورا کیوں نہ لیں۔ رہ گیا تمہارا یہ کہنا کہ رسوؐل ہم سے اور تم سے دونوں سے تھا یہ بھی عجیب چیز ہے۔ ارے بھائی رسوؐل اُس درخت سے تھا جس کی شاخیں ہم ہیں اور تم اس کے ہمسایہ ہو۔ رہ گیا عمر کا قول کہ ہمارے خلاف لوگ فتنہ وفساد برپا کریں گے تو یہ دھمکی تو وہ ہے جو ہم روز اول سے سنتے چلے آتے ہیں اور خدا بہترین مددگار ہے۔ (الامامۃ والسیاسۃ، ابن قتیبہ ص ر ۱۸، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ص ر ۴۴، سلسبیل فصاحت، مولوی ظفر مہدی صاحب مرحوم)

خالد بن سعید بن عاص اموی:

بنی امیہ کے چشم و چراغ تھے دیگر اکابر صحابہ کی طرح انھوں نے بھی اس اندھیر پر صدائے احتجاج بلند کی۔ تین مہینہ تک انھوں نے بیعت نہیں کی (طبقات ابن سعد، جلد ر ۴، ص ر ۷۰) جناب عباس کی طرح انھیں بھی رشوت دے کر ہموار کرنے کی کوشش کی گئی چنانچہ علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب ابوبکر نے شام کی طرف لشکر روانہ کیا تو انھیں خالد کو سردار مقرر کیا اور علم لشکر لے کر اُن کے گھر پر آئے اس پر عمر نے کہا تم خالد کو افسری دیتے ہو اور اُن کے جو خیالات ہیں وہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہیں۔ حضرت عمر اتنا پیچھے پڑے کہ آخر ابوبکر نے آدمی بھیج کر علم واپس منگالیا خالد نے واپس کر دیا اور کہا تمہارے افسر بنانے سے نہ تو پہلے مجھے خوشی ہوئی تھی نہ اب معزول کرنے سے مجھے رنج ہوا۔ حضرت ابوبکر نے اُن کے گھر پر آ کر بہت عذرو معذرت کی اور کہا عمر کو میرا آنا اور معذرت کرنا معلوم نہ ہونے پائے۔ جس جس نے شام کی طرف لشکر کی روانگی کا ذکر کیا ہے اس واقعہ کی طرف بھی ضرور اشارہ کیا ہے۔

ان لوگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے اکابر صحابہ کے نام ملتے ہیں مہاجرین سے سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن اسود، عمار بن یاسر، بریدہ اسلمی اور انصار سے ابوالہیثم بن تیہان سہل وعثمان فرزندان حنیف، خزیمہ بن ثابت، ذوالشہادتین ابی بن کعب اور ابوایوب انصاری کے ناموں کی صراحت اکثر مورخین نے کی ہے۔ سید علی خاں نے اپنی کتاب درجات رفیعہ میں اس سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ذکر کی ہے جنھوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے تخلف کیا اور امیر المومنینؑ کی بیعت کرنے پر مصر رہے۔

''اس مجمع کے چھٹنے کے بعد اب گنتی کے معدودے چند مہاجرین رہ جاتے ہیں جنھوں نے مختلف اثر کے ماتحت حضرت ابوبکر کی بیعت کی۔ یہ مدینہ کی مقامی حالت تھی۔ غیر مقامی واقعات پر نظر ڈالئے کہ جب یہ خبر بیعت عام ہوئی اور موت رسوؐل کی خبر مشتہر ہوئی تو تمام عرب کے ووٹ حضرت ابوبکر کے خلاف تھے اور پورا عالم اسلامی بقول حضرت ابوبکر مرتد ہوگیا کوئی قبیلہ کوئی گروہ کوئی مقام اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی کہ جہاں یہ سیل نہ پہنچی ہو۔ عرب بھر کے قبائل کا نام گنوانے سے فائدہ نہیں کامل اور طبری کی یہ عبارت میرے دعوے کو ثابت کردے گی۔ وارتدت العرب اما عامۃ و خاصۃ من کل قبیلۃ وظھر

النفاق ۔تمام عرب عام وخاص ہر قبیلہ کے مرتد ہوگئے اور دین اسلام سے پلٹ گئے اور نفاق ہر طرف ظاہر ہونے لگا اور کہیں پر یہ عبارت ہے ۔وارتدت کل قبیلۃ عامۃ و خاصۃ الاقریشا و ثقیفا ۔عرب کا ہر قبیلہ وہ عام ہو یا خاص سوا قریش اور ثقیف کے مرتد ہوگیا۔(کامل ،ص ر ۱۳۰) کفرت الارض وارتدت الخ

اب ایک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ وجہ کیا تھی جس سے قبائل عرب رسُولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی بالکل پلٹ گئے کیا یہ تمام عالم اسلامی رسُولؐ کی رعایت کرتے ہوئے اسلام لایا تھا؟ کیا رسُولؐ کا کوئی خاص اثر ان لوگوں کے اوپر تھا؟ کیا رسُولؐ دولت کے زور سے ان کو مسلمان بنائے ہوئے تھے؟ کیا رسُولؐ نے تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا تھا کہ اُن کے انتقال کے بعد ہی وہ خوف ہٹا اور دنیائے اسلام نے کروٹ لی؟ اگر یہ تھا تو غیر مسلم اقوام کا اعتراض کہ اسلام بزور تیغ پھیلا اپنے قوی دلیل سمیت ہے کیوں کہ واقعات ارنداس کے موئد ہیں ۔سوا قریش اور ثقیف کے قبائل کے اس وقت بارگاہ خلافت سے فتوائے کفر وارتداد تمام عرب کے لئے صادر ہو چکا تھا ظاہر ہے کہ اس محل پر جو سوالات ذہن پیدا کرتا ہے اُن کا اقرار اور اُن کی تائید کوئی مسلمان نہ کرسکتا ہے اور نہ کرے گا کیوں کہ یہ وہ باتیں ہیں جن کے مان لینے کے بعد تبلیغ رسُولؐ پر کاری ضرب پڑتی ہے ۔پھر آخر کیا وجہ تھی کہ صرف دو قبیلے مسلمان رہ گئے باقی ساری دنیا کافر اور مرتد ہوگئی ۔اس مطلب پر ذرا غور کی نظر ڈالئے آپ کا ذہن آپ کو خود جواب دے لے گا۔‘‘(سلسبیل فصاحت)

ابوسفیان کا فتنہ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا طرز عمل:

ابوسفیان جس کی عداوت امیر المومنینؑ سے محتاج ثبوت نہیں ۔بنی امیہ کا چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے جو دیرینہ بغض وعناد علیؑ سے تھا وہ تو تھا ہی میدان جنگ میں جتنے صدمے اسے نصیب ہوئے وہ زیادہ تر علیؑ ہی کے ہاتھوں پہنچے ۔حضرت رسالت مآبؐ سے جو عداوت اسے تھی اس سے کم حضرت امیر المومنینؑ سے نہ تھی ۔پیغمبرؐ کے اُٹھ جانے کے بعد علیؑ کے علاوہ جو بھی خلیفہ ہوتا ہے اسے کوئی پروانہ ہونی چاہئے تھی بلکہ خاندانِ رسالت خصوصاً علیؑ کی محرومی پر اس کی مسرت وخوشی عین مطابق فطرت ہوتی ۔مگر حضرت ابوبکر کی خلافت کی خبر سن کر اس کی طرف سے اتنے شدید ردعمل کا اظہار ہوا کہ اس نے حضرت ابوبکر کو بھی سہادیا اور آپ نے مجبور ہو کر اس کے بیٹے یزید کو شام کی گورنری عنایت کردی ۔یہ صحیح ہے کہ ابوسفیان کی مخالفت اسلام کی ہمدردی یا مستحق حقیقی کی حمایت کے بناء پر نہ تھی لیکن اس کی مخالفت سے اس وقت کے ہر کہ دمہ کی عام بیزاری آشکار ہو جاتی ہے ۔ابوسفیان کو معلوم تھا کہ حضرت علیؑ خلیفہ اول کی خلافت کو غلط اور بالکل باطل سمجھتے ہیں کیوں کہ وہ بغیر خدا کے حکم یا رسُولؐ کی اجازت کے خلیفہ بنے تھے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ابوبکر اس قبیلہ سے ہیں جو عرب میں ہمیشہ ذلیل وخوار رہا انھیں چند باتوں نے اس کو اس پر آمادہ کیا کہ پیغمبرؐ

کے چچا عباس کے پاس آیا اور کہنے لگا دیکھتے ہو ان لوگوں نے خلافت کو خاندانِ بنی ہاشم سے نکال کر سر دست بنی تیم میں پہنچا دیا۔ اب کل بنی عدی کے یہ فظ غلیظ (حضرت عمر) ہم پر حکومت کریں گے لہٰذا جلد ہم تم علیؑ کی بیعت کرلیں تم رسولؐ کے چچا ہو لہٰذا تمہارا اثر ہوگا اور میری بات قریش میں برابر مانی اور وزنی سمجھی جاتی ہے لوگ قبول کرلیں گے۔ لیکن اگر لوگوں نے اس میں ہماری مخالفت کی تو ہم اُن کو جنگ کر کے ہلاک کر ڈالیں گے۔ ابوسفیان جناب عباس سے مشورہ کر کے حضرت علیؑ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ قریش کے ذلیل ترین قبیلہ (بنو تیم) کو خلافت سے کیا ربط؟ اے علیؑ تم کھڑے ہو اور کہو تو میں اس میدان کو پیادوں اور سواروں سے بھر دوں۔ (تاریخ طبری جلد ر ۳،ص ر ۲۰۲، تاریخ الخلفاء،ص ر ۴۵ و کنز العمال، جلد ر ۳،ص ر ۱۴۰، استعمال، جلد ر ۱،ص ر ۳۴۵، وغیرہ) اور علامہ ابن عبدربہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب حضرت رسولؐ خدا نے انتقال فرمایا تو ابوسفیان مدینہ سے باہر ایک کام پر گیا ہوا تھا۔ جب وہ پلٹا تو ایک شخص کو دیکھا کہ مدینہ سے آرہا ہے۔ ابوسفیان نے اس شخص سے پوچھا کیوں بھائی کیا محمدؐ مر گئے؟ اس شخص نے کہا ہاں! پوچھا پھر ان کی جگہ کون حاکم ہوا؟ کہا حضرت ابوبکر ابوسفیان بولا ابوبکر کے خلیفہ ہو جانے پر وہ دونوں جو بہت کمزور سمجھ لئے گئے ہیں یعنی حضرت علیؑ اور عباس نے کیا کیا؟ اس نے جواب دیا وہ دونوں خاموش بیٹھ رہے۔ اس پر ابوسفیان بولا خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو ان دونوں کو بلند کر کے رہوں گا۔ پھر کہا میں اب فتنہ وفساد کا وہ غبار دیکھ رہا ہوں جس کو خوں ریزی کے سوائے کوئی چیز بھی دبا نہیں سکتی۔ پھر جب ابوسفیان مدینہ میں پہنچا تو اس کی گلیوں اور کوچوں میں گھوم گھوم کر اس واقعہ پر اپنے غصہ اور تعجب کا اظہار کرتا اور چند اشعار پڑھتا تھا جن کا مطلب یہ ہے کہ اے بنو ہاشم! لوگوں کو تم اپنے بارے میں طمع نہ دلاؤ خاص کر بنو تیم (ابوبکر کے قبیلہ) اور بنو عدی (عمر کے قبیلہ) کو کیوں کہ یہ خلافت تمہارے خاندان کے سوائے کسی اور طرف نہیں جانی چاہئے اور تمہاری ہی طرف اس کی بازگشت ہونی چاہئے اور اس خلافت کا حقدار حضرت ابوالحسن علیؑ بن ابی طالبؑ کے سوائے کوئی بھی نہیں ہے۔ اس کے اس شور وغل پر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ لو یہ بھی یہاں آگیا یہ تو بڑا فساد مچائے گا۔ اسی وجہ سے حضرت رسولؐ اس کی تالیف قلب کرتے رہتے تھے۔ اب مصلحت یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں صدقہ کے جو اُمور ہیں اُن کو اسی طرح رہنے دو حضرت ابوبکر نے ایسا ہی کیا۔ (عقد فرید مطبوعہ مصر جلد ر ۲، ص ر ۱۹۶) یہ بڑا نازک موقع تھا، علیؑ اپنے حق سے محروم کر دئے گئے تھے، سازشی کارروائیوں نے دوسروں کو مسند رسولؐ پر جگہ دے دی تھی اور کوئی حقدار اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے تنکے کا سہارا قبول کر لینے میں بھی عذر نہیں کرتا۔ حضرت علیؑ یہ سب دیکھ رہے تھے اور صبر کئے ہوئے بیٹھے تھے اس وقت آپ کا سخت امتحان لیا گیا ابوسفیان جو خاندان بنی امیہ کا سردار اور مکہ معظمہ کا ذی اثر رکن تھا۔ حضرت کی حمایت پر آمادہ ہو گیا۔ پوری اُمید دلائی کہ میں اتنی طاقت سے آپ کی مدد کروں گا کہ کوئی مقابلہ

نہیں کر سکے گا اور تخت خلافت پر یقیناً آپ کا قبضہ ہو جائے گا مگر علیؑ اس امتحان میں پورے کامیاب ہوئے اور وہ جواب دیا جس نے اسلام کو تباہی سے بچا لیا اُن کے الفاظ کو اسلامی مورخین نے اس طرح نقل کیا ہے۔ فزجرہ علی وقال انك واللہ ما اردت بھذا الا الفتنۃ وانك واللہ ظالما بغیت الاسلام شراً لا حاجۃ لنا فی نصیحتك۔ حضرت علیؑ نے ابوسفیان کا یہ کلام سُن کر اس کو جھڑک دیا اور کہا خدا کی قسم اس کلام سے تیرا مقصود صرف یہ ہے کہ اسلام میں ایک فتنہ پیدا کر دے اور تو ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی فکر میں رہا ہے مجھے تیری نصیحت اور ہمدردی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۳۰۳)

آپؑ نے اس موقع پر ایک خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس کا ایک ایک لفظ غور کے قابل ہے!

أَيُّهَا النَّاسُ شُقُّوا أَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاةِ وَعَرِّجُوا عَنْ طَرِيقِ الْمُنَافَرَةِ وَضَعُوا تِيجَانَ الْمُفَاخَرَةِ أَفْلَحَ مَنْ نَهَضَ بِجَنَاحٍ أَوِ اسْتَسْلَمَ فَأَرَاحَ مَاءٌ آجن وَلُقْمَةٌ يغص بِهَا آكِلُهَا وَمُجْتَنِي الثَّمَرَةِ لِغَيْرِ وَقْتِ إِينَاعِهَا كَالزَّارِعِ بِغَيْرِ أَرْضِهِ فَإِنْ أَقُلْ يَقُولُوا حَرَصَ عَلَى الْمُلْكِ وَإِنْ أَسْكُتْ يَقُولُوا جَزِعَ مِنَ الْمَوْتِ هَيْهَاتَ بَعْدَ اللَّتَيَّا وَالَّتِي وَاللّٰهِ لَابْنُ أَبِي طَالِبٍ آنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْيِ أُمِّهِ بَلِ انْدَمَجْتُ عَلَى مَكْنُونِ عِلْمٍ لَوْ بُحْتُ بِهِ لَاضْطَرَبْتُمُ اضْطِرَابَ الْأَرْشِيَةِ فِي الطَّوِيِّ الْبَعِيدَةِ (نہج البلاغہ، جلد ۱، ص ۴۲)

لوگو! اسلام میں جو فتنے پیدا ہوا چاہتے ہیں ان کی موجوں کو اپنی نجات (صبر وضبط) کی کشتیوں سے چیر ڈالو اور بھڑکانے والے راستے سے مُڑ جاؤ۔ اور تکبر و مفاخرت کے تاجوں کو اتار کر پھینک دو یہ جان لو کہ وہی شخص

احضرت امیرالمومنینؑ نے اپنے اس خطبہ میں بہترین استعارات سے کام لیا ہے چونکہ فتنہ وفساد میں ایک تلاطم خیز صورت اور اُتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے لہٰذا اس کو دریائے متلاطم سے تشبیہ دی اور اس سے بچنے کے لئے نجات کی کشتیاں تجویز کیں جو علم وصبر ہیں۔ خصوصاً اس موقع پر درحقیقت اس وقت کی حالت کو دیکھتے ہوئے امیرالمومنینؑ کے لئے سوا اس امر کے کوئی بات زیبا نہیں تھی کہ آپؑ صبر سے کام لیتے اور جنگ وجدل نہ فرماتے کیوں کہ اسلام اس صورت میں بالکل تباہ ہو جاتا اور رسوؐل کی ساری محنت برباد ہو جاتی اور یہی وجہ تھی کہ آپؑ نے تلوار نہیں اُٹھائی۔ حالانکہ وقتی حیثیت سے آپؑ کو مدد بھی مل رہی تھی اور ابوسفیان برابر امداد کا وعدہ کر رہا تھا اور فوج لانے کو کہہ رہا تھا جیسا کہ اس کا یہ جملہ واللہ لاملا نھا علی ابی بکر خیلا ورجلا (خدا کی قسم ابوبکر کے خلاف مدینہ کی گلیوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا) شاہد ہے مگر آپؑ نے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گوارا نہ کیا اور اسلام کے بچانے کے لئے اپنے حق سے دست برداری کو بہتر سمجھا۔ سفینۂ نجاۃ میں کتنی تلمیح اور کتنا لطیف اشارہ رسوؐل کی حدیث سفینہ کی طرف ہے مثل اھلبیتی کسفینۃ نوح من رکبھا نجی 'حقیقت میں سوا اہلبیت علیہا السلام کے ذریعہ کے کوئی دوسرا ذریعہ نجات دلانے والا نہ تھا۔ آخرت سے ہو تو دنیا سے ہو تو مہالک سے ہو تو رزم سے ہو تو اور فتنہ وفساد سے ہو تو رائے کے اعتبار سے ہو تو انھیں کی رائے نجات دہندہ تھی اور فعل وقول کے اعتبار سے ہو تو انہیں کا قول وفعل نجات دہندہ تھا۔" (سلسبیل فصاحت، ترجمہ نہج البلاغہ، مولوی ظفر مہدی صاحب مرحوم)

اپنے ارادے میں کامیاب ہوسکتا ہے جو کسی مضبوط بازو کے سہارے کھڑا ہو یا خاموش رہ کر لوگوں کو آسودہ کرے۔(دنیا گویا) متعفن پانی ہے اور وہ بدمزہ لقمہ ہے کہ جس کے کھانے والے کو اچھو ہونے لگے۔علاوہ بریں اس وقت بیعت لینی اس وجہ سے بھی مناسب نہیں کہ بے وقت میووں کا چننے والا مثل اس شخص کے ہے جو نامناسب زمین میں زراعت کرے۔اب دیکھو اگر میں معاملہ خلافت میں دخل دے کر کچھ بولتا ہوں تو سب لوگ کہنے لگیں گے کہ حکومت کے لالچی ہو رہے ہیں اور اگر سکوت کئے پڑا رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ علیؑ تو موت سے ڈر گئے۔افسوس میرے جہادوں اور رسوٗل کے غزوات میں میرے چھوٹے بڑے معرکے دیکھنے کے بعد بھی یہ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں۔حالانکہ خدا کی قسم علیؑ تو موت سے اس قدر مانوس ہے کہ اتنا کوئی بچہ اپنی ماں کے پستان سے بھی مانوس نہ ہوگا مگر (میرے سکوت کی وجہ یہ ہے کہ) میں ایسے علم پر مطلع ہوں جس کو اگر ظاہر کردوں تو تم لوگ اس طرح ڈانواڈول ہوجاؤ جیسے بہرے کنویں میں ڈول وغیرہ کی رسیاں ہلنے لگتی ہیں اور ڈول سے ٹکرائی جاتی ہیں اور انھیں سکون و قرار نہیں ہوتا۔

اس موقع پر علی بن ابی طالبؑ نے وہ دوراندیشی کی جیسی مصلحت بینی پیغمبرؐ اسلام نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ظاہر کی کہ باوجودیکہ حضرتؐ کو اس صلح میں ہر طرح دبنا پڑا مگر حضرتؐ نے اس کو قبول کرلیا۔اُسی طرح اس موقع پر علیؑ نے بھی اسلام کی بھلائی دیکھی کہ خاموش رہ کر اسلام کے قدموں کو مضبوط ہونے دیں۔اگر علیؑ ابوسفیان کے دھوکے میں آجاتے اور جنگ کا اعلان کردیتے تو مسلمان ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے جاتے اور کاٹتے کاٹتے اتنے کمزور ہوجاتے کہ مکہ کے کفار اور اطراف و جوانب کے یہود و نصاریٰ سب ہی ٹوٹ پڑتے اور سب آسانی سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیتے مکہ معظمہ کے کفار جو غزوہ بدر وغیرہ میں شکست اٹھا چکے تھے اور جو بنونضیر وغیرہ کے یہودی اور نجران وغیرہ کے نصاریٰ جو اسلام سے مغلوب ہوچکے تھے سب ہی تاک میں تھے کہ کوئی موقع مل جائے اور یہ لوگ گذشتہ ہزیمتوں کا عوض لیں۔جس طرح پیغمبرؐ کو اسلام عزیز تھا اسی طرح علیؑ ابن ابی طالبؑ کو بھی اسلام محبوب تھا۔یہ گوارہ نہیں کیا کہ اپنی خلافت کے لئے خود اقدام کریں۔اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے خود سبقت کریں اپنی جگہ کے لئے خود جنگ چھیڑیں۔اس وجہ سے اُنھوں نے وہی کیا جس کی وصیت پیغمبرؐ نے اُن سے کردی تھی۔امیرالمومنینؑ کی لفظیں بتاتی ہیں کہ پیغمبرؐ نے اپنے بعد کے ہونے والے انقلاب کے متعلق امیرالمومنینؑ کو ایسے امور سے مطلع فرمایا تھا کہ جن کا علم ہونے پر مسلمان تھرا کر رہ جاتے۔یوں ڈانواڈول ہوجاتے جیسے گہرے کنویں میں ڈول وغیرہ کی رسیاں لرزاں ہوتی ہیں۔خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو کن کن باتوں کی تعلیم کی تھی اور کیا کیا وصیتیں فرمائی تھیں۔پھر بھی دوسرے

ارشادات پیغمبرؐ جو کتب احادیث صحاح و مسانید اہلسنت میں موجود ہیں انھیں پر نظر کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امیر المومنینؑ صبر و تحمل سے کام لینے میں کتنے حق بجانب تھے۔

علامہ اثیر نے پیغمبرؐ کی یہ مشہور حدیث روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے حضرت امیر المومنینؑ سے ارشاد فرمایا:

یا علی انت بمنزلة الکعبة توتی ولاتاتی فان اتاك هولاء القوم فسلمو ها الیك الخلافة فقبل منهم وان لم یاتوك فلانا نهم حتی یاتوك۔ (اسد الغابہ، جلد/ ۴ ص/ ۳۱)

اے علیؑ تم بمنزلہ کعبہ کے ہو لوگ خانہ کعبہ کے پاس جاتے ہیں خود خانہ کعبہ کسی کے پاس نہیں جاتا۔ لہٰذا اگر میری آنکھ بند ہونے کے بعد یہ لوگ تمہارے پاس آئیں اور خلافت تمہارے حوالے کریں تو قبول کرنا اور اگر نہ آئیں تو تم کبھی اُن کے پاس نہ جانا جب تک کہ وہ خود تمہارے پاس نہ آئیں۔

محدث دہلوی پیغمبرؐ کی وصیت امیر المومنینؑ سے ان الفاظ میں لکھتے ہیں:۔

اے علیؑ فلاں یہودی پیش من چندیں مبلغ دارد کہ از وے برائے تجہیز لشکر اسامہ بقرض گرفتہ بودم۔ زینہار کہ حق اورا از ذمہ من ادا کنی وفرمود اے علیؑ تو اول کسے خواہی بود کہ درلب حوض کوثر بمن برسی و بعد از من مکروہات بتو خواہد رسید باید کہ دلتنگ نشوی وصبر کنی وچوں بہ بینی کہ مردم دنیا اختیار کنند باید کہ تو آخرت را اختیار کنی۔

(کتاب مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص/ ۵۱۱)

اے علیؑ! اسامہ کا لشکر روانہ کرنے کے لئے میں نے فلاں یہودی سے اس قدر مال قرض لیا تھا۔ خوب یاد رکھو کہ اس دین کو میری طرف سے ادا کرنا اور اے علیؑ تم پہلے شخص ہو گے جو حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے اور میرے بعد تم پر بڑی مصیبتیں پڑیں گی۔ تم کو چاہئے کہ اس وقت دل تنگ نہ ہونا اور صبر سے کام لینا اور جب دیکھنا کہ لوگ دنیا کو اختیار کر رہے ہیں تو تم آخرت ہی کو اختیار کیئے رہنا۔

"علیؑ رسوؐل اللہ کے حسن تربیت کا بہترین ثمر تھے۔ اُن کی زندگی کے ہر حصے سے رسوؐل اللہ کی شان ٹپکتی ہے اور اُن کی ہر نقل و حرکت سے اسلامی تعلیم کی خوبیاں عیاں ہو رہی تھیں۔ اسلام ایک صلح اور اطمینان کا پیغام ہے خود غرضی، جاہ پرستی اور سرمایہ داری سے اس کو ذرا بھی تعلق نہیں اس کی صحیح تبلیغ تلوار کے زور سے نہیں بلکہ زبان اور عملی نمونوں سے کی جا سکتی تھی۔ رسوؐل کریم کی وفات کے بعد علیؑ کی تلوار جس نے خیبر اور بدر میں ہنگامے برپا کر دیئے تھے زنگ آلودہ نہیں ہو گئی تھی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ علیؑ اپنے مقدس اصول کو تلوار کے زور سے پھیلانا نہیں چاہتے تھے۔ علیؑ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو جھٹ پٹ ابوسفیان کے اس مشورے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جاتا جو اُنھوں نے رسوؐل کریم کی وفات کے چند دن بعد اُن کے سامنے پیش کیا تھا۔"

''اے علیؑ آپ اُٹھیں تو سہی میں مدینہ کی گلیوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا۔''

ابوسفیان کی ہنگامہ پسند طبیعت کا یہ جادو اگر چل گیا ہوتا تو آج اسلام کا نام تاریخ کے صفحات پر بھی مشکل سے نظر آتا۔ بے شک علیؑ جانتے تھے کہ اُن کے جائز حقوق سے روگردانی کی گئی ہے۔ انھیں معلوم تھا کہ ہمارے حریف ہم کو شکست دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں۔ مگر وہ وحدت ملت پر جان دیتے تھے وہ اتحاد اسلامی پر مرتے تھے اُن کا خیال تھا کہ ہمارے اصول کی صداقت ایک نہ ایک دن ضرور دنیا پر ظاہر ہو کر رہے گی۔ آزمائش اور ابتلا کی یہ کٹھن گھڑیاں ہمیشہ نہ رہیں گی۔ کفر کو چند دن اسلامی لباس میں رہنے دو کہ بہت سے اسی رنگ میں حق کو پالیں گے۔ حالات و واقعات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اس وقت علیؑ کی پیش قدمی اسلام کی خودکشی کی مرادف تھی۔ وہ طبیعتیں جو ہنوز کسی لالچ سے اسلامی لباس میں پوشیدہ تھیں، ایک دم عُریاں ہو جاتیں اور پھر کھلّم کھلا کفر و ایمان کا مقابلہ ہونے لگتا جس سے ملّت اسلامی جو ہنوز طفلی کے منازل سے گذر رہی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے منتشر ہو جاتی۔ علیؑ کا دوررس تدبر اس موقع پر کام آگیا۔ اور اُن کی خاموشی نے کم از کم ظاہری اسلام کو ترقی پذیر ہونے میں مدد دی۔ (فلسفۂ آلِ محمدؐ، مولانا ابن حسن صاحب جارچوی)

قابضان خلافت کی امیرالمومنینؑ پر یورش
خانۂ سیدہؐ کو آگ لگا دینے کی تیاریاں

سقیفہ کی دھینگا مُشتی سے فراغت پا کر حضرت ابوبکر و عمر خانوادہ رسالت کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیوں کہ اصل مقصد تو انھیں کو زیر کرنا اور دیرینہ تمنّا اُنھیں کی بربادی و تاراجی تھی جو مظالم اہل بیت پیغمبرؐ کے لئے جائز سمجھے گئے شاید ہی دنیا کی کسی قوم نے اپنے رہبر و قائد کی آل و اولاد کے لئے جائز سمجھا ہو۔ ہم اس موقع پر صرف چند عبارتیں محققین اہلسنت کی نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱)۔ حدثنا ابن حميد قال حدثنا جرير عن مغيره عن زياد بن كليب قال اتى عمر ابن الخطاب منزل على فيه طلحة والزبير و رجال من المهاجرين فقال والله لاحرقن عليكم اولتخرجن الى البيعة فخرج عليه الزبير مصلتا بالسيف فعثر فسقط السيف من يده فوثبوا عليه فاخذوه۔ (تاریخ طبری جلد ۳، ص ۱۹۸)

ابن حمید کہتا ہے کہ عمر ابن خطاب علیؑ کے مکان پر آئے اور اس میں طلحہ و زبیر اور کچھ مہاجرین بیٹھے تھے عمر نے کہا خدا کی قسم میں اس گھر کو جلا کے رہوں گا ورنہ تم لوگ باہر نکل آؤ اور بیعت کرو۔ اس پر زبیر تلوار کھینچے ہوئے باہر نکلے مگر ٹھوکر کھا کر گر پڑے تلوار اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور لوگوں نے دوڑ کر زبیر کر پکڑ لیا۔

(۲)۔ الّذين تخلفوا عن بيعة ابى بكر علیؑ والعباس والزبير و سعد بن عبادة فاما علیؑ والعباس والزبير فقعدوا فى بيت فاطمة حتى بعث اليهم ابوبكر عمر بن الخطاب ليخرجوهم من بيت فاطمه وقال له ان ابوا فقاتلهم فاقبل بقبس من نار على ان يضرم عليهم الدار فلقيته. فاطمه فقالت يا ابن الخطاب اجئت لتحرق دارنا قال نعم اوتدخلوا فيما دخلت فيه الامة۔ (عقد الفرید ابن عبدربہ قرطبی مطبوعہ مصر، جلد ۲، ص ۱۷۹)

جن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت سے تخلف کیا وہ علیؑ، عباس، زبیر، سعد بن عبادہ تھے۔ پس علیؑ اور عباس اور زبیر جناب فاطمہؑ کے گھر میں آن بیٹھے یہاں تک کہ ابوبکر نے عمر ابن الخطاب کو اُن کی طرف بھیجا کہ اُن کو فاطمہؑ کے گھر سے نکال دے اور حکم دے دیا کہ اگر وہ انکار کریں تو اُن سے قتال کرنا۔ پس آئے عمر آگ کی چنگاری

لئے ہوئے کہ ان لوگوں پر مکان کو جلا دیں۔ پس ملاقات کی فاطمہؑ نے (پس در سے) عمر سے ارشاد فرمایا اے ابن الخطاب کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمارے گھر کو پھونک دے۔ عمر نے کہا ہاں اسی لئے آیا ہوں ورنہ جس طرح امت کے اور لوگوں نے بیعت کرلی ہے تم لوگ بھی بیعت کرلو۔

(۳)۔ وبادر والی سقیفة بنی ساعدہ فبایع عمر ابابکر رضی اللہ عنہما وانثال الناس علیه یبایعو نه فی العشر الاوسط من ربیع الاول سنه احدی عشرۃ خلا جماعة من بنی هاشم والزبیر وعتبه ابن ابی لهب و خالد بن سعید ابن العاص والمقداد بن عمر و سلمان الفارسی و ابی ذر و عمار یاسر والبراء بن عاذب و ابی ابن کعب و مع علی ابن ابی طالب و قال فی ذٰلك و عتبه بن ابی لهب۔

ما کنته احسب ان الامر منصرق
عن هاشم ثم منهم عن ابی حسن
عن اول الناس ایمانا و سابقة
واعلم الناس بالقران والسنن
وآخر الناس عهد ابالنبی
ومن جبریل عون له فی الغسل والکفن
من فیه فیه ما فیهم لایمترون به

ولیس فی القوم مافیه من الحسن و کذٰلك تخلف عن بیعة ابی بکر ابوسفیان من بنی امیّه ثم ان ابابکر بعث عمر ابن الخطاب الی علی و من معه لیخر جهم من بیت فاطمة وقال ان ابوا علیك فقاتل فاقبل عمر بشیءٍ من نار علی ان یضرم الدار فلقیته فاطمةؓ وقالت الیٰ این یابن الخطاب اجئت لتحرق دار نا قال نعم اوتدخلوا فیما دخل فیه الامة فخرج علی حتیٰ اتی ابابکر فبایعه۔ کذا نقله القاضی جمال الدین بن واصل وروی الزهری عن عائشه قالت لم یبایع علی ابابکر حتی ماتت فاطمة و ذالك بعد سته اشهر لموت ابیها۔ (تاریخ ابوالفداء، جلد اول ص/۱۵۶ مطبوعہ مصر)

اور سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف دوڑ گئے اور وہاں عمر نے ابوبکر کی بیعت کرلی اور لوگوں نے ہجوم کیا اور بیعت کرنے لگے۔ یہ بیعت ربیع الاول ۱۱ ھ کے عشرۂ اوسط میں ہوئی۔ سوائے ایک جماعت بنی ہاشم اور زبیر

اور عتبہ ابن ابی لہب اور خالد بن سعید بن العاص اور مقداد بن عمر اور سلمان فارسی اور ابو ذر اور عمار یاسر اور براء بن عازب اور ابی ابن کعب کے (جنھوں نے بیعت نہیں کی) اور رغبت رکھتے تھے طرف علیؑ ابن ابی طالب کے، ابن ابی لہب نے اس بیعت کے متعلق یہ اشعار کہے:

کہ میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ خلافت اور حکومت اولاد ہاشم سے جاتی رہے گی خصوصاً ابو الحسن سے جو سب سے پہلے ایمان لائے ہیں اور سب سے پہلے مسلمان ہوئے ہیں اور قرآن وسنّت پیغمبرؐ کو تمام لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں اور جو آخر وقت تک پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر رہے اور جبریل امین نے جن کی مدد کی پیغمبرؐ کو غسل وکفن دینے میں اور وہ ایسا ہے کہ بلا شک اس میں تمام خوبیاں ہیں جو اوروں میں ہیں اور جو خوبیاں اس میں ہیں وہ اوروں میں نہیں۔ وہ تو خلافت سے محروم رکھا جائے گا اور ایرے غیرے خلیفہ بن جائیں گے۔ صاحب حبیب السیر نے ان اشعار کو حضرت عباس کی طرف منسوب کیا ہے اور اس طرح ترجمہ کیا ہے:

ندانم خلافت چرا منصرف شد ز ہاشم ونا گاہ از ابو الحسن نہ اداولین مقبل قبلہ بود * نہ او بود اعلم بفرض وسنن نہ اقرب بعہد بنی بود و بود معین جبرئیلش بغسل وکفن نہ او مجمع حسن اوصاف گشت * ز قدر علی وز خلق حسن۔

اور اسی طرح تخلف کیا ابو بکر کی بیعت سے ابوسفیان نے بنی امیہ میں سے۔ اس کے بعد ابو بکر نے عمر کو علیؑ کے پاس بھیجا اور اُن لوگوں کے پاس جو علیؑ کے ساتھ تھے کہ ان کو فاطمہؑ کے گھر سے نکال دے اور حکم دیا کہ اگر تجھ سے انکار کریں تو اُن سے قتال کیجیو۔ پس عمر آگ لئے ہوئے آئے کہ گھر کو پھونک دیں۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا اے ابن الخطاب کدھر آئے ہو کیا ہمارا گھر پھونکنے کا ارادہ ہے۔ عمر نے کہا ہاں اسی لئے آیا ہوں ورنہ جس امر میں امت داخل ہوئی ہے تم لوگ بھی داخل ہو جاؤ یعنی ابو بکر کی بیعت کر لو علیؑ گھر سے نکل آئے اور ابو بکر کے پاس جا کر بیعت کر لی۔ یہ قاضی جمال الدین ابن واصل کا بیان ہے۔ زہری نے جناب عائشہ سے روایت کی ہے کہ جب تک فاطمہؑ کا انتقال نہیں ہو گیا علیؑ نے بیعت ابو بکر نہیں کی اور فاطمہؑ کا انتقال رسول اللہؐ کی وفات کے چھ مہینہ بعد ہوا ہے۔

(۴)۔ علامہ ابو الولید محمد بن شحنہ (المتوفی ۸۱۵ھ) نے اپنی کتاب روضۃ المناظر میں بھی احراق خانہ جناب سیّدہ سے متعلق بالکل یہی روایت جو مؤرخ ابو الفداء نے لکھی ہے کسی قدر اختصار کے ساتھ درج کی ہے۔

(روضۃ المناظر بر حاشیہ تاریخ کامل، جلد ر ۱۱، ص ر ۱۱۳، مطبوعہ مصر)

(۵)۔علامہ ابن قتیبہ نے ان واقعات کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے اور بہ نسبت دیگر مورخین کے بہت سی ایسی باتیں بیان کی ہیں جن سے دیگر مورخین اعراض کر گئے ہیں:

ان ابابکر تفقد قوماً تخلفوا عن بیعته عند علی کرم الله وجهه فبعث لیهم عمر فجاء فنا دا هم و هم فی دار علی فابوا ان یخرجوا فدعا بالحطب و قال والّذی نفس عمر بیده لتخرجن اولا حرقتها علی من فیها فقیل له یا ابا حفص فیها فاطمه فقال وان فخرجوا فبایعوا الاعلیا فانه زعم انه قال حلفت ان لا اخرج ولا اضع ثوبی علی عاتقی حتّٰی اجمع القران فوقفت فاطمة علیٰ بابها فقالت لا عهد لی بقو وحضروا اسوء محضر منکم ترکتم رسول اللهؐ جنازة بین ایدینا و قلعتم امر کم بینکم لم تستا مرونا ولم تردو النا حقنا فاتی عمر ابابکر فقال له الأ فاخذ هذا المئخلف عنك بالبیعة فقال ابوبکر لقنفذوهو مولی له اذهب فادع له علیا قال فذهب الی علی قنفذ فقال له ولحاجتك فقال یدعوك خلیفة رسول الله فقال علی لسریع ما کذبتم علی رسول اللهؐ فرسبع فابلغ الرسالة قال فبکی ابوبکر طویلا فقال عمر الثانیة ان لا تمثل هذا المتخلف عنك بالبیعة فقال ابوبکر لقنفذ عدالیه فقل له امیرالمومنین یدعوك لتبایع فجاء قنفذ فادی ما امر به فرفع علی سوته فقال سبحان الله لقدادعی مالیس له فرجع قنفذ فبلغ الرسالة فبکی ابوبکر طویلا ثم قام عمر فمشی معه جماعة حتی اتوا باب فاطمه فدقوا الباب فلما سمعت اصواتهم نادت باعلی صوتها یا ابت یا رسول الله ماذالقینا بعدك من ابن الخطاب و ابن ابی قحافه فلمّا سمع القوم صوتها و بکائها انصرفوا با کین وکادت قلو بهم تتصدع وا کبادهم تنفطروبقی عمر و معه قوم فاخرجوا علیا فمضوابه الی ابی بکر فقالوا له بایع فقال ان انالم افعل فمه قالوا والله الّذی لااله اله هوا نضرب عنقك قال اذاتقتلون عبدالله واخارسول الله قال عمر اما عبدالله واخا رسول الله قال عمر اما عبدالله فنعم واما اخوا رسول الله فلا و ابوبکر ساکت لا یتکلم فقال له عمر الاتامر فیه بامرك فقال لاا کرهه علی شی ما کانت فاطمة الیٰ جنبه فلحق علی بقبر رسول الله یصیح ویبکی و ینادی یَا اَبنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْ م لا استصغفونی و کادوا یقتلوننی فقال عمر لا بی بکر انطلق بنا الیٰ فاطمة فاناقد اَغْضَبْنَا هَا فانطلقا جمیعا فاسْتاذ نا علی و فاطمه فلم

تأذن لهما فاتيا عليا فكلماه فادخلها عليها فلما قعد عندها حولت وجهها الى الحائط فسلما عليها فلم ترعليهما السلام فتكلم ابوبكر فقال ياحبيبة رسول الله اغضبناك فى ميراثك منه و فى زوجك فقالت مابالك يرثك اهلك ولا محمداً فقال والله ان قرابة رسول الله احبُّ الىّ من قرابتى وانك لاحب الىّ من عائشه ابنتى ولوددت يوم مات ابوك انى مت ولا ابقى بعده افترانى واعرفك واعرف فضلك وشرفك وامتعك حقك وميراثك من رسول الله الا انى سمعت اباك رسول الله يقول لا نورث ماتركنا فهو صدقته فقالت ارايتكما ان حدثتكما حديثا عن رسول الله تعرفانه وتفعلان به قال نعم فقالت نشدتكما الله الم تسمعا رسول الله يقول رضاء فاطمة من رضائى و سخط فاطمة من سخطى فمن احب فاطمة ابنتى فقد احبّنى ومن ارضاها فقد ارضانى ومن اسخط فاطمه فقد اسخطنى قالا نعم سمعناه من رسول الله قالت فانى اشهد الله و ملائكته انكما اسخطتمانى وما ارضيتمانى لئن لقيت النبى لاشكو نكما الله فقال ابوبكر انا عائذ بالله تعالىٰ من سخطه و سخطك يا فاطمة ثم انتحب ابوبكر يبكى حتى كادت نفسه ان تزهق وهى تقول والله لا دعون الله عليك فى كل صلوٰة اهليها ثم خرج باكيا فاجتمع عليه الناس فقال لهم يبيت كل رجل منكم معا نقا حليلته مسرورا باهله وتركتونى وما انا فيه لا حاجة لى فى بيعتكم اقيلو نى بيعتى قالو ابا خليفة رسول الله ان هذا الامر لا يستقيم وانت اعلمنا بذالك انه ان كان هذا لم يقم لله دين فقال والله لولا ذالك وما اخافه من رخافة هذه العرفة مابتُّ ليلة ولى فى عنق مسلم بيعة بعد ماسمعت و رايت من فاطمة قال فلم يبايع على كرم الله وجهه حتى ماتت فاطمةؑ ولم تمكث بعد ابيها الا خمسا و سبعين ليلة۔ (کتاب الامامت والسیاست، مطبوعہ مصر، جلد اول، ص ر ۲۰)

ابوبکر نے ان لوگوں کی خبر دریافت کی جو اُن کی بیعت سے تخلف کر کے حضرت علیؑ کے پاس جمع ہوئے تھے۔ اور اُن کے پاس عمر ابن الخطاب کو بھیجا۔ جبکہ وہ حضرت علیؑ کے گھر میں تھے عمر آئے اور اُن کو آواز دی۔ اُنھوں نے باہر آنے سے انکار کیا تو عمر نے لکڑیاں منگائیں اور کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے نکل آؤ ورنہ میں اس میں آگ لگا دوں گا۔ اور مع اُن لوگوں کے جو اس میں انھیں پھونک دوں گا۔ پس کسی نے کہا (اے ابوحفص (عمر) اس گھر میں تو فاطمہؑ بھی ہیں۔ عمر نے کہا ہوا کریں۔ تب وہ لوگ نکل آئے اور

بیعت کر لی لیکن علیؑ نہ نکلے۔عمر نے خیال کیا کہ علیؑ نے قسم کھائی ہے جب تک قرآن جمع نہ کرلوں گا (اس وقت نماز کے علاوہ) ردا دوش پر نہ ڈالوں گا (اس لئے باہر نہ آئے) جناب فاطمہؑ دروازے کے پاس آ کھڑی ہوئیں اور کہا مجھے تم سے زیادہ بدتر قوم سے پالا نہیں پڑا۔تم نے جنازہ پیغمبرؐ کا ہمارے ہاتھوں میں چھوڑ دیا اور اپنے کام کی کتر بیونت میں لگ گئے۔ہم سے مشورہ نہیں لیا اور ہم کو ہمارا حق نہیں دیا پس عمر ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ کیا آپ اس شخص (علیؑ) سے جو آپ سے پھرا ہوا ہے بیعت نہ لیں گے ابوبکر نے اپنے غلام قنفذ سے کہا جا علیؑ کو میرے پاس بلالاؤ۔قنفذ علیؑ کے پاس آیا علیؑ نے پوچھا کیوں آیا ہے قنفذ نے کہا آپ کو خلیفۂ رسولؐ بلاتے ہیں۔علیؑ نے کہا کس قدر جلدی تم لوگوں نے رسولؐ اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔قنفذ نے واپس آ کر علیؑ کا پیغام ابوبکر سے کہا اس پر ابوبکر دیر تک روئے پھر عمر نے دوبارہ کہا کہ تم اس متخلف سے بیعت دینے میں تعجیل نہ کرو۔تب ابوبکر نے قنفذ سے کہا علیؑ کے پاس پھر جا اور اُن سے کہہ کہ امیر المومنین آپ کو بلاتے ہیں آ کر بیعت کرو۔قنفذ علیؑ کے پاس آیا اور خلیفہ کا پیغام بیان کیا۔علیؑ نے باآواز بلند فرمایا سبحان اللہ کیا اچھا دعویٰ ہے جس کا مطلق اُسے حق حاصل نہیں ہے۔قنفذ واپس آیا اور علیؑ کا پیغام پہنچایا سُن کر ابوبکر بہت روئے پھر عمر اٹھے اور اُن کے ساتھ ایک جماعت بھی چلی یہاں تک کہ دروازہ جناب فاطمہؑ پر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔جب جناب فاطمہؑ نے ان لوگوں کی آوازیں سُنیں تو نوحہ وشیون اور واویلا کرنے لگیں رو رو کر فرماتی تھیں کہ اے بابا اے رسولؐ اللہ (اپنی پارۂ جگر کی خبر لیجئے) ہم آپؐ کے بعد ابن الخطاب (عمر) اور ابن ابی قحافہ (ابوبکر) کے ہاتھوں کیا مصیبتیں اُٹھا رہے ہیں جس وقت ان لوگوں نے حضرت فاطمہؑ کی فریاد وزاری سُنی روتے ہوئے اُلٹے پھر گئے درحالیکہ دل اُن کے درد کرتے تھے اور جگر شق ہوئے جاتے تھے مگر عمر اور اُن کے ساتھ کچھ اور آدمی ٹھہرے رہے پس اُنھوں نے علیؑ کو نکالا اور پکڑ کر ابوبکر کے پاس لے گئے اور کہا کہ بیعت کرو علیؑ نے کہا کہ اگر بیعت نہ کروں تو کیا ہوگا۔جواب دیا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے کہ اس صورت میں ہم لوگ تمہاری گردن ماریں گے۔آپؑ نے فرمایا تو ایک بندۂ خدا اور رسولؐ اللہ کے بھائی کا خون کرو گے۔عمر نے کہا کہ بندۂ خدا تو خیر مگر رسولؐ اللہ کا بھائی غلط اور ابوبکر چپکے بیٹھے ہوئے سنا کئے کچھ نہ بولے۔تب عمر نے اُن سے کہا اس کے بارے میں حکم نہیں دیتے پس ابوبکر نے کہا کہ جب تک فاطمہؑ اُن کے پہلو میں ہیں ان پر میں کسی معاملہ میں جبر نہیں کرسکتا۔پس علیؑ قبر رسولؐ اللہ پر تشریف لائے اور نالہ و

فریاد کرنے لگے۔ رو رو کر کہتے تھے اے بھائی (اے رسولؐ میری خبر لیجئے) اس قوم نے مجھے مجبور و ناچار بے بس و بے کس کر دیا ہے اور میرے قتل پر آمادہ ہوگئی ہے۔ پس کہا عمر نے ابوبکر سے آؤ فاطمہؑ کے پاس چلیں کیوں کہ تحقیق ہم نے اُن کو غضبناک کیا ہے۔ پس وہ دونوں ساتھ ساتھ فاطمہؑ کے گھر پر آئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جناب فاطمہؑ نے ان دونوں کو اجازت نہ دی پس علیؑ کے پاس آئے اور اُن سے دونوں نے باتیں کیں علیؑ اُن دونوں کو جناب فاطمہؑ کے پاس لائے جب وہ اُن کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تو جناب فاطمہؑ نے اپنا منھ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ اُنھوں نے سلام کیا جناب فاطمہؑ نے سلام کا جواب نہ دیا پس ابوبکر نے کہا اے حبیبۂ رسولؐ اللہ ہم نے تمہارے باپ رسول اللہ صلعم کی میراث اور تمہارے شوہر کے بارے میں تم کو غضبناک کیا ہے پس جناب فاطمہؑ نے فرمایا۔ یہ کیا بات ہے کہ تیرے اہل تو تیری میراث پائیں اور ہم محمدؐ کی میراث سے محروم رہیں۔ ابوبکر بولے واللہ قرابت رسولؐ اللہ کی میری نزدیک میری قرابت سے زیادہ محبوب ہے اور تم مجھے میری بیٹی عائشہ سے زیادہ محبوب ہو اور جس دن آپ کے پدر بزرگوار کا انتقال ہوا ہے میں چاہتا تھا کہ میں مرجاتا اور آں حضرتؐ کے بعد زندہ نہ رہتا۔ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ میں آپ کا حق اور آپ کا ورثہ روکتا ہوں جو رسولؐ اللہ کی طرف سے آپ کو پہنچتا ہے۔ حالانکہ میں آپ سے اور آپ کے فضل وشرف سے واقف ہوں۔ مگر بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہؐ سے سُنا ہے وہ حضرتؐ فرماتے تھے کہ ہمارا ورثہ نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔ جناب فاطمہؑ نے فرمایا میں بھی تم سے رسولؐ کی ایک حدیث بیان کروں اُسے پہچانو گے اور اس پر عمل کرو گے؟ ابوبکر وعمر بولے ضرور فرمایئے پس جناب فاطمہؑ نے کہا میں تم کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کیا تم دونوں نے رسولؐ اللہ کو کہتے نہیں سنا کہ رضا فاطمہؑ کی میری رضا ہے اور غصہ فاطمہؑ کا میرا غصہ ہے۔ پس جس نے میری بیٹی فاطمہؑ سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی جس نے اُسے راضی کیا اُس نے مجھے راضی کیا۔ اور جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اُن سے مجھے غضبناک کیا۔ ابوبکر وعمر دونوں نے کہا ہم نے ایسا سُنا ہے۔ تب فاطمہؑ نے فرمایا میں خدا اور ملائکہ کو گواہ کرتی ہوں کہ تم نے مجھے ضرور غضبناک کیا اور مجھے تم دونوں نے راضی نہیں کیا اور جب میں نبیؐ سے ملاقات کروں گی تو ضرور تم دونوں کی شکایت اُن حضرتؐ سے کروں گی۔ تب ابوبکر نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے اے فاطمہؑ کہ آں حضرتؐ اور تم غضبناک ہو یہ کہہ کر ابوبکر رونے لگے یہاں تک کہ اُن کا دم گھٹنے لگا لیکن جناب فاطمہؑ یہی کہتی گئیں واللہ جو نماز میں پڑھوں گی اس

میں تیرے لئے بدعا کرتی رہوں گی پس ابوبکر روتے ہوئے نکلے اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے پس ابوبکر نے اُن سے کہا کہ تم سب لوگ اپنے اہل وعیال میں مسرور اپنی زوجہ کے ساتھ معانقہ میں رات گذارتے ہو اور مجھ کو اس مصیبت و آفت میں چھوڑ دیا ہے۔ مجھے تمہاری بیعت کی حاجت نہیں ہے میری بیعت توڑ دو۔ وہ بولے اے خلیفۂ رسولؐ یہ امر استقامت پذیر نہیں ہوگا اور آپ اس بات کو ہم سے بہتر جانتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوگا تو دین خدا قائم نہ رہے گا۔ پس ابوبکر نے کہا واللہ اگر یہ بات نہ ہوتی اور اس گرفت کے ڈھیلا پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ایک رات بھی کسی مسلمان کی گردن میں اپنی بیعت نہیں رکھتا۔ بعد اس کے جو میں نے فاطمہؑ سے سنا اور جو کچھ ان کا حال دیکھا ہے۔ راوی کہتا ہے پس علیؑ نے ہرگز بیعت نہیں کی جب تک کہ جناب زہراؑ کا انتقال نہ ہوگیا اور وہ صرف / ۷۵ دن اپنے پدر بزرگوار کے بعد زندہ رہیں۔

(۶) علامہ مسعودی مروج الذہب، ص / ۱۵۹ برحاشیہ تاریخ کامل، جلد / ۹، مطبوعہ مصر میں لکھتے ہیں:

وحدث النوفلی فی کتابه الاخبار عن ابن عائشه عن ابیه عن حماد بن سلمهٔ قال کان عروه بن الزبیر یعذ را خاه اذا جری ذکر بنی هاشم و حصره ایاهم فی الشعب و جمعه الحطب لتحریقهم۔ یقول انما اراد بذالك ارها بهم لیدخلوا فی طاعته کما ارهب بنوهاشم و جمع بهم الحطب لاحراقهم اذهم ابوا البیعة فیما سلف۔

یعنی نوفلی حماد بن مسلمہ سے روایت کرتا ہے کہ عروہ ابن زبیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی طرف سے جنھوں نے جناب محمد حنفیہ اور بنی ہاشم کو شعب میں محصور کر کے پھونک دینا چاہا تھا معذرت میں بیان کیا تھا کہ اگر میرے بھائی عبداللہ نے بیعت کرنے کی وجہ سے محمد ابن حنفیہ کو جلانا چاہا تو اس سے ملتا جلتا واقعہ پہلے بھی پیش آچکا ہے جب خود عمر ابن خطاب نے علیؑ کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے سیّدہ کا گھر پھونک دینا چاہا۔

(۷) علامہ شہرستانی لکھتے ہیں:

قال النظام ان عمر ضرب بطن فاطمةؑ یوم البیعة حتی القت المحسن من بطنها و کان یصیح احرقوها بمن فیها و ما کان فی الدار غیر علیؑ و فاطمةؑ والحسنؑ والحسینؑ۔

(کتاب الملل والنحل، مطبوعہ بمبئی، جلد / ا، ص / ۲۵)

نظام کہتا ہے کہ عمر نے لات ماری فاطمہؑ کے شکم پر بیعت کے دن یہاں تک کہ محسن اُن کے شکم مبارک سے نکل پڑے اور عمر غل مچاتے تھے کہ جلا دو گھر کو مع اُن لوگوں کے جو اس میں ہیں حالانکہ گھر میں سوائے علیؑ اور فاطمہؑ

اور حسنؑ و حسینؑ کے کوئی نہ تھا۔

(۸)۔ابومخنف نے سقیفہ کے حالات میں مخصوص ایک کتاب لکھی ہے جس میں بہت تفصیل سے اس آتش زنی کا ذکر کیا ہے۔

(۹)۔شاعر مصر حافظ ابراہیم اپنے مشہور و معروف قصیدہ عمریہ میں لکھتے ہیں:

ذقول لعلی قالها عمر
اکرم بسامعها اعظم بملقیها
حرقت دارك لا ابقی علیك بها
ان لم تبایع وبنت المصطفیٰ فیها
ماکان غیر ابی حفص بقائلها
امام فارس عدنان وحامیها

اور بات جو علیؑ سے عمر نے کہی اس بات کا سننے والا کس قدر محترم و معزز تھا اور کہنے والا کتنا عظیم القدر تھا۔

اگر تم نے بیعت نہ کی تو میں تمہارا گھر جلا کے رہوں گا یہ جانتے ہوئے کہ رسولؐ کی دختر بھی اسی گھر میں ہے مگر اس کی وجہ سے ذرہ برابر تم پر رحم نہ کروں گا۔ابوحفص عمر ہی اس بات کے کہنے والے ہیں کوئی اور نہیں، انھوں نے یہ بات پورے خطہ عرب کے شہسوار اور شجاع یعنی حضرت علیؑ کے روبرو کہی۔

(۱۰)۔مولوی شبلی نعمانی اپنی کتاب الفاروق میں احراق خانہ جناب سیدہؑ کی روایت طبری سے نقل فرماتے ہیں کہ درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے حضرت عمر کی تندی و تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں ہے۔

ضروری سوال: اب یہ نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے علیؑ و فاطمہؑ کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ اس میں ان حضرات نے احکام خدا کی پابندی یا حضرت رسول خدؐا کے قول و فعل کی پیروی یا کفار مکہ و مدینہ کی اقتدا کی یا اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لیا بس یہی چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔احکام خدا کی پابندی تو ہو نہیں سکتی کہ اس نے کہیں یہ حکم نہیں دیا ہے کہ جو شخص کسی کی بیعت نہیں کرے اس کے بازو پر کوڑے مارو، اس کے پہلو پر دروازہ گرادو، اس کے گلے میں رسّی باندھ کر کشاں کشاں لاؤ اور اس کے گھر کو جلا کر پھونک دو۔جب اپنے کو معبود منوانے، اپنی وحدانیت کا اقرار کرانے اور اپنی بندگی کرانے کے لئے اس نے ان باتوں کو پسند نہیں کیا تو اپنے کسی بندے کی بیعت کی غرض سے کیوں کر اس سختیوں کو گوارا کر سکتا ہے۔اسی طرح کسی نبی کو پیشوا اور ہادی ماننے کے لئے بھی خدا نے ان صورتوں کی اجازت نہیں دی۔خود حضرت سید الانبیاء والمرسلین کا کلمہ پڑھنے اور دین اسلام قبول کرنے کے لئے بھی اس نے ان امور کو منظور نہیں کیا بلکہ صاف صاف فرما دیا: لا اکراہ فی الدین قد تبین

الرشد من الغی۔ مذہب کے متعلق کوئی زبردستی نہیں حق کا راستہ گمراہی سے واضح ہو چکا ہے جو چاہے اس کو کرے اور جو چاہے گمراہ رہے (پ/۳، رکوع/۲) فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیك البلاغ۔ اگر یہ لوگ اسلام قبول کریں گے تو بے کھٹکے راہ راست پر آجائیں گے اور اگر منہ پھیر لیں گے تو اے رسولؐ تم پر صرف اسلام کا پہنچا دینا فرض ہے۔ (پ/۳، رکوع/۱۰) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ و من تولیٰ فما ارسلناك علیھم حفیظا۔ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی اختیار کی تو اس کا تم کچھ خیال نہ کرو کیوں کہ ہم نے تم کو ان لوگوں کا پاسبان مقرر کر کے تو بھیجا نہیں ہے۔ (پ/۵، رکوع/۸) وما انت علیھم بجبار فذکر بالقران من یخاف وعید۔ اے رسولؐ تم ان لوگوں پر کسی قسم کا جبر کرنے کے لئے نہیں مقرر کئے گئے ہو جو ہمارے عذاب کے وعدے سے ڈرے بس اس کو تم صرف قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہو۔ (پ/۲۶، رکوع/۱۷) فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر الا من تولی و کفر فیعذبہ اللہ العذاب الا البران الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم۔ اے رسولؐ تم ان لوگوں کو نصیحت کئے جاؤ تمہارا کام تو بس نصیحت ہی کرتے رہنا ہے۔ تم کچھ ان پر داروغہ تو ہو نہیں بس جس نے منہ پھیر لیا اور تمہاری باتیں نہ مانیں اس کی سزا خدا کے ذمہ ہے کہ وہی اس پر بڑا عذاب کرے گا بیشک ان سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ان کا حساب بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ (پ/۳۰، ع/۱۳) واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین۔ اور خدا کا حکم مانو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور نافرمانی سے بچے رہو اس پر بھی اگر تم نے (حکم خدا سے) منہ پھیرا تو سمجھ رکھو کہ ہمارے رسولؐ پر بس صاف صاف پیغام پہنچا دینا فرض ہے پھر کرو چاہے نہ کرو تم کو اختیار ہے۔ (پ/۷، ع/۲)۔ ما علی الرسول الا البلاغ۔ ہمارے رسولؐ پر پیغام پہنچا دینے کے سوائے کچھ فرض نہیں ہے۔ (پ/۷، ع/۳)۔ فان تولوا فانما علیك البلاغ المبین۔ اگر یہ لوگ ایمان سے منہ پھیریں تو اے رسولؐ تمہارا فرض صرف احکام کا صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ (پ/۱۴، ع/۱۷) اس مضمون کی آیتیں قرآن مجید میں بھری ہوئی ہیں کہ اگر کوئی شخص رسولؐ کو نہ مانے تو رسولؐ اس کو بس سمجھا دیں اور احکام خداوندی پہنچاتے رہیں اس سے زیادہ کسی کارروائی کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اور معلوم ہے کہ حضرت ابوبکر یا عمر حضرت رسولؐ خدا کی خلافت یا نیابت ہی کے لئے یہ سب کارروائیاں کرتے رہے پھر جن باتوں کا حکم خدا نے پیغمبرؐ کو بھی نہیں دیا۔ جو باتیں پیغمبرؐ کے لئے بھی قدرت نے روانہ رکھیں وہ باتیں ان لوگوں نے کیوں ایجاد کیں؟ ان صاحبوں کی ان باتوں سے کس قدر عقل کو حیرت ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو خدا و رسولؐ نے کفار و منافقین تک کے لئے جائز نہیں سمجھا ان تمام باتوں

کو ان لوگوں نے علیؑ و فاطمہؑ کے لئے نہ صرف جائز سمجھا بلکہ ایک ایک کو عمل میں بھی لائے۔ کفار تک سے مناسب برتاؤ کی تعلیم قرآن مجید نے دے دی ہے مگر ان حضرات نے اس کو بھی پس پشت ڈال دیا اور جو اُن کے دل میں آیا اس پر کار بند ہو گئے۔ حضرت موسیٰ و ہارون خدا کے پیغمبر تھے اور فرعون کافر ہی نہیں تھا بلکہ اس سے بھی بڑھا ہوا کہ خدائی کا دعویدار اور اللہ کا مقابل بنتا تھا دیکھئے خدا ایسے سرکش سے کس برتاؤ کی تعلیم دیتا ہے ارشاد الٰہی ہے جناب موسیٰ سے اذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِآيَاتِي وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا أَوْ أَن يَطْغَىٰ قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَىٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَىٰ۔

اے موسیٰ تم اپنے بھائی (ہارون) سمیت ہمارے معجزے لے کر جاؤ اور دیکھو ہماری یاد میں سستی نہ کرنا، تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک وہ بہت سرکش ہوگیا ہے پھر اس کے پاس پہنچ کر نرمی سے باتیں کرو تا کہ اس کا دل نصیحت ماننے پر آمادہ ہو سکے یا خدا سے ڈرے۔ دونوں نے عرض کی اے ہمارے پروردگار ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے یا اور زیادہ سرکشی نہ کرنے لگے۔ خداوند عالم نے فرمایا تم دونوں ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں اور سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں غرض تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے رسولؑ ہیں، تم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو اور انھیں ستاؤ نہیں، ہم تمہارے پاس تمہارے پروردگار کا معجزہ لے کر آئے ہیں اور جو شخص راہِ راست کی پیروی کرے اسی کے لئے سلامتی ہے۔ (پ ر۱۶، ع ر۱۱)۔ ان آیات کا ایک ایک لفظ غور کے قابل ہے ایک ایک لفظ دیکھئے اور قابضان خلافت کی کارروائیوں سے ملائیے۔ فرعون خدا کا منکر خود ہی خدائی کا مدعی ہے اور جو چاہتا ہے اسی دعوے کے مطابق خدا کے مقابلے میں کرتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کے ساتھ سخت سے سخت تر برتاؤ کا حکم دیا جاتا جب بھی قابل اعتراض نہیں ہوتا لیکن کسی زیادتی کی اجازت نہیں دی جاتی بلکہ موسیٰ و ہارون کو درشت کلامی سے منع کر کے تاکید کی جاتی ہے کہ قولا له قولا لينًا اس سے باتیں تک نرمی سے کرنا خدا تو اپنے مخالف کے لئے یہ فرمائے اور حضرت عمر اپنے مخالف نہیں بلکہ صرف غیر مطیع کے لئے آگ لکڑی لے جائیں اس پر اس کے مکان کا دروازہ گرا دیں اسے خار دار کوڑے سے اذیت پہنچائیں سب کو جلا کر پھونک دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ صاحبان عقل پوچھ سکتے ہیں کہ کیا حضرت عمر نے اپنا درجہ خدا سے زیادہ سمجھا یا اپنے اختیارات کو خدا کے اختیارات سے زیادہ قرار دیا یا علیؑ و فاطمہؑ کی بیعت ابوبکر سے کنارہ کشی فرعون کی فرعونیت سے زیادہ سنگین تھی۔ یہاں ذرا نمرود کے متعلق خدا کا برتاؤ دیکھ لیجئے ارشاد ہوتا ہے:

الم ترا لی الذی حاج ابراهیم فی ربه ان اتاه الله الملك اذقال ابراهیم ربی الذی یحیی

ویمیت قال انا احی وامیت قال ابراھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب فبھت الذی کفر ۔(پ/۳،ع/۳)

اے رسولؐ کیا تم نے اس شخص (نمرود کے حال پر) نظر نہیں کی جو صرف اس برتے پر کہ خدا نے اسے سلطنت دے رکھی تھی ابراہیم سے اُن کے پروردگار کے بارے میں اُلجھ پڑا کہ جب ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہے تو وہ بھی کہنے لگا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں ۔ابراہیم نے کہا اچھا خدا تو آفتاب کو پورب سے نکالتا ہے بھلا تم اس کو پچھم سے تو نکال کر دکھا دو اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔

بس صرف عقلی مباحثہ تک یہ مقابلہ رہا نہ کوئی زیادتی کی گئی نہ کوئی سختی روا رکھی گئی اور نہ کوئی زور آزمائی کی گئی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ شاید حضرت عمر نے ان سختیوں میں حضرت رسوؐل خدا کے احکام و اعمال کی پیروی کی ہو مگر افسوس ایسا بھی نہیں ہے ۔اول تو آں حضرتؐ کو کوئی قول وفعل قرآن مجید کے خلاف ہوتا ہی نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ حضرتؐ کی پوری زندگی کو مکۂ معظمہ سے مدینہ منورہ تک پڑھ جایئے کہیں بھی آپ کو حضرتؐ کا یہ برتاؤ کسی شخص کے ساتھ بھی نہیں ملے گا جو حضرت عمر نے جناب سیدہؑ اور حضرت علیؑ کے ساتھ کیا۔ اگر کہا جائے کہ مکہ معظمہ میں حضرتؐ خود ہی بے بس تھے کفار کی سختیوں کا جواب کیوں کر دیتے تو کہا جائے گا کہ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد تو حضرتؐ کی قوت وشوکت بہت بڑھ گئی تھی اور کفار و منافقین کا مقابلہ برابر ہوتا ہی رہتا تھا پھر کیا آنحضرتؐ نے بھی اپنے کسی نہ ماننے والے کے بازوؤں پر کوڑے بازی کی؟ کسی کے خود ہی قتل کا ارادہ کیا؟ کسی کے گھر پر آگ لکڑی منگائی یا بھیجی تا کہ اس کے رہنے والوں کو اس میں جلا دیں؟ کسی کو گرفتار کر کے زبردستی اپنے دربار میں بلایا؟ حضرت رسوؐل خدا نے اپنے مخالفوں کے ساتھ ایسا کوئی بھی برتاؤ کیا ہو تو کوئی شخص بیان کرے ۔حضرتؐ کا جو سلوک اپنے مخالفین کے ساتھ ہوتا تھا اس کو بھی دیکھ لیجئے تا کہ آپ کو موازنہ کرنے کا موقع ملے کہ رسوؐل نے کیا کیا اور دعویداران خلافت پیغمبرؐ نے خلافت کی شان کس طرح دکھائی شمس العلما مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں ۔"ارباب سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہیں کہ آں حضرتؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ آں حضرتؐ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا بجز اس کے کہ اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو۔ جنگ احد کی شکست سے زیادہ رؤساء طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گراں تھی ۔تاہم دس برس کے بعد غزوۂ طائف میں جب وہ ایک طرف منجنیق سے مسلمانوں پر پتھر برسا رہے تھے تو دوسری طرف ایک سراپائے حلم وعفو انسان (خود آں حضرتؐ) یہ دعا مانگ رہا تھا کہ خدایا انھیں سمجھ عطا کر اور اُن کو آستانہ اسلام پر جھکا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ۹ھ میں جب اُن کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپؐ نے صحن مسجد میں اُن کو مہمان اُتارا اور عزت وحرمت کے ساتھ اُن سے پیش آئے ۔قریش نے آپؐ کو گالیاں دیں،

مارنے کی دھمکی دی، راستوں میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں ڈالیں، گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا آپؐ کی شان میں گستاخیاں کیں۔ نعوذ باللہ کبھی جادوگر، کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا لیکن آپؐ نے کبھی ان کی باتوں پر برہمی ظاہر نہیں فرمائی۔ غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے تو وہ غصہ سے کانپ اُٹھتا ہے۔ ایک صاحب جنھوں نے آنحضرتؐ کو ذی الحجاز کے بازار میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے دیکھا تھا بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ فرما رہے تھے "لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے" پیچھے پیچھے ابوجہل تھا وہ آپؐ پر خاک اُڑا اُڑا کر کہہ رہا تھا "لوگوں اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ نہ کردیں یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات وعزیٰ کو چھوڑ دو" راوی کہتا ہے کہ آپؐ اس حالت میں اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ (مسند احمد، جلد ۴، ص ۶۳) سب سے بڑھ کر طیش وغضب کا موقع افک کا واقعہ تھا جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی حضرت عائشہ آپؐ کی محبوب ترین ازواج اور حضرت ابوبکر جیسے یارِ غار اور افضل الصحابہ کی صاحبزادی تھیں۔ شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا جنھوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اُٹھا۔ دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح یہ باتیں انسانی صبر وتحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں تاہم رحمت عالم نے ان سب باتوں کے ساتھ کیا کیا تہمت کا تمام تر بانی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی تھا اور آپؐ کو اس کا بخوبی علم تھا بایں ہمہ آپؐ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمع عام میں منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا مسلمانوں جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجھ کو ستاتا ہے اس سے میری داد کون لے سکتا ہے! حضرت سعد بن معاذ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور اُٹھ کر کہا میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں آپؐ نام بتائیں تو اس کا سر اُڑا دوں۔ سعد بن عبادہ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے مخالفت کی اور اس پر دونوں طرف سے حمایتی کھڑے ہو گئے۔ قریب تھا کہ تلواریں کھینچ جائیں آپؐ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا...... قریش نعوذ باللہ آں حضرتؐ کو گالیاں دیتے تھے، بُرا بھلا کہتے تھے۔ ضد سے آپ کو محمد (تعریف کیا گیا) انہیں کہتے تھے بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے لیکن آپؐ اس کے جواب میں اپنے دوستوں کو خطاب کر کے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمہیں تعجب نہیں آتا کہ اللہ قریش کی گالیوں کو مجھ سے کیوں کر پھیرتا ہے۔ وہ مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم پر لعنت بھیجتے ہیں اور میں محمدؐ ہوں۔

دشمنوں سے عفوو درگذر اور حُسن سلوک: انسان کے ذخیرۂ اخلاق میں سب سے کم یاب اور نادر الوجود چیز پر ترحم اور اُن سے عفوو درگذر ہے لیکن حامل وحی ونبوت کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی۔ دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اخلاق کے دائرہ شریعت میں آ کر یہ فرضیت بدل کر مکروہ تحرمی بن جاتی ہے۔ تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ آپؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا دشمنوں سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جبکہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے جو آں حضرتؐ

کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپؐ نے طرح طرح کی اذیتیں اُٹھائی تھیں لیکن اُن سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء ۔تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤتم سب آزاد ہو۔

وحشی جو اسلام کے قوت بازو اور آں حضرتؐ کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہ کا قاتل تھا مکہ میں رہتا تھا جب مکہ میں اسلام کی قوت نے ظہور کیا وہ بھاگ کر طائف آیا۔طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا اور وحشی کے لئے یہ بھی مامن نہ رہا لیکن اس نے سنا کہ آں حضرتؐ سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہیں آتے ناچار خود رحمت عالم کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کیا، آں حضرتؐ نے صرف اس قدر فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے۔

ہندہ ابوسفیان کی بیوی جس نے حضرت حمزہ کا سینہ چاک کیا اور دل وجگر کے ٹکڑے کئے فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آں حضرتؐ پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعت اسلام کر کے سند امان حاصل کر لے پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی آں حضرتؐ نے ہندہ کو پہچان لیا لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا۔ہندہ اس کرشمہ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اُٹھی یارسولؐ اللہ! آپؐ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا لیکن آج آپؐ کے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۔

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے غزوات نبی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں اسلام کو لڑنی پڑیں اُن میں سے اکثر میں ان کا ہاتھ تھا۔لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے اور حضرت عباس اُن کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ اُن کے ساتھ محبت سے پیش آئے۔حضرت عمر نے گذشتہ جرائم کی پاداش میں اُن کے قتل کا ارادہ کیا لیکن آپؐ نے منع فرمایا اور نہ صرف یہ بلکہ اُن کے گھر کو امن وامان کا حرم بنا دیا فرمایا کہ ”جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کا قصور معاف ہوگا۔“

کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟......قریش کی ستمگری وجفا کاری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہیں یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب میں تین برس تک ان ظالموں نے آپؐ کو اور آپؐ کے خاندان کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہیں سکتا تھا۔بچے بھوک سے روتے تھے اور تڑپتے تھے اور یہ بے درد اُن کی آوازیں سُن کر ہنستے اور خوش ہوتے تھے لیکن معلوم ہے کہ رحمت عالم نے اس معاوضہ میں قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ میں غلہ یمامہ سے آتا تھا۔یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن آثال تھے مسلمان ہو کر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر اُن کو طعنہ دیا اُنھوں نے غصہ سے کہا کہ ”خدا کی قسم اب رسوؐل اللہ کی اجازت کے بغیر گیہوں کا ایک دانہ نہیں ملے گا۔اس بندش سے مکہ میں اناج کا

کال پڑ گیا۔ آخر گھبرا کر قریش نے اس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں گیا۔ حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اُٹھا لو چنانچہ حسب دستور غلہ جانے لگا۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ: خلق عمیم میں کافر و مسلم دوست و دشمن عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی ابر رحمت دشت و چمن پر یکساں برستا تھا۔ یہود کو آں حضرت صلعم سے جس شدت کی عداوت تھی اس کی شہادت غزوہ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے لیکن آپؐ کا طرز عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپؐ ان میں انھیں کی تقلید فرماتے.......

دشمنان جان سے عفوو درگذر: جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفوو درگذر کا واقعہ پیغمبروںؑ کے صحیفہ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے۔ جس شب کو آپؐ نے ہجرت فرمائی ہے کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمدؐ کا سر قلم کر دیا جائے گا اس لئے دشمنوں کا ایک دستہ رات بھر خانہ نبوی کا محاصرہ کئے کھڑا رہا اگرچہ اس وقت ان دشمنوں سے انتقام لینے کی آپؐ میں ظاہری قوت نہ تھی لیکن ایک وقت آیا جب ان میں سے ایک ایک شخص کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور اس کی جان صرف آں حضرؐت کے رحم و کرم پر موقوف تھی۔ لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں ہوا۔

ہجرت کے دن قریش نے آں حضرؐت کے سر کی قیمت مقرر کی تھی اور اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اس کو ۱۰۰/سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آپؐ کے قریب پہنچے آخر دو تین دفعہ کرشمہ اعجاز دیکھ کر اپنی نیت بد سے توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھ کو سند امان دی جائے چنانچہ سند امان لکھ کر دی گئی اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرف سوال بھی درمیان میں نہیں آیا...... فتح مکہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسّی/۸۰ آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے جبل تنعیم سے اتر کر آیا اور چھپ کر آں حضرؐت کو قتل کرنا چاہا اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے لیکن آں حضرؐت نے ان کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہیں کیا.....

دشمنوں کے حق میں دعائے خیر: دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے لیکن پیغمبروںؑ کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے۔ جو لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں وہ اُن کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جو اُن کے تشنۂ خون ہوتے ہیں وہ اُن کو پیار کرتے ہیں۔ ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آں حضرؐت پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے اس داستان کے دہرانے کے لئے بھی سنگ دلی درکار ہے۔ اسی زمانہ میں حباب ابن ارت ایک صحابی نے عرض کی یا رسوؐل اللہ! دشمنوں کے حق میں بددعا فرمایئے یہ سُن کر چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا۔ ایک مرتبہ چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا

''میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

مستورات کے ساتھ برتاؤ: دنیا میں یہ صنف ضعیف (عورتیں) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہے اس لئے کسی نامور شخص کے حالات میں یہ پہلو کبھی پیش نظر نہیں رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا۔ اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے عورتوں کی حق رسی کی اور عزت و منزلت کے دربار میں اُن کو مردوں کے برابر جگہ دی۔ اس لئے شارع اسلام کے واقعات زندگی میں ہم کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مستورات کے ساتھ اُن کا طرز عمل کیا تھا۔ عورتیں نہایت دلیری کے ساتھ آپؐ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھیں اور صحابہ کو اُن کی جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ کسی قسم کی ناگواری نہیں ظاہر فرماتے تھے۔ چونکہ عورتیں عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں اُن کی خاطر داری کا نہایت خیال رکھتے تھے۔

رحمت و محبت عام: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تمام دنیا کے لئے رحمت بن کر آئی تھی تم آں حضرتؐ کے حلم وعفو، مسامحت و درگذر کے سیکڑوں واقعات پڑھ چکے نظر آیا ہوگا کہ اس خزانہ رحمت میں دوست، دشمن، کافر مسلم، بوڑھے بچے، عورت مرد، آقا و غلام، انسان و حیوان ہر ایک صنف ہستی برابر کی حصہ دار تھی..... آپؐ نے دنیا کو پیغام دیا لا تحاسدوا ولا تباغضوا و کونوا یا عباد اللہ اخوانا۔ ایک دوسرے پر بغض و حسد نہ کرو۔ اے خدا کے بندو! سب آپس میں بھائی بن جاؤ۔ ایک اور حدیث میں فرمایا احب للناس ما تحب لنفسك تكن مسلما۔ لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو مسلم بنو گے..... آپؐ نے فرمایا لا یومن احدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسه وحتی یحب المرٔ لا یحب الا للہ عز و جل۔ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ سب لوگوں کے لئے وہی محبوب نہ رکھے جو اپنے لئے رکھتا ہے اور جب تک وہ دوسرے کو بے غرض صرف خدا کے لئے پیار نہ کرے۔''

(سیرۃ النبی، جلد ۲ ص ۲۸۳ تا ۳۱۳)

تیسری صورت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر نے علیؑ و فاطمہؑ کے ساتھ یہ برتاؤ کرنے میں کفار مکہ و مدینہ کی اقتدا کی ہو۔ لیکن تاریخ و سیرت و مغازی کا ایک ایک حرف پڑھ جایئے۔ رجال و حدیث کے ذخیروں کو اچھی طرح اُلٹ جایئے آپ کو اس کا اشارہ تک کہیں نہیں مل سکتا کہ کسی کافر نے کسی عورت کو اس وجہ سے کوڑا مارا ہو یا اس پر اس کے مکان کا دروازہ گرا دیا ہو یا اس کے مکان کے جلا ڈالنے کی دھمکی دی ہو بلکہ وہاں آگ لکڑی کا ڈھیر بھی کر دیا ہو کہ وہ عورت اس شخص کو اپنا مذہبی پیشوا اور دینی مقتدا کیوں نہیں مانتی یا اپنے عقائد اس شخص کے ایسے کیوں نہیں رکھتی یا جو شخص مذہباً اس سے مغائر ہے اس کا ساتھ کیوں دیتی یا اس کو مدد کیوں پہنچاتی ہے۔ مثال کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں حضرت خدیجہ سے بھی کفار عرف کو تقریباً وہی عداوت ہونی چاہئے تھی جو انھیں حضرت رسولؐ خدا سے تھی کہ اگر آں حضرتؐ نے اسلام کا نام لیا تو حضرت خدیجہ نے اس کو تسلیم

کرنے میں سبقت کی۔ اگر آں حضرتؐ نے بت پرستی کو گمراہی بتایا تو حضرت خدیجہ نے فوراً اس کی تصدیق کی۔ اگر حضرت رسولؐ خدا نے لوگوں کو نئے مذہب کی طرف بلایا تو حضرت خدیجہؑ نے اس کے لئے اپنی کل دولت پیش کر دی۔ حضرت فاطمہؑ صرف اپنے مقام پر خاموش بیٹھی رہیں قابضان خلافت کے خلاف آپ نے نہ کوئی کوشش کی نہ کوئی دولت خرچ کی نہ کسی اور طرح کا کوئی حصہ لیا اور ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ کوڑوں سے اذیت پہنچائی گئی۔ اُن کے جسم مبارک پر دروازہ گرا دیا گیا اور گھر پر آگ لکڑی جمع کر دی گئی۔ لیکن جناب خدیجہ کفار عرب کے مقابلہ میں صرف خاموش ہی نہیں بیٹھی رہیں بلکہ ان کے مذہب پر کاری ضرب لگاتی رہیں۔ ان کے دین کی مذمت کی اس پر لات ماری اپنے عمل سے ثابت کیا کہ کفار عرب کے بزرگوں کی جگہ جہنم ہے دین اسلام جلد از جلد قبول کیا۔ حضرت رسوؐل خدا کا تن دھن سے ساتھ دیا، اسلام کی حمایت میں سینہ سپر رہیں اور مسلمانوں کی ترقی واشاعت کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے لیکن کفار عرب نے نہ ان کے بازوؤں پر کوڑے مارے نہ ان پر یورش کی نہ ان پر فوج کشی کی نہ ان پر دروازہ گرایا نہ ان کے مکان میں آگ لگانے کا سامان کیا۔

ان روشن حقیقتوں کے پیش نظر آسانی کے ساتھ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی کا طرز عمل کس قابل تھا اور خلافت مآب حضرات نے سیّدہ و علیؑ کے ساتھ برتاؤ میں خدا و رسوؐل کی طرح کفار عرب کی بھی مخالفت کی اور ان سختیوں کا ایجاد کا سہرا آپ ہی حضرات کے سر ہے۔

یہ سلوک! یہ برتاؤ! علیؑ کے ساتھ کیوں روا سمجھا گیا کس بنا پر وہ ان سختیوں کے سزاوار سمجھے گئے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ قیافہ شناس و دور بین پیغمبرؐ اسلام نے پہلے ہی اس برتاؤ کی نوعیت کے متعلق یہ کہہ کر پیشن گوئی فرمادی تھی کہ یا علی ان الامۃ ستغدر بک من بعدی۔ اے علیؑ یہ امت میرے بعد تمہارے ساتھ بے وفائی کرے گی۔ (مستدرک، ج ر ۳، ص ر ۱۴۰، ۱۴۲، کنز العمال، جلد ر ۶، ص ر ۱۵۷ وغیرہ) اور اس بے وفائی کے وجوہ و اسباب بھی پیغمبرؐ نے ارشاد فرما دیئے تھے۔ ضغائن فی صدور اقوام لا یبدونھا لک الا من بعدی۔ تمہاری طرف لوگوں کے دلوں میں کینے ہیں جنہیں یہ لوگ میری آنکھ بند ہونے کے بعد ظاہر کریں گے۔ (کنز العمال، ص ر ۴۲۰، ریاض نضرہ جلد ر ۲، ص ر ۲۱۰ ازالۃ الخفا مقصد دوم، ص ر ۲۷۵)

پیغمبرؐ کی اس وضاحت کے بعد حضرت ابوبکر و عمر کے اس سلوک کے وجوہ و اسباب تلاش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

محمد بن ابی بکر نے امیر معاویہ کو ایک خط لکھا تھا کہ "اسلام پر علیؑ کے یہ یہ احسانات ہیں تم اُن کا مقابلہ کرتے ہو حالانکہ تم تم ہی ہو اور علیؑ علیؑ ہیں۔ وائے ہو تم پر اپنے کو علیؑ کے برابر کیسے کرنا چاہتے ہو۔" معاویہ نے اس کے جواب میں جو خط لکھا تھا بیشتر

مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اس کو نقل کیا ہے اس خط کی ایک ایک لفظ غور کے قابل ہے۔

''اپنے باپ (ابوبکر) کو عیب لگانے والے محمدؑ کی طرف یہ خط معاویہ کا ہے امابعد مجھے تیرا خط ملا جس میں تو نے خدا کی اس عظمت و قدرت وسطوت کا ذکر کیا ہے جس کا وہ اہل و مستحق ہے اور اُن فضائل کو بیان کیا ہے جن کی وجہ سے خدا نے حضرت رسول خداؐ کو برگزیدہ کیا۔ اس کے ساتھ تو نے ایسی بھی بہت سی باتیں لکھ دیں ہیں جن سے تیری کمزوری اور تیرے باپ (ابوبکر) کی ملامت ثابت ہوتی ہے۔ تو نے اس خط میں ابن ابی طالبؑ کی فضیلت اُن کے قدیم خصوصیات حضرت رسول خداؐصلعم سے قرابت اور ہر خطرے وخوف میں حضرت رسوؐل خدا سے ہمدردی کرنے کا حال لکھا ہے۔ مگر میرے مقابلہ میں تو جو استدلال کرتا ہے اور مجھ میں جو عیب نکالتا ہے وہ اس شخص (علی ابن ابی طالبؑ) کے فضائل کے ذریعہ سے ہے۔ جو تیرے علاوہ ہے تیرے اپنے کسی فضل کے ذریعہ سے نہیں رہے تو میں اس پروردگار کا شکر وحمد بجالاتا ہوں جس نے تجھ سے اس فضل کو ہٹا کر تیرے غیر کو عطا کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم لوگ جن میں تیرے باپ (ابوبکر) بھی شامل تھے علی ابن ابی طالبؑ کے فضائل کو اچھی طرح جانتے تھے اور یہ بھی ہم سب کو معلوم تھا کہ (خلافت کے بارے میں) اُن کا حق ہم پر لازم اور ہمارے لئے ضروری ہے مگر جب خدا نے اپنے رسوؐل کے لئے اس شرف کو پسند کر لیا جو اُس کے ہاں اُن کے لئے مقرر تھا اور حضرؐت سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دیا اور حضرؐت کی دعوت ظاہر اور حجۃ روشن کر کے آپ کو اپنے ہاں بلالیا تو تیرے باپ اور اُن کے فاروق ہی اول وہ لوگ تھے جنھوں نے علیؑ کا حق چھین لیا اور اُن کی خلافت کے متعلق اُن کی مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ اسی بات کو دونوں نے اپنے اتفاق سے طے کیا اور اسی کو دکھایا۔ پھر ان دونوں نے علیؑ کو بلایا کہ ان دونوں کی بیعت کریں مگر علیؑ نے دونوں سے کنارہ کشی کی اور ان کی بیعت میں توقف اور تامل کیا۔ اس پر دونوں نے ان کو مختلف قسم کے ہم وغم میں مبتلا کرنے کا ارادہ کیا اور بڑے بڑے آفات میں ڈالنے کی کوشش کی..... پھر ان دونوں نے خلافت کی تو علیؑ کو اپنے انتظام سے کسی امر میں شریک نہیں کرتے تھے نہ اپنے بھیدوں کی اُن کو خبر ہونے دیتے تھے یہاں تک کہ وہ دونوں دنیا سے چل بسے تو ان دونوں کے تیسرے بزرگ عثمان کھڑے ہوئے اُنھوں نے بھی انھیں دونوں کی روش اختیار کی اور انھیں کی سیرت وطریقہ پر عمل کرنے لگے مگر ان میں تو نے اور تیرے امام (علیؑ) نے عیب گیری کی۔ یہاں تک کہ اس کے بارے میں دور دور کے نافرمان لوگ بھی طمع میں پڑ گئے پھر تم دونوں نے اُن کو آفتوں میں ڈالنا چاہا اور اپنی دشمنی ظاہر کر دی یہاں تک کہ دونوں اپنی مرادوں کو پہنچ گئے۔ پس اے ابوبکر کے بیٹے اپنے بچنے کی راہ اختیار کر اور اپنی بالشت کو اپنی انگلیوں کی درمیانی وسعت پر قیاس کر تو اُس شخص (خود معاویہ) کے مقابلہ اور برابری سے جس کا علم پہاڑوں کے برابر ہے عاجز ہے۔ زور اور دباؤ سے اُن کی

شان گھٹ نہیں سکتی اور کوئی شخص صرف زبانی دعووں سے اُن کے حلم و تحمل کو پا نہیں سکتا۔ اس نے اپنی حکومت کا تخت بچھا لیا اور اپنی سلطنت قائم کر کے اس کو مستحکم بھی کر لیا ہے۔

اب جس مسئلہ (خلافت) میں ہم لوگ بحث کر رہے ہیں، اگر درست ہے تو تیرے باپ (ابو بکر) ہی نے اکیلے اکیلے الگ اس کا انتظام کر لیا اور ہم لوگ تو صرف اُن کے کام میں شریک ہو گئے ہیں کیوں کہ اگر تیرے باپ اس کے قبل ایسا برتاؤ نہیں کئے ہوتے تو ہم بھی علیؑ ابن ابی طالبؑ کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ اس کو اُن کے حوالے کر دیتے مگر ہم نے دیکھا کہ تیرے باپ ہی نے ہم سے پہلے ایسا کیا تو اُنھیں کے مثل ہم نے بھی کیا۔ اب تجھ کو جو عیب لگانا ہو وہ اپنے باپ ہی میں لگا۔ یا اس سے باز آ اور سلام ہو اس پر جو حق کی طرف رجوع کرے۔ (تاریخ مروج الذہب برحاشیہ، تاریخ کامل، جلد ۶ ص ۷۹، مطبوعہ مصر)

خلافت کے متعلق چند محققین یورپ کی رائیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ کلام میں ہم چند محققین یورپ کے خیالات بھی ذکر کرتے چلیں جو اُنھوں نے مسئلہ خلافت پر غیر جانبدارانہ حیثیت سے ظاہر کئے ہیں۔ اصل عبارتیں نقل کرنے کی گنجائش نہیں یہ کتابیں بہت مشہور و معروف اکثر و بیشتر کتب خانوں میں موجود ہیں صرف حاصل ترجمہ ان عبارتوں کا لکھا جاتا ہے:

(۱)۔ آیہ وانذر عشیرتك الاقربین کے نازل ہونے پر حضرت رسولؐ خدا نے جو پورے مجمع سے فرمایا کہ یہ علیؑ میرے وصی اور خلیفہ ہیں اس کا ذکر کرتے ہوئے مشہور مورخ گبن لکھتے ہیں: ''محمد صاحب نے اظہار دعوت میں تامل فرمایا (جب تک کہ فقط چودہ آدمی ایمان لا چکے تھے) لیکن چوتھے برس اُنھوں نے باعلان اپنی رسالت کی طرف عام دعوت فرمائی اور تصدیق وحدانیت کا نور پھیلانے کے خیال سے اُنھوں نے خاندان بنی ہاشم سے چالیس آدمیوں کو مدعو کیا اور اُن کے لئے سامان ضیافت مہیا فرمایا بعدہ ان لوگوں کی جانب مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ اے دوستو اے عزیزو، میں تم لوگوں کے لئے افضل ترین نعمتیں اور دنیا و آخرت کا خزانہ لایا ہوں جس کو میرے سوائے دوسرا شخص نہیں دے سکتا خدا نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اس کی عبادت کی طرف بلاؤں پس کون تم میں سے میرے اس کام میں میرا رفیق اور میرا وزیر ہوگا (پیغمبر صاحب کی) اس بات کا کچھ جواب نہیں دیا گیا یہاں تک کہ وہ حقارت اور شک و تعجب کی خاموشی حضرت علیؑ کی جرأت سے دفع ہوئی جو ایک چہاردہ سالہ نوجوان تھے انھوں نے عرض کی کہ اے نبیؐ میں ہر طرح اس کام میں آپؐ کی مدد اور وزارت کے لئے حاضر ہوں میں آپؐ کے مخالفین کی آنکھیں نکال لوں گا، اُن کے دانت توڑ ڈالوں گا اور اُن کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا، اے نبیؐ میں آپ کی وزارت کے لئے حاضر ہوں۔ محمد صاحب نے علیؑ کی التماس کو جوش کے ساتھ قبول فرمایا اور حاضرین نے ابو طالبؑ کو اپنے لڑکے

کے اس اعلیٰ عزت پانے پر طنزیہ کلمات کہے۔" (دیکھئے کتاب دی ڈکلائن آف رومن امپائر۔ مؤلفہ مسٹر گبن)

(۲)۔مسٹر سڈیو کی رائے۔"اگر قرابت کے لحاظ سے خلافت اور تخت نشینی کا اصول علیؑ کے موافق مانا جاتا تو وہ بربادکن جھگڑے پیدا ہی نہیں ہوتے جنھوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا۔"

(اسپرٹ آف اسلام، از مسٹر سڈیو، مؤرخ فرانس، منقول از تاریخ اسلام، جلد ر ۳، ص ر ۲۶)

(۳)۔انسائیکلو پیڈیا کی رائے۔"رسولؐ کے بعد اسلام کی سرداری اور پیشوائی کا دعویٰ علیؑ کو سب سے زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا۔" (انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، منقول از تاریخ اسلام، ماسٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم دہلوی، جلد ر ۳، ص ر ۲۶)

(۴)۔کتاب مذکور کی ایک اور رائے۔"علیؑ (محمدؐ کے خلیفہ میں ترتیباً چوتھے خلیفہ) تقریباً ۶۰۰ء میں بمقام مکہ پیدا ہوئے۔اُن کے باپ ابوطالبؑ پیغمبرؐ کے چچا تھے۔محمدؐ صاحب نے علیؑ کو گود لیا یعنی متبنّیٰ کیا اور اپنے ہی زیر تعلیم و تربیت رکھا تھا۔ علیؑ لڑکپن ہی میں اول وہ شخص تھے جنھوں نے پیغمبرؐ صاحب کی غرض اور غایت کی اعانت و نصرت میں ناموری حاصل کی جس کے عوض میں پیغمبرؐ صاحب نے علیؑ کو خلیفہ مقرر کر دیا اور چند سال کے بعد اپنی دختر فاطمہؑ کا عقد نکاح علیؑ کے ساتھ کر دیا۔علیؑ نے اپنے تئیں ایک بہادر اور وفادار سپاہی ثابت کر دکھایا۔جب محمدؐ نے بلا کسی اولاد ذکور کے انتقال فرمایا تو علیؑ میں مذہب اسلام کے مسلم الثبوت سردار ہونے کے حقوق معلوم ہوتے تھے لیکن تین دوسرے اصحاب ابوبکر و عمر اور عثمان نے قبل ازیں بہر صورت جائے خلافت پر قبضہ کر لیا اور علیؑ لقب بہ خلیفہ نہ ہو سکے مگر بعد عثمان......سب سے پہلا کام علیؑ کے عہد خلافت میں طلحہ اور زبیر کی بغاوت کا فرو کرنا تھا جنھیں (بی بی) عائشہ نے بہکایا تھا جو علیؑ کی سخت دشمن تھیں اور خاص انھیں کی وجہ سے علیؑ اب تک خلیفہ نہ ہو سکے تھے۔علیؑ ایک بہادر، شریف، سخی اور سابقین میں مذکور ہیں اور اُن سب میں لائق ترین اب فقط علیؑ ہی تھے۔جو کہ خود پیغمبرؐ صاحب کی صحبت سے جوش مذہبی حاصل کر کے آخر عمر تک آں حضرتؐ کی ساری مثال کی پیروی کرتے رہے۔علیؑ علم اور عقل میں مشہور تھے اور اب تک کچھ مجموعے ضرب الامثال اور اشعار کے اُن کی طرف منسوب ہیں۔خصوصاً مقالات علیؑ جس کا انگریزی ترجمہ ولیم بول نے ۱۸۳۲ء میں بمقام اڈنبرا شائع کرا دیا ہے۔(منقول از مہذب مکالمہ، ص ر ۳۴)

(۵)۔ٹامس لائل کی رائے۔"مسٹر ٹامس لائل سابق اسسٹنٹ ڈائریکٹر ٹاپوڈ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بغداد نے اپنی کتاب "انس اینڈ وٹس میسوپٹومیا"، مطبوعہ ۱۹۲۳ء میں لکھا ہے۔"ظاہر ہے کہ اگر اسلام کا پیشوا حسب ہدایت خدا کا کام کرنے والا ہو تو وہ پیغمبرؐ کے خاندان کا ممبر ہونا چاہیے۔علیؑ کی ذاتی شہرت میدان کارزار میں بہادری، پیغمبرؐ کی اطاعت اور سب سے بالاتر پیغمبرؐ سے رشتہ داری (کیوں کہ وہ پیغمبرؐ کے داماد اور چچا زاد بھائی تھے) ان تمام باتوں نے ظاہر کر دیا کہ وہ خدا کے منتخب کردہ امام، نمونہ رسولؐ اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ تھے اور ان کے جانشین اسی قسم کے خدا والے ہونے چاہئیں۔(ترجمہ جناب

مولوی محمد لقاء علی حیدری واعظ، از سنگا پور، ۲۹/مارچ، ۱۹۲۸ء الواعظ لکھنؤ)

(۶)۔سروے آف ہسٹری رائے۔ ''علیؑ ۶۵۵ء میں تخت خلافت پر بٹھائے گئے جو حقیقت کے لحاظ سے ۲۵/سال قبل یعنی رسولؐ کے بعد ہی ہونا چاہئے تھا۔(بریف سروے آف ہسٹری منقول از تاریخ اسلام، جلد، ۳،ص/۲۶)

(۷)۔مسٹر ایرونگ کی رائے۔ ''محمدؐ کی خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور امیدوار علیؑ تھے جن کا دعویٰ سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم اور جن کا حق سب سے زیادہ فطری تھا۔ کیوں کہ محمدؐ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے اور فاطمہؑ سے اُن کی جو اولاد تھی صرف وہی رسولؐ کی یادگار رہ گئی تھی۔''(تاریخ خلفاء محمدؐ از مسٹر ایرونگ،ص/۱۶۵)

(۸)۔مسٹر کارلائل کی رائے۔مسٹر کارلائل واقعہ وانذر عشیرتك الاقربین اور حضرت علیؑ کے اعلان خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں۔''اگر چہ یہ مجمع جس میں علیؑ کا باپ ابوطالبؑ بھی تھا محمدؐ کا دشمن نہ تھا مگر تاہم سب لوگوں کو ایک ادھیڑ عمر کے ان پڑھ اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں مل کر تمام دنیا کے برخلاف کوشش کریں گے ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی اور تمام مجمع قہقہہ لگا کر منتشر ہو گیا مگر ثابت ہو گیا کہ یہ کوئی ہنسی کی بات نہیں تھی بلکہ ٹھیک اور درست تھی۔ یہ نوجوان علیؑ ایسا شخص تھا کہ یقیناً ہر شخص اس کو دوست ہی رکھے گا اور اس امر سے جو اوپر بیان کیا گیا اور نیز اور باتوں سے جو ہمیشہ اس کے بعد اس سے ظہور میں آئیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحبِ اخلاق فاضلہ اور محبت سے بھرپور اور ایسا بہادر شخص تھا کہ جس کی آگ جیسی تیز وتند جرأت کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی، اس شخص کی طبیعت میں کچھ عجیب قسم کی جوانمردی تھی۔ شیر سا تو بہادر تھا مگر باوجود اس کے مزاج میں ایسی نرمی، رحمدلی، سچائی اور محبت تھی کہ ایک کرسچین نائٹ (عیسائی دیندار جوانمرد) کے شایاں ہے۔(کتاب ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ لکچر دوم منقول از کتاب اعجاز التنزیل مؤلفہ جناب خلیفہ محمد حسن صاحب مرحوم سابق وزیر پٹیالہ)

(۹)۔مسٹر ڈیون پورٹ کی رائے۔''محمدؐ صاحب نے مخالفین کی مخالفت کا کچھ خوف نہیں کیا اور دوبارہ چند مہمان خاص اپنی ہی قبیلہ کے جمع کئے اور ان لوگوں کے سامنے بھیڑ کا گوشت اور ایک پیالہ دودھ کا رکھا۔ اس بے تکلف ضیافت کے بعد وہ اُٹھے اور اپنے پاکیزہ عادات اور صفات بیان کر کے اپنی اسپیچ (جس کی فطرتی خوش بیانی یادگار رہے) اس درخواست کے ساتھ ختم کی کہ کون تم میں سے اس بارگراں کے برداشت کرنے میں میری مدد کرے گا اور کون شخص میرا نائب اور وزیر ہوگا؟ جس طرح کہ جناب موسیٰ کے وزیر ہارون تھے۔ کل مجمع تعجب کے ساتھ سکوت میں ہو گیا اور کسی کو اس مجوزہ خطرناک عہدے کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن نوجوان پرزور علیؑ (محمدؐ صاحب کے چچازاد بھائی) نے اُٹھ کر اور للکار کر کہا کہ اے نبیؐ میں آپؐ کا نائب اور وزیر ہوں گا اگر چہ درحقیقت ان لوگوں سے کم سن ہوں اور میری طاقتیں ان لوگوں کے مقابلہ میں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔

اے نبیؐ میں ان لوگوں پر آپ کا خلیفہ بنوں گا۔ یہ سن کر محمدؐ صاحب نے اپنا داہنا ہاتھ اس نوجوان کے گلے میں ڈال کر اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر بآواز بلند کہا کہ: ''دیکھو میرے بھائی اور میرے خلیفہ و وزیر کو۔'' اس طرح آغاز کر کے محمدؐ صاحب نے عام طور سے مکہ میں وعظ کہنا شروع کیا اور روز بروز اپنے معتقدین کی تعداد کو زیادہ کرتے رہے۔

(منقول از کتاب اپالوجی فرام محمد اینڈ دی قرآن۔مؤلف، ڈیون پوٹ صاحب)

(۱۰)۔مسٹر واشنگٹن ایرونگ کی رائے۔''محمدؐ صاحب نے باوجود اپنی پہلی کوشش میں ناکامیاب ہونے کے دوبارہ بنی ہاشم کی ایک جماعت کو اپنے مکان پر جمع کیا اور اُن کی ضیافت کی۔پھر کھڑے ہو کر خدا کے الہامی احکام سے اپنے سلسلہ کے لوگوں کو آگاہ کیا اور بآواز بلند فرمایا کہ اے اولاد عبدالمطلبؑ جس خدا نے تم لوگوں کو افضل ترین نعمتیں عطا کی ہیں اُسی کے نام سے تم لوگوں کو اس دنیا کی برکتیں اور آئندہ کی دائمی خوشیاں بخشتا ہوں۔پس تم میں سے کون شخص میرا بھائی، میرا جانشین اور میرا وزیر ہوگا؟ یہ سُن کر سب لوگ خاموش رہے بعض حیرت زدہ ہو رہے تھے اور بعض بے اعتقادی اور تمسخر سے ہنستے تھے کہ آخر کار علیؑ نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ پیغمبرؐ کے حضور میں عرض کیا کہ اے رسوؐل خدا میں حاضر ہوں۔اس پر پیغمبرؐ صاحب نے اپنا ہاتھ اس نوجوان کی گردن میں ڈالا اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر بآواز بلند فرمایا میرے بھائی میرے وزیر میرے خلیفہ کو دیکھو اور تم لوگ اس کی بات سنو اور اس کی فرمانبرداری کرو۔نوجوان علیؑ کی جرأت اور مستعدی پر قریشیوں نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگا کر اس کمسن خلیفہ کے باپ (ابوطالبؑ) کو اپنے لڑکے کے سامنے جھکنے اور اُس کی فرمانبرداری کرنے پر ملامت کی۔(منقول از کتاب محمد اینڈ ہز سکسیز ر،مولفہ واشنگٹن ایرونگ)

(۱۱)۔مسٹر اوکلی کی رائے۔''محمدؐ تین سال تک لوگوں کو مخفی طور پر حلقۂ اسلام میں داخل کرتے رہے لیکن اس عرصہ کے بعد انھیں حکم ملا (آیہ وانذر عشیرتك الاقربین نازل ہوئی) کہ اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھائیں چنانچہ آپؐ نے علیؑ سے ارشاد کیا کہ اپنے رشتہ داروں کو جن کی تعداد قریب چالیس کے تھی دعوت میں بلائیں اور ان کے سامنے بُھنا ہوا بھیڑ کا بچہ اور دودھ کا ایک بڑا برتن رکھیں جب وہ لوگ کھانے پینے سے فارغ ہوئے تب محمدؐ نے وعظ فرمانا شروع کیا لیکن ابولہب کے بات کاٹ دینے پر آپؐ نے پھر دوسرے روز ویسی ہی ضیافت کے لئے دعوت دی اور جب اس سے فراغت ہوئی تو آپؐ نے ان الفاظ میں ان لوگوں کو مخاطب کیا مجھے نہیں معلوم کہ جو تحفہ میں تمہارے لئے لایا ہوں عرب میں کوئی شخص بھی اس سے بہتر پیش کر سکتا ہے۔میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت دونوں کی بہتری پیش کرتا ہوں خدائے تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی طرف بلاؤں۔اب بتاؤ تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرا وزیر (یعنی میرے بوجھ میں میرا ہاتھ بٹانے والا) میرا بھائی اور میرا خلیفہ ہو۔اس سوال کے جواب میں ایک مہر سکوت تھی جو سب کے لبوں پر لگی رہ گئی کہ دفعتہً علیؑ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا اس خدمت کو میں انجام دوں گا جو لوگ آپؐ کی مخالفت کریں گے میں اُن کے دانتوں کو اکھاڑ ڈالوں گا ان کی آنکھوں کو پھوڑ

ڈالوں گا (نکال لوں گا) ان کے شکموں کو چاک کر ڈالوں گا۔ اُن کے پاؤں کو توڑ ڈالوں گا۔ ان زحمات میں آپؐ کا وزیر بھی میں ہی رہوں گا اس جواب پر خدا کے رسوؐل نے علیؑ کو گلے سے لگا لیا اور پکار کر کہہ دیا کہ دیکھو یہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے تم سب اس کی اطاعت کرتے رہنا۔ (تاریخ عرب مصنفہ اوکلی ص ر ۱۴ و ۱۵)

(۱۲) مؤرخ گلمن کی رائے۔ ''اب محمدؐ نے جیسا کہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے، اپنے حلقہ اثر کو وسیع کرنے کی غرض سے اہل قریش کو کھانے پر بلایا جس سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے انھیں مخاطب فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ کسی عرب نے کبھی اپنے لوگوں کو ایسے بیش بہا فوائد عطا نہیں کئے جیسے میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یعنی اس دنیا میں مسرّت اور آخرت کی دائمی عافیت۔ اللہ نے مجھے مامور کیا ہے کہ لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں اب تم میں سے کون ہے جو اس مقدس کام میں میری شرکت کرے تا کہ وہی میرا بھائی اور خلیفہ ہو۔ تمام مجمع میں ایک سنّاٹا چھا گیا یہاں تک کہ علیؑ جو ان سب میں چھوٹے تھے۔ جوش میں چلّا اُٹھے اے اللہ کے رسوؐل میں حاضر ہوں۔ میں آپؐ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔ اس جواب پر محمدؐ نے علیؑ کو گلے سے لگا لیا اور لوگوں سے پکار کر کہا دیکھو یہی میرے بھائی میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ تم لوگ ان کی باتیں بغور سننا اور ان کے حکموں کو مانتے رہنا۔'' (تاریخ عرب، مصنفہ گلمن، ص ۸۲ و ۸۳)

(۱۳) مسٹر ٹایٹلر کی رائے۔ ''آنریبل مسٹر ٹایٹلر اپنی کتاب جنرل ہسٹری میں لکھتے ہیں ''محمدؐ نے خود ہی اپنے داماد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا دیا تھا لیکن آپؐ کے خسر ابو بکر نے لوگوں کو اپنی سازش میں لے کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔''

(ایلیمنٹس آف جنرل ہسٹری از آنریبل مسٹر ٹایٹلر، مطبوعہ ۱۸۵۱ء ص ر ۲۲۹)

(۱۴)۔ مسٹر ڈیون پورٹ کی رائے۔ مسٹر موصوف اپنی انگریزی کتاب خلافت میں لکھتے ہیں۔ ''ان دونوں فرقوں سُنّی و شیعہ میں سے ایک نے اُن کے عم زاد بھائی اور داماد علیؑ سے جیسا کہ کمال انصاف وحمیت کا مقتضا ہے تولاّ رکھی بایں نظر کہ آں حضرؐت اُن سے ہمیشہ محبت اور الفت علانیہ رکھتے تھے اور چند مرتبہ اُن کو اپنا خلیفہ بھی ظاہر کر دیا تھا خاص کر دو موقعوں پر (۱)۔ ایک جب آں حضرؐت نے اپنے گھر میں بنی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علیؑ نے باوصف تمسخر و توہین کفار اپنا ایمان قبول کرنا ظاہر کر دیا تھا جس پر حضرؐت نے اپنی باہیں اس جوان کے گلے میں ڈال کر اس کو چھاتی سے لگا لیا اور بآواز بلند کہا '' دیکھو میرے بھائی میرے وصی اور میرے خلیفہ کو۔ (۲)۔ اور دوسرے جب آں حضرؐت نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر بحکم خدا خطبہ پڑھا تھا اور وہ حکم جس کو جبریل آں حضرؐت کے پاس لائے تھے اور یوں کہا تھا کہ اے پیغمبرؐ بایں خدا کی طرف سے آپؐ پر رحمت اور

۱۔ ۱۸ر ذی الحجہ ۱۰ سنہ ہجری کو۔ ۱۲

صلوٰۃ لایا ہوں اور اس کا حکم آپؐ کے پیروؤں کے نام جس کو آپؐ بغیر تاخیر سنا دیجئے اور شریروں سے کوئی خوف نہ کیجئے اس واسطے کہ وہ خدا توانا ہے اور آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ بموجب اس حکم کے آں حضرتؐ نے اس سے کہا کہ لوگوں کو جمع کرے جس میں آں حضرتؐ کے پیرو اور یہودی اور نصرانی اور مختلف باشندے بھی حاضر ہوں۔ یہ جمیعت ایک گاؤں کے پاس جمع ہوئی جسے غدیرِ خم کہتے ہیں جو نواح شہر جحفہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے پہلے اس مقام کو کل مواقع سے صاف کیا گیا اور ۱۰/اپریل ۶۳۱ء کو وہ حضرتؐ ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں اُن کے لئے تیار کیا گیا تھا اور جبکہ ہزاروں حاضرین نہایت توجہ سے سنتے تھے۔ ایک خطبہ حضرتؐ نے بڑی شان وشوکت اور فصاحت و بلاغت سے پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔ تمام حمد وثنا اس یکتا خدا کو ہے جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا اس کا علم گزشتہ وحال وآئندہ پر شامل ہے اور اس کو آدمیوں کے نہایت پوشیدہ اسرار تک معلوم رہتے ہیں اس لئے کہ اس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی اگرچہ وہ بے قیاس بعید ہے جب بھی ہم سے نہایت درجہ قریب ہے۔ وہی وہ ہے جس نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ اُن میں ہے سب کو پیدا کیا۔ وہی ذات غیر فانی ہے اور جو کچھ ہے سب اس کی قدرت واختیار کے تابع ہے مگر اس کی رحمت وفضل سب کو شامل ہے جو کچھ اس سے سرزد ہوتا ہے اس میں مصلحت ہوتی ہے وہ اپنے عقاب میں تاخیر کرتا ہے اور اس کا سزا دینا بھی رحمت سے خالی نہیں ہے اس کی ذات کا بھید ممکنات کو معلوم نہیں ہے اور وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا کہ کوئی اس کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکتا۔ آفتاب وماہتاب اور باقی اجرام سماوی اسی کے حکم سے اپنی راہ پر جو اُسی نے مقرر کر دی ہے چلتے ہیں۔ امابعد اے لوگو! میں صرف بندۂ محکوم ہوں اور مجھ کو حق تعالیٰ کا حکم ہوا ہے اور میں اس کی تعمیل میں سر نیاز بکمال خضوع وادب جھکاتا ہوں۔ تین دفعہ جبریل میرے اوپر نازل ہوئے اور تینوں دفعہ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے سب پیروؤں سے خواہ وہ گورے ہوں خواہ کالے، یہ ظاہر کروں کہ علیؑ میرے خلیفہ اور وصی اور امام ہیں اور میرے گوشت وخون ہیں اور میرے لئے ایسے ہیں جیسے ہارون موسیٰ کے لئے تھے اور بعد میری وفات کے وہ تمہارے ہادی ہوں گے اور جب میں اس دنیا سے رحلت کروں تو میرے پیروؤں کو ان کی فرمانبرداری ایسی کرنی چاہئے جیسی میری فرمانبرداری کرتے تھے جبکہ میں تم میں تھا۔ سنو! جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اُس نے خدا اور رسوؐل کی نافرمانی کی۔ اے لوگو! یہ خدا کے احکام ہیں علیؑ نے مجھ سے وہ سب وحیاں سیکھی ہیں جو وقتاً فوقتاً مجھ پر نازل ہوتی رہی ہیں۔ جو اس حکم کو نہیں مانے گا اللہ کی دائمی لعنت اس کے سر پر ضرور رہے گی۔ جو علیؑ کا حکم نہ بجالائے گا۔ خدا نے قرآن کے ہر سورہ میں علیؑ کی تعریف کی ہے۔ میں دوبارہ کہتا ہوں کہ علیؑ میرے چچا کے بیٹے اور میرے گوشت وخون ہیں اور خدا نے اُن کو نہایت نادر خوبیاں عنایت کی ہیں۔ علیؑ کے بعد اُن کے بیٹے حسنؑ وحسینؑ اور اُن کے جانشین ہونگے۔ اس خطبہ کے تمام ہونے پر ابوبکر وعمر وعثمان، ابوسفیان اور

دوسرے صحابہ نے علیؑ کے ہاتھ چومے اور اُن کو جانشین آں حضرت ہونے کی مبارک باد دی اور اقرار کیا کہ اُن کے تمام احکام کو سچے طور سے بجالائیں گے۔ ۶۳۲ء میں صرف تین دن قبل انتقال آں حضرت نے پھر اپنے تمام اصحاب کو قسم اُن عقیدوں کے بمزید تاکید اس بات پر دی کہ آپؐ کے آل سے زیادہ تر خاص کر ہمیشہ محبت رکھیں اُن کی عزت وتوقیر کریں بڑے شدومد سے آپؐ نے یوں فرمایا جو مجھ کو مولا مانتا ہو وہ علیؑ کو بھی اپنا مولا سمجھے اللہ تائید کرے اُن کی جو دوستی رکھتے ہیں علیؑ سے اور غضب کرے اُن پر جو اُن کے دشمن ہیں۔ ایسے مکرر اور مصرح بیانات سے جو خدا اور رسوؐل کے لبوں سے ہوئے تھے ایک وقت تک ہر قسم کا شک وشبہ امر خلافت کے متعلق جاتا رہا تھا مگر آخر میں سب کو مایوسی ہوئی کہ بی بی عائشہ ابوبکر کی بیٹی اور آں حضرت کی زوجہ ثانیہ نے کچھ اپنے ساز و باز کر کے اپنے باپ کو پہلا خلیفہ لوگوں سے مقرر کرالیا۔ ملک الموت کے انتظار میں آنحضرت کا عائشہ کے حجرے میں جانا خواہ آپؐ کی مرضی سے ہوا ہو یا بی بی عائشہ کے حکم سے خاص کر اُن کے مفید مطلب بات ہوگئی کہ آنحضرت کا حکم دربارۂ خلافت علیؑ لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔ پس علی العموم یہ سمجھا گیا کہ رسوؐل نے بغیر اپنے جانشین کے متعلق آخری وصیت کئے ہوئے انتقال کیا۔ اور اس طرح یہ بات ہوئی کہ تین خلیفوں نے پیہم راج کیا قبل اس کے کہ علیؑ اپنے حق کو پہنچیں جس کے وہ اس قدر مستحق تھے۔ نہ صرف بلحاظ قرابت وزوجیت فاطمہؑ دختر رسوؐل کے بلکہ نیز بلحاظ ان بے شمار اور بڑی خدمتوں کے جو اُنھوں نے مذہب اسلام پر کیں۔ یہ بھی یقین ہے کہ شاید بی بی عائشہ کی اس تدبیر کے باعثوں میں اسے ایک خدمت فرزندی ہو کہ اپنے باپ کے خلیفہ ہونے میں اعانت کی۔ مگر بے شک وشبہ نہایت قوی باعث اس کا بغض وکینہ دیرینہ علیؑ کی طرف سے تھا جس کا سبب معاملہ افک تھا........ اس میں علیؑ کی یہ رائے کہ بی بی عائشہ کی تحقیقات کی جائے اس کو وہ کبھی نہ بھولیں اور کبھی اس کو درگذر نہ کیا بلکہ ہمیشہ اس کے بدلے میں علیؑ کو ستایا کیں اور ایسا انتقام لیا کہ مثل اس کے کسی نے نہ لیا ہوگا۔

اس کے بعد مسٹر ڈیون پورٹ سقیفہ میں حضرت ابوبکر کے خلیفہ بننے کی روایت اور حضرت عمر کے حضرت فاطمہؑ کا گھر پھونکنے کی دھمکی دینے کا حال لکھ کر کہتا ہے ”عمر کے اس طرح جری بلکہ بے محابا کردار کا باعث بے شک یہ خیال ہوا کہ ابوبکر چونکہ سن رسیدہ ہیں اس سبب سے رسوؐل اللہ کے بعد غالباً بہت دن زندہ نہیں رہیں گے انھوں نے امید کی کہ ٹھیک ترکیب سے وہ خود ابوبکر کے خلیفہ ہو جاسکتے ہیں بشرطیکہ علیؑ کو خارج کرسکیں وہی ایک مدمقابل تھے جن سے اُن کو کسی وجہ سے خوف کرنا پڑتا تھا۔

(منقول از تاریخ اسلام، جلد ۳ ص ۲۵)

فصل سوم

ضبطی میراث پیغمبرؐ

یہ واقعہ تاریخ اسلام کا وہ دردناک المیہ اور امیر المومنینؑ و اہل بیتؑ کے مصائب کی وہ روح فرسا داستان ہے جس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ دختر پیغمبرؐ اور دختر بھی وہ جو آئینہ کمالات پدر دختر تھی۔ پیغمبرؐ نے جنھیں خواتین عالم کا سردار۔ جنت کی عورتوں کی سرتاج فرمایا تھا جن کی رضا کو اپنی رضا جن کی ناراضی اپنی ناراضی قرار دی تھی۔ وہ پارہ جگر پیغمبرؐ کی حکومت و سلطنت کا نہیں بلکہ باپ کی میراث باپ کے ترکہ کا دربار خلافت میں سوال کرتی ہے۔ دنیا میں سبھی اولاد اپنے باپ کی میراث پاتی ہے کوئی روکنے والا نہیں لیکن سیدہؑ کے مطالبۂ میراث پدر پر جو جواب ملتا ہے اس نے قابضان خلافت کے دلوں کا حال آئینہ کر دیا۔

بخاری و مسلم جناب عائشہ کے سلسلہ سے روایت کرتے ہیں:

ان فاطمه بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارسلت الی ابی بکر تساله میراثها من رسول الله فقال ابوبکر ان رسول الله قال لا نورث ماتر کناه صدقة قالت عائشه فابی ابوبکر ان یدفع منه شیئا فوجدت فاطمة علی ابی بکر فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت و عاشت بعد النبی ستة اشهر فلما توفیت دفنها زوجها علی لیلا (بوصیة منها) ولم یوذن بها ابوبکر۔

(صحیح بخاری، پارہ/۱۳ص/۲۷، غزوہ خیبر، صحیح مسلم، جلد/۲ ص/۷۲، باب قول النبی لانورث مسند احمد، جلد اول ص/۶)

فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ نے ابو بکر کے پاس کسی سے کہلا بھیجا کہ پیغمبرؐ کی میراث مجھے دی جائے۔ ابو بکر نے جواب دیا کہ پیغمبرؐ کہہ چکے ہیں کہ میرا کوئی وارث نہیں ہوگا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ عائشہ کہتی ہیں کہ ابو بکر نے ایک حبہ بھی میراث پیغمبرؐ فاطمہؑ کو نہ دیا اس سے فاطمہؑ ابو بکر سے بے حد ناراض ہوگئیں اور اُن سے بات تک کرنے کی روادار نہ ہوئیں مرتے دم تک اُن سے نہ بولیں اور وہ پیغمبرؐ کے بعد چھ مہینے تک زندہ رہیں۔ جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان کے شوہر علیؑ نے انھیں شب میں دفن کر دیا کیوں کہ فاطمہؑ نے اس کی وصیت کی تھی اور ابو بکر کو خبر تک نہ کی۔

اس حدیث میں صاف صاف لفظوں میں صراحت ہے کہ جناب معصومہؑ حضرت ابوبکر سے رنجیدہ ہوئیں، اُن پر غضبناک رہیں، اُن سے مرتے دم تک بات نہیں کی۔آپؑ کا غیظ وغضب کوئی ایک مرتبہ کا نہ تھا بلکہ کئی مرتبہ خاطر اقدس کو ملال پہنچا اور آپ مستقل طور پر ابوبکر سے اس واقعہ کے بعد برہم رہیں۔

جب حضرت ابوبکر نے مطالبہ میراث پدر کو اس حدیث سے ٹھکرادیا جسے نہ کسی نے سنا نہ کسی نے روایت کی بلکہ خود حضرت ابوبکر ایک اکیلے اس کے سننے والے اور روایت کرنے والے ہیں تو جناب معصومہؑ نے چادر اوڑھی سر پر برقعہ ڈالا خاندان کے بچوں اور عورتوں کے ساتھ اس طرح برآمد ہوئیں کہ آپؑ کی چادر زمین پر خط کھینچتی جاتی تھی اور رفتار پیغمبرؐ کی رفتا کا منظر آنکھوں کے سامنے پیش کر رہی تھی۔آپؑ ابوبکر کے پاس پہنچیں اور وہ مہاجرین وانصار کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے جب پہنچیں تو آپ کے اور مجمع کے درمیان چادر کھینچ دی گئی آپؑ نے ایک گہری آہ کھینچی جس پر وہاں بیٹھے ہوئے لوگ ڈاڑھیں مار کر رونے لگے۔مجمع میں تہلکہ مچ گیا آپؑ نے ان لوگوں کو تھوڑی دیر کا وقفہ دیا ہوا تو آپؑ نے خداوند عالم کی مدح وثنا سے اپنی تقریر شروع کی ہم اس تقریر کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔

حقیقی حمد مخصوص ہے خدا کے لئے اس نے نعمتیں عطا فرمائیں اور اس کے لئے شکر ہے کہ اس نے ہمیں کو نیک و بد کی تمیز بخشی اور اسی کے لئے ثناء ہے کہ اس نے اپنی نعمتیں عام کیں بغیر استحقاق کے اور بندوں کو اپنی کامل نعمتوں سے بہرہ اندوز فرمایا اور پورا انعام لگاتار وارد فرمایا۔اتنی نعمتیں جن کا شمار ناممکن ہے اور ایسی نعمتیں جن کی مدت اوقات شکر سے کہیں زیادہ ہے اور جن کی ہمیشگی کا ادراک انسان کے بس سے باہر ہے۔خدا نے اپنے بندوں کو شکر کر کے نعمتیں زیادہ کرانے کی طرف رغبت دلائی تاکہ نعمتیں مسلسل رہیں اور کے جزیل ہونے کی وجہ سے مخلوقات پر اپنی حمد کی فرمائش کی اور پھر انھیں دنیوی نعمتوں کی طرح آخرت کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی جانب مائل فرمایا۔میں گواہی دیتی ہوں کہ کوئی معبود حقیقی نہیں ہے مگر اللہ وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں یہ کلمۂ توحید وہ کلمہ ہے جس کی تاویل خدا نے صفت اخلاص کو قرار دیا یعنی جو شخص خالص خدا کے لئے بغیر ریا اور فاسد غرضوں کے لئے اعمال بجالائے درحقیقت وہی کلمۂ توحید کا قائل ہے اور معتقد ہے۔ اور کلمہ کے مطلب کو عقلوں کے لئے لازم قرار دیا کہ اس تک پہنچیں اور اس کلمہ کے حاصل معنیٰ کو دلیل و برہان کے ذریعہ قوت فکریہ کے لئے واضح اور روشن کر دیا۔ایسا خدا جس کی رویت ان ظاہری آنکھوں سے محال ہے۔نہ تو زبانیں اس کا وصف بیان کرسکتی ہیں اور نہ وہم اس کی کیفیت پاسکتا ہے۔اس نے اشیا کو بغیر کسی ایسی

شے کے پیدا کیا جو اس کے قبل رہی ہو اور عالم کو وجود میں لایا بغیر کسی ایسی مثال کے جسے پیدا کرتے وقت پیش نظر رکھا ہو ان چیزوں کو اس نے اپنی قدرت سے خلق فرمایا اور اپنی مشیت سے پیدا کیا۔ حالانکہ اس کو ان چیزوں کے پیدا کرنے کی حاجت نہ تھی اور نہ ان چیزوں کو صورت وجود عطا کرنے میں اس کا کوئی فائدہ تھا۔ صرف اس لئے پیدا کیا کہ عقل والوں کو اس کی حکمت کا ثبوت سے۔ اور اس کی اطاعت اور ادائیگی شکر کی طرف متوجہ ہوں۔ خدا کی قدرت کا اقرار کریں اور پیغمبروں کو اس کی طرف بلانے میں غلبہ حاصل ہو۔ پھر اس نے اپنی اطاعت پر ثواب مقرر کیا۔ اور معصیت پر سزا قرار دی تا کہ اپنے بندوں کو اپنے عذاب سے بچائے۔ کر جنت کی طرف لے جائے اور میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے پدر بزرگوار محمدؐ اس کے بندے ہیں۔ جنھیں اس نے رسولؐ بنا کر بھیجنے سے پہلے ہی مختار و ممتاز بنالیا۔ اور انھیں مبعوث کرنے سے پہلے ہی انبیاء کو ان کے نام سے آگاہ کر دیا تھا اور انھیں درجہ رسالت پر فائز کرنے سے پہلے ہی اصطفا کی منزل پر فائز کر دیا تھا جبکہ ساری مخلوق غیب کے حجاب میں پوشیدہ اور عدم کے ہولناک پردوں میں محفوظ تھی اور حد عدم سے وابستہ تھی۔ یہ سب اس لئے تھا کہ خداوند عالم کو انجام امور کی خبر تھی اور زمانہ کے حوادث کو اس کا علم محیط کئے ہوئے تھا۔ اور مقدورات کے موقع اس کے علم کے اندر تھے۔ آنحضرتؐ کو خداوند تعالیٰ نے اپنے امر ہدایت کو تمام کرنے، اپنے حکم کو جاری کرنے کی مضبوطی اور حتمی و طے شدہ مقدورات کو نافذ کرنے کے لئے مبعوث فرمایا۔ اُسے معلوم تھا کہ امتیں مذاہب میں متفرق ہوگئی ہیں۔ کچھ لوگ آتش پرستی پر مائل ہیں۔ کچھ لوگ بتوں کو پوج رہے ہیں۔ اور کچھ لوگ باوجود خدا کی ہستی کے علم کے اُس کے منکر ہیں۔ پس خداوند تعالیٰ نے میرے پدر بزرگوار محمد مصطفیؐ کے ذریعہ سے امتوں کی بے دینی کی تاریکیاں دور کیں عقلوں کی مشکلیں حل فرمائیں اور بصیرت کی آنکھوں پر سے پردے ہٹا دیئے۔ آں حضرتؐ نے انسانوں میں ہدایت کا کام انجام دیا اور انھیں گمراہی سے رہا کیا۔ ضلالت سے ہٹا کر ہدایت کی راہ دکھائی۔ دین قیم کی جانب ان کی رہبری کی۔ اور صراطِ مستقیم کی طرف انھیں بلایا اور پھر خداوند تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مہربانی سے ان کے اختیار، رغبت و ایثار کے ساتھ اپنی طرف بلالیا چنانچہ وہ جناب دار دنیا کی زحمتوں سے نکل کر راحت و آرام میں پہنچ گئے۔ انھیں ملائکہ برابر گھیرے رہتے ہیں۔ رب غفار کی رضا اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ وہ ملک جبار کی ہمسائگی سے بہرہ اندوز ہیں۔ خداوند تعالیٰ درود نازل کرے میرے پدر بزرگوار پر جو اس کے پیغمبرؐ اور اس کی وحی پر اس کے امین تھے اور اس

کی مخلوقات میں اس کے برگزیدہ منتخب اور پسندیدہ تھے، ان پر خدا کا سلام، اس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

پھر جناب فاطمہؑ اہل مجلس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اور فرمایا اے بندگانِ خدا تم تو خدا کے امر و نہی کے بجالانے کے لئے منصوب و مقرر ہو۔ اور اس کے دین و وحی کے حامل ہو اور اپنے نفوس کے اوپر اس کے امین ہو، دوسری امتوں کی طرف خدا کی جانب سے مبلغ ہو۔ تم دوسری امتوں میں ضامن اور کفیل ہو اس عہد حق کے اور وصیت کے جو خدا نے تم سے کیا ہے اور اس بقیہ کے جن کو تم پر بعد رسولؐ ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اور وہ حق اور بقیہ خدا کی کتاب ناطق اور قرآن صادق ہے۔ نور ساطع اور ضیاء لامع ہے، اس کی بصیرت کے امور بین اور اس کے اسرار و رموز منکشف اور آشکار ہیں۔ اُس کے ظواہر ہویدا اور جلی ہیں۔ اُس کا اتباع کرنے والے قابل رشک ہیں۔ اور اس کی پیروی رضوانِ خدا تک پہنچانے والی ہے اور اس کو توجہ سے سننا نجات تک کھینچ کر لے جاتا ہے۔ اسی قرآن کے ذریعہ خدا کی منور حجتیں پائی جاتی ہیں۔ بیان کئے ہوئے واجبات معلوم ہوتے ہیں اور ان محرمات کی اطلاع ہوتی ہے جس سے خوف دلایا گیا ہے۔ اور اسی قرآن سے خدا کے مقرر کردہ مستحبات معلوم ہوتے ہیں جن کی رغبت دلائی گئی ہے۔ اور اُن مباح باتوں کا پتہ چلتا ہے جنھیں خدا نے بندوں کے لئے حلال کر دیا ہے اور شریعت کی مقرر کردہ باتوں کا پتہ چلتا ہے پس خداوند تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے شرک سے پاک ہونے کا وسیلہ ایمان کو اور تکبر سے بری ہونے کا سبب نماز کو بنا دیا ہے۔ زکوٰۃ کو نفس کی پاکیزگی اور رزق کی زیادتی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اور روزہ اس لئے واجب کیا کہ دین میں مضبوطی زیادہ ہو۔

عدل و انصاف کو دلوں کی تنظیم ہماری اطاعت کو ملت اسلام کا نظام اور درستی اور ہماری امامت کو تفرقہ کی بلا سے بچنے کے لئے امان قرار دیا۔ جہاد کو اسلام کی عزت اور اہل کفر و نفاق کی ذلت کا ذریعہ بنایا۔ مصیبت میں صبر کرنے کو تحصیل اجر میں مددگار اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں عوام الناس کے لئے مصالح ودیعت فرمائے۔ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کو اس لئے واجب کیا کہ غضب خدا سے حفاظت رہے۔ صلۂ رحم اس لئے مقرر کیا کہ عمریں بڑھتی رہیں۔ قصاص اس لئے قرار دیا کہ خوں ریزی رک جائے نذر وفا کرنے کی راہ اس لئے نکالی کہ بندوں کی نصرت مقصود تھی۔ پیمانہ اور وزن پورا کرنے کا حکم اس لئے واجب کیا کہ نحوست دور رہو۔ شراب پینے کی ممانعت اس لئے کی کہ بُرے اخلاق سے بندے پاک رہیں۔ زنا کا بے جا الزام لگانا اس لئے

ممنوع قرار دیا کہ لعنت کے سامنے ایک حجاب اور مانع پیدا ہو جائے۔ چوری کرنے کو اس لئے ممنوع قرار دیا کہ دوسروں کے مال میں بے اجازت تصرف کرنے سے لوگ اپنے تئیں پاک رکھیں۔ خدا نے شرک کو اس وجہ سے حرام کیا کہ اس کی ربوبیت کا اقرار خالص رہے۔ لہٰذا خدا سے ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے اور یہ کوشش کرو کہ جب مرو تو مسلمان ہی مرو۔ اور خدا کی اطاعت کرو اوامر میں۔ اور جن امور سے منع کیا ہے اُن سے باز رہو بے شک خدا سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں علماء ہی ہیں۔

پھر حضرت فاطمہؑ نے فرمایا (سلام ہو ان پر) اے لوگوں جان لو کہ میں فاطمہؑ ہوں۔ میرے والد محمد مصطفیٰؐ ہیں۔ جو بات میں تم سے پہلے کہہ رہی ہوں وہی آخر تک کہتی رہوں گی۔ اور میں جو کہتی ہوں وہ غلط نہیں کہتی۔ اور اپنے فعل میں حد سے تجاوز نہیں کرتی۔ یقیناً ہمارے پاس خدا کا وہی رسولؐ آیا ہے جو تم ہی لوگوں میں سے ہے۔ اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اُٹھاؤ اور اُسے تمہاری بہبودی کا ہوکا ہے۔ ایمان داروں پر حد درجہ شفیق اور مہربان ہے۔ پس اگر تم ان کی طرف کسی کو نسبت دو اور ان کا تعارف کراؤ تو تم ان کو میرا باپؐ پاؤ گے نہ کہ اپنی عورتوں کا اور میرے ابن عم (علی ابن ابی طالبؑ) کا بھائی پاؤ گے۔ نہ اپنے مردوں میں سے کسی کا۔ اور وہ جناب بہترین شخص ہیں جن کی طرف نسبت کی جائے۔ پس حضرتؐ نے خدا کا پیغام بہت اچھی اور پوری طرح پہنچا دیا اس طرح کہ خدا سے ڈرانے میں پوری وضاحت سے کام لیا۔ اور مشرکوں کے مسلک سے بالکل علحٰدہ اور مخالف راہ نکالے ہوئے تھے۔ مشرکوں کے مسلک کی مختار چیزوں پر ضرب کاری لگا رہے تھے۔ اور ان کا ناطقہ بند کئے ہوئے تھے۔ اور اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ دعوت دے رہے تھے۔ بتوں کو توڑ رہے تھے اور اہل شرک کے سرداروں کو نگوں کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ گروہ مشرکین کو شکست ہوئی اور وہ پیٹھ پھیر کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ جہالت کی رات ختم ہوئی۔ ہدایت کی صبح نے جلوہ دکھایا اور حق اپنی خالص شکل میں نمودار ہوا۔ دین کا ڈنکا بولنے لگا اور شیطانوں کے ناطقے گم ہو گئے۔ کفر اور بے دینی کی گرہیں کُھل کر رہ گئیں اور تم نے چند روشن نسب اور گرسنہ (روزہ دار لوگ) یعنی اہلبیت رسولؐ کے درمیان زبان پر کلمۂ ہدایت جاری کیا۔ درانحالیکہ تم جہنم کے کنارے پر تھے۔ ایسے بے حقدار جیسے پینے والے کا ایک گھونٹ طمع کرنے والے کا ایک چلّو اور عجلت کرنے والے کی ایک چنگاری۔ اور ایسے ذلیل تھے جیسے پیر تلے کی خاک۔ گندہ پانی پیتے تھے اور بے دباغت کی ہوئی کھال چباتے تھے۔

ذلیل تھے اور دھتکارے ہوئے تھے اور ڈر رہے تھے کہ وہ لوگ جو تمہارے ارد گرد ہیں تم کو ہلاک نہ کر ڈالیں ایسے وقت پر خداوند عالم نے تم لوگوں کو میرے پدر بزرگوار محمد مصطفےٰؐ کے ذریعہ سے ان فکروں سے نجات دی۔ ان چھوٹی بڑی بلاؤں کے بعد اور بعد اس کے کہ بہادروں کے ساتھ ان کی آزمائش کی گئی۔عرب کے ڈاکوؤں اور اہل کتاب کے سرکشوں سے آں حضرتؐ کو سابقہ پڑا تھا۔جب کبھی ان لوگوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی۔خدا نے اسے خاموش کر دیا۔یا جب کبھی شیطان نے سر اُٹھایا مشرکوں کی شرارت کے اژدہے نے مُنہ کھولا تو آں حضرتؐ نے اپنے بھائی علیؑ ہی کو اس بلا کے منہ میں بھیجا۔پس اس بہادر علیؑ کی شان یہ تھی کہ وہ اس وقت تک نہ پلٹا کہ جب تک اپنے پیروں تلے ان بلاؤں کے سر نہ کچل دیئے اور فتنے کی آگ نہ بجھادی۔وہ خدا کے بارے میں مشقت برداشت کرنے والا تھا اور امر خدا میں پوری کوشش کرنے والا تھا اور ہر بات میں رسول خداؐ سے قریب تھا۔اولیاء خدا کا سردار، ہدایت پر کمر بستہ، بندگان خدا کا ناصر، مفید باتیں پیش کرنے والا اور کوشش اور سعی بلیغ کرنے والا تھا۔اور تم لوگ زندگی کی خوشگوار حالت میں پڑے ہوئے تھے۔اطمینان اور خوش طبعی کی حالت میں، بے خوف زندگی بسر کر رہے تھے۔ہم پر مصیبتیں آپڑنے کی آرزو کرتے تھے اور ہمارے لئے فتنوں اور مصیبتوں کی اُمید رکھتے تھے، تم لوگ جنگ کے موقعوں پر پسپا ہو جاتے اور میدان جنگ سے بھاگ جاتے تھے۔پس جب خداوند عالم نے اپنے پیغمبرؐ کے لئے گذشتہ انبیاء کے گھر اور اپنے اصفیا کے مسکن کو پسند فرمایا تو آں جناب کو دنیا سے اُٹھا لیا۔تم لوگوں میں نفاق اور دشمنی ظاہر ہوئی۔دین کی چادر بوسیدہ ہوگئی۔گمراہوں کی زبان کُھل گئی۔اور گمنام اور ذلیل لوگ اُبھر گئے اور باطل پرستی کا اونٹ بولنے لگا۔اس نے تم لوگوں کے صحن میں اپنی دُم ہلانی شروع کر دی۔شیطان نے اپنے گوشے سے سر نکالا۔اُس نے تمہیں بلانے کے لئے آواز دی۔اور اس آواز پر تم کو لبیک کہتا ہوا پایا۔اپنے قریب کی طرف تم کو نگراں دیکھ لیا۔پھر اس نے تم کو اپنی فرمانبرداری کے لئے اُٹھنے کا حکم دیا۔تو تمہیں فوراً تیار ہونے والا پایا اور تمہیں بھڑکایا تو اپنی مدد میں تمہیں غضبناک اور تند پایا۔لٰہذا تم نے اپنے اونٹ کے بدلے دوسرے کے اونٹ کو داغا۔اور اپنا گھاٹ چھوڑ کر دوسرے کے گھاٹ پر پانی پلایا یعنی جو دوسرے کا حق تھا اُسے زبردستی اپنا حق بنالیا درانحالیکہ تم سے رسولؐ کے عہد و پیمان کا وقت قریب تھا۔اور اُن کی خدائی کا زخم ہرا تھا۔جراحت مندمل نہ ہوئی تھی اور رسولؐ خدا دفن تک نہ ہوئے تھے کہ شیطانی کاموں کی طرف تم نے سبقت

کی۔ یہ گمان کر کے کہ فتنہ کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ حالانکہ یہ گمان غلط تھا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ منافقین پھر بھی فتنے میں جا گرے ہیں۔ اور جہنم بے شک کافروں کا گھیر نے والا ہے تم سے سخت تعجب ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے اور تم کہاں حق سے منہ موڑے ہوئے چلے جا رہے ہو۔ یہ خدا کی کتاب تمہارے درمیان موجود ہے اس کے امور ظاہر ہیں۔ اس کے احکام روشن ہیں اور اس کی نشانیاں واضح ہیں۔ اس کی تنبیہیں صاف و علانیہ ہیں اور اس کے اوامر آشکار ہیں۔ ایسی کتاب کو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ کیا اس سے نفرت کر کے پیٹھ پھیرتے ہو۔ یا غیر قرآن کے ساتھ احکام جاری کرنے پر تیار ہو گئے ہو۔ ظالموں کے لئے ان کے ظلم کا بہت بُرا بدلہ ہے اور جو شخص کہ اسلام کے سوا کسی اور طریقے پر چلے گا تو وہ اس سے قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہو گا۔ پھر تم نے اتنی بھی تاخیر نہ کی کہ فتنہ کا ہیجان ذرا کم ہو جاتا اور اس پر قابو پانا ذرا آسان ہو جاتا بلکہ تم نے پھر آگ کو اور زیادہ بھڑکانا شروع کر دیا۔ اور اس کی چنگاریاں تیز کرنے لگے۔ شیطان گمراہ کی آواز پر لبیک کہے دین روشن کے نور بُجھانے اور پیغمبرؑ برگزیدہ کی سنتوں کو محو کرنے پر تیار ہو گئے۔ بظاہر تم نے اسلام اختیار کر رکھا ہے اور در اصل باطن میں نفاق ہے۔ رسوؐل خدا کے اہلبیتؑ اور اولاد کے خلاف گنجان درختوں اور جھاڑیوں میں چھپ کر چال چلنے لگے۔ اور ہم لوگ تمہارے افعال پر یوں صبر کرنے لگے جیسے کوئی چُھری کی کاٹ نیزے کے سینے میں پیوست ہونے پر صبر کرتا ہے۔ اور اب تم یہ گمان کرنے لگے ہو کہ مجھ کو اپنے پدر بزرگوار کے ترکہ میں کوئی حق وراثت نہیں ہے۔ کیا تم جاہلیت کے احکام پسند کرتے ہو۔ خدا سے بہتر حکم کرنے والا یقین رکھنے والی قوم کے لئے اور کون ہے کیا تم نہیں جانتے نہیں۔ بیشک تم جانتے ہو اور تمہارے لئے یہ امر آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ میں پیغمبرؑ کی بیٹی ہوں۔ کیوں مسلمانو کیا تم اس پر راضی ہو کہ میری میراث مجھ سے چھین لی جاوے اور اے ابو قحافہ کے بیٹے یہ کتاب اللہ میں ہے کہ تو اپنے باپ کی میراث پائے اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں۔ تو نے یہ کیا بُری بات پیش کی ہے۔ کیا تم لوگوں نے دیدہ و دانستہ کتاب خدا کو چھوڑ رکھا ہے اور اس کو پس پشت ڈال دیا ہے حالانکہ اس میں ذکر ہے کہ جناب سلیمان اپنے باپ داؤد کے وارث ہوئے۔ اور جناب یحیٰ کے قصے میں حضرت زکریا کی یہ دعا مذکور ہے کہ خداوندا مجھے اپنے پاس سے ایسا وارث عطا فرما جو میری میراث پائے اور آل یعقوب کا ورثہ بھی لے۔ پھر اسی کتاب میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رب تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہے کہ میراث کی تقسیم

میں ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو۔ یہ ارشاد ہے کہ اگر کوئی مرتے وقت مال چھوڑے تو والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے نیکی یعنی میراث کی وصیت کر جائے۔ خدا تو یہ فرماتا ہے اور تم نے گمان کر رکھا ہے کہ میرا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ میں اپنے باپ کی وارث ہی نہیں بن سکتی۔ اور ہم لوگوں کے درمیان کوئی رحمی قرابت ہی نہیں ہے۔ کیا خداوند عالم نے معاملہ میراث میں تم کو کسی امت کے ساتھ مخصوص کیا ہے جس سے میرے پدر بزرگوار کو مستثنیٰ کر دیا ہے یا تم کہتے ہو کہ دو ملت والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ تو کیا میں اور میرے والد بزرگوار ایک ملت پر نہیں ہیں۔ شاید تم میرے پدر بزرگوار اور میرے ابن عم (علیؑ) کی نسبت خصوص و عموم قرآن کو بہتر سمجھتے ہو۔ اچھا آج فدک کو اس طرح قبضہ میں کرلو جس طرح مہار و پالان بستہ ناقہ قبضے میں کیا جاتا ہے (اس کے نتائج سے) تو قیامت کے دن اے ابوبکر ملاقی ہوگا۔ اور خداوند تعالیٰ بہت اچھا حکم کرنے والا ہوگا۔ اور محمدؐ ہمارے ضامن و کفیل ہوں گے۔ پس اے ابوبکر میری اور تیری وعدہ گاہ اب قیامت ہے۔ اور قیامت کے دن باطل پرست گھاٹے میں رہیں گے اور اس وقت کی ندامت تم لوگوں کو فائدہ نہ پہنچائے گی۔ ہر امر کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم اس شخص کو معلوم کر لو گے جس پر عذاب نازل ہو کر اُسے رسوا کرے گا اور اس کے لئے دائمی عذاب مقرر ہوگا۔ پھر جناب فاطمہؑ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور یہ فرمایا۔ اے جوانمردوں کے گروہ، اے ملت کے دست و بازو، اسے اسلام کی حفاظت کرنے والو، میرے حق میں یہ کیسی سستی ہے۔ اور میری فریاد سے یہ کیسی غفلت ہے کیا میرے پدر بزرگوار تمہارے رسولؐ یہ نہیں فرماتے تھے کہ کسی شخص کی حفاظت اس کی اولاد کی حفاظت کر کے ہوتی ہے، کتنی جلدی تم نے دین میں بدعت پیدا کر دی اور اس کے قبل از وقت مرتکب ہوئے۔ درانحالیکہ تم کو اس بات کی طاقت حاصل ہے جس کا میں مطالبہ کرتی ہوں۔ اور تم کو قوت حاصل ہے اس چیز پر جو میں تم لوگوں سے طلب کر رہی ہوں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے جناب محمد مصطفیٰؐ نے انتقال فرمایا۔ پس یہ بہت بڑی مصیبت ہے جس کا رخنہ وسیع ہے۔ جس کا شگاف بہت زیادہ ہے۔ اور اس کا اتصال افتراق سے بدل چکا ہے۔ زمین ان کی آفات سے تاریک ہو چکی ہے۔ خدا کے برگزیدہ بندے ان کی مصیبت میں محزون و مغموم رہتے ہیں۔ شمس و قمر بے نور اور ستارے پریشان ہیں۔ ان بزرگوار کی ذات سے جو آرزوئیں وابستہ تھیں وہ ختم ہو چکیں۔ اس مصیبت میں پہاڑوں کے دل بھی آب آب ہو رہے ہیں۔ حرمت رسولؐ ضائع کر دی گئی۔ اور حریم رسولؐ کی عظمت

لوگوں کے دلوں سے اُٹھ گئی۔ پس یہ مصیبت قسم خدا کی بہت بڑی بلا اور عظیم مصیبت ہے۔ اس کے مثل کوئی اور نہیں اور نہ اس سے زیادہ ہلاک کرنے والی تیز مصیبت ہے اور اس بلا کی خبر خدائے برتر کی کتاب میں خود تمہارے گھروں میں صبح و شام نہایت خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز کے ساتھ پہنچادی گئی تھی۔ اور بے شک آں حضرتؐ سے پہلے خدا کے پیغمبروں اور رسولوں پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں وہ امر واقعی اور قضائی حتمی تھیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ محمدؐ فقط خدا کے رسولؐ تھے۔ ان کے پیشتر بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر محمدؐ مرجائیں یا قتل ہوجائیں تو تم لوگ اپنے پچھلے پیروں اپنے سابق جاہلیت کے مذہب پر پلٹ جاؤ گے۔ اور جو شخص بھی اپنے پچھلے پیروں پر پلٹے گا وہ ہرگز خداوند عالم کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اور خداوند عالم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔ اسے قبیلہ اوس وخزرج، اے انصار محمد! میرے باپ کی میراث میں ظلم کیا جاوے درانحالیکہ تم میری آنکھوں کے سامنے ہو۔ اور میں تمہاری آواز سن سکتی ہوں۔ میں اور تم ایک ہی مجمع میں موجود ہیں۔ تم سب کے سب میرے قبضے سے واقف ہو۔ سب جتھے والے ہو۔ تمہارے پاس سامانِ جنگ موجود ہے۔ تم قوت رکھتے ہو۔ تمہارے پاس حملے کے لئے ہتھیار بھی ہیں اور سپریں بھی ہیں۔ تم تک میری پکار پہنچ رہی ہے مگر تم لبیک نہیں کہتے۔ تمہارے پاس فریاد کی آواز آرہی ہے اور فریاد رسی نہیں کرتے۔ درانحالیکہ تم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت واستعداد رکھتے ہو اور خیر وصلاح کے ساتھ مشہور ومعروف ہو۔ اور تم وہ افراد اور ایسے عمدہ ہو کہ تمہیں ہم اہلبیتؑ کے لئے اختیار کرلیا گیا تھا۔ تم نے عرب سے جنگ کی۔ تعب اور مشقت برداشت کی دوسری امتوں سے جنگ کی اور بہادروں کا مقابلہ کیا۔ پس ہم ہمیشہ حکم کرتے رہے اور تم ہمارا حکم مانتے رہے یہاں تک کہ جب ہمارے ذریعہ سے آسیائے اسلام نے دورہ کرنا شروع کیا۔ زمانہ کا نفع بڑھنا شروع ہوا۔ شرک کی آواز دب گئی اور جھوٹ کا فوارہ بند ہوگیا۔ کفر کی آگ بُجھ گئی اور فتنہ وفساد کی آواز بند ہوگئی۔ دین کا انتظام درست ہوگیا تو اب تم حق کے واضح ہونے کے بعد کہاں سے منہ موڑ کے جاتے ہو اور اعلان حق کے بعد اُس کی آواز کو چھپا رہے ہو۔ آگے بڑھ کے پیچھے ہٹ رہے ہو اور ایمان لانے کے بعد مشرک ہوئے جاتے ہو۔ خدا بُرا کرے ان لوگوں کا جنھوں نے اپنے عہد کو توڑا اور رسولؐ کو نکالنے پر آمادہ ہوئے اور انھوں نے ہماری دشمنی میں دوسروں کو ملانے کی ابتدا تم سے کی۔ تم اُن سے ڈرتے ہو۔ درانحالیکہ خدا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ بشرطیکہ تم مومن ہو۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم آرام طلبی پر مائل

ہو گئے ہو۔اور اس بزرگ (علیؑ) کو دُور کر دیا ہے جو دین کے حل و عقد کا زیادہ حقدار ہے۔تم زندگی کی تنگی سے نکل کر توانگری میں آ گئے ہو۔اور دین کی باتیں جو کچھ تم نے یاد کی تھیں اُن کو دماغ سے بالکل نکال کر پھینک دیا ہے اور جس پانی کو شیریں سمجھ کر پیا تھا اس کو تم نے اُگل دیا۔پس اگر تم لوگ اور تمام اس زمین والے کافر ہو جائیں تو خدا کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اس ترک نصرت کو جانتے ہوئے کہا ہے جو تمہارے مزاج میں داخل ہو گئی ہے۔اور اس غدّاری کو جانتے ہوئے کہا ہے جس کو تمہارے دلوں نے چھپا رکھا ہے۔یعنی میں جانتی تھی کہ تم میری فریاد پر لبیک نہ کہو گے لیکن یہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ غم کا اظہار ہے۔کھولتے ہوئے دل کی آہ ہے۔اب یہ ناقہ (حکومت یا دین) تمہارے سامنے ہے اسے لو اس پر پالان باندھو۔مگر یاد رہے کہ اس کی پشت مجروح ہے اور پاؤں زخمی ہیں۔اس کا عیب باقی رہنے والا ہے جس پر غضب خدا کی نشانی اور دائمی کا نشان ہے۔خدا کی آگ سے متصّل ہے جو بھڑک رہی ہے۔اور قیامت میں دلوں پر وارد ہو گی۔پس جو کچھ کرتے ہو یا کرو گے وہ خدا کی نظر کے سامنے ہے۔اور عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے کہ اُن کی بازگشت کتنی بُری ہو گی۔میں اُس پیغمبرؐ کی بیٹی ہوں جو تم کو تمہارے سامنے آنے والے عذاب شدید سے ڈراتا تھا۔پس تم اپنا کام کرو۔اور ہم اپنا عمل کرتے ہیں۔تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔“

جناب فاطمہ علیہا السلام کا یہ کلام سُن کر حضرت ابوبکر اس طرح گوہر افشاں ہوئے:

اے رسُولِ خدا کی بیٹی۔یقیناً آپ کے پدر بزرگوار مومنین پر مہربان، شفیق، رافت و رحمت والے تھے۔اور کافروں کے لئے دردناک عذاب اور بڑی عقوبت تھے۔پس اگر ہم ان کا ذکر کریں تو تمام دنیا کی عورتوں میں ان کو صرف آپ کا باپ اور مردوں میں صرف آپ کے شوہر کا بھائی پائیں گے۔جن کو آنحضرتؐ نے اپنے ہر دوست پر مقدم رکھا تھا۔اور آپ کے شوہر نے ہر بڑے امر میں آں حضرتؐ کی مدد کی۔تم اہلبیتؑ کو نہ دوست رکھے گا مگر نیک بخت شخص۔اور نہ دشمن رکھے گا مگر شقی اور بد بخت۔تم رسُولِ خدا کی پاکیزہ عترت اور پسندیدہ افراد ہو۔تم لوگ خیر کی طرف ہمارے رہبر اور جنت کی جانب ہماری ہادی ہو،اور اے بہترین نساء اور بہترین انبیاء کی دختر تم اپنے قول میں سچّی اور اپنی زیادتی عقل میں سب سے آگے ہو۔تم نہ اپنے حق

سے رد کی جاؤ گی اور نہ سچ بولنے سے باز رکھی جاؤ گی۔قسم خدا کی نہ تو میں نے رسولؐ اللہ کی رائے سے تجاوز کیا ہے اور نہ اُن کے بغیر اذن کوئی کام کیا ہے۔تلاش آب و دانہ میں آگے جانے والا اپنے اہل سے جھوٹ نہیں بولتا میں خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں اور وہ گواہی کے لئے کافی ہے کہ میں نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے سنا کہ ہم گروہ انبیاء نہ تو سونے چاندی کو میراث میں چھوڑتے ہیں اور نہ مکان و جائداد۔ہم گروہِ انبیاء تو کتاب حکمت، علم نبوت کو وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں۔اور جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ ہمارے بعد ولی امر کا حق ہے۔اسے اختیار ہے کہ وہ اس میں اپنا حکم جاری کرے۔اور تم جو مانگ رہی ہو یعنی فدک اس کو ہم نے جنگی گھوڑوں اور آلاتِ حرب کے لئے مخصوص کر دیا۔جس کے ذریعہ سے مسلمان کافروں سے قتال و جہاد کریں گے اور سرکش فاجروں کا مقابلہ کریں گے۔اور یہ چیز میں نے تنہا اپنی رائے سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے اجماع کی مدد سے کی ہے اور یہ میرا جان و مال آپ کا ہے اور آپ کے سامنے حاضر ہے اُسے میں آپ سے دریغ نہ کروں گا۔ آپ اپنے پدر بزرگوار کی امت کی سردار ہیں۔اور اپنی اولاد کی شجرۂ طیبہ ہیں۔آپ کی فضیلت کا انکار نہیں ہوسکتا اور آپ کے فرع و اصل کو پست نہیں سمجھا جاسکتا۔آپ کا حکم اس مال میں نافذ ہے جو میری ملکیت ہے۔پس کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں نے ان باتوں میں آپ کے پدر بزرگوار کی مخالفت کی ہے؟

حضرت ابوبکر کی یہ باتیں سُن کر جناب فاطمہؑ نے فرمایا:

''سبحان اللہ میرے پدر بزرگوار نہ تو کتابِ خدا سے روگرداں تھے اور نہ اُس کے احکام کے مخالف بلکہ اُس کے حکم کے تابع اور اُس کے سوروں کے پیَرو تھے۔کیا تم لوگوں نے رسولؐ اللہ پر جھوٹ باندھ کر اس کے ذریعہ دغابازی پر اجماع کر لیا ہے۔آں حضرتؐ کی وفات کے بعد یہ حرکت ویسی ہی ہے جیسے آںؐ جناب کی زندگی میں اُن کو ہلاک کرنے کے لئے جاری تھی۔یہ کتاب خدا، حاکم عادل، فیصلہ کن ناطق ہے۔اس کا ارشاد ہے جیسا کہ حضرت زکریاؑ نے کہا وہ لڑکا میرا بھی ورثہ لے اور آل یعقوبؑ کا بھی ورثہ لے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ نے جناب داؤدؑ کا ورثہ لیا پس خداوند تعالیٰ نے جو مال کی تقسیم و میراث کی حد مقرر کر دی ہے۔اور بنی آدم کے مردوں اور عورتوں کا میراث میں جو حصّہ قرار دیا ہے ہمیں وہ چیز بیان کر دی ہے جو باطل پرستوں کی غلط دلیلوں کو دور کر دے اور آئندہ نسلوں کے گمان اور شبہات کو زائل کر دے۔بیشک تمہارے نفسوں نے تمہارے سامنے ایک بُرے امر کو مستحسن اور خوشنما بنا کر پیش کر دیا ہے۔بس میرے لئے صبر جمیل ہی مناسب

ہے اور جو باتیں تم بنا رہے ہو اُس پر خدا ہی سے مدد طلب کی جائے گی۔“

اس پر حضرت ابوبکر اس طرح گھر افشاں ہوئے:

خدا بھی سچا، خدا کا رسولؐ بھی سچا، اور رسولؐ کی بیٹی بھی سچی، تم حکمت کا معدن، ہدایت و رحمت کا مسکن اور دین کا رُکن ہو۔ تمہاری درست باتوں کو حق سے دور نہیں سمجھتا۔ اور تمہارے کلام کا انکار نہیں ہے لیکن میرے اور تمہارے درمیان یہ مسلمان ہیں۔ جنھوں نے مجھے حاکم بنایا ہے۔ اور میں نے جو کچھ تم سے چھین کر اپنے قبضہ میں لیا ہے۔ وہ ان ہی مسلمانوں کے اتفاق سے ہوا ہے۔ اس میں نہ میں نے ہٹ دھرمی کی ہے اور نہ تنہا اپنی رائے سے کام لیا ہے اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔

یہ جواب سُن کر جناب سیّدہؑ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا:

”اے انسانوں کا وہ گروہ جو باطل کا قول اختیار کرنے پر جلدی کرنے والا ہے اور فعل قبیح نقصان دہ سے چشم پوشی کئے ہوئے ہے۔ کیا تم لوگ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے۔ یا دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں بیشک تمہارے دلوں پر تمہارے فعل بد کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ جس نے تمہارے گوش و چشم کو بالکل بے کار کر دیا ہے جو تاویل تم نے کی ہے وہ بہت بُری ہے۔ اور جو اشارہ تم نے کیا ہے وہ بہت لغو اور بدتر ہے اور وہ بہت شر عظیم ہے جس کو تم نے حق کے بدلے میں اختیار کیا ہے۔ خدا کی قسم تم اُس کے بوجھ کو بہت بھاری اور اُس کے انجام کو مصیبت ناک پاؤ گے۔ جب تمہارے سامنے سے پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور گھن دار جنگل کی ادھر کی چیزیں سامنے آجائیں گی اور تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہیں وہ سزا ملے گی جس کا تم گمان بھی نہ کرتے تھے۔ اُس وقت باطل پرست گھاٹا اُٹھائیں گے۔

یہ فرما کر قبر پیغمبرؐ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اور چند اشعار انشاء کئے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:

پدر بزرگوار آپؐ کے بعد نئی نئی خبریں اور مختلف قسم کی باتیں پیدا ہوگئیں۔ اگر آپؐ ان کے دیکھنے والے ہوتے تو یہ مصیبتیں نہ پڑتیں۔ ہم آپؐ کے فیض سے اس طرح محروم ہو گئے جس طرح زمین آبِ باراں سے محروم ہو جاتی

ہے۔آپ کی قوم کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ملاحظہ فرمائیے کہ یہ لوگ کس طرح حق کی راہ سے ہٹ گئے ہیں[1]۔''

(سیرۃ فاطمۃ الزہرا، مصنفہ آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی)

اس تقریر کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنکھیں جھک گئیں دل پگھل گئے۔اگر سیاست نے لوگوں کے دل پتھر نہ بنا دیئے ہوتے تو کایا پلٹ جاتی اور تاریخ کے صفحات پر کچھ اور نظر آتا مگر سیاست نے کب کسی پر ترس کھایا ہے۔جناب معصوٗمہ کی اس تقریر کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو کہ جناب معصوٗمہ نے اپنے دلائل و براہین سے ابوبکر کو کتنی بڑی شکست فاش دی اور اُن کے دعوے کے تارو پود بکھیر کر رکھ دیئے اپنی حقیقت میراث پیغمبرؐ پر کلام مجید کی آیتوں سے اتنے واضح ثبوت پیش کئے جن کا کوئی جواب ہی نہیں ہوسکتا۔آپؑ نے اپنی حقیقت پر استدلال فرماتے ہوئے کہا:

''کیا تم لوگوں نے جان بوجھ کر کتاب خدا سے کنارہ کرلیا ہے۔کتاب خدا تو بتاتی ہے وورث سلیمان داؤد۔ سلیمان اپنے باپ داؤد کے وارث ہوئے۔زکریا پیغمبرؑ کے تذکرہ میں بیان کرتے ہے فھب لی من لدنك ولیًّا یرثنی و یرث من اٰل یعقوب اجعلہ رضیا۔زکریا نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی خداوندا اپنے پاس سے مجھے والی و وارث مرحمت فرما جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوبؑ کا بھی اور بار الہا اسے پسندیدہ قرار دے'' اسی کتاب کا کہنا ہے واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ۔صاحبان رحم میں بعض بعض سے از روئے کتاب خدا زیادہ حقدار ہیں۔یہی کتاب کہتی ہے۔یوصیکم اللہ فی اولاد کم للذکر مثل حظ الانثیین۔تمہاری اولاد کے بارے میں خدا کا یہ حکم ہے کہ لڑکے کا دوہرا حصّہ بہ نسبت لڑکی کے۔اسی کتاب میں ہے کتب علیکم اذا حضر احد کم الموت ان

۱۔جناب سید مرتضیٰ علم الہدایٰ نے اپنی کتاب شافی میں، علامہ طبرسی نے کتاب الاحتجاج میں، علّامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں، جناب معصوٗمہ کی پوری تقریر نقل کی ہے علماء اہلسنت میں سے علّامہ ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری نے اپنی کتاب فدک اور سقیفہ میں ایسے طرق و اسناد سے اس خطبہ کو لکھا ہے جن میں بعض کا سلسلہ جناب زینبؑ تک، بعض کا امام جعفر صادقؑ تک، بعض کا عبداللہ بن حسن بن حسن تک پہنچتا ہے۔(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۴، ص ۷۸)۔ابوعبداللہ محمد بن عمران مرزبانی نے بھی بسلسلۂ اسناد عروہ بن زبیر سے اس خطبہ کی روایت کی ہے۔عروہ نے جناب عائشہ سے سُنا اور جناب عائشہ نے جناب معصوٗمہ کی طرف نسبت دے کر بیان کیا ہے۔(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، جلد ۴، ص ۹۳)۔انھیں مرزبانی نے بسلسلۂ اسناد جناب زید شہید سے بھی اس خطبہ کی روایت کی ہے اُنھوں نے اپنے والد ماجد جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے اُنھوں نے اپنے پدر بزرگوار امام حسینؑ سے اُنھوں نے اپنی مادر گرامی سے نقل کیا ہے۔(شرح ابن ابی الحدید، جلد ۴، ص ۹۴) اسی صفحہ پر علامہ ابن ابی الحدید نے جناب زید سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ میں نے مشائخ آل ابی طالبؑ کو اس خطبہ کی روایت کرتے اور اپنی اولاد کو اس خطبہ کی تعلیم کرتے ہوئے۔دیکھا کتاب بلاغات النساء کے مصنف ابوالفضل احمد بن ابی طاہر نے بھی اس خطبے کے کچھ حصے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔

ترك خيراً ن الوصية ۔تم پر واجب ولازم کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آئے تو والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت چھوڑ جائے ۔'' پھر جناب سیدہؑ نے حاضرین سے پوچھا '' کیا خدا وند عالم نے تم لوگوں پر کوئی خاص آیت نازل کی ہے جس کی میرے پدر بزرگوار کو خبر تک نہ کی تم قرآن کے مفہوم و معنی سے بہ نسبت میرے باپ اور شوہر کے زیادہ واقفیت رکھتے ہو یا تم اس کے قائل ہو کہ دو ملتوں والے باہم وارث نہیں ہوسکتے ۔''

اللہ اکبر! جناب معصومہؑ نے اولاً جناب داؤدؑ وزکریاؑ والی آیتوں سے کتنا قوی استدلال فرمایا وورث سلیمانؑ داؤدؑ سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ پیغمبرؑ کی اولاد پیغمبرؑ کی وارث وارث ہوئی فهب لی من لدنك وليًّا يرثني ۔زکریاؑ پیغمبرؑ تمنّا و آرزو کرتے ہیں سوال کرتے ہیں کہ بارالہٰا مجھے کوئی فرزند عنایت فرما جو میرے بعد میرا وارث ہو۔

بات بنانے والوں نے بات یہ بنائی کہ ان آیتوں میں وراثت سے مراد مال و جائداد نہیں بلکہ وراثت حکمت و نبوت ہے سلیمان وارث حکمت و نبوت داؤد ہوئے ۔زکریا نے نبوت و حکمت کے لئے وارث کی دعا کی تھی مگر تاویل جتنی رکیک و مہمل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ۔سیدۂ عالم مفہوم و مراد قرآن سے زیادہ واقف و خبیر تھیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو آیت نازل ہونے کے وقت موجود بھی نہ تھے بلکہ مدتوں بعد پیدا ہوئے اور اب خلافت مآب افراد کی حمایت میں زبردستی کی تاویلیں کرتے ہیں حقیقی معنی کو چھوڑ کر جو لفظ کے سنتے ہی فوراً ذہن میں آتے ہیں کسی قرینہ کے بغیر مجازی معنی مراد لیتے ہیں اگر ایسا ہی ہوتا حقیقی معنی نہیں مجازی معنی مراد ہوتے، وراثت سے وراثت حکمت و نبوت ہی تنہا تو کیوں نہیں حضرت ابوبکر نے اس روز یہی تاویل پیش کی ۔سیدہؑ کے مطالبہ میراث پر یہی جواب دیا۔حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور اُن کے حاشیہ نشین صحابہ کو یہ تاویل سوجھی نہیں ۔ سوجھی بھی تو اب اتنے دنوں بعد دنیا میں آنے والوں کو۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح جناب سلیمان علم و حکمت داؤدؑ کے وارث ہوئے اسی طرح جائداد منقولہ و غیر منقولہ بھی آپ نے ترکہ میں پائی و كان محمد بن السّائب الكلبي يحدث ان الصافنات الجياد المعروضه على سليمان بن داؤد عليهما السلام كانت الف فرس ورثها عن ابيه محمد بن سائب کلبی حدیث بیان کرتے تھے کہ وہ خاصے کے اصیل گھوڑے جو جناب سلیمانؑ کے سامنے پیش کئے گئے تھے (جن کا کلام مجید میں ان الفاظ میں تذکرہ ہے و اذ عرض عليه بالعشى الصافنات) وہ ہزار گھوڑے تھے جو جناب سلیمانؑ نے اپنے باپ داؤد کی میراث میں پایا تھا۔(عقد الفرید علامۂ ابن عبدربہ القرطبی، جلد اول، ص ر ۴۴) اس روایت سے صراحت ہوتی ہے کہ جناب داؤد جو پیغمبر تھے اُن کے

انتقال کے بعد جناب سلیمانؑ نے جہاں میراث میں اور چیزیں بھی پائیں ہزار گھوڑے بھی پائے۔

جناب زکریا نے اولاد کے لئے جب دعا کی تھی فھب لی من لدنك ولیاً۔ تو اس دعا کا محرک یہ قرار دیا تھا انی خفت الموالی من ورائی۔ خداوندا میں اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں لہٰذا مجھے ایک جانشین فرزند عنایت فرما۔ یہ فقرہ بھی بیّن ثبوت ہے کہ زکریا نے حکمت و نبوت کے وارث کے ساتھ ساتھ جائداد و اموال کے وارث کی بھی دعا کی تھی صرف نبوت کا وارث نہیں مانگا تھا۔ جناب زکریا کے رشتہ دار بیوقوف و بدکار تھے اگر جناب زکریا کے کوئی فرزند نہ پیدا ہوتا تو وہی بیوقوف و بدکار رشتہ دار زکریا کے وارث ہو جاتے اور جناب زکریا کو ڈر تھا کہ ہمارے ترکہ کو یہ لوگ فسق و فجور کی نذر کر ڈالیں گے اسی ڈر کی وجہ سے آپ نے فرزند کی دعا کی تھی۔ جناب زکریا کا خوف و ہراس اپنے رشتہ داروں سے ڈرنا بتاتا ہے کہ وراثت مال مقصود تھی نہ کہ صرف حکمت و نبوت یعنی آپ اپنے اموال و جائداد کے لئے وارث کے طلبگار تھے نہ کہ محض نبوت کے وارث اس لئے کہ نبوت وحکمت نہ تو بدکاروں کو ملتی ہے اور نہ اس کی بربادی کا ڈر ہوتا ہے اگر جناب زکریا کے فرزند نہ بھی ہوتا تو نبوت آپ کے بدکار رشتہ داروں کو مل نہیں سکتی تھی لہٰذا حکمت و نبوت کی تباہی کا جناب زکریا کو ڈر تو ہو گا نہیں مال و جائداد ہی کی کا ڈر ہو گا اسی لئے آپ نے پروردگار عالم سے سوال کیا کہ مجھے ایک فرزند عطا کر، تا کہ وہ میرے رشتہ داروں کے بہ نسبت میرے مال و جائداد کی وراثت کا زیادہ حقدار ہو۔ نیز جناب زکریا نے اپنے جانشین فرزند کے لئے یہ شرط بھی پروردگار سے کی تھی کہ واجعله ربّ رضیاً۔ پروردگار میرے جانشین فرزند کو پسندیدہ بنا۔ یہ شرط بھی بتاتی ہے کہ جناب زکریا کے پیش نظر وراثت مال ہی تھی اس لئے کہ اگر نبوت ہی کا وارث خدا سے مانگتے تو پھر یہ شرط لغو و مہمل تھی کیوں کہ نبی تو خود ہی پسندیدہ ہوتا ہے یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص یہ دعا مانگے کہ خداوندا ہمارے لئے ایک نبی کو مبعوث کر اور اُسے صادق بنا کر بھیجنا، جھوٹا نہیں۔

پھر جناب معصومہؑ نے اپنی حقیقت میراث پدر پر آیات میراث اور آیۂ وصیّت کے عموم سے ثبوت پیش کئے اولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ، یوصیکم اللہ فی اولاد کم للذ کر مثل حظ الانثیین، کتب علیکم اذاحضر احد کم الموت ترك خیراً ن لوصیة۔ ان تمام آیتوں کی لفظیں بالکل عام اور امت مسلمہ کی ہر ہر فرد کو شامل ہیں جتنے بھی مسلمان ہیں سبھی کے لئے یہ احکام ہیں کسی کا استثنا نہیں جبکہ کلام مجید کی کوئی آیت یا احادیث پیغمبرؐ میں سے کوئی حدیث ان آیات کی مخصص نہ مل جائے جو یہ بتائے کہ یہ حکم عام نہیں ہے خاص ہے فلاں کے لئے ہے فلاں کے لئے نہیں۔ مگر کلام مجید کی تمام آیتیں ایک ایک کر کے دیکھ جائیے پیغمبرؐ کی صحیح احادیث ایک ایک کر کے پڑھ جائیے مگر کوئی آیت کوئی حدیث آپ کو نہیں ملے گی جو ان آیات کے عموم کے برخلاف ہو ان آیات کے احکام کی مخصص ہو۔

کسی مخصص کے قطعی طور پر موجود نہ ہونے ہی کی طرف جناب معصومہؑ نے اپنے اس جملہ سے اشارہ فرمایا تھا اخصکم اللہ بایۃ اخرج بھا ابی۔ کیا خداوند عالم نے تم لوگوں پر کوئی مخصوص آیت نازل کی ہے جس کی ہمارے باپ کو خبر تک نہ کی۔ پھر ارشاد فرمایا ام انتم اعلم بخصوص القراٰن و عمومہ من ابی و ابن عمی۔ یا تم خصوص و عموم قرآن سے بہ نسبت میرے باپ اور میرے شوہر کے زیادہ واقفیت رکھتے ہو۔

جناب معصومہؑ نے دو سوال کر کے ثابت کر دیا کہ کوئی بھی مخصص سرے سے موجود ہی نہیں کیوں کہ اگر کوئی مخصص ہوتا، کلام مجید کی کوئی آیت یا پیغمبرؐ کی کوئی صحیح حدیث ایسی ہوتی جو یہ بتاتی کہ حکم وصیّت و قاعدۂ میراث سب کے لئے نہیں ہے بلکہ بعض کے لئے ہے بعض کے لئے نہیں، دنیا بھر کے لئے ہے مگر پیغمبرؐ کی اولاد ہی کے لئے نہیں ہے تو یقیناً پیغمبرؐ اور حضرت علیؑ جو وصی پیغمبرؐ تھے جناب معصومہ کو اس سے لاعلم نہ رکھتے، نہ تو یہی ممکن ہے کہ کوئی ایسی چیز رہی ہو اور خود پیغمبرؐ و وصیؑ پیغمبرؐ اس سے بے خبر رہے ہوں۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی مخصص رہا ہو اور پیغمبرؐ و وصیؑ پیغمبرؐ نے سیدہ کو بتایا نہ ہو کیوں کہ اس صورت میں پیغمبرؐ پر ادائے فرائض میں کوتاہی، حق کو چھپانا، دھوکے میں رکھنا سیّدہ کی ذلّت و توہین کا باعث ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ اگر سیدہ کو پیغمبرؐ بتا دئے ہوتے کہ بیٹی! پیغمبرؐ کو اولاد باپ کا ترکہ نہیں پایا کرتی تو نہ تو وہ مطالبۂ میراث کرتیں اور نہ دربار خلافت سے کورا جواب پاتیں۔ نہ معاذ اللہ جھوٹی بنتیں نہ اس ذلّت و توہین کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ ساری باتیں محالات و ناممکنات سے ہیں لہٰذا کوئی مخصص سرے سے موجود ہی نہیں۔

پیغمبرؐ کو اپنی پارۂ جگر سے جو محبت و اُلفت تھی وہ دنیا جانتی ہے، کسی باپ نے اپنی اولاد کو اتنا نہ چاہا ہوگا جتنا پیغمبرؐ سیّدہؑ کو چاہتے تھے۔ سیدہؑ پر تصدق ہوتے، سیدہؑ پر اپنی جان نچھاور کرتے اور سیدہؑ کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ اسی طرح پیغمبرؐ کی ہر لمحہ ہر ساعت انتہائی کوشش، انتہائی تمنّا و آرزو یہ رہتی تھی کہ اپنے آداب و اخلاق، سلیقہ و تہذیب، علوم و معارف سبھی سیّدہؑ کو تعلیم فرمائیں، پیغمبرؐ نے اس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ سیّدہؑ آئینہ بن گئی تھیں۔ اپنے باپ کے کمالات کا کوئی فضل و شرف، کوئی بزرگی و عزت ایسی نہ رہی جس میں پیغمبرؐ نے اپنی بیٹی کو اپنے برابر نہ کر لیا ہو۔ لہٰذا عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ سیّدہؑ کسی شرعی حکم، کسی مذہبی فریضہ سے ناواقف رہ گئی ہوں۔ کوئی عقل و ہوش والا اس کا تصوّر بھی کر سکتا ہے کہ پیغمبرؐ نے کوئی دینی مسئلہ خصوصاً وہ بات جن کا سیّدہ کی ذات سے گہرا تعلق تھا مخفی رکھ کر یہ بات پسند کی ہو کہ آپ کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد سیّدہؑ مصائب و آلام میں مبتلا ہو جائیں جیسا کہ مطالبہ میراث پدر پر آفت و مصائب میں گرفتار ہوئیں۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ کیا پیغمبرؐ کے لئے یہ بات سزاوار تھی کہ سیّدہؑ کو مسئلہ میراث سے لاعلم رکھ کر اُمت پر فتنہ و فساد کا راستہ کھول دیں، جنگ و جدل کے مہلکہ میں ڈھکیل دیں۔ جیسا

کہ سیّدہ کے مطالبۂ میراث پدراور ابوبکر کی پیش کردہ حدیث کی بناء پر امت فتنہ وفساد میں گرفتار ہوئی اور آج تک گرفتار ہے۔

علیؑ سیّدہ کے شوہر جن کا اختصاص وتقرب پیغمبرؐ کی خدمت میں دنیا کو معلوم ہے کیا وہ بھی حضرت ابوبکر کی پیش کردہ حدیث نحن معاشر الانبیاء لا نورث سے قطعاً ناواقف تھے؟ وہ علیؑ جنھیں خدا نے علم وحکمت عطا فرمائی جو سابق الاسلام تھے، داماد پیغمبرؐ تھے، پیغمبرؐ کے اپنے چچا کے بیٹے تھے، پیغمبرؐ کے لئے ایسے تھے جیسے ہارون موسیٰ کے لئے۔ سبھی باتیں پیغمبرؐ کی اُنھوں نے سنیں مگر یہ میراث والی حدیث ہی نہیں سُنی۔ کیا پیغمبرؐ نے جان کر علیؑ سے یہ حدیث چھپائی تھی؟ اپنے رازوں کے خزینہ دار، بلاؤں میں سینہ سپر، اپنے علم کے دروازے، اپنی حکمت کے دَر، اپنی اُمت کے سب سے بہتر منصف کو اسکی خبر ہی نہ کی!۔

جناب عباس پیغمبرؐ کے چچا جو ایک اکیلے بزرگ خاندان بچ رہے تھے کیا اُنھوں نے بھی پیغمبرؐ کی یہ حدیث نہ سُنی، تمام بنی ہاشم جو ملجا وماویٰ تھے پیغمبرؐ کے کیا اُن میں سے بھی کسی متنفس نے یہ حدیث نہ سنی بعد وفات پیغمبرؐ مطالبہ فاطمہؑ پر ابوبکر کی زبانی ہی سننے کا اتفاق ہوا۔

ازواجِ پیغمبرؐ امہات المومنین وہ بھی اس حدیث سے جاہل رہیں، انھیں معلوم نہ ہوا کہ پیغمبرؐ اپنی میراث صدقہ قرار دے گئے؟ ناواقفیت ہی کی بناء پر تو اُنھوں نے عثمان کو بھیجا تھا کہ جا کر ہمارا حصّہ بھی مانگو۔

(شرح نہج البلاغہ، جلد ر ۴، ص ر ۸۳، کتاب سقیفہ وفدک علّامہ جوہری)

کیا قیامت ہے کہ پیغمبرؐ سے جتنے قریبی تعلق رکھنے والے تھے سب ہی اس حدیث سے ناواقف ولاعلم نکلے کسی ایک نے بھی حضرت ابوبکر کے بیان کرنے سے پہلے نہ سُنا۔ کس طرح مان لیا جائے کیوں کر جائز سمجھا جائے کہ جسے میراث پانی تھی، جس کا براہ راست تعلق تھا اُس کو پیغمبرؐ نے یہ حدیث سنائی نہیں اور سُنائی تو اُسے جو کسی طرح پیغمبرؐ کا وارث ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کیا پیغمبرؐ یونہی تبلیغ احکام الٰہی کیا کرتے تھے کہ جس کو بتانا چاہیے اُس کو تو بتائیں نہیں اور جس کا ان احکام سے کوئی سروکار نہ ہو اس کو بتاتے پھریں۔

علامہ رازی وغیرہ لکھتے ہیں:۔

المحتاج الی ہذہ المسئلة ما کان الّا علیًّا و فاطمه والعبّاس وھؤلا کانوا من اکابر الزھاد والعلماء فی الدین واما ابوبکر فانّه ما کان محتاجاً الی معرفة ہذہ المسئلة لانّہٗ ما کان یخطر بباله انّه یرث الرسول فکیف یلیق بالرسول ان یبلغ ھذا المسئلة الی من لا حاجة به الیھا ولا یبلغھا الی من لھم الی معرفتھا اشد الحاجة۔ (تفسیر کبیر جلد ر ۳ ص ر ۲۳۰، وتفسیر نیشاپوری، جلد ص ر ۱۹۷)

اس مسئلہ کی طرف حضرت علیؑ، وفاطمہؑ وعباس کے سوا کوئی محتاج نہیں تھا اور یہ حضرات بڑے زاہد اور علمائے دین سے تھے، رہے حضرت ابوبکر تو وہ اس مسئلہ کا علم حاصل کرنے کی طرف محتاج نہیں تھے کیوں کہ کبھی ان

کے دل میں یہ وہم بھی نہ ہوا ہوگا کہ وہ رسولؐ کی میراث پائیں گے۔ایسی حالت میں کیوں کر رسولؐ کے لئے مناسب ہوتا کہ اس مسئلہ کو اُس شخص تک پہونچائیں جس کو اس کی بالکل ضرورت نہیں تھی اور اُس شخص کو بتائیں جس کو اس کی شدید ضرورت تھی۔

جناب شاہ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی لکھے ہیں:

مشکل ترین ازیں قبضۂ فاطمہ زہراؑ است زیرا کہ اگر بگویم او جاہل بود بایں سنّت یعنی حدیثے کہ ابو بکر نقل کردہ بعید است از فاطمہؑ و اگر التزام کنم کہ شاید اتفاق نیفتار ما ورا بسماع ایں حدیث ازاں حضرت مشکل میشود کہ بعد از استماع از ابی بکر چرا قبول نکردو در غضب آمدو اگر غضب پیش از سماع حدیث بود چرا بر نگشت از غضب تا اینکہ امتداد کشیدہ و تا زندہ بود مہاجرت کرد۔

(اشعۃ اللمعات، شرح مشکوۃ باب الفے فصل ر ۳، جلد ر ۲، ص ر ۲۴۹)

کل قضیوں سے زیادہ سخت قضیہ جناب فاطمہ زہراؑ کا ہے اس لئے کہ اگر کہیں کہ وہ اس سنت سے ناواقف تھیں یعنی اُس حدیث سے جس کو ابو بکر نے نقل کیا تو یہ خلاف عقل ہے کہ آپ بالکل بے خبر رہیں اور اگر مان لیں کہ شاید رسولؐ اللہ سے فاطمہؑ کو اس حدیث کے سننے کا موقع نہیں ملا تو اور زیادہ مشکل پڑتی ہے کہ جب آپ نے اس حدیث کو حضرت ابو بکر سے سُن لیا پھر کیوں نہ اس کو صحیح جانا اور غضبناک ہوگئیں اور اگر آپ کا غصّہ حدیث مذکور سننے سے پہلے ہوا تھا تو سننے کے بعد کیوں غصّہ کو ترک نہیں کیا جس نے اس قدر طول کھینچا کہ جب تک زندہ رہیں ابو بکر سے مہاجرت ہی اختیار کر رکھی۔

علاوہ اس کے اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابو بکر نے پیغمبرؐ سے یہ حدیث سنی تھی تب بھی حضرت ابو بکر کے تن تنہا بیان کرنے سے سیدہؑ کو میراث سے محروم رکھنا جائز نہیں ہوسکتا کیوں کہ علم حدیث کا یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص کی بیان کی ہوئی حدیث سے خدا کا حکم اور قرآن مجید کا بیان منسوخ نہیں ہوسکتا۔صاحب تلویح فرماتے ہیں لعدم النزاع فی ان الکتاب لا ینسخ بخبر الواحد۔ایک شخص کی بیان کی ہوئی حدیث سے قرآن مجید کا کوئی حکم منسوخ نہیں سمجھا جاسکتا۔ (کتاب تلویح) اور علامہ رازی نے لکھا ہے و نسخ القرآن بخبر الواحد لا یجوز ایک شخص کی بیان کی ہوئی حدیث سے قرآن مجید کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر کبیر، جلد ر ۳، ص ر ۳۸۰)

روی ان فاطمۃ لما طلبت المیراث و منعوھا منہ احتجوا بقولہ نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ فعند ھذا احتجت فاطمۃ بعموم قولہ وللذکر مثل حظا لانثیین و کانھا

اشارت الی ان عموم القرآن لا یجوز تخصیصه بخبر الواحد۔(تفسیر کبیر، جلد/ ۳ص/ ۱۵۷)

روایت کی گئی ہے کہ جب جناب سیدہ نے حضرت ابوبکر سے اپنی میراث طلب کی تو لوگوں نے جناب معظمہ کو اس سے محروم کر دیا اور دلیل یہ پیش کی کہ آں حضرت نے فرمایا ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا بلکہ ہم لوگوں کا ترکہ صدقہ ہو جاتا ہے۔ اس پر جناب سیدہ نے قرآن مجید کی آیت (کہ مرد کے لئے عورتوں سے دوہرا حصّہ ہے) کے عموم سے استدلال کیا اور گویا آپ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ قرآن مجید کا عام حکم ایک شخص کی بیان کی ہوئی حدیث سے خاص نہیں قرار دیا جا سکتا۔

علماء محققین نے یہ طے کر دیا ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت ابوبکر نے بیان کی دوسرا کوئی بھی اس کا مدعی نہیں ہوا علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے وهذا ایضا مشکل لان فی اکثر الروایات انه لم یروهذا الخبر الا ابوبکر وحده ذکر اعظم المحدثیین یہ بھی مشکل ہے کیوں کہ اکثر روایتوں میں ہے کہ اس حدیث کی سوا ابوبکر کے کسی نے روایت نہیں کی اس بات کو بڑے محدثوں نے ذکر کیا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ، جلد/ ۴ص/ ۸۳)

علامہ سیوطی نے بھی اس کا راوی صرف حضرت ابوبکر کو بیان کیا ہے لکھتے ہیں واختلفوا فی میراثه فما وجدوا عند احد من ذالك علما فقال ابوبکر سمعت رسول الله یقول انا معشر الانبیاء لانورث ماتر کناه صدقة۔ لوگوں نے آں حضرت کی میراث میں اختلاف کیا جب اس کے بارے میں کسی کے پاس کوئی حکم نہیں ملا تو حضرت ابوبکر بولے کہ میں نے رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ فرماتے تھے ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ (تاریخ الخلفاص/ ۵۰)

علامہ ابن حجر مکی نے بھی صواعق محرقہ ص/ ۱۹ میں یہی لکھا ہے:

جناب سیدہ کا آخری جملہ جس نے لوگوں کی رگِ حمیت میں نشتر کا کام کیا یہ تھا'' ام تقولون اهل ملتین لایتوارثان۔ یا تمہارا مطلب یہ ہے کہ دو ملتوں والے باہم ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔'' یہ فقرہ قیامت کا فقرہ تھا مطلب یہ کہ کلام مجید میں جتنی آیتیں میراث کے تعلق نازل ہوئیں سبھی عام ہیں امت مسلمہ کے ہر ہر فرد کو شامل ان میں کوئی تخصیص نہیں۔ اُن آیات کے احکام سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ البتہ لے دے کے تمام آیات واحادیث میں صرف ایک استثنا ملتا ہے اور وہ یہ کہ دو مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ باپ مسلمان ہے اور بیٹا عیسائی تو بیٹا باپ کی میراث نہیں پا سکتا۔ لہٰذا تم ہمیں جو ہمارے باپ کی میراث سے محروم کر رہے ہو تو کیا اس بناء پر کہ معاذ اللہ میں اپنے باپ کے مذہب پر نہیں۔ میں مسلمان نہیں۔ کیا تم یہ کہنے کی جرأت رکھتے ہو کہ میں ملّت اسلامیہ سے خارج ہوں؟

غصب فدک

جناب معصومہؑ نے دربارِ خلافت میں دعوائے میراث کے ساتھ ہی دعوائے ہبۂ فدک بھی فرمایا۔ آپ نے ابوبکر سے کہا کہ فدک حضرت رسولِ خدا مجھے بطور جاگیر ہبہ فرما چکے ہیں اگر میراث اس لئے نہیں دیتے کہ پیغمبرؐ کے مرنے کے بعد ان کا ترکہ صدقہ ہو جاتا ہے تو پیغمبرؐ جو چیز جیتے جی بطور ہبہ دے چکے ہیں اس سے کیوں محروم[1] کرتے ہو۔

۱۔ اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونا چاہیے کہ جناب معصومہؑ نے مطالبہ میراث کے بعد فدک کے ہبہ کا جو دعویٰ کیا تو اسکی وجہ یہ تھی کہ آپؑ نے ابوبکر کی پیش کردہ حدیث نحن معاشر الانبیاء کو صحیح تسلیم کر لیا تھا۔ ابوبکر کو سچّا سمجھ کر میراث کے مطالبہ سے باز آئی تھیں۔ تاریخ و سیرۃ و حدیث کی تمام تر کتابوں کی تصریحات ہیں کہ جناب معصومہؑ زندگی کی آخری سانسوں تک برہم رہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت ابوبکر کے قول کی صحت تسلیم نہیں کی اور غم و غصہ کا یہ عالم تھا کہ دنیا سے اٹھنے لگیں تو وصیت کر کے اٹھیں کہ میرے جنازے پر یہ لوگ نہ آنے پائیں نہ میرے دفن کفن میں شریک ہوں۔ فغضبت فاطمة وهجرت ابابکر فلم تزل مهاجرة حتی توفیت یا فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت۔ جناب سیدہؑ حضرت ابوبکر پر غضب ناک ہوئیں اور ابوبکر سے بولنا ترک کر دیا یہاں تک کہ مرتے مرتے نہیں بولیں۔ (صحیح بخاری باب الخمس، جلد/۳، ص/۴۰، و صحیح مسلم جلد/۲، ص/۹۱) علامہ طبری لکھتے ہیں: فهجرته فاطمة فلم تکلمه فی ذالك حتی ماتت فدفنها علی لیلا ولم یوذن بها ابابکر۔ جناب سیدہؑ ابوبکر سے بالکل متنفر ہو گئیں اور پھر اُن سے کبھی نہیں بولیں یہاں تک کہ وفات پا گئیں تو حضرت علیؑ نے آپ کو رات میں دفن کر دیا اور حضرت ابوبکر کو خبر نہیں کی۔ (تاریخ طبری، جلد/۳، ص/۲۳۰)۔ تو اس مطالبۂ میراث سے عدول کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابوبکر سے آپ کی ناراضی دور ہو گئی تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ بات شعار انبیاء میں داخل رہی ہے کہ جب ان کا سامنا ضدی طبیعتوں سے ہوتا تھا انبیاء مامور ہوتے تھے اُن سے بحث و مناظرہ پر اور متمرد طبیعتیں اطاعت و انقیاد پر آمادہ نہ ہوتیں تو متعدد صورتوں سے افہام و تفہیم کی کوششیں کرتے تھے مخاطب ایک دلیل سے قائل نہ ہوتا تو دوسری دلیل سے سمجھاتے۔

جس وقت جناب ابراہیمؑ کا نمرود ایسے سرکش و خود سر انسان سے سامنا ہوا ہے جو خود خدائی کا مدعی تھا اپنے کو رب العالمین کہتا تھا اور جناب ابراہیمؑ نے اسے وحدانیت کی تبلیغ کی ہے خدائے وحدہٗ لا شریک پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے تو پہلی دلیل جو جناب ابراہیمؑ نے پیش کی وہ یہ تھی کہ ربی الذی یحیی و یمیت۔ میرا رب وہ ہے جو خلعت حیات بخشتا ہے اور موت کی منزل پر لاتا ہے۔ اتنی مستحکم دلیل تھی کہ کسی کے توڑے نہ ٹوٹ سکتی تھی مگر سرکش و خود سر نمرود نے جواب میں کہا قال انا احیی و امیت۔ میں بھی زندہ کرتا ہوں اور موت کی چاشنی چکھاتا ہوں لہٰذا مجھے بھی رب ہونا چاہئے اور اس نے اپنے ناقص خیال میں اس کا عملی یہ ثبوت بھی پیش کر دیا کہ دو قیدیوں میں سے ایک کو جسے سزائے موت تجویز ہوئی تھی رہا کر دیا اور جسے قید کی سزا تجویز کی گئی تھی قتل کر ڈالا۔ جناب ابراہیمؑ نے نمرود کے اس جواب پر دوسری دلیل پیش کی قال ابراهیم فان الله یاتی بالشمس من المشرق فات بها من المغرب۔ میرا رب وہ ہے جو مشرق سے آفتاب کو نکالتا ہے اے نمرود اگر تو بھی خدا ہے اگر تجھے بھی دعوائے ربوبیت ہے تو تو کسی دن مغرب سے نکال دے۔ نتیجہ کیا ہوا فبهت الذی کفر۔ مبہوت ہو گیا۔ کافر زبان دہن کے اندر جنبش نہ کر سکی۔ تو پہلی دلیل ناقص تھی یا جناب ابراہیمؑ نے نمرود کے دعوے کو تسلیم کر لیا تھا۔ بلکہ محض قائل کرنے کے لئے تمام راہیں مسدود کرنے کے لئے یہ دوسری دلیل پیش کی کہ اچھا یوں نہیں میرے پروردگار کو مانتے تو یوں مانو۔ یوں نہیں تسلیم کرتے تو اس طرح تسلیم کرو۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری دلیل پر نمرود بدحواس ہو کے رہ گیا۔ کوئی بات اس سے نہ بن سکی بالکل اسی طرح جناب معصومہؑ نے جب دیکھا کہ ابوبکر ہمارے مطالبۂ میراث پدر کو اس فرضی اور خود ساختہ حدیث سے ٹھکراتے ہیں تو آپؑ نے دعوائے ہبہ پیش فرمایا کہ اچھا میرے باپ کی میراث نہیں دیتے تو اس بناء پر دو۔ میراث سمجھ کر نہیں تو ہبہ ہی سمجھ کر دو کہ پیغمبرؐ مجھے زندگی میں ہبہ فرما چکے ہیں اور اس کے گواہ موجود ہیں۔ دونوں صورتیں ملتی ہوئی ہیں کوئی فرق نہیں۔ فرق ہے تو بس اتنا کہ وہاں دوسری دلیل پیش کرنے پر نمرود مبہوت ہو کر رہ گیا مگر یہاں حضرت ابوبکر دوسری دلیل پر بھی باز نہ آئے۔

حضرت ابوبکر نے گواہ طلب کئے جناب سیدہؑ نے بطور گواہ حضرت علیؑ کو پیش کیا حضرت علیؑ کی گواہی پر ابوبکر کو اطمینان نہ ہوا تو دوسرا گواہ طلب کیا تو آپؑ نے جناب ام ایمن کو پیش کیا انھوں نے گواہی دی اس پر بھی حضرت ابوبکر نہ مانے اور کہا ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی صحیح نہیں بلکہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہئے غرض جس طرح پیغمبرؐ کے میراث و ترکہ سے محروم کیا سیدہؑ کو اسی طرح حضرت ابوبکر نے سیدہؑ کو حضرت علیؑ کو اور ام ایمن کو جھوٹا قرار دے کر پیغمبرؐ کے عطیہ و ہبہ سے بھی محروم رکھا۔

علامہ سیوطی آیت وآت ذاالقربی حقہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لما نزلت هذه الاية دعا رسول الله فاطمة فاعطاها فدك.....لما نزلت وآت ذاالقربى حقه اقطع رسول الله فاطمة فدكا۔ (تفسیر درمنثور، جلد/ ۴، ص/ ۱۷۷)

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنی قرابت والے کو اس کا حق دے دو تو رسولؐ خدا نے فاطمہؑ کو بلایا اور فدک ان کے حوالے کر دیا اور جب یہ آیت اُتری تو رسولؐ خدا نے فدک کو بطور جاگیر جناب سیدہؑ کے سپرد کر دیا۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

فاتته فاطمة فقالت ان رسول الله اعطانى فدك فقال هل لك بينة فشهد لها على وام ايمن۔ (صواعق محرقہ ص/ ۲۲)

جب فاطمہؑ ابوبکر کے پاس آئیں اور کہا کہ فدک کو تو رسوؐل خدا نے مجھے عطا کیا تھا۔ ابوبکر نے کہا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے؟ اس پر حضرت علیؑ و ام ایمن نے گواہی دی۔

علامہ رازی لکھتے ہیں:

فلما مات ادعت فاطمة عليها السلام انه كان نحلها فدكا۔ (تفسیر کبیر، جلد/ ۸، ص/ ۱۲۵)

جب حضرت رسوؐل خدا کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہ علیہا السلام نے دعویٰ کیا کہ آنحضرتؐ نے اُن کو فدک ہبہ کر دیا تھا۔

علامہ سید شریف لکھتے ہیں:

ادعت فاطمة انه عليه السلام نحلها اى اعطاها فدكا نحلة اى عطية و شهد عليه على و الحسن و الحسين و ام كلثوم والصحيح ام ايمن۔ (شرح مواقف ص/ ۷۳۵)

فاطمہؑ نے دعویٰ کیا کہ پیغمبرؐ خدا نے فدک کو انھیں ہبہ کیا تھا بطور عطیہ کے اور ان کے اس دعوے پر حضرت علیؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ و ام کلثوم نے گواہی دی۔ اور صحیح یہ ہے کہ (ام کلثوم نے نہیں بلکہ) ام ایمن نے گواہی دی۔

علامہ سمہودی تحریر فرماتے ہیں:

ذکر المجد فی ترجمة فدك مايقتضی ان الذی دفعه عمر الی علی والعباس و وقعت الخصومه فیه هوفدك فاته قال فیها وهی التی کانت فاطمه ادعت ان رسول الله تحلینها فقال ابوبکر اریدبذالك شهود افشهد لها علی فطلب لها شاهدا اخر فشهدت لها ام ایمن ۔(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، جلد ر ۲، باب ر ۶، فصل ر ۲، ص ر ۱۶۰)

مجد نے فدک کے حال میں بیان کیا ہے کہ وہ چیز جو حضرت عمر نے حضرت علیؑ وعباس کو دی تھی اور جس کے بارے میں نزاع واقع ہوئی وہ فدک ہی ہے ۔کیوں کہ انھوں نے اس کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہی وہ چیز ہے جس کا دعویٰ جناب فاطمہؑ نے کیا تھا کہ رسولؐ خدا نے یہ جائیداد ان کو ہبہ کر دی تھی ۔اس پر حضرت ابوبکر نے ان سے کہا میں آپ کے اس دعوے پر گواہ چاہتا ہوں تو حضرت علیؑ نے جناب سیدہؑ کے موافق گواہی دی ۔حضرت ابوبکر نے کوئی دوسرا گواہ طلب کیا تو ام ایمن نے بھی گواہی دی ۔

علامہ علی متقی لکھتے ہیں :

ان فاطمة اتت ابابکر تسئلهم سهم ذوی القربی فقال لها ابوبکر سمعت رسول الله يقول سهم ذوی القربی فی حیاتی ولیس لهم بعد موتی ۔

حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابوبکر کے پاس آ کر ذوی القربیٰ کا حصہ طلب کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے رسولؐ خدا کو فرماتے سنا ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ میری زندگی میں ہے میرے بعد نہیں ہوگا ۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں :

کانت فدك لرسول الله خاصة لانه لم یوجف المسلمون علیها بخیل ولا رکاب وعن مالك بن جعونه عن ابیه قال قالت فاطمة لابی بکر ان رسول الله جعل لی فدك فاعطنی ایا ها وشهد لها علی ابن ابی طالب فسالها شاهد اٰخر فشهدت لها ام ایمن فقال قد علمت یا بنت رسول الله انه لا یجوز الاشهادة رجلین اور جل وامر أتین فانصر فت ۔

(فتوح البلدان ص ر ۳۸)

فدک کی جائداد خاص رسولؐ اللہ کے لئے تھی کیوں کہ مسلمانوں نے اس کو جہاد سے حاصل نہیں کیا تھا اور مالک بن جعونہ بیان کرتا تھا کہ جناب فاطمہؑ نے جناب ابوبکر سے فرمایا کہ حضرت رسولؐ خدا نے فدک مجھے دے دیا تھا لہٰذا تم وہ میرے حوالے کردو ۔آپ کے اس دعوے پر حضرت علیؑ نے گواہی دی ۔حضرت ابوبکر نے

دوسرا گواہ طلب کیا آپ نے ام ایمن کو پیش کیا انھوں نے گواہی دی اس پر حضرت ابوبکر بولے کہ اے دختر رسولؐ بات یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی صحیح نہیں ہے بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہئے۔ اس پر جناب سیدہ واپس چلی گئیں۔

علامہ حموی نے کچھ اور وضاحت سے کام لیا ہے:

فدك قرية بالطجاز بينها وبين المدينة يومان وقيل ثلاثة افاءها الله على رسوله فى سنة سبع صلحا فهى مما لم يوجف عليه بخيل وركاب فكانت خالصة لرسول الله و فيها عين فوارة و نخيل كثيرة وهى التى قالت فاطمة ان رسول الله نحلينها فقال ابوبكر اريد بذالك شهودا ولها قصة۔ (معجم البلدان، جلد ۶ ص ۳۴۳)

فدک حجاز میں ایک گاؤں ہے جو مدینہ سے دو یا تین دن کی راہ پر ملتا ہے۔ خدا نے ۷ھ میں یہ گاؤں حضرت رسولؐ خدا کو بہ طور صلح دلوایا تھا۔ پس یہ وہ گاؤں تھا جس کے لئے مسلمانوں نے نہ لشکرکشی کی نہ جنگ کی بلکہ بغیر ان باتوں کے رسولؐ کو حاصل ہوگیا۔ اسی سبب سے یہ حضرت رسولؐ خدا کی خاص جائداد ہوگئی۔ اس میں ایک جوش مارتا ہوا چشمہ اور بکثرت کھجور کے درخت تھے اور یہی وہ گاؤں تھا جس کے متعلق حضرت فاطمہؑ نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ اسے رسولؐ خدا نے مجھے بخش دیا تھا اس پر حضرت ابوبکر بولے کہ میں آپؑ کے دعوے کا گواہ چاہتا ہوں اور اس کا قصہ طولانی ہے۔

ایک رخ ہے حضرت ابوبکر کے طرز عمل کا اب دوسرا رخ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں ایک دو نہیں متعدد مقامات پر درج کیا ہے:

جابر بن عبدالله يقول قال لى رسول الله لوقد جاء مال البحرين لقد اعطيتك هكذا اثلاثا فلم يقدم مال البحرين حتى قبض رسول الله فلما قدم على ابى بكر امر مناديا فنادى من كان له عند النبى دين اوعدة فلياتنى قال جابر فجئت ابابكر فاخبرته ان النبى قال لوقد جاء مال البحرين اعطيتك هكذا او هكذ اثلاثا قال فاعطانى قال جابر فلقيت ابابكر بعد ذالك فسئلته فلم يعطنى ثم اتيته الثانية فلم يعطنى ثم اتيته الثالة فلم يعطنى فقلت له قد اتيتك فلم تعطنى ثم اتيتك فلم تعطنى ثم اتيتك تعطنى فاما ان تعطينى واما ان تبخل عنى قال اقلت تبخل عنى واى داء دوء من البخل

قالها ثلاثا ما منعوتك من مرة الا وانا اريد ان اعطيك و عن عمر و عن محمد بن علي قال سمعت جابر بن عبدالله يقول جئته فقال لی ابوبكر عدها فعدو تها فوجه نها خمس مائة قال خذ مثلها مرتين ۔ (صحیح بخاری، پارہ/۱۷ص/۸۸، پارہ/۱۰ص/۵۴وص/۵۷۳وغیرہ)

جناب جابر بیان کرتے تھے کہ مجھ سے حضرت رسُولِ خدا نے فرمایا تھا کہ اگر بحرین کا مال آئے گا تو میں تم کو ضرور اس قدر اس قدر اس قدر (تین مرتبہ) دوں گا مگر وہاں سے مال نہیں آیا یہاں تک کہ حضرتؐ کا انتقال بھی ہوگیا۔ پھر جب حضرت ابوبکر کے پاس وہاں کا مال آیا تو انھوں نے ایک منادی کو حکم دیا کہ پکار دے۔ جس شخص کا کوئی قرض رسُول کے ذمہ ہو یا حضرتؐ نے کسی سے کوئی وعدہ کیا ہو وہ میرے پاس آئے۔ اس پر میں (جابر) حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور اُن سے بیان کیا کہ حضرت رسُولِ خدا نے مجھ سے فرمایا تھا اگر بحرین کا مال آئے گا تو تم کو اس قدر اس قدر اس قدر (تین مرتبہ) دوں گا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے مجھے دے دیا۔ جابر کہتے تھے کہ اس کے بعد میں پھر حضرت ابوبکر سے ملا اور ان سے مانگا مگر انھوں نے نہیں دیا۔ پھر ان کے پاس دوبارہ آیا تب بھی نہیں دیا سہ بارہ بھی آیا اس وقت بھی نہیں دیا تب میں نے اُن سے کہا میں آپ کے پاس آیا مگر آپ نے مجھے نہیں دیا پھر آیا پھر بھی نہیں دیا پس یا تو مجھے دے دیجئے یا مجھ سے بخل کیجئے۔ اس پر حضرت ابوبکر بولے کیا تم مجھ کو بخل کرنے کو کہتے ہو؟ بخل سے زیادہ بُری بیماری کیا ہو سکتی ہے؟ اس جملہ کو تین مرتبہ کہا پھر کہا اے جابر میں نے تم سے ایک دفعہ بھی انکار نہیں کیا بلکہ میرا ارادہ یہی رہا کہ تم کو دوں گا۔ اور عمرو نے محمد بن علی سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے کہ سنا میں نے جابر بیان کرتے تھے کہ میں ابوبکر کے پاس آیا تو انھوں نے کہا اس کو شمار کرو، میں نے گنا تو ۵۰۰/تھا اس پر انھوں نے کہا کہ اس کا دوگنا اور لے لو۔

صحیح بخاری میں کئی روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ جناب جابر کے صرف دعوے پر حضرت ابوبکر نے بغیر گواہ طلب کئے ہوئے اُن کو پندرہ سَو دے دیا!!!

جناب جابر کا کیا ذکر ایک معمولی غلام بھی آپ سے وصیت رسُول کا حوالہ دے کر مطالبہ کرتا تو آپ نہ اس میں کوئی عذر کرتے نہ گواہ طلب کرتے نہ اس کو محروم واپس کرتے۔ امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں:

ان زنباعا وجد غلاما له مع جارية له فجدع انفه فاتى النبي فقال من فعل هذا بك قال زنباع فقال النبي للعبد اذهب فانت حر فاوصى به رسول الله المسلمين فلما قبض رسول الله جاء ابي بكر فقال وصية رسول الله قال نعم تجري عليك النفقة وعلى عيالك فاجراها حتى قبض ۔ (مسند، جلد/۲ص/۱۸۲)

زنباع نے اپنے ایک غلام کو اپنی کسی لونڈی کے ساتھ پکڑ لیا تو اس کی ناک کاٹ دی۔رسول خداؐ نے دیکھا تو پوچھا یہ کس نے کیا؟ کہا زنباع نے۔حضرتؐ نے فرمایا جا تو اب آزاد ہے۔پھر حضرتؐ نے اس کے بارے میں مسلمانوں سے وصیت کی اور جب حضرتؐ کا انتقال ہوگیا تو وہ غلام حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہؐ کی وصیت یاد کیجئے۔انھوں نے کہا ہاں ہم تیرا اور تیرے عیال کا وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔"اور فوراً مقرر کر دیا جو ان کے انتقال تک جاری رہا۔

اللہ اکبر! جناب سیدہؑ اس غلام کے برابر بھی نہیں سمجھی گئیں کہ اس غلام سے نہ کوئی عذر کیا گیا اور نہ گواہ طلب کئے گئے۔اور جناب سیدہؑ کو ان سب کے بعد بھی محروم کر دیا گیا۔

جناب جابر کے صرف دعویٰ پر حضرت ابوبکر کے پندرہ سو دے دینے کے متعلق تو علمائے اہلسنت نے ممدوح کے عمل کی تائید بھی کی کہ یہی کرنا چاہئے تھا علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

فيه قبول خبر الواحد العدل من الصحابة ولوجرّ ذالك نفعا لنفسه لان ابابكر لم يلتمس من جابر شاهدا على صحة دعواه۔(فتح الباری، پارہ ۹، ص/۴۲٦)

اس حدیث میں یہ بات بھی ہے کہ صحابہ سے کسی ایک عادل شخص کی خبر بھی قبول کر لی جائے گی اگرچہ وہ شخص وہ خبر اپنے ذاتی نفع ہی کے لئے بیان کرتا ہو کیوں کہ حضرت ابوبکر نے جابر سے کوئی گواہ ان کے دعوے کی صحت پر نہیں طلب کیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

انما لم يلتمس شاهدا منه لانه عدل بالكتاب والسنة۔(عمدۃ القاری، جلد/۵، ص/٦۷۵)

حضرت ابوبکر نے جناب جابر سے کوئی گواہ اس سبب سے نہیں طلب کیا کہ جابر قرآن وحدیث دونوں کی رو سے عادل تھے۔

کس قدر ماتم کی جگہ ہے کہ جابر ایسے صحابی کا دعویٰ تو اس طرح قبول کر لیا جائے اور کوئی گواہ بھی طلب نہ کیا جائے۔مگر جناب سیدہؑ، جناب امیرؑ، امام حسنؑ و امام حسینؑ اور امّ ایمن سب کو جھوٹا سمجھ لیا جائے حالانکہ جناب سیدہؑ کے بارے میں رسوؐل خدا نے فرمایا کہ (یہ ایسی معصومہ ہیں کہ) ان کی خوشی سے میری خوشی اور ان کی ناراضی سے میری ناراضی وابستہ ہے۔جناب امیرؑ کے بارے میں فرمایا کہ حق ادھر جائے گا جدھر علیؑ جائیں گے۔حسنؑ و حسینؑ کو سرداری جوانان اہل جنت کا درجہ دیا مگر حضرت ابوبکر کے دربار میں یہ کل حضرات جناب جابر بلکہ اس غلام سے بھی حقیر تر تھے۔فليبك على الاسلام من كان باكيا۔

مقدمۂ فدک پر بحث

اب ہم اس قضیۂ فدک پر شہادت کو زیر نظر رکھ کر بحث کرتے ہیں ناظرین کو چاہئے کہ بغیر تعصب مذہبی کے ہماری اس بحث کو غور سے مطالعہ کریں:

(۱)۔ سب سے پہلے ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کو اس مقدمہ کا اختیار سماعت ہی حاصل نہ تھا۔ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ حضرت ابوبکر کے خلاف تھا یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حکومت کے خلاف تھا۔ جس کے والی حضرت ابوبکر تھے دونوں طرح سے وہ اس تنازعہ کے فریق ثانی یعنی مدعا علیہ تھے۔ کسی قوم کے قانون میں، عقل کے کسی قاعدہ کی رو سے، انصاف کے کسی پہلو سے مدعا علیہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود ہی اس دعوے کا فیصلہ کرنے بیٹھ جائے جو اس کے خلاف ہو۔ حضرت ابوبکر کو چاہئے تھا کہ جس طرح وہ اور مقدمات کو دیگر صحابہ کے مشورہ سے فیصلہ کیا کرتے تھے اس مقدمہ کو بھی مسجد میں تمام مسلمانوں کی مجلس میں اس دعوے کو پیش کرتے یا اس کے فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کر دیتے۔ ہندوستان کے قانون کو دیکھو جو عیسائیوں نے رائج کیا ہے۔ حکومت کے خلاف جو دعویٰ ہوتا ہے اس کو خود گورنمنٹ یا گورنر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ حکومت مدعا علیہ ہوتی ہے اور عدالت دیوانی فیصلہ کرتی ہے۔ اس کا گورنر پابند ہوتا ہے۔ کیا فقہ اسلامی اس سے بھی گیا گزرا تھا۔ جماعت حکومت کے علماء کی نظر ادھر تو گئی کہ اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قبول نہ ہونی چاہئے لیکن مذہبی تعصب نے انھیں یہ نہ دیکھنے دیا کہ مدعا علیہ خود دعویٰ کا فیصلہ کر رہا ہے۔ اگر حکومت کے خلاف ہوتا تب بھی حضرت ابوبکر کو یہ مقدمہ خود نہ فیصلہ کرنا چاہئے تھا۔ لیکن یہ تو خود اُن کی ذات کے خلاف تھا اور اس کے خارج ہونے سے اُن کا ذاتی فائدہ تھا۔ حضرت ابوبکر نے کہنے کو تو کہہ دیا تھا کہ فدک سے تمام مسلمانوں کو فائدہ ہونا چاہئے۔ لیکن دراصل انھوں نے جناب رسولؐ خدا کی طرح اس کو ذاتی ملک سمجھ کر اپنے تصرف میں رکھا۔ کسی روایت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کو یا اس کی پیداوار کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کا مزید ثبوت مامون الرشید کے حکمنامہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ مامون نے لکھا تھا کہ آیندہ سے محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبداللہ کو ایسا ہی مالک کامل سمجھنا جیسا کہ میرے غلام مبارک کو سمجھتے تھے۔ گویا مامون الرشید کا غلام خلیفہ کی ذاتی ملکیت ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے قابض تھا۔ صاف عیاں ہوا کہ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ براہ راست حضرت ابوبکر کے خلاف تھا اور اس دعوے کا مانا جانا حضرت ابوبکر کے ذاتی مفاد کے خلاف تھا۔ حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں ایک زرہ کے متعلق

ایک یہودی میں اور حضرت علیؑ میں تنازعہ تھا۔ وہ مقدمہ حضرت علیؑ نے قاضی کے سپرد کر دیا اور خود بطور مدعی اس کی عدالت میں مدعاعلیہ کے برابر جا کر کھڑے ہو گئے۔ انصاف اس کو کہتے ہیں۔

(۲)۔ حضرت فاطمہؑ کا صاف وصریح دعویٰ تھا کہ جناب رسوؐل خدا نے فدک ان کو ہبہ کر دیا ہے اور خمس خیبر واقطاع مدینہ میں اُن کا حصہ بطور وارث ہے یعنی ترکہ رسوؐل خدا کی وہ حقدار ہیں۔

(۳)۔ پہلے وہ اپنے گواہان اپنے ہمراہ نہ لائیں کیوں کہ اُن کو یقین تھا کہ اُن کی صداقت پر اعتبار کیا جائے گا۔ مگر جب اُن سے گواہان طلب کئے گئے تو انھوں نے اپنی صداقت کی شہادت کے لئے حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، ام ایمن اور رباح غلام جناب رسوؐل خدا کو گواہی میں پیش کیا۔

(۴)۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے محض جناب فاطمہؑ کے بیان کو صحیح کیوں نہ سمجھا اور کیوں مزید شہادت طلب کی۔ محض مدعی یا مدعاعلیہ کے بیان پر اگر عدالت کو یقین ہو جائے تو ڈگری دی جا سکتی ہے۔ اصل مدعا تو عدالت کو دعوے کی سچائی کا یقین دلانا ہے۔ ایک مدعی کے بیان سے ہو یا ایک گواہ کے بیان سے یا دس گواہان سے۔ بسا اوقات معمولی درجے کے یک صد گواہان کے بیانات بھی وہ یقین نہیں پیدا کر سکتے اور ایک آدمی کا بیان سچا سمجھا جاتا ہے اور وہ یقین پیدا کر دیتا ہے۔ فقہ اسلامی میں نصاب شہادت عام صورت حالات کے لئے مقرر کیا گیا ہے لیکن اس سے وہ صورتیں مستثنیٰ ہیں جن میں حاکم کو واقعات کا علم حقیقی ہو۔ ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ میں قاضی ہوں میرے سامنے ایک شخص کو چور نے لوٹ لیا، وہاں کوئی اور موجود نہ تھا۔ کیا اب بھی میں چور کو سزا دینے کے لئے اُس شخص سے کہوں گا کہ تو دو آدمی گواہان پیش کر اور وہ پیش نہ کر سکے گا تو میں استغاثہ خارج کر دوں گا۔ شہادت محض ذریعہ ہے علم حقیقی مقصد ہے۔ اگر قاضی کو علم حقیقی حاصل ہے تو شہادت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابو بکر کو چاہئے تھا کہ حضرت فاطمہؑ کی سچائی پر یقین کر کے دعویٰ کو قبول کر لیتے۔ خود اُن کے فقہ کا اصول ہے کہ ایک صحابی عادل کی گواہی کافی ہے (جیسا کہ جناب جابر کا واقعہ اور اس کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی وعلامہ عینی کے بیانات گزشتہ صفحات میں نقل کئے جا چکے ہیں)

کیا حضرت علیؑ عادل نہ تھے......................

ایک اور نکتہ بھی ہے۔ نصاب شہادت کی تو وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں دعویٰ کی تردید کرنے والا کوئی موجود ہو۔ اگر حضرت ابو بکر کو آپ مدعاعلیہ نہیں سمجھتے تو یہاں تو فقط مدعیہ اور حاکم عدالت ہی ہے۔ دعویٰ کی تردید کرنے والا کوئی

مدعاعلیہ نہیں لہٰذا نصاب شہادت کی ضرورت نہیں۔صرف حاکم کو اپنی تسلّی کرنی مقصود ہے اس کے لئے دختر رسوؐل اور صدیق اکبر یعنی حضرت علیؑ کے بیانات کافی تھے۔

اگر حضرت ابوبکر خود مدعاعلیہ نہ تھے تو اُن کو چاہئے تھا کہ جس کو وہ فریق ثانی سمجھتے تھے اس کو اس دعویٰ کی اطلاع دیتے ،اُن کے خیال میں فدک تمام مسلمانوں کا حق تھا لہٰذا تمام مسلمانوں کو اطلاع دیتے اور اگر وہ لوگ دعوائے مدعیہ کو تسلیم ہی کر لیتے تو پھر کسی شہادت کی ضرورت ہی نہ ہوتی یہ اس فقہ اسلامی کے عین موافق ہے جس فقہ اسلامی کی نصاب شہادت پر آپ کا انحصار ہے۔اس کو کیوں نظر انداز کیا گیا؟اس کی وجہ دو میں سے ایک ہوسکتی تھی یا تو حضرت ابوبکر اپنے تئیں ہی مدعاعلیہ وفریق مخالف سمجھتے تھے یا ڈرتے تھے کہ اگر تمام مسلمانوں کو اطلاع دی اور اُن کو ایک فریق تصور کیا تو وہ سب مدعیہ کے دعوے کو تسلیم کرلیں گے۔

محض بیان مدعی کو صحیح تصور کر کے اس کے مطابق فیصلہ صادر کرنا خود حضرت ابوبکر کی سنت تھی ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ محض جابر بن عبداللہ کے بیان پر کہ آں حضرتؐ نے مال بحرین میں سے انھیں اتنا اور اتنا اور اتنا دینے کا وعدہ کیا تھا۔حضرت ابوبکر نے ان کو تین پُسیں زروجواہرات کی دے دیں نہ گواہ نہ شاہد نہ تنقید شہادت عام منادی ایام حج میں کرادی کہ جس کے ساتھ رسوؐل خدا نے کوئی وعدہ کیا ہے وہ آن کر محض بیان کرے۔اس کے قول پر عمل ہوتا تھا...... یہ دو قسم کا طرز عمل کیسا؟دختر رسوؐل تو خود جھوٹی اور جھوٹی شہادت پیش کرے۔شہادت میں خلافت راشدہ کا ایک خلیفہ پیش کیا جاتا ہے وہ بھی جھوٹا۔حسنین علیہم السلام بھی جھوٹے،دعویٰ غلط،لہٰذا خارج۔لیکن معمولی صحابی آتا ہے محض اس کے بیان پر مسلمانوں کے مال میں سے اسے دیا جاتا ہے آخر اس کا سبب کیا ہے؟دختر رسوؐل کو اتنا ذلیل کیوں کیا جاتا ہے۔ان پر اتنا ظلم کیوں ہوتا ہے؟محض اس وجہ سے کہ ان کا شوہر اس حکومت کا مدعی ہے جس پر تم نے قبضہ کرلیا ہے۔نتیجہ نکلا کہ شہادت طلب کرنا محض ایک بہانہ تھا۔

(۵)۔ شہادت پیش ہوتی ہے۔اب ہم اس شہادت پر غور کرتے ہیں جو اس مقدمہ میں پیش ہوئی۔شہادت میں وہ شخص پیش ہوا جو رسالت محمدیہ کی تصدیق کے لئے خدا کی طرف سے گواہی میں طلب ہوا۔جس کی نسبت جناب رسوؐل خدا فرمایا کرتے تھے کہ وہ صدیق اکبر وفاروق اعظم ہے،جدھر یہ پھرتا ہے اُدھر حق پھر جاتا ہے۔قرآن اس کے ساتھ ہے اور یہ قرآن کے ساتھ ہے حسنینؑ بھی رسالت محمدیہ کی شہادت میں طلب کئے گئے تھے اس شہادت کو تین وجوہات پر رد کر دیا گیا۔

(ا)۔ نصاب پورا نہیں

(ب)۔ اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔

(ج)۔ حضرات حسنینؑ صغیر سن تھے

ہم ان میں سے ہر ایک پر غور کرتے ہیں:۔

(ا)۔ نصاب شہادت: ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ چونکہ ابھی مدعاعلیہ طلب ہی نہیں ہوا تھا نصاب شہادت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔علاوہ اس کے نصاب شہادت معمولی مقدمات کے لئے ہے جن میں حاکم یا قاضی کے پاس کوئی ذریعہ صحیح واقعات معلوم کرنے کا نہیں لیکن اگر حاکم کو عینی یقین کسی امر کا ہے تو پھر نصاب شہادت کی ضرورت نہیں اور نصاب بھی پورا تھا۔وقتاً فوقتاً حضرت علیؑ، رباح، ام ایمن، ام کلثوم، حضرت حسنؑ، حضرت حسینؑ شہادت میں پیش ہوئے غالباً ایک وقت میں پیش نہیں ہوئے۔جیسا عذر ہوتا گیا اس کے مطابق گواہ پیش ہوتے رہے۔ یہ تو ضروری نہیں کہ ایک ہی پیشی پر سارے گواہان پیش ہوجائیں اگر یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ حضرت علیؑ و ام ایمن ہی فقط شہادت میں اول مرتبہ پیش ہوئے تھے تو پھر بھی نصاب پورا ہوگیا، حضرت فاطمہؑ و ام ایمن دو عورتیں اور حضرت علیؑ ایک مرد ہوئے۔ یہ عذر نہیں اُٹھایا جاسکتا کہ نصاب شہادت فریقین کے علاوہ ہوتا ہے کیوں کہ یہاں کوئی دوسرا فریق تردید کرنے والا موجود نہیں۔کوئی شخص یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ رسولؐ خدا نے ہبہ نہیں کیا میں ہر وقت رسولؐ خدا کے ساتھ رہتا تھا۔اگر ہبہ کرتے تو مجھے معلوم ہوجاتا یا مجھ سے رسولؐ خدا نے کہا تھا اُنھوں نے ہبہ نہیں کیا۔ اگر کوئی شخص تردید واقعہ کرنے والا ہوتا پھر مدعیہ کا بیان اور مدعاعلیہ کا انکار ایک دوسرے کو رد کردیتے اور اُن کے علاوہ نصاب شہادت طلب کیا جاتا۔حضرت ابوبکر نے تو اپنے تئیں حاکم کی حالت میں رکھ کر لاعلمی والی حاکمانہ ذہنیت اختیار کرکے ثبوت طلب کیا تھا جب دعویٰ کی تردید نہیں اور مدعیہ کے بیان کے برخلاف اور اس کی تردید میں کوئی دوسرا بیان نہیں تو پھر مدعیہ کو بطور گواہ تصور کیا جاسکتا ہے۔جناب حسنینؑ اور حضرت علیؑ مل کر بھی نصاب شہادت پورا ہوجاتا ہے کوئی ضروری نہیں کہ نابالغ شخص اگر صاحب عقل وتمیز ہے تو اُس کی شہادت قبول نہ کی جائے یا اولاد کی شہادت اُن کے والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔جب مباہلہ والے دن جناب رسولؐ خدا اپنی نبوت کی شہادت میں جناب فاطمہؑ و حسنینؑ و علی علیہم السلام کو لے گئے تو عیسائیوں نے تو عذر نہیں اُٹھایا کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔آں حضرتؐ تو خود فریق تھے جس طرح فدک کے معاملہ میں حضرت فاطمہؑ فریق تھیں۔اب رہ گئے حضرت

علیؑ اور فاطمہؑ اور یہی دونوں بچے بقول آپ کے نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ مباہلہ والے دن شہادت نہ تھی دعا تھی کیوں کہ اگر مباہلہ ہوتا تو پہلے دعویٰ بیان ہوتا کہ آں حضرتؐ سچّے نبی ہیں یا حضرت عیسیٰ محض بندۂ خدا تھے پھر عیسائی انکار کرتے اور پھر بد دعا ہوتی۔ یہ کہنا کہ آں حضرتؐ سچے نبی تھے یا حضرت عیسیٰؑ بندۂ خدا تھے فرزند خدا نہ تھے۔یہی شہادت تھی۔

(ب)۔ اولاد کی شہادت والدین کے حق میں: یہ کون سا قرآنی حکم ہے جس کے رو سے اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ ہم اس کو بطور ایک نظیر کے پیش کرسکتے ہیں۔اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں کہ علمائے جماعت حکومت نے اپنے حکام سقفیہ کے طرزعمل کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں کس طرح فقہ اسلام کو توڑ مروڑ کر مسخ کردیا ہے۔قریبی رشتہ داروں کی گواہی کو ناقابل ادخال شہادت قرار دے کر یہ امر قطعاً فیصلہ کردیا گیا کہ مسلمان ایسے بے اعتبار و ناحق کوش ہوتے ہیں کہ اُن کا بیان اُن کے قریبی رشتہ داروں کے حق میں کبھی قابل قبول ہو نہیں سکتا۔کلیہ تو قائم ہوگیا لیکن اس سے دقّت یہ آپڑے گی کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے فضائل کی جتنی احادیث ہیں اُن کے اکثر کے راوی حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر ہیں۔حضرت ابوبکر کی امامت نماز کے قضیہ کی تو واحد راویہ حضرت عائشہ ہیں۔ یہ دقت تو باقی رہے گی جب تک کہ ایک اور کلیہ نہ قائم کیا جائے کہ اس قاعدے سے اگرچہ نبیؐ کی اولاد مستثنیٰ نہیں لیکن اُن کے خلیفہ کی اولاد مستثنیٰ ہے اور یہ استثنا تو قائم ہو ہی گیا۔جب ان دونوں بزرگواروں کی شہادت فضیلت اپنے اپنے باپ کے حق میں بلاعذر قبول کی جاتی ہے اس مسخ شدہ فقہ کے مقابلہ میں عیسائیوں کے جاری کردہ قانون کو دیکھو اُنھوں نے فطرت انسانی کو یہ اعلیٰ درجہ دیا ہے کہ یہی نہیں کہ اولاد کی گواہی بلا کسی عذر کے اپنے والدین کے حق میں قابل ادخال شہادت ہوسکتی ہے خود مدعی بھی ایسا ایماندار تصور کیا جاسکتا ہے کہ اس کا اپنا بیان بھی اپنے حق میں داخل شہادت ہے۔دیکھا آپ نے اپنے حکام کی محبت میں اپنے دین پر اعتراض لے لیا۔

(ج)۔ صغرسنی: سن تمیز ہونا چاہئے۔محض صغرسنی کوئی وجہ نہیں ہے کہ شہادت کو رد کردیا جائے اور یہ تو ایسے بچے تھے کہ ایسے مہم امور میں جیسے کہ مباہلہ تھا طلب کئے جاتے ہیں اور ان کے بیانات اور اُن کی دعاؤں کو خدا کی بارگاہ میں وقعت دی جاتی ہے۔

(۶)۔ اگر حضرت ابوبکر جناب رسوؐل خدا کے جانشین تھے تو آں حضرتؐ کی رحلت پر صرف ان اراضیات یا اشیاء پر قبضہ کرتے جو جناب رسالت مآبؐ کے پاس بطور حاکم و والی کے تھیں۔فدک تو اُس وقت آں حضرتؐ کے قبضہ میں

نہیں تھا جناب فاطمہؑ کے قبضہ میں تھا۔حضرت فاطمہؑ کو بے دخل کس بناء پر کیا۔دعویٰ تو پہلے حضرت ابو بکر کو کرنا چاہئے تھا اگر وہ سچّا ثابت ہوتا تو پھر وہ قبضہ کر سکتے تھے۔بغیر دعویٰ و بغیر ثبوت کے دوسرے کی مقبوضہ اراضیات پر قبضہ کر لینا حکومت الٰہیہ کی شان نہیں ہے۔

(۷)۔ ہبہ سے انکار کرنا حضرت ابو بکر کے لئے جائز نہ تھا۔اس سے تو ورثہ کا آپس میں تعلق تھا۔اس کو ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔متوفی کے کئی ورثہ ہیں ان میں سے ایک وارث دعویٰ کرتا ہے کہ منجملہ جائداد کے ایک باغ متوفی نے مجھے ہبہ کر کے دے دیا تھا۔اس دعویٰ کا اثر محض ورثا پر پڑتا ہے کسی غیر شخص پر نہیں پڑتا۔جناب رسولؐ خدا کے ورثا میں سے اس وقت کسی وارث نے آن کر دعویٰ فاطمہؑ کی تردید نہیں کی بلکہ کبھی بھی تردید نہیں کی دیگر ورثا مدعا علیہم بھی نہیں تھے۔پھر حضرت ابو بکر کو ہبہ کی شہادت طلب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔اگر تحقیقات مطلوب تھی تو دیگر ورثہ کو طلب کر کے اُن سے پوچھتے اور اگر وہ مان لیتے تو معاملہ ختم تھا۔

(۸)۔ اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا کہ بطور جانشین رسولؐ کے حضرت ابو بکر بھی آں حضرؐت کے ایک وارث تھے وہ اگر وارث تھے تو حکومت کے وارث تھے۔اس بحث میں یہ امر بہت اچھی طرح مدنظر رکھنا چاہئے کہ آں حضرؐت کے زمانے تک بلکہ اس کے بعد تک حکومت کی اپنی ملکیت کی کوئی آراضی یا جائداد غیر منقولہ نہیں ہوتی تھی۔خیبر کی آراضیات اُسی وقت آں حضرؐت نے لوگوں میں تقسیم کر دی تھیں اور کوئی جائداد غیر منقولہ ایسی نہ تھی کہ جو حکومت کے قبضہ میں ہو سکتی۔حکومت کی جائداد کی ملکیت کا تخیل ابھی تک فقہ اسلامی میں پیدا نہیں ہوا تھا جو شئے حکومت کے قبضے میں آتی تھی وہ فوراً مسلمانوں میں تقسیم ہو جاتی تھی۔لشکر کو تنخواہ دینے کا دستور بھی نہیں ہوا تھا۔تمام قوم مسلمانوں کی ایک لشکر تصور ہوتا تھا۔ہر ایک پر خدمت جہاد واجب تھی اور جب منادی ہوتی تھی سب جمع ہو جاتے تھے لشکریوں کو تنخواہ دینے کا دستور حضرت عمر نے جاری کیا تھا اور تب ہی حکومت کو اپنی علحدٰہ ملکیت قائم رکھنے کا خیال پیدا ہوا لیکن اس وقت میں ایسی آراضیات حکومت کی ملکیت میں نہیں لی جاتی تھیں۔بہرصورت یہ تو ظاہر ہے کہ آں حضرؐت کے وقت تک حکومت کی کوئی جائداد نہ تھی جس کے وارث حضرت ابو بکر ہوتے۔حدیث لانورث کا پیش کرنا ہی ثابت کرتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے جائداد متنازعہ کو جناب رسولؐ خدا کی ذاتی ملکیت تو مان لیا صرف یہ عذر پیش کیا کہ ورثہ کے قانون میں نہیں آتی۔اگر رسولؐ خدا عام حاکم ہوتے پیغمبرؐ نہ ہوتے تو آراضیات اُن کے ورثہ میں تقسیم ہو جاتیں اسی سے ظاہر ہے کہ یہ حکومت کی ملک نہ تھی اور حضرت ابو بکر ان کے وارث نہ تھے۔

(۹)۔ حدیث لانورث کی رو سے یہ جائداد متنازعہ صدقہ ہوتی تو پھر حضرت ابوبکر نے کیوں دیگر صدقات کی طرح مسلمانوں میں تقسیم نہ کیا کیوں اپنی خاص ملک میں رکھ لیا؟

(۱۰)۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مقدمہ میں بارثبوت کس فریق کے ذمہ تھا اور شہادت کس کو پیش کرنی چاہئے تھی۔ جناب فاطمہؑ کے قبضے میں یہ جائداد تھی حضرت ابوبکر اُن کو بے دخل کرنا چاہتے تھے۔لہٰذا بارِ ثبوت ابوبکر کے ذمہ ہوا کہ حضرت فاطمہؑ کے بے دخل کرنے کا حق ثابت کریں۔

دوسری طرح بھی دیکھو، حضرت فاطمہؑ آن کر ہبہ و میراث کے بناء پر دعویٰ کرتی ہیں۔ جناب رسوؐل خدا کی خالص ملکیت تسلیم شدہ تھی قانون وراثت حضرت فاطمہؑ کے حق میں تھا اس مسلمہ قرآنی قانون وراثت کے خلاف حضرت ابوبکر ایک ایسی حدیث پیش کرتے ہیں جس کی صحت سے حضرت فاطمہؑ کو انکار تھا۔صریحاً ظاہر ہے کہ اس حدیث کی صحت کا بارثبوت حضرت ابوبکر پر تھا۔مقدمات کے صحیح فیصلہ کے لئے بارثبوت کا مسئلہ بہت اہم ہوتا ہے۔

(۱۱)۔ میراث کے دعوے کی تردید میں حضرت ابوبکر نے جناب رسوؐل خدا کی طرف منسوب کر کے ایک ایسی حدیث بیان کی تھی جس کو کسی اور نے جناب رسوؐل خدا سے نہیں سنا تھا۔اگر انصاف کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا تو اس حدیث کی صحت کو ثابت کرنا حضرت ابوبکر کے ذمہ تھا اور پھر دیکھتے کہ نصاب شہادت کس طرح پورا ہوتا ہے۔سوائے حضرت عمر اور حضرت عائشہ کے اور کوئی گواہ ہی نہ ملتا ہاں اگر حکومت کا زور لگاتے تو دوسری بات ہے۔ (البلاغ المبین مصنفہ جناب آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی، حصہ دوم)

واقعہ یہ ہے کہ خود حضرت ابوبکر اپنی تن تنہا پیش کی ہوئی اس حدیث کی قدر و قیمت سمجھتے تھے اور انھیں یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ پیغمبرؐ خود فدک کو سیدہؑ کے نام ہبہ کر چکے ہیں چنانچہ علامہ حلبی نے لکھا ہے:

وفی کلام سبط ابن الجوزی رحمه الله رضی الله عنه کتب لها بفدك و دخل علیه عمر فقال ماهذا فقال کتاب کتبت لفاطمه بمیراثها من ابیها فقال مما ذاتنفق علی المسلمین وقد حاربتك العرب کما تری ثم اخذ عمر الکتاب فشقه۔(سیرۃ حلبیہ ،مطبوعہ،مصر، جلد/ ۳،ص/ ۳۶۲)

علاّمہ سبط ابن جوزی کے کلام میں ہے کہ حضرت ابوبکر نے آخر میں حضرت فاطمہؑ کے لئے فدک کا وثیقہ لکھ دیا تھا۔حضرت عمر وہاں پہنچ گئے۔آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا حضرتؐ رسول خدا کی جو میراث فاطمہؑ کو پہنچتی ہے اس کے بارے میں یہ وثیقہ میں نے

اُن کو لکھ دیا ہے حضرت عمر بولے پھر کس چیز سے مسلمانوں کے متعلق خرچ کرو گے حالانکہ دیکھتے ہو کہ عرب تم سے جنگ پر آمادہ ہیں یہ کہہ کر آپ نے وہ وثیقہ لے لیا اور چاک کر ڈالا۔

اس عبارت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

(۱)۔ خود حضرت ابوبکر اپنی بیان کی ہوئی حدیث کہ نحن معاشر الانبیاء لانورث ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ وہ تو سلطنت وحکومت کا ہیجان تھا، اقتدار کا اول اول جوش تھا جس کے تحت آپ نے سیدہؑ کو محروم کیا پھر جب ذرا ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع ملا تو خیال آیا کہ ہمارا یہ اقدام مناسب نہیں۔ اگر حضرت ابوبکر کو خود اس پر ایمان ہوتا کہ پیغمبرؐ ایسی حدیث فرما چکے ہیں تو آپ کبھی نوشتہ نہ لکھتے۔ لیکن آپ کا یہ فقرہ ''کتبت لفاطمه بميراثها من ابيها'' ''حضرت رسُولِ خدا کی جو میراث فاطمہؑ کو پہنچتی ہے اس کا وثیقہ ہے۔'' بتاتا ہے کہ آپ خود بھی اس پر یقین نہیں رکھتے تھے کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ کیوں حضرت ابوبکر نے پہلے سیدہؑ کو میراث سے محروم کیا، تو یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں علامہ ابن ابی الحدید کی عبارت پڑھئے:۔

سئلت علی بن الفاروقی مدرس مدرسة العربية ببغداد فقلت له اكانت فاطمة صادقة قال نعم قلت فلم لم يدفع اليها ابوبكر فدك وهي عنده صادقة فتبسم ثم قال كلامًا لطيفًا مستحسنًا مع ناموسه و حرمة و قلة دعا بته قال لواعطاها اليوم بموجود دعواها لجاءت اليه غدا وادعت لزوجها الخلافة و زخزحته عن مقامه ولم يكن يمكنه الاعتذار اوالموافقة بشي لا نه يو كن قد سجل على نفسه بانها صادقة فی ماتدعی کائنا ما کان من غير حاجته الى بينة ولا شهود وهذا كلام صحيح وان كان اخرجه مخرج الدعابة۔

(شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید معتزلی، جلد ۴، ص ۱۰۵)

میں نے علی بن فاروقی سے جو بغداد کے مدرسۂ عربیہ میں مدرس تھے پوچھا کہ کیا فاطمہ زہراؑ اپنے دعویٰ میں سچی تھیں؟ اُنھوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا پھر کیوں حضرت ابوبکر نے ان کو فدک دے نہیں دیا؟ حالانکہ جناب سیدہؑ اُن کے خیال میں سچی تھیں اس پر وہ ہنسے باوجود اس کے کہ وہ کم مزاح کے آدمی اور غیرت و

حرمت وشان و وقار کے بزرگ تھے، ایک لطیف اور دلچسپ بات کہی کہ اگر آج حضرت ابوبکر جناب سیدہؑ کے دعوے پر فدک اُن کو واپس کر دیتے تو کل وہ پھر پہنچتیں اور وہ اپنے شوہر کے لئے خلافت کا دعویٰ کرتیں اور ابوبکر کو اُن کے تخت حکومت سے ہٹا دیتیں۔ اس وقت ابوبکر نہ کوئی عذر کر سکتے نہ اُن کی بات ٹال سکتے کیوں کہ اُنھوں نے خود اپنے خلاف اس بات پر مہر کر دی ہوتی کہ فاطمہؑ جو دعویٰ بھی کریں اس میں وہ سچی ہیں اس پر نہ کسی گواہ کی ضرورت ہے نہ دلیل کی اور (علی بن فاروقی کا) یہ کلام بالکل صحیح ہے اگر چہ ہنسی ہنسی میں یہ بات کہہ گئے۔

(۲)۔ دوسری بات علامہ سبط ابن جوزی کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر کو بھی اس حدیث کا اعتبار نہ تھا حضرت ابوبکر کے نوشتہ لکھنے پر حضرت عمر کا یہ کہنا کہ مما اذا تنفق علی المسلمین پھر کس چیز سے مسلمانوں کے متعلق خرچ کرو گے، بتاتا ہے کہ آپ فدک کے حوالہ سیدہؑ کرنے پر جو مزاحم ہوئے وہ پیغمبرؐ کی اس حدیث کو کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا صحیح سمجھنے اور فدک کے ہبۂ پیغمبرؐ اور ملکیت خاص فاطمہؑ سے منکر ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے مزاحم ہوئے کہ سلطنت و لشکر کے اخراجات کہاں سے نکلیں گے۔ اگر حضرت عمر بھی اس حدیث کو صحیح سمجھے ہوتے تو آپ کہتے کہ رسولؐ جب فرما چکے ہیں کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا تو آپ اس فدک کو پیغمبرؐ کی میراث قرار دے کر کیوں سیدہؑ کو دے رہے ہیں۔

یہ تو کیفیت تھی حضرت ابوبکر کی اُن کے بعد دَور آیا حضرت عمر کا، تاریخ بتاتی ہے:۔

ثمہ ادّی اجتہاد عمر ابن الخطاب بعدلما و فی الخلافة و فتحت الفتوح واتسعت علی المسلمین ان یرد ھا الی ورثة رسول الله فکان علی ابن ابی طالب و العباس بن عبدالمطلب یتنا زعان فیھا فکان علی یقول ان النبی جعلھا فی حیاته لفاطمه و کان العباس یابی ذالك و یقول ھوملك رسول الله وانا وارثه و کانا یتخا صمان الیٰ عمر فیابی ان یحکم بینھما و ھویقول انتما اعرف بشا ذ کما اما انافقد سلمتھا الیکما۔

(معجم البلدان، جلد/۶ص/۳۴۳)

جب حضرت عمر ابن الخطاب خلیفہ ہوئے اور کثرت سے ملک فتح ہو چکے اور مسلمانوں کو مالی وسعت حاصل ہوگئی تو ان کے اجتہاد نے یہ طے کیا کہ فدک رسول خداؐ کے وارثوں کو واپس کر دیں۔ اس پر جناب عباس بن عبدالمطلب حضرت علیؑ سے نزاع کرنے لگے حضرت علیؑ کہتے تھے کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنی زندگی ہی میں یہ فاطمہؑ کو دے دیا تھا اور جناب عباس اس سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ رسول خداؐ کی جائداد ہے اور

میں حضرتؐ کا وارث ہوں، دونوں کی یہ نزاع حضرت عمر کو معلوم ہوئی تو اُنھوں نے اُن کے درمیان فیصلہ کرنے سے انکار کیا اور کہا آپ دونوں اپنے امور مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ میں نے تو بہر طور آپ لوگوں کے سپرد کر دیا۔

اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:۔

(۱)۔ حضرت ابو بکر کے عہد میں حضرت عمر نے بھی فدک کو روکا۔

(۲)۔ جب حضرت عمر خود خلیفہ ہوئے اور اجتہاد کیا تو فیصلہ کیا کہ اسے ورثہ رسولؐ کی طرف واپس کر دیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بھی حضرت ابو بکر کی پیش کردہ حدیث کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ لفظ ''واپس کرنا'' یہی بتاتا ہے کہ پہلے یہ زبردستی اور بے قاعدہ لے لیا گیا تھا ورنہ اس کے عوض یہ کہتے ''ورثہ رسولؐ کو دیدیں یا عطا کریں۔''

(۳)۔ حضرت عمر نے چونکہ اس کو میراث رسولؐ کی حیثیت سے واپس کیا اس سبب سے حضرت عباس نے اس کا دعویٰ کیا اور جناب امیرؑ سے نزاع کی۔

(۴)۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ فدک وارثان رسولؐ کا مال نہیں بلکہ خاص جناب سیدہؑ کا ہے اور آں حضرتؐ نے اپنی زندگی ہی میں اسے فاطمہؑ کو دے دیا تھا جس سے جناب سیدہؑ کی ملک میں اُسی وقت آ گیا تھا

حضرت عمر کے بعد جو خلفا ہوئے اُنھوں نے بھی اپنے عمل سے یہ بتایا کہ اُنھوں نے حضرت ابو بکر کی اس حدیث کو صحیح نہیں سمجھا چنانچہ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

فلما ولی عمر بن عبدالعزیز الخلافة کتب الیٰ عامله بالمدینة یا مره بردفدك الیٰ ولد فاطمة فکانت فی ایدیهم فی ایام عمر بن عبدالعزیز۔ (معجم البلدان، جلد/ ۶، ص/ ۳۴۳)

جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو اپنے عامل مدینہ کو لکھ بھیجا کہ فدک اولاد فاطمہؑ کو واپس کر دو اس طرح اس خلیفہ کے زمانے میں یہ جائداد اولاد جناب سیدہؑ کے قبضہ میں رہی۔

سب سے زبردست ثبوت خلیفہ مامون کی تحریر ہے یہ بھی شاہد ہے کہ مامون نے حضرت ابو بکر کی اس حدیث کو صحیح نہ سمجھا اور فدک کو جناب فاطمہؑ ہی کی جائداد اور ملکیت خاص سمجھتا تھا۔ علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

اما کانت سنة (۲۱۰) امر امیرالمومنین المامون عبدالله بن هارون الرشید فدفعها الیٰ ولد فاطمه و کتب بذالك الیٰ قثم بن جعفر عامله علی المدینة اما بعد فان امیرالمومنین بمکانه من دین الله وخلافة رسوله والقرابة براولیٰ من استن سنته

ونفذ امرہ و سلم لمن علیہ وتصدّق علیہ لصدقۃ سحتۃ و صدقتہ وبساللہ توفیق امیرالمومنین........ وقد کان رسول اللہ اعطی بنت رسول اللہ فدك و تصدق بها علیها و کان امرًا ظاهرا معروفا لا اختلاف فیہ۔(فتوح البلدان ص/۴۰، معجم البلدان ص/۳۴۵)

جب ۲۱۰ھ ہوا تو خلیفہ مامون نے فدک کو اولاد جناب فاطمہؑ کے حوالہ کر دیا اور اس کے متعلق مدینہ میں اپنے عامل کو فرمان لکھ بھیجا کہ خلیفہ رسولؐ (مجھ) کو سب سے زیادہ یہ بات مناسب ہے کہ آں حضرؐت کے عمل کی پیروی کرے اور حضرؐت کے حکم کو جاری کرے اور حضرؐت نے جو چیز جس کو دی تھی اس کو دیدے اور یہ واقعہ آں حضرؐت نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو فدک دے دیا تھا اور آپ کو بطور مستقل جائداد اسے بخش دیا تھا۔ اور یہ امر ایسا ظاہر و مشہود تھا کہ اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔

فصل چہارم

امیرالمومنین علیہ السلام کا صبر وسکوت اور اس کے وجوہ واسباب

گزشتہ فصل میں ہم ان مظالم کا سرسری تذکرہ کر آئے ہیں جو قابضان خلافت نے آپ پر ڈھائے اور ضمنی طور پر امیرالمومنینؑ کے صبر وتحمل اور اس کے وجوہ واسباب کا بھی ذکر آچکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ کو اسلام سے بعینہ وہی تعلق ہے جو خود بانی اسلام کو تھا جس طرح اسلام کی لفظ سنتے ہی پیغمبر اسلامؐ کا تصور ذہنوں میں آجاتا ہے، اسی طرح علیؑ ابن ابی طالبؑ کا بھی پیغمبرؐ کی طرح آپ کو بھی اسلام سے جدا کیا ہی نہیں جاسکتا۔ آپؑ اسلام سے اور اسلام آپ سے جس طرح وابستہ و پیوستہ رہا اس سوانح عمر کی پہلی جلد **اعجاز الولی** میں بہت شرح و بسط سے اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ جس طرح یہ صحیح ہے کہ تبلیغ اسلام میں حضرت خاتم النبیینؐ کو جتنی زحمتیں اٹھانی پڑیں کسی نبی یا رسول کو ان زحمتوں کا سامنا نہ ہوا۔ اسی طرح اس حقیقت میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ جتنی جانکاہی و جانفروشی علیؑ نے اسلام کی حمایت میں کی وہ کسی دوسرے نے نہیں کی۔ ابتدائے بعثت سے لے پیغمبرؐ کی آخری سانسوں تک رسولؐ کے شریک رہ کر اس کی پرورش کرتے رہے۔ اس کی اشاعت میں منہمک رہے۔ کسی لالچ کی وجہ سے نہیں، کسی امید وآرزو کی بناء پر نہیں بلکہ محض اس وجہ سے کہ جس طرح خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو رسول اسلامؐ بنا کر خلق فرمایا تھا اسی طرح علیؑ کی خلقت بھی اسی لئے ہوئی تھی کہ تبلیغ اسلام میں پیغمبرؐ کے برابر شریک رہیں۔ اس حقیقت کو پیغمبرؐ نے کتنے واضح لفظوں میں بیان کیا ہے۔ یاعلی انت منّی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انّہٗ لا نبوّۃ بعدی (صحیح بخاری) پیغمبرؐ اسلام خاتم النبیین تھے۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا اس لئے علیؑ نبی تو بن نہ سکے لیکن علیؑ کی قوت استعداد وصلاحیت نبوت میں کسے کلام ہوسکتا ہے۔ ورنہ پیغمبرؐ کے اس جملہ کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کہ تمہیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔

جو منزلت شریعت موسیٰ میں ہارون کی تھی وہی حیثیت شریعت اسلامیہ میں علیؑ کو حاصل تھی۔ جو خلوص وہمدردی ہارون کو شریعت موسیٰ سے تھی جو ولولہ وجذبہ اس کی تبلیغ واشاعت سے تھا جو جانسوزی وتعلق خاطر موسیٰ کے مشن سے تھی بعینہ علیؑ کو بھی وہی خلوص وہمدردی وہی جانسوزی وتعلق خاطر وہی محبت واُلفت شریعت محمدی سے تھی۔ ہارون سے جذبہ فداکاری میں کیا کیا

مظاہرے ہوئے شریعت موسوی کی خدمت میں کتنی زحمتیں جھیلیں۔امتداد زمانہ کے سبب اُن کی تفاصیل اس میں معلوم نہ ہوسکیں لیکن علیؑ کے خدمات عالم آشکارا ہیں، اُن کی جانفروشی وفداکاری کے واقعات سے تاریخ کی کل کتابیں مملو ہیں۔

آپ پیغمبرؐ کی آغوش میں پلے اور پیغمبرؐ کے زیرسایہ پروان چڑھے۔تربیت دینے والے اور تربیت پانے والے کے انہماک سے اعلیٰ مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔پیغمبرؐ کی محبت وشفقت کا انداز یہ کہ حقیقی بیٹوں سے زیادہ علیؑ سے محبت فرماتے اور علیؑ کو وارفتگی وعشق پیغمبرؐ کا یہ عالم کہ اتباع الفصیل اثر امّہ جس طرح اونٹنی کا بچّہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے اُسی طرح علیؑ دن رات ایک لمحہ کے لئے رسوؐل سے جدا نہیں ہوئے۔اس قلبی رابطہ واتحاد میں ظاہر ہے کہ علیؑ پیغمبرؐ کی تعلیمات سے کس درجہ متاثر ہوئے ہوں گے۔کون سی صفت ایسی تھی جس میں آپؑ پیغمبرؐ کی مکمل ترین تصویر نظر نہ آتے ہوں۔علیؑ کی پوری فطرت کل کردار، پورادماغ، پیغمبرؐ کی فطرت،اور پیغمبرؐ کے کردار، پیغمبرؐ کے دماغ سے ملتا جلتا ہے۔

''جب ہم رسالت مآبؐ کی سیرت پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر موقع ،؟؟ جنگ کا نہیں تھا ورنہ ہر جگہ آپ نے شمشیر زنی ہی سے کام لیا ہوتا لیکن صبر وسکوت کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ جانب مخالف کی حقیقت ثابت ہوجائے۔جبر جبر ہی رہے گا اور صبر صبر ہی کہلائے گا۔غور کیجئے جناب رسالت مآبؐ نے ابتدائے دعوت اسلام مخفی شروع کی جیسا کہ تواریخ واحادیث سے روشن ہے۔ابتدا ہی میں آپؐ نے اعلان نہ کردیا۔اگر ایسا کرتے تو لامحالہ مادی سامان میں غلبہ رکھنے والے کفار غالب آتے اور اگر چہ آپ کو شہادت کا درجہ حاصل ہوجاتا مگر اس سے زیادہ اہم اور ضروری مسئلہ جو آپ کی غرض بعثت تھی یعنی تتمیم مکارم اخلاق وترویج دین اسلام وہ آپؐ کے ساتھ ہی ہمیشہ کے لئے دفن ہوجاتا اور آپؐ اپنے مشن میں پوری طرح ناکامیاب ہوجاتے چاہے کوتاہ نظر کہہ بھی لیتا کہ آپ بڑے نڈر تھے، بڑے بہادر تھے۔سارا عرب ایک طرف آپؐ نے اکیلے اپنی بات کا اعلان کرکے جان دے دی۔لیکن کیا یہ واقعی قابل تحسین امر ہوتا ہرگز نہیں بلکہ مشن کی ناکامیابی پر تو کوئی نڈر اور بہادر بھی مشکل ہی سے کہتا البتہ نافہم اور ضدی کہا جاتا۔ابھی تو یہ پہلی منزل تھی جس نے بتایا کہ جنگ نہ کرنا ہر جگہ معیوب نہیں، جنگ نہ کرنے والا ہر موقع پر باطل پرست نہیں ہوتا، جنگ نہ کرنے سے مدمقابل کی حقیقت ثابت نہیں ہوتی، جنگ کرکے جان دے دینے کے مقابلہ میں مشن (ہدایت وتبلیغ دین حق) زیادہ اہمیت رکھتی ہے اگر جنگ نہ ہو اور اس طرح مشن کامیاب ہوجائے تو جنگ نہ کرنا اور مشن کو کامیاب بنانا دانائی اور پیروی سنت رسوؐل ہے۔

اس سے زیادہ واضح ومشرح آں حضرؐت کے احکام ہجرت حبشہ اولیٰ اور ہجرت حبشہ ثانیہ ہیں کہ آپؐ نے کفار کے تغلب وایذارسانی سے تنگ آکر مسلمانوں کو ایک نصرانی بادشاہ کی پناہ میں بھیجا لیکن اتنے حضرات کو ساتھ لے کر جنگ نہ کی۔ابن

خلدون نے لکھا ہے کہ حبشہ میں مہاجرین کی تعداد تین سوتک پہونچ گئی تھی اور حیات القلوب میں ہے کہ علاوہ عورتوں اور بچوں کے صرف مردوں کی تعداد ۸۲ تھی۔ جس کا مطلب بھی تقریباً اسی حدتک پہونچتا ہے۔ ان کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جو مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔ باوجود اتنی تعداد کے جس میں حضرت علیؑ، حضرت جعفرطیار، عبداللہ بن مسعود، زبیر بن العوام، عبدالرحمان بن عوف، ابوبکر، عثمان بن عفان، عثمان بن مظعون ایسے ایسے لوگ شامل ہیں یعنی ظاہراً مددگاروں کی بھی کمی نہیں (ان میں کچھ شیعہ وسنّی دونوں کے مطابق کچھ خاص خاص عقیدہ کے لحاظ سے بڑے اہم لوگ موجود ہیں) اور سب کے نام نہیں لکھے جاتے۔ ظاہر ہے کہ تین چار سو آدمیوں میں سے ابھی اور بہت سے نبرد آزماؤں کے نام باقی ہیں۔ اب فرمایئے کیا رسالت مآبؑ کا جنگ نہ کرنا، جان نہ دے دینا کسی مسلمان بلکہ کسی باعقل غیر مسلم کے نزدیک بھی قابل ملامت ہوسکتا ہے..... (یہ شبہ نہ ہو کہ مہاجرین حبشہ کی تعداد بالکل ہی کچھ حیثیت نہ رکھتی تھی کیوں کہ جب ہم اسلام کی سب سے پہلی اور نہایت اہم جنگ پر نظر ڈالتے ہیں تو باوجود دشمن کی بہت بڑی تعداد کے بدر میں مسلمان صرف ۳۱۳؍ ہی تھے۔

ذرا اور بڑھیئے ۶ نبہ بعثت میں رسوؐل دارارقم میں پناہ لیتے ہیں یہ وقت ہے کہ علاوہ اُن مہاجرین حبشہ کے مسلمانوں کی تعداد ۳۹؍ مردوں کی ہے اُن میں حضرت حمزہ اور عمر صاحب بھی داخل ہیں (شیعہ وسُنّی دونوں آنکھوں سے دیکھئے) لیکن رسوؐل خدا ہیں کہ جنگ نہیں کرتے اور دارارقم میں چھپے بیٹھے ہیں......

کُفّار مکّہ نے تذلیل کی، رسوا کیا، ہر قسم کے مظالم کئے مگر آپؐ نے جنگ نہ کی:

یہ خیال نہ ہو کہ رسالت مآبؐ اور آپ کے اتباع پر کوئی تشدد تو تھا نہیں نہ اُنھیں ذلیل ورسوا کیا جاتا تھا نہ قتل وغارت کی نوبت تھی، نہ بدسلوکی وبدزبانی تھی پھر کیوں لڑتے۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے ایسے عظیم مصائب توڑے جاتے ہیں جس کی حد نہیں مگر ان سب ظاہری ذلتوں کو برداشت کیا جاتا ہے لیکن جنگ نہیں کی جاتی بلکہ اصل مطمح نظر پیش رہتا ہے۔ آخر اس وقت کیوں نہیں یہ سوال پیش کیا جاتا کہ ایک بہادر اور بہادر بھی کیسا علیؑ کا استاد ایک غیرت منداور غیرت مند بھی کیسا جس سے عالم نے غیرت کے سبق پڑھے۔ اعزاواحباب اعوان وانصار کے ہوتے ہوئے کیوں نہیں سب کو آن کی آن میں فنا کر دیتا یا خودلڑ کر جان دے دیتا اور (خاکم بدہن) اس طرح کی بے غیرتی یا صبر وسکوت گوارا کرتا ہے، ملاحظہ کیجئے حالات اہل اسلام غریب مسلمانوں پر ایسے ایسے مظالم کئے جاتے کہ اللہ کی پناہ۔ کفار ان لوگوں کو گرم ریت پر دھوپ میں سُلاتے، گرم پتھر جسم پر باندھتے، دھوپ میں لوہے کی زرہ پہناتے، دُرّے مارتے، کھانا پانی بند کر دیتے۔ چنانچہ حضرت عمار یاسر اوران کے والدین پر جوظلم ہوااس سے روح لرزتی ہے، تن بدن کانپ اُٹھتا ہے۔ ایک دن عمار یاسر اُن کے والدین اور ہمشیر کو گرم ریت پر لٹادیا تھا اور

مارتے جاتے تھے۔حضوؐر نے دیکھا اور فرمایا اے آل یاسر صبر کرو کہ تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔آخر کار ابو جہل مردود نے سمّیہ مادر عمار کو نیزہ چبھو کر ہلاک کر دیا اور یاسر کو اتنا مارا کہ جاں بحق ہو گئے۔صہیب وخباب وغیرہ نے بھی اذیتیں اُٹھائیں۔حضرت عمر اپنی لونڈی کو اسلام قبول کرنے پر اتنا مارتے تھے کہ تھک جاتے تھے اور پھر دم لے کر مارنے لگتے تھے،اپنی بہن کو تو اس طرح مارا کہ لہولہان ہو گئی تھیں۔ابو جہل نے اپنی کنیز کو اتنا مارا کہ وہ اندھی ہو گئی۔بلالؓ کے آقا نے غلاموں کو حکم دیا تھا کہ صبح کو دن چڑھے ببول کے کانٹے بلال کے بدن میں چبھو دیا کرو اور جب آفتاب خوب گرم ہو تو اُن کو دھوپ میں لٹا کر از سر تا پا گرم پتھر رکھا کرو تا کہ ہل نہ سکیں اور گرد اگرد آگ جلا دیا کرو کہ خوب جلیں اور جب شام ہو تو ہاتھ پیر باندھ اندھیری کوٹھری میں قید رکھو اور باری باری تازیانے مارا کرو اور صبح تک یہی کام کیا کرو۔اسی طرح ایک مدت گزری مگر حضرت بلال پکار پکار کر احد احد کہا کئے (تاریخ اسلام)۔خود آں حضرتؐ کے ساتھ بھی ایسی ایسی بدسلوکیاں کی جاتیں کہ آپؐ نے خود فرمایا ہے ما اوذی نبی کما اوذیت۔آپؐ کو مجنون کہتے۔ساحر کاہن اور از یں قبیل کیا نہیں کہا جاتا۔جب راہ سے گزرتے تو قریش کہتے کہ یہ شخص بھلا چنگا تھا دفعتہً دماغ پھر گیا۔آپؐ کی گزرگاہ میں آپؐ کے گھر کے قریب گندگی ڈال دی جایا کرتی،کانٹے بچھا دیئے جاتے،جو شخص مکہ میں آتا اُس سے کہا جاتا کہ محمدؐ کی بات نہ ماننا،غرض ہر طرح کی اذیتیں دی جاتیں۔حضرتؐ کعبہ میں آتے جب بھی ستانے والے باز نہ آتے وہاں بھی ستایا جاتا،آوازے کسے جاتے حتیٰ کہ ایک روز عقبہ بن ابی معیط نے آپؐ کے گلے میں پھندا ڈال کر گلا تک گھونٹا بروایت[۱] خمیس وروضۃ الاحباب وغیرہ۔اس پر حضرت ابو بکر نے رونا پیٹنا شروع کیا تو وہیں کفار نے اُن کو ڈاڑھی پکڑ کر اتنا مارا کہ سر پھوٹ گیا۔جب آں حضرتؐ بازار جاتے تو لوگ چھیڑتے،طعنہ زنی کرتے۔جب وعظ فرماتے تو شور وغل مچاتے، تالیاں بجاتے،بیہودہ گیت گاتے،خاک پھینکتے۔آپؐ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے ہیں،سر بسجدہ ہیں کہ آپؐ پر اونٹ یا گوسفند کی اوجھڑی ڈال دی گئی ہے (اس طرح عبادت تک کی اہانت ہو رہی ہے) غرض کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا مگر آپؐ برابر صبر وسکوت کرتے رہے۔بروایت حیات القلوب آپؐ نے حضرت خدیجہ کے گھر میں پناہ لی ہے اور کفار باہر سے سنگ باری کر رہے ہیں اور حضرت علیؑ وخدیجہ آپؐ کے سینہ سپر ہیں.....ان تمام حالات پر غور کرو اس سے زیادہ کیا سختی، ذلت، رسوائی اور ظلم وتشدد ہوسکتا ہے۔پھر سرور کائنات سے زیادہ بہادر غیرت مند کون ہوسکتا ہے۔پھر بھی آپؐ کا جنگ نہ کرنا اور اس پر صبر وسکوت (پھر نہ ایک نہ دو برس بلکہ اپنی مدت رسالت کا آدھا سے زیادہ زمانہ) جنگ نہ کرنا۔جو لوگ آپؐ پر ایمان لائے ہیں اُن کا گھٹ گھٹ کر مرجانا۔قید بند،تشنگی،گرسنگی برداشت کرنا دیکھتے ہیں مگر نہ لڑتے ہیں نہ جان دیتے ہیں.........

۱۔ بہ روایت بخاری مسند احمد بن حنبل،صواعق محرقہ،تفسیر کشاف میں بھی ہے۔

یہ حالات نبوت کے چھٹے سال تک کے تھے ساتویں اور آٹھویں سال میں شعب ابی طالبؑ کی قید اللہ اکبر وہ مصیبت عظمیٰ تھی جس کی انتہا نہیں (جو ہجرت حبشہ میں نہیں گئے تھے وہ) تمام بقیہ اعزہ وانصار سمیت اس طرح قید ہونا کہ نہ کسی سے لین دین ہوسکے نہ خرید وفروخت، نہ باتیں ہوسکیں نہ ملاقاتیں، ساری رات حضرت ابوطالبؑ خود بہ نفس نفیس پہرہ دیتے ہیں۔رسول خداؐ کو ایک جگہ سلاتے ہیں کچھ رات گزرنے پر وہاں سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ لے جا کر سلاتے ہیں اور رسولؐ خدا کی جگہ پر علیؑ کو سلا دیتے ہیں اسی طرح ادل بدل میں رات گزاری جاتی ہے۔ پھر سارا دن اولاد ابوطالبؑ پہرہ دیتی ہے اور اسی طرح برسوں گزارنا پڑتے ہیں۔ یہاں تک نوبت پہونچی تھی کہ رات کو بچوں کی فریادوں سے کفار کی نیند بھی حرام ہوگئی۔سب کچھ ہوا مگر نہ حضرتؑ نے جنگ کی نہ جان دے کر مرتبۂ شہادت حاصل کیا آخر وہ وقت آیا کہ بغیر جلاوطنی چارہ نہ رہا، ہجرت مدینہ کی ٹھہری، اس تمام دوران میں مصائب کا سلسلہ کچھ بڑھتا ہی گیا۔انصار میں اضافہ ہوتا رہا، امر حق بڑھتا گیا، اشاعت دین ہوتی گئی مگر جنگ نہ ہوئی (خاکم بدہن) گھر چھوڑ کے بھاگنا پڑا ہجرت گوارا کی مگر لڑ کر مرجانا منظور نہ ہوا (اس کو بہادری کے خلاف کہا جائے، غیرت کے خلاف سمجھا جائے، جان چُرانا کہا جائے یا یہ کہا جائے کہ اذیتیں برداشت کرتے ہوئے دین حق کی اشاعت کو مقدم کرنا ہی اصل شجاعت ہے اور غیرت شرعیہ کا یہی مقتضیٰ ہے اور دین کی تعلیم وترویج ہی سب سے زیادہ قیمتی ہے......

صلح حدیبیہ: ہجرت کا چھٹا سال ہے، ذی قعدہ کا مہینہ، سرور کائناتؐ رات کو خواب دیکھتے ہیں اور صبح کو مکہ کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں، مہاجرین وانصار بھی ساتھ ہولیتے ہیں۔ڈیڑھ ہزار مسلمان ساتھ ہیں۔منزلیں طے ہوئیں۔اب مکہ بہت ہی قریب رہ گیا ہے۔ادھر کفار کو خبر ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ اتنے آدمیوں کے ساتھ آرہے ہیں۔ چنانچہ وہ مزاحمت پر آمادہ ہوگئے۔ادھر آپؐ کو اطلاع ملی بس آپؐ نے مکہ سے ایک منزل ادھر ہی چاہ حدیبیہ پر ڈیرہ ڈال دیا۔طرفین سے ایلچی آنے جانے لگے مگر کچھ ایسا سامان ہوگیا کہ جنگ کی تیاری ہونے لگی۔جناب رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب سے بیعت لینا شروع کی۔ایک درخت کے نیچے یہ رسم ادا ہونے لگی (اسی کو بیعت رضوان یا بیعت شجرہ بھی کہتے ہیں، ان بیعت کرنے والوں کو اصحاب شجرہ بھی کہتے ہیں) خلاصہ یہ کہ یہ اقرار ہوا کہ نہ بھاگیں گے نہ لڑائی سے کبھی مُنھ موڑیں گے۔چنانچہ چودہ سَو یا پندرہ سَو پچیس آدمیوں نے بیعت کرلی، اب جنگ شروع ہونے کو باقی ہی کیا تھا کہ سہیل کو قریش نے صلح کا پیغام لے کر بھیجا، آپؐ نے اس دعوت کو رد نہ فرمایا اور بجائے اس کے آپ اتنے معاہدہ کر چکنے والوں کو لے کر اڑ جاتے اور یا تو حج ہی کرلیتے یا پھر شہادت ہی نصیب ہوتی صلح پر آمادہ ہوگئے۔

فدعا رسول اللهؐ علی ابن ابی طالبؑ فقال اکتب بسم الله الرحمٰن الرّحیم فقال سهیل لا نعرف هذا ولکن اکتب باسمك اللهم فکتب ها ثم قال اکتب هذا ما صالح علیه محمد رسول الله سهیل بن عمر و فقال سهیل لو نعلم انك رسول الله لم لقا تلك ولکن

اکتب اسمك واسم ابيك فقال لعلی امح رسول الله فقال لا امحو ابدا فاخذه رسول الله فكتب موضع رسول الله محمد ابن عبدالله وقال لعلی لتبليئن بعدلها۔

(تاریخ کامل ابن اثیر، جلد/۲ص/۷۷ طبع مصر)

چنانچہ رسولؐ اللہ نے علیؑ ابن ابی طالبؑ کو بلا کر حکم دیا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اس پر سہیل نے کہا کہ ہم اس کو نہیں جانتے بسمك اللهم لکھو چنانچہ یہ لکھا۔ پھر فرمایا کہ اس طرح لکھو کہ یہ وہ صلحنامہ ہے جس پر محمدؐ رسول اللہ اور سہیل بن عمرو نے مصالحت کی ہے۔ اس پر سہیل نے کہا اگر ہم آپؐ کو رسول خدا ہی جانتے تو آپؐ سے جنگ کیوں کرتے البتہ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھوایئے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اچھا لفظ رسولؐ اللہ کو مٹا دو اس پر حضرت علیؑ نے عرض کی رسولؐ اللہ تو مجھ سے کبھی مٹایا نہیں جا سکتا۔ تب آپؐ نے خود کاغذ لے لیا اور رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھ دیا اور فرمایا کہ اے علیؑ ایک دن تم کو بھی ایسے ہی معاملہ میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

اس صلح نامہ کی شرائط حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ معاد صلح دس برس ہوگی اس اثنا میں کوئی فریق دوسرے کی جان و مال سے تعرّض نہ کرے گا۔

(۲)۔ فریقین کے ہم عہد بھی اسی معاہدہ میں شامل ہوں گے۔

(۳)۔ اس سال اہل اسلام عمرہ بھی نہ کرنے پائیں گے۔

(۴)۔ آئندہ سال سے مسلمان عمرہ کر سکیں گے۔

(۵)۔ جب مسلمان عمرہ کے لئے آویں تو اپنے ساتھ اسلحہ نہ لاویں صرف تلوار مستثنیٰ ہے۔ مگر وہ بھی نیام کے اندر رہے گی۔

(۶)۔ مسلمان حرم میں تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں گے۔

(۷)۔ کفار میں سے اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس بھاگ جائے تو واپس دیا جائے گا۔

(۸)۔ مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھاگ کر کفار سے جا ملے تو وہ واپس نہ کیا جائے گا۔ (تاریخ ابن خلدون وغیرہ)

صلح ہوگئی اور رسالت مآبؐ کی آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی تھیں عام آنکھیں بھلا کاہے کو دیکھ سکتی تھیں چنانچہ یہ صلح مسلمانوں کو اس درجہ ناگوار گزری کہ لوگوں کے قدم ڈگمگا گئے اور حضرت عمر کے متعلق تو بخاری میں اس طرح لکھا ہے:

قال عمر ابن الخطاب فاتيت النبیؐ فقلت الست نبی الله حقا قال بلی قلت السنا علی الحق وعدونا علی الباطل قال بلی قلت فلم نعطی الدينة فی ديننا اذًا قال انی رسول الله ولست اعصيه وهو ناصری۔ (بخاری کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والصالحۃ مع اہل الحرب، پارہ/۱۱، ص/۳۸۰، مطبوعہ کرزن گزٹ پریس، دہلی، مناہج ترجمہ مدارج النبوۃ جلد دوم ص/۴۳۶ مطبوعہ نول کشور پریس)

عمر ابن الخطاب کہتے ہیں کہ اس وقت میں نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ کیا آپؐ سچے رسوؐل نہیں ہیں ۔آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں ۔میں نے کہا پھر کیا ہم لوگ حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں ۔آپؐ نے جواب دیا کیوں نہیں ۔تب میں نے کہا کہ پھر کیوں ہم دین میں ایسی ذلّت و رسوائی گوارا کریں ۔آں حضرؐت نے جواب دیا کہ سنو بات یہ ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتا اور وہی میرا مددگار ہے۔

اسی کے متعلق عمدۃ القاری شرح بخاری اور روضۃ الاحباب، جلد ۲، ص ۲۵۰ مطبوعہ تیغ بہادر، لکھنو ص ۱۲۹۷ میں اس طرح ہے:

لقد دخلنی امر عظیم و واجعت النبیؐ مراجعۃ ما راجعتہ مثلھا قط۔

اس دن میرے دل میں ایسا دغدغہ عظیم داخل ہوگیا اور میں نے پیغمبرؐ کے ساتھ ایسی ردوکد کی جیسی اس سے قبل کبھی نہ کی تھی۔

بعض کتابوں میں شککت بھی ہے۔

فبینا النبیؐ یکتب الکتاب اذجاء ابوجندل ابن سھیل بن عمرو یوسف فی الحدید قد انقلت الیٰ رسول اللہ وکان اصحاب النبی لا یشکون فی الفتح لرؤیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فلما روا الصلح دخلھم من ذالك امر عظیم حتی کادوا لیھلکون فلما رای سھیل ابنہ ابا جندل اخذہ قال یا محمد قد تمت القضیۃ بینی و بینك قبل ان یأتیك ھذا قال صدقت واخذ لیردہ الیٰ قریش فصاح ابوجندل یا معشر المسلمین ارحالیٰ المشرکین لیفتنونی عن دینی فزاد الناس شرا الی ما یہ فقال لہ رسول اللہؐ احتسب فان اللہ جاعل لك ولمن معك من المستضعفین فرجا و مخرجا انا قد اعطینا القوم عھودنا علیٰ ذالك فلا نغدر بھم۔ (کامل ابن اثیر، جلد ؟؟، ص ۶۷، مطبوعہ مصر)

ابھی صلحنامہ لکھا ہی جارہا تھا کہ ابوجندل بن سہیل بن عمرو پابہ زنجیر آگیا۔اصحاب کے دل میں صلح دیکھ کر اس حد کی بدگمانی ہو چکی تھی کہ قریب تھا کہ ہلاک (گمراہ) ہوجائیں کیوں کہ رسوؐل کے خواب سے (غلط تعبیر خیال کرکے) سبھوں کو اُسی فتح کا خیال ہو چکا تھا ادھر ابوجندل کو گرفتار دیکھ کر اس کا باپ بول اُٹھا کہ اے محمدؐ ہمارے آپؐ کے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے (یہ مجھے واپس ملنا چاہئے) آپؐ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے آپؐ اُسے قریش کی طرف واپس کرنے لگے تو وہ چیخ اُٹھا کہ مسلمانوں مجھے مشرکین کی طرف اس لئے بھیج رہے

ہو کہ وہ پھر مجھے بے دین کردیں۔اب کیا تھا لوگوں کے دلوں میں جو آگ بھڑک رہی تھی اس میں شعلے بلند ہونے لگے آخر رسولؐ نے فرمایا اے ابو جندل صبر کرو بے قرار نہ ہو خداوند عالم تیرے اور تیرے کمزور ساتھیوں کے لئے کشائش اور مخلصی کی راہ نکالنے والا ہے۔چونکہ قوم مخالف سے ہم عہد کرچکے ہیں اب ہم اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔

پس عمر بن الخطاب از جائے خویش برجست و با ابوجندل می رفت و می گفت.... واو را بہ سبیل تعریض و کنایت تحریض میکرد برآنکه پدر رابکشدو آں صلح درہم بورزد....... لاکن وے بکشتن پدر بخیلی نمود۔

(روضۃ الاحباب،ص ر ۳۵۷ و ۳۵۸،ج ر دوم،مطبع تیغ بہادر لکھنؤ، ۱۲۹۷ھ وطبری،جلد ر ۳،ص ر ۸،طبع مصر)

خلاصہ یہ کہ صلح ہوگئی اور نہ ٹوٹی اور انھیں شرائط پر ہوئی جو اوپر بیان ہوئی۔کیا کوئی مسلمان جرأت کرسکتا ہے کہ معاذ اللہ رسولؐ اللہ کی ملامت کرے اور صحابہ کی اتنی تعداد اور پھر موت پر سب کی بیعت کے باوجود عبادت حج نہ بجالانا اور ایسی دبی ہوئی شرطوں کی صلح اور ظاہراً ایسی بزدلی یا تن پروری دکھلانا اور لڑکے جان نہ دے دینا کہلاسکتا ہے؟.......فعل رسولؐ سے اصحاب اس درجہ رنجیدہ اور غیر مطمئن تھے کہ رسالت میں شک کی نوبت آگئی۔یہ کہنا پڑا کہ انی رسول اللہ یہ کہنا پڑا کہ لست اعصیہ یہ کہنا پڑا کہ من فرستادۂ خدائم و بے فرمان وے نمی کنم و وے ناصر و معین من است و مرا ضائع نخواہد گذاشت۔(مدارج النبوۃ،جلد ر دوم،ص ر ۲۱۴،مطبوعہ نول کشور پریس ۱۹۱۴ء) لیکن با ایں ہمہ پھر بھی اطمینان حاصل نہ ہوا۔جب اصحاب کی مرضی کے بالکل خلاف (اور خدا کی مرضی کے بالکل مطابق) صلح مکمل ہو چکی۔اب جناب رسالت مآبؐ مکہ تو کیسے جاتے وہیں مقام حدیبیہ پر ھدی (قربانی) ادا کرنے کا حکم دیا۔فرمایا کہ یہیں سے قربانی کرکے بال منڈوا کے مدینہ واپس چلو اور تین مرتبہ پے درپے یہی حکم دیا مگر یاروں کی خواہش تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔کسی نے کچھ جواب نہ دیا حکم کی تعمیل کوئی کیونکر کرتا۔چنانچہ آپؐ کو کمال ملال ہوا اور ام المومنین حضرت ام سلمہ سے اپنے اصحاب کی شکایت کی۔چنانچہ اُنھوں نے عرض کیا کہ پہلے آپؐ اپنا اونٹ قربان کردیں اور سر منڈوالیں پھر آپؐ کو دیکھ کر (غالباً) وہ لوگ ایسا کریں۔چنانچہ حضرتؐ نے اپنا اونٹ قربان کیا تب جاکے اصحاب نے بھی ایسا ہی کیا۔لیکن (پھر بھی) کمال ملول ومحزون تھے اور قریب تھا کہ کثرت غم سے ہلاک ہوجائیں یا ایک دوسرے کو مار کر مرجائیں (تاریخ اسلام، جلد ر ۲،ص ۱۱۷،مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۱ھ و تاریخ طبری، جلد ر ۳، ص ر ۸۰ طبع مصر) آں حضرتؐ کے عمل کے باوجود پھر بھی سب نے حلق پر عمل نہ کیا بلکہ تقصیر ہی کے عامل رہے جیسا کہ طبری جلد سوم،ص ر ۸۱،سے واضح ہے........

فوائد صلح حدیبیہ:

اس صلح کو خداوند عالم نے صلح نہیں بلکہ فتح مبین فرمایا ہے۔ چنانچہ سرور عالمؐ اس صلح کو انجام دے کر واپس ہو رہے ہیں تو خدا کو اپنے محبوب کی یہ بامحل مصالحانہ روش ایسی پسند آئی کہ جبریل کے ہاتھوں انافتحنا لك فتحًا مبینًا کی سند بھجوائی۔ اولاً تو مسلمان آئے دن کی جنگوں اور قریش اور مکہ والوں کی چھیڑ چھاڑ سے پنپنے نہیں پاتے تھے۔ اب موقع مل گیا کہ اکٹھے دس سال تک کا اطمینان ہوگیا گھر کے بھیدی دشمنوں کے حملوں کی فکر نہ رہی اور اپنی حفاظت وحراست کے سامان مہیا کرلیں۔ زندگی کے ساز وسامان کی طرف توجہ کریں کچھ احکام آلٰہیہ باطمینان سن سکیں۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ قریش کے لوگ جو کفار کے ڈر سے مسلمان نہ ہوتے تھے وہ مسلمان ہونے لگے۔ اب صلح کے سبب باوجود مکہ میں ہونے کے کوئی اُنھیں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا علی الاعلان مسلمانوں کی تبلیغ اور اشاعت وتلاوت قرآن ہونے لگی۔ اور دو ہی سال ہوئے تھے کہ مسلمانوں کی تعداد دو چند سے زیادہ ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ حجاز میں حکومت تو قائم نہ ہوئی مگر اتنا ضرور ہوا کہ اللہ کا نام اور محمدؐ کا کلمہ کوئی جرم نہ رہا۔ ارکان اسلام کی بجا آوری کھلم کھلا ہونے لگی۔ ایک شخص دوسرے شخص کو ترغیب اسلام دینے میں آزاد ہوگیا۔ ابن خلدون میں ہے زہری روایت کرتے ہیں کہ جب تک مسلمانوں اور کفار قریش میں نزاع قائم تھی اُس وقت تک کوئی کسی سے مل جُل نہیں سکتا تھا۔ جب مصالحت ہوگئی اور لڑائی نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے لوگوں کو امن مل گیا، ایک دوسرے سے ملنے لگے نہ کوئی کسی کے اسلام سے معترض ہوتا تھا اور نہ اسلام کی کوئی بُرائی کرتا تھا..........

رسوؐل اور آپ کے اہلبیتؑ دونوں کی خواہش یہی اور صرف یہی تھی کہ جس اصول وفروع کی تعلیم کے لئے رسوؐل بھیجا گیا ہے وہ قائم اور رائج ہوں اور لوگ اُن کو سمجھیں، مانیں اور اُن پر عمل کریں۔ یہی انکا مشن تھا، یہی اُن کی غرض بعثت تھی، یہی اُن کا مطمح نظر تھا، یہی اُن کی زندگی کا حاصل تھا۔ اسی پر ان کا عمل تھا، اسی پر حیات تھی، اسی کے لئے موت تھی، اللھم احینی حیوٰۃ محمد و اٰل محمد و امتنی ممات محمد و اٰل محمد۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر انکا اقدام واحجام تھا۔ ضرورت اور وقت پڑ جائے تو لڑنے مرنے سے بھی نہ ڈریں اور ضرورت نہ ہو تو کسی کا عبث خون بہنے نہ پائے مقصد تو مشن کی کامیابی ہے..........

یہ سب ہوا مگر نہ رسول خدؐا نے اُن اصحاب کو اپنی جمعیت سے باہر نکالا نہ اُن پر آئندہ کے لئے حکم کفر جاری فرمایا بلکہ خون جگر پی کر رہ گئے اور ایسے مشاہدات کے باوجود جب کبھی آئندہ موقع ہوا سبھی کو دعوت جہاد دی اور جو ساتھ ہولیا چاہے اندر سے جیسا بھی رہا ہو ساتھ لے لیا۔

غالباً اب بالکل واضح ہوگیا ہوگا کہ عہد رسالت سے مدعیان اسلام میں.......... دوست و دشمن، مومن و منافق، کھرے اور کھوٹے، قابل وثوق اور ناقابل اعتماد مخلوط تھے۔ آں حضرتؐ کا آنکھ بند کرنا تھا کہ آپؐ کی ذرّیت پر مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا اور ایسے دردناک مظالم و شدائد کی بارش ہوئی جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عالم قاصر ہے۔ اولاً جہالت ثانیاً ناجائز پروپیگنڈے کی شکار دُنیا پیتل کو سونا بلکہ راکھ کو کیمیا سمجھنے لگی۔ سازش اور گہری سازش پہلے سے کام کر رہی تھی نتیجہ ظاہر ہے کہ معدن نبوت کے جواہر پاروں کو تاج سر بنانے کے عوض خاکستر قید و حبس میں ڈھانک دیا گیا۔ سرور کائناتؐ کی عترت اور آپ کے کلمہ گویوں کی داستان عبرت پڑھنے والوں کی روح لرز جاتی ہے۔ اور ایک باحمیت مسلمان انصاف پسند انسانوں کے سامنے سر جھکا لینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں پاتا، خاتم الانبیاءؐ کا انتقال ہوتا ہے اور آپ کی ذرّیت کا یہ حال ہوتا ہے کہ کسی کے گلے میں پھندا، کسی کے جسم اقدس پر دُرّہ، کسی کو زہر ہلاہل اور کسی کو خنجر قاتل، کسی کو قید سلاسل و زنجیر، کسی کو نیزہ و شمشیر۔

؎ غرض بیان غمِ اہل بیتؑ آساں نیست

رسوؐل کا جنازہ گھر میں پڑا ہے، اہلبیتؑ رو پیٹ رہے ہیں مگر سقیفہ بنی ساعدہ میں کچھ اور ہی سامان ہو رہا ہے۔ آج اُسے جس نام سے پکارا جائے، اُس کی جیسی دلفریب تصویر کھینچی جائے مگر اتنا ضرور سمجھا جاتا ہے کہ رسوؐل کی تجہیز و تکفین کی اہمیت مسلمانوں کے دل میں کتنی تھی۔ اور آپ کی محبت کا تقاضا کیا تھا؟ اگر سقیفہ کی کارروائی نہایت اہم اور احسن تھی تو عدم شرکت جنازے پر عمری قلق نری پردہ پوشی ہی کہی جائے گی۔ رسوؐل کے احتضار سے انتقال تک اور انتقال سے تجہیز و تکفین تک کیا ہوا، کیوں کر ہوا، اس دردناک داستان کو یہاں دہرانا مقصود نہیں کہنا یہ ہے کہ حضرت علیؑ انا احق بھذا لا مر منکم اور لسریع ما کذبتم علیٰ رسول اللہ۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ) کہتے ہی رہے مگر حق کی آواز ہر طرف سے ٹھکرا دی گئی اور اس طرح علی الاعلان رسوؐل کے "فرمان تمسک بہ اہل بیتؑ" کی بنیاد اُکھاڑ پھینکی گئی۔ ایک لاکھ سے زیادہ اصحاب موجود تھے کتنوں نے یہ آواز اُٹھائی کہ رسوؐل کے بعد تمسک کے لئے قرآن اور اہلبیتؑ ہیں نہ کہ قرآن و صحابہ؟........

مختصر یہ کہ اہل بیتؑ کے خلاف مسلسل سازشوں کا سلسلہ منقطع یا کمزور ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتا اور مستحکم ہوتا رہا لیکن اہل بیتؑ نے جن کو دین خدا سب سے زیادہ عزیز تھا ایک طرف تو اُن شدائد و مصائب پر صبر کیا جو مخالفین کی طرف سے ہوتے رہے۔ دوسری طرف آہستہ آہستہ اپنے حقوق کا اثبات اپنے معجزات، اخبار بالغیب۔ مافوق العادت تحمل مظالم بدلیل نشر آیات و احادیث خلق حسن۔ غرض اپنے مکمل علمی و عملی نمونہ رسوؐل ہونے کے ذریعے کرتے رہے۔ اور دنیا کو اس مطمح نظر اور مقصد اصلی کی تبلیغ و تلقین کرتے رہے جو رسوؐل کی غرض بعثت تھی اور جو چپکے سے مرجانے اور فنا ہو جانے سے ہرگز پوری نہیں ہوسکتی اور

بے محل جنگ نہ کر کے مظلوم رہ کے اپنے مخالفوں کو ظالم اور قولاً وفعلاً تعلیم رسولؐ کا مخالف ثابت کر کے صاحبانِ بصیرت وانصاف کی نظر میں شکست فاش دیتے رہے۔“

جب دنیا نے تعلیمات رسولؐ اور واقعات کو اس طرح چھپایا، مٹایا اور پس پشت ڈال دیا تھا کہ علی الاعلان حضرت علیؑ کے برادر رسولؐ ہونے سے انکار کیا جاتا ہے۔ (کتاب الامامت والسیاست) اور کسی مدعی اسلام کے کان پر جوں نہیں رینگتی۔ آیات قرآنیہ کو من مانی باتوں سے رد کیا جاتا ہے اور باوجود فاطمہؑ و علیؑ و حسنؑ و حسینؑ و ام ایمن کے اتفاق وشہادت کے میراث انبیاء سے انکار کیا جاتا ہے اور جب دل چاہتا ہے کسی کو کچھ دے کر اس کا نام تبرّک رکھا جاتا ہے اور کسی مدعی اسلام کے منہ میں زبان نہیں ہوتی۔ آیت قرآن کو بلا کسی آیت کے منسوخ فرمایا جاتا ہے اور کسی کا چوں و چرا کرنا کیسا آمنّا وصدّقنا کرلیا جاتا ہے۔ نافلہ نماز میں جماعت کے حرام ہونے کے باوجود اس کی ایجاد ہوتی ہے اور اس کو بدعت حسنہ کہہ کر قابل تسلیم فرض کیا جاتا ہے۔ رسولؐ کے وقت کی اذان میں ترمیم ہے اور کوئی کچھ نہیں بولتا یا بول سکتا وغیرہ وغیرہ ان حالتوں میں اگر امیر المومنینؑ جنگ کر کے مرجاتے یا سعد بن عبادہ کا سا جوش ظاہر کرتے اور آپؑ کے واسطے بھی قاتل تیار کر دیا جاتا تو نہ علیؑ رہتے نہ حسنؑ و حسینؑ ہوتے نہ باقی ائمہ اور اس طرح آج تعلیم رسولؐ دنیا سے یک قلم خالی ہو جاتی۔ وہ تمام علوم شریعت زیر خاک ہو جاتے جو مصائب برداشت کر کے تیس سال میں امیر المومنینؑ نے دنیا تک پہنچائی اور جن کا باغ مخلصین کے سینوں میں لگ گئے اور جو رفتہ رفتہ سرسبز ہوتا گیا جس کی باغبانی علیؑ کی گیارہ پشت تک مسلسل ہوتی رہی اور وہ اہل بیتؑ جن کا نام ونشان مٹانے کی قسم کھائی گئی تھی آج اُن کی نسل اور اُن کے ارشادات سے مشرق ومغرب عالم فیضیاب ہو رہا ہے۔

ناظرین کے اذہان میں مزید استحکام کے لئے اس موقع پر ایک مثال لکھی جاتی ہے اور انصاف طلب ہوں کہ آیا علیؑ کی زندگی اور زندہ رہ کر دین خدا کی حفاظت کے مواقع نکالنا اور وقت پر نہ چوکنا دین اسلام کی محبت اور ترویج حق وحقیقت اس کی بقا و استحکام کا سبب تھی یا بے یار و انصار صرف اُن چند با اخلاص اہل بیتؑ و انصار کو لے کر میدان جنگ میں آنا، لڑ کر جان دے دینا اور قبر میں اپنے ساتھ اُن حقائق کو دفن ہو جانے دینا جو ۱۱ سنہ ہجری سے لے کر ۴۰ سنہ ہجری تک مختلف عنوان سے ظاہر ہوتے رہے اور اتنی دُور تک پھیل گئے کہ بعد کا یلغار ان سب کو دبا یا فنا نہ کر سکا۔ مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتوں نے حضرت عمر کے دربار میں ایک ہی لڑکے کے بارے میں دعویٰ کیا۔ ہر ایک کہتی تھی کہ لڑکا اس کا ہے اور نہ کوئی تیسرا مدعی تھا نہ اُن دونوں کے پاس کوئی گواہ تھا۔ حضرت عمر کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا فیصلہ کریں آخر حضرت علیؑ کی طرف رجوع کی آپ نے ان دونوں کو بلوا کر پہلے تو بہت سمجھایا بوجھایا، ڈرایا دھمکایا مگر اُنھوں نے ایک نہ سُنی آخر جب اُن کا جھگڑا ختم نہ ہوا تو آپ نے آرہ منگوایا، اب تو دونوں

عورتیں بول اُٹھیں کہ کیا کیجئے گا۔آپ نے فرمایا کہ نہ مانو گی تو اس لڑکے کے دو آدھے کر کے آدھا آدھا دونوں کو بانٹ دوں گا۔ یہ سُن کر ایک تو چپ ہوگئی مگر دوسری چیخنے لگی کہ خدا کا واسطہ اے ابوالحسنؑ اگر یہی ہوتا ہے تو میں اس بچے کو اسی عورت کو دیئے دیتی ہوں۔ یہ سننا تھا کہ آپ نے آوازِ تکبیر بلند کی اور فرمایا بس لڑکا تیرا ہی ہے اس کا نہیں ہے کیوں کہ اگر اس کا ہوتا تو (کٹتے دیکھ کر اس کا دل ضرور تڑپ جاتا۔اب دوسری عورت نے بھی مانا کہ بے شک لڑکا پہلی ہی کا ہے اس دوسری) کا نہیں ہے۔ پہلی ہی سچ کہتی تھی۔ یوں حضرت عمر کی مشکل بھی حل ہوئی بلکہ اپنی اس مشکل پر حضرت عمر نے امیرالمومنینؑ کو دعائیں بھی دیں۔

دیکھئے بمقتضائے فطرت جو ماں نہ تھی اسے پروا بھی نہ ہوئی کہ لڑکا رہتا ہے یا مرتا ہے مگر جو حقیقتاً ماں تھی بچے کے چیرے جانے کے خیال ہی سے تڑپ گئی۔اس میں شک نہیں کہ اگر بچہ دو ٹکڑے ہو جاتا تو جھوٹی دعویدار کو بھی کچھ نہ ملتا مگر اس کا کچھ کھویا بھی نہ جاتا لیکن اس سے اس پر کیا اثر پڑتا بخلاف اس کے واقعی ماں کو اضطراب ہوا اور اس پر راضی ہوگئی کہ اس کی گود خالی ہی سہی اور دل پر ناگوار ہی سہی بچّہ سلامت تو رہے۔ دوسری گود میں رہ کر زندہ تو رہ جائے چاہے اُس کی تربیت ماں کی سی نہ بھی ہو جب بڑا ہوگا،عقل و ہوش سنبھالے گا تو اُسے اور اہل عالم کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس کا فرزند ہے اور اُس کی ماں کون ہے اور ڈائن کون۔ یونہی اہل بیتؑ کو خیال کیجئے جب وہ یہ دیکھتے کہ اسلام کا عین و اثر سب گم ہوا چاہتا ہے تو اتنے پر صبر و شکر کر لیتے کہ کم از کم نام تو زندہ رہے۔ہم آہستہ آہستہ اس کی روح بھی دنیا کے سامنے پیش کر لیں گے ابھی زبان سے کھُلّم کھلا انکار نہیں ہے۔لا اِلٰہ الاّ اللہ اور محمّدؐ رسول اللہ کا زبانی اقرار ہے پھر کوئی نہ کوئی ایسا بھی ہو جائے گا جس کے دل میں یہ عقیدہ اُتر ہی جائے گا۔'' (صلح الحسن مولانا سید عدیل اختر صاحب مرحوم)

''حضرت علیؑ ضرور واقف تھے کہ یہ مذہبی مسئلہ ہے لیکن ہر مذہبی حکم کے اجرا کے لئے ہر حال میں خونریزی اور مسلمانوں کا قتل عام تو روا نہیں ہے۔آپؑ فضا سے خوب واقف تھے۔آپؑ جانتے تھے کہ اس وقت ہَوا کا رُخ کدھر ہے اور سیلاب کا بہاؤ کس طرف؟''

آپؑ کو معلوم تھا کہ اس وقت اس حق کا حصول اور اس فرض مذہبی کا قیام بغیر عظیم کشت و خون کے نہیں ہو سکتا اور اس طرح کا ہنگامہ پیدا ہو جانا اس وقت اصل اسلام ہی کے لئے سبب فنا ہوگا۔آپؑ کو یہ بھی معلوم تھا کہ ایک مذہبی مسئلہ کے تعلق رہنمائی کا فرض کس طرح پورا ہوتا ہے؟ صرف تبلیغ و تلقین سے جس کی تمام منزلوں کو پیغمبرؐ خود طے کر چکے تھے جس سے اتمام حُجت پورے طور پر ہو چکی تھی، آپؑ کو یہ بھی معلوم تھا کہ مسلمانوں کی جماعت میں خود حضرت رسوؐل کے زمانہ میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی جن کے دلوں میں روح اسلامی جاگزیں نہیں ہوئی تھی۔ جو ذرا ذرا سی بات پر پیچھے پلٹ جانے پر تیار تھے۔ جو رسوؐل پر احسان

جتاتے تھے کہ ہم آپ پر اسلام لائے، جن کی نگاہوں میں احکام مذہبی کی وقعت اتنی سُبک تھی کہ رسولؐ کے پیچھے سے نمازیں توڑ کر باجا دیکھنے چلے جاتے تھے اور رسولؐ کو اکیلا چھوڑ دیتے تھے۔ جو کفّار و مشرکین کی خبر رسانی کرتے تھے۔ جو سامنے آ کر کہتے تھے کہ ہم آپ پر ایمان لائے اور پیٹھ پیچھے مذاق اُڑاتے تھے۔ اور مسخرے کرتے تھے جو رسولؐ کی طرف گمراہی کی نسبت دیتے تھے۔ جو آپؐ کی باتوں پر اعتراض کرتے اور نبوت میں شک کرتے تھے لیکن آں حضرتؐ نے ان تمام باتوں کو نذر انداز کیا۔ ان لوگوں پر کبھی تشدد نہیں کیا اُن کو اپنی جماعت سے باہر نہیں نکالا، ان پر کبھی تلوار نہیں چلائی بلکہ اُن کے راز ہائے درونِ پردہ کو نام لے کر اپنی جانب سے ظاہر بھی نہیں کیا صرف اس لئے کہ زبان سے لا الٰہ الّا اللہ کہتے ہیں تو یہی سہی۔ ظاہری اسلام کے نام لیوا ہیں ہی سہی، قومیت اسلامی کی تشکیل ہوگی تو اُن میں کھرے افراد پیدا ہو ہی جائیں گے۔

یقیناً اگر حضرت علیؑ اپنے پیش رو کے حقیقی جانشین تھے تو اُن کو اسی تعلیم کو پیش نظر رکھنا ضروری تھا اور اگر ایسا نہ کرتے تو آپؑ کی خلافت حقیقی کی صحیح نشانی ہی باقی نہ رہتی، بے شک جس طرح رسولؐ کا فرض تھا کہ وہ غلطیوں پر ٹوکتے رہیں، لغزشوں پر متنبہ کریں، کجرویوں کا اظہار کرتے رہیں اور حقیقت کا انکشاف کرتے رہیں اور پس اسی طرح حضرت علیؑ کا بھی فرض تھا کہ وہ اختیار کردہ رویّہ سے اپنی ناراضگی نیز اس طرز عمل کی غلطی کا اظہار کر دیں۔ چنانچہ آپؑ نے ایسا ہی کیا۔ اگر شیعوں کی روایت کو نہ بھی مانا جائے کہ حضرت علیؑ نے بالکل حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تب بھی اتنا تو بر بنائے روایت امام بخاری مُسلّم ہے کہ آپؑ نے حضرت فاطمہؑ کی زندگی تک قطعی بیعت نہیں کی اس لئے کہ اس وقت تک آپ کی کچھ نہ کچھ وجاہت مسلمانوں میں سمجھی جاتی تھی لیکن جب حضرت فاطمہؑ[1] کا انتقال ہو گیا تو لوگ آپ سے بالکل روگرداں ہو گئے۔

۱۔ گویا یہ تو اُن کے کہنے سے ثابت ہو گیا کہ حضرات شیخین کو حقدار بیعت سمجھ کر بیعت نہیں کی۔ لوگوں کے رخ اپنی طرف سے پھرتے ہوئے دیکھ کر بیعت کی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ جو سبب بیعت بنایا ہے یہی غلط ہے۔ لوگوں کے چہرے آپؑ کی طرف سے پہلے ہی کون سے خوشنما تھے جو اب فاطمہؑ کی وفات کے بعد وہ بدنما ہو گئے۔ جناب فاطمہؑ کے دو دورانِ حیات ہی میں اُن کی کون سی عزت کی گئی تھی۔ گھر کو اُن کے جلانے کی دھمکی دی، دربار خلافت میں جا کر فدک مانگنے پر اُن کو مجبور کیا اور آخر کار جھوٹا ٹھہرا کر نامراد واپس کر دیا۔ اب کس حُسنِ سلوک کی اُن سے اُمید ہو سکتی تھی کہ اس کے لئے بیعت کر لیتے۔ حالات سقیفہ کے تحت ہم نے ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے خدا کی قسم کھا کر کہا تھا کہ میں تم سے بیعت نہ کروں گا۔ حضرت عمر کے فقہ میں تو عقل کو بڑا دخل ہے۔ کیا آپ کی عقل کہتی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ اپنی قسم کو جھوٹا کر دیں گے۔ اس لئے کہ لوگ آپؑ سے بے رُخی کرنے لگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب چھ مہینہ تک بیعت نہ کرنے والے حالات چلے آئے اور کوئی نئی بات جانبین کے حقوق میں واقع نہیں ہوئی جو بیعت کی مقتضی ہوتی۔ تو وہی بیعت نہ کرنے والی حالت قائم رہی۔ جب علّت ہی نہیں تو معلول کیوں کر پیدا ہوگا۔ یہ تو حضرت ابوبکر کے زمانے کا ذکر ہے۔ جناب عمر کے حالات میں کہیں نہیں پایا جاتا کہ حضرت علیؑ سے بیعت طلب کی اور اُنھوں نے بیعت کر لی۔ حضرت عثمان سے بیعت کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ جب حضرت عثمان سے بیعت ہونے لگی تو بغیر بیعت کئے ہوئے آپؑ کہتے باہر چلے آئے کہ یہ پہلا ہی دن نہیں ہے کہ تم نے ہمارے اوپر ناجائز غلبہ کر لیا، خدا ہی اس کا فیصلہ کرے گا۔'' (البلاغ المبین، مصنفہ آغا محمد سلطان مرزا دہلوی، جلد ۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسُولؐ کی اُس بیٹی نے جس کو حضرؐت سیّدۃ نساء العالمین فرما گئے تھے اور بضعۃ منّی کی لفظ سے یاد کر گئے تھے اُس نے مرتے مرتے تک اس بیعت کو تسلیم نہیں کیا اور حضرت علیؑ نے بھی اپنی ناراضگی کا ثبوت پیش کیا۔

بقول بعض اہل تحقیق حقیقت یہیں سے منکشف ہو جاتی ہے اس لئے کہ مسلمانوں کی متفقہ حدیث ہے من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیّۃ یعنی جو شخص مرجائے اور اپنے امام زمانہ کے ساتھ معرفت وعقیدت نہ حاصل کرے اُس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔" اب مسلمانوں کو غور کرنا چاہے اپنے رسُولؐ کی مقدس بیٹی "سیدۃ نساء العالمین" کی موت کے بارے میں جو بغیر خلیفۂ وقت کی اطاعت کے حاصل ہوئی۔

اگر سیدۂ عالم کی ذات کو اس حدیث کی زد سے الگ کرنا ہے تو ماننا پڑے گا کہ یہ خلافت مذہبی حیثیت سے درست نہ تھی۔ اسی طرح حضرت علیؑ کا صرف ایک دن کا توقف بھی قبول بیعت میں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ وہ اس کو صحیح خلافت نہ سمجھتے تھے اس لئے کہ موت کے اندیشہ سے کوئی بشر کسی وقت خالی نہیں ہے اور ایک امام جائز کی اطاعت سے انحراف کی صورت میں موت بہر حال جاہلیت کی موت ہوتی ہے۔

رہ گیا حضرت علیؑ کا ان حضرات کے مشوروں میں شریک ہونا اُن کو صحیح رائے بتلانا اور اُن کی موقع بہ موقع رہنمائی کرنا یہی تو درحقیقت دلیل ہے حضرت علیؑ کی اس طہارت ضمیر اور ہمدردی اسلامی کی جو آپؑ کو حقیقی جانشین رسُولؐ و محافظ اسلام کہنے پر مجبور کرتی ہے۔

جبکہ حالات کے بناء پر رسُولؐ کے اس حکم سے انحراف ہو گیا جو آپ نے خلافت علیؑ کے اعلان کی صورت میں دیا تھا اور لوگوں نے اس فرض کی انجام دہی سے عدول کیا تو اب اگر کوئی خود غرض پست طبیعت اور جھوٹے نفس کا انسان ہوتا تو اس کے بعد وہ بد دل ہو کر اسلام اور مسلمین کی خدمت سے بالکل جدا اور بقول مدیر "نگار" کٹ کر ہمیشہ کے لئے علحدہ ہو جاتا لیکن اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا کہ اُس شخص کے قدیم خدمات اور اسلام کے ساتھ ہمدردیاں صرف حصول خلافت کی امید میں تھیں۔

نیز اگر مسلمانوں نے کسی ایک حکم مذہبی کی مخالفت کی تو اُس کا یہ اثر ہونا نہیں چاہئے کہ اب اسلام کے دوسرے احکام کو بھی بدل جانے دیا جائے یا خود مذہب اسلام کی صدمات کو گوارا کر لیا جائے۔

حضرت علیؑ کے مشورے ہمیشہ یہی دو نوعیتیں رکھتے تھے ایک جب کبھی کوئی مسئلہ شرعی پیش ہوا اور دربار خلافت سے حکم خداوندی کے خلاف فیصلہ ہونے لگا اُس وقت موقع ملا تو علیؑ نے اصلاح کی اور دوسرے یہ کہ مفاد اسلامی کو کسی جنگ یا دوسری

طرح دشواری میں نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوا تو آپؑ نے صحیح مشورہ دیا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ حفاظت اسلام اور صیانت مذہب کی ذمہ داریاں آپؑ کے ساتھ وابستہ تھیں جنھیں آپ کسی نہ کسی طرح انجام دیتے تھے اور یہی وہ حقیقی خلافت وامامت ہے جو اُن کے لئے محفوظ تھی اور جس کے فرائض وہ کسی نہ کسی پردہ میں ادا ضرور کرتے تھے۔ اگر چہ ظاہری خلافت یعنی مسند حکومت پر دوسرے افراد نے قبضہ بھی کرلیا ہو۔ حضرت رسوؐل کا سلوک منافقین کے ساتھ اور اُن لوگوں کے ساتھ جو اکثر آپؐ کی عدول حکمی کرتے رہتے تھے صاف اسی رویّہ کا مظہر ہے۔

آپؐ نے باوجود اُن کے مخالفانہ حالات کے کبھی اُن سے ترک موالات نہیں کیا اور ہمیشہ اصلاح کی کوشش فرماتے رہے اسی طرح جانشین رسوؐل حضرت علیؑ۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ منافقین کی زندگی کا تمام دَور مبغوض الٰہی ہے جس سے نہ خدا خوش ہوسکتا ہے نہ اس کا رسوؐل پھر کیا حیرت کا اظہار کیا جاسکتا ہے اس امر پر کہ حضرت رسوؐل نے اپنی عمر کا کثیر حصہ ان غیر اسلامی افراد کے ساتھ بسر کیا۔

یقیناً اگر رسوؐل کا منافقین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا اور اسلامی سلوک کرنا اُن کے نفاق کی تائید نہیں، جبکہ آیات قرآنی اُن کو اُن کے نفاق پر متنبہ کرتی رہتی تھیں تو اسی طرح حضرت علیؑ کا تعلقات معاشرت قائم رکھنا ان لوگوں کے ساتھ جنھوں نے مسئلہ خلافت میں رسوؐل کی مخالفت کی اُن کے اس اقدام کی تائید نہیں قرار پاسکتی جبکہ آپ نے اس پر احتجاج کیا اور اظہار اختلاف کر دیا اور جس طرح اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک اور نیک برتاؤ اُن کو آخرت میں رستگار ونیک کردار بنانے کا ضامن نہیں ہے اس طرح ان اشخاص کے ساتھ حضرت علیؑ کا یہ حسن سلوک اُن کے نجات اُخروی اور نیکوکاری کا ہرگز ثبوت نہیں ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس دَور میں اصل خلافت اسلامی کے معاملہ میں کتنا ہی حکم خداوندی سے کنارہ کشی کی گئی ہو مگر دوسرے معاملات میں اپنے حدودِ علمی کے اندر بہت حد تک ظواہر اسلامی محفوظ رکھے جاتے تھے۔ اور پابندی شریعت کا اظہار کیا جاتا تھا یعنی شریعت اسلام اور احکام خداوندی کے ساتھ کھلم کھلا بغاوت کا اعلان نہیں تھا۔ محرّمات وکبائر کی تلقین نہیں تھی بلکہ اُن کے اوپر حدود کا اجرا کیا جاتا تھا اور بغیر کسی تاویل وتوجیہ کے اس سے اغماض نہیں بَرتا جاتا تھا۔ اس وجہ سے حقیقت اسلام کو کتنا ہی صدمہ پہنچا ہو لیکن بہرحال اسلام کی ظاہری صورت محفوظ تھی اور چونکہ اس وقت تلوار اُٹھانے کی صورت میں یقیناً اسلام کی عمر ہی ختم ہوجانے کا اندیشہ تھا اس لئے علیؑ ایسے محافظ اسلام نے تلوار نیام میں رکھی اور ۲۵ / برس کی طویل مدت اپنے حقوق کی پامالی اپنی آنکھوں سے دیکھنے میں گذار دی اور خاموش فضا میں ذرا بھی سنسنی پیدا نہیں کی۔

نفسیاتی حیثیت سے دیکھنے کے قابل ہے یہ بات کہ ایک بہادر اور شیر دل انسان جس کی عمر بچپنے سے لے کر جوانی اور

بھرپور جوانی تک برابر میدان جنگ میں گذری۔ جس کی تلوار سے برابر خون ٹپکتا رہا اور جس نے سیکڑوں آدمیوں کو موت کی نیند سلا دیا اُسی کے ساتھ جس نے کبھی شکست نہیں کھائی بلکہ ہمیشہ فتح پائی۔ وہ ایک مرتبہ ۲۵ برس تک اتنا خاموشی پسند ہو جاتا ہے کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک اس کی جانب سے عمل میں نہیں آتی اور کسی جنگجویانہ رویہ کا اظہار اس کی طرف سے نہیں ہوتا۔ کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ علیؑ ایک جذباتی نہیں تھے۔ اُنھوں نے خون کے دریا بہائے مگر جوش، غیظ وغضب کی بناء پر نہیں بلکہ فرض کا احساس کر کے اور سکوت اختیار کیا تو کمزوری سے نہیں بلکہ مصلحت کا احساس کر کے۔ اُنھوں نے یہ دیکھا کہ وہی اسلام جس کی حفاظت اس وقت تلوار کھینچ کر کی جا رہی تھی اس کی حفاظت اس وقت تلوار کو نیام میں رکھنے پر موقوف ہے اس لئے آپؑ نے اسلام کی موجودہ ظاہری صورت کی بقاء کو غنیمت سمجھا اور فوج کشی وشمشیر زنی سے پرہیز کیا۔

بیشک جب یہ خلافت بنو اُمیہ تک پہنچی اب اسلام کے ظاہری شعائر بھی مٹائے جا رہے تھے اب احکام مذہبی کے مقابلہ میں کھلّم کھلاّ مخالفت ہو رہی تھی۔ اب شریعت کے مقابلہ میں صاف بغاوت کا اعلان تھا اس لئے اُن ہی علیؑ کے فرزند حسینؑ نے کربلا کے معرکہ کو برپا کر کے دنیا کو دکھلا دیا کہ اسی اسلام کی حفاظت کے لئے جس طرح ایک وقت میں فاتحانہ شان سے جنگ کی جا سکتی ہے، جس طرح ایک وقت میں مظلومانہ شان سے سکوت کیا جا سکتا ہے اسی طرح ایک وقت میں مقہورنہ اور بیکسانہ شان سے قتل بھی ہوا جا سکتا ہے۔

البتہ حضرت علیؑ نے ابتدائی دور میں جنگ مناسب نہیں سمجھی لیکن آپؑ نے اپنے حق خلافت کے اظہار سے بھی کبھی چشم پوشی نہیں کی۔ نیز کسی دوسرے کے انعقاد خلافت کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لی یہاں تک کہ تیسرے دَور میں جب مجلس شوریٰ کے اندر آپؑ کو بھی ایک رکن قرار دیا تو آپؑ نے خاموشی کے ساتھ ووٹ بحق حضرت عثمان نہیں دیا بلکہ پورے شدّ و مد کے ساتھ اپنے حق خلافت کو مرجح ثابت کیا اور وہ تاریخی خطبہ پڑھا جو دنیائے تاریخ میں یادگار ہے۔ جس میں تمام احادیث فضائل کو بھی ایک ایک کر کے پیش کیا ہے اور غدیر نیز دوسرے موقعوں کے صریحی اعلانات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جب عبدالرحمان بن عوف نے یہ سیاسی چال چلی کہ جو شخص اپنے تئیں خلافت سے علحدٰہ کرے وہ حکم ہو جائے تو حضرت علیؑ نے فیصلہ اپنے خلاف ہو جانا گوارا کیا جو صورت حال کی بناء پر پہلے سے یقینی تھا لیکن خود اپنے تئیں خلافت سے علحدٰہ کرنا گوارا نہیں کیا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؑ اپنی ذمہ داری کو جہاں تک پرامن طریقہ سے ہو سکتا تھا برابر پورا کرتے رہے اور مسلمانوں کی گمراہی کے اسباب میں خود عملی طور پر شریک نہیں ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ علیؑ خلفاء کے ساتھ حقیقتاً اتحاد رکھتے تھے اور آپ کو کوئی ناگواری اُن حضرات کی خلافت سے نہ تھی پھر یہ

بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ بہادر جرنیل جو ابتدائے بعثت سے لے کر رسوؐل کے آخر عمر تک برابر لڑائی میں علمدار یا سپہ سالار رہا ہو۔ جس نے شکست کی صورت نہ دیکھی ہو جس کی شجاعت کا بہادران عرب کے دل پر سکّہ ہو، رسوؐل کے بعد اتنی لڑائیاں ہو جائیں، روم و شام کے ممالک فتح ہوں، ایران و عراق پر اسلامی فوج کشی ہو اور قبائل سے اسلامی جہاد ہو مگر وہی بہادر، ہاں وہی جرنیل اس پوری طویل مدت میں کسی ایک لڑائی میں بھی شرکت نہ کرے۔ بالکل علٰحدہ رہے اور ایسا معلوم ہو کہ اُس کے بازوؤں کی طاقت سلب ہوگئی۔ اس کے دل کی ہمّت جاتی رہی اور اُس کی تلوار کُند ہوگئی، فوجوں کی سپہ سالاری نئے نئے جرنیلوں کے سپرد ہو، خالد بن الولید سیف اللہ ہو جائیں، سعد بن الوقاص فاتح عراق و ایران مشہور ہوں مگر علیؑ کا کہیں نام نظر نہ آئے۔

بے شک کسی خاص موقع پر جب کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آئے اور دربار خلافت کی طرف سے مشورہ کے لئے بلائے جائیں تو چلے جائیں اور اُس وقت صحیح مشورہ دے دیں یہ رزم کا تذکرہ تھا اور جہاد کا مرحلہ۔ اب علمی کارنامہ کا حال سنو کہ قرآن کے جمع و تالیف ایسی اہم خدمت پر مسلمانوں کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کا انحصار اور علیؑ کی ایسی ذات جس کے متعلق حضرت رسوؐل نے ارشاد کیا ہو انا مدینة العلم و علی بابھا اور خاص طور سے علم القرآن کی یہ فرما کر گواہی دی ہو کہ ''علی مع القراٰن و القراٰن مع علی'' اور ''لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض'' کے الفاظ میں بھی قرآن اور اہل بیتؑ کی دوامی معیت کا ثبوت دیا ہو اور خود علیؑ کا یہ دعویٰ رہا ہو کہ ''سلونی عن کُلِّ اٰیة من کتاب اللہ عزّوجل'' مجھ سے قرآن کی ہر آیت کے بارے میں سوال کرلو۔ لیکن جب قرآن کی جمع و تالیف کا مرحلہ پیش آئے تو زید بن ثابت کے خدمات حاصل کئے جائیں۔ مسجد کے دروازے پر آدمی بٹھائے جائیں اور ایک ایک سے قرآن کی آیتوں کے متعلق سوال کیا جائے اور دو دو، دو دو آدمیوں کی گواہی پر آیتیں درج کی جائیں۔ اور بعض آیتیں بڑی جستجو کے بعد کسی ایک صحابی کے پاس دستیاب ہوں اور اسی کے اعتماد پر لکھی جائیں۔ مگر علیؑ کو اس خدمت میں نہ شریک کیا جائے اور اُن کا نام تک نظر نہ آئے کہ وہ بھی اس اہم کام میں کوئی دخل رکھتے تھے۔ کیا اس کے بعد یہ دعویٰ قرین قیاس ہے کہ علیؑ اور خلفاء میں اتحاد تھا اور کسی طرح کی کوئی رنجش درمیان میں نہ تھی؟ یا یہ کہنا درست ہے کہ اگر حضرت علیؑ اس خلافت کو جائز تصور نہ کرتے تھے تو آپؑ کٹ کر علٰحدہ ہو جاتے؟

اس کے بعد اگر یہ نظر آئے کہ جب کبھی علیؑ کو مشورہ کے لئے بلایا گیا تو آپؑ نے مشورہ سے عذر نہیں کیا اور مشورہ وہی دیا جو حقیقتاً آپؑ کے نزدیک صحیح تھا تو اُسے صرف علیؑ کی بلند نفسی اور عالی ظرفی سمجھنا چاہئے۔ امانت و دیانت سمجھنا چاہئے۔ بے لوثی اور انسانی ہمدردی سمجھنا چاہئے۔ اور یہی وہ بلند اخلاقی معیار ہے جو رسوؐل کے بعد علیؑ کو بلند ترین سطح کا انسان ثابت کرتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ آپؑ نے مذہبی حیثیت سے خلفاء کی خلافت کو تسلیم کرلیا تھا اور آپؑ کو اس پر اعتراض نہیں تھا۔

(مسئلہ خلافت و امامت ایک آزاد خیال شیعہ کے قلم سے، ماہنامہ نگار، لکھنؤ، جنوری ۱۹۳۷ء)

پانچویں فصل

جمع قرآن

’’قرآن مجید تدریجی حیثیت سے تقریباً ۲۰ ؍برس کے عرصہ میں رسالت مآبؐ کے اوپر نازل ہوا اور مختلف حالات اور واقعات کی مناسبت سے آیات اور کبھی مستقل سورے آپؐ پر اترتے اور آپؐ ان کی تبلیغ فرما دیتے تھے۔

درحقیقت اس صورت سے نازل ہونا اعجاز کے پہلو کو زیادہ نمایاں اور روشن بنانے کا باعث تھا ایک پوری مکمل کتاب جس میں مختلف ابواب وفصول مختلف رنگ کے مضامین اور مختلف علوم وفنون کے شعبے ہوں اس کا جواب دینا زیادہ مشکل اور اس کے جواب میں اجتماعی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے سپر انداختہ ہوجانا زیادہ قرین قیاس ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ تھوڑا تھوڑا کلام ایک ایک سطر یا اس سے زیادہ پیش ہوتا رہے اور ہر جزو کے متعلق جواب اپنے کا مطالبہ مساوی حیثیت سے قائم ہو۔ یقیناً اس صورت میں عام انسانی کلام کے حدود کو دیکھتے ہوئے جواب تیار کرنے کا موقع زیادہ پیدا ہوجاتا ہے۔

پھر ان کو ہر ہر جزو کے متعلق سنجیدگی سے غور کرنے اور تمام پہلوؤں پر نظر ڈالنے کا موقع بھی حاصل ہوتا رہتا تھا۔ ایک جاہل اور امی قوم کو یہ موقع اس وقت نہ حاصل ہوتا جب وہ مجموعی طور پر کتاب کی صورت سے نازل ہوتا۔ اس کے علاوہ مصالح تبلیغ اور اسباب تشریح کے لحاظ سے بھی اس تدریجی حیثیت کا قائم رہنا بہت اہم اور ضروری تھا۔ اس لئے کہ بہت سے احکام ایسے ہیں جن کے تشریع کی مصلحت ابتدائی زمانہ نبوت میں نہیں تھی اور پھر کچھ زمانہ گزرنے کے بعد ان کی مصلحت پیدا ہوئی۔

.........اسلام آیا تھا امی گروہ میں جو زیادہ تر کتابت وقرأت سے عاری تھے اور کسی چیز کو لکھنے اور اس کو لکھ کر پڑھنے کے عادی نہیں تھے۔ اس لئے ذوق حفظ ان میں ترقی پر تھا۔ شعراء کے سو سو دو دو سو شعر کے قصیدے از بر حفظ کر لیتے تھے اور بڑے بڑے مقررین کی تقریریں زبانی سنا دیتے تھے۔

قرآن کو تواتر کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ چونکہ وہ مذہبی تعلیمات کا سرچشمہ تھا مسلمانوں کو احکام مذہبی اور حقائق اسلامی سے واقف کرنے کے لئے بھی ان میں قرآن مجید کے شایع ہونے کی ضرورت تھی۔

ان کی زبان عربی ہی تھی اور قرآن انہی کے روزمرہ اور محاورات کے مطابق نازل ہوا تھا اس لئے وہ اگر صرف قرآن کو حفظ کر لیتے تب بھی اس کے ظواہر الفاظ اور مندرجہ احکام سے واقف ہوجاتے لہٰذا ان کو احکام سے باخبر کرنے کی صورت ہی یہ

تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں قرآن کو حفظ کریں اور اس وجہ سے رسالت مآبؐ کی جانب سے قرآن کی تعلیم کے لئے لوگ روانہ کئے جاتے تھے اور مختلف اشخاص متفرق حیثیت سے جتنا ممکن ہوتا تھا قرآن مجید کی آیات کو یاد کرتے تھے۔

لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی شے کا لوگوں کو محفوظ ہونا مضبوطی و استحکام میں کسی طرح اس کے کتابی صورت میں شایع ہونے کے برابر نہیں ہے۔

کتاب اگر ایک دفعہ لکھ لی جائے اور اس کا پورے طور سے مقابلہ کر کے تصحیح کا کام انجام دے دیا گیا تو وہ اب ہمیشہ کے لئے صحیح ہے جب تک خاص طور سے کوئی اس کو مسخ نہ کرنا چاہے وہ غلط نہ ہو جائے گی۔لیکن حفظ ہر روز خطرہ کا مرکز ہے، فرض کیا جائے کہ ایک دفعہ کسی حافظ نے بڑی جانفشانی و اہتمام کے ساتھ کسی بڑے حافظ سے قرآن یاد کر کے اس کو سنا بھی دیا اور شروع سے آخر تک کہیں غلطی نہ ہوئی اور اس نے تصدیق بھی کر دی لیکن طبع انسانی ہر وقت معرض تغیرات و انقلابات ہے۔ایک تھوڑے دن کے فاصلے میں بہت جگہ واو کی جگہ ف اور ف کی جگہ واو۔مقدم کا موخر اور موخر کا مقدم ہو گیا۔اب انسان نے جو اپنے حفظ کی رو سے پڑھا اگر اس کو تردد اور شبہ پیدا ہو گیا کہ یہاں پر واو ہے یا ف تو غیر ممکن ہے کہ وہ اپنے استاد سے جا کر تجدید کرے لیکن اگر غلطی نے حفظ کی صورت اختیار کر لی اور توجہ بھی نہ ہوئی کہ یہاں کچھ کا کچھ ہو گیا تو وہ اسی غلطی پر قائم رہ گیا۔اسے تو یہ بھروسہ ہے کہ میرا حفظ معیار امتحان میں کامل ثابت ہو چکا ہے۔استاد کی طرف سے سند حاصل کر چکا ہے۔اس میں کتنے انقلابات و تغیرات ہو گئے جن کی اسے خبر بھی نہیں یہ صورتیں انسان کے محفوظات میں اکثر پیدا ہوتی ہیں جن کی ہر شخص تصدیق کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام متمدن قومیں جو زیور علم و ادب سے آراستہ ہو گئیں وہ کتابت و تحریر کی پابند ہیں۔کتاب بے شک معلومات کے لئے ایک محفوظ قلعہ اور مضبوط جائے پناہ ہے جس کی ضرورت علم و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ محسوس ہوئی ہے۔

رسالت مآبؐ اگرچہ ایک امی قوم میں مبعوث ہوئے تھے اور آپؐ نے ان پڑھ جماعت کے اندر نشو نما پائی تھی....

لیکن روحانی تعلیم اور خداوندی وحی کے فیض و برکت سے آپ حکیم کامل اور عظیم فلسفی کا درجہ رکھتے تھے اور آپ اس حکیمانہ رمز سے پورے طور پر مطلع تھے جو آپؐ کے ساختہ و برداختہ شاگرد اور روحانی فرزند امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب نے آپؐ کے بعد فرمایا تھا قیدوا العلم بالکتابۃ علمی فوائد کو کتاب کے ذریعے سے مقید و محفوظ کرو، اسی کا نتیجہ تھا کہ رسالت مآبؐ نے صرف اس عادت کے مطابق جو عام ابنائے زمانہ کی تھی قرآن مجید کے متعلق زبانی محفوظ ہونے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اہتمام فرمایا کہ جو کچھ نازل ہو وہ فوراً قید تحریر میں لے آیا جائے اور اس لئے ایک جماعت کاتبان وحی کی مقرر فرمائی جو ہر آیت کو نزول کے بعد ہی حضرتؐ کے ارشاد کے مطابق فوراً لکھ لیا کرتے تھے۔جس چیز پر بھی کہ وقتی حیثیت سے ممکن ہو پتھر یا چمڑے کے ٹکڑے یا درخت خرما کی چھال یا کوئی اور چیز جو اس وقت موجود ہو۔

یہ قرآن مجید کے تمام آیات کا ایک مکمل نسخہ تھا جو متفرق اور غیر مرتب صورت پر موجود تھا اس کے لئے ضرورت تھی کہ وہ یکجا ترتیب کے ساتھ کتابی صورت میں مدون کر دیا جائے۔ اس کا اس ترتیب کے ساتھ کہ جس طرح وہ نازل ہوا تھا مرتب کرنا عام صحابہ کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے کہ وہ مکتوبی حیثیت سے جو موجود تھا تو اجزاء، اوراق اور کاغذ کے صفحات پر نہیں تھا کہ صرف اس کی ترک ملالی جائے اور بس بلکہ وہ آیتیں تھیں اور پراگندہ چھوٹے چھوٹے چمڑے کے حصوں پر، پتھر کے ٹکڑوں پر اور درخت خرما کی چھالوں پر وہ سب کسی انسان کے پیش نظر رکھے جائیں تو کوئی بتائے کہ کیوں کر انھیں اصل سلسلہ کے مطابق مرتب کیا جائے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ تمام آیات، اس کی ترتیب و تاریخ و شان نزول بالکل پیش نظر اور محفوظ ہو اور اس کے مطابق قرآن کو جمع کر لیا جائے۔

پھر صحابۂ کرام تو ہر وقت رسوؐل کی خدمت میں موجود نہیں رہتے تھے ان میں سے بہت سے حضرات مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے اور قرآن اس کے پہلے سے نازل ہو رہا تھا، ان میں سے بہت سے تجارت پیشہ اور کاروباری لوگ تھے ان کو اتنی بھی مہلت نہ تھی کہ وہ قرآن مجید پورا یاد کر لیتے چہ جائیکہ اس کے آیات کی پوری ترتیب اور شان نزول۔

بے شک اس کے لئے ایسی ہستی کی ضرورت تھی جس کو خاص طور سے رسوؐل کی جانب سے علم قرآن حاصل ہوا ہو۔ جو آیات کی ترتیب، شان و کیفیت نزول سے پورے طور پر مطلع ہو اور کہتا رہتا ہو کہ ’’میں جانتا ہوں کہ کون آیت سفر میں نازل ہوئی، کون حضر میں، کون دن کو کون رات کو اور کون زمین ہموار میں، کون پہاڑ کی بلندی پر۔‘‘

بے شک ایسی ذات علیؑ بن ابی طالبؑ کی تھی۔ رسوؐل کی مخصوص ودیعتیں اور رسالت کی خاص امانتیں سب انھیں کے سپرد تھیں اور قرآن مجید کا مکتوبی مجموعہ بھی جو مذکورہ بالا شکل میں تھا وہ بھی آپؑ ہی کی طرف منتقل ہوا۔ آپؑ کے متعلق رسالت مآبؐ نے بارہا تصریح فرما دی تھی کہ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ حضرتؐ نے ان کو قرآن کے ساتھ ذکر فرما کر ’’انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله و عترتی اهلبيتی‘‘ کے الفاظ میں یہ بھی پتہ دے دیا تھا کہ قرآن کے متعلق اگر کوئی مشکل درپیش ہو تو اس کے حل کرنے والے بھی یہی بزرگوار ہیں۔

رسوؐل کا انتقال ہو گیا۔ دنیا والوں کے دلوں پر دنیا کی فکر کا غلبہ چھا گیا اور اس کے لئے کمیٹیاں، کانفرنسیں، جلسے اور مشورے ہونے لگے۔ اور سلطنت کے حصول کے لئے فکر و عمل کی تمام طاقتیں صرف ہونے لگیں۔ رسوؐل کے گھرانے والے اپنے انتہائی رنج و غم کے عالم میں اور اس قیامت کے دور میں جو ان کے سر پر رسوؐل کی وفات نے ڈھا دی تھی ان تمام افعال و حرکات کانفرنسوں اور جلسوں کے انعقاد اور جاری شدہ کارروائیوں سے بالکل بے تعلق تھے۔ انھیں اس کا موقع ہی نہ تھا کہ وہ ان امور کی طرف متوجہ ہو سکیں اور دوسرے افراد اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کی محویت میں ان سے بے تعلق تھے اور انھیں

اس کی مصلحت نہ تھی کہ ان کی طرف متوجہ ہوسکیں۔اس گوشہ گیری، کسمپرسی اور غم و رنج کی فراوانی کے عالم میں سب سے پہلی فکر جو حفاظت مذہب کے اصل ذمہ دار اور شریعت و دین پیغمبرؐ کے سب سے بڑے حامی و محافظ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کو پیدا ہوئی وہ قرآن مجید کے کتابی صورت میں یکجا کر دینے کا مسئلہ تھا۔

حضرتؑ نے اپنے نفس پر ختم کرلیا کہ اپنی عبا دوش پر نہ ڈالیں گے جب تک قرآن مجید کو ترتیب کے ساتھ مجتمع نہ فرمالیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرتؑ نے قرآن کو اس کی ترتیب نزول کے مطابق مجتمع فرمادیا۔ یہ سب سے پہلا مصحف تھا جو اسلام میں کتابی صورت سے مدّون ہوا۔حقیقت وحق کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مسلمان اس مصحف کو اپنا کعبہ اور قبلہ بناتے اسکی اصل قرار دیتے،اسی کی نقلیں اتارتے، پڑھتے پڑھاتے اور حفظ کرتے اور اسی کی اشاعت کی کوشش کرتے۔

لیکن سیاسی مصالح جن کی بناء پر علیؑ کی شخصیت کو بھلاوے میں ڈالنا ضروری تھا، وہ شخصیت کہ اگر کہیں اس کے کمالات دنیا میں پھیلیں اور رونما ہوں تو دوسرے نقش مدھم ہوجائیں اور نظر اعتبار سے گر کر فنا کے درجے پر پہنچ جائیں۔وہ مصالح اس کے مقتضی نہیں تھے کہ علیؑ کے کسی بڑے سے بڑے کام کو بڑا سمجھ کر اسکی اہمیت کو تسلیم کیا جائے۔پھر بالخصوص ایسا اہم کارنامہ یعنی قرآن کا معاملہ جس پر دین و مذہب کی بنیاد ہے،جس کا سہرا اگر آپؑ کے سر باندھا جاتا تو مسلمان آپؑ کے دست نگر، ممنون احسان اور آپؑ کا مذہبی اقتدار تمام مسلمانوں میں قائم ہوجاتا۔

اس وجہ سے سیاسی اغراض کا تقاضہ یہی تھا کہ آپؑ کے جمع کئے ہوئے، قرآن، مصحف کی طرف توجہ نہ کی جائے اور وہ زینت طاق نسیاں بنا دیا جائے۔علیؑ نے جمع قرآن میں اپنی مصروفیت کا اظہار کر دیا۔سب کو معلوم ہوگیا کہ آپؑ یہ کام انجام دے رہے ہیں اور آپؑ نے پھر انجام بھی دے دیا۔

لیکن مسلمانوں کی طرف سے اس پر کوئی توجہ نہیں ہوئی اور اسے لے کر غور سے دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ حضرتؑ نے یہ دیکھا اور خاموش ہو رہے۔اپنے جمع کردہ مصحف کو سلک مروارید کی طرح اپنے خزانہ خاص میں محفوظ کیا۔

(مقدمہ تفسیر قرآن، مولانا علی نقی صاحب)

محمد ابن اشیر بن مشہور تابعی کہا کرتے کہ اگر حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن مل جاتا تو تمام علم اسی میں مل جاتا (طبقات بن سعد، ج ر ۲،قسم ر ۱،ص ر ۱۰۱) اس کی وجہ یہی تھی کہ آپؑ نے کلام مجید کو موافق نزول ترتیب دیا تھا اور ساتھ ساتھ اس کی طرف بھی اشارہ کرتے گئے کہ کون آیت خاص ہے کون عام،کون مطلق ہے کون مقید،کون محکم ہے کون متشابہ، ناسخ کون ہے منسوخ کون، عزائم کون ہیں رخص کون، سنن سے متعلق کون سی آیتیں ہیں آداب سے متعلق کون، اسباب نزول کی بھی آپؑ نے تصریح کی نیز جو آیتیں کسی جہت سے مشکل تھیں ان کی وضاحت بھی فرمائی تھی۔صحیح بخاری کی شرح میں ہے:

ان تالیف مصحف ابن مسعود علی غیر تالیف العثمانی و کان اوله الفاتحہ ثم البقرة ثم النساء ثم اٰل عمران ولم یکن علی ترتیب النزول و یقال ان مصحف علی کان علی الترتیب النزول اوله اقرأ ثم المدثر ثم ن والقلم ثم المزمل ثم تبت ثم التکویر ثم سبح وهکذا الی اٰخر المکی ثم المدنی۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری، پ/۲۰ص/۴۳۷)

ابن مسعود کا جمع کیا ہوا قرآن اس قرآن کے خلاف ہے جو حضرت عثمان کا جمع کردہ ہے کیوں کہ اس کا اول سورہ فاتحہ پھر سورۂ بقرہ پھر نساء پھر آل عمران ہے۔ غرض ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن ترتیب نزول کے مطابق تھا جس کا پہلا سورہ اقراء پھر مدثر پھر ن والقلم پھر مزمل پھر تبت پھر تکویر پھر سبح تھا اسی طرح مکی کل سورے پہلے تھے اور اس کے بعد مدنی کل سورے تھے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں ''صحابہ سے دس بزرگ تفسیر قرآن بیان کرنے میں مشہور تھے چار تو خلفاء اور چھ دوسرے لوگ۔ خلفاء میں تفسیر قرآن سب سے زیادہ حضرت علیؑ سے منقول ہے، رہے خلفاء ثلاثہ تو ان کی روایتیں بہت ہی کم ہیں اس کا سبب یہ تھا کہ وہ لوگ حضرت علیؑ سے پہلے تھے یہی سبب اس کا بھی ہے کہ حضرت ابو بکر سے حدیث کی روایت بہت کم ہے اور تفسیر میں ابو بکر کی حدیثیں اور بھی کم ہیں جو غالباً دس سے زیادہ نہیں ہوں گی۔ لیکن حضرت علیؑ سے بہت زیادہ روایتیں ہیں۔ چنانچہ معمر نے وہب بن عبداللہ، اس نے ابوالطفیل سے روایت کی ہے وہ کہتا تھا کہ میں نے حضرت علیؑ کو خطبہ بیان کرتے دیکھا اس وقت وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے پوچھ لو جو کچھ پوچھنا ہو کیوں کہ خدا کی قسم تم لوگ مجھ سے جس چیز کو دریافت کرو گے اس کو ضرور بتادوں گا اور مجھ سے قرآن مجید کی تفسیر بھی معلوم کرلو اس لئے کہ خدا کی قسم کوئی آیت نہیں ہے جس کے متعلق مجھے معلوم نہ ہو کہ وہ رات میں اتری یا دن کو، نرم زمین پر نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔ اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیا میں ابن مسعود سے یہ مضمون لکھا ہے کہ قرآن سات حرفوں پر اترا ہے ہر حرف کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔ مگر حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو ہر آیت کا ظاہر بھی معلوم تھا اور باطن بھی۔ (اتقان، جلد/۲، ص/۱۰۷)۔ یہی علامہ سیوطی یہ بھی کہتے ہیں قال ابن حجر و قدروو عن علی انه جمع القراٰن علی ترتیب النزول عقب موت النبیؐ۔ ابن حجر کہتے تھے کہ حضرت رسولؐ کے بعد قرآن کو حضرت علیؑ نے ترتیب نزول کے مطابق جمع کیا تھا۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علیؑ کے حالات میں لکھا ہے: ''ونصیب او از احیاء علوم دینیہ آن است کہ جمع کرد قرآن را بحضور آن حضرت و ترتیب دادہ بود آں را لیکن تقدیر مساعد شیوع آن نشد۔'' حضرت علیؑ کا حصہ علوم دینیہ کے زندہ کرنے میں یہ بھی ہے کہ آپؑ نے حضرت رسولؐ خدا کے سامنے قرآن کو جمع اور مرتب کیا لیکن اس کے شایع ہونے میں تقدیر نے مدد نہیں کی۔ (ازالۃ الخفا مقصد/۲، ص/۲۷۳)

چھٹی فصل

جناب سیّدہؑ کی وفات

پیغمبرؐ کی جدائی کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ آپؑ کو ایک اور جانکاہ حادثہ سے دو چار ہونا پڑا۔ پیغمبرؐ کی رحلت کے ٹھیک تین مہینہ بعد جناب معصومہؑ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ دنیا میں کسی باپ کو اپنی اولاد سے وہ محبت نہ ہوگی جو رحمۃ للعالمین پیغمبرؐ کو اپنی پارہ جگر فاطمہ زہراؑ سے تھی اور نہ کسی بیٹی سے باپ کی محبت کا وہ مظاہرہ دیکھنے میں آیا جو معصومہ عالم سے دنیا والوں نے دیکھا۔ جو ماتم کیا ہے معصومۂ عالم نے اپنے پدر بزرگوار کا اس کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد جتنے دن زندہ رہیں کسی نے لبوں کو آشنائے تبسم ہوتے نہیں دیکھا تھا مازالت مغطیة الراس باکیة العین محترقة القلب آنکھوں سے کسی لمحہ آنسو نہ تھمے، سر پر ہر وقت درد کی وجہ سے کپڑا باندھے رہتی تھیں، دم بدم آپؑ کو غش آتا تھا، جسم مبارک نحیف و لاغر ہو گیا تھا۔ اس پیمانہ پر پہنچا ماتم کہ بلال نے گلدستہ اذان پر جانا چھوڑ دیا، بلال گلدستہ پر اذان دینے کے لئے آئے اور پہلی آواز بلند ہوئی کہ بیٹی نے باپ کو یاد کر کے پچھاڑیں کھانا شروع کر دیا، دوسرا رنگ ماتم کا یہ باپ کے مرنے کے بعد رفتہ رفتہ بیٹی نے گھر بھی چھوڑ دیا رات کسی طرح تڑپ تڑپ کے بسر ہو جاتی جب صبح ہوتی باپ کی سوگوار بیٹی ننھے ننھے بچوں کا ہاتھ پکڑ کے قبرستان بقیع میں چلی جاتی اور دن بھر نالہ و زاری میں مصروف رہتی۔

کہا جاتا ہے کہ باپ کے صدمہ کو معصومۂ عالم برداشت نہ کر سکیں اور اسی میں گھل گھل کر جان دی۔ اس میں شک نہیں کہ باپ کے صدمہ نے معصومۂ عالم کو نیم جاں ضرور بنا دیا تھا مگر موت کا سبب صرف یہی ایک غم نہ تھا۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں:

قال النظام ان عمر ضرب بطن فاطمة علیها السّلام یوم البیعة حتّی القت المحسن من بطنها و کان یصیح احرقوها بمن فیها وما کان فی الدّار غیر علی و فاطمة والحسن والحسین۔

(ملل ونحل شہرستانی مطبوعہ بمبئی، جلد ۱/ص ۲۵)

نظام کہتے تھے کہ حضرت عمر نے جناب معصومۂ کے شکم اقدس پر سقیفہ کی کارروائی کے دن لات ماری یہاں تک کہ محسن آپؑ کے شکم مبارک سے نکل پڑے اور حضرت عمر غل مچاتے تھے کہ فاطمہؑ کے گھر کو ان لوگوں سمیت جو اس گھر میں ہیں جلا دو حالانکہ گھر میں سوائے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے اور کوئی نہ تھا۔

مردہ حال دختر پیغمبرؐ کو حضرت عمر نے ضرب شدید پہونچا کر آپؐ کی موت کے ظاہری اسباب بھی فراہم کر دیئے۔ اسی اذیت نے علالت کی شکل اختیار کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد دنیا آپؐ سے خالی ہوگئی۔

جس سال ابو طالبؑ اور خدیجہؑ کا انتقال ہوا تھا پیغمبرؐ اس سال کو عام الحزن فرمایا کرتے تھے۔ رنج وملال کا سال، اس لئے کہ ابو طالبؑ ایسے جان چھڑکنے والے چچا اور خدیجہ ایسی بیوی جو شریک حیات ہی نہ تھیں بلکہ شریک کار بھی تھیں۔ تبلیغ اسلام میں جنھوں نے اپنی بے انتہا دولت خرچ کر دی تھی۔ دونوں کے صدمے پیغمبرؐ کو یکے بعد دیگرے اٹھانے پڑے تھے۔ ۱۱ ھ میں حضرت امیر المومنینؑ پر بھی ایسی ہی افتاد پڑی اور یہ سال آپؑ کے لئے بلاء ومصیبت کا سال تھا۔ ۲۸ رصفر کو پیغمبرؐ نے رحلت فرمائی جن کی آغوش میں علیؑ پلے بڑھے جو علیؑ کے لئے بمنزلہ باپ کے تھے استاد بھی تھے اور رہبر ومرشد بھی۔ اور تین مہینے کے بعد فاطمہؑ ایسی شریک حیات نے مفارقت کی جسے پیغمبرؐ نے سیدہ نساء العالمین فرمایا تھا، جو رفتار میں، گفتار میں، صورت و سیرت میں آئینہ جمال مصطفوی تھیں۔

امیر المومنینؑ کی مصیبت اس وقت اور زیادہ جانکاہ معلوم ہوتی ہے جب ان حالات پر نظر کی جائے جن سے بعد وفات پیغمبرؐ آپ کو گزرنا پڑا۔ پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہوجاتے ہی دنیا دشمنی پر کمربستہ ہوگئی اور آپؑ کے ابن عم کے حاشیہ نشین خون کے پیاسے ہو گئے۔ خود آپؑ کے گلے میں رسی باندھ کر کشاں کشاں دربار خلافت میں لے جایا گیا۔ جسمانی اذیتیں پہنچائی گئیں اور معصومہؑ عالم جو آپؑ کے لئے بحیثیت شریک حیات ہی نہیں بلکہ پیغمبرؐ کی واحد یادگار ہونے کی وجہ سے دنیا میں سب سے بڑھ کر محبوب تھیں ان پر مظالم کی انتہا ہوگئی، ان کے گھر کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی، ان پر دروازہ گرایا گیا، شکم مبارک پر لات ماری گئی۔ بعض روایات میں وعصروھا کی لفظ موجود ہے افسوس ہے کہ اردو کا دامن اتنا کوتاہ ہے کہ ایک لفظ میں ترجمہ مشکل ہے دروازہ پر ہجوم ہے حضرت عمر مجمع کو للکار رہے ہیں کہ گھر میں آگ لگا دو، ان زیادتیوں کا سبب دریافت کرنے پس در آ کر کھڑی ہوتی ہیں۔ سیدہؑ دروازے کے پیچھے اور دروازے کے دونوں پٹ زبردستی کھولے جاتے ہیں دروازہ اور دیوار کے درمیان سیدہؑ عالم پیس ڈالی گئیں تین مہینہ تک انھیں اذیتوں کے باعث صاحب فراش رہ کر ۳ ر جمادی الثانیہ کو آپؑ نے دنیا سے انتقال کیا۔

حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا کفن پہنایا اور نصف شب کے سناٹے میں سپرد لحد فرمایا۔ دفن و نماز جنازہ میں حضرت امیرؑ المومنین حسنؑ وحسینؑ اور عمار ومقداد، عقیل، زبیر، ابوذر، سلمان، بریدہ اور چند گنے چنے معززین بنی ہاشم کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ حضرت ابوبکر وعمر کے متعلق تو خصوصیت سے معصومہ کی وصیت تھی کہ یہ ہمارے جنازے پر نہ آئیں۔ ہمارے دفن میں شریک نہ ہوں۔ اسے بھی جناب معصومہ کی وصیت سمجھا جائے یا انتہائی مظلومی کہ امیر المومنینؑ سیدہؑ کی قبر بنا کر

اس پر نشان قائم نہ کرسکے بلکہ آپؑ نے چالیس قبریں اور بنائیں تاکہ لوگوں کو اصل قبر کا پتہ نہ معلوم ہو ورنہ جن لوگوں سے رسولؐ کو بے دفن وکفن چھوڑ نا ممکن تھا، سیدہؑ کے گھر کو آگ لگانی ممکن تھی۔ سیدہؑ کے شکم مبارک پر لات مارنی ممکن تھی اس کے لئے سیدہؑ کی قبر کے ساتھ بے حرمتی کرنی کیا دشوار تھی۔

دفن سے فارغ ہونے کے بعد امیر المومنینؑ نے جن دلدوز لفظوں میں قبر پیغمبرؐ کی طرف متوجہ ہو کر فریاد کی ہے اس سے آپ کی حرکت قلبی اور کرب روحانی کا آسانی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

''اے رسولؐ اللہ آپ پر میرا اور آپؐ کی دختر کا سلام ہو جو اب آپ سے ملنے اور آپؐ کے ہمسایہ میں رہنے آئی ہیں اور آپ کے بقعہ میں تہ خاک آرام کریں گی۔ اور خدا نے ان کو آپ سے بہت جلد ملا دیا۔ اے رسولؐ اللہ آپ کی محبوبہ دختر کی جدائی سے میرا صبر جاتا رہا ہے لیکن آپ کی جدائی کا صدمہ اور تکلیف میں نے برداشت کیا اس برداشت کی میں اب تقلید کرتا ہوں میں نے آپ کو لحد میں سلایا اور آپ کی روح و بدن کی جدائی اس وقت ہوئی کہ جب آپ کا جسم میری گردن و سینے کے درمیان تھا۔ قرآن شریف کا حکم میرے لئے کافی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون آپ نے اپنی ودیعت واپس لے لی اور اپنی پارۂ جگر کو جو میرے پاس چھوڑا تھا آپ نے اپنے پاس بلالیا۔ زمین وآسمان میرے لئے اندھیر ہو گئے اب میرا غم دائمی ہو گیا۔ اور میری راتیں نیند اور آرام سے خالی ہو گئیں۔ جب تک کہ خداوند تعالیٰ مجھے بھی اس مقام پر بلائے جہاں آپ ہیں میرے دل میں زخم پڑ گئے ہیں اور غم کی موجیں جوش میں آگئیں۔ کتنی جلدی ہمارے ایک دوسرے کے درمیان جدائی ہوئی ہے، میں خدا سے شکایت کرتا ہوں اور آپ کی بیٹی آپ کو آگاہ کریں گی کہ آپ کی امت نے آپ کی دختر کے حق کو غصب کرنے میں آپس میں مدد کی، آپ ان سے سوال کریں اور وہ آپ کو سارا حال بتائیں گی۔ ان کے سینے میں شدید غم والم بھرا ہوا تھا جس کے ظاہر کرنے کا موقع انھیں اس دنیا میں نہ ملا اور اب وہ آپ کو بتائیں گی اور خدا سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم دونوں پر میرا سلام ہو وداع کرنے والا السلام۔ اگر میں یہاں سے چلا جاؤں تو وہ اس وجہ سے نہ ہوگا کہ میں یہاں ٹھہرنے سے ملول ہوں اور اگر میں یہاں قبر پر ٹھہر جاؤں تو وہ اس وجہ سے نہ ہوگا کہ جو وعدہ صابرین کے ساتھ خدا نے کیا ہے اس پر میرا یقین نہیں۔ ہائے ہائے صبر ہی بہتر ہے اور اگر جابر وظالم لوگوں کا غلبہ نہ ہوتا تو میں قبر پر مقیم ہو جاتا اور اس مصیبت عظیم پر گریہ وزاری کرتا کہ جیسے مادر پسر پر گریہ وزاری کرتی ہے۔ پس خدا کے سامنے آپ کی دختر پوشیدگی کے ساتھ دفن کی گئی۔ ان کا حق تلف کرلیا گیا اور ان کو میراث بھی نہ دی۔ درآں حالیکہ ابھی آپؐ کی یاد لوگوں میں پرانی نہیں ہوئی۔ اے رسول خداؐ، خدا سے ہم شکایت کرتے ہیں اور آپ سے بہتر کون ہے جس سے فاطمہ زہراؑ کے رحلت کی تعزیت کی جائے۔''

(اعیان الشیعہ سید محسن الامین العاملی الجزاء الثانی ص/۵۴۷ و ص/۵۰۸، سیرۃ فاطمہ مصنفہ آغا محمد سلطان مرزا دہلوی)

علّامہ مسعودی نے حضرت امیر المومنینؑ کے کچھ اشعار بھی نقل کئے ہیں جو آپ نے دفن معصومہ سے فارغ ہونے کے بعد فرمائے:

ارى علل الدنيا علىّ كثيرة
و صا حبها حتى الممات عليل

دنیا کے عوارض کو اپنے اوپر ہجوم کئے ہوئے پاتا ہوں ایسے عوارض کہ اُن کا مبتلا مرتے دم بھی ان سے رہائی نہیں پاسکتا۔

لكل اجتماع فى خليين فرقه
وكل الّذى دون الفراق قليل

دو دوستوں کی یکجائی کے بعد جدائی ضروری ہے۔اور جدائی کے مقابلہ میں ہر مصیبت حقیر وکمتر ہے

و ان افتقادى فاطما بعد احمد
دليل على ان لايدوم خليل

پیغمبرؐ کی جُدائی کے بعد فاطمہؑ کے وجود سے میری محرومی دلیل ہے کہ کوئی دوست ہمیشہ نہیں رہتا۔

(مروج الذہب)

''علّامہ طبری نے دلائل الامامۃ میں محمد بن ہمام سے نقل کیا ہے کہ جب مسلمانوں کو جناب فاطمہ زہراؑ کے انتقال کی خبر ملی تو وہ سب بقیع میں آئے وہاں اُن کو چالیس قبریں جدید نظر آئیں اس وجہ سے اُن کو نہ معلوم ہوسکا کہ ان قبروں میں سے کون سی قبر جناب فاطمہؑ کی ہے تو اُن کو بہت رنج ہوا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تمہارے نبیؐ نے فقط ایک لڑکی تو چھوڑی تھی وہ بھی مرگئی، دفن بھی ہوگئی اور نہ ہم اُس کی رحلت کے وقت حاضر ہوئے نہ اُس پر نماز پڑھی یہاں تک کہ تم اُس کی قبر سے بھی واقف نہیں کہ وہ کہاں ہے۔اس پر حکام خلافت نے کہا کہ جاؤ مسلمانوں کی عورتوں کو بلالاؤ وہ اُن کی قبروں کو کھول دیں تا کہ ہم کو معلوم ہوجائے کہ فاطمہؑ کی کون سی قبر ہے تو پھر اُن پر نماز پڑھیں اور اُن کی زیارت کریں۔ یہ خبر حضرت امیر المومنینؑ کو بھی پہنچی، آپ غصّہ میں بھرے ہوئے، آنکھیں سُرخ، رگ گردن غصہ سے پھُولی ہوئی وہ زرد قبا اوڑھے ہوئے جو آپ ہمیشہ گھمسان کی لڑائی میں اوڑھا کرتے تھے اپنی ننگی تلوار ذوالفقار پر تکیہ کئے ہوئے بقیع میں تشریف لائے۔لوگوں پر رعب وخوف چھا گیا اور کہنے لگے دیکھو کس غصہ کی حالت میں علی بن ابی طالبؑ آئے ہیں۔اور کہہ رہے ہیں خدا کی قسم کھا کے کہ اگر کسی نے ایک پتھر بھی ان قبروں کا اُکھاڑا تو میں اس کی گردن اس تلوار سے اُڑا دوں گا۔اب حکام خلافت ٹھنڈے پڑ گئے اور اُن میں سے ایک شخص نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے کہا اے ابوالحسن آپ کو کیا ہوا اور آپ کا کیا حرج ہے ہم تو اس لئے قبر فاطمہؑ کو اکھیڑنا چاہتے ہیں کہ ان کی نماز

جنازہ پڑھیں۔حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑوں پر مکّہ مارااور برہنہ تلوارکو زمین پر زور سے دے مارااور فرمایا کہ میں نے اپنا حق تو محض اس وجہ سے چھوڑااوراس کے لینے کے لئے تلوار نہ اُٹھائی کہ لوگ مُرتد ہو جاتے،لیکن قبر فاطمہؑ تو اس قادر مطلق کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں علیؑ کی جان ہے اگر تونے یا تیرے اصحاب نے ایک ڈھیلا بھی اس قبر سے اُٹھایا تو میں اس زمین کو خون سے سیراب کردوں گا......اب دوسرے صاحب جو نرمی سے گفتگو کرنے والے تھے حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر بولے رسوؐل خدا کے حق کی قسم اوراس کے حق کی قسم جو عرش کے اوپر ہے ہم اب یہ کام نہ کریں گے کہ جس سے تم ناراض ہوتے ہو،یہ کہہ کروہ لوگ چلے گئے اور پھر کسی نے ادھر کا خیال نہ کیا۔‘‘

(اعیان الشیعہ ،جلد/ ۲،ص/ ۵۴۵،وسیرۃ فاطمہؑ،آغا محمد سلطان مرزا دہلوی)

ساتویں فصل

مالک بن نویرہ کا قتل

حضرت امیرالمومنینؑ نے جناب سیّدہ کی وفات کے بعد خولہ حنفیہ سے نکاح فرمایا تھا اور اُنھیں سے امیرالمومنینؑ کے نامور فرزند محمد ابن حنفیہ متولد ہوئے۔ اس سے بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ امیرالمومنینؑ خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر راضی تھے اور اُنھوں نے جولڑائیاں لڑیں اُن کو جائز سمجھتے تھے جبھی تو خولہ کو قبول فرمایا جو نتیجہ جنگ میں لونڈی بن کر آئی تھیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کی وضاحت کر دی جائے۔

مالک ابن نویرہ بنی حنیفہ کے رئیس و سردار اور اپنے وطن میں بادشاہ کی حیثیت رکھتے تھے، مشہور بہادر و شجاع اور بہترین شاعر۔

پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور پیغمبرؐ نے اُن کی عظمت و جلالت کو باقی رکھتے ہوئے بنی حنیفہ سے زکوٰۃ کی وصولی پر حاکم مقرر کیا تھا۔ (طبقات ابن سعد، جلد/ ۵، ص/ ۸۰)

علّامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ مالک بن نویرہ ایک معزز و محترم شخص تھے، بادشاہوں کے ردیف ہوا کرتے ردیف ہونے کے دو مواقع تھے ایک تو یہ کہ بادشاہ سیر و شکار کے لئے جاتے اور انھیں اپنے ساتھ اپنی سواری پر بٹھاتے۔ اسی طرح ہر سیر و تفریح کے موقع پر بادشاہ کے ساتھ ساتھ ہوتے۔ دوسرا موقع اس سے زیادہ باعزت تھا اور وہ یہ کہ بادشاہ انھیں اپنا قائم مقام بناتے اور وہ بادشاہ کی غیبت میں رعیت کے نگراں ہوتے۔ اُن کی عزت و وجاہت کا یہ عالم تھا کہ جس طرح عرب میں اور بہت سے فقرے ضرب المثل کے طور پر بولے جاتے ہیں جیسے مرعی ولا کالسعدان اور ماء ولا کصداء اسی طرح مشہور ضرب المثل تھی فتیً ولا کمالك یعنی جوان ہونے کو بہت سے ہوں گے مگر مالک کے ایسا کوئی جوان نہیں۔

مالک کو صحابیِ رسوؐل ہونے کا بھی شرف حاصل تھا محدّثین میں علّامہ ابن حجر عسقلانی کا بڑا پایہ ہے جنھوں نے صحیح بخاری کی مفصّل شرح فتح الباری لکھی ہے۔ اُنھوں نے صحابہ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب اصابہ تحریر کی ہے اس میں مالک کا حال بھی درج ہے۔

جب پیغمبر خداؐ کا انتقال ہوگیا اور مالک کو اس کی خبر پہنچی تو انھوں نے اپنی قوم سے زکوٰۃ کی وصولی ملتوی کر دی اور کہا

کہ تم لوگ زکوٰۃ کے مال کو بھی اپنے ہی پاس محفوظ رکھو یہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبرؐ کے بعد کون آپ کا قائم مقام ہوا اور کیا انتظام حکومت طے پایا پھر یہ چیزیں تم سے لے لی جائیں گی۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے اشعار میں اس کی صراحت بھی کی ہے۔

وقال رجال سدد الله مالکا
وقال رجال مالك لم يسدد

بعض لوگوں نے کہا خدا مالک کو استقامت بخشے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمہیں کیا ہوا ہے تم کیوں نہیں سیدھے ہوتے۔

فقلت دعونی لا ابال بيكم
فلم اخط رايا فی المقامة والندی

میں نے اُن سے کہا کہ تم مجھے اپنی مرضی کے مطابق کرنے دو۔ میری رائے کبھی غلط نہیں ہوئی

وقلت خذوا اموا لكم غير خائفٍ
ولا ناظر فيما يجیی به غد

میں نے اُن سے کہا کہ تم اپنے اموال کو واپس لے لو بغیر کسی خوف کے اور آئندہ کے کسی اندیشہ کے۔

ساجعل نفسی دون ماتحذ رونه
وار هنكم يوما بما قلته يدی

میں اپنے کو تمہارا سپر بنا دوں گا۔ اور اپنا ہاتھ تمہارے حوالے کر دوں گا۔

فان قام بالا مرا لمجدد قائم
اطعنا و قلنا الدين دين محمد

اگر پیغمبرؐ کا کوئی جانشین ہوا اور اُس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو ہم اُس کی اطاعت کریں گے اور کہیں گے کہ بس دین محمدؐ کا دین ہے۔

ان اشعار میں کوئی شعر اور کسی شعر میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے بغاوت یا اُن کا ارتداد ظاہر ہوتا ہو وہ پیغمبرؐ کی زندگی تک اپنے قوم والوں سے زکوٰۃ وصول کر کے پیغمبرؐ کی خدمت میں پہنچاتے رہے بعد وفات پیغمبرؐ اس انتظار میں تھے کہ پیغمبرؐ کی جانشینی کا مسئلہ طے ہو جائے۔ آپؐ کا قائم مقام آپؐ کی جگہ بیٹھ جائے تو اُس کی اطاعت کر کے اُس کے پاس زکوٰۃ کا مال روانہ کر دیں۔ یہ امر بھی حقیقت سے بعید نہیں کہ اُن کے کانوں تک غدیر کی سرگذشت بھی پہنچ چکی تھی۔ انھیں معلوم تھا کہ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر مقام غدیر خم میں مجمع کو ٹھہرا کر آں حضرتؐ نے تقریر فرمائی اور اس تقریر میں یہ بھی کہا کہ: من کنت

مولاہ فھذا علی مولاہ اللھمّ وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔
مالک کو اور اُن کی ساری قوم کو علیؑ کے متعلق پیغمبرؐ کا یہ ارشاد بھی یاد تھا کہ: انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا۔ میں شہر علم ہوں اور علیؑ اُس کے دروازہ ہیں۔ نیز پیغمبرؐ خدا مہاجرین و انصار کے مجمع میں یہ بھی کہہ چکے تھے کہ: اقضا کم علیؑ۔ علیؑ تم سب میں بہتر وصحیح فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اسی قسم کی تمام حدیثیں مالک اور اُن کی قوم والوں کے کانوں تک پہنچ چکی تھیں۔ مزید برآں وہ یہ بھی جانتے تھے کہ علیؑ کو پیغمبرؐ سے کیا منزلت حاصل ہے۔ اسلام میں اُن کا کیا درجہ ہے۔ جنگ کے میدانوں میں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے وہ کس طرح سینہ سپر رہا کئے ہیں وہی سب سے پہلے اسلام لائے۔ اُنھیں نے ہر موقع پر رسوؐل کی حفاظت کی، شب ہجرت اُنھیں نے اپنے کو پیغمبرؐ پر قربان کر دیا تھا۔ وہی آں حضرؐت کے علوم کے وارث آپؐ کی پارہ جگر کے شوہر، آپؐ کے جگر گوشوں کے باپ ہیں۔

انھیں تمام باتوں کی وجہ سے حضرت ابوبکر کی خلافت تسلیم کرنے اور اموال زکوٰۃ ان کے حوالے کرنے میں اُنھیں ہچکچاہٹ تھی متردد تھے کہ علیؑ کے علاوہ دوسروں کو مال زکوٰۃ پہنچانے کے بعد میں اپنی ذمہ داریوں سے عنداللہ و عندالرسول سبکدوش و بری الذمہ بھی ہوسکوں گا یا نہیں۔ یہی تردد اُن کی ہلاکت کا سبب بنا چونکہ اُنھوں نے حضرت ابوبکر کو آں حضرؐت کا حقیقی جانشین تسلیم نہیں کیا اس سبب سے ممدوح نے اُن کی طرف بھی خالد بن ولید کو بھیجا کہ جس طرح دوسرے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے لڑتے ہو اُن سے بھی (۱) جنگ کرو۔ مالک نے ان لوگوں سے عذر کیا کہ میں تو نماز پڑھتا ہی ہوں صرف ان کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہتا۔

---

(۱) حضرت رسول خداؐ کی وفات تک تقریباً پورا عرب مسلمان ہوگیا تھا مگر حضرؐت کی وفات کی خبر سن کر اکثر عربوں نے حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ حضرت رسوؐل خدا نے ان کو خلیفہ نہیں مقرر کیا۔ اگر خاندان رسالت سے کوئی شخص خلیفہ ہوتا تو ہم لوگوں کو عذر نہ ہوتا تم لوگوں نے اصلی مستحق خلافت کو محروم کر کے خلافت کو غصب کر لیا ہے۔ باوجود یہ کہ وہ لوگ خدا اور رسوؐل اور روز قیامت پر ایمان رکھتے، عقائد اسلام کو تسلیم کرتے اور نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، حج کرتے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پورے مسلمان تھے۔ مگر حضرت ابوبکر نے صرف زکوٰۃ کا روپیہ نہ ملنے کی وجہ سے ان لوگوں سے جہاد کا اعلان کر دیا مؤرخ مسعودی نے لکھا ہے وارتد العرب بعد استخلافہ بعشرۃ ایّام حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونے پر دس روز کے اندر پورا عرب مرتد ہوگیا۔ (مروج الذہب، جلد ۵، ص ۱۰۱) مرتد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ مؤرخین نے تصریح لکھا ہے۔ الخلاف السّابع فی قتال مانعی الزکٰوۃ فقال قوم لا نقا تلھم قتال الکفرۃ وقال قوم بل نقا تلھم حتی قال ابوبکر لو منعونی عقالا من ما اعطوا رسول اللہ لقاتلتھم علیہ و مظی بنفسہ الی قتالھم ووافقہ الصحابۃ باسر ھم وقدادی اجتہاد عمر فی ایّام خلافتہ الی ردالسبایا والاموال الیھم واطلاق المحبوسین منھم، (کتاب الملل والنحل شہرستانی ص ۱۰)
حضرت رسوؐل خدا کی وفات کے بعد ساتواں اختلاف زکوٰۃ روکنے والوں سے جہاد کے متعلق واقع ہوا کچھ لوگ کہتے تھے جس طرح ہم کافروں سے جہاد کرتے تھے ان مسلمانوں سے نہیں کر سکتے اور کچھ لوگ کہتے تھے ہم ضرور جہاد کریں گے۔ حضرت ابوبکر نے طے کیا کہ جو چیزیں یہ لوگ رسوؐل خدا کو دیتے تھے اگر اُن

میں سے جانور باندھنے کی ایک رسّی بھی ہمیں نہیں دیں گے جب بھی ہم اُن سے ضرور لڑیں گے۔اور خود ان سے لڑنے کے لئے روانہ بھی ہو گئے اور صحابہ نے بھی اُنھیں کی موافقت کی۔مگر حضرت عمر کے زمانۂ خلافت میں اُن کے اجتہاد نے یہ طے کیا کہ زکوٰۃ نہ دینے سے جو عورتیں لونڈی بنائی گئی ہیں وہ آزاد کردی جائیں اور اُن کا جو مال لوٹا گیا ہے وہ واپس کر دیا جائے اور اُن کے قیدی رہا کر دیئے جائیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی لکھتے ہیں: ''بعد از آں اشکالے دیگر ظاہر گردید در مقاتلہ منع کنندگان زکوٰۃ حالانکہ بکلمہ اسلام متکلم بودند'' (ازالۃ الخفا، جلد/۲، ص/۲۸) اس کے بعد دوسرا اشکال ظاہر ہوا کہ زکوٰۃ روکنے والوں سے جہاد کرنا چاہیئے یا نہیں حالانکہ وہ کلمۂ اسلام پڑھ رہے ہیں۔علامہ دیار بکری لکھتے ہیں: ''صحابہ کو یہ ناگوار ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کیا جائے اور ان سب نے کہا کہ یہ لوگ تو اہل قبلہ (مسلمان ہیں پھر ان سے جہاد کیوں کر جائز ہوگا) اس پر حضرت ابوبکر نے اپنی تلوار کمر سے نکالی اور لڑنے کے لئے نکل پڑے۔مخالفین حضرت ابوبکر نے کہا ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمدؐ خدا کے رسوؐل تھے اور ہم نماز بھی پڑھتے ہیں لیکن ہم اپنا مال تم لوگوں کو نہیں دیں گے۔حضرت ابوبکر نے کہا جب تک زکوٰۃ نہیں دو گے ہم نہیں مانیں گے ضرور تم سے لڑیں گے۔اس بارے میں حضرت ابوبکر اپنے اصحاب سے بھی لڑنے لگے سب سے زیادہ مخالف حضرت عمر و ابوعبیدہ و سالم مولی ابو حذیفہ تھے۔یہ لوگ کہتے تھے کہ اسامہ بن زید کے لشکر کو روک رکھو جس سے مدینہ کی آبادی بھی رہے اور دشمنوں سے امن بھی رہے گا اور عرب کے ساتھ نرمی کرو تا کہ یہ (بغاوت وغیرہ کا طوفان) فرو ہو جائے کیوں کہ اس کی تہ بہت خطرناک ہے اور بغیر مناسب صورت اختیار کئے اس میں تباہی رکھی ہوئی ہے۔حضرت عمر کہتے تھے کہ میں نے کہا کہ اے خلیفہ لوگوں کی تالیف قلب کیجئے اور ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا چاہئے اس پر حضرت ابوبکر مجھ سے کہنے لگے تم جاہلیت کے زمانے میں تو جبّار (سرکش اور سخت تھے) اور اسلام میں خوار (ناتواں و کمزور) ہو گئے۔

(تاریخ خمیس، جلد/۲، ص/۲۲۴، کتاب الامتہ والسیاستہ، جلد/۱، ص/۲۹ وغیرہ) اپنا مال نہ دینے والے صاف صاف کہتے کہ ہم اپنا مال غصب نہیں کرا سکتے وہ صریحی طور پر حضرت ابوبکر کو غاصب سمجھتے تھے، فقالوا اما الصّلواۃ فاننا نصلی وما الزکوٰۃ فواللہ لاتغصب اموالنا منّا۔وہ کہتے تھے کہ نماز تو ہم پڑھتے ہی ہیں رہی زکوٰۃ تو خدا کی قسم اس کو ہم (تمہارے ہاتھوں) غصب نہیں ہونے دیں گے۔(تہذیب تاریخ ابن عساکر و کتاب ابوبکر الصدیق، ص/۱۸۵) فقالو انومن باللہ ونشھد ان سیدنا محمد رسول اللہ ولکن لا نعطیکم اموالنا۔وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم سب اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں ہمارے سردار حضرت محمد مصطفٰیؐ خدا کے رسوؐل ہیں لیکن ہم لوگ تم کو اپنے اموال نہیں دیں گے۔(کتاب ابوبکر الصدیق، ص/۱۸۷، و تاریخ طبری، جلد/۳، ص/۲۲۳)۔

مانعین زکواۃ کے یہ اشعار بھی کتابوں میں مذکور ہیں:

اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا	فیال عباد اللہ ملا بی بکر
ایورثھا بکراً اذا مات بعدہ	وتلک لعمر اللہ قاصمۃ الظھر

(جب تک رسول خداؐ دنیا میں رہے ہم لوگوں نے اُن کی اطاعت کی مگر اے بندگان خدا یہ ابوبکر کون ہوتے ہیں؟ کیا وہ چاہتے ہیں کہ وہ مر جائیں تو یہ سلطنت اپنی اولاد کو اپنی میراث دے جائیں؟ خدا کی قسم یہ تو بڑی کمر توڑنے والی مصیبت ہے) (طبری، جلد/۳، ص/۲۱۳، کتاب ابوبکر الصدّیق ص/۱۹۳)

مذکورۂ بالا عبارتوں سے یہ حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا وہ کھلے ہوئے مسلمان تھے خدا کو ایک مانتے تھے، رسوؐل کو پیغمبرؐ جانتے کل اصول اسلام کا اعتقاد رکھتے اور برابر نماز پڑھتے تھے صرف حضرت ابوبکر کو زکوٰۃ کا مال دینے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم تم لوگوں سے اپنے مال غصب نہیں کرائیں گے۔اسی بات پر لوگوں نے اُن کو مرتد کہنا شروع کر دیا۔

مرتد کس کو کہتے ہیں:

اب امر بھی قابل غور ہے کہ مرتد کہتے کس کو ہیں؟ اور کیا زکوٰۃ نہ دینے والوں کو مرتد کہنا صحیح بھی تھا؟ مرتد از اسلام و مسلمانی برگشتہ شدہ سلام اور مسلمانی سے پھرے ہوئے شخص کو مرتد کہتے ہیں۔ (غایث الغات، ص/۷۰۹)۔ المرتد شرعًا هو الّذي يكفر بعد الايمان، شرعی طور پر مرتد وہ شخص ہے جو ایمان قبول کرنے کے بعد کافر ہو جائے۔ (کلیات ابوالبقا، جلد/۱، ص/۵۵۱) بالکل بدیہی بات ہے کہ جو مسلمان اسلام سے برگشتہ ہو جائے اسی کو مرتد کہتے ہیں...... اگر زکوٰۃ نہ دے، خمس نہ دے، حج نہ کرے، روزہ نہ رکھے تو اس کو کسی طرح مرتد نہیں کہہ سکتے بلکہ اگر وہ شراب پیئے، چوری کرے، زنا کرے جب بھی مرتد نہیں کہا جا سکتا۔ امام بخاری نے صراحت کر دی ہے۔ فقال النبی ذاك جبرئيل اتانى فاخبر نى انه من مات من امتیّ لا یشرك بالله شیئًا دخل الجنه قلت يا رسول الله وان زنی وان سرق قال وان زنیٰ وان سرق۔ (صحیح بخاری، پارہ/۲۶، باب من اجاب، ص/۳) حضرت رسُول خدا نے فرمایا یہ جبریل میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ جو میری امت سے مرجائے اور وہ اللہ کے ساتھ کسی (معبود) کو شریک نہ کرے (یعنی مشرک نہ ہو) وہ جنت میں جائے گا، میں نے پوچھا اے رسُول خدا اگر چہ وہ شخص زنا اور چوری کرے؟ فرمایا ہاں اگر زنا یا چوری کرے اس حدیث میں تصریح ہے کہ جو شخص مشرک نہیں وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو شخص شرک نہ کرے وہ کسی طرح مرتد نہیں کہا جا سکتا اور حضرت ابوبکر کو جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے تھے وہ چیخ کر خدا کی وحدانیت اور رسُول خدا کی رسالت کا اعلان کر رہے تھے۔ لہٰذا وہ مشرک نہیں تھے اور جب مشرک نہیں ہوئے تو مرتد بھی نہیں ہو سکتے۔ اُن کا قصور تو صرف یہ تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کو اسکا اہل نہیں سمجھتے تھے کہ زکوٰۃ ان کے حوالے کی جائے۔ اُن کا کہنا تھا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔ خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها وصلّ عليهم ان صلاٰتك سكن لهم۔ اے رسُول اُن کے اموال میں سے زکوٰۃ قبول کرو کہ اس سے تم اُن کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا اُن کے لئے موجب تسکین ہے۔ لہٰذا ہم زکوٰۃ بس اُسی کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لئے موجب تسکین ہو۔

کیا زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد جائز ہے؟: اب اس کی بھی تحقیق کر لینی چاہئے کہ حضرت ابوبکر کا یہ جہاد شرعاً جائز بھی تھا یا نہیں۔

افسوس کہ قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں مل سکتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ زکوٰۃ نہ دینے والے سے لڑنے اور اُس کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رہ گئے ارشادات پیغمبرؐ تو حضرتؐ کی کوئی حدیث نہیں بتاتی کہ زکوٰۃ نہ دینے کی سزا قتل ہے۔ خود پیغمبرؐ کا طرز عمل یہ رہا کہ آپؐ کے زمانے میں بھی کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا مگر آں حضرتؐ نے نہ اُن سے جہاد کیا نہ اُن پر فوجیں بھیجیں نہ اُن کو قتل کیا نہ زندہ جلایا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں:۔ امر رسول الله بصدقة فقيل منع ابن جميل و خالد بن وليد و عباس بن عبدالمطلب فقال النبیؐ ماينقم ابن جميل الا انّهم كان فقيرًا فاغناه الله ورسوله وما خالد فانكم تظلمون خالد اقد احتبس اورا عه واعتده فی سبيل الله واما العباس بن عبدالمطلب نعم رسول فهی عليه صدقة و مثلها معها۔ حضرت رسول خداؐ نے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا تو حضرتؐ سے عرض کیا گیا کہ ابن جمیل و خالد بن ولید و عباس بن عبدالمطلب زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا ابن جمیل کیوں انکار کرتا ہے حالانکہ وہ فقیر تھا اب خدا نے اسے مالدار کر دیا ہے اور خالد پر تم لوگ زیادتی کرتے ہو اس نے اپنی زرہوں اور ہتھیاروں کو راہ خدا میں جہاد کرنے کی غرض سے روک رکھا ہے، رہے عباس بن عبدالمطلب تو وہ رسُول خدا کے چچا ہیں تو یہ اور اس جیسی اور زکوٰۃ بھی اُن کا حق ہے۔ (صحیح بخاری، پ/۶، ص/۴۵، کتاب الزکوٰۃ)

قرآن و حدیث کے علاوہ اجماع بھی ایک شرعی دلیل ہے۔ اور اُس پر عمل کرنا ضروری کہا جاتا ہے۔ مگر حضرت ابوبکر نے اس کو بھی نظر انداز کر دیا۔ تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمان اور اہل قبلہ ہیں اُن سے جہاد جائز نہیں۔ لوگوں نے بہت سمجھایا، سفارش کی یہاں تک کہ حضرت عمر بھی جو ہر امر میں آپ کی روح رواں تھے مخالفت کرتے رہے۔ لیکن حضرت ابوبکر من مانی کرتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ اگر کوئی اور ساتھ نہیں دے گا تو میں تنہا لڑوں گا۔

مگر خالد نے کہا کیا تم کو نہیں معلوم کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں ساتھ ہیں ایک بغیر دوسری کے مقبول نہیں ہوسکتی۔ مالک نے کہا اگر یہ بات تمہارے بادشاہ (حضرت ابوبکر) کہتے ہیں۔ خالد نے کہا کیا تم اُن کو اپنا بادشاہ نہیں مانتے؟ خدا کی قسم میں ارادہ کر چکا ہوں کہ تمہاری گردن اڑادوں پھر دونوں میں دیر تک سخت کلامی ہوتی رہی جس پر خالد نے کہا میں تم کو ضرور قتل کر کے رہوں گا۔ مالک نے پوچھا کیا تمہارے بادشاہ نے یہی حکم دیا ہے؟ خالد نے کہا دیکھو پہلے بھی تم نے اُن کو ہمارا بادشاہ کہا اور اب بھی ہمارا بادشاہ کہتے ہو (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اُن کو اپنا بادشاہ نہیں مانتے) اس جگہ حضرت عمر کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر اور ابوقتادہ انصاری بھی موجود تھے۔ ان دونوں نے خالد سے سفارش کی (کہ یہ مسلمان ہیں کیوں ان کو قتل کرتے ہو) مگر خالد نے ان دونوں بزرگوں کی باتیں ناپسند کیں۔ تب مالک نے کہا ہمیں ابوبکر ہی کے پاس بھیج دو کہ وہ خود ہم لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں۔ خالد نے جواب دیا اگر تم کو اس وقت چھوڑ دوں تو خدا مجھے نہ چھوڑے پھر ضراء بن ازور کو حکم دیا کہ مالک کو قتل کردو۔ اس حکم کے سنتے ہی مالک اپنی بیوی کی طرف جو نہایت حسینہ و جمیلہ تھیں متوجہ ہو کر کہنے لگے میری یہی بیوی میرے قتل ہونے کا سبب ہے اور (گویا) یہی مجھے قتل کراتی ہے۔ خالد نے کہا نہیں، بلکہ تم اسلام سے پھر گئے اس سبب سے قتل کئے جاتے ہو۔ مالک نے کہا تم جو چاہو کرو مگر ہوں میں مسلمان ہی۔ خالد نے کہا اے ضراء ان کی گردن اُڑادو، اس پر وہ فوراً قتل کر دیئے گئے اور اُن کا سر ایک دیگچی کا چولھا بنا دیا گیا (کہ اس کے سر میں آگ لگائی گئی اور اُس پر دیگچی رکھی گئی) کیوں کہ اُس کے سر میں بال بہت تھے اس کے بعد خالد نے اس کی بیوی کو اپنے قبضہ میں کیا۔ ابوقتادہ انصاری اور بہت سے صحابہ کرام نے اس واقعہ سے انتہائی شدید نفرت کا اظہار کیا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابوزہیر سعدی کہتا ہے:

الا قل لحی اوطؤ اباالسنابك
تطاول هذا الليل من بعد مالك
قضٰی خالد بغيا عليه بعرسه
وكان له فيها هوی قبل ذالك
فامضٰی هواه خالد غير عاطف
عنان الهویٰ عنها ولا متمالك
فاصبح ذااهل واصبح مالك
الیٰ غير اهل هالك فی الهوالك
فمن لليتاً حیٰ والار امل بعده

ومن للرجال امعد مین الصعالك

اصیبت تمیم غشها و سمینها

بفار سها المرجو سحب الهوالك

اے مخاطب تو اس قبیلہ سے جو جانوروں کے ٹاپوں سے روند ڈالا گیا کہہ دے کہ مالک کے قتل ہو جانے کے بعد یہ رات بڑی لمبی ہوگئی۔ خالد نے ظلم وستم سے اس کی بیوی پر تصّرف کر لیا جس کا عشق اس کے دل میں بہت پہلے سے شعلہ ور ہو رہا تھا۔ غرض خالد نے اپنی تمنا پوری کر لی اور اُس نے نہ اپنی فریفتگی سے منہ موڑا نہ اُس پر قابو رکھ سکا۔ اس طرح وہ نئی معشوقہ والا ہو گیا اور بیچارہ مالک اپنی بیوی سے جدا کر کے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ اب مالک کے مرنے کے بعد یتیموں اور بیواؤں کا سہارا اور مفلس وقلاش انسانوں کی امیدگاہ کون رہ گیا۔ اپنے تمناؤں اور امیدوں کے مرکز شہسوار (مالک) کی موت سے بنی تمیم کے چھوٹے بڑے سبھی ہلاک ہو گئے۔

جب اس شرمناک واقعہ کی خبر عام ہوئی تو مہاجرین وانصار سبھی کمال درجہ رنجیدہ وملول ہوئے۔ جب جناب ابوقتادہؓ انصاری مدینہ واپس ہوئے تو سب سے پہلے ابو بکر کے پاس پہنچ کر اس ذلت خیز سانحہ کی خبر گوش گذار کی اور سلسلۂ گفتگو میں یہ بھی کہا کہ میں نے خالد کو مالک کے قتل سے بہتیرا روکا مگر وہ میری بات ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ ابوقتادہ نے مالک اور مالک کے قوم والوں کے ایمان واسلام کی گواہی بھی دی نیز اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ میں نے خود اُنھیں اذان واقامت کرتے اور نماز پڑھتے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اسی موقع پر ابوقتادہ نے قسم کھائی کہ اب میں کبھی بھی خالد کی ماتحتی میں کسی جنگ میں شریک نہ ہوں گا۔

حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ خالد نے مالک کی بیوی سے زنا کیا اس سبب سے اس کو سنگسار کر دو۔ موصوف نے جواب دیا میں اس کو سنگسار نہیں کر سکتا کیوں کہ اُس نے تاویل کی تو خطا کی۔ تب حضرت عمر نے کہا اچھا اس نے ایک مسلمان (مالک) کو قتل کیا ہے اس کے عوض میں اس کو قتل کر دوں۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا میں اس کو قتل بھی نہیں کروں گا۔ کیوں کہ اس نے تاویل کی جس میں اس سے خطا ہو گئی۔ تب حضرت عمر نے کہا اچھا اس کو معزول کر دو حضرت ابو بکر نے کہا میں اس تلوار کو نیام میں نہیں کر سکتا جس کو خدا نے ان لوگوں (میرے مخالفوں) پر کھینچ دیا ہے۔ (تاریخ ابن خلکان، جلد ر ۵، ص ر ۱۷۲، تاریخ روضۃ المناظر، جلد ر ۱، ص ر ۱۱۵، و ابوالفداء، جلد ر ۱، ص ر ۱۵۸، تاریخ کامل، جلد ر ۲، ص ر ۱۲۶، و تاریخ طبری، جلد ر ۳، ص ر ۱۴۱، وغیرہ)

اس اندوہناک واقعہ نے مسلمانوں کے چہروں پر کالک مل دی، مسلمان دنیا کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے کہ جب خود مسلمان اور خلفائے اسلام تھوڑے سے درہم ودینار، چند مویشیوں (مال زکوٰۃ) کی خاطر اپنے بھائیوں ہی کا گلا کاٹ سکتے ہیں۔ اپنی ہی ماں بہنوں کو لونڈیاں بنا کر بازار میں بیچ سکتے ہیں، اپنی ہی ماں بہنوں سے ان کے شوہروں کو قتل

کر کے منہ کالا کر سکتے ہیں۔تو غیر مسلم اقوام کے ساتھ جتنی بھی بربریت اور بہمیت برتیں ان سے کچھ بھی بعید نہیں۔اسی جنگ زرگری نے دنیا کو کہنے پر مجبور کیا کہ اسلام کی اشاعت سراسر تلوار کی مرہون منت ہے۔

متمم بن نویرہ کا مرثیہ

مالک کی طرح ان کے بھائی متمم بھی صاحب فضل وکمال اور مشہور شاعر تھے بلکہ اپنے زمانے کے نامور اساتذۂ فن سے تھے۔شعراء عرب نے مصنف مرثیہ کو آسمان کمال پر پہنچا دیا ہے اور جب مرثیہ کا تذکرہ ہو تو سب سے پہلے متمم کے مراثی ہی کا تصّور دماغ میں آتا ہے۔جو انھوں نے اپنے بھائی مالک کے دردناک قتل پر نظم کئے ایسی خوش اسلوبی سے اپنے انتہائی کرب واندوہ کو اشعار میں سمو دیا ہے کہ مضبوط دل والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔اس واقعہ کے بعد متمم مدینہ پہنچے صبح کی نماز ابوبکر کے ساتھ پڑھی جب ابوبکر نماز سے فارغ ہوئے تو یہ اپنی کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور یہ اشعار پڑھے:

نعم القتيل اذا الرياح تناوحت

خلف البيوت قتلت يابن الازور

ادعوته بالله ثم غدرته

لوهو دعاك بذمة لم يغدر

ونعم حشوالدرع كان وحاسرا

ولنعم ماوى الطارق المتنور

لايمسك الفحشاء تحت ثيابه

حلو شمائله عفيف المئزر

(اے ابن ازور تونے بہترین مقتول کو قتل کیا ہے۔تم نے خدا کے نام پر اسے بلایا اور پھر اس کے ساتھ بیوفائی کی۔اگر وہ تجھے بلاتا تو ہرگز بے وفائی نہ کرتا۔وہ حالت جنگ اور امن دونوں میں بہترین مردم تھا اور شب میں آنے والے مہمان کے لئے بہترین جائے پناہ۔فحاشی اس کے دامن کو چھو نہیں گئی تھی۔بڑی شیریں خصلتوں والا اور پاکیزہ کردار انسان تھا)

ارباب تاریخ بیان کرتے ہیں کہ یہ اشعار پڑھتے پڑھتے متمم خمیدہ ہو گئے اور اتنا روئے کہ ان کی ناقص آنکھ سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔

یہ اشعار بھی مالک ہی کے متعلق متمم نے کہے ہیں اور حق یہ ہے کہ خوب کہے ہیں:

لقد لامنی عذا القبور علی البکا
رفیق التذراف الدموع السوافك
فقال اتبکی کل قبور ایته
لقبر ثوی بین اللوی والدکادك
فقلت لهه ان الشجا یبعث الشجا
فدعنی فهذا کلة قبر مالك

میں قبروں کے پاس کھڑا ہو کر جوزاروقطار رویا اس پر میرے دوست نے میری ملامت کی۔اور کہا کہ تم جو قبر بھی دیکھ لو اس پر آنسو بہانے لگو گے۔میں نے اس سے کہا کہ ایک غم دوسرے غم کو تازہ کرتا ہے تم مجھے جی بھر کے رو لینے دو کہ یہ سب قبریں مالک ہی کی ہیں

منجملہ ان مراثی کے متمم کا وہ مرثیہ بھی جو عینیہ کے نام سے مشہور ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

وکنا کندمانی جذیمة حقبة
من الدهر حتی قبل لن نتصدعا
وعشنا بخیر فی الحیاة وقبلنا
اصاب العنایار هط کسری وتبعا
فلما تفرقنا کانی ومالکا
لطول اجتماع له بنت لیلة معا

ہم دونوں بھائی جذیمہ کے دونوں ندیموں کی طرح ایک مدت دراز تک ساتھ ہی رہے یہاں تک کہ لوگ کہنے لگے تھے کہ ہم دونوں کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے اور ہم دونوں مزے کی زندگی بسر کر رہے تھے حالانکہ ہم سے پہلے کسریٰ وتبع کے گروہوں تک کو موت ختم کر چکی تھی لیکن جب ہم دونوں یعنی میں اور مالک جدا ہو گئے تو طول اجتماع کے سبب سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ہم لوگ ایک ساتھ رات بھر بھی نہیں رہے۔(تہرۃ اشعار العرب تاریخ کامل ابوالفداءوغیرہ)

جناب خولہ

بنی حنیفہ کے مردوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد خالد بن ولید خواتین بنی حنیفہ کو لونڈیاں بنا کر مدینہ واپس آئے وہ خواتین

مسجد نبوی میں بندیاں ترک و دیلم کی طرح کھڑی کی گئیں انھیں میں جناب خولہ مادر محمد ابن حنیفہ بھی تھیں۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس موقع پر خولہ کا ایک حیرت ناک واقعہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں منجملہ قیدیوں کے خولہ بھی تھی وہ پیغمبرؐ خدا کی قبر پر آئیں اور نوحہ وماتم کرنا شروع کیا اور فریاد کی کہ یارسوؐل اللہ میں ان لوگوں کی بدسلوکی کی شکایت آپ سے کرتی ہوں۔ ہم آپ کے کلمہ گو ہیں مگر انھوں نے ہمیں بغیر کسی جرم کے لونڈی بنا ڈالا ہے پھر مجمع کی طرف مخاطب ہو کر بولیں تم لوگوں نے ہماری کس خطا پر درآنحالیکہ ہم مسلمان بھی ہیں یہ مظالم کئے۔ ہم لاالہ الاّ اللہ کے قائل، پیغمبرؐ کی نبوت و رسالت کے سچے دل سے معتقد ہیں۔ حضرت ابو بکر بولے تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار جو کیا تھا۔ خولہ نے کہا آپ جو کہتے ہیں وہ امر واقعہ نہیں اصل واقعہ یہ ہے اور فرض کیجئے کہ آپ ہی کی بات سچی ہے لیکن زکوٰۃ دینے سے انکار تو ہمارے مردوں نے کیا تھا ہم مسلمان عورتوں نے کیا خطا کی تھی کہ ہم کو لونڈیوں کی طرح یہاں رسن بستہ لایا گیا ہے۔

پھر لونڈیاں تقسیم ہونے لگیں، ایک ایک شخص آتا تھا اور کسی ایک عورت کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا تھا۔ طلحہ اور خالد بن عثمان نے اپنے کپڑے خولہ کی طرف پھینکے ہر ایک کی خواہش تھی کہ خولہ ہمارے حصہ میں آئیں۔ خولہ نے کہا کہ یہ ہرگز نہ ہونے پائے گا مجھے اپنی کنیزی میں بس وہی لے سکتا ہے جو یہ بتادے کہ میں نے اپنی پیدائش کے وقت کیا بات کہی تھی۔

حضرت ابو بکر نے کہا اس کی باتوں پر نہ جاؤ یہ مجمع کو دیکھ کر ڈرگئی ہے اسی لئے دیوانوں جیسی باتیں کررہی ہے۔ خولہ نے کہا خدا کی قسم میں غلط نہیں کہتی۔ یہ بحثا بحثی ہوہی رہی تھی کہ امیر المومنینؑ تشریف لائے۔ آپؑ نے مجمع پر نظر کی اور خولہ کی طرف بھی دیکھا پھر فرمایا کہ آپ لوگ رکئے میں اس سے دو باتیں کرلوں۔ پھر آپؑ خولہ سے متکلم ہوئے کہ سنو، جب تمہاری ماں حاملہ تھیں اور تم ان کے شکم میں تھیں اور ولادت کے دنوں میں درد کی اذیت بڑھی تو اس نے خدا سے دعا کی تھی خداوندا مجھے اس مولود سے محفوظ رکھ یہ دعا قبول ہوئی اور تم پیدا ہوئیں۔ تم نے پیدا ہوتے ہی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ زبان پر جاری کیا اور کہا کہ عنقریب میرا مالک ایک سید و سردار ہوگا۔ اور اس سے ایک فرزند پیدا ہوگا۔ تمہاری ماں نے تمہاری ان باتوں کو ایک تختی پر لکھ کر جس جگہ تم پیدا ہوئی تھیں اس جگہ دفن کردیا۔ جب تمہاری ماں کا وقت انتقال قریب آیا اس نے تم کو اس تختی کا حال بتا کر اس کی حفاظت کے متعلق تم سے وصیت کی تھی اور جس گھڑی تم اسیر کی گئیں تمہاری بڑی فکر یہی تھی کہ تختی محفوظ رہے تم نے زمین سے اسے نکال کر اپنے بائیں بازو پر باندھ لیا اب تم وہ تختی نکال کر میرے حوالے کرو کہ میں ہی اس کا مالک ہوں، میں ہی امیر المومنینؑ ہوں اور تمہارے بطن سے جو مبارک فرزند محمد نامی پیدا ہونے والا ہے اس کا باپ ہوں، لوگوں کا بیان ہے کہ امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد سن کر خولہ قبلہ کی طرف مڑیں، شکر خدا بجالائیں اور وہ تختی نکال کر حضرت امیر المومنینؑ کی طرف پھینکی، حضرت

ابوبکر نے وہ تختی اٹھالی پہلے خود پڑھا، پھر حضرت عثمان کو دیا کہ تم پڑھو، عثمان نے وہی عبارت پڑھ کر سنائی جو امیر المومنینؑ نے بیان کی تھی۔ حضرت ابوبکر نے کہا اے ابوالحسنؑ یہ آپ کے حوالے ہے۔ آپؑ نے خولہ کو اسماء بنت عمیس کے پاس بھیج دیا، کچھ دنوں بعد خولہ کا بھائی مدینہ پہنچا اور ان واقعات کی خبر اسے معلوم ہوئی اس نے خولہ کو امیر المومنینؑ سے بیاہ دیا اور اس سے جناب محمد حنفیہ پیدا ہوئے۔ (بحار الانوار، جلد ۹، ص ۵۸۳، طبع کمپانی و کتاب محمد بن حنفیہ مطبوعہ ایران)

اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ اگر ابوبکر کی خلافت پر راضی نہ ہوتے اور ان کی لڑائیوں کو ناجائز سمجھتے تو خولہ کو اپنی کنیزی میں لینا ہرگز قبول نہ کرتے کیوں کہ وہ حضرت ابوبکر کی لڑائیوں ہی کے نتیجہ میں اسیر ہو کر آئی تھیں اور حضرت ابوبکر ہی نے حضرت علیؑ کو مرحمت فرمایا تھا مگر یہ بات معمولی عقل والے کی سمجھ میں بھی آسکتی ہے اگر بنو حنیفہ واقعاً مرتد اور اسلام سے منحرف ہو گئے تھے تو ان سے جنگ کرنا، انھیں غلام بنالینا ہر ایک کے لئے جائز تھا۔ یزید و ابن زیاد ایسے لوگ بھی ان سے لڑتے اور انھیں غلام بنا کر بیچ ڈالتے یا کسی کو ہبہ کر دیتے تو کوئی قباحت نہ تھی اور اگر وہ مرتد نہیں ہوئے تھے حالت اسلام ہی پر باقی تھے تو ان سے جنگ کرنا انھیں غلام بنانا۔ حضرت ابوبکر کے لئے جائز تھا نہ کسی دوسرے کے لئے۔ ایسی صورت میں امیر المومنینؑ نے خولہ کو زوجیت میں جو لیا ہوگا تو عقد نکاح ہی کے ذریعہ نہ کہ بطور کنیز کے[1]۔ پھر یہ بھی طے نہیں کہ خولہ مدینہ کب آئیں اور کیوں کر آئیں۔ علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں۔ خولہ حنفیہ کے متعلق اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ خالد بن ولید نے خلافت حضرت ابوبکر میں انھیں اسیر کیا تھا اور حضرت ابوبکر نے حضرت علیؑ کو ان کے حصہ میں دے دیا اور بعض لوگ جن میں ابوالحسن مدائنی ایسے محقق بھی ہیں کہتے ہیں کہ وہ زمانہ پیغمبرؐ ہی میں اسیر ہو کر آئی تھیں پیغمبرؐ کی زندگی میں بنو زبید (یمن کے

۱۔ جناب شیخ مفیدؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت امیر المومنینؑ خلفائے ثلاثہ کے عطیے کیوں قبول کرتے تھے۔ انھوں نے جنگ کر کے جن عورتوں کو لونڈی بنایا انھیں کنیزی میں کیوں لیا، ان کے مقدمات کے فیصلے کیوں فرمائے؛ آپ نے جواب دیا کہ عطیے قبول کرنے کا سبب یہ تھا کہ حقیقی مالک آپ ہی تھے جو کچھ ان سے ملتا تھا وہ آپ ہی کی ملکیت کا ایک حصہ ہوتا۔ رہ گیا خولہ سے نکاح فرمانا تو یہ بھی ظاہر ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ آپ بحیثیت کنیز کے تصرّف میں لائے ہوں بلکہ ہمارے یہاں کی روایات بتاتی ہیں کہ آپ انھیں عقد نکاح کے ذریعہ زوجیت میں لائے۔ اور اگر بطور کنیز لیا بھی تو اعتراض کی گنجائش نہیں کیوں کہ بنی حنیفہ کو مرتد بتایا جاتا ہے۔ یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ کافر اور پیغمبرؐ کی رسالت کے منکر ہو گئے تھے۔ لہٰذا ان کی عورتوں کو کنیز بنالینا تو ہر ایک کے لئے جائز تھا زید بکر سب کے لئے ہاں اگر یہ کہئے کہ وہ مسلمان بھی تھے، پیغمبر کی رسالت کے متعرف بھی تھے صرف حضرت ابوبکر کی خلافت تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے حضرت علیؑ چونکہ ابوبکر کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے اس لئے آپ نے ان کی جنگ کو جائز سمجھا ان کے قیدی کو بطور کنیز کے قبول کیا تو کسی حد تک بات بن سکتی ہے۔ مگر اس صورت میں حضرت ابوبکر پر جو الزام عائد ہوتا ہے وہ ظاہر ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو صرف اس جرم کے بناء پر کہ انھوں نے ان کی خلافت تسلیم نہیں کی تہ تیغ کیا ان کی عورتوں کو لونڈیوں کی طرح فروخت کر ڈالا۔

اور آپؑ کا ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنا بھی ظاہر ہے اس لئے کہ تمام احکام کے آپؑ ہی مورد و مصدر تھے۔

باشندے) مرتد ہو گئے تھے پیغمبرؐ نے حضرت امیر المومنینؑ کو اُن کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا آپ فتحیاب ہوئے۔ بنو زبید کے کچھ لوگوں نے اپنے ارتداد سے توبہ کی کچھ مارے گئے اور کچھ قیدی بنائے گئے۔ اس سے پہلے بنو زبید نے بنو حنیفہ پر حملہ کیا تھا اور ان کے مردوں، عورتوں کو قید کر لائے تھے جن میں خولہ حنفیہ بھی تھیں۔ جب خود بنو زبید اپنے ارتداد کے سبب مارے اور غلام بنا کر لائے گئے تو خولہ بھی انھیں کے ہمراہ آئیں۔ پیغمبرؐ خدا نے انھیں حضرت امیر المومنینؑ کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اگر ان سے تمہارا کوئی فرزند متولد ہو تو اس کا نام میرے نام پر رکھنا اور اس کی کنّیت میری کنیت رکھنا۔ چنانچہ ان سے جناب سیدہ عالم کی وفات کے بعد محمد بن حنفیہ پیدا ہوئے جن کی کنیت امیر المومنینؑ نے ابوالقاسم رکھی۔

اور صاحبان تحقیق کا قول یہ ہے اور یہی قول صحیح و مستند بھی ہے کہ زمانۂ خلافت ابوبکر میں بنو اسد نے بنی حنفیہ پر تاخت کی تھی اور خولہ کو قید کر کے حضرت امیر المومنینؑ کے ہاتھوں جا کر فروخت کر دیا تھا۔ بنو حنفیہ کو اس کی خبر معلوم ہوئی تو وہ مدینہ پہنچے اور حضرت امیر المومنینؑ سے خولہ کی خاندانی عزت و وقار کا تذکرہ کیا آپؑ نے انھیں آزاد کر دیا پھر معقول مہر پر ان سے نکاح کر لیا۔ علامہ بلاذری نے اپنی کتاب تاریخ الاشراف میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (اعیان الشیعہ، جلد ۳)

آٹھویں فصل

حل مشکلات

ہم اس جلد کے پہلے حصّے میں عہد پیغمبرؐ کے چند مقدمات کا ذکر کر چکے ہیں جو امیرالمومنینؑ نے فیصل فرمائے اور پیغمبرؐ نے دادِ تحسین کے ساتھ ساتھ یہ ارشاد بھی فرمایا کہ الحمد لله الذی جعل فینا الحکمة اهل بیت خدا کا شکر جس نے ہم اہل بیتؑ میں حکمت ودیعت فرمائی یہاں ہم چند مشکل مسائل کا تذکرہ مناسب سمجھتے ہیں جو حضرت ابوبکر کی خدمت میں پیش کئے گئے اور آپ اس کے حل کرنے سے قاصر رہے اور مجبور ہو کر آپ کو اسی دروازے پر آنا پڑا جہاں سے ہمیشہ مشکل کشائی ہوا کی۔ اگرچہ لولا علی لهلك عمر، (اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا) کی طرح حضرت ابوبکر کا کوئی قولی اقرار نہیں معلوم ہوتا مگر عملاً آپ نے بھی حضرت علیؑ کے قوت فیصلہ سے اسی طرح فیض اٹھایا جس طرح حضرت عمر نے۔

(۱)۔ انس بن مالک صحابی پیغمبرؐ سے روایت ہے کہ بعد وفات پیغمبرؐ ایک یہودی آیا اور مسجد نبوی میں پہونچ کر اس نے دریافت کیا، محمدؐ کے وصی کہاں ہیں؟ لوگوں نے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ وصی رسوؐل ہیں۔ یہودی نے حضرت ابوبکر سے کہا میں چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنھیں یا تو نبی جانتا ہے یا نبی کا وصی۔ ابوبکر نے کہا جو جی میں آئے پوچھو۔ یہودی نے کہا اچھا بتایئے وہ کون سی چیز ہے جو خدا نہیں جانتا اور وہ کیا چیز ہے جو خدا کے لئے نہیں اور وہ کیا چیز ہے جو خدا کے پاس نہیں؟ حضرت ابوبکر نے کہا یہ تو زندیقوں جیسی باتیں ہیں۔ حضرت ابوبکر اور ان کے حوالی موالی نے یہودی کو پکڑ کر پیٹنا چاہا کہ عبداللہ بن عباس بول اٹھے تم لوگوں نے اس شخص کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ارے اگر جواب معلوم ہے تو جواب دو ورنہ اسے اس شخص کے پاس پہنچا دو جو جواب دیدے کیوں کہ میں نے رسوؐل خدا کو حضرت علیؑ کے بارے میں یہ دعا کرتے سنا ہے خداوندا تو اس کے دل کو مضبوط کر، زبان کو استواری بخش، یہ سن کر حضرت ابوبکر اور حاشیہ نشین حضرات اٹھ کھڑے ہوئے اور اس یہودی کو لے کر حضرت علیؑ کے پاس آئے، آپ سے یہودی کی باتیں دہرائیں حضرت علیؑ نے فرمایا وہ چیز جو خدا نہیں جانتا تو اے گروہ یہود وہ تمہارا یہ کہنا ہے کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں حالانکہ خدا جانتا نہیں کہ اس کے کوئی بیٹا ہے اور جو چیز خدا کے لئے نہیں تو اس کے لئے کوئی شریک نہیں اور وہ چیز جو خدا کے پاس نہیں ہے تو خدا کے پاس نہ ظلم نہ عاجزی ہے۔ یہ جواب سن کر یہودی بیساختہ بول اٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ خداوند عالم وحدہٗ لاشریک ہے اور آپؐ وصی رسوؐل اللہ ہیں اس پر تمام مسلمانوں کے دلوں میں مسرت

کی لہر دوڑ گئی۔ (تفسیر روح البیان، جلد ۲، ص ۶۷۲)

(۲) ایک اور شخص نے حضرت ابوبکر سے سوال کیا کہ تمام اشیاء کی اصل کیا ہے، وہ جمادات کون ہیں جو متکلم ہوئے، وہ دو چیزیں کون سی ہیں جو گھٹتی بڑھتی ہیں مگر کوئی دیکھ نہیں پاتا اور وہ پانی کون سا ہے جو نہ زمین کا ہے نہ آسمان کا اور وہ کون سی چیز ہے جو بے جان ہوتے ہوئے بھی سانس لیتی ہے۔ اور وہ قبر کون سی ہے جو اپنی امانت کو لئے پھرتی تھی۔ حضرت ابوبکر ان سوالات کے جواب سے بھی عاجز رہے اور امیر المومنینؑ نے رہنمائی کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ تمام اشیاء کی اصل پانی ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ وجعلنا من الماء کل شئٍ حی۔ ہم نے ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ وہ جمادات جو متکلم ہوئے زمین و آسمان ہیں جن کے متعلق ارشاد خداوند عالم ہے قالتا اتینا طائعین، زمین و آسمان نے کہا کہ ہم دونوں مطیع و فرمانبردار بن کر حاضر ہیں۔ وہ دو چیزیں جو گھٹتی بڑھتی ہیں مگر کوئی دیکھ نہیں پاتا لیل و نہار ہیں، کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں اور وہ پانی جو زمین کا ہے نہ آسمان کا وہ گھوڑوں کا دوڑتے وقت کا پسینہ ہے ـــــ جو جناب سلیمان نے بلقیس کے پاس بھیجا تھا اور وہ بے جان چیز صبح ہے جس کے متعلق ارشاد خداوند عالم ہے، والصبح اذا تنفس، (قسم ہے صبح کی جب کہ وہ سانس لے) اور وہ قبر شکم ماہی ہے جو سمندر میں جناب یونس کو لئے پھرتی تھی۔

(۳) ایک شخص حضرت ابوبکر کی خدمت میں گرفتار کر کے لایا گیا جس نے شراب پی تھی۔ حضرت ابوبکر نے چاہا کہ اس پر حد جاری کریں۔ اس نے عذر کیا کہ میں نے شراب ضرور پی ہے لیکن مجھے اس کی حرمت کا علم نہیں کیوں کہ میں ایسے لوگوں میں پلا بڑھا جو اسے حلال جانتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کشمکش میں پڑ گئے۔ آپ نے حضرت عمر سے دریافت کیا، انھوں نے کہا مسئلہ سخت ہے علیؑ ہی سے حل ہو سکے گا۔ آپ نے حضرت علیؑ کو بلانا چاہا حضرت عمر نے کہا فیصلہ کے لئے انھیں کے گھر جانا ہوگا۔ دونوں حضرات اس شخص کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو مہاجرین و انصار کے پاس لے جاؤ اگر ان لوگوں سے دو شخص گواہی دیں کہ ہم نے آیت حرمت اسے پڑھ کر سنائی تھی تو اس پر حد جاری کی جائے ورنہ اس سے توبہ کرائی جائے اور اسے چھوڑ دیا جائے، تلاش کرنے پر دو شخص ایسے نہ مل سکے جو یہ گواہی دیتے اور مجبوراً حضرت ابوبکر کو اسے رہا کرنا پڑا۔ (مناقب ابن شہر آشوب)

(۴) عہد ابوبکر میں ایک شخص نے دوسرے شخص سے بیان کیا کہ میں خواب میں اپنی ماں کے ساتھ ہوا ہوں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اسے دھوپ میں کھڑا کرو اور اس کے سایہ پر حد جاری کرو اس لئے کہ خواب بھی مثل سایہ ہی کے ہے یعنی جس طرح سایہ پر حد جاری نہیں کی جا سکتی اسی طرح خواب کی باتوں پر سزا نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہم اسے تھوڑی سزا ضرور دیں گے تاکہ پھر مسلمانوں کے ستانے کی اسے ہمت نہ ہو۔ (مناقب)

(۵) ایک عورت حضرت ابوبکر کے پاس آئی اور اشعار میں یہ عرضداشت ان کے سامنے پیش کی۔

ماتری اصلحك الله
واثری لك اهلًا

(کیا فرماتے ہیں آپ خدا آپ کا بھلا کرے)

فی فتاۃ ذات بعلٍ
اصبحت تطلب بعلا

(اس جوان عورت کے متعلق جو شوہر رکھتے ہوئے شوہر کی خواہش مند ہے)

بعد اذن من ابیھا
اتری ذالك حلا

(لڑکی کو اس کے باپ کی اجازت بھی حاصل ہے کیا آپ بھی اس کے لئے جائز سمجھتے ہیں)

حاشیہ نشینوں نے یہ گستاخانہ کلام سن کر تیوریاں چڑھالیں۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے اس عورت سے فرمایا کہ اپنے شوہر کو میرے پاس بلالاؤ وہ عورت بلالائی۔ آپؑ کے دریافت کرنے پر اس نے اقرار کیا کہ وہ عورت کے قابل نہیں آپ نے حکم دیا کہ طلاق دے دو۔ اس نے طلاق دی اور آپؑ نے اسی وقت بغیر عدۃ کی مدت گذرے اس کا دوسرے شخص سے نکاح کر دیا۔ (مناقب)

(۶) حضرت ابوبکر سے کلام مجید کی آیت فاکھۃ واباً کے معنی پوچھے گئے۔ آپ نے لاعلمی ظاہر کی یہ خبر حضرت امیرالمومنینؑ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اب سے مقصود سبزہ اور چراگاہ ہے۔ آیہ فالھۃ واباً میں خداوندعالم نے بندوں پر اپنے احسانات جتائے ہیں کہ ان کے لئے اور ان کے جانوروں کے لئے بھی ایسی نعمتیں خلق فرمائیں جن کے ذریعہ وہ زندہ رہ سکیں۔

(۷) جب حضرت سرورِ کائناتؐ کی وفات کی خبر تمام ملک میں پھیلی تو قیصر (بادشاہ روم) نے عیسائیوں کے مشورے سے سو آدمیوں کو منتخب کیا اور کہا کہ اس خلیفہ (حضرت ابوبکر) کے پاس جاؤ اور اس سے اُن مسائل کو دریافت کرو جو انبیاء سے پوچھے جاتے ہیں۔ اگر خلیفہ ان باتوں کا جواب دے تو سمجھو کہ محمد رسُول خدا تھے۔ ورنہ معلوم ہو جائے گا کہ ایک شخص تھے جو اپنی تدبیر اور قوت سے اپنی قوم کے بادشاہ بن گئے۔ چنانچہ وہ لوگ آئے حضرت ابوبکر سے سوالات کئے تو اقبل ابوبکر ینظر الیٰ معاذ مرۃ والیٰ ابن مسعود مرۃ۔ حضرت ابوبکر کبھی معاذ کا منہ تکتے تھے اور کبھی ابن مسعود کی صورت دیکھتے تھے۔ اس پر جناب سلمان فارسی نے کہا کہ تم لوگ ان بزرگ کو بلاؤ جو توراۃ، انجیل، زبور اور قرآن ہی سے ان کے ماننے والوں کے درمیان فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ حضرت علیؑ تشریف لائے۔ ان لوگوں نے سوالات شروع کئے حضرت علیؑ جواب دیتے گئے تو وہ

لوگ ہر بات پر کہتے صدقت رحمك الله۔ خدا آپؑ پر رحمت نازل کرے آپؑ بالکل صحیح فرماتے ہیں۔

(زین الفتی وتشئید المطاعن، جلد ۱، ص ۳۳۷)

(۸) محدث دہلوی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں ''ابن عمر سے مروی ہے کہ یہود حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور کہا کہ ہم سے اپنے صاحب کا حلیہ بیان کرو۔ حضرت ابوبکر نے کہا اے گروہ یہود میں ان کے ساتھ غار میں تھا اس طرح کہ جیسے یہ دو انگلیاں ہیں اور ان کے ساتھ کوہِ حرا پر چڑھا میری کمر ان کی کمر سے بالکل ملی ہوئی تھی لیکن ان کا وصف بیان کرنا بہت دشوار ہے اس کام کے علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں ان کے پاس جاؤ۔ یہود حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا اے ابوالحسن اپنے چچا کے بیٹے کا حلیہ (؟؟؟؟ اور اوصاف) بیان کرو۔ جناب موصوف نے فرمایا کہ رسول خداؐ حد سے زیادہ لمبے تھے اور نہ پستہ قد بلکہ میانہ قامت سُرخ وسپید تھے، آپ کے بال گھنگریالے تھے مگر زیادہ چھلّے دار نہ تھے۔ آپؐ بالوں کو کانوں کی طرف چھوڑتے تھے، کشادہ پیشانی، سیاہ اور بڑی آنکھوں والے تھے، سینہ پر باریک خط و دندان مبارک چمک دار، ناک بلند، گردن، چاندی کی صراحی تھی، آپ کے سینہ سے ناف تک مثل سیاہ مشک کی لکیر کے سیاہ بال تھے اور ان کے سوا آپ کے جسم وسینہ پر کہیں بال نہ تھے، آپؐ کی ہتھیلیوں اور قدموں پر گوشت تھا، آپ چلتے تو جھک کر گویا بلندی سے اتر رہے ہیں اور جب کسی طرف دیکھتے تو پورے بدن سے مڑ کر دیکھتے گوشۂ چشم سے نہ دیکھتے تھے۔ جب کھڑے ہوتے تو سب سے بڑھ جاتے اور جب بیٹھتے تو سب سے اونچے رہتے، جب بات فرماتے تو لوگوں کو دم بخود کر دیتے اور جب تقریر فرماتے تو رلا دیتے۔ لوگوں پر سب سے زیادہ رحم دل، یتیم کے لئے مہربان باپ کے مانند اور رانڈوں کے لئے مثل بزرگ شوہر کے، سب سے زیادہ سخی اور شجاع وخوش رو تھے۔ آپؐ کا لباس کمبل اور کھانا جو کی روٹی اور تکیہ چرمی کھجور کے چھلکوں سے بھرا ہوا، چار پائی ببول کھجور کے بال سے بنی ہوئی تھی۔ آپؐ کے دو عمامے تھے ایک کا نام سحاب تھا دوسرے کا نام عقاب۔ آپؐ کی تلوار کا ذوالفقار، نشان کا غرا، ناقہ کا عضبا، خچر کا دلدل، حمار کا یعفور، گھوڑے کا نجر، بکری کا برکہ، چھڑی کا ممشوق، لوا کا حمد تھا۔ آپؐ اپنے ہاتھوں سے اونٹ کو باندھتے انھیں چارہ دیتے، خود سے کپڑوں میں پیوند لگاتے اور اپنی جوتی ٹانک لیتے تھے۔'' (ازالۃ الخفا مقصد ۲، ص ۲۷۴)

اس حدیث میں دو باتیں قابل غور ہیں اول یہ کہ یہود کے سوال حلیہ کے جواب میں حضرت ابوبکر نے صرف اپنی معیت کا اظہار کیا اور کچھ نہ فرمایا۔ یہ سوال از آسمان اور جواب از ریسمان کا سا نقشہ ہے۔ دوم یہ کہ حضرت ابوبکر اتنی مدّت تک پیغمبرؐ کی معیت میں رہے مگر پیغمبرؐ کے حلیہ واوصاف میں دو تین جملے بھی نہ فرما سکے۔ کم سے کم چہرے کی رنگت، قد وقامت، رفتار وگفتار ہی بتا دیتے مگر انھوں نے بالکل خاموشی ہی اختیار کی یہ عذر تو صحیح نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابوبکر کی ایسی لیاقت نہ تھی جو حلیہ و صفات پیغمبرؐ بیان کر سکتے۔

دوسرا باب

عہدِ عمر

مرگ حضرت ابوبکر اور استخلاف عمر:

''دو برس کچھ مہینے قابض خلافت رہ کر حضرت ابوبکر نے دنیا سے انتقال کیا۔ مرتے وقت آپ نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔

اشرف ابوبکر علی الناس من کنیفه و اسماء بنت عمیس ممسکته موشومة الیدین وهویقول اترضون من استخلف علیکم فانی والله ماالوت من جهدا لرای ولا ولیت ذاقربة وانی قد استخلفت عمر ابن الخطاب فاسمعوا له واطیعوا۔

(تاریخ طبری، جلد ۴، ص ۵۱، وانوار اللغتہ، پارہ ۲۶، ص ۵۱)

دعا ابوبکر عثمان خالیا فقال له اکتب بسم الله الرحمان الرحیم هذا ما عهد ابوبکر الی المسلمین امابعد قال ثم اغمی علیه فذهب عنه فکتب عثمان اما بعد فانی قد استخلفت علیکم عمر ابن الخطاب ولم آلکم خیر اثم افاق ابوبکر فقال اقرء علیّ فقرء علیه فکبر ابوبکر وقال اراك خفت ان یختلف الناس ان افتلتت نفسی فی غشیتی قال نعم۔ (تاریخ طبری، جلد ۴، ص ۵۲)

وارسل الکتاب مع مولی له ومعه عمر وبیده جریدة وهویقول ایها الناس اسمعوا واطیعوا اقول خلیفة رسول الله۔ (تاریخ کامل، جلد ۲، ص ۱۶۳، وطبری، جلد ۴، ص ۵۲)

قال خذهذا الکتاب واخرج به الی الناس واخبر هم انه عهدی وسلهم عن سمعهم وطاعتهم فخرج عمر بالکتاب واعلمهم فقالو اسمعا وطاعة فقال له رجل مافی الکتاب یا اباحفص۔ قال لاادری ولکنی اول من سمع واطاع قال لکنی والله ادری مافیه امرته عام اول وامرك العام۔ (کتاب الامامت والسیاست، جلد ۱، ص ۳۳)

جب حضرت ابو بکر انتقال کرنے لگے تو اپنے پائخانہ پر سے لوگوں کو جھانکا اُس وقت اُن کی بیوی اسماء بنت عمیس جن کے ہاتھ میں مہندی کے نقش تھے آپ کو تھامے تھیں اور آپ کہتے تھے جس کو میں خلیفہ مقرر کروں اس کو پسند کرو گے؟ خدا کی قسم میں نے رائے میں کوئی کمی نہیں کی اور قرابت والے کو خلیفہ نہیں بنایا۔ عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں تم لوگ ان کی بات سُنو اور اطاعت کرو۔

حضرت ابو بکر نے عثمان کو تنہائی میں بلا کر کہا کہ لکھو۔ ''یہ وہ وصیت نامہ ہے ابو بکر کا مسلمانوں کی طرف امابعد اتنا لکھ کر اُن پر غشی طاری ہوگئی اور وہ بے ہوش ہوگئے تو حضرت عثمان نے خود لکھ دیا'' میں نے تم پر عمر کو خلیفہ کیا اور بھلائی کرنے میں کوئی کمی نہیں کی'' اس کے بعد حضرت ابو بکر کو ہوش آیا تو کہا پڑھو کیا لکھا ہے؟ حضرت عثمان نے پڑھ دیا تو آپ نے تکبیر کہی اور فرمایا کہ تم ڈرے ایسا نہ ہو کہ میں غشی میں ختم ہو جاؤں۔ حضرت عثمان نے کہا، ہاں۔

پھر حضرت ابو بکر نے وہ وصیت نامہ اپنے غلام اور حضرت عمر کے ساتھ لوگوں کی طرف بھیجا۔ حضرت عمر کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا اور وہ فرماتے جاتے تھے تم لوگ خلیفہ رسوؐل کا حکم سنو اور مان لو۔

حضرت ابو بکر نے وہ خلافت نامہ لکھ کر حضرت عمر کو دیا اور فرمایا یہ حکم نامہ لے لو اور اس کو لوگوں کے پاس لے جا کر کہو کہ یہ میرا عہد ہے اور اُن لوگوں سے کہو کہ میرا حکم سُن لیں اور اس کی اطاعت کریں۔ اس پر حضرت عمر وہ وثیقہ لے کر نکلے اور لوگوں کو اس کی اطلاع دے دی لوگوں نے کہا ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے انھیں میں سے ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ اے حفصہ کے باپ اس وثیقہ میں کیا لکھا ہے؟ حضرت عمر نے کہا یہ تو میں نہیں جانتا لیکن سب سے پہلے اس حکم کا سننے والا اور اس کی اطاعت کرنے والا میں ہی ہوں اس شخص نے

۱۔ خدا کی شان دیکھو یہ لوگ تو آل محمدؐ کے ساتھ تمسخر کر رہے تھے، ظاہراً تعظیم و تکریم اور دراصل اُن سے سب کچھ چھیننے کی کوشش کانوا بھا یستھزؤن اور کارکنان قضاء و قدر اُن کے ساتھ تمسخر کر رہے تھے اللہ یستھزیٔ بھم پہلی خلافت کی تجویز وہاں ہوئی جہاں مشورہ ہائے باطل ہوا کرتے تھے اور چور ڈاکو تجویزیں کیا کرتے تھے کہ کس طرح دوسروں کا مال چھینیں اور دوسری خلافت پائخانہ میں مکمل ہوئی۔ ذا قربتہ یہاں خاص معنی رکھتا ہے۔ یہ اشارہ ہے جناب رسوؐل خدا کی طرف۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اور تم جو آپس میں حضرت علیؑ کے جانشین رسوؐل ہونے پر اعتراض کیا کرتے تھے تو وہ اسی بناء پر تو تھا کہ اپنے خاندان میں حکومت مستقل کر رہے ہیں۔ میں نے جو جانشین مقرر کیا وہ میرا رشتہ دار نہیں ہے چونکہ آپس میں ملی بھگت تھی مخالفت تو فقط حضرت علیؑ سے تھی۔ لہٰذا سب نے اٰمنّا اور صدقنا کہہ دیا یہ بھی تو نہ کہا کہ آں حضرؐت نے تو یہ حق ہم کو دیا تھا خود خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا تم کیوں خلیفہ مقرر کرتے ہو۔ حضرت عمر نے بھی ایسے موقع پر اسی طرف اشارہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ آل عمر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے ایک کے پاس حکومت رہی وہ کیوں کر اس اصول کے خلاف کرتے جو آپس میں طے کر لیا تھا اور جس کے بناء پر لوگوں کو حضرت علیؑ کے خلاف کیا تھا۔ (البلاغ المبین، جلد دوم)

کہا خیر تم کو نہ معلوم ہو لیکن خدا کی قسم میں جانتا ہوں جو کچھ اس میں لکھا ہے پار سال تم نے اُن کو خلیفہ بنایا تو اس کے عوض اس سال انھوں نے تم کو بھی خلیفہ بنا دیا۔

حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کے متعلق تقریباً اسی قسم کی عبارتیں جملہ مورخین نے لکھی ہیں ان عبارتوں پر کسی تبصرہ کی حاجت نہیں معلوم ہوتی یہ بہر حال واضح ہے کہ یہ حادثہ بھی انھیں حادثوں کی ایک کڑی ہے جن کا آغاز بعد وفات پیغمبرؐ سقیفہ کے واقعات سے شروع ہوا جس طرح حضرت ابو بکر کی ناگہانی اور چھین جھپٹ کر ہتھیائی ہوئی خلافت سوچے سمجھے ہوئے منصوبوں کا نتیجہ تھی۔ اسی طرح حضرت ابو بکر کا مرتے وقت حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کر جانا بھی ناگزیر تھا۔ تنہا حضرت عمر کی کوششوں سے حضرت ابو بکر تخت نشین خلافت ہوئے۔ اس احسان عظیم کا بدلہ اُتارنا ضروری بھی تھا اور پہلے سے طے شدہ بھی اور ایسی بات نہیں جس کو اس وقت کے مسلمان جانتے نہ ہوں۔ کہنے والوں نے حضرت عمر کے مُنھ پر کہہ دیا تھا واللہ ادری مافیہ امرته عام اول و امرك العام آپ نے پہلے سال انھیں خلیفہ بنایا تھا وہ آج آپ کو بنائے جاتے ہیں۔

البتہ اس موقع پر یہ خیال ہر انسان کے ذہن میں آسکتا ہے کہ حضرت سرور کائناتؐ یقیناً حضرت ابو بکر سے افضل تھے پس اگر انسانی اثر کی وجہ سے حضرت رسوؐل خدا میں کوئی عیب پیدا ہوسکتا ہے تو اس سے زیادہ حضرت ابو بکر میں پیدا ہونے کا امکان تھا اور اگر کوئی عیب حضرت ابو بکر میں نہیں پیدا ہوسکتا تو حضرت رسولِ خدؐا میں بدرجہ اولیٰ نہیں پیدا ہونا چاہئے۔ اب دونوں بزرگوں کی آخری حالت اور اس میں حضرت عمر کا دونوں صاحبوں سے برتاؤ دیکھنے کے قابل ہے کہ حضرت رسول خدؐا بیمار ہوئے اور وفات کے قریب وصیت نامہ لکھنا چاہا تو حضرت عمر نے اس کو رد کر دیا اور کسی طرح لکھنے ہی نہیں دیا بلکہ رسوؐل کی طرف ہذیان کی نسبت دے دی اور قرآن کے ساتھ کسی وصیت نامہ کی ضرورت نہیں سمجھی۔ حضرت ابو بکر بھی بیمار ہوئے اور وصیت نامہ لکھنا چاہا تو حضرت عمر نے نہ اس کو روکا اور نہ اس کے لکھنے میں کوئی عذر کیا بلکہ ڈنڈا لے کر لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ خلیفۂ رسوؐل کا وصیت نامہ ہے اس کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

قیس قال رایت عمر ابن الخطاب وهو يجلس والناس معه وبيده جريدة وهو يقول ايها الناس اسمعوا واطيعوا قول خليفة رسول الله انه يقول انى لم آلكم نصحا قال و معه مولى لابى بكر يقال له شديه معه الصحيفة التى فيها استخلاف عمر۔

(تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۵۲ و کامل جلد ۲، ص ۱۶۳، و کتاب الامامتہ والسیاسۃ، جلد ۱، ص ۳۳)

قیس بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا حضرت عمر کے ساتھ اور لوگ ہیں اور اُن کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے اور وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں۔ ”اے لوگو! رسوؐل اللہ کے خلیفہ (حضرت ابو بکر کے وصیت نامہ) کی بات سنو اور اُن

کی اطاعت کرو وہ کہتے ہیں کہ اس میں انھوں نے تمہاری خیر خواہی کی کوئی بات اٹھا نہیں رکھی اس وقت حضرت عمر کے ساتھ حضرت ابوبکر کا غلام شدید حضرت ابوبکر کا وہ وصیت نامہ لئے ہوئے تھا جس میں حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے کا مضمون تھا۔

حضرت ابوبکر بھی اسی طرح مرض موت میں مبتلا ہوئے جس طرح حضرت رسُول خدا ہوئے تھے حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح فرش خانہ پر انتقال کیا جس طرح رسُول خدا نے انتقال کیا۔ (یعنی دونوں بزرگوں سے کسی نے جنگ میں یا دشمن کے وار سے رحلت نہیں کی جس میں وصیت نامہ وغیرہ لکھنے کا موقع قدرت ہی کی طرف سے نہیں ملتا بلکہ دونوں اطمینان سے انتقال کر گئے) حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح وصیت نامہ لکھنا چاہا جس طرح حضرت رسول خداؐ نے چاہا تھا۔ حضرت ابوبکر نے بھی اسی طرح اپنے خلیفہ ہی کے متعلق وہ وصیت نامہ لکھا جس طرح حضرت رسول خداؐ اپنے خلیفہ ہی کے متعلق وہ وصیت نامہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت ابوبکر کی وصیت کے متعلق حضرت عمر کو کوئی تردد نہیں ہوا اُن کے اختلالِ حواس کا شبہ تک نہیں ہوا، آپ پر مرض کے غلبہ کا شک نہیں ہوا، آپ کو ہذیان کی نسبت نہیں دی گئی، آپ کے وصیت نامہ پر حسبنا کتاب اللہ کی آواز نہیں بلند کی گئی۔ آپ کے سامنے نزاع نہیں پیدا ہوئی اور حضرت رسول خداؐ کے متعلق یہ سب باتیں صرف جائز نہیں بلکہ واقع بھی مان لی گئیں۔ اس فرق کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے وصیت نامہ میں حضرت عمر کا نام تھا اس سبب سے گوارا ہو گیا اور حضرت رسول خداؐ کے وصیت نامہ میں کسی ایسے شخص کے خلیفہ ہونے کا اعلان ہوتا جس سے حضرت عمر کو آیندہ خلیفہ ہونے کا موقع نہ ملتا۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ۔

اوصی النبی فقال قائلهم
قد ظل یهجر سید البشر
وان ابابکر اصاب ولم
یهجر وقد اوصی الی عمر

(حضرت رسول خداؐ وصیت کرنے لگے تو کہنے والوں نے کہہ دیا کہ سید البشر کو ہذیان ہو گیا ہے مگر جب حضرت ابوبکر نے حالت مرض موت میں حضرت عمر کی خلافت کے لئے وصیت کی تو ہذیان نہیں سمجھی گئی) (حبیب السیر)

عام بیزاری:

سقیفہ کے واقعات اور حضرت ابوبکر کے زبردستی خلیفہ بن جانے پر مہاجرین و انصار سے جو برہمی و بیزاری ظہور میں آئی گزشتہ صفحات میں مختصراً ذکر آچکا ہے۔ حضرت عمر کے خلیفہ ہونے پر کچھ اس سے زیادہ ہی نفرت و اشکراہ کا مظاہرہ ہوا۔ تاریخ کے کل

اوراق اُلٹ جائیے آپ کو کسی خلیفہ کے مقرر ہونے پر (خواہ وہ خلفائے راشدین سے ہو یا خلفاء بنی امیہ یا بنی عباس یا خلفاء قسطنطنیہ کے عثمانی خاندان سے) اہل اسلام کا وہ اضطراب نہیں ملے گا جو آپ کے متعلق ظاہر ہوا یہ خبر سنتے ہی مہاجرین وانصار کے دل دہل گئے اور کمال خوف واضطراب کی حالت میں حاضر بارگاہِ خلافت ہو کر اس انتخاب واستخلاف کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔

دخل طلحة علی ابی بکر فقال استخلفت علی الناس عمر و قد رایت مایلقی الناس سنه وانت معه فکیف به اذا خلا بهم وانت لاق ربك فسألك عن رعیتك۔ (طبری، جلد/۴ ص/۵۴)

طلحہ نے (جو عشرہ مبشرہ سے تھے) حضرت ابوبکر سے کہا تم نے عمر کو لوگوں کا حاکم اور اپنا خلیفہ بنا دیا؟ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ جب تم موجود تھے تب مسلمانوں نے اُن سے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں پھر جب تم اپنے پروردگار کے پاس جاتے ہو اور اُن کو میدان خالی ملتا ہے تو وہ کیا کچھ نہ کر ڈالیں گے؟ خدا تم سے تمہاری رعیت کے بارے ضرور ہی سوال کرے گا۔

یہ تو صرف طلحہ کا تذکرہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کا نام سُن کر مسلمانوں کی کل مقتدر جماعتیں خواہ وہ مہاجرین ہوں یا انصار بے چین ہوگئی تھیں اور اُن لوگوں نے اس پر صبر کرنا گوارا نہیں کیا بلکہ فریادیں کیں، استغاثے بلند کئے۔ حضرت ابوبکر کو خدا اور روز قیامت کی باز پرس سے بہت ڈرایا اور اس کوشش کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا کہ کسی طرح آپ اس جگہ پر معین نہ کئے جائیں۔ مندرجۂ ذیل روایت سے اس انتشار کا کچھ پتہ چلتا ہے:

دخل علیه المهاجرون والانصار حین بلغهم انه استخلف عمر فقالو انراك استخلف علینا عمر وقد عرفته وعلمت بوائقه فینا وانت بین اظهرنا فکیف اذا ولیت عنا وانت لاق الله فسائلك فما انت قائل۔ (کتاب الامامة والسیاسة ص/۳۲)

مہاجرین وانصار کو جب خبر ملی کہ حضرت عمر خلیفہ بنا دیے گئے تو وہ سب کے سب دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر کے ہاں آئے اور فریاد کرنے لگے۔ کہا ہم دیکھتے ہیں کہ تم نے ہمارے اوپر عمر کو خلیفہ مقرر کر دیا ہے حالانکہ تم ان کو خوب پہچانتے ہو اور اُن کے ان سب بوائق (فتنے فساد، ظلم وستم اذیات، سفاکی وغیرہ) سے بھی اچھی طرح واقف ہو جو تمہارے زمانے میں وہ کرتے تھے پھر جب تم ان کو خلیفہ بنا کر چلے جاؤ گے تو وہ کیا کچھ نہیں کر ڈالیں گے؟ تم اللہ سے ملو گے اور وہ تم سے اس کی باز پرس کرے گا تو اس کو کیا جواب دو گے؟

''خدا جانے وہ کون سے مصائب وآفات تھے جن کی طرف مہاجرین وانصار نے اس کلام میں اشارہ کیا ہے اور حضرت عمر کی خلافت میں کن تباہیوں کے پیدا ہونے سے خائف تھے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو اُن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مقصود صرف یہ

دکھانا ہے کہ آپ کے اخلاق و برتاؤ مہاجرین و انصار کے ساتھ بھی کچھ ایسے تھے جس سے وہ نہایت تنگ آئے ہوئے تھے اور پروردگار عالم نے اصحاب رسولؐ کی صفت اشداء علی الکفار رحماء بینھم جو بیان فرمائی ہے اس سے آپ کی ذات بالکل مستثنیٰ تھی یہاں قضیہ بالکل برعکس تھا کفار پر شدت تو کبھی نہیں کی گئی البتہ مومنین کے ساتھ آپ کے تعلقات حق و ناحق شدت برتنے کی وجہ سے کچھ اتنے اچھے نہ رہے تھے سب کے سب نالاں تھے۔ ہر فرد فریادی تھا اسی لئے آپ کی خلافت کی خبر سنتے ہی لرزہ براندام ہو گئے۔''

مگر حضرت ابو بکر پر ان استغاثوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور ہوتا بھی کیوں کر۔ انھوں نے نہایت دلیری سے اپنی کارروائی کی مدح وثنا کے پل باندھ دیے اور دکھا دیا کہ آپ اپنی ذاتی رائے کے مقابلہ میں تمام مہاجرین و انصار کی رایوں کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اس طرح اجماع کے زور اس حقیقت اور اس کی حجیت کو اپنی چٹکیوں سے اڑا دیتے ہیں اور دنیا کو دکھا دیتے ہیں کہ خلافت اولیٰ وثانیہ کے متعلق اجماع کا دعویٰ آج تک شرمندہ دلیل نہ ہو سکا۔ پہلی خلافت صرف حضرت عمر کی بیعت سے مسلم ہو گئی اور اس کے جواب یا معاوضہ میں دوسری خلافت بھی صرف حضرت ابو بکر کی ذاتی اور شخصی تمنا اور آرزو سے مسلمانوں پر مسلط کر دی گئی۔ اجماع کی تاویل بس مضحکہ ہی مضحکہ ہے۔

ع ہے یہ وہ لفظ جو شرمندہ معنی نہ ہوا

''حضرت عمر کے استخلاف پر خاموش رہنے والے خاموش رہے اور اعتراض کرنے والوں نے اعتراض کئے۔ مگر کسی نے یہ نہ کہا کہ حاکم مقرر کرنا رعایا کا حق تھا حضرت ابو بکر کا حق نہ تھا۔ نتیجہ صاف نکلا کہ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے اس وجہ سے خلیفہ مقرر نہیں کیا کہ اپنا حاکم خود مقرر کرنا رعایا کا حق تھا محض ڈھکوسلا ہے۔ اس وقت کے لوگ تو اس کو جانتے ہی نہ تھے اور نہ کبھی اس کا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ جب اس کے ذکر کرنے کا موقع آیا تب بھی ذکر نہ کیا، بلکہ مان لیا کہ خلیفہ مقرر کرنا تو حضرت ابو بکر کا حق ہے۔ مگر انھیں چاہئے کہ عمر کو خلیفہ نہ مقرر کریں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر کو اور تمام امت اسلامیہ کو اس بات کا احساس تھا کہ مرنے والے حاکم سے خداوند تعالیٰ کے یہاں باز پرس ہوگی کہ جب تم دنیا سے چلنے لگے تھے تو تم نے اپنی رعیت کا کیا انتظام کیا اور اپنی جگہ کس کو حاکم مقرر کیا۔ مگر اس بات کا اگر احساس نہیں تھا تو جناب رسول خداؐ کو وہ امت کو اسی طرح بغیر اپنا جانشین مقرر کئے ہوئے چھوڑ گئے تاکہ اُن کے پیچھے خوب فتنہ وفساد ہوا کریں۔ اس باز پرس میں سے ایک اور بات بھی نکلتی ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اپنا جانشین مقرر کرنا مرنے والے حاکم کا حق نہیں بلکہ فرض ہے اور اگر وہ اس فرض کو ادا نہ کرے گا یا بری طرح ادا کرے گا تو اس سے باز پرس کی جائے گی۔'' (البلاغ المبین، جلد دوم)

دوسری فصل

استخلاف عمر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نظروں میں

گذشتہ صفحات میں سقیفہ کی کارروائیوں پر امیر المومنینؑ کا رنج وملال اور قابضان خلافت سے آپ کا احتجاج مختصر طور پر ذکر کیا جاچکا ہے حضرت عمر کے استخلاف پر آپؑ نے جو تبصرہ فرمایا ہے وہ بھی سُن لیجئے۔ خطبۂ شقشقیہ میں آپؑ فرماتے ہیں:

حتی مضی الاوّل لسبیله فاولی بها الی فلان بعده (ثم تمثل بقول الاعشی)

شتان یومی علی کورها

ویوم حیان اخی جابر

فیا عجبا بینا هو یستقیلها فی حیاته اذعقدها لا خربعد وفاته لشد ما تشطرا ضر عیها فصیر هافی خوزة خشناء یغلظ کلامها ویخشن مسها، ویکثرا العثار فیها، والا عتدار منها، فصا حبها کرا کب الصعبة ان اشنق لها حزم وان اسلس لها تقحم فمنی الناس لعمر الله بخبط وشماس وتلون و اعتراض فصبرت علی طول المدة وشدة المحنة۔

''یہاں تک کہ پہلا اپنی راہ لگا اور فلاں (خلیفہ ثانی) کو خلافت سپرد کرگیا۔ پھر آپ نے اعشی کا شعر مثال کے طور پر پڑھا۔ (ان دونوں دنوں میں بڑے فرق ہیں وہ دن اور ہے جب میں اپنے ناقہ کی پشت پر ہوں اور سفر کر رہا ہوں اور وہ دن اور ہے جب میں حیان (بادشاہ) کے پاس فارغ البالی سے بسر کروں۔ مطلب یہ کہ کہاں وہ زمانہ پیغمبرؐ کا جب کہ ہر طرح میری عزت وحرمت تھی اور کہاں یہ دَور۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ کہاں تو وہ (خلیفہ اوّل) اپنی زندگی ہی میں اس خلافت کے منصب سے معافی مانگتے تھے (اشارہ ہے حضرت ابوبکر کے اس خطبہ کی طرف جس میں آپ نے کہا تھا: (اقیلونی اقیلونی فلست بخیر کم) مجھے معاف کردو معاف کردو میں تم سے کچھ بہتر نہیں، اور کہاں یہ ہوا کہ وہ خلافت (۱) کو اپنی موت کے بعد دوسرے کے لئے مضبوط کرگئے۔ کس بُری طرح اپنے اپنے حصہ میں (خلافت کے) تھن یکے بعد دیگرے ان دونوں (۲) نے نچوڑ لئے (خلافت کو دوسرے کے سپرد کرکے) ایک ایسے سخت (۳) وصعب مقام میں ڈال دیا جس میں ٹھوکریں بہت لگتی ہیں اور عذر کی صورت بہت پڑتی ہے۔ جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ

اس ناقہ کے سوار کی طرح ہے جس کی یہ حالت ہے کہ اگر اس کی مہار زور سے کھینچی جائے تو وہ اپنے نتھنوں کو زخمی کئے دیتا ہو اور اگر ڈھیل دیدے تو وہ جا کر نالے کھولے میں گر پڑے ۔ پس لوگ مبتلا ہو گئے بخدا ہاتھ پاؤں مارنے میں اور سرکشی میں اور رنگ بدلنے میں اور بے راہ روی میں ۔ میں نے اس دور میں بھی باوجود مدت طولانی ہونے کے تحمل سے کام لیا۔"

(۱): حضرت ابوبکر نے بعد استخلاف اپنی بے بضاعتی اور کمزوریوں کا اقرار کیا خواہ وہ آپ کا انکسار رہا ہو یا حقیقت امر ہو، چنانچہ جب پہلا خطبہ آپ نے پڑھا ہے تو اس میں فرمایا ہے وما انا الا کاحد کم فاذار ایتمونی قد استقمت فاتبعونی وان زغت فقومونی واعلموا ان لی شیطانا یعترینی احیانا۔ (ابن قتیبہ ص ر ۱۹، طبع مصر طبری، جلد سوم ص ر ۲۱۱ بالفاظ مختلف ومعانی متحد کامل ابن اثیر ص ر ۱۲۹، جلد سوم طبع مصر) میں تم ہی ایسا ایک حاکم آدمی ہوں اگر تم دیکھو کہ میں سیدھی راہ پر جا رہا ہوں تو میری پیروی کرو اور اگر دیکھو کہ میں ٹیڑھا ہوا یا بھٹکا تو تم مجھے سیدھا کردو اور ٹھیک راستہ پر چلاؤ اور یہ بھی جانے رہو کہ کبھی کبھی میرے سر پر شیطان سوار ہو جایا کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

امیر المومنینؑ نے اسی مطلب کی طرف اپنے اس فقرے میں اشارہ فرمایا ہے اور اپنا تعجب ظاہر کیا ہے کہ یا تو یہ حالت کہ انھیں خود اپنی گمراہی کا اندیشہ تھا اور دوسروں سے وہ اپنی لغزشوں میں مدد مانگتے تھے اور یا یہ اعتبار اپنے اوپر پیدا ہوا کہ خلافت بغیر مشورہ عمر کو سپرد کر گئے۔ تعجب یوں پیدا ہوا کہ ابوبکر کے اختلافات کلامی عجب انداز کے ہیں اقوال کچھ اور ہیں اور افعال کچھ اور ہیں ایک کو دوسرے سے کوئی لگاؤ نہیں کبھی آپ خلافت کے بار کو عظیم سمجھتے ہوئے اس سے کراہت کا اظہار فرماتے ہیں: وایم اللہ ماحرصت علیھا لیلا ولا نھار اولاسالتھا اللہ قط فی سرولا علانیۃ ولقد قلدت امرا عظیما مالی بہ طاقتۃ ولا بد ولوددت انی وجدت اقوی الناس علیہ مکانی ولوددت ان بعضکم کفافیہ۔ (الامامہ ص ر ۱۹، طبری و کامل خطبہ آں جناب)

"خدا کی قسم میں نے خلافت کے لئے کبھی حرص نہیں کی اور نہ خدا سے کبھی اس کے لئے دعا کی۔ درحقیقت ایک عظیم کام میرے سپرد ہوا ہے جس کے اُٹھانے کی طاقت مجھ میں نہیں اور بغیر اس کے چارہ بھی نہیں۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ میری جگہ کوئی ایسا شخص ہوتا جو مجھ سے قوی ہوتا اور اس بار کو اٹھا لیتا اور میری یہ دلی خواہش تھی کہ تم میں سے کوئی میری جگہ ہوتا۔"

ان اقوال پر نظر کیجئے اور سقیفہ کی کارروائی پر انصار و مہاجرین کے جھگڑے پر ہاتھا پائی پر تلواروں کے کھنچ جانے پر اور گالی گلوج ہونے پر اور آپ کے خلیفہ ہو جانے پر اور پھر یہ بھی سنیے کہ: وایم اللہ ماحرصت علیھا، خدا کی قسم مجھے خلافت کا لالچ کبھی اور کسی وقت بھی نہیں ہوا۔

یہ بھی فرماتے ہیں کہ: واللہ لئن یقدم احد کم فتضرب عنقہ فی غیر حدث خیر لہ من ان یخوض غمزات الدنیا۔ (ابن قتیبہ وغیرہ، ص ر ۲۱) اگر تمھاری گردن بغیر کسی جرم کے اُڑا دی جائے تو وہ مصلحت اس سے بہتر ہے کہ دنیا کی طوفانی گہرائیوں میں پڑو۔" اور پھر حضرت عمر کے لئے خلافت کا عہد نامہ بھی لکھتے ہیں۔ مرتے وقت اپنی لغزشوں کا اقرار اور اس پر رنج کا اظہار بھی فرماتے ہیں اپنے عدم علم کے بھی مقر ہیں اور پھر خود ہی خلافت کا بار اُٹھایا اور دوسروں کو بھی سپرد کئے جاتے ہیں۔" (سلسبیل فصاحت، مولانا ظفر مہدی مرحوم)

(۲): خلافت کے لئے ناقہ کے تھن کا استعارہ بہترین ہے اور سواد ذہن امامت کے یہ تشبیہ کسی ذہن سے نکل نہ سکتی تھی اس میں تلمیحات بھی ہیں کنایات بھی، تشبیہات بھی ہیں استعارات بھی۔ اصل میں ایک تھن میں چار دودھ ہوتے ہیں دو آگے دو پیچھے۔ یہ چاروں دو پر تقسیم ہوتے ہیں اور ہر ایک ان میں کا شطر کہا جاتا ہے تشطر یکے بعد دیگرے دوہنے کو کہتے ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ خلافت کے تھن کو کس بُری طرح اپنے اپنے عہد میں ان دونوں نے نچوڑا اور تمام و کمال اس کے مالک رہے اور ایک نے ایک کو

مالک وخلیفہ بنادیا اور دوسرے نے دوسرے کے لئے سعی وکوشش کی۔

اس استعارہ کا لطف اس وقت اور حاصل ہوتا ہے جب حضرت ابوبکر کے واقعات قبل اسلام پر نظر ڈالی جائے اور آپ کے پیشہ تواضع اندیشہ پر نگاہ ڈالی جائے یعنی ایک زمانہ وہ تھا جب آپ قبیلہ کی اونٹنیوں اور بھیڑوں کا دودھ دوہا کرتے تھے اور یہی آپ کا ذریعہ رزق اور وسیلہ اکتساب معاش تھا:

وکان یحلب للحی اغنا مهم فلما بویع له بالخلافة قالت جارية من الحی الآن لا تحلب لنا منائح وارنا فسمعها ابوبكر فقال بلی الاحلبنها الکم ۔آپ قبائل کی بکریوں اور بھیڑوں کا دودھ دوہا کرتے تھے جب آپ خلیفہ ہو گئے تو ایک لڑکی نے آپ سے کہا کیوں؟ اب آپ ہماری بھیڑوں کا دودھ کاہے کو دوہیں گے؟ آپ نے فرمایا یقیناً میں ایسا کروں گا۔

(طبری ص ر ۵۳، جلد چہارم طبع مصر، کامل ص ر ۱۶۳، جلد دوم طبع مصر، سلسبیل فصاحت)

(۳): خلافت ابوبکر نے عمر کے سپرد کی اس کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ اس سخت سرشت اور سنگ خمیر کے سپرد کی گئی ہے کہ اللہ تیری پناہ۔حضرت عمر اپنی قساوت قلب میں شہرہ آفاق تھے اور آپ کی سنگدلی مشہور تھی اسی کی وجہ سے مہاجرین وانصار کو ابوبکر سے شکوہ پیدا ہو گیا تھا کہ انھوں نے ایسے سخت مزاج اور سنگ طینت کو خلافت کیوں سپرد کی اور حضرت طلحہ نے آکے کہا تھا: ولیت علینا فظا غلیظا۔(الامامتہ،ص ر ۲۲) تم نے ہم پر ایک تندخو کو خلیفہ بنادیا۔انصار ومہاجرین نے کہا: قد عرفته وعلمت بوائقه۔(الامامتہ،ص ر ۲۲) تم نے عمر کی طبیعت اور بدمزاجی کو جانتے ہوئے ہم پر خلیفہ مقرر کیا یا طلحہ کا یہ کہنا: استخلفت علی الناس عمر وقد رایت مایلقی الناس منه وانت معه وكيف به اذا خلا بهم۔(کامل،ص ر ۱۶۳) تم نے عمر کو ہم پر خلیفہ مقرر کیا اور تم ان کی سختیوں اور بدمزاجیوں سے واقف ہو یہ حال اُن کا جب ہے جب تم دنیا میں ہو تو تمہارے بعد کیا ہوگا.................

ان واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور فظاظت وغلظت کو غور کرتے ہوئے اب امیر المومنینؑ کے اس فقرہ پر نظر کیجئے تو لطف کلام دو بالا نظر آتا ہے فصیّر هافی حوزة خشناء يغلظ كلامها ۔اس جگہ پر یغلظ کا صرف اپنی آپ ہی نظیر ہے۔"(سلسبیل فصاحت،مولانا ظفر مہدی صاحب مرحوم)

کیا کہنا امیر المومنینؑ کے ان بلیغانہ کلمات کا۔چند لفظوں میں آپ نے حضرت عمر کے خلیفہ بنائے جانے اور دَور خلافت کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی۔فمنی الناس بخبط و شماس و تلون و اعتراض،خدا کی قسم لوگ اس دور میں گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے۔"شماسَ،خبطَ،اور اعتراضَ یہ تین لفظ اس قدر مناسب موقع ومحل حضرت امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمائے ہیں کہ بلاغت نثار ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔انسانوں کا بہائم کے حرکات اختیار کر لینا اور بہائم کی مناسبت سے ان الفاظ کا صرف ادبیت میں جان ڈالے دیتا ہے۔شماسَ گھوڑے کی سرکشی کو کہتے ہیں،خبطَ اونٹ کی تاریک شب میں کجروی،یا بے بصری سے کام کرنے کو کہتے ہیں اور اعتراض ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے اور صحیح راہ پر نہ چلنے کو کہتے ہیں یہ وہ تعبیرات لفظی ہیں جن سے والی اور رعایا دونوں کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔درحقیقت یہی حالت تھی بے سمجھے بوجھے کام ہو رہا تھا،بے بصری سے مسائل حل ہوتے تھے کبھی ایک حکم دیا جاتا تھا کبھی اس کا نسخ ہوتا تھا۔طبیعت میں جو سختی اور درشتی تھی وہ سرکش گھوڑے کی طرح دبتی نہ تھی،ان تمام صفات سے اگر کوئی متصف ہوا اور سرکش ناقہ پر سوار تو اس کے لئے ہر طرح مہلکہ ہے اور راکب ومرکب دونوں کے لئے کھلے ہوئے نقصانات ہیں۔"(سلسبیل فصاحت)

تیسری فصل

حضرت امیرالمومنینؑ کے خلیفہ دوم پر احسانات

فارس اور روم کے غزوات کے سلسلہ میں امیرالمومنینؑ کے مشورے سیرت علوی کا ایک ورق

دنیا میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو ذاتی مفاد کے مقابلہ میں مذہبی وملی مفاد کو پامال کر دیں لیکن ایسے افراد بہت کم ہیں جو اجتماعی مفاد کی خاطر اپنے شخصی و ذاتی مقاصد واغراض پر پانی پھرنا گوارا کریں۔

انسان کی عام ذہنیت اُس کو اغراض شخصیہ کی چار دیواری میں محدود رکھتی ہے، اور اُس کی افتاد طبع یہ ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کے مقابلہ میں دنیا کی کسی چیز کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرے اور پھر تنگ نظری یہ ہے کہ وہ دوسرے انسان کو بھی اپنے ہی او پر قیاس کر کے اُس کے طرز عمل کو اپنے زاویہ نظر اور معیار ذہنیت سے جانچنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس طرح نتائج کے نکالنے میں وہ ٹھوکریں کھاتا ہے اور غلطیاں کرتا ہے جس کی ذمہ داری اُس کی پست ذہنیت ہے اور کچھ نہیں۔

حالانکہ عقل وتدبّر کا اقتضاء یہ ہے کہ بلند افراد کے طرز عمل کو اُن کی شایان شان بلند ذہنیت کے مطابق اور پست افراد کے طرز عمل کو اُن کے مطابق نقطۂ نظر سے جانچا جائے لیکن عام طور سے ایسا نہیں ہوتا۔

انسان کی بلند ترین صفت یہ ہے کہ جب مفاد شخصی اور مفاد نوعی واجتماعی میں تصادم ہو تو مفاد نوعی کو مقدم رکھا جائے۔

انسان کی بلند صفت یہ ہے کہ وہ فرض شناسی کو ہر مقام پر مقدم رکھے اگر چہ وہ اُس کے کسی نفسانی جذبہ کے خلاف ہو۔

انسان کی بلند صفت یہ ہے کہ وہ امانت و دیانت کو ہر موقع پر ملحوظ رکھے چاہے وہ اپنے دشمن کے ساتھ ہو۔

ہر امر میں ذاتیات کا مدِّنظر ہونا اور اپنی نفسانی محبت یا عداوت کو ہر بات میں دخل دینا یہ تو پست فطرت اور پست طبیعت افراد کا نام ہے جن میں حیوانیت کا عنصر انسانیت سے زیادہ کارفرما ہوتا ہے اگر چہ انسان کی اکثریت ہمیشہ اسی مسلک پر گامزن ہے۔ لیکن اکثریت کو اگر معیار صداقت قرار دے لیا جائے تو ہر بد اخلاقی، پست فطرتی اور مفسدہ پردازی، تہذیب وتمدن

اور کمال وشرافت اور ہر کمال وشرف، علم وہنر، انسان کے لئے نقص وعیب بن جانا ضروری ہے۔

لیکن یہ افسوس ہے کہ دنیا بلند افراد کے طرزِ عمل کو ہمیشہ اپنی ذہنیت کے تحت میں دیکھتی ہے اور اُس سے نتیجہ غلط نکالتی ہے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ذات دنیائے اسلام میں اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ اور انسانی اوصاف و کمالات کا بہترین مجسّمہ تھی۔

حضرت کی سیرت اُن تمام خصوصیات سے مملو ہے جو ایک انسان کی کامل انسانیت کے جوہر سمجھے جاسکتے ہیں اس لئے حضرؑت کی سیرت میں یہ پہلو بہت زیادہ نمایاں نظر آتا ہے کہ حضرؑت نے کبھی اسلامی واجتماعی معاملات میں اپنی ذاتی مخالفت اور نفسانیت، دشمنی وعداوت کو دخل نہیں دیا اور نہ امانت و دیانت کے خیال کو ذاتی اغراض ومقاصد اور خیالات وجذبات پر مقدم کیا۔

دنیا کہ جو خود اپنے اور اپنے مزعومہ پیشواؤں کے طرزِ عمل کی بناء پر اس بات کی عادی ہوگئی ہے کہ وہ ہر بات میں شخصی اغراض کا پہلو مدنظر رکھے۔ حضرؑت کے اس طرزِ عمل سے یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ حضرؑت کو کوئی ذاتی اختلاف کسی سے تھا ہی نہیں اور آپؑ انتہائی ربط ومحبّت اور دوستی ومودّت رکھتے تھے، حالانکہ اگر تھوڑی سی بلند نظری کو صرف کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ ذاتی اختلاف کے ساتھ مصالح عامہ کی طرف صحیح رہنمائی کرنا وہ صفت ہے کہ جو انسانی اوصاف کا جوہر امتیاز ہے اور وہی امیر المومنینؑ کے طرزِ عمل میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

یہ وہ خصوصیت ہے کہ جس سے امیر المومنینؑ کے واقعات زندگی میں تاریخ کے ورق مملو ہیں اور جن کی صورتیں مختلف ہیں۔

کارفرمایان سلطنت یعنی وہ کہ جنھوں نے امیر المومنینؑ کے تمام اوصاف وکمالات اور استحقاق واختصاص سے چشم پوشی کر کے خلافت کے تخت کو حاصل کیا اور ملّت اسلامیہ کے تاجدار اور صاحب اقتدار بن کر اصلاح قوم وملّت کے واحد دعوے دار ہوئے۔ اُنھوں نے مشکلات کے موقع پر آپؑ سے مشورے لیئے اور آپؑ نے وہ مشورے دیئے جو مفاد اسلامی کے لئے حقیقتاً صحیح اور مناسب وقت تھے اور جن کے خلاف ہونا مفاد اسلامی کے لئے انتہائی مضرت رساں تھا۔

ملاحظہ ہو پہلا مشورہ غزوۂ روم کے متعلق جو نہج البلاغہ میں مذکور ہے۔ جب حضرت عمر نے جنگ روم میں خود اپنے جانے کے متعلق حضرؑت سے مشورہ کیا حضرؑت نے فرمایا:۔

قد توکل اللہ لاھل ھذا الدین باعذاز الحوزۃ و ستر العورۃ والذی نصرھم وھم قلیل لاینتصرون و متعھم وھم قلیل لا یمتنعون حیّ لایموت انّك متی تسیر الی ھذا الغدو بنفسك فتلقھم فتنکب لا تکن للمسلمین کانفۃ دون اقصی بلادھم فلیس بعدك مرجع یرجعون الیہ فابعث الیھم رجلا مجربا واخفر معہ اھل البلاء والنصیحۃ فان اظھر اللہ فذاك ما تحب وان تکن الاخریٰ کنت ردء للنّاس ومثابۃ للمسلمین۔

''خداوند عالم نے اس دین کے متعلق یہ ذمہ داری لی ہے کہ اُس کے مرکز کی تقویت ہو اور کمزوریوں کی پردہ پوشی ہو اور اُس نے اُن کی مدد کی جب وہ کم تھے کوئی مدد کرنے والا نہ تھا اور اُن کی حفاظت کی جب وہ کم تھے خود اپنی حفاظت پر قادر نہ تھے۔ وہ اب بھی موجود ہے زندہ ہے اور مرنے والا نہیں۔ اگر آپ خود دشمنوں کے مقابلہ کو گئے اور جنگ ہوئی اور آپ نے شکست کھائی تو مسلمانوں کے لئے کوئی جائے پناہ اُن دشمنوں کی سرحد کے قریب نہ ہوگی اس لئے کہ آپ کے شکست کھانے کے بعد وہاں کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جس کی طرف وہ رجوع کریں لہٰذا بہتر یہ ہوگا کہ آپ ایک تجربہ کار شخص کو روانہ کیجئے اور اُس کے ساتھ بھیجئے اُن اشخاص کو جو سختیاں جنگ کی اُٹھانے کی طاقت اور صداقت و اخلاص رکھتے ہوں۔ اس صورت میں اگر خداوند عالم نے غلبہ عطا کیا تو یہی آپ کا مقصد ہے اور معاملہ نوع دگر ہوا تو آپ تو یہاں موجود ہی ہیں جن کے پاس مسلمان واپس آئیں گے اور پناہ لیں گے۔''

کتنے افسوس کا امر ہے کہ اس مشورہ سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حضرت علیؑ اپنے زمانے کے بادشاہ سے انتہائی محبت رکھتے تھے۔ اور اُن کی جان کو عزیز سمجھتے تھے جب ہی حضرتؑ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ آپؐ جائیں اور شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان بے سرپرست رہ جائیں گے اور کوئی اُن کا والی و وارث نہ ہوگا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ خیال حقیقت حال اور مشورہ کے الفاظ سے بہت دور ہے۔

اس امر پر ذرا سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرت علیؑ نے مشورہ کے موقع پر خلیفۂ وقت کو جنگ کے لئے خود جانے سے کیوں منع کیا؟

کیا حضرت علیؑ کی سیاسی رائے یہی تھی کہ جو بادشاہ وقت اور خلیفۂ زمانہ ہو اس کو کبھی جنگ میں خود جا کر شریک نہ ہونا چاہئے بلکہ خود اپنی جگہ پر بیٹھ کر افواج کو بھیجنا اور دُور ہی دُور سے اُن کو لڑانا چاہئے؟

ایسا تو نہیں ہے ورنہ خود حضرتؑ جبکہ ظاہری طور پر سلطنت و بادشاہت کے مالک ہوئے تو اس پر عمل کرتے اور خود مدینہ میں بیٹھ کر افواج کو روانہ کرتے یا کم از کم میدان جنگ میں شریک نہ ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جتنی لڑائیاں آپؑ کے زمانے میں ہوئیں سب میں آپؑ میدان جنگ میں موجود بلکہ تمام سپاہیوں کے آگے تلوار کھینچے ہوئے دشمنوں کی صفوں کے اندر شمشیر زنی کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال تو صحیح نہیں ہے کہ حضرتؑ کی رائے خلیفۂ اسلام کے متعلق یہی تھی کہ اُس کو اپنا مرکز نہ چھوڑنا چاہئے اور خود جنگ میں جا کر شریک نہ ہو۔

پھر کیا یہ تھا کہ حضرتؑ کو خلیفۂ وقت سے محبّت اتنی تھی کہ وہ ان کے میدان جنگ میں جانے کے روادار نہ تھے اور یہ

اندیشہ تھا کہ کہیں وہ شہید نہ ہو جائیں تو پھر مسلمانوں کا کوئی پُرسان حال نہ ہوگا۔

یہ خیال بھی افسوس ہے کہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حضرتؑ امیر کو خلیفۂ وقت سے کتنی ہی محبت کیوں نہ ہو لیکن اُس محبت کے مثل نہیں ہو سکتی جو آپؑ کو اپنے بھائی، مشفق، استاد اور معلّم روحانی حضرت رسولؐ اکرم کے ساتھ تھی۔ حالانکہ تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ بڑی بڑی لڑائیوں میں ہمیشہ رسالت مآبؐ میدان جنگ میں موجود ہوتے تھے۔ اور کبھی حضرت علیؑ نے حضرتؐ کو یہ مشورہ نہ دیا کہ حضورؐ جنگ میں تشریف لے جانا مناسب نہیں اور حضورؐ مدینہ ہی میں تشریف رکھیں اور لشکر روانہ فرمائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضورؐ شہید ہو جائیں پھر مسلمانوں کا کوئی والی و وارث نہ ہوگا باوجود یہ کہ جنگ احد میں رسالت مآبؐ کو اتنے زخم آگئے تھے کہ حضرتؐ کی زندگی معرض خطر میں نظر آرہی تھی اور بہت قریب تھا کہ حضرتؐ شہید ہو جائیں لیکن اس کے بعد بھی جنگ خندق میں حضرتؐ خود میدان جنگ میں موجود تھے اور حضرت علیؑ یا کسی صحابی نے بھی حضرتؐ کو مدینہ ہی میں قیام فرمانے کا مشورہ نہیں دیا۔

حضرت علیؑ جتنا بھی خلیفۂ وقت کو دوست رکھتے لیکن اپنے فرزند اور فرزندان رسولؐ یعنی حسنین علیہما السلام سے زیادہ دوست نہ رکھتے تھے۔

حالانکہ صفین و جمل و نہروان کی لڑائیوں میں یہ دونوں صاحبزادے اپنے پدر بزرگوار کے پہلو بہ پہلو جنگ میں شریک تھے اور حضرتؑ نے کسی موقع پر بھی ان کو جنگ سے علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

کیا ان تمام واقعات کی موجودگی میں یہ دل کو لگتی ہوئی بات ہے کہ حضرت علیؑ نے صرف محبت کی وجہ سے حضرت عمر کو جنگ میں جانے سے روکا۔ اور پھر محبت کی بناء پر جو بات ہو وہ حقیقتاً مشورہ نہیں ہوا کرتا، اسے حضرت عمر کو ماننے کی کیا ضرورت تھی اور اگر حقیقتاً وہ جنگ میں جانے کا ارادہ رکھتے تو حضرت علیؑ کے صرف اس مبتانہ روکنے سے وہ رُک کیوں گئے اور جنگ میں جانے کا خیال ترک کیوں کیا؟

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقت حال کچھ اور ہے اور حضرت علیؑ کا مشورہ کسی اور اندیشہ پر مبنی ہے جس کو حضرتؑ نے اپنے الفاظ میں ظاہر بھی فرمادیا ہے لیکن عام افراد کی حضرت خلیفۂ ثانی کے ساتھ خوش اعتقادی اور جذبہ اخلاص و محبت نے اس پر غور کرنے کا موقع نہیں دیا اور اُنھوں نے اس کو دوسرا لباس پہنا دیا۔

حضرت علیؑ کے یہ الفاظ خاص طور سے توجہ کے قابل ہیں: انک متیٰ تسیر الیٰ ھذا العدو بنفسک فتلقھم فتنکب لا تکن للمسلمین کا نفۃ دون اقصی بلا دھم فلیس بعدک مرجع یرجعون

الیہ۔ اس کا ترجمہ جو کیا جاتا ہے اور ہمارے پیش نظر ہے وہ یہ ہے "بتحقیق جس وقت آپ اس دشمن کے سامنے خود جائیں گے اور خود اُن سے مقابلہ کریں گے تو اگر کہیں شہید ہو گئے تو پھر مسلمانوں کو کوئی جائے پناہ اُن کے آخری شہروں تک کہیں نہ ملے گی۔ کیوں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں جس کی طرف مسلمان رجوع کریں۔"

افسوس ہے کہ یہ ترجمہ ان اشخاص کے ذاتی مقصد و خواہش کے کتنا ہی مطابق ہو لیکن ان الفاظ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جو اصل مشورہ کے اندر موجود ہیں۔

"تنکب" کی لفظ کے معنی "شہید ہو گئے" کم سے کم موجودہ عربی لغت کی کتابوں میں تو نایاب ہیں۔ بلکہ "نکب" کے معنی ہیں "عدل"، یعنی اپنی جگہ سے ہٹنا اور منحرف ہونا اور یا "کسر" یعنی شکست کھانا۔

بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے اس اندیشہ کا اظہار نہیں کیا ہے کہ آپ شہید ہو جائیں گے بلکہ یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ کہیں آپ کو میدان جنگ سے ہٹنے کی ضرورت نہ ہو اور شکست اُٹھانا نہ پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسالتؐ مآب کے ساتھ کی امتحانی لڑائیوں نے تمام افراد مہاجرین اور بالخصوص ممتاز ہستیوں کے ثبات و استقلال اور بلند حوصلگی و پُرجگری کی پوری آزمائش کر لی تھی اور کوئی پردہ باقی نہ رہ چکا تھا۔

احد و احزاب، خیبر و حنین کے تلخ تجربے حضرت علیؑ کے پیش نظر تھے اور وہ مرقع سامنے تھا کہ جب میدان جنگ کی سنسان فضا اپنی تنہائی کے سنّاٹے کے ساتھ ان پُرجگر اور جاں نثار صحابیان رسول کو دعوت دے رہی تھی اور یہ مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔

خیبر کی یادگار سپہ سالاری اور افسری فوج بھی سامنے تھی جس میں تمام فوج کے متفقہ آواز کی بناء پر شکست کی پوری ذمہ داری سالار کی بے ثباتی کے اوپر تھی اور حقیقت یہ ہے کہ سالار فوج کی کمزوری و بے ثباتی کے بعد ناممکن ہے کہ فوج کے قدم ٹھہریں اور وہ کوئی کامیابی حاصل کر سکے۔

رسالت مآبؐ کے زمانے میں جو لڑائیاں پیش آچکی تھیں اور جن میں ہمیشہ فتح کا سہرا اسلام کے سر رہا اور زبردست سے زبردست بہادر لشکر مخالف کے زیر تیغ ہوئے اُنھوں نے اسلام کا رعب و دبدبہ قائم کر دیا تھا اور رسالت مآبؐ کی اُن پیشن گوئیوں نے کہ میری امت کسریٰ و قیصر کے ممالک پر قابض ہو گی۔ سلطنت کے بھوکے عربوں میں ایک خاص جوش و ولولہ کی روح پھونک دی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ دشمن کے سامنے اپنی جان سے ہاتھ دھو کر جاتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ فتح ہوتی تھی اور اسلام کی فاتحانہ طاقت کی ہیبت دلوں پر بڑھتی جاتی تھی اور یہ ہیبت خود ایک مستقل سبب ہوا کرتی ہے افواج مخالف کی ہزیمت کا۔

ان فتوحات یا افواج اسلامی کے غلبہ کا فلسفہ کتنا ہی عمیق کیوں نہ ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ حضرت عمر کے ساتھ

اتنا ہی تعلق رکھتا ہے کہ وہ افواج آپ کے روانہ کئے ہوئے اور آپ کی جانب سے بھیجے ہوئے تھے۔ بالکل اُسی طرح جیسے آج کل کے سلاطین جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے علیٰحدہ رہ کر عام مخلوق کو قربانی کے لئے آگے بڑھاتے اور اُن کو پروانہ صفت اپنے شمع مقصد کی نذر کرتے اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو کٹوا کر فاتح کا لقب خود اپنے لئے حاصل کرتے ہیں وہ ہی صورت اُس زمانہ میں لڑائیوں کی تھی۔ جنگ کے خطرناک مصائب، تلواروں نیزوں کا مقابلہ، موت کے مُنہ میں جانا یہ سب تمام مسلمانوں کا کام تھا اور حقیقی فتح کا سہرا انھیں کے سر۔

حضرت عمر ان معاملات میں خود انتہائی درجہ محتاط تھے اور ایسے خطرناک موقعوں پر آگے بڑھنا اور ممالک میں اپنے تئیں ڈالنا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ میدان جنگ کی سختیوں سے واقف تھے اور خود اپنی ذاتی حالت اور دل کی طاقت سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ مطلع۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اکثر اوقات دوسرے اشخاص کے مبالغہ آمیز بیانات انسان کے احساسات وتخیلات پر ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ خود اپنے متعلق دھوکہ کھا جاتا ہے۔

خوشامدیوں سے دنیا خالی نہیں اور خوش اعتقادی بھی کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں ہے جیسے آج کل کے مورخین اور ارباب سیر بڑے بلند بانگ دعاوے کے ساتھ حضرت عمر کو اسلامی فاتح اعظم کہتے اور تمام اسلامی فتوحات اور افواج اسلامی کے غلبہ کا سہرا آپ کے سر باندھتے ہیں۔ حالانکہ اس زمانے میں خوشامد کا تو کوئی موقع ہی نہیں جو کچھ بھی ہے وہ خوش اعتقادی ہے۔ اُس زمانے میں خود حضرت عمر کے مُنہ پر خوشامد اور خوش اعتقادی کے مخلوط جذبہ کا نتیجہ تھا کہ عام طور پر کہا جاتا ہوگا" یہ سب حضوؐر کی برکت ہے اور آپ کا اثر ہے۔ پھر جب یہاں بیٹھے بیٹھے یہ حال ہے تو حضوؐر خود اگر میدان جنگ میں پہنچ جائیں تو کیا ہوگا۔ سپاہیوں کے دل ہاتھ ہاتھ بھر کے ہو جائیں گے، دنیا کو زیروزبر کر دیں گے، پہاڑ بھی سامنے آئے تو ہٹا کر راستہ پیدا کریں گے۔ اور ایک دم کے اندر میں ایرانی ملک پر قبضہ کریں گے۔"

یہ خیالات ہوں گے جو عام طور پر حضرت عمر کے گوش زد کئے جاتے ہوں گے۔ جن کا اثر یہ تھا کہ حضرت عمر تمام سابق تلخ تجربوں کے باوجود جنگ کے میدان کو اپنے فتحمند قدموں سے عزت دینے پر آمادہ ہو گئے۔

یہ وہ موقع تھا کہ مدبر اسلام اور حقیقی محافظ ملت حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو اسلامی عزت ووقار کی نسبت خطرہ کا احساس ہوا اور انھوں نے مناسب الفاظ میں حضرت عمر سے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسالت مآبؐ کے زمانے میں متعدد بار حضرت عمر کو ذمہ دارانہ حیثیت سے روانہ کیا گیا۔ لیکن

وہ ایسا نازک موقع نہ تھا۔حضرت عمر کی شخصیت اُس وقت کتنی نمایاں سہی لیکن ایک فرد مسلمان سے زیادہ نہ تھی۔اگر صورت حال دگرگوں ہوتی اور شکست کی صورت آتی تو وہ کتنی خجالت آمیز سہی لیکن اسلام کی شکست کے مرادف نہیں ہو سکتی۔رسوؐل اسلام تو موجود تھے ہی ایک دوسرے قابل اعتماد شخص کے ذریعے سے وہ اس کمزوری کا تدارک کر دیتے اور نتیجہ میں دشمنوں کو شکست دیتے تھے۔جیسا کہ برابر ہوتا رہا اور تاریخ اسلام میں وہ تمام واقعات محفوظ ہیں۔

لیکن اب صورت حال یہ تھی کہ وہ جن اسباب کی بناء پر ہو بہر حال حضرت عمر کو دنیائے اسلام کے لئے ایک ممتاز حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور خود مسلمانوں کے اندر آپ کے متعلق کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن کفار کی نگاہ میں آپ بہر حال آپ بادشاہ اسلام اور خلیفۂ مسلمین اور جانشین رسوؐل کی حیثیت رکھتے تھے اور اس لئے اگر خدانخواستہ آپ کے میدان جنگ جانے پر کوئی ناگوار صورت پیش آتی اور آپ کو میدان جنگ چھوڑنا یا جنگ سے علیحدہ ہونا پڑتا تو یہ اسلام کی شکست ہوتی جس کے بعد پھر اسلام کو بارآوری حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت عمر یقیناً خود موقع کی نزاکت کا احساس رکھتے تھے اور اُن کا دل اس اہم اقدام کو کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا اور قیاس یہ بتلاتا ہے کہ صرف سرداران لشکر یا دوسرے عام افراد کا یہ مطالبہ اور اصرار رہا ہو گا کہ جب کہ رسوؐل برابر لڑائیوں میں خود شریک ہوتے تھے خلیفۂ رسوؐل کیوں گھر میں بیٹھے رہیں اور میدان جنگ میں مجاہدین کی صفوں کے اندر موجود نہ ہوں۔

اس لئے حضرت عمر کو گونہ تردد ہوا اور اسی لئے اُنھوں نے حضرت علیؑ سے مشورہ کیا۔

حضرت علیؑ کے لئے یہ بہت نازک موقع تھا وہ بات جو آپ کو جنگ میں جانے کا مشورہ دینے سے مانع تھی وہ ایسی نہیں کہ اُس کو صاف لفظوں میں کہہ دیا جائے۔دوسری طرف مشورہ کے موقع پر صحیح رائے اور اپنے اصلی خیال کا ظاہر کر دینا شریعت اسلام اور انسانیت و اخلاق کا اہم فرض ہے۔اور پھر جبکہ مشورہ اتنا اہم ہے جس میں اسلام کے وقار و عزت اور توہین و شکست کا سوال درپیش ہے۔

مگر کیا کہنا اُس ہمصفیر زبان وحی اور ترجمان حقائق قرآنی کی بلاغت کا جس نے سب کچھ اس شائستہ پیرایہ میں کہہ دیا جس کو آج دنیا انتہائی مدح وثناء کے الفاظ سمجھ کر اُس کو مقام افتخار میں پیش کرتی اور اپنے ممدوح کے لئے طرۂ امتیاز سمجھتی ہے۔

پہلے حضرت نے ان خوشامدانہ نمائشی چاپلوسی کرنے والوں کے خیال کی غلطی ظاہر کی ہے جو حضرت عمر کے یہ ذہن نشین کرانا چاہتے تھے کہ یہ سب حضور کا فیض ہے اور یہ تمام فتوحات آپ کے دم قدم کی برکت سے ہیں اور اگر آپ جنگ میں پہنچ جائیں تو پھر اس سے زیادہ فتوحات ظاہر ہوں گے۔حضرت نے اس خیال کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''یہ تو خدا نے (اپنے وعدے کے ذریعہ سے) ذمہ داری کر لی ہے کہ وہ اسلام کی طاقت وشوکت میں اضافہ کرے گا اور اس میں کمزوری پیدا نہ ہونے دے گا۔''

وہ خدا جس نے ان مسلمانوں کی امداد کی، اُس وقت جب یہ بیکس اور بے بس تھے۔کوئی مدد کرنے والا نہ تھا اور اُن کی حفاظت کی جب وہ کم تھے وہ اب بھی موجود ہے اور اُس کے لئے فنا نہیں ہے (لہٰذا یہ تو سمجھنا ہی نہ چاہئے کہ اگر آپ نہ ہوئے تو اسلام کو شوکت حاصل ہی نہیں ہو سکتی) اُس کے بعد آپ حضرت عمر کی روانگی سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔''اگر دشمن کی طرف بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور دشمن کا سامنا ہوا اور اُس وقت (خدانخواستہ) آپ کو میدان جنگ سے ہٹنا پڑا یا (نصیب دشمناں) شکست ہوئی تو (افسر کے قدم اُٹھ جانے کے بعد) پھر مسلمانوں کا کوئی مرکز اُس دور دراز ملک میں نہ ہوگا اور آپ کے (شکست کھانے کے) بعد کوئی ایسا نہ رہے گا جس کی طرف وہ رجوع کریں۔

اس وقت تو یہ ہے کہ شاہی مرکز مدینہ میں موجود ہے اور اگر ایک افسر فوج کو شکست ہوئی اور لشکر کے قدم اُٹھے تو افواج منظم طریقہ سے واپس آئیں گے اور دوسرا بہادر افسر بھیجا جا سکتا ہے۔لیکن اگر بادشاہ خلیفۃ المسلمین کو شکست ہوئی تو پھر اُس کے تدارک کی کوئی صورت نہیں باقی رہتی، اس صورت میں یقیناً مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا اور وہ آندھی میں اُڑتے ہوئے پتّوں کی طرح پراگندہ ہو جائیں گے۔

اس کے بعد حضرت صورت حال کے متعلق اپنی ذاتی رائے یہ پیش فرماتے ہیں کہ''بہتر ہے آپ اُن کی جانب ایسے افراد کو بھیجئے جو لڑائی کی سختیوں کو برداشت کر سکیں اور اسلام کے خیر خواہ ہوں (لشکر اور سردار لشکر کے یہ اوصاف و قیود حضرت علیؑ کے نقطۂ نظر کو بہت روشن طریقہ سے واضح کرتے ہیں)۔

اس صورت میں اگر خداوند عالم نے کامیابی عطا فرمائی تو کیا کہنا اور اگر پھر بھی شکست ہوئی تو آپ تو ہیں ہی وہ فوج آپ کے پاس پلٹ کر واپس آئے گی اور آپ دوسری فوج روانہ کر سکیں گے۔

یہ تھا مشورہ جو حضرتؑ نے دیا اور حقیقتاً مشورہ ایسا تھا جسے حضرت عمر کے دل نے قبول کر لیا اور انھوں نے جنگ میں جانے کے خیال کو ترک کر دیا۔

دوسرا مشورہ غزوۂ فارس کے متعلق: جب سرداران لشکر وغیرہ نے پھر حضرت عمر کو پریشان کیا اور کہا کہ اگر آپ جنگ میں چلے جائیں تو سب کام بن جائیں اس لئے کہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے۔مسلمانوں کا لشکر کم ہے۔اگر آپ کہیں قدم اُٹھا دیں اور چل کھڑے ہوں تو قبائل عرب میں یہ خبر بجلی کی طرح دوڑ جائے گی کہ بادشاہ سلامت خود جنگ کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں اور

اس طرح تمام اطراف و جوانب سے مور و ملخ کی طرح لشکر سمٹ آئے گا۔ حضرت عمر ان لوگوں کے اصرار سے پھر پریشان ہوئے اور وہی پہلا نسخہ عمل میں لائے کہ حضرت علیؑ سے مشورہ لیں اور جب آپ اختلاف کریں تو یہی آپ کے جنگ سے باز رہنے کی سند قرار پائے۔ اس موقع پر بھی کوئی تازہ امر نہ تھا۔ حضرت علیؑ کی نظر میں تمام وہی پہلو موجود تھے جو گذشتہ مشورہ میں آپؑ کے سامنے تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت عمر سے جنگ میں تشریف لے جانے پر اصرار کرنے والوں کے خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرتؑ نے جو خیالات ظاہر فرمائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

''اس امر یعنی اسلام کی فتح و نصرت یا شکست و ہزیمت کثرت و قلت پر موقوف نہیں رہی ہے، یہ تو خدا کا دین ہے کہ جس کو اُس نے غالب کیا اور اُسی کی فوج ہے جس کی اُس نے امداد کی یہاں تک کہ وہ پہنچی کامیابی کے اُس درجے تک کہ جہاں تک پہنچی اور ہم سے خداوند عالم کی جانب سے وعدہ ہو چکا ہے اور وہ اپنے وعدہ کو پورا ضرور کرے گا اور اپنے لشکر کی امداد کرے گا۔

امور انتظامی کے ساتھ قائم یعنی خلافت مسلمین کے ذمہ دار شخص کی حیثیت وہ ہوتی ہے جو رشتہ قلادہ کو موتیوں کی نسبت حاصل ہے کہ یہ اُن کی شیرازہ بندی کرتا اور اُن کی جمع آوری رکھتا ہے، اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو موتی بکھر جائیں گے اور تتر بتر ہو جائیں گے اور کبھی ان کا اجتماع نہ ہو سکے گا۔ (یہ حضرت نے ایک کلیہ کی صورت سے ارشاد فرمایا ہے لہٰذا اس سے یہ نتیجہ بالخصوص نہیں نکالا جاسکتا کہ حضرت علیؑ نے حضرت عمر کی ذات والاصفات کو مسلمانوں کا مایۂ نظام فرمایا اور فرمایا کہ یہ نظام آپ کے بعد قیامت تک پھر کبھی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ آپ قیم بالامر ہیں۔'' یہ نتیجہ تو جب نکلتا ہے جب حضرت خصوصیت کے ساتھ فرماتے کہ آپ کی مثال وہ ہے جو رشتہ کو موتیوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ بیشک کلیتہً ایسا ہی ہے کہ ہر بادشاہ اپنے زیر حکومت رعایا کے لئے باعث انتظام و شیرازہ بندی ہوتا ہے اور اگر وہ ہٹ جائے تو شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اور جب تک پھر کوئی بحیثیت بادشاہ اُس شیرازہ کو مجتمع نہ کرے وہ مجتمع نہیں ہو سکتا۔)

اس کے بعد حضرتؑ اس خیال کو رد کرتے ہوئے مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں کم ہے فرماتے ہیں کہ عربوں کی تعداد (بمقابلہ اپنے مخالفین کے اگرچہ کم ہے لیکن وہ زیادہ تعداد کے ہم وَزن ہے۔ اسلام کے سبب سے اور اُن کے لئے عزت حاصل ہے اُن کے اجتماع کے سبب سے آپ کو چاہئے کہ آپ اپنی جگہ پر قطب کی طرح قائم رہیں اور عربوں کو چکی کی طرح یہیں سے بیٹھے بیٹھے گردش دیں اور انہی کو آتش حرب میں ڈالیں اس لئے کہ اگر آپ یہاں سے چلے گئے تو یہ تو ہوگا (جیسا کہ اُن لوگوں کا خیال ہے) کہ چاروں طرف سے عرب ٹوٹ پڑیں گے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی بلاد خالی ہو جائیں اور آپ کو ان مقامات کا خیال جن کو آپ بے حفاظت چھوڑتے ہیں زیادہ اہم معلوم ہونے لگے اور پھر خاص بات تو یہ ہے کہ عجم آپ کو

میدان جنگ میں دیکھیں گے کہ یہ شخص عرب کی جڑ ہے اگر اس کو کاٹ ڈالو گے تو راحت پا جاؤ گے۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آپ پر شدت سے حملہ کریں گے اور پوری نظر اُن کی آپ پر ہوگی۔(ایک بہادر کے جوش وولولہ کے لئے یہ الفاظ تازیانہ کا کام کر سکتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر محتاط تھے حضرت علیؑ نے جو یہ پہلو پیش نظر کر دیا تو آپ نے خود جنگ میں جانے کے خیال کو ترک فرما دیا۔)

باقی رہا یہ جو آپ نے ذکر کیا کہ فوج عجم مسلمانوں کے قتال کے لئے روانہ ہو چکی ہے تو اللہ سبحانہ کو اُن کی یہ روانگی آپ سے زیادہ ناپسند ہے اور وہ جس چیز کو ناپسند کرے اُس کے بدل دینے پر قادر ہے۔اور جو آپ نے اُن کی کثرت بیان کی تو بات یہ ہے کہ ہم لوگ زمانہ گزشتہ میں اپنی کثرت کے بوتے پر جنگ نہ کرتے تھے بلکہ خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے لڑتے تھے۔"

طرز کلام سے ظاہر ہے کہ یہ حقائق الٰہیہ مخاطب کے پیش نظر نہیں ہیں اور حضرت علیؑ ان کے اوپر خاص طور سے توجہ دلا رہے ہیں۔

یہ مشورے خالص انسانی ہمدردی اور اسلامی مفاد کے لحاظ سے تھے جن میں ذاتی دوستی دشمنی کا سوال بلند خیال اور تنگ نظری سے علحٰدہ افراد کے یہاں پیدا ہی نہیں ہوتا۔

اسی طرح مسائل شرعیہ میں امداد لینے کے موقع پر حضرت علیؑ کا مسائل سے مطلع کر دینا یہ تمام باتیں اسی نوعیت سے تعلق رکھتی ہیں۔

کیا اس موقع پر حضرت علیؑ ایسی پاک نفس و پاکباز بلکہ معلم انسانیت ہستی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اگر کسی سے دشمنی یا اختلاف خیال رکھتے ہوں تو اُس دشمنی کی بناء پر مشورہ کے موقع پر غلط رائے دیں۔مسائل شرعیہ غلط بتلائیں اور قضایا کا فیصلہ کچھ کا کچھ کر دیں۔

پھر اگر حضرتؑ کے تقویٰ وطہارت اور قدس وحقانیت کے خلاف امر ہے تو اس مشورے کے دینے، مسائل کے بتلانے اور قضایا کے صحیح طور سے فیصلہ کر دینے کو اس امر کی دلیل نہیں قرار دیا جا سکتا کہ حضرتؑ کو کوئی ذاتی اختلاف نہ تھا اور وہ حضرت عمر کو انتہائی دوست رکھتے تھے۔

فرض شناسی اور ذمہ داری کا احساس اور دیانت و امانتداری وہ چیز ہے جس میں دوست و دشمن کی تفریق باقی نہیں رہتی، تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ رسالتؐ مآب کفار قریش کے امانتدار تھے یعنی وہ لوگ آپؐ کے پاس امانتیں رکھواتے تھے اور حضرتؐ اُن کی اس طرح حفاظت کرتے تھے کہ حضرتؐ کو امین کا لقب مل گیا تھا، یہ سلسلہ بعثت کے ہوتے ہی ختم نہیں ہو گیا بلکہ بعد بعثت ہجرت کے موقع تک کفار قریش کی امانتیں آپ کے پاس موجود تھیں حضرتؐ نے اُن امانتوں کی

حفاظت کا اتنا اہتمام کیا کہ اپنے عزیز ترین بھائی علیؑ ابن ابی طالبؑ کو انہی امانتوں کے ادا کرنے کے لئے انتہائی خطرہ کے اندر مکہ معظمہ میں چھوڑ کر ہجرت فرمائی۔ کیا میں دنیائے اسلام سے دریافت کرسکتا ہوں کہ حضرت رسولؐ کفار قریش سے محبت و اُلفت رکھتے تھے یا اختلاف؟ پہلے جزو کی نفی آیہ قرآنی سے ہوجاتی ہے کہ: لا تجد قومًا یومنون باللہ والیوم الاخر یوادّون من حادّاللہ ورسولہ، مومن اور کافر میں دوستی ناممکن ہے۔ تو ماننا پڑے گا کہ حضرتؐ کو کفار قریش سے محبت نہ تھی بلکہ اختلاف تھا۔ پھر اُن کی امانتوں کی حفاظت میں اتنا اہتمام! اس کے کیا معنی؟ یہ وہی فرض شناسی اور دیانت و امانت کالحاظ تھا جس میں محبت وعداوت کے سوال کا موقع ہی نہیں۔

اگر حضرت رسولؐ کا کفار قریش کی امانتیں اپنے پاس رکھنا اور اُن کی حفاظت میں انتہائی اہتمام فرمانا اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ آپؐ اُن سے کوئی ذاتی اختلاف نہ رکھتے تھے تو اُن کے وصی و جانشین حضرت علیؑ کا بھی اپنے مخالفین کے لئے مشورہ دینے، مسائل بتلانے قضایا کا فیصلہ کرنے میں امانت و دیانت داری کے فرض کو ملحوظ رکھنا اس بات کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ آپ اُن سے کوئی ذاتی اختلاف نہ رکھتے تھے۔" (ابو الائمہ کی تعلیمات امامیہ مشن لکھنؤ)

چوتھی فصل

فیصلہ مقدّمات

اسے حق کا بول بالا اور قدرت کی کرشمہ نمائی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ کہ وہی حضرت عمر جو امیر المومنینؑ کے تمام مصائب کا سرچشمہ اور تمام حق تلفیوں کی بنیاد ہیں اپنے دورِ حکومت میں قدم قدم پر امیر المومنینؑ کے مرہون منت رہے مولوی سید امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ: ''حضرت عمر کے عہد میں جتنے کام رفاہ عام کے ہوئے وہ سب حضرت علیؑ کی صلاح و مشورہ سے عمل میں آئے۔'' لوٹ مار، فوج کشی وقتل و غارت کے منصوبوں میں کس امید پر آپؑ سے رجوع کرتے، ہاں شرعی معاملات میں جب کوئی گتھی آپڑی آپؑ ہی کے علم وفہم اور قوت فیصلہ سے سلجھی اور حضرت عمر کو ہر موقع پر ان کلمان کے ذریعہ اپنی عاجزی وحضرت امیر المومنینؑ کی بلندی منزلت کا اعتراف کرنا پڑا کہ لولا علی لھلك عمر اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا، یالا ابقانی اللہ بعدك یا علی یا علی خدا مجھے آپ کے بعد زندہ نہ رکھے۔

ہم وعدہ کر چکے ہیں کہ سوانح عمری حضرت امیر المومنینؑ کی ایک مستقل جلد آپ کے قضایا میں تحریر کریں گے۔ مناسبت محل کے لحاظ سے ہم یہاں چند فیصلے مشکل مقدمات کے درج کرتے ہیں:

(۱) دو شخص ایک قریشی عورت کے پاس آئے اور اُس کے پاس سَو دینار امانت رکھوائے اور دونوں نے کہا کہ تم ہم میں سے کسی ایک اکیلے کو یہ دینار نہ واپس کرنا جب تک ہم دونوں نہ لینے آئیں۔ ایک سال دونوں نے گزارا پھر ان میں کا ایک شخص اس عورت کے پاس آیا اور کہا کہ میرا ساتھی مر گیا لہٰذا وہ سَو دینار مجھے دے دو اس عورت نے انکار کیا اُس نے اس عورت کے عزیزوں کے ذریعہ زور ڈالا ان لوگوں نے اس عورت کو اتنا مجبور کیا کہ اس نے آخر وہ سَو دینار حوالے کر دیے، پھر ایک سال مدت گزری ایک سال کے بعد دوسرا شخص پہنچا اور اُس نے کہا کہ میرے دینار واپس کرو۔ اس عورت نے کہا تمہارا ساتھی آیا تھا اور اُس نے بیان کیا کہ تم مر چکے ہو میں نے وہ سَو دینار اس کے حوالے کر دیئے یہ دونوں جھگڑا لے کر حضرت عمر کے پاس گئے، حضرت عمر کا منشا ہوا کہ عورت کے خلاف حکم صادر کریں اور یہ بھی روایت میں ہے کہ حضرت عمر نے اس عورت سے کہا میرے خیال میں تو تو بہر حال ذمہ دار ہے اس عورت نے حضرت عمر کو خدا کی قسم دی کہ اللہ آپ ہمارے مقدمہ کا فیصلہ نہ فرمائیں، ہمارا مقدمہ علیؑ کے پاس پیش

کر دیں ۔حضرت عمر نے منظور کیا حضرت علیؑ کے پاس یہ مقدمہ پیش ہوا آپؑ سمجھ گئے کہ ان دونوں شخصوں نے عورت کے ساتھ فریب کیا ہے ۔آپ نے اس شخص سے پوچھا، کیا تم دونوں نے روپیہ دیتے وقت یہ شرط نہ کی تھی جب تک کہ ہم دونوں نہ آئیں تم روپیہ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو نہ دینا۔اس نے کہا ہاں ایسا ہی ہے ۔آپؑ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ اپنے ساتھی کو لے کر آؤ تمہارا مال ہمارے پاس محفوظ ہے ہم فوراً تمہارے حوالے کر دیں گے ۔

(ازالۃ الخلفا مقصدر ۲،ص ر ۲۶۹، ریاض نضرہ، جلدر ۲،ص ر ۱۹۷)۔

(۲) حضرت عمر کے پاس ایک حاملہ عورت لائی گئی جس نے بدکاری کا اقرار کیا تھا۔آپ نے سنگسار کئے جانے کا حکم صادر فرمادیا۔حضرت علیؑ کا سامنا ہوا۔آپ نے اس عورت کے متعلق دریافت کیا۔لوگوں نے بتایا کہ حضرت عمر نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے ۔حضرت علیؑ نے اس عورت کو واپس کر دیا اور فرمایا عورت نے چونکہ بدکاری کی ہے لہٰذا اس پر تمہارا قابو تو چل سکتا ہے مگر اس کے شکم میں جو بچہ ہے اس کو تم کیسے سزا دو گے، اس کا کیا قصور؟ اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس عورت کو ڈرا دھمکا کے اقرار لیا ہے ۔حضرت عمر نے کہا ہاں ہوا تو ایسا ہی ہے ۔آپؑ نے فرمایا کہ کیا رسولؐ اللہ کا یہ حکم آپ نے نہیں سنا کہ جس مجرم سے اذیت و تکلیف پہنچا کر اقرار لیا جائے اس پر حد نہیں ۔جو شخص قید میں رکھا جائے یا محبوس رکھا جائے یا دھمکی دی جائے اُس کا اقرار اقرار نہیں ۔حضرت عمر نے اس فیصلہ پر اُسے رہا کر دیا۔

(ریاض نضرہ، جلدر ۲،ص ر ۱۹۶)۔

(۳) ابوطبیان سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا کہ حضرت عمر کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کیا تھا آپ نے اُسے سنگسار کئے جانے کا حکم دے دیا لوگ لے گئے تا کہ اسے سنگسار کر ڈالیں ۔حضرت علیؑ کی ملاقات ان لوگوں سے ہوئی آپؑ نے پوچھا کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے بیان کیا اس عورت نے زنا کیا ہے اور حضرت عمر نے سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے ۔حضرت علیؑ نے اس عورت کو ان لوگوں سے چھین لیا اور واپس لوٹا دیا وہ لوگ حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا علیؑ نے ہمیں واپس کر دیا۔حضرت عمر نے کہا علیؑ نے ایسا کسی وجہ ہی سے کیا ہوگا۔آپ نے آدمی بھیجا، آپ تشریف لائے ۔حضرت عمر نے پوچھا، کیوں آپ نے اس عورت کو لوٹا دیا؟ آپؑ نے فرمایا کیا پیغمبرؐ کا ارشاد آپ نے نہیں سنا کہ تین شخصوں سے قلم اُٹھا لیا گیا ہے ۔سونے والے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو لے، کم سن سے جب تک وہ بڑا نہ ہو لے اور دیوانے سے جب تک وہ ہوش میں نہ آلے ۔حضرت عمر نے کہا ہاں پیغمبرؐ نے ایسا فرمایا ہے ۔آپؑ نے فرمایا تو یہ فلاں خاندان کی دیوانی عورت ہے جس سے بحالت دیوانگی کسی نے زنا کیا ہے ۔

(ریاض نضرہ، جلدر ۲،ص ر ۱۹۶، مسند، جلدر ۱،ص ر ۱۵۴، منتخب کنز العمال)

(۴) انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک اعرابی اپنا اونٹ بیچنے کے لئے لایا، حضرت عمر نے پہنچ کر اس سے مول بھاؤ کیا۔ آپ ایک ایک اونٹ دیکھتے اور اُسے اپنے پیر سے ٹھوکر مارتے تاکہ وہ کھڑا ہو اور آپ اس کے ہاتھ پیر دیکھ سکیں، اس پر اعرابی نے کہا اونٹ کو ستاؤ نہیں۔ حضرت عمر اعرابی کے منع کرنے سے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے ہر ہر اُونٹ کو اسی طرح چھیڑتے رہے۔ اعرابی نے حضرت عمر سے کہا تم بڑے بدآدمی دکھائی دیتے ہو۔ جب حضرت عمر دیکھ بھال چکے تو اس اونٹ کو اس اعرابی سے خرید لیا پھر اعرابی سے کہا اس اونٹ کو علحدہ کر دو اور اس کی قیمت لے لو۔ اعرابی نے کہا ٹھہرو اس کا بوریہ، پالان وغیرہ علحدہ کرلوں۔ حضرت عمر نے کہا میں نے تو اونٹ اس کے ساز و سامان سمیت خریدا ہے لہٰذا جس حالت میں اس وقت ہے اسی طرح میں لوں گا۔ اعرابی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم بڑے بڑے شخص ہو۔ وہ دونوں لڑ ہی رہے تھے کہ حضرت علیؑ آتے نظر پڑے۔ حضرت عمر نے اعرابی سے کہا ہمارے تمہارے درمیان جس بات کا جھگڑا ہے اس آنے والے سے فیصلہ کراتے ہو؟ اعرابی نے کہا ہاں! ان دونوں نے حضرت علیؑ سے اپنا واقعہ بیان کیا۔ حضرت علیؑ نے عمر سے کہا اگر آپ نے خریدتے وقت شرط کر دی تھی کہ میں اس اونٹ کو اس کے ساز و سامان سمیت خریدوں گا تب تو بیشک سب آپ کا ہے ورنہ انسان سامان تجارت کو سنوار کے بیچتا ہی ہے۔ چنانچہ اس اونٹ کا ساز و سامان علحدہ کر دیا گیا اور اعرابی نے اونٹ الگ کھڑا کر دیا اور حضرت عمر نے قیمت ادا کر دی۔ (منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد، جلد/ ۲، ص/ ۲۳۱)

(۵) ابوسعید خدری صحابی پیغمبرؐ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے ایک مرتبہ عمر بن خطاب کی معیت میں حج کیا جب حضرت عمر نے طواف شروع کیا تو حجر اسود کا رُخ کیا اور اُس سے خطاب کر کے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر ہو نہ ضرر پہنچا سکتے ہو نہ نفع اور اگر میں رسولؐ کو تمہیں بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھے ہوتا تو میں کبھی تمہیں بوسہ نہ دیتا یہ کہہ کر اُنھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ حضرت علیؑ نے اُنھیں ٹوکا کہ حجر اسود ضرر بھی پہنچاتا ہے اور نفع بھی، میں گواہ ہوں کہ میں نے پیغمبرؐ کو ارشاد فرماتے سُنا: ''بروز قیامت حجر اسود لایا جائے گا اور اس کے لئے ایک تیز طرار زبان ہوگی وہ گواہی دے گا کہ کس نے توحید الٰہی کا دل میں اعتقاد رکھ کر اس کو بوسہ دیا ہے لہٰذا یہ ضرر بھی پہنچا سکتا ہے اور نفع بھی۔ اس پر حضرت عمر نے کہا میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ ایسی قوم میں زندہ رہوں جس میں ابوالحسنؑ (علیؑ) موجود نہ ہوں۔ (مستدرک، جلد/ ۱، ص/ ۴۵۸، و منتخب کنز العمال وغیرہ)

(۶) ایک دیوانی عورت جس نے زنا کیا تھا اور حضرت عمر نے اُسے سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا اور ایک دوسری عورت جس

نے ۶/مہینے کے اندر بچّہ جنا تھا اور حضرت عمر نے اُسے سنگسار کرنا چاہا تھا۔ حضرت علیؑ نے انھیں یہ کہہ کر روکا کہ ارشاد الٰہی ہے وحملہ وفصالہ ثلاثون شہرا آیت کی رو سے اقل مدت حمل ۶/مہینہ قرار پاتی ہے نیز پیغمبرؐ کا ارشاد ہے کہ خداوند عالم نے دیوانہ کو مرفوع القلم قرار دیا ہے لہٰذا سنگسار کرنا نہ اُسے جائز ہے نہ اُسے۔ حضرت عمر اس کے بعد کہا کرتے کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔

(استیعاب، جلد/ ۲ص/ ۴۷۴ وازالۃ الخفا مقصد/ ۲ص/ ۲۶۸، ریاض نضرہ، جلد/ ۲ص/ ۱۹۴)

(۷) قدامہ بن مظعون، حفصہ اور عبداللہ فرزندان حضرت عمر کے ماموں تھے حضرت عمر نے اُنھیں بحرین کا حکم مقرر کیا تھا وہاں سے جارود عبدی عمر کے پاس آئے اور کہا کہ یا امیر المومنین قدامہ نے شراب پی اور نشہ میں مست ہو گئے۔ میں نے چونکہ دیکھا کہ ایک حد خدا کے حدود سے معطل ہوتی ہے لہٰذا میرے اوپر حق تھا کہ میں آپ کو اس کی اطلاع دوں۔ حضرت عمر نے فرمایا کوئی گواہ بھی تمہارے ساتھ ہے؟ جارود نے کہا ابو ہریرہ حضرت عمر نے ابو ہریرہ کو بلایا اور کہا کہ تم کیا گواہی دیتے ہو؟ ابو ہریرہ نے کہا کہ میں نے شراب پیتے نہیں دیکھا ہاں یہ دیکھا کہ نشہ کی حالت میں وہ قے کر رہے تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا تم نے صاف شہادت نہ دی پھر قدامہ کو لکھا کہ تم بحرین سے چلے آؤ، چنانچہ وہ آئے۔ جارود نے پھر حضرت عمر سے کہا کہ اس شخص پر حد جاری کرو۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اب اپنی زبان بند کرو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ جارود نے کہا اے عمر خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے کہ تمہارے چچا کا بیٹا شراب پیئے اور سزا مجھ کو دو۔ ابو ہریرہ نے کہا اگر آپ کو ہماری شہادت میں شک ہے تو ولید کی بیٹی سے آپ پوچھیے جو قدامہ کی بیوی ہے۔ حضرت عمر نے اس کو بلا بھیجا اور اس سے پوچھا، اس نے اپنے شوہر کے خلاف گواہی دی۔ حضرت عمر نے قدامہ سے کہا کہ اب میں تم پر حد جاری کروں گا قدامہ نے کہا بالفرض اگر میں نے پیا بھی جیسا کہ یہ لوگ بیان کرتے ہیں تب بھی آپ لوگوں کو میرے اوپر حد جاری کرنے کا اختیار نہیں۔ حضرت عمر نے پوچھا کیوں؟ قدامہ نے کہا دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لیس علی الّذین اٰمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما تقوا واٰمنوا وعملوا الصالحات، (جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے اُن پر جو کچھ کھاتے ہیں اس میں کچھ گناہ نہیں جب اُنھوں نے پرہیزگاری کی اور ایمان لئے آئے اور اچھے اچھے کام کئے۔ (پ/ ۷، ع/ ۲)۔ حضرت عمر نے ان سے درگذر کیا اور حد معاف کر دی۔ اس پر حضرت امیر المومنینؑ نے انھیں بتایا کہ قدامہ اس آیت کا مصداق نہیں اور نہ شراب پی کر اُنھوں نے اُن لوگوں کے مطابق عمل کیا جن کی آیت میں مدح کی گئی ہے۔ ایمان لانے والے اور عمل صالح بجالانے والے حرام خدا کو حلال کب کرتے ہیں؟ آپ قدامہ کو پھر بلایئے

اور اُنھوں نے کلام الٰہی کے جو غلط معنی بتائے ہیں اس سے توبہ کرائیے اگر توبہ کرلیں تو شراب نوشی کی حد جاری کیجئے اور اگر اپنی بات پر اڑے رہیں توبہ نہ کریں تو انھیں قتل کرڈالیئے کیوں کہ وہ ملت اسلام سے خارج ہو گئے۔ قدامہ کو اس خبر کی اطلاع ملی تو اپنی جسارت پر تائب ہوئے۔ حضرت عمر نے جاں بخشی کی مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ حد کتنی جاری کریں پھر امیر المومنینؑ کی طرف رجوع کی۔ آپ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ جو شخص شراب پیئے گا وہ مست ضرور ہو گا اور جب مست ہوگا تو واہی تباہی بکے گا اور جب واہی تباہی بکے گا تو افترا کرے گا اور افترا کرنے والوں کو اسّی کوڑے مارے جاتے ہیں تو قدامہ کو بھی اسّی کوڑے مارے جائیں۔ یہ سُن کر حضرت عمر نے اُنھیں اسّی کوڑے مارے۔

(ارشاد شیخ مفید مناقب شہرابن آشوب وغیرہ)

(۸) کوئی عورت جس کے متعلق کچھ نامناسب باتوں کی خبر حضرت عمر کو ملی انھوں نے اُسے بلانے کو آدمی بھیجے عورت اُن فرستادوں کے ہمراہ روانہ ہوئی مگر شدت خوف سے اس کا حمل ساقط ہوگیا، پیٹ سے بچہ زمین پر گرا اور مرگیا۔ حضرت عمر نے اصحاب پیغمبرؐ کو جمع کر کے اس کے متعلق دریافت کیا، لوگوں نے کہا آپ نے تادیب کے لئے اسے بلایا تھا کوئی زیادتی تو آپ کی طرف سے ہوئی نہیں جس کا تاوان آپ کو دینا لازم ہو۔ حضرت امیر المومنینؑ بھی مجمع اصحاب میں تھے مگر خاموش۔ حضرت عمر نے آپ کو متوجہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کی رائے تو سن ہی چکے، اُنھوں نے قسم دی کہ نہیں آپ ہی اس قضیہ کو حل فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ لڑکے کی جان بہرحال آپ کی وجہ سے گئی ہے۔ عمداً نہ سہی سہواً ہی سہی لہٰذا اس کی دیت آپ کے خاندان والوں کو ادا کرنا ضروری ہے۔ حضرت عمر نے کہا آپ یہیں تشریف فرما رہیں جب تک بنی عدی (حضرت عمر کے خاندان والے) اس بچّے کی دیت نہ ادا کر دیں۔

(احیاء العلوم، غزالی)

(۹) عہد عمر میں دو عورتوں میں ایک بچّہ کے متعلق نزاع پیدا ہوئی ہر ایک مدعی تھی کہ یہ بچّہ میرا ہے مگر کسی طرف سے کوئی ثبوت پیش نہ ہوا نہ تیسری کوئی عورت مدعی ہوئی۔ حضرت عمر مشکل میں پڑ گئے کہ کیوں کر فیصلہ ہو مجبور ہو کر حضرتؑ سے اس قضیہ کے فیصلے کی درخواست کی۔ آپ نے دونوں کو پہلے وعظ و نصیحت و تخویف و تہدید فرمائی جب اس پر بھی دونوں نزاع سے باز نہ آئیں اور حقیقت کہنے پر آمادہ نہ ہوئیں تو آپ نے چھری طلب کی لوگوں نے پوچھا چھری کیا کیجئے گا؟ آپ نے فرمایا میں اس بچّے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو ایک ایک حصہ دے دوں گا۔ یہ سن کر ایک عورت تو خاموش رہی مگر دوسری واویلا کرنے لگی، عرض کیا یا ابوالحسنؑ اگر ایسا ہی ہے تو میں اپنے حق سے باز آئی، میرا حصہ بھی آپ اسی عورت کو عطا فرما دیں۔ حضرت نے تکبیر کہی اور فرمایا کہ بس یہ لڑکا تیرا ہی ہے۔ اس کا ہرگز نہیں اس کا ہوتا تو

یقیناً دو ٹکڑے کئے جانے پر ہرگز خاموش نہ رہتی۔ محبت مادری ضرور جوش میں آتی۔ اس وقت پہلی عورت نے اعتراف کیا کہ بچّہ اسی کا ہے۔ (ارشاد جناب شیخ مفیدؒ)

(۱۰) ایک مرد ایک عورت گرفتار کر کے حضرت عمر کے پاس لائے گئے مرد نے عورت سے کہا تھا اے بدکار عورت اور عورت نے کہا تھا تم مجھ سے زیادہ بدکار ہو۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ دونوں کو کوڑے مارے جائیں۔ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ عورت پر دوہری حد جاری کی جائے۔ ایک تو تہمت لگانے کی حد کہ اس نے مرد کو بدکاری کا اتہام لگایا دوسرے بدکاری کی حد کہ اس نے خود اپنی زبان سے اقرار کیا ہے کہ تم مجھ سے زیادہ بدکار ہو اور مرد پر کوئی حد جاری نہ ہوگی کیوں کہ اس کی بدکاری کا کوئی گواہ نہیں۔ (مناقب)

(۱۱) عقبہ ابن ابی عقبہ ایک شخص تھا اس کا انتقال ہوگیا اس پر حضرت امیر المومنینؑ نے ایک شخص سے فرمایا کہ تمہاری زوجہ تم پر حرام ہوگئی۔ تم اب اس سے پرہیز کرنا۔ حضرت عمر نے کہا یا اباالحسنؑ آپ کے تمام فیصلے عجیب وغریب ہوتے ہیں یہ تو اور بھی عجیب تر ہے کسی کے مرنے سے دوسرے کی بیوی کیوں کر حرام ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا صورت حال یہ ہے کہ یہ شخص عقبہ کا غلام ہے اس نے ایک آزاد عورت سے نکاح کیا تھا اب عقبہ کے مرنے پر چونکہ وہ آزاد عورت بھی عقبہ کے ورثہ میں شامل ہے اور عقبہ کے ترکہ سے کس قدر اپنا حصہ پائے گی۔ لہٰذا غلام کی بھی کسی قدر مالک ہوگی اور مالک عورت اپنے غلام کے لئے حرام ہے جب تک وہ اس کو آزاد نہ کردے اور وہ دوبارہ اس سے نکاح نہ کرے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ایسے ہی مشکل مسئلوں میں ہم آپ کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔

(۱۲) ایک شوہر دار عورت سے کمسن لڑکے نے بدکاری کی حضرت عمر نے اس عورت کو سنگسار کرنا چاہا امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ عورت سنگسار نہیں کی جائے گی کہ لڑکا سن شعور کو نہیں پہنچا البتہ اس پر حد واجب ہے۔ (مناقب)

(۱۳) ایک شادی شدہ یمنی شخص بدکاری کے جرم میں گرفتار کر کے حضرت عمر کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمر نے سنگسار کرنے کا حکم جاری کردیا۔ امیر المومنینؑ نے روکا کہ اس کو سنگسار کرنا صحیح نہیں کہ یہ شخص مسافر اور اپنے اہل وعیال سے جدا ہے البتہ اس پر حد جاری کی جائے۔ (مناقب)

(۱۴) پانچ شخص زنا کے جرم میں گرفتار کر کے لائے گئے حضرت عمر نے سب پر حد جاری کرنا چاہی۔ حضرت امیر المومنینؑ نے تنبیہ کی کہ یہ صحیح نہیں اُنھوں نے کہا تو آپ ہی فیصلہ کیجئے۔ آپ نے ایک شخص کو قتل دوسرے کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تیسرے پر پوری حد جاری فرمائی چوتھے پر آدھی پانچویں کو معاف کردیا۔ حضرت عمر نے وضاحت چاہی۔ آپ نے

فرمایا پہلا شخص کافر ذمی ہے اس نے مسلمان عورت کے ساتھ مُنہ کالا کیا اور اپنے ذمہ سے باہر نکل گیا۔ اس لئے قتل ہی اس کی سزا ہے۔ دوسرا شخص شادی شدہ ہے اس لئے سنگسار کیا جانا چاہئے، تیسرا شخص غیر شادی شدہ ہے اس لئے اس پر حد جاری کی گئی، چوتھا شخص غلام ہے اس لئے اس پر آدھی حد جاری کی گئی، پانچواں شخص دیوانہ ہے۔ (مناقب)

(۱۵) ایک عورت کسی انصاری شخص پر فریفتہ تھی مگر حاجت براری کی کوئی راہ نہیں نکلتی تھی ایک دن جسم اور کپڑوں پر انڈے کی سپیدی ڈال کر حضرت عمر کی خدمت میں آئی اور شکایت کی کہ فلاں انصاری نے مجھے فلاں جگہ پکڑ کر رسوا کیا ہے۔ حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ اس انصاری کو سزا دیں۔ اس نے فریاد کی کہ میں بے قصور ہوں۔ حضرت عمر نے امیر المومنینؑ سے رجوع کی آپ نے عورت کے کپڑوں کی سپیدی کو دیکھا اور کھولتا ہوا گرم پانی منگا کر کپڑے پر ڈالا معلوم ہوا کہ یہ انڈے کی سپیدی ہے۔ عورت نے بھی بعد میں اعتراف کیا کہ میری ہی خطا ہے۔ (مناقب)

(۱۶) ایک لڑکے کو مدینہ میں یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ اے احکم الحاکمین میرے اور میری ماں کے درمیان حق فیصلہ فرما۔ حضرت عمر نے سرزنش کی کہ تم اپنی ماں کو کیوں کوس رہے ہو۔ لڑکے نے عرض کیا کہ میری ماں نے ۹ر مہینے مجھے شکم میں رکھا، دو برس تک مجھے دودھ پلایا، جب میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو مجھے نکال باہر کیا اور مجھ سے کنارہ کش ہوگئی۔ اس استغاثہ کے جواب میں عورت اپنے چار بھائیوں اور ۴۰ر گواہوں کے ساتھ حاضر ہوئی اور سب نے گواہی دی کہ یہ عورت اس بچے کو جانتی تک نہیں، یہ قطعی جھوٹا ہے اور زبردستی ماں بنا رہا ہے، چاہتا ہے کہ اس عورت کو قوم وقبیلہ میں رسوا کرے اس کی تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ بچہ کہاں سے آئے گا؟ حضرت عمر نے اس لڑکے کو مقید رکھنے کا حکم دیا جب تک گواہوں کے بیانات نہ ہو جائیں۔ اگر ان کی گواہیوں سے لڑکا جھوٹا نکلا تو اس پر تہمت تراشی کی حد جاری کی جائے گی۔ لوگ اُسے قید خانے کی طرف لے کر چلے راستہ میں امیر المومنینؑ تشریف لاتے نظر آئے لڑکے نے فریاد کی اے محمدؐ کے ابن عم مجھ مظلوم کی مدد فرمایئے آپ نے عمر سے پوچھا کہ کہئے تو میں اس کا فیصلہ کر دوں۔ کہا سبحان اللہ آپ سے بہتر کون فیصلہ کرے گا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے لڑکے سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ اُس نے اپنی سرگزشت دُہرائی کہ میں اس عورت کا لڑکا ہوں مگر یہ انکار کرتی ہے۔ آپ نے عورت سے دریافت کیا اُس نے مثل سابق انکار کیا۔ آپ نے عورت سے پوچھا کہ تمہارے گواہ بھی ہیں اُس نے کہا ہاں اور چالیس آدمیوں نے آگے بڑھ کر پہلی جیسی گواہی دی۔ آپ نے اس عورت سے دریافت کیا تمہارے کوئی ولی ہیں اُس نے کہا یہی میرے چاروں بھائی میرے ولی ہیں۔ آپ نے بھائیوں سے پوچھا تم اپنا حق ولایت مجھے دیتے

ہو۔ان سبھوں نے عرض کیا ضرور! ہم آپ کو مختار بناتے ہیں۔آپ نے چاروں بھائی اور تمام مجمع کو گواہ کر کے فرمایا کہ میں اس لڑکی کا عقد اس لڑکے سے کرتا ہوں چار سو درہم مہر پر اور مہر کی رقم ابھی ادا کئے دیتا ہوں۔قنبر! اتنے درہم لاؤ۔قنبر درہم لے کر آئے اور اس لڑکے کے آغوش میں ڈال دیئے۔آپ نے فرمایا تم اپنے ہاتھوں سے اپنی زوجہ کو دے دو اور دیکھو اب میرے پاس اُسی وقت آنا جب شادی شدہ ہونے کے علامات تم میں موجود ہوں۔اس لڑکے نے وہ درہم عورت کی آغوش میں ڈال دی اور ہاتھ پکڑ کر کہا اٹھو اب چلو۔وہ عورت چیخ پڑی۔حضور! رحم کیجئے، آپ مجھے میرے ہی بچے سے بیاہے دیتے ہیں۔یہ خدا کی قسم میرا ہی بچّہ ہے۔میرے بھائیوں نے کسی معمولی آدمی سے میری شادی کر دی تھی اور اسی سے یہ لڑکا پیدا ہوا۔جب لڑکا بڑا ہوا تو بھائیوں نے مجھے حکم دیا کہ اس سے کنارہ کشی کرلوں اور اس کی ماں ہونے سے منکر ہو جاؤں۔ (مناقب،کافی،تہذیب وغیرہ)

(۱۷) ابن قیم اپنی کتاب السیاست الشرعیہ میں لکھتے ہیں کہ ایک سیاہ فام شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور نکاح کے کچھ دنوں بعد کسی غزوہ میں گیا جہاں سے واپس نہ آیا تھوڑے دنوں کے بعد اس عورت نے سیاہ فام بچّہ جنا۔عورت پر نہایت شاق گزرا اور اسے نکال باہر کیا جب وہ لڑکا جوان ہوا تو حضرت عمر سے اس ستم کیشی کی فریاد کی۔حضرت عمر کو کوئی ثبوت لڑکے کے حق میں نہ ملا اور قریب تھا کہ عورت کے حق میں فیصلہ کر دیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ کو اندازہ مل گیا کہ عورت اخفائے حقیقت کی کوشش کر رہی ہے۔آپ نے لڑکے سے فرمایا کیا تمہیں پسند نہیں کہ میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہو جاؤں اور حسنؑ وحسینؑ تمہارے بھائی بن جائیں۔لڑکے نے کہا زہے نصیب۔آپ نے عورت کے عزیزوں سے کہا تم مجھے اس کا مختار بناتے ہو۔انھوں قبول کیا۔آپ نے فرمایا تو میں اس عورت کا نکاح اپنے اس فرزند سے اتنے مہر پر کرتا ہوں یہ سُن کر عورت پیچھے ہٹ گئی اور کہنے لگی یا علی جہنم سے بچایئے،خدا کی قسم یہ میرا لڑکا ہے صرف سیاہ رنگ ہونے کی وجہ سے میں اس سے منکر تھی۔

(۱۸) حضرت عمر کے پاس ایک لڑکی لائی گئی جس کے متعلق لوگوں نے گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے وہ لڑکی یتیم تھی ایک شخص کے پاس رہتی تھی وہ شخص زیادہ تر باہر رہا کرتا تھا جب وہ لڑکی جوانی کو پہنچی تو اس شخص کی زوجہ کو خوف ہوا کہ میرا شوہر کہیں اس سے بیاہ نہ کرلے اس نے لڑکی کو شراب پلا کر مدہوش کر دیا اور کچھ عورتوں کو بلایا جنھوں نے اس لڑکی کو پکڑا اور زوجہ نے اپنے ہاتھ سے اس کی بکارت زائل کر دی جب اس کا شوہر گھر آیا تو زوجہ نے لڑکی پر بدکاری کا الزام لگایا اور گواہی میں انھیں عورتوں کو پیش کیا جنھوں نے ازالہ بکارت میں اس عورت کی مدد کی تھی۔یہ قضیہ حضرت

عمر کے سامنے پیش ہوااور وہ اسے لئے ہوئے حضرت علیؑ کی خدمت میں آئے حضرت علیؑ نے اس شخص کی بیوی سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟ اس نے کہا ہماری یہ پڑوسنیں گواہ ہیں۔آپ نے تلوار نیام سے باہر نکال کر سامنے رکھ لی اور اُن سب عورتوں کو علیحدٰہ علیحدٰہ کمروں میں بند کر دیا۔ پھر اس شخص کی بیوی کو بلا کر پھر سے گفتگو کی اس مرتبہ بھی وہ اپنی بات پر جمی رہی آپ نے اسے اس کے کمرے میں واپس کر دیااور گواہ عورتوں میں سے ایک عورت کو بلایااور کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں علی ابن ابی طالبؑ ہوں اور یہ میری تلوار ہے اس شخص کی بیوی نے جو سچی بات تھی وہ کہہ دی ہے اور حق پر پلٹ آئی ہے میں اسے امان دے چکا ہوں، اگر تم سچ سچ نہ بیان کروگی تو یہ تلوار ہے اور تم ہو۔وہ عورت حضرت عمر کی طرف پلٹی کہ حضور سچ کہدوں گی تو امان مل جائے گی؟ حضرت علیؑ نے فرمایاامان چاہتی ہو تو سچ بات ہی زبان سے نکالنااس نے کہا خدا کی قسم وہ لڑکی بالکل بے گناہ ہے اس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر اس عورت کو اندیشہ ہوا کہ کہیں میرا شوہر مجھ سے نہ چھن جائے اس نے اسے شراب پلا کر ہم لوگوں کی مدد سے اس قسم کی بدسلوکی کی ہے۔حضرت نے اس بیان پر تکبیر فرمائی اور زوجہ پر جھوٹی تہمت کی حد جاری کی اور ازالہ بکارت کے جرم میں ۴۰۰/درہم دلوائے۔آپ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور آپ نے اس لڑکی کا عقد اس شخص سے کر دیا۔

(۱۹) حضرت عمر کے پاس ایک قضیہ پیش کیا گیا کہ ایک شخص کو اس کی سوتیلی ماں اور اس کے آشنا نے مل کر قتل کر ڈالا ہے حضرت عمر کو تردد ہوا کہ ایک کے بدلہ میں دو کو کیوں کر قتل کیا جائے۔حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ اگر کئی آدمی مل کر اونٹ چرالے جائیں اور اسے حلال کر کے بانٹ لیں تو کیا آپ سب کو سزا نہیں دیں گے؟ انھوں نے کہا ضرور۔آپ نے فرمایا تو ایسا ہی یہاں بھی ہونا چاہیئے۔حضرت عمر نے آپ ہی کے رائے کے مطابق حکم دیااور اپنے عامل کو لکھا کہ ان دونوں مرد وزن کو قتل کر ڈالو اگر پورے شہر کے بسنے والے بھی مل کر ایک آدمی کو قتل کیئے ہوتے تو میں سب کے قتل ہی کا حکم دیتا۔

(۲۰) حضرت عمر کے عہد میں دو شخصوں نے ایک غلام کو بیڑی پہنے دیکھا ایک نے کہا اگر اس غلام کی بیڑیاں اتنی وزنی نہ ہوں تو میری بیوی کو تہری طلاق دوسرے نے کہا اگر تمہاری بات سچ نکلے تو میری بیوی کو تین طلاق۔دونوں غلام اپنے آقا کے پاس آئے اور خواہش کی کہ تھوڑی دیر کے لئے بیڑی اُتار دو اُس نے کہا جب تک غلام اپنے بیڑیوں کے برابر صدقہ نہ دے دے میں بیڑی اُتاردوں تو میری بیوی کو تین طلاق۔یہ قصہ حضرت عمر کی خدمت میں پیش ہوا

آپ نے فرمایا کہ آقا اپنے غلام کا زیادہ حقدار ہے تمہیں دونوں اپنی بیویوں سے کنارہ کشی کرلو۔ یہ لوگ حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں آئے۔آپ نے فرمایا کہ ایک لگن لاؤ، آپ نے غلام کی بیڑیوں میں دھاگا باندھ دیا لگن میں پانی بھروا کر غلام کے دونوں پیر اس میں رکھے اور لگن میں پانی بھروادیا پھر آپ نے دھاگے کے ذریعہ بیڑیاں اوپر اٹھادیں اور لگن میں لوہے کا برادہ ڈالتے گئے یہاں تک کہ پانی کا نشان سابق جگہ پر آگیا۔آپ نے فرمایا کہ جتنا وزن اس لوہے کے بُرادے کا نکلے سمجھ لو کہ اتنا ہی وزن بیڑیوں کا ہے۔ (کتاب جواہر الفقہ قاضی عبدالعزیز ابن سراج طرابلسی)

(۲۱) حضرت عمر کے پاس ایک لڑکا لایا گیا جس کو اس کے باپ نے نکال دیا تھا اور اس کی ولدیت سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت عمر نے اس لڑکے کو سزا دینی چاہی۔حضرت امیرالمومنینؑ نے اس شخص سے دریافت کیا کہ کیا تم نے حالت حیض میں اپنی زوجہ سے مباشرت کی تھی اس نے اقرار کیا۔آپ نے فرمایا اسی لئے خدا نے اس لڑکے کو سیاہ فام پیدا کیا یہ لڑکا تمہارا ہی ہے خون نطفہ پر غالب آگیا اس لئے یہ سیاہ رنگ پیدا ہوا۔ (مناقب)

(۲۲) ایک شخص حضرت عمر کے پاس آیا اور بیان کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ اپنی بیوی کو طلاق دی تھی اور اسلام لانے کے بعد دو مرتبہ طلاق دے چکا ہوں تین طلاقیں ہو چکیں۔آپ کیا فرماتے ہیں۔حضرت عمر عاجز رہے۔ امیرالمومنینؑ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ اسلام نے اپنے پہلے کی باتیں رائگاں کر دی ہیں یہ عورت اب بھی تیری بیوی ہی ہے جب تک تم ایک مرتبہ اور طلاق نہ دو۔

(۲۳) حضرت عمر کے ایک فرزند عبدالرحمان جن کی کنیت ابوشحمہ تھی ایک رات کو انھوں نے مصر میں شراب پی۔ دوسرے دن عمروعاص سے آکر کہا میں نے شراب پی ہے مجھے حد مارو۔عمروعاص نے زجر و توبیخ کر کے چھوڑنا چاہا تو ابوشحمہ نے کہا اگر تم مجھے حد نہ مارو گے تو میں اپنے والد سے شکایت کروں گا۔پس عمروعاص نے مکان کے ایک گوشہ میں لے جا کر ان پر حد جاری کی۔حضرت عمر کو معلوم ہوا تو عمروعاص کو لکھا کہ تم نے میری رعایت سے مخفی طور پر حد کیوں ماری علانیہ سب کے سامنے اس فرض کو انجام دینا تھا، اب ابوشحمہ کو باندھ کر میرے پاس روانہ کر دو۔جب وہ مدینہ میں آئے تو حضرت عمر نے دوبارہ حد جاری کی اور اُسی سے اُنھوں نے انتقال کیا۔ یہ روایت عمروعاص کی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفا اور علامہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی اس کو نقل کیا ہے۔دوسری روایت جناب ابن عباس کی ہے جو صاحب تاریخ خمیس و صاحب ازالۃ الخفا و ریاض نضرہ وغیرہ نے اس طرح نقل کی

ہے کہ ایک دن حضرت عمر بہت سے آدمیوں کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ ایک جوان لڑکی نے ایک بچے کو لا کر حضرت عمر کی گود میں ڈال دیا اور کہا، حضور! یہ آپ کا بچہ میرے شکم سے ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ میں تو تجھے پہچانتا بھی نہیں۔ لڑکی رونے لگی اور عرض کی آپ کے صاحبزادے (ابوشحمہ) کا لڑکا ہے۔ حضرت عمر نے پوچھا حلال سے یا حرام سے۔ لڑکی نے کہا میری جانب حلال سے اور اُن کی جانب حرام سے۔ اے سرکار! میں ایک روز بنی النجار کے باغ کے پاس سے گذر رہی تھی کہ آپ کے صاحبزادے یہودیوں کی قربان گاہ میں سے شراب پی کر میرے پاس آئے مجھے ورغلایا اور باغ کی طرف کھینچ کے لئے گئے اور مجھ سے مطلب برآری کی۔ میں نے اس امر کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ زمان ولادت محسوس ہوا اور فلاں مقام پر جا کر میں نے اس کو جنا۔ اب حضور میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کیجئے جو حکم الٰہی ہو۔

حضرت عمر گھبرائے اور ابوشحمہ سے اقرار جرم کرا کے گریبان پکڑ کر مسجد میں لائے اور مسلمانوں سے فرمایا اے گروہ مسلمین اسے حد مارو۔ ابوشحمہ نے کہا۔ اے معاشر المسلمین جس نے زمانۂ جاہلیت یا اسلام میں مجھ جیسا فعل کیا ہو وہ مجھے حد نہ مارے۔ اس پر علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے اور حضرت امام حسنؑ سے فرمایا اس کا داہنا بازو پکڑ لو اور حضرت امام حسینؑ سے فرمایا تم اس کا بایاں بازو پکڑو، حضرت علیؑ نے سولہ دُرّے مارے تھے کہ ابوشحمہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بعد ازاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اُن سے فرمایا جب تم اللہ سے ملنا تو کہہ دینا مجھے اس شخص نے حد ماری ہے جس کے ذمہ کوئی حد نہیں۔ بعد ازاں[۱] حضرت عمر کھڑے ہوئے اور سَو دُرّے پورے کئے جس سے ابوشحمہ نے انتقال کیا۔

(ازالۃ الخفا، مقصد ۲، ص ۱۵۱)

۱۔ معلوم نہیں یہ امر واقع بھی ہوا یا صرف حضرت عمر کی بے مثل عدالت کا بہترین نقشہ کھینچنے کے لئے فرضی قصہ وضع کیا گیا ہے۔ اس واقعہ سے تفصیلی بحث سوانح عمری حضرت عمر حصہ دوم میں کی جا چکی ہے۔

پانچویں فصل

امیرالمومنین علیہ السلام اور تاریخ ہجری

منجملہ ان مہمات امور کے جن میں حضرت امیرالمومنینؑ نے خلیفۂ دوم کی رہنمائی کی ایک تاریخ کا مسئلہ بھی ہے۔حضرت عمر کے عہد تک مسلمانوں میں کسی سَن تاریخ کا تعیّن نہ تھا حضرت عمر سے پہلے خطوط و مکاتیب جو دیگر ممالک کی طرف روانہ کئے جاتے تھے یا خود سلطنت اسلامیہ کے حکام وعمال کو بھیجے جاتے وہ تاریخ سے خالی ہوتے۔ ۱۷ھ تک کسی تاریخ کے تعیّن کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی نہ کسی کو اس کا خیال پیدا ہوا۔آپس میں لوگ جب کسی خاص واقعہ کا ذکر کرتے یا کسی کی پیدائش کا حساب لگانا ہوتا تو کبھی عام الفیل سے حساب لگاتے۔جس سال ابرہہ نے خانۂ کعبہ پر ہاتھیوں کے ذریعہ یلغار کی تھی جو حضرت سرور کائناتؐ کی ولادت کا سال بھی تھا کبھی حربِ فجار سے حساب جوڑتے کبھی تعمیر خانۂ کعبہ سے حساب لگاتے یا اور دوسرے اسی قسم کے اہم اور مشہور واقعات کے سال سے۔شدید ضرورت تھی کہ متفقہ طور پر کوئی ایک سَن مقرر کرلیا جائے تاکہ باہمی مراسلت اور حکومت کے مکاتیب و فرامین میں اسی سن کے حساب سے تاریخ درج کی جائے۔حضرت عمر کے عہد میں یہ ضرورت بہت سختی کے ساتھ محسوس کی گئی۔بعض عاملوں نے لکھا کہ دربارِ خلافت سے اکثر فرامین آتے رہتے ہیں مگر اُن میں کوئی تاریخ درج ہونے سے پتہ نہیں چلتا کہ کون خط پہلے کا لکھا ہوا ہے کون بعد کا،کون حکم نامہ قدیم ہے کون جدید۔حضرت عمر نے اس پیچیدگی کو دور کرنے کے لئے اصحاب کا جلسہ کیا۔بعض لوگوں نے رائے دی کہ ایرانیوں نے جو تاریخ مقرر کررکھی ہے وہی ہم بھی اختیار کرلیں۔کسی نے کہا یہودیوں کی تاریخ اختیار کی جائے۔کسی نے رائے دی کہ سن عام الفیل بہتر ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ہم اسی سَن سے حساب لگایا کرتے تھے۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ جس سال پیغمبرؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی اسی سال سے تاریخ کی ابتدا قرار دی جائے کہ مدینہ آنے کے بعد اسلام نئے دور میں داخل ہوا اور مسلمانوں کو نئی زندگی نصیب ہوئی۔تمام مجمع نے آپ ہی کی رائے کو پسند کیا۔حساب لگانے پر معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کی ہجرت کو سولہ برس گذر چکے ہیں یہ سترھواں برس ہے چنانچہ وہ سال ۱۷ھ قرار پایا اور محرم کو سال کا پہلا مہینہ اور ذی الحجہ کو آخری مہینہ قرار دیا گیا۔ (مستدرک امام حاکم تاریخ ابن اثیر وغیرہ)

چھٹی فصل

خانۂ کعبہ کے زیورات

حضرت عمر سے بیان کیا گیا کہ خانۂ کعبہ کی دولت بے حساب ہے اگر خانۂ کعبہ سے وہ سب نکال لی جائے اور فوج کے ساز و سامان میں صرف کی جائے تو بے حد منفعت بخش ہوگی اور خانۂ کعبہ کو زیورات کی ضرورت بھی کیا ہے۔ حضرت عمر آمادہ ہو گئے حضرت امیر المومنینؑ سے اس کے متعلق مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کتاب الٰہی میں چار ہی قسم کے اموال کا تذکرہ ہے اور سب کے متعلق خداوند عالم کے صریحی احکام بھی مذکور ہیں ایک اموال مسلمین جسے خداوند عالم نے ورثہ میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے مال غنیمت جسے اس کے مستحقین میں تقسیم کیا ہے۔ تیسرے مال خمس خداوند عالم نے اسے جس کے لئے قرار دیا ہے وہ معلوم ہے۔ چوتھے صدقات مال وغیرہ اس کے مستحقین سے بھی آپ بے خبر نہیں۔ خانۂ کعبہ کے زیورات ان چار قسموں میں سے کسی میں بھی داخل نہیں۔ پیغمبرؐ کے زمانے میں بھی خانۂ کعبہ کے یہ زیورات موجود تھے مگر آں حضرتؐ نے انھیں چھوا تک نہیں بلکہ انھیں اسی طرح چھوڑ دیا نہ آں حضرتؐ سے وہ زیورات پوشیدہ تھے نہ آپؐ انھیں بھولے تھے۔ ظاہر ہے کہ پیغمبرؐ کے زمانے میں بہ نسبت آپ کے زمانے کے مسلمان زیادہ محتاج تھے، لشکر کے ساز و سامان میں زیادہ پیسوں کی احتیاج تھی لہٰذا آں حضرتؐ کا باوجود ان اسباب کے اُن زیورات سے تعرض نہ کرنا ثبوت ہے کہ آپ اس میں کسی قسم کے تصرف کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عمر نے فرمایا اے علیؑ اگر آپ نہ ہوتے تو بڑی رسوائی نصیب ہوتی۔ (ربیع الابرار علامہ زمخشری)

ساتویں فصل

کتب خانہ اسکندریہ کو تباہی سے بچانے کی کوشش

''حقیقت یہ ہے کہ صدر اسلام میں عربوں کو علوم وفنون سے کوئی لگاؤ نہ تھا یہی نہیں کہ انھوں نے علوم سے بے تعلقی کا اظہار کیا بلکہ وہ اپنی بدویت وعصبیت (یا بے سمجھے مذہب کی توہمانہ تاویل) کی وجہ سے علوم وفنون کی تباہی کے ذمہ دار بھی ہیں، اسکندریہ کا مشہور ومعروف کتب خانہ بھی انھیں فتوحات کے سلسلے میں تباہ ہوا، غلبہ اسلام کے زمانہ میں مصر اور خصوصاً اسکندریہ علوم و فنون کے اعتبار سے ایک بہت بڑا مرکز تھا چنانچہ مورخ قاضی ابوالقاسم صاعد بن احمد الاندلسی متوفی ۴۶۲ھ نے اپنی کتاب طبقات الامم میں لکھا ہے:

''طوفان نوح کے بعد سے مصر میں فلسفہ، ریاضیات، طبعیات، الٰہیات نیز نجات، علم مرایا ومناظر اور علم کیمیا وغیرہ وغیرہ کے بڑے بڑے علماء تھے اور بہت ہی قدیم زمانے سے مصر کا شہر منیف مرکزِ علم اور بادشاہ کے رہنے کی جگہ تھی۔ یہ جگہ فسطاط سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے لیکن جب اسکندر نے شہر اسکندریہ کی بنیاد ڈالی تو اس کی آب وہوا ومحل وقوع کی خوبی کی وجہ سے تمام لوگ اس شہر کو آباد کرنے کے لئے متوجہ ہو گئے اور اب یہی شہر اسکندریہ حکمت وعلم کا گھر ہو گیا یہاں تک کہ مسلمانوں کا غلبہ ہوا، عمرو عاص نے شہر فسطاط کو دریائے نیل کے کنارہ پر آباد کیا۔'' (طبقات الامم، ص ر ۶۰، مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر)

حاجی خلیفہ چلپی نے بھی اسی وضاحت کے ساتھ اس کا اقرار کیا ہے کہ مسلمانوں کے حملہ کے وقت مصر مرکز علم وحکمت تھا۔
(کشف الظنون، جلد اول، المقدمہ، ص ر ۲۴ طبع العالم مصر)

اسی شہر اسکندریہ کے بادشاہ ''بطلیموس سوئٹہ (Btalemusotes) متوفی ۲۸۳ قبل مسیح نے ایک کتب خانہ کی تاسیس کی تھی جس کو بعد کے ہونے والے علم دوست بادشاہ بطلیموس فیلا دلفس (Piremis Philadelphus) نے بہت زیادہ ترقی وتوسیع دی۔

ابن الندیم لکھتا ہے:

''اسحٰق راہب (ایک قدیمی مورخ) اپنی تاریخ میں بیان کرتا ہے کہ اسکندریہ کا بادشاہ بطلیموس فیلا دلفس نے جب علوم وفنون کی کتابیں جمع کرنی شروع کیں تو (اس عہد کے ایک باخبر عالم) زمیرہ (Zenodolus)

کو اس کا ناظم بنایا اس نے بڑی کوششوں کے بعد (۵۴۱۲۰) کتابیں فراہم کیں اور بادشاہ سے کہا کہ ابھی سندھ، ہند، فارس، جرجان، موصل، ارمینا، بابل اور روم میں بہت سی کتابیں باقی ہیں۔"

(الفہرس ابن الندیم ص ر ۳۳۴ طبع مصر)

جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ دنیا میں ابھی بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو یہاں نہیں ہیں تو وہ متعجب ہوا اور "زمیرہ" ناظم کتب خانہ کو کتابوں کے فراہم کرنے کا حکم دیا چنانچہ جب تک یہ بادشاہ زندہ رہا کتابوں کا اضافہ برابر ہوتا رہا اور دنیا کے ہر حصے سے کتابیں جمع کی گئیں۔

مشہور مورخ جمال الدین المعروف بہ ابن القفطی اپنی کتاب اخبار الحکماء میں لکھتا ہے:

"یحییٰ نحوی فتح مصر تک زندہ رہا وہ عمرو بن عاص کے پاس گیا، عمرو عاص کو یحییٰ کے علم وحکمت اور نصاریٰ پر بحث میں غالب آنے کے حالات معلوم تھے اس لئے اس کا احترام اکرام کیا۔ ابطال تثلیث و انقضاء و ہر پر اس کے منطقی و فلسفی دلائل سُن کر اُن کو حیرت ہوئی کیوں کہ اس وقت تک مسلمانوں کو ان علوم کی ہوا بھی نہیں لگی تھی عمرو عاص چونکہ خوش فہم و عاقل تھا اس لئے یحییٰ کو اپنے پاس ہی رکھا کہیں جانے نہیں دیا۔ ایک دن یحییٰ نے کہا کہ اسکندریہ پر آپ قابض ہو گئے ہیں اور اب ہر چیز کے آپ مالک ہیں جس سے آپ نفع اُٹھا سکتے ہیں اُن سے مجھ کو کوئی واسطہ نہیں لیکن جو چیزیں آپ کے کام کی نہیں ہیں اس کے ہم مستحق ہیں۔ عمرو عاص نے پوچھا کہ تم کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ کہا کتب حکمت کی جو شاہی کتب خانہ میں ہیں کیوں کہ ان سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہے ہم نفع اُٹھا سکتے ہیں۔ عمرو عاص نے دریافت کیا کہ اس کو کس نے جمع کیا تھا اور یہ کیسا کتب خانہ ہے؟ یحییٰ نے کہا کہ بطلیموس فیلا دلفس جو کہ شاہان اسکندریہ سے تھا اس کو علم کا بے حد شوق تھا اور علماء سے زیادہ محبت کرتا تھا اسی نے کتب علمیہ کا تفحّص کیا اور ان سب کو جمع کرنے کا حکم دیا تھا اور اس کام کے لئے خزانوں کو مخصوص کر دیا تھا، اس طرح یہ کتابیں جمع ہوئی تھیں اور ایک شخص زمیرہ نامی کو اس ناظم و مہتمم بنایا تھا کہ وہ اطراف عالم سے جس قیمت پر بھی ہو کتابیں خرید کر لاوے اور جمع کرے چنانچہ بڑی کوشش سے ایک مدت کے بعد (۵۴۱۲۰) کتابیں مختلف علوم وفنون کی جمع کیں۔ جب بادشاہ کو کتابوں کی تعداد معلوم ہوئی تو "زمیرہ" سے پوچھا کہ کیا ابھی دنیا میں اور بھی کتابیں ہیں جو ہمارے پاس نہیں ہیں، زمیرہ نے کہا ہاں سندھ، ہند، فارس، جرجان، ارمینیا، بال، موصل اور روم میں ابھی بہت سی کتابیں ہیں، شاہ بطلیموس کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی اور حکم دیا کہ کتابوں کے اضافہ کرنے میں برابر مشغول رہو چنانچہ اس بادشاہ کے مرتے دم تک

کتابیں اسی انہماک سے بڑھتی رہیں۔اس وقت سے یہ ذخیرہ محفوظ چلا آرہا ہے۔اور ہر ایک بادشاہ حاکم آج تک برابر اس کی نگہداشت کرتا رہا ہے یہ سُن کر عمرو عاص کو حیرت ہوئی اور یہ کہا کہ میں اس کے متعلق خود کوئی حکم اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک کہ اپنے امیر حضرت عمر سے اجازت نہ لے لوں۔جب ان کو کتب خانہ کی کیفیت سے آگاہ کیا تو وہاں سے حکم آیا ''اگر یہ کتابیں قرآن کے مطابق ہیں تو قرآن ہی ہمارے لئے کافی ہے اور ہم ان کتابوں سے مستغنی ہیں اور اگر قرآن کے مخالف ہیں تو ان کی ضرورت نہیں ہے ہر صورت میں برباد کر دو''اس حکم کے مطابق عمرو عاص نے ان کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کر دیا جو چھ مہینے تک جلتی رہیں۔

اسکندریہ کے حماموں کی تعداد پہلے مجھ کو یاد تھی لیکن اب یاد نہیں۔'' اخبار العلماء باخبار الحکماء، للقفطی المتوفی ۶۴۶ھ صفحات ۲۳۲ و ۲۳۳ طبع اول، مطبع سعادت مصر، ۱۳۲۶ھ وصفحہ/ ۳۵۴ و ۳۵۶ طبع لیپزک۔

صاحب فتاویٰ البزازیہ اور احراق مکتبہ اسکندریہ:

احراق مکتبہ اسکندریہ کا واقعہ اس حد تک پایہ تحقیق کو پہنچا ہوا ہے کہ اہلسنت کے مشہور امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز الکروری الحنفی صاحب فتاویٰ البزازیہ (المتوفی ۸۲۷ھ نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ ''غیر شرعیہ علوم قابل توجہ نہیں ہیں''اس واقعہ کو بطور حجت اور استدلال کے پیش کرنا اور مسئلہ فقہی کا اس سے استنباط کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ''ابن البزاز الکروری''اس کی تاریخی بنیاد و اسناد کو بہت مضبوط سمجھتے تھے، اگر ان کا ماخذ قابل اعتماد نہ ہوتا تو اس سے وہ ہرگز استدلال نہ کرتے چنانچہ علامہ موصوف اپنی کتاب ''مناقب الامام الاعظم'' کے جلد اول میں صفحہ/ ۳۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔

''لیکن علوم غیر شرعی وہ بالکل قابل توجہ نہیں ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ جب عمرو بن عاص نے اسکندریہ کو فتح کیا تو وہاں کے حکماء فلاسفہ میں سے ایک شخص یحییٰ نامی تھا جو فلسفیوں میں ''توماطیقوس'' کے لقب سے مشہور تھا اس پر خدا کی لعنت ہو یہ اسکندرانی مکتب خیال (Alexandriau School of Thouglit) سے تعلق رکھتا تھا اور عیسائیوں کے فرقوں میں سے یعقوبی عقیدہ کا پابند تھا۔لیکن بعد کو عقیدہ تثلیث سے منکر ہو گیا جس کی وجہ سے وہاں کے عیسائیوں سے اور اس سے خوب خوب مباحثے اور جھڑپ ہوا کرتی تھی جس کی وجہ سے وہ عیسائیوں کی نظروں سے گر گیا تھا۔جب عمرو عاص نے اسکندریہ فتح کیا تو یہ اُن کے ساتھ ہو گیا۔ایک روز اس

نے عمر و عاص سے یہ کہا کہ اب تو آپ اس سرزمین پر قابو پا چکے یہاں کی ہر اس چیز سے جن سے آپ نفع اُٹھا سکتے ہیں اُن سے اب ہمیں کوئی مطلب نہیں رہا لیکن جو آپ کے مفید مطلب نہیں ہیں اس کے تو ہم زیادہ حقدار ہیں۔عمر و عاص نے پوچھا تم کو کس چیز کی ضرورت ہے یحییٰ نے جواب دیا علم و حکمت کی وہ کتابیں جو شاہی کتب خانہ میں ہیں۔عمر و عاص نے جواب دیا کہ بغیر اپنے امیر کی اجازت کے کتابوں کے متعلق میں خود کچھ نہیں کر سکتا، پس عمر رضی اللہ عنہ نے عمر و عاص کو لکھا کہ ذکر کردہ کتابیں اگر قرآن کے مطابق ہیں تو قرآن ہمارے لئے کافی ہے اس لئے ہم ان کتابوں سے مستثنیٰ ہیں اور اگر یہ قرآن کے مخالف ہیں تو ان کی ضرورت نہیں ہے فوراً برباد کردو اس حکم کے بناء پر عمر و عاص نے تمام کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کر دیا جو چھ ماہ میں جل کر ختم ہوئیں (علامہ کروری کہتے ہیں) میں نے بسلسلہ فتوحات الشام دیکھا ہے کہ جب اسکندریہ فتح ہوا تھا اس وقت وہاں ایک ہزار حمام تھے اور بارہ ہزار کنجڑے کبڑیے تھے جو سبزی فروشی کرتے تھے۔

(کتاب الامام الاعظم الکروری، جلد اول، ص ر ۳۷ طبع اول مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد ۱۳۲۱ھ)۔"

اس واقعہ کو متعدد و معتبر و مستند مورخین و مصنفین نے لکھا ہے۔ابن القفطی اور علامہ ابن البزار الکروری کے علاوہ سب سے زیادہ مشہور ابوالفرج ملطی معروف بہ ابن عبری، شیخ عبداللطیف بغدادی، علامہ مقریزی اور علامہ طاش کبریٰ زادہ ہیں، ابو الفرج ملطی نے اس کو اپنی کتاب مختصر الدول (جلد اول، ص ر ۱۸۰ طبع اکسفورڈ) میں تحریر کیا ہے۔اس کی عبارت ابن القفطی کی عبارت سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے.....

طاش کبریٰ زادہ کا بیان: علامہ احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبریٰ زادہ متوفی ۹۶۲ھ جو علوم و مصنفات اسلامیہ کے ایک بے نظیر محقق تھے اور جنھوں نے موضوعات علوم پر مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ ایسی بے مثل کتاب لکھی ہے وہ بھی واقعہ احراق مکتبہ اسکندریہ کو قبول کرتے ہیں موصوف نے اگرچہ اختصار کے ساتھ لکھا ہے لیکن ابن القفطی اور ابن العبری کے بیان کے مطابق ہے ملاحظہ ہو:

"عمر و عاص نے جب اسکندریہ کو فتح کیا تو اُن کو وہاں ایک کتب خانہ بھی ملا، عمر رضی اللہ عنہ سے کتابوں کے بارے میں مشورہ طلب کیا، موصوف نے عمر و عاص کو لکھا کہ اگر یہ کتابیں قرآن کے موافق ہیں تو قرآن ہمارے لئے کافی ہے اور ان کتابوں سے ہم مستثنیٰ ہیں اور اگر یہ کتابیں قرآن کے مخالف ہیں تو ہم کو ان کی ضرورت نہیں ہے فوراً برباد کردو۔اس حکم کی بناء پر عمر و عاص نے تمام کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں میں تقسیم کر دیا جو چھ ماہ کی مدت میں جل کر ختم ہوئیں۔

فتوحات الشام میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب اسکندریہ فتح ہوا تھا اُس وقت وہاں ایک ہزار حمام اور بارہ ہزار بقال تھے۔
(مفتاح السعادہ ومصباح السیادۃ، جلد اول ص ر ۲۴۱ طبع اول حیدرآباد)

حضرت علیؑ نے کتب خانہ اسکندریہ کو بچانا چاہا: تاریخ سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ نے خلیفہ ثانی کو اس اقدام سے روکا تھا اور یہ مشورہ دیا تھا کہ یہ کتابیں تباہ و برباد نہ کی جائیں کیوں کہ ان سے بھی اسلام کی تائید ہوگی چنانچہ ''تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ مؤلفہ علامہ محمد رشید رضا مدیر المنار[۱] میں ہے کہ:

واعظم من ذالك كله الاثر الماثور عن سيدنا علی علیہ السلام فيما استشار به علی سيدنا عمر رضی الله عنه بعد احراق خزانة الكتب بالاسكندرية وقال انها علوم ليست تخلاف القرآن العزيز بل تعاضده وتفسره احق التفسير الاسراره الغامضة الدقيقة وهو قول معروف عند وقد اخرج الخبر به مفصلا الحكيم المورخ الاسلامی القاضی الاندلسی فی طبقات الامم فيما نقل عنه العلامه المحدث ابن عيش القريشی التيمی فی بعض مقاطبع القسم الاول الجزء الاول من كتاب الكشف عن الغثاثة فليرجع اليه۔

اس سلسلہ میں تمام باتوں سے زیادہ عظیم تر وہ قول ماثور ومشہور ہے جو سیدنا حضرت علیؑ نے حضرت عمر سے کتب خانہ اسکندریہ کو نہ جلائے جانے کا مفید مشورہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا'' دیکھو یہ کتابیں ذخائر علوم ہیں اور قرآن حکیم کے مخالف نہیں ہیں بلکہ اُس سے قرآن کی تائید ہوگی اور رموز و دقائق قرآن کی پوری پوری طرح تفسیر کرنے میں یہ مددگار ومعین ہوں گی۔'' حضرتؑ کا یہ مشورہ دینا بہت مشہور ہے اس خبر کا مفصّل ذکر مؤرخ اسلام، فلسفی دہر قاضی صاعد اندلسی نے اپنی کتاب طبقات الامم میں کیا ہے جیسا کہ علامہ محدّث ابن عیش قریشی تیمی نے اپنی کتاب ''الکشف عن الغثاثہ'' کے جزاول میں نقل کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔
(تاریخ محمد عبدہ جلد اول طبع اول ص ر ۵۳۵ طبع المنار ۱۳۵۰ھ الکتب والمکتبات مولوی سبط الحسن صاحب فاضل ہنسوی)

۱۔ فرقہ اہل سنت کے مشہور متکلم نواب محسن الملک نے جامعہ از ہر مصر کے متعلق ایک اصلاحی مقالہ عربی میں تحریر کیا تھا جو مصر کے مشہور مجلہ علمیہ المنارؔ کے ۱۳۱۳ سنہ ہجری کی جلد میں شائع ہوا تھا اس میں نواب محسن الملک نے مؤرخ شہیر قاضی صاعد اندلسی کے حوالہ سے امیر المومنینؑ کے اس مشورہ کو بھی نقل کیا ہے۔ اس مضمون کی افادیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصری محقق علامہ محمد رشید رضا مدیر المنارؔ نے اپنی قابل قدر کتاب ''تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ'' میں تائیدی نوٹ کے ساتھ ولم اناحشه فی شی منها۔ بہ تمام وکمال نقل فرمایا ہے جس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ نواب محسن الملک صاحب آیات بینات اور علامہ رشید رضا صاحب وتصانیف کثیرہ کی تحقیق میں بھی باوجود حضرت علیؑ کے منع کرنے کے کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمر کے حکم سے جلا دیا گیا۔'' (الکتب والمکتبات مولوی سبط الحسن ہنسوی)

آٹھویں فصل

حضرت امیر المومنینؑ اور اہل بیتؑ کی تباہی و بربادی کے مزید انتظامات

خلیفۂ اول و دوم کے ہاتھوں بنی اُمیّہ کا تسلّط اسلام کی گردن پر

''بنی اُمیہ اور بنی ہاشم کی خاندانی عداوت تاریخ عرب کا نمایاں باب ہے، بنی ہاشم کی نیک نفسی ایثار و شرافت نے ان کو عرب کا سردار بنا دیا تھا اور بنی امیہ جو صفات حسنہ کے ذریعہ سے اپنے حریفوں پر سبقت نہ لیجا سکتے تھے خفیہ سازشوں میں مصروف رہتے تھے، اسلام کی بڑھتی ہوئی ترقی نے گو ان کے حوصلوں کو پست کر دیا تھا اور اب حصول اقتدار کی تمام تجویزیں بظاہر ناکام نظر آتی تھیں مگر اونٹ کا گوشت کھانے والے عرب کی آتش انتقام اس قدر کمزور نہ تھی کہ آسانی سے بجھ جاتی۔ اور ممکن تھا کہ جاہلیت کے جھگڑوں کو بھلا دیا جاتا۔ مگر جنگ بدر و احد و حنین کے تازہ زخم ایسے نہ تھے کہ اتنی جلد مندمل ہو جاتے، وہ بنی امیہ جو صدیوں سے بنی ہاشم کے زوال کا خواب دیکھ رہے تھے جن کی دولت و ثروت، فہم و فراست کے ساتھ مل کر اپنے درویش منش اور شریف طبیعت حریفوں پر غالب آنے کے تمام انتظامات مکمل کر چکی تھی۔ اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ خدا کا آخری نبی اُن کے رقیبوں کے گھر میں پیدا ہو، اُن کا خیال تھا کہ بنی ہاشم نے حصول اقتدار کے لئے یہ نیا جال بچھایا ہے، رسوؐل اسلام نے خدا کا آخری پیام سنانا شروع کیا اور بنی امیہ نے دل کھول کر مخالفت کی مگر قدرت کے سامنے کسی کا بس نہ چل سکا، اسلام دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا گیا۔

جب طاقت کا مظاہرہ، مال و دولت کا لالچ اور معاشرتی بائیکاٹ، پیغمبر اسلاؐم کے استقلال میں فرق نہ لا سکا اور مدینہ والوں کی مدد سے حضرؐت کی قوت میں اضافہ ہوتا گیا تو بنی اُمیہ نے عرب کی قسمت کا فیصلہ کھلے ہوئے میدان جنگ میں کرنا چاہا مگر جب قدرت نے یہاں بھی اُن کا ساتھ نہ دیا تو بادل ناخواستہ اسلام کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو گئے۔

حالات موجود ہیں اور تاریخ کے صفحات ایسے واقعات سے پُر ہیں جن سے ثابت ہو سکتا ہے کہ بنی امیہ نے مذہب تو بدل دیا تھا مگر اُن کے دل ابھی تبدیل نہ ہوئے تھے، اُن کی زندگی کے بہت سے لمحے اسی فکر میں بسر ہوتے تھے کہ بنی ہاشم کی بڑھتی ہوئی قوت کو کس طرح روکا جائے رسوؐل خدا کی زندگی میں اس قسم کی سازشوں کا کامیاب ہونا مشکل تھا مگر اُن کی وفات اپنے ساتھ انقلاب لے کر آئی اور ہندوستان کے ایک مشہور مصنف کی لفظوں میں ''مسلمانوں نے اپنے رسوؐل کو دفن کرنے سے

پہلے اُن خصائل وصفات کو دفن کر دیا جو رسوؐل اُن کے اندر پیدا کرنا چاہتے۔'' انقلاب آیا اور طاقت بنی ہاشم کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے ہاتھوں میں چلی گئی مگر بنی اُمیہ اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ ابوسفیان علیؑ کے دروازے پر کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ ''علیؑ آپ خاموش کیوں ہیں میدان عمل میں آیئے کہیں ہوسکتا ہے کہ آپ کی موجودگی میں عرب کسی دوسرے کے سامنے سر جھکا دیں۔ مجھے حکم دیجئے میں مدینہ کی گلیوں کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں گا۔ پھر دیکھوں گا کہ وہ کون ہے جو آپ کے مقابلہ پر آتا ہے۔'' علیؑ خاموش تھے، بنی امیہ کے بوڑھے سردار کی سیاسی چال کا تجزیہ کر رہے تھے اُن کی پیشانی پر غور وفکر کی شکنیں نمایاں تھیں، اُنھوں نے کبھی وقت کی نزاکت کا جائزہ لیا، کبھی اپنے حقوق پر نظر ڈالی، کبھی ابوسفیان کے مشورے کو تول کر دیکھا، بس علیؑ کے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ مدینہ میں انقلاب پیدا کر سکتا تھا، ابوسفیان کا یہ فقرہ کہ میں مدینہ کی گلیوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا۔ اپنے اندر ایک وزن رکھتا تھا، جاہلیت کا سردار اپنے کھوئے اقتدار کو حاصل کرنے کے لئے علیؑ کی شخصیت سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا وہ غور سے علیؑ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور منتظر تھا کہ علیؑ اشارہ کر دیں تو میں مسلمانوں کی نئی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا یکا یک نوجوان ہاشمی نے اپنا وہ سر جو غور وفکر کی وجہ سے جھک گیا تھا بلند کیا اور ابوسفیان پر سر سے پیر تک ایک نظر ڈالی، اُن کے لبوں پر ایک مسکراہٹ تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُنھوں نے کوئی فیصلہ کر لیا ہے۔ ابوسفیان نے پھر پوچھا علیؑ بتاؤ تو سہی؟ کیا فیصلہ کیا ہے؟ علیؑ نے مسکراتے ہوئے فرمایا! ابوسفیان آپ اسلام کے خیرخواہ کب سے ہوئے؟ مختصر سا جواب تھا مگر رومی سردار کی امیدوں کو خاک میں ملانے کے لئے کافی تھا۔ ادھر سے ناامید ہو کر اُس نے حکومت سے ساز باز کی اور دانستہ یا نادانستہ طور پر حکومت کی مصلحت نے یہ گوارا کر لیا کہ شام کا زرخیز علاقہ ابوسفیان کی اولاد کی جولانگاہ بن جائے، فتح ہونے کے بعد فوراً ہی شام کا علاقہ بنی امیہ کی زیرنگیں ہوگیا۔

تاریخ کے مطالعہ سے آپ بآسانی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اسلامی سیاست کی اس زبردست غلطی سے بنی امیہ نے کیا فائدہ اُٹھایا اور دمشق کس طرح مغربی ایشیا کا قلعۂ موت بن گیا جہاں بیٹھ کر وہ اپنے حریفوں کو تلوار اور زہر کی دھمکیاں دیتے تھے۔ جب تک حصول اقتدار کے لئے جدوجہد جاری رہی ان لوگوں نے اسلام کی نقاب چہروں پر ڈالے رکھی اور کبھی مال وزر کے لالچ سے، کبھی پروپیگنڈے کی مدد سے سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے دام میں پھنساتے رہے۔ لیکن جب اقتدار حاصل ہوگیا تو دلوں کی بات زبان پر آگئی۔ تاریخ کے صفحات اُلٹیے اور دیکھئے کہ ابوسفیان حضرت عثمان کی خلافت کے زمانے میں بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے ''ہاشمیوں آؤ اور دیکھو کہ حکومت کی گیند سے ہمارے بچے کھیل رہے ہیں۔''

وقت تھا کہ ابوسفیان رسوؐل کے دربار میں جان کی امان مانگنے کے لئے آیا تھا ایک زمانہ وہ بھی آیا جب اس کی

جرأتیں اس قدر بڑھ گئیں کہ وہ حسین ابن علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر جنت البقیع میں لے گیا اور موت کی گہری نیند سونے والے ہاشمیوں کو آواز دے کر کہنے لگا ''آج تم ہوتے تو دیکھتے کہ خلافت اور حکومت ہمارے خاندان میں لوٹ آئی۔'' (فلسفۂ آلِ محمدؐ، مولانا ابن حسن صاحب جارچوی)

حضرت ابوبکر وعمر کا یہ وہ زبردست انتظام تھا جس نے خاندان رسُول کی تباہی کا مستقل سامان کر دیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں خود خلیفہ ہو کر اور حضرت علیؑ کو محروم کر کے اہلبیتؑ کی عافیت کا ایک اور دروازہ بند کر دیا تو بنی امیہ کو شام کی حکومت دے کر اُن کے سانس لینے کا دوسرا دروازہ بھی مقفل کر دیا۔ مدینہ میں اہل بیتؑ کی عزت، شان، قوت سب ختم ہوگئی اور شام میں ان حضرات کی خوں ریزی تباہی کے قلعے روز بروز مستحکم ہوتے گئے۔ بس اب بنو امیہ دیں اور اہل بیت لیں۔ حضرت ابوبکر وعمر نے جناب سیّدہ اور جناب امیرؑ پر جو عنایتیں کیں اُن کو مختصر طور پر اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد جو کمی رہ گئی تھی وہ اس طرح پوری کی گئی کہ بنی امیہ ایسے دشمن خاندان بنی ہاشم کو شام پر مُسلّط کر دیا کہ اطمینان سے وہاں اپنی طاقت بڑھاتے رہیں اور جب وقت آئے تو وہ کر دکھائیں جس پر مسلمان قیامت تک روتے رہیں، مدینہ میں حضرت ابوبکر وعمر خود قابض حکومت رہے اور جاتے وقت بنی امیہ ہی کے رکن حضرت عثمان کے حوالہ کر جانے کا انتظام کر دیا اور شام پہلے ہی سے اُنھیں بنی امیہ کے قبضے میں دے دیا گیا تا کہ اسلامی سلطنت کے دونوں زبردست ناکے اہلبیتؑ کی مخالفت میں متحد رہیں۔ کیا حضرت ابوبکر وعمر کو خبر نہیں تھی کہ خاندان بنی اُمیہ اسلام کا شدید ترین دشمن ہے؟ کیا وہ جانتے نہیں تھے کہ اس خاندان نے اسلام کو مٹا دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا؟ کیا اُن کو علم نہیں تھا کہ خاندان بنی امیہ رسُول کی ذات اور حضرت کے مذہب دونوں ہی کے خون کا پیاسا رہا اور اب بھی ہے؟ کیا وہ رسُول کی اُن مصیبتوں کو بھول گئے تھے جو اُنھیں بنی اُمیہ کے ہاتھوں اسلام اور مسلمانوں کو اُٹھانا پڑی تھیں؟ کیا قرآن مجید کی یہ آیۃ الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃً طیّبۃً کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السّماء۔ (تم نے دیکھا نہیں کہ خدا نے کیسی مثل بیان کی کہ کلمہ طیبہ مثل شجرۂ طیبہ کے ہے جس کی جڑ مضبوطی سے قائم اور اُس کی شاخ آسمان پر پہنچ گئی) ان کے علم میں خاندان رسُول کی شان میں نازل نہیں ہوئی تھی؟ حالانکہ معاویہ کے پوتے معاویہ بن یزید تک نے اپنے خطبے میں اقرار کیا ہے کہ شجرۂ طیبہ سے خاندان رسُول علیؑ و فاطمہ، حسنؑ و حسینؑ مراد ہیں (حیواۃ) حیوان جلد اول، ص ر ۵۴) اور کیا اُن کو اس کی خبر نہیں تھی کہ اس کے مقابل کی دوسری آیۃ و مثل کلمۃ خبیثۃٍ کشجرۃ خبیثۃٍ۔ (کلمہ خبیثہ مثل شجرۂ خبیثہ کے ہے) خدا نے خاص بنو امیہ کے لئے نازل فرمائی و الشجرۃ الملعونۃ فی القراٰن...... لا خلاف بین احد انہ ارادبھا بنی امیّہ، وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی...... اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ خدا کی مراد اس ملعون خاندان سے خاندان بنی امیۃ ہے۔ (پ ر ۱۵، رکوع ر ۶ و تاریخ طبری حصہ ر ۳، جلد ر ۴، طبع لیدن) کیا ان

دونوں صاحبوں کو معلوم نہ تھا کہ حضرت رسولؐ نے ابوسفیان اور معاویہ کو طلقاء سے فرمایا تھا جن کا خلافت میں کوئی حق ہو ہی نہیں سکتا تھا؟ مولوی وحید الزماں صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں ''آں حضرتؐ حنین کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ وہ لوگ بھی تھے جن کو آپ نے مکہ فتح ہوتے وقت آزاد کر دیا تھا اُن کو قید کر کے لونڈی غلام نہیں بنایا تھا ان لوگوں کو طلقاء کہتے تھے ابوسفیان اور معاویہ بھی ان ہی لوگوں میں تھے نہ وہ مہاجرین میں سے تھے نہ انصار میں سے۔ اب یہ بعض امویوں کی صریح غلطی ہے کہ جو آیتیں یا حدیثیں مہاجرین و انصار کی فضیلت میں وارد ہیں اُن سے معاویہ اور ابوسفیان کی فضیلت ثابت کرتے ہیں معاویہ اور ابوسفیان نہ سابقین اولین میں سے ہیں نہ تبعین باحسان میں سے بلکہ ساعین الی البغی والعدوان۔ (بغاوت اور سرکشی کی کوشش کرنے والوں) میں سے ہیں امام نسائی نے فرمایا معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہوئی سوائے ایک حدیث کے کہ اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے اور یہ دعا آپ کی معاویہ کے حق میں قبول ہوئی اُن کے سامنے ستر طرح کے کھانے رکھے جاتے وہ کھاتے کھاتے تھک جاتے پر اُن کا پیٹ نہ بھرتا۔ (انوار اللغتہ پارہ/۱۶، ص/۳۷)

قابل غور یہ ہے کہ جب بنوامیہ اور ابوسفیان کی علانیہ مخالفت خدا اور رسولؐ اور عداوت اسلام و ایمان سے حضرت ابوبکر و عمر خوب واقف تھے اور یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ لوگ دل میں اسی سابق مذہب پر ہیں صرف جان کی حفاظت یا دنیا کی ریاست کے لئے دائرۂ اسلام میں آئے ہیں تو کیوں اُن کو سر چڑھایا اور شام ایسے زرخیر طاقتور، مفسد اور شریر پرور صوبہ کی حکومت ان کے حوالہ کر دی۔ یہ دونوں حضرات پیغمبر خداؐ کے ساتھ مدتوں رہے اور بنی امیہ کے متعلق حضرتؐ کے ارشادات سنا کئے اُنھوں نے آخر کس مصلحت سے بنی امیہ کو مسلمانوں پر مُسلّط کر دیا خود حضرت عمر نے یہ حدیث بیان کی ہے عن عمر بن الخطاب فی قولہ تعالیٰ "الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا" قال ھما الافجران من قریش بنو المغیرۃ و بنی امیّہ۔ قرآن مجید کی آیت کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے خدا کی نعمت کو چھوڑ کر کفر اختیار کرلیا'' کے متعلق حضرت عمر فرماتے تھے کہ اس سے قریش کے دو نہایت بدمعاش خاندان مراد ہیں وہ بنی مغیرہ اور بنواُمیہ ہیں۔ (منتخب کنز العمال، جلد/۱، ص/۴۵۲) قالت بنت الحکم قلت لجدّی الحکم ما رایت قومًا کانوا اعجز ولا اسوء رایا فی امر رسول اللہ منکم یا بنی امیّہ۔ حکم کی بیٹی کہتی تھیں کہ میں نے اپنے دادا حکم سے کہا رسولؐ خدا کے بارے میں بنوامیہ سے زیادہ عاجز اور مخالفت میں نے کسی قبیلہ کو نہیں پایا۔ (منتخب کنز العمال، جلد/۴، ص/۲۸۸) عن ابن مسعود قال ان لکل دین اٗفۃ و اٗفۃ ھذا الدّین بنو امیّۃ۔ جناب ابن مسعود کہتے تھے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہر مذہب کے لئے کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور ہوتی ہے۔ اور اس مذہب اسلام کی مصیبت بنوامیہ ہیں۔ عن سعید بن

المسیب قال رای النبی بنی اُمیّة فی منا برھم فساء ذالك فاوحی الله الیه انما ھی دینا اعطوھا فقرت عینه وھو قوله تعالیٰ وما جعلنا الرویا الّتی اریناك الّا فتنة للناس۔سعید بن مسیب کہتے تھے کہ حضرت رسولؐ خدا نے خواب میں دیکھا کہ بنی امیہ منبروں پر چڑھے ہوئے ہیں حضرت کو اس سے بڑا صدمہ ہوا تو خدا نے وحی نازل کی کہ یہ صرف دنیا ہے جس پر ان لوگوں نے قبضہ کرلیا ہے یا جو ان لوگوں کو اول و دوم سے ملی ہے (وہ لوگ مذہب کے منبروں پر نہیں چڑھ سکتے) اس پر حضرت رسولؐ کو تسکین ہوگئی اور وہ خدا کا یہ قول ہے کہ اے رسولؐ ہم نے تم کو جو خواب دکھایا وہ آدمیوں کے فتنے وفساد کی تصویر کھینچنے کے لئے۔(منتخب کنز العمال، جلد ۵،ص ۳۰۴) عن بجاله قال قلت لعمران بن حصین حدثنی عن الخض الناس الیٰ رسول الله قال تکتم حتی اموت قلت نعم قال بنو اُمیّه و ثقیف و بنو حذیفه۔بجالہ کہتے تھے کہ میں نے عمران بن حصین سے کہا کہ بتاؤ حضرت رسولؐ خدا سب سے زیادہ کس کو بُرا سمجھتے تھے اور سب سے زیادہ کس کو اپنا دشمن جانتے تھے۔عمران نے جواب دیا کہ اگر تم وعدہ کرو کہ میری زندگی بھر یہ بات کسی سے نہ کہو گے تو میں بتادوں۔میں نے کہا ہاں نہیں کہوں گا۔عمران نے کہا وہ بنو امیہ وثقیف و بنو حذیفہ ہیں۔(منتخب کنز العمال، جلد ۵،ص ۴۲۳)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بنی امیہ شروع ہی سے پیشانیٔ اسلام پر کلنک کا ٹیکہ رہے باوجود اس کھُلی ہوئی بات اور آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کے حضرت ابوبکر وعمر نے اُنھیں بنو امیہ کو کیوں اتنا سر چڑھایا؟ کیوں ان لوگوں کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنادیا؟ کیوں اُن کو رعایا کی جماعت سے نکال کر حکام کے زمرہ میں جگہ دے دی؟ دونوں نے یزید بن ابی سفیان کو شام کی حکومت کیوں حوالے کردی؟ اور اُس کے مرنے پر پھر حضرت عمر نے اُسی کے حقیقی بھائی معاویہ کو بھی وہاں کا گورنر کیوں بنادیا؟

حضرت عمر کا اپنے عہد حکومت میں ہمیشہ یہ طرزِ عمل رہا کہ ایک حاکم کے مرنے پر اس کے رشتہ دار کو اس کا جانشین نہیں کیا مگر ابوسفیان و بنی امیہ کی اہمیت آپ کی نگاہوں میں اتنی زیادہ تھی کہ صوبہ شام کے معاملہ میں آپ نے اپنے دستور العمل کے مخالفت کی بھی پروانہ کی۔

''حضرت علیؑ تو خیر اُن کی آنکھوں میں کھٹکتے تھے اگر خالد بن ولید کو شام کا صوبہ حوالے کردیتے تب بھی ہم کہتے کہ سرحدی علاقہ تھا ایک اچھے جنرل کے سپرد کردیا گیا۔یزید ابن سفیان ومعاویہ ابن سفیان کو اتنا بڑا ملک کیوں دیا گیا؟ وکلائے حکومت اس کا کوئی تسلّی بخش جواب نہیں دے سکتے اور ہم بتاتے ہیں کہ ایسا کیوں کیا۔کارکنانِ حکومت نے سمجھا کہ یہ خاندان ہی ایسا ہے جو ہمیشہ کے لئے بنو ہاشم کی جان ومال سے مخالفت کرے گا اپنے پُرانے کینے یاد کرکے اُن سے لڑے گا۔اپنے

پرانے بتوں کی تباہی کا خیال کر کے اس کی آنکھوں میں خون اُتر آئے گا محض ہماری خاطر ہی سے نہیں بلکہ اپنی طرف سے اور اپنی وجہ سے یہ بنو ہاشم کی جڑ اُکھاڑنے میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ اگر احیاناً کبھی مدینہ کی خلافت علیؑ کو مل بھی گئی تو ہم نے ایسے خاندان کو شام میں مضبوط کر کے بٹھا دیا ہے کہ وہ علیؑ کو چین سے بیٹھنے نہیں دے گا...... یہ امیہ نوازی یہیں ختم نہیں ہوئی شوریٰ کے پیچ در پیچ ایسی تجویز تھی کہ سوائے بنی اُمیہ کے خلافت کہیں اور جا ہی نہیں سکتی تھی۔ مکمل تجویز تو یہ تھی کہ حضرت عثمان کے بعد معاویہ خلیفہ ہوتے مگر حضرت عثمان کی ناعاقبت اندیشی نے ذرا سا موقع بنی ہاشم کو دے دیا پھر بھی وہ تجویز مکمل ہو کر رہی آخر کار معاویہ خلیفہ ہو ہی گئے اور خلافت بنی امیہ میں چلی گئی۔ تجویز شوریٰ میں بھی عبداللہ بن عمر ایک نہایت پر جوش کارکن تھے بلکہ ثالث مقرر کئے گئے تھے اور اس کے بعد بھی وہ اپنے والد بزرگوار کی پالیسی کے نگراں و محافظ رہے۔ جب شہادت امام حسینؑ کے بعد مدینہ والوں نے یزید کی بیعت توڑنی شروع کی تو عبداللہ بن عمر بگڑ گئے اور اپنی اولاد اقارب کو جمع کر کے فرمایا کہ خبردار اگر تم نے خلع بیعت کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں۔ ان کو بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح جناب رسُول خدا کی حدیث وقت پر یاد آ گئی فرمانے لگے کہ جناب رسُول خدا کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک باغی کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور اس پر لکھا جائے گا کہ یہ شخص فلاں شخص کا باغی ہے.........گویا جس نے شیطان کی بیعت ایک دفعہ کر لی اس کو عمر بھر اسی کی بیعت میں رہنا چاہئے جلدی میں اتنا سوچنے کا وقت کہاں تھا گھبرا گئے باپ کے لگائے ہوئے درخت کے پھل ابھی تو گدرانے شروع ہوئے تھے ابھی سے لوگوں نے خلع بیعت کا ذکر چھیڑ دیا۔

امر واقعہ تو یہ ہے کہ بنو ہاشم کو دبا کر رکھنے کی پالیسی ہر ایک صوبے کے گورنر مقرر کرنے کے وقت ملحوظ خاطر رہتی تھی۔ عمرو بن عاص مصر میں، ابوموسیٰ عشری بصرہ میں، مغیرہ بن شعبہ کوفہ میں بنی ہاشم کہیں نہیں۔ بنو ہاشم کا محض ایک قصور تھا اور وہ یہ کہ وہ جناب رسُول خدا کے قرابتداروں میں سے تھے۔ یہ مخالفت رسُول نہیں تو کیا ہے۔ کرتو رہے تھے مخالفت علیؑ، ہو گئی مخالفت رسُول۔ اسی لئے حضرت علیؑ کو ہم نفس رسُول کہتے ہیں ایک کی مخالفت کرو تو دوسرے کی خود بخود مخالفت ہو جاتی ہے۔''

(البلاغ المبین، جلد دوم)

تیسرا باب

شوریٰ

''یہ وہ آخری تدبیر تھی جس سے حق کو ہمیشہ کے لئے مغلوب کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس سے خلافت کا رُخ آل رسوؐل کے دشمنوں کی طرف کر دیا گیا، جس میں حضرت علیؑ کے قتل کی طرف اشارہ کر کے یہ سیاسی اصول قائم کیا گیا اور آئندہ آنے والے جانشینوں کو بتایا گیا کہ ہماری حکومت کبھی مستقل اور بے خطرہ نہیں رہ سکتی جب تک کہ خاندان نبوت میں سے کوئی امیدوار باقی ہے اور سیاسی اصول کو مدنظر رکھ کر یزید نے امام حسینؑ سے بیعت طلب کی اور بصورت انکار قتل کر دیا بعینہ یہی حالت شوریٰ میں حضرت عمر نے حضرت علیؑ کے لئے پیدا کر دی تھی۔ واقعات شوریٰ ہمارے مضمون زیر بحث پر بہت اہم روشنی ڈالتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں تمام تفرقوں اور خونریزیوں کے باعث اور اُن کے منبع ومخرج یہی دو تھے:

(۱)۔ ہنگامۂ سقیفہ بنی ساعدہ۔ (۲)۔ واقعات شوریٰ۔ آنے والی نسل نے ان دونوں واقعات کو جواز بیعت کا جامہ پہنا کر اُن کی کارروائیوں کی تقلید کی اور خونریزیاں بڑھتی رہیں۔ ہنگامۂ سقیفہ بنی ساعدہ کا ہم ذکر کر چکے ہیں ناظرین معاف کریں گے اگر شوریٰ کو بھی ہم ذرا تفصیل سے بیان کریں:

> ''عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ جب عمر کو زخم مہلک لگا تو لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین اس وقت آپ شربت پیئیں۔ حضرت عمر نے کہا مجھے نبیذ پلاؤ۔ حضرت عمر کو تمام شرابوں میں نبیذ بہت محبوب تھی۔ نبیذ پلائی گئی لیکن وہ زخم کے راستہ نکل آئی (مصنف کہتے ہیں کہ اس وقت تمام لوگ رونے لگے کیوں کہ حضرت عمر کی موت کا یقین ہوگیا) موت کے یقین کے بعد حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج چمکتا ہے میرے پاس ہوتیں تو میں اس سب کو اس کے بدلے میں دے دیتا جو اب میرے اوپر آنے والا ہے..... قسم بخدا اگر تمام زمین سونا ہوتی تو میں اس عذاب الٰہی کے بدلے میں جو مجھ پر نازل ہونے والا ہے اس سب کو دے دیتا قبل اس کے کہ میرے اوپر وہ عذاب نازل ہوتا۔''
>
> (تاریخ عمر ابن الخطاب تالیف امام جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی ص ر ۱۵۷، ۱۶۰)

اب ہم اُن کی مستند تاریخ کی کتابوں سے تجویز شوریٰ کے حالات لکھتے ہیں۔ حضرت عمر کو نبیذ پلائی گئی وہ باہر نکل آئی، لوگوں کو اور حضرت عمر کو موت کا یقین ہوگیا۔ یہ لکھنے کے بعد مولوی شبلی لکھتے ہیں:

"اس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس مہم کو آپ طے کرجائیے۔ حضرت عمر نے خلافت کے معاملے پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اس کو سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے اُن کو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور سوچ رہے ہیں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطاں و پیچاں ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمتی نہ تھی بار باراُن کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی کہ اس بار گراں کا کوئی اُٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نظر پڑسکتی تھی۔ علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمان بن عوف مگر حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اس کا اُنھوں نے مختلف موقعوں پر اظہار بھی کردیا تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ میں اُن کے ریمارک بتفصیل مذکور ہیں۔ مذکورۂ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؑ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے اُن کی نسبت بھی قطعی فیصلہ نہیں کرسکتے تھے۔"

(الفاروق مطبوعہ ۱۹۰۰ء مطبع مفید عام آگرہ حصہ اول ص ۲۰۲، الغایت ص ۲۰۶)

الفاروق کے اس ایڈیشن کی خوبی یہ ہے کہ مصنف مرحوم کی حیات میں طبع ہوگئی تھی اس میں اُن کے اپنے حاشیے بھی ہیں چنانچہ ص ۲۰۴ پر اس فقرہ کے اوپر "لیکن حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔" یہ حاشیہ درج ہے۔

"حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو خردہ گیریاں کی ہیں گو ہم نے اُن کو ادب سے نہیں لکھا لیکن اُن میں جائے کلام نہیں البتہ حضرت علیؑ کے متعلق جو نکتہ چینی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ اُن کے مزاج میں ظرافت ہے، یہ ایک خیال ہی خیال معلوم ہوتا ہے حضرت علیؑ ظریف تھے مگر اسی قدر جتنا کہ لطیف المزاج بزرگ ہوسکتا ہے۔"

حضرت عمر کا یہ واقعہ ۲۶/ذی الحجہ ۲۳ھ ہجری مطابق ۳/اکتوبر ۶۴۴ء ہوا تھا، ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ متوفی ۸۸۳ء، ۲۷۰ھ اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ، کے صفحہ ۲۲ پر زیر عنوان تولیۃ عمر ابن الخطاب الستہ الشوریٰ و عھدہ الیھم لکھتے ہیں:

"راوی کہتا ہے کہ پھر مہاجرین حضرت عمر کے پاس آئے وہ اُس وقت اپنے مکان میں زخم خوردہ پڑے ہوئے تھے، ان لوگوں نے کہا اے امیر المومنین ہم پر خلیفہ و حاکم مقرر کرو۔ حضرت عمر نے کہا قسم بخدا میں تمہارا بوجھ زندگی اور مرنے کے بعد بھی اُٹھاؤں یہ ہرگز نہ ہوگا، پھر فرمایا کہ اگر میں اپنا جانشین مقرر کروں تو بے شک

اُس نے جو مجھ سے بہتر تھا اپنا جانشین مقرر کیا یعنی ابو بکر نے اور اگر میں اپنا جانشین مقرر نہ کروں تو بے شک اُس نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا جو مجھ سے بہتر تھا یعنی رسوؐل خدا نے ان لوگوں نے کہا خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے فرمایا وہی ہوگا جو خدا چاہے گا، میری خواہش ہے کہ کاش اس امر خلافت سے میں نجات پاؤں اس کے متعلق مجھ سے نہ کچھ مواخذہ کیا جائے اور نہ مجھے کچھ اس کا ثواب دیا جائے تو اس کو میں غنیمت سمجھوں گا۔

پس جب حضرت عمر نے موت کو آتے ہوئے محسوس کیا تو اپنے لڑکے سے کہا کہ عائشہ کے پاس جاؤ، میرا اسلام کہو اور اُن سے اجازت مانگو میں اُن کے گھر میں جناب رسوؐل خدا اور ابو بکر کے پاس دفن کر دیا جاؤں۔ پس عبداللہ بن عمر حضرت عائشہ کے پاس آئے اور پیغام پہونچایا اُنھوں نے کہا سر آنکھوں سے بڑی خوشی سے اور کہا اے میرے بیٹے عمر کو میرا اسلام پہنچانا اور کہنا امت محمدؐیہ کو بغیر محافظ کے نہ چھوڑ جاؤ اپنا جانشین اُن پر مقرر کر دو، اپنے بعد اُن کو حیران اور بغیر نگہبان کے نہ چھوڑ جانا مجھے ڈر ہے کہ فتنہ نہ پیدا ہو۔ پس عبداللہ آئے اور حضرت عمر کو یہ پیغام پہنچایا، حضرت عمر نے کہا کہ عائشہ نے کس کو حکم دیا ہے کہ میں خلیفہ مقرر کروں، اگر ابو عبیدہ بن الجرّ اح زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا کے پاس جاتا اور وہ پوچھتا کہ کس کو امت محمدیہ پر حاکم مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا کہ اس شخص کو جس کی بابت تیرے بندے اور رسوؐل کو یہ کہتے سُنا تھا کہ ہر ایک امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراح ہے، اگر معاذ بن جبل زندہ ہوتے تو اُن کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا کے حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے دریافت فرماتا کہ امت محمدیہ پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے۔ تو میں جواب دیتا کہ اے میرے رب اس کو مقرر کیا ہے جس کے متعلق تیرے بندے اور رسوؐل کو یہ کہتے سنا تھا کہ قیامت کے دن معاذ بن جبل علماء کے گروہ میں ہوگا۔ یا اگر خالد بن ولید زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا کے حضور میں حاضر ہوتا اور وہ مجھ سے سوال کرتا کہ امت محمدیہ پر کس کو حاکم مقرر کیا ہے تو میں کہتا اے میرے خدا اس کو مقرر کیا ہے جس کی بابت میں نے تیرے بندے اور نبیؐ کو یہ کہتے سنا تھا کہ خالد بن ولید خدا کی تلواروں سے ایک تلوار ہے جس کو خدا نے مشرکین کے اوپر کھینچا ہے۔ اچھا اب میں ان لوگوں کو مقرر کرتا ہوں جن سے جناب رسوؐل خدا بوقت رحلت خوش تھے پس ان سب کو حضرت عمر نے بلایا اور وہ یہ تھے، علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمان بن عوف۔ طلحہ اس دن مدینہ میں موجود نہ تھے، حضرت عمر نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اے گروہ مہاجرین اولین، میں نے

لوگوں کے امور پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ان میں نفاق و کینہ نہیں ہے اور اگر میرے بعد اُن میں نفاق و دشمنی ہوئی تو یہ تمہاری وجہ سے ہوگی پس تم آپس میں تین دن مشورہ کرنا اگر طلحہ بھی تم میں آملے تو بہتر ورنہ تم خود ہی فیصلہ کرلینا، تیسرے دن تم اپنی جگہ سے متفرق نہ ہونا جب تک کہ خلیفہ نہ مقرر کرلو، اگر تم نے طلحہ کا مشورہ لیا تو وہ اس کا اہل ہے اور ان تین ایام تک صہیب نماز پڑھائے کیوں کہ وہ موالی میں سے ہے اور وہ تم سے امر خلافت میں تنازعہ نہیں کرے گا، تم انصار کے بڑے آدمیوں کو بلا لینا مگر اُن کے لئے امر خلافت میں سے کچھ حصہ نہیں ہے اور تم حسن بن علیؑ و عبداللہ ابن عباس کو بھی بلا لینا کیوں کہ اُن کو درجۂ قرابت حاصل ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ ان کے حضور میں تم کو برکت ہوگی مگر ان دونوں کے لئے بھی امر خلافت میں سے کچھ نہیں ہے۔ میرے بیٹے عبداللہ کو بھی مشورہ کے لئے بلا لینا لیکن خلافت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا عبداللہ بن عمر کو خلافت کا حق پہنچتا ہے اس کو خلیفہ مقرر کردو ہم راضی ہیں۔ عمر نے جواب دیا کہ آل خطاب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ایک شخص خلافت کے بارگراں کو اُٹھائے عبداللہ بن عمر کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر کہا کہ خبردار عبداللہ خبردار خلافت کے ساتھ اپنے تئیں ملوث نہ کرنا، پھر ان اصحاب شوریٰ کو مخاطب کرکے کہا کہ اگر تم میں پانچ، ایک شخص پر متفق ہوجائیں اور چھٹا انکار کرے تو اس چھٹے کو فوراً قتل کردینا اور اگر چار، ایک شخص پر متفق ہوجائیں اور دو مخالف ہوں تو اُن دو کی گردن ماردینا اور اگر تین ایک شخص پر متفق ہوں اور تین مخالفت کریں تو سرپنچ میر الڑ کا عبداللہ ہوگا ان تینوں میں سے جس کو وہ خلیفہ قرار دے تو وہی خلیفہ ہوگا اور اگر وہ تین مخالف اشخاص انکار کریں تو اُن تینوں کو قتل کردینا، پھر اصحاب شوریٰ نے کہا اے امیرالمومنینؑ کچھ ایسی گفتگو فرمایئے جس سے ہماری رہنمائی ہو اور ہم اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اس پر عمر نے فرمایا کہ اے سعد کسی چیز نے مجھے تم کو خلیفہ مقرر کرنے سے نہیں روکا اِلّا اس امر نے کہ تو سخت ہے اور تیری فطرت غلیظ ہے حالانکہ تو مرد میدان ہے۔ اور اے عبدالرحمان مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے روکا کہ تو اس امت کا فرعون ہے اور اے زبیر مجھے تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے باز رکھا کہ تو اپنی رضامندی کے وقت تو مومن ہے مگر غصّہ کے وقت کافر ہے۔ اور طلحہ کو خلیفہ مقرر کرنے سے اس امر نے روکا کہ اس میں نخوت و غرور ہے اور اگر وہ حاکم ہوگا تو حکومت کی انگوٹھی اپنی عورت کے ہاتھ میں پہنا دے گا اور اے عثمان تجھ کو خلیفہ مقرر کرنے سے مجھ کو اس امر نے باز رکھا کہ تجھ میں تعصب قبیلہ اور اپنے قوم کی محبت ہے اور علیؑ تم کو خلیفہ مقرر کرنے سے اور کسی

امر نے نہیں روکا صرف اس بات نے روکا کہ تم کو اس کی خواہش ہے ورنہ تم سب سے زیادہ حق پر چلنے والے ہو اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم اُس کو حق مبین اور صراط مستقیم پر چلاؤ گے۔ پھر عمر حضرت علیؑ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ اے علیؑ یہ لوگ تمہارے حق اور قرابت رسوؐل سے آگاہ ہیں، تمہاری عظمت اور بزرگی ان کو معلوم ہے اور خدا نے تم کو جو علم وفقہ و دین حقہ عنایت کیا ہے اس سے بھی یہ اچھی طرح آگاہ ہیں۔ اگر یہ تم کو خلیفہ مقرر کریں تو اے علیؑ خدا سے ڈرتے رہنا اور بنی ہاشم میں سے کسی کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا پھر آپ حضرت عثمان کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا اے عثمان اگر یہ لوگ تمہاری دامادی رسوؐل اور تمہاری عمر و شرف کا خیال کر کے تم کو خلیفہ مقرر کریں اور تم کو حکومت مل جائے تو بنی امیہ میں سے ایک کو بھی لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا پھر اُنھوں نے صہیب کو بلا کر کہا اے صہیب تین دن تک لوگوں کی امامت نماز کرنا، جب تک یہ لوگ جمع رہیں اور مشورہ کرتے رہیں۔"

مؤرخ ابن خلدون نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے:۔

"حضرت عمر نے عبدالرحمان بن عوف کو بلایا اور کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا عہدہ تمہارے سپرد کروں، عبدالرحمان نے کہا کیا آپ مجھ سے خلافت کے متعلق مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا نہیں، عبدالرحمان نے کہا، بخدا میں اس بوجھ کو نہیں اُٹھاؤں گا۔ حضرت عمر نے کہا وعدہ کرو کہ تم میری گفتگو کا کسی سے ذکر نہ کرو گے یہاں تک کہ میں ان لوگوں کی طرف اس امر کو موڑ دوں جن سے جناب رسوؐل خدا بوقت رحلت راضی تھے۔ حضرت عمر نے علیؑ وعثمان وزبیر وسعد کو بلایا عبدالرحمان بھی اُن کے ساتھ تھے اور کہا کہ تین دن انتظار کرنا اگر طلحہ آجائے تو شامل کر لینا ورنہ بغیر اُس کے تم اپنے میں سے خلیفہ مقرر کر لینا جو خلیفہ مقرر ہو اُس کو چاہئے ہے کہ اپنے قرابت داروں کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرے...... پھر حضرت عمر نے ابوطلحہ انصاری کو بلایا اور کہا کہ تم ان لوگوں کے دروازے پر کھڑے رہنا اور جب تک یہ لوگ فیصلہ نہ کر لیں کسی کو اندر نہ آنے دینا...... پھر عبدالرحمان بن عمر سے کہا کہ اگر ان چھ لوگوں میں اختلاف ہو تو تم اکثریت کے ساتھ ہونا اور اگر طرفین برابر ہوں تو تم اس گروہ کے ساتھ ہو جانا جس میں عبدالرحمان بن عوف ہوں..... پھر علیؑ اور ابن عباس آئے اور حضرت عمر کے سرہانے کھڑے ہو گئے پھر طبیب آیا اُس نے نبیذ شراب پلائی وہ زخم کے راستہ نکل گئی، پھر دودھ پلایا وہ بھی زخم کے راستہ نکل گیا، طبیب نے کہا اب آپ آخری وصیت کر لیں۔ عمر نے کہا کہ میں

پہلے ہی کر چکا ہوں، اور اپنی موت تک خداوند تعالیٰ کو یاد کرتے رہے۔ آپ کی موت شب چہار شنبہ کو ہوئی جب کہ تین راتیں ذی الحجہ ۲۳ھ کے ختم ہونے میں باقی تھیں، نماز جنازہ صہیب نے پڑھائی اور یہ آپ کی خلافت کے دس ۱۰ سال اور چھٹے مہینہ ہوا اور اب ابوطلحہ انصاری آئے اور اُن کے ساتھ مقداد بن الاسود تھے اور ان دونوں کو حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ ان چھ آدمیوں کو ایک مکان میں جمع کریں اور اُن سے کہیں کہ اپنے میں سے جس کو خلیفہ مقرر کریں اس کو لوگوں کے سامنے پیش کریں اور اگر اختلاف کریں تو اکثریت کی پیروی کی جائے اور اگر طرفین برابر ہیں تو میرا بیٹا ثالث ہوگا لیکن عبداللہ اُدھر ہوگا جدھر عبدالرحمان بن عوف ہوں گے۔ تین دن تک اُن کو مکان میں رکھیں اور مہلت دیں اس عرصہ تک صہیب امامت نماز کریں، عبداللہ بن عمر کو مشورہ کے لئے بلائیں لیکن اس کا حصہ خلافت میں نہ ہوگا اور اگر تین دن میں طلحہ آجائے تو وہ بھی شریک ہو جائے پس ابوطلحہ اور مقداد نے اُن کو سعد بن مخزمہ کے گھر میں جمع کیا، روایت یہ بھی ہے کہ سب عائشہ کے گھر میں جمع ہوئے۔ عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ آئے اور اس مکان کے دروازے پر بیٹھ گئے لیکن سعد نے یہ کہہ کر اُن کو وہاں سے ہٹا دیا کہ تم اس لئے یہاں آئے ہو کہ کل کہو کہ ہم بھی حاضر تھے اور ہم بھی اہل شوریٰ میں سے تھے پھر ارباب شوریٰ میں انتخاب خلیفہ کے بابت بحث و مباحثہ ہونے لگا...... عبدالرحمان بن عوف نے کہا کہ آیا تم میں ایسا کوئی شخص ہے جو اپنے تئیں خلافت کی امیدواری سے علٰحدہ کر کے افضل ترین شخص کو منتخب کرے میں تو ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں اور سب تو راضی ہو گئے مگر علیؑ خاموش رہے۔ عبدالرحمان نے اُن سے کہا کہ اے ابوالحسن تم کیا کہتے ہو؟ حضرت علیؑ نے کہا کہ یہ بھی تو شرط کرو کہ تم حق فیصلہ کرو گے اور اپنے خواہش نفس کی پیروی نہ کرو گے نہ کسی رشتہ داری کا پاس ولحاظ کرو گے۔ حق کہنے میں کسی کی ملامت اور کسی کے مشورہ کا خیال نہ کرو گے۔ اس بات کا اقرار تم ہم سے کرو۔ عبدالرحمان نے کہا کہ تم لوگ یہ مجھ سے اقرار کرو کہ تم میرے ساتھ ہو گے اور اس کی مخالفت کرو گے جو میرے فیصلہ کی مخالفت کرے اور اس کے خلیفہ ہونے سے راضی ہو گے جس کو میں مقرر کروں، پھر عبدالرحمان نے حضرت علیؑ سے کہا تم ان سب موجود لوگوں میں رسولؐ سے قرابتداری اور سبقت اسلامی اور حُسنِ مساعی دین کی وجہ سے ان سب سے زیادہ خلافت کے مستحق ہو اور تم سے زیادہ موزوں اور کوئی شخص اس خلافت کے لئے نہیں ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ ان لوگوں میں سے جو خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہیں تمہارے بعد کون زیادہ مستحق ہے حضرت علیؑ نے جواب

دیا کہ عثمان پھر عثمان سے تخلیہ میں لے جا کر یہی پوچھا اُنھوں نے جواب دیا علیؑ اور عبدالرحمان تمام راتوں کو جناب رسوؐل خدا کے اصحاب و امراء لشکر و اشراف سے جو مدینہ میں تھے ملتے تھے اور مشورہ کرتے تھے۔ چوتھے دن کی صبح تک اُنھوں نے ایسا کیا چوتھے دن کی صبح کو سعد بن مخرمہ کے مکان پر عبدالرحمان آئے اور وہاں سعد و زبیر کو علحدٰہ بلا کر کہا کہ عثمان یا علیؑ ان دونوں میں سے ایک کو منتخب کرلو ان دونوں نے متفق ہو کر علیؑ کو منتخب کیا پھر اس کے بعد سعد نے کہا کہ تم خود اپنے لئے کیوں نہیں بیعت لیتے اور ہم پر رحم نہیں کرتے عبدالرحمان نے جواب دیا کہ میں ان لوگوں کے سامنے اپنے تئیں علحدٰہ کر چکا ہوں اور اگر ایسا نہ کرتا تب بھی خلافت کو اختیار نہ کرتا پھر عبدالرحمان نے علیؑ و عثمان کو بلا کر اُن سے علحدٰہ علحدٰہ گفتگو کی تا کہ یہ آپس میں راضی ہو جائیں لیکن صبح کا وقت اسی میں گذر گیا اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ اُنھوں نے کیا کہا۔ پھر عبدالرحمان نے مہاجرین کو اور انصار میں سے سابق الاسلام اور امراء لشکر کو جمع کیا، یہاں تک مسجد کھچا کھچ بھر گئی پھر عبدالرحمان نے کہا کہ جس کو تم لوگ خلافت کے لئے منتخب کرنا چاہتے ہو اُس کی، طرف اشارہ کردو۔ عمّار نے علیؑ کی طرف اشارہ کیا ابن ابی السرح نے کہا کہ اگر چاہتے ہو کہ قریش میں اختلاف نہ ہو تو عثمان کی بیعت کرلو۔ عبداللہ ابن ربیعہ نے اس بات سے اتفاق کیا، عمار اور ابن ابی سرح میں گفتگو بڑھ گئی، سخت کلامی کی نوبت آ گئی، اس پر سعد نے کہا کہ اے عبدالرحمان اس قضیہ کو ختم کرو قبل اس کے کہ لوگوں میں فتنہ برپا ہو۔ عبدالرحمان نے کہا کہ میں نے اپنے ذہن میں خلیفہ کرلیا ہے اور رائے قائم کرلی ہے، اے لوگو! دم بھر خاموش رہو پھر علیؑ کی طرف مخاطب ہو کر کہا خدا کا عہد و میثاق دو کہ اگر خلافت تم کو دی جائے تو تم کتاب اللہ و سنت رسوؐل اور سنت ہر دو خلفائے گذشتہ پر عمل کرو گے۔ علیؑ نے جواب دیا کہ میں امید کرتا ہوں میں اپنے مبلغ علم و طاقت کے موافق عمل کروں گا۔ یہ جواب پا کر عبدالرحمان نے عثمان سے مخاطب ہو کر یہی الفاظ کہے۔ عثمان نے فوراً اقرار کرلیا اور کہا کہ ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ ایسا ہی کروں گا۔ یہ سنتے ہی عبدالرحمان نے سقف مسجد کی طرف سر اُٹھایا اور اُن کا ہاتھ عثمان کے ہاتھ میں تھا اور یہ کہہ رہے تھے کہ خداوندا گواہ رہیو کہ اس امر خلافت کا جو فرض میری گردن میں تھا وہ میں نے عثمان کی گردن میں ڈال دیا۔" (ابن خلدون بقیہ الجزو الثانی من تاریخ ابن خلدون مطبوعہ دار الطباعت الخدیو یہ بولاق، مصر المغربیہ در ۱۲۸۴ھ ہجری ص ر ۱۳۴ تا ۱۳۶۔

شمس التواریخ حضرت عمر کا نثر میں قصیدہ ہے جس کو مولوی محمد سعادت اللہ مؤلف نے حضرت فاروق اعظم کے نام سے معنون کیا ہے اور مؤلف نے وہ کتاب اس یقین کے ساتھ لکھی ہے کہ اس کو تحریر کرنے کی ہدایت اس کو خود حضرت عمر نے ایک

خواب کے ذریعہ کی اس کے صفحات ۱۲۱۱ر، ۱۲۱۲، ۱۲۱۴، سے ہم مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں ۔

''ادھر تمام مسلمان عثمان کے احسانوں سے دبے ہوئے تھے، اور وہ عمر میں بھی جناب مرتضیٰ سے بڑے تھے اس لئے لوگوں کا رجحان زیادہ تر اُن ہی کی طرف تھا۔''

''اس پر بھی عثمانیوں کو صبر نہ ہوا، اور تدبیر سے باز نہ آئے ۔سمجھے اگر عبدالرحمان بن عوف نے جناب علیؑ کے علم و جلالت پر نظر کر کے اُنھیں کو پسند کرلیا تو ہماری بیٹی ہوئی ۔ان ہی میں سے حضرت عمرو بن العاص بڑے چلتے ہوئے اور ذہین و چالاک تھے لوگوں نے اُن سے کہا کہ جناب ایسے وقت میں مدد فرمائیے ....

''اس کے بعد ہمارے حضور عبدالرحمان بن عوف کے پاس پہونچے اور بولے حضرت آپ کس دلدل میں پھنس گئے جس راستہ پر آپ پڑے ہیں اس سے برسوں بھی فیصلہ نہ ہوگا ۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تومی روی بہ ترکستان است

حضرت عبدالرحمان : ۔اندھے کو کیا چاہئے دو آنکھیں، پھر بتلاتے کیوں نہیں؟

حضرت ابن العاص : ۔جب کل انتخاب کے لئے لوگ جمع ہوں تو آپ علیؑ و عثمان کی طرف مخاطب ہو کر یہ سوال کریں ۔تم لوگ رسوؐل اللہ اور ان کے دونوں خلفاء کی سنت پر بھی عمل کرنے کو راضی ہو یا نہیں؟ دونوں میں جو صاحب اس کا جواب معقول اور قابل اطمینان دیں اُن ہی سے آپ بیعت کرلیں، اور جس سے آپ بیعت کرلیں اسی طرف سب رجوع ہو جائیں گے ۔''

''جناب عبدالرحمان کی بھی سمجھ میں بات آگئی اور کہا خاطر جمع رکھو، کل ایسا ہی ہوگا چنانچہ دوسرے دن جب جناب مرتضیٰؑ اور حضرت عثمان اور سب لوگ جمع ہوئے تو پہلے اُنھوں نے جناب علیؑ کے سامنے یہ سوال پیش کر کے جواب چاہا.......جناب علیؑ نے سوال مذکورۂ بالا کا یہ جواب دیا، جہاں تک مجھ سے ممکن ہوگا۔انشاء اللہ تعالیٰ ۔

''اگرچہ حضرت شیر خداؑ کا جواب نہایت معقول تھا کیونکہ آدمی خدا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتا اور جو کرتا ہے اپنی بساط کے موافق کرتا ہے اور اپنے مقدور سے باہر کچھ نہیں ہوسکتا۔پس اگر عمرو بن العاص کی تعلیم

انھیں نہ بھی ہوتی تو بھی اُن کی ذات پاک سے ہمیں یہی جواب پانے کی امید تھی مگر وہاں تو قوم ابوبکر عمر کی ہر ادا پر قربان ہو چکی تھی، اُن کے عہد میں مسلمانوں نے بڑی بڑی موجیں کی تھیں اور ایسے امن وچین سے رہے تھے جیسے ماں کے پیٹ میں رہتے ہیں۔ وہ جناب مرتضوی کے جواب سے خوش و مطمئن نہ ہوئے اور اُن کے قول کا مطلب یہ سمجھے کہ شیر خدؑا خلیفہ اول وثانی کے قدم بہ قدم چلنا پسند نہیں فرماتے لہٰذا اُن کا ٹھیک جواب جو موقع اور وقت کے خلاف تھا اُلٹا پڑا۔''

''جواب عبدالرحمان نے جناب عثمان سے پوچھا تو اُنھوں نے چھاتی ٹھونک کر کہا کہ بسر وچشم ابوبکر وعمر کی تقلید منظور ہے۔ (شمس التواریخ صفحات ر ۱۲۱۱، لغایت ۱۲۱۴)۔''

اگر چہ مضمون طویل ہوگیا ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ طبری سے کچھ عبارت نقل کروں:۔

''حضرت عمر زخمی ہوئے تو اُن سے لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ اپنا جانشین مقرر کر دیں۔ اُنھوں نے کہا اگر آج ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ مقرر کرتا، اور خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں کہتا اے میرے خدا میں نے تیرے نبیؐ کو کہتے سنا تھا کہ ابوعبیدہ اس امت کا امین ہے اور اگر سالم ابو حذیفہ کے غلام زندہ ہوتے تو میں اُن کو خلیفہ مقرر کرتا اور اگر خدا مجھ سے سوال کرتا تو میں جواب دیتا کہ اے خدا میں نے تیرے نبیؐ کو کہتے سُنا تھا کہ سالم میں خدا کی محبت بہت ہے، ایک آدمی نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ اپنے بیٹے عبداللہ کو خلیفہ مقرر کر دیں اُنھوں نے جواب دیا کہ خدا تجھے غارت کرے یہ تو نے کیا کہا کیا میں اس کو خلیفہ مقرر کروں جو عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتا..... پھر لوگوں نے کہا کہ اے امیر المومنینؑ اپنا جانشین مقرر کر دو۔ حضرت عمر نے کہا کہ تمہاری گفتگو کے بعد جو میں نے غور کیا تو نتیجہ نکالا کہ اگر میں علیؑ کو خلیفہ مقرر کر دو تو وہ تمہیں راہ حق پر چلائے گا۔ وہ تم سب سے زیادہ افضل ہے (شوریٰ کا تذکرہ ہونے کے بعد) سب لوگ باہر آگئے تو عباس نے حضرت علیؑ سے کہا کہ تم ان کے شوریٰ میں داخل نہ ہونا۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ میں اختلاف نہیں چاہتا (شوریٰ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عمر نے کہا) تم سب حجرۂ عائشہ میں جا کر مشورہ کرنا اور اپنے میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لینا پھر کہا کہ حجرۂ عائشہ میں نہ جانا بلکہ اُس کے قریب ہی رہنا..... صہیب سے حضرت عمر نے کہا کہ تین دن تم لوگوں کو نماز پڑھانا اور شوریٰ میں علیؑ وعثمان وزبیر وسعد وعبدالرحمان اور طلحہ کو اگر وہ آجائے تو داخل کرنا عبداللہ بن عمر کو بھی بلا لینا لیکن اس کا حصہ خلافت میں نہیں ہے۔ اور تم اُن لوگوں کے سر پر کھڑے رہنا پس اُن

میں سے اگر پانچ ایک طرف ہوں اور چھٹا مخالف ہو تو اس چھٹے کو قتل کر دینا اور چار ایک طرف ہوں دو مخالف ہوں تو اُن دو کو قتل کر دینا اور اگر تین ایک طرف ہوں اور تین مخالف ہوں تو میرے بیٹے عبداللہ بن عمر کو ثالث مقرر کر لینا اور جس فریق کے حق میں عبداللہ فیصلہ کرے اس میں کا ایک شخص خلیفہ بنا لینا اور اگر عبداللہ کے فیصلہ سے یہ لوگ راضی نہ ہوں تو پھر تم سب اس طرف ہو جانا جدھر عبدالرحمان بن عوف ہوں اور اگر فریق مخالف اس فیصلہ سے ناراض ہوں تو اُن سب کو قتل کر دینا، پھر وہ سب لوگ باہر آ گئے علیؑ نے بنو ہاشم کی جماعت سے جو اُن کے ساتھ تھی کہا کہ اگر میں اُن کی اطاعت کرتا رہوں گا تو یہ لوگ کبھی تم کو خلیفہ نہ بنائیں گے اور عباس اُن سے ملے تو حضرت علیؑ نے کہا کہ اس دفعہ بھی ہم سے خلافت کو دُور کر دیا عباس نے کہا کیوں کر؟ حضرت علیؑ نے کہا کہ میرے ساتھ عثمان کو لگا دیا ہے اور شرط رکھی ہے کہ اکثریت جس کے ساتھ ہو وہ خلیفہ ہو پس اگر دو ایک طرف ہوں اور دو ایک طرف تو ایسی صورت میں جس کی طرف عبدالرحمان بن عوف ہوں وہی خلیفہ بنایا جائے۔ ظاہر ہے کہ سعد تو اپنے ابن عم عبدالرحمان کی مخالفت نہ کرے گا اور عبدالرحمان اور عثمان میں سسرال کا رشتہ ہے پس عبدالرحمان عثمان کو یا عثمان عبدالرحمان کو خلیفہ کر دیں گے۔ باقی دو اگر میرے ساتھ بھی ہوں گے تب بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور میرا تو خیال ہے کہ شاید ایک ہی میرے ساتھ ہو۔

(حالات شوریٰ) عبدالرحمان نے ممبران شوریٰ سے کہا کہ تم میں سے کون ایسا ہے جو اپنے کو امیدوار سے علحٰدہ کرے اور پھر وہی حکم بن جائے اور باقی افراد میں سے جسے وہ اپنے نزدیک سب سے افضل سمجھے اسے خلیفہ منتخب کر لے کسی نے اس کا جواب نہ دیا اور کوئی بھی اپنے کو امیدواری سے علحٰدہ کرنے اور حَکَم بننے پر تیار نہ ہوا۔ اس پر عبدالرحمان نے کہا کہ اچھا میں اپنے تئیں نکال لیتا ہوں، اس پر عثمان نے کہا کہ سب سے پہلے میں تم سے راضی ہوں کیوں کہ جناب رسولؐ خدا فرمایا کرتے تھے کہ جو اس دنیا میں امین ہے وہی آسمان پر بھی امین ہے پس وہ لوگ بولے کہ ہم راضی ہیں لیکن علیؑ خاموش رہے عبدالرحمان نے کہا کہ اے ابوالحسنؑ تم کیا کہتے ہو؟ حضرت علیؑ نے کہا کہ میری یہ شرط ہے کہ اگر تم انصاف کرو حق کی طرف ہو اپنی خواہش کی پیروی نہ کرو، اپنے رشتہ دار کا پاس نہ کرو....

اور عبدالرحمان راتوں کو اصحاب رسولؐ سے مشورہ کرتے تھے اور نیز مدینہ کے شرفا اور امراء لشکر سے جو مدینہ میں تھے مشورہ کرتے تھے پس جس سے وہ ملتے تھے وہ عثمان ہی کو خلیفہ مقرر کرنے کا مشورہ دیتا تھا پس اس

رات کو جس کی صبح یہ امر خلافت طے ہونا تھا عبد الرحمان مسور بن مخرمہ کے مکان پر آئے اور اُن کو جگایا اور کہا کہ اس رات میری تو پلک نہیں جھپکی پس تم جاؤ اور سعد و زبیر کو بلالاؤ پس وہ دونوں آ گئے، عبد الرحمان نے پہلے زبیر سے مسجد میں خلوت کی اس جگہ پر جو مروان کے مکان کے متصل تھی اور اُن سے کہا کہ اولاد عبد مناف میں سے کس کے لئے تمہاری رائے ہے؟ زبیر نے کہا کہ میرا حصہ تو علیؑ کے لئے ہے، پھر عبد الرحمان نے سعد سے کہا کہ ہم تم تو ایک ہی ہیں تم اپنا حصہّ مجھ کو دے دو، سعد نے کہا کہ منظور ہے، اگر تم خود خلیفہ بنو لیکن اگر تم عثمان کو خلیفہ کرنا چاہتے ہو تو میں علیؑ کو ترجیح دیتا ہوں، میں تو یہ کہتا ہوں کہ تم خود بیعت لے لو، اور ہم کو اس مخمصہ سے آزاد کرو۔ عبد الرحمان نے کہا کہ اے ابا اسحاق میں نے تو اپنے تئیں اس سے نکال لیا ہے، سعد نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم میں ضعف آ گیا ہے جو تمہاری رائے ہے وہ کر ڈالو۔ یہ تو معلوم ہی ہے کہ عمر کیا چاہتے تھے اس کے بعد زبیر، سعد چلے گئے تو عبد الرحمان نے مسور کو علیؑ کے پاس بھیجا پس علیؑ آئے اور دیر تک عبد الرحمان نے علیؑ سے ایسی گفتگو کی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ علیؑ کو خلیفہ مقرر کریں گے۔ پھر عبد الرحمان اُٹھے اور مسور کے ذریعے سے عثمان کو بلایا، وہ آئے تو ان سے صبح تک تنہائی میں گفتگو کرتے رہے، عمر بن میمون کہتے تھے کہ مجھ سے عبد اللہ بن عمر نے پوچھا کہ آپس میں کیا گفتگو ہوئی۔ میں نے جواب دیا کہ قضائے ربّانی عثمان کی طرف ہے........

عمار نے کہا لوگو! خداوند تعالیٰ نے ہم کو اپنے رسوؐل کی وجہ سے عزت دی ہے تم لوگ کیوں خلافت کو رسوؐل کے خاندان سے نکالتے ہو...... پس سعد نے کہا کہ اے عبد الرحمان اپنا کام فوراً ختم کرو قبل اس کے لوگوں میں فتنہ ہو، عبد الرحمان نے کہا کہ میں نے فیصلہ کر لیا ہے اے لوگو تم فساد نہ کرو اور پھر علیؑ کو بلا کر کہا کہ تم عہد کرتے ہو کہ کتاب خدا سنت رسوؐل اور ابو بکر و عمر کی سیرت پر عمل کرو گے، علیؑ نے کہا کہ امید کرتا ہوں کہ میں علم و طاقت کے مطابق کام کروں پھر عثمان کو بلا کر اُنھوں نے یہی بات کہی تو عثمان نے فوراً اقرار کر لیا، پس عبد الرحمان نے عثمان سے بیعت کرائی اس پر حضرت علیؑ نے کہا کہ تم نے عثمان کو بغیر حق، استحقاق کے بخشش کی ہے۔ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ خلافت میں تم نے ہم پر غلبہ کیا ہے پس صبر جمیل ہی مناسب ہے اور خداوند تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ بخدا تم نے عثمان کو اس وجہ سے حکومت دی ہے کہ وہ یہ حکومت تمہیں کو واپس کر دے یعنی دراصل تم ہی حاکم ہو اور وہ تمہارے ماتحت کام کرے، خداوند تعالیٰ غنی و حمید ہے پس علیؑ باہر

آئے اور کہتے جاتے تھے کہ کتاب قدرت کا لکھا ہوا پورا ہو کر رہے گا..... مقداد نے کہا کہ اے عبد الرحمان بخدا تم نے اس کو چھوڑ دیا جو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور انصاف کرتا ہے ۔۔۔۔ پس مقداد نے کہا کہ میں نے ایسا ظلم کبھی نہیں دیکھا جیسا ظلم وستم اس گھر والوں پر اُن کے نبیؐ کے بعد ہوا مجھے قریش سے تعجب ہے کہ انھوں نے ایسے شخص کو چھوڑ دیا۔ جس سے زیادہ علم و عدل والا کوئی نہیں ۔ کاش میرے مددگار ہوتے، عبد الرحمان نے کہا کہ اے مقداد خدا سے ڈر، مجھے خوف کہ تیرے او پر آفت نہ آجائے ۔ ایک آدمی نے مقداد سے کہا کہ تم پر خدا رحم کرے اس گھر سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ اور اُس شخص سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ مقداد نے کہا کہ اس گھر سے مراد بنو عبد المطلب اور اس شخص سے مراد علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں ۔ حضرت علیؑ نے کہا اور لوگ تو قریش کی طرف دیکھتے ہیں اور قریش اپنے گھروں کی طرف دیکھتے ہیں یعنی اپنے دنیاوی فائدہ کو مدِّ نظر رکھتے ہیں ۔ پس وہ آپس میں کہتے ہیں کہ اگر بنو ہاشم تمہارے او پر حاکم ہو گئے تو پھر یہ حکومت اُن کے خاندان سے کبھی نہیں نکلے گی اور اگر ان کے علاوہ قریش میں سے کوئی اور حاکم ہوا تو یہ خلافت قریش میں ایک سے دوسرے کی طرف پھرتی رہے گی ۔ (تاریخ طبری، جلد/۵،ص/۳۵ و ۳۶ و ۳۷ و ۳۸،حبیب السیر جلد/۱، جزو چہارم، ص/۲۷ و ۲۸،شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج/۱ص/۲۰۹،تاریخ ابی الفداء الجزالاول،ص/۲۵ و ۲۶)

واقعات تو یہ تھے، اب ہم ان پر غور کرتے ہیں دو امور قابل توجہ ہیں ایک تو ترکیب و ساخت شوریٰ اور دوسرے وہ ہدایات جو حضرت عمر نے جماعت شوریٰ کو طریق کار اور طرزِ عمل کے متعلق دیں حضرت عمر کے طریقہ حکومت اور روش سیاست کی وجہ سے حضرت عمر کے زمانہ میں سرمایہ داری بہت بڑھ گئی تھی اور حکومت پر سرمایہ داروں کا بہت اثر تھا۔ یہ سرمایہ دار جماعت نے حضرت علیؑ کی بہت مخالف تھی اس مخالفت کی وجوہات تو بہت تھیں سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جماعت حکومت سقفیہ نے عمداً اور بطور اپنے آلہ کار کے اس مخالفت کو پیدا کیا اور پھیلایا تا کہ خاندان نبوت میں حکومت کے پہنچنے کا امکان ہی نہ رہے ۔ اس کے بعد دوسری وجہ یہ تھی کہ سرمایہ دار جماعت جانتی تھی کہ سرمایہ داری، اصول اسلام کے خلاف ہے اور اگر حکومت علیؑ تک پہنچ گئی تو وہ سرمایہ داری کو قائم نہیں رہنے دیں گے ۔ حضرت عمر نے بیت المال کے وظائف اور اقطاع و جاگیرات کی تقسیم اس طریقہ سے کی تھی کہ جہاں تک ہو سکے اُن کی جماعت کے لوگوں کو فائدہ پہنچے اپنے دوستوں اور بارسوخ لوگوں کو رقبہ میں زیادہ اور قسم میں اعلیٰ اقطاع و جاگیرات تقسیم کرتے تھے، بیت المال میں کسی نہ کسی بہانہ سے اُن کی پارٹی کے لوگوں کو زیادہ رقم ملتی تھی ۔ فتوحات کے غنائم کا بہت بڑا حصہ اُن میں تقسیم ہوتا تھا..... سب سے بڑا اور بین ثبوت یہ ہے کہ شوریٰ میں خلیفہ کا تقرر بس ایک شرط پر منحصر تھا وہ یہ کہ خلیفہ سیرت رسولؐ اور سیرت شیخین پر عمل کرے ۔ سیرت رسولؐ تو سر آنکھوں پر یہ اس کے مقابلہ میں سیرت

شیخین کیسی، کیا سیرت رسولؐ کے اندر اندر ہی سیرت شیخین نہیں آ گئی؟ ایک شخص سیرت رسولؐ پر عمل کرتا ہے وہ کافی نہیں ہے خلافت کے لائق نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مستزاد سیرت شیخین پر بھی عمل کرے۔ ظاہر ہے کہ وہ سیرت شیخین اس کے علاوہ کچھ اور تھی۔ اُس سیرت کا بڑا جزو یہی سرمایہ داروں کی حفاظت تھی ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرمایہ دار جماعت حکومت پر چھا گئی۔ حضرت ابوذر نے اس سرمایہ داری کے خلاف آواز اُٹھائی تو پہلے تو وہ شام کی طرف ننگے اونٹ پر بٹھا کر بھیجے گئے اور پھر جب حاکم شام نے اُن کے نصائح سے تنگ آ کر اُنھیں واپس بھیجا تو مدینہ سے جلاوطن کئے گئے اور ربذہ بھیج دئیے گئے[1]۔

قصہ مختصر یہ کہ حضرت علیؑ کو تو فقط ظاہر داری کے لئے ان میں شامل کیا گیا باقی پانچوں امیدوار خلافت سرمایہ داروں کی جماعت میں سے لئے گئے۔ اب ہم ایک ایک کے حالات بیان کرتے ہیں:

طلحہ بن عبیداللہ: ان کی ثروت کا یہ حال تھا کہ روزانہ ایک ہزار دینار کی آمدنی فقط عراق سے آتی تھی۔ کہا گیا ہے کہ اس سے بھی زیادہ تھی اور سراۃ کے اطراف کی آمدنی ایک ہزار دینار سے بھی زیادہ تھی دو ہزار سے زائد روزانہ آمدنی تو یہی ہوئی اور کوفہ میں اُنھوں نے بڑا عالیشان محل بنوایا تھا جو مورخ مسعودی نے خود دیکھا تھا، ایک محل اُنھوں نے مدینہ میں بھی بنایا تھا جو پکی اینٹ چونے اور نہایت اعلیٰ شیشم کی لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ بوقت وفات اُن کے پاس بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار تھے جائداد کی قیمت تین کروڑ درہم تھی[2]۔

زبیر بن العوام: یہ حضرت ابوبکر کے داماد تھے، شروع شروع میں یہ حضرت علیؑ کی طرف تھے حضرت عمر کی حکمت عملی اور اپنی سالی حضرت عائشہ کی کوششوں سے یہ حضرت علیؑ کے بہت خلاف ہو گئے۔ اُن کی ثروت کی یہ حالت تھی کہ اُن کے محلات بصرہ، مصر، کوفہ اور اسکندریہ میں تھے۔ جو مال اُنھوں نے غنائم اور بیت المال کی تقسیم اور اقطاع و جاگیرات سے حاصل کیا وہ اُنھوں نے تجارت میں لگایا اپنی موت کے وقت اُنھوں نے نقد پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے اور سیکڑوں غلام اور لونڈیاں چھوڑیں۔ ایک ہزار ان کے مملوک تھے جو ان کو خراج ادا کرتے تھے[3]۔

حضرت عثمان بن عفان: ان کا کیا کہنا یہ تو عثمان غنی تھے۔ اُنھوں نے مدینہ میں بہت بڑا محل بنوایا تھا جس کو پتھر اور چونے سے مضبوط کیا تھا۔ اور آبنوس اور صندل کی لکڑی کے دروازے بنائے تھے اور بہت سے باغات اور چشمے مدینہ کے نزدیک تھے جس دن یہ قتل ہوئے ہیں اُس دن اُن کی تحویل میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار، دس لاکھ درہم نقد تھے وادی

۱۔ اُردو ترجمہ ''تمدن اسلام'' جرجی زیدان حصہ دوم ص ر ۱۵، سرمایہ داری کے ذکر کے لئے دیکھو تمدّن اسلام مصنفہ جرجی زیدان حصہ دو، ص ر ۱۵، ۱۶، ۱۲) ۱۲

۲ مروج الذہب مسعودی، الجزء الثانی ص ر ۲۲۲، واستیعاب ابن عبدالبر الجزاء الاول ص ر ۲۱۵ ایہ پولیٹکس اِن اسلام، مسٹر خدا بخش ص ر ۱۵۱۔

۳ مروج الذہب مسعودی، ج ۲ ر ص ر ۲۲۲، واستیعاب ابن عبدابر الجزاء جلد ا ص ر ۲۰۰ اور پولیٹکس ان اسلام، مسٹر خدا بخش ص ر ۱۵۱۔

القریٰ وحنین وغیرہ میں جواُن کی جاگیر تھیں اُن کی قیمت ایک لاکھ دینارتھی اس کے علاوہ بے شمار گھوڑے اوراونٹ تھے[۱]۔ یہ ابوسفیان کے بہت قریبی رشتہ دار تھے۔

عبدالرحمان بن عوف: یہ بہت مالدار تھے اُنھوں نے بھی زبیر بن العوام کی طرح مال جمع کر کے تجارت شروع کی کردی تھی نہایت عالیشان محل وادی عقیق میں بنایا تھا۔ان کے اصطبل میں صد گھوڑے،ایک ہزاراونٹ اوردس ہزار بکریاں تھیں۔ایک دن میں اُنھوں نے تیس تیس غالم آزاد کیئے ہیں۔جب مرنے لگے تو بہت روئے لوگوں نے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ مصعب بن عمیراورحمزہ بن عبدالمطلب دونوں مجھ سے بہتر تھے ان دونوں کاانتقال زمانہ رسول خداؐمیں ہوااوراُنھوں نے اتنا بھی نہ چھوڑا کہ کفن کے لئے کافی ہوتا،ان کے پاس اتنانقدتھا کہ ان کی چار بیویاں تھیں۔ان کے ورثہ میں ہرایک کوایک ایک لاکھ درہم ملے[۲]۔

سعد بن ابی وقاص:

یہ بھی بہت امیر تھے ان کاعالی شان محل وادی عقیق میں تھاوہیں ان کاانتقال ہوا[۳]۔

کیسی جلدی اسلام میں سرمایہ داری آگئی اور یہ سرمایہ دار جماعت ایسی بارسوخ تھی کہ حضرت عمرمجبور ہو گئے کہ ان میں سے خلیفہ لیں۔ یہ عذر کہ میں ان کواس لئے مقرر کرتا ہوں کہ جناب رسوؐل خدابوقت رحلت ان سے خوش تھے ایک سیاسی عذر تھا۔کیا تمام امت میں سے آں حضرؐت انھیں چھ آدمیوں سے خوش تھے انصار میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس سے آں حضرؐت خوش ہوں کیا انصار کی مہماں نوازی اورنصرت رسوؐل کا یہ انعام تھا کہ حضرت عمر نے فیصلہ کردیا کہ خلافت میں انصار کا حق نہیں ہے،کیا عمار یاسر، مقداد،ابوذر،عبداللہ بن مسعود،عبداللہ بن عباس،عبداللہ بن جابر،امام حسنؑ،امام حسینؑ ان سب سے آں حضرؐت ناراض تھے، صرف شوریٰ ہی پر منحصر نہ تھامحکمہ قضامیں تمام سرمایہ دار تھے۔حضرت عمر نے حکم عام جاری کردیا تھا کہ کوئی غریب آدمی قاضی نہ مقرر کیا جائے چنانچہ عبداللہ بن مسعود کومحض اُن کی غربت کی وجہ سے مقدمات فیصلہ کرنے سے روک دیا۔(دیکھوالفاروق حصہ دوم،ص ر ۵۹،۶۰) اس کا جو جواب مولوی شبلی صاحب نے دیا ہے کافی نہ ہوگا کہ غریب آدمیوں کو رشوت کی ترغیب زیادہ ہوتی ہے،جناب شبلی خودلکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے قاضیوں کی تنخواہ بہت زیادہ مقرر کی تھی تاکہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔(الفاروق، حصہ دوم،ص ر ۶۷) کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ باوجوداس کے بھی عبداللہ بن مسعود جیسے صحابی رشوت لے لیتے اوراگر لے لیتے تو آپ کی حدیث نجوم کہاں گئی۔

---

[۱] مروج الذہب مسعودی،ج ر ۲ ص ۲۲۲۔

[۲] مروج الذہب مسعودی،ج ر ۲،ص ر ۲۲۲،الاستیعاب ابن عبدالبر،جلد ر ۲،ص ر ۵۶۰،پالیٹکس اِن اسلام،مسٹرخدابخش،ص ر ۱۵۱۔

[۳] مروج الذہب مسعودی،ج ر ۲،ص ر ۲۲۴،الاستیعاب ابن عبدالبر،جلد ر ۲،ص ر ۵۶۰،پالیٹکس اِن اسلام،مسٹرخدابخش،ص ر ۱۵۱۔

حضرت زید بن ثابت جامع قرآن کمیٹی کے صدر تھے اُن کے پاس ہزاروں سونے چاندی کی اینٹیں تھیں جو اُن کی وفات پر گنڈا سے توڑ توڑ کر ورثہ میں تقسیم کی گئیں۔ ان کے علاوہ ایک لاکھ دینار قیمت کی جائداد چھوڑی[1]۔

طلحہ بن عبید اللہ: حضرت ابوبکر کے ابن عم تھے ان کو والدہ صعبہ ابوسفیان کی بیٹی، معاویہ کی بہن اور یزید کی پھوپھی تھیں[2]۔

عبدالرحمان بن عوف: حضرت عثمان کے بہت قریبی رشتہ دار تھے، عبدالرحمان بن عوف کی بیوی ام کلثوم عقبہ بن ابی معیط حضرت عثمان کی ماں کی طرف سے بہن تھیں۔

سعد بن ابی وقاص:

نہایت قریبی رشتہ دار عبدالرحمان بن عوف کے تھے، چنانچہ جب شوریٰ میں بحث ایک خاص مرحلہ پر پہونچی تو اُنھوں نے کہا میں اپنا حق اپنے ابن عم عبدالرحمان بن عوف کو دیتا ہوں، سعد بن ابی وقاص کی والدہ حمنتہ بنت سفیان بن امیہ تھی اور اس طرح حضرت عثمان و معاویہ کی قریبی رشتہ دار ہوئیں۔ ان کے صاجزادہ عمر ابن سعد وہی بزرگ ہیں جنھوں نے کربلا میں امام حسینؑ کو اس ظلم وستم کے ساتھ شہید کیا۔ حضرت عثمان بن عفان اموی تو امیدوار خلافت تھے ہی اب رہ گئے زبیر بن العوام یہ حضرت ابو بکر کے داماد تھے اُن کی والدہ ہاشمیہ تھیں یہ ہمیشہ تذبذب رہے کبھی ادھر کبھی اُدھر جنگ جمل اُن کا کھڑا کیا ہوا کھیل تھا۔ آخر میں میدانِ جنگ سے علحٰدہ بھی ہو گئے۔ بہر صورت کثرت رائے حضرت عثمان کی طرف ہو ہی گئی۔ اس کے علاوہ شرط یہ بھی تھی کہ اگر مساوی ہو عبد اللہ بن عمر ثالث رہیں گے یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے حضرت عثمان کی بیعت تو شوق سے کر لی لیکن حضرت علیؑ کی بیعت نہ کی جب امام حسینؑ کی شہادت کی خبر مدینہ پہنچی تو اہل مدینہ میں یزید کے خلاف جوش پھیلنا قدرتی امر تھا، لوگ تجویز کرنے لگے کہ اس کی خلع خلافت کی جاوے، حضرت عبد اللہ بن عمر بگڑ گئے اور اپنی اولاد و مقربین کو جمع کر کے کہا کہ جو یزید کی خلع خلافت کرے گا۔ اس میں اور مجھ میں ہمیشہ کے لئے عداوت ہو جائے گی۔ اور فوراً دستور کے مطابق یہ حدیث سنا دی کہ قیامت کے دن بغاوت کرنے والوں کے لئے علحٰدہ جھنڈا بلند کیا جاوے گا۔ ان کے بھائی عبید اللہ بن عمر حضرت علیؑ کے دشمنوں کے ساتھ تھے اور جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے ان دونوں کے والد تو تھے ہی حضرت عمر۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔ باوجود اس کے عبد اللہ بن عمر کو حضرت عمر نے یہ ہدایت کی کہ تم ادھر ہونا جدھر عبدالرحمان ہوں، یہ نئی قسم کی سر پنچ ہے، ہیں تو ثالث لیکن حکم یہ ہے ادھر ہوں جدھر عبدالرحمان بن عوف ہوں...... یہ تجویز شوریٰ بھی ایک پیچیدہ دماغ سے نکلی ہوئی

---

[1] مروج الذہب مسعودی، ج ۲، ص ۲۲۴۔

[2] مروج الذہب مسعودی، ج ۲، ص ۲۴۹، مطبوعہ، بغداد۔

عجیب شئے تھی یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر میں کون سی فضیلت تھی جس کی وجہ سے اُنھیں یہ عجیب سر پنچ بننے کا فخر عطا ہوا بقول حضرت عمر وہ تو فقہ سے ایسے بے بہرہ تھے کہ اپنی عورت کو طلاق بھی نہیں دے سکتے تھے۔ غالباً یہ وجہ ہو کہ یہ اپنے باپ کی دلی حالت سے واقف تھے لہٰذا سارے امور اپنے والد کی خواہش کے مطابق طے کریں گے۔ یہ حضرت عمر کے پیچیدگیٔ دماغ کی بیّن مثال ہے۔ یہی کیوں نہ کہہ دیا کہ عبدالرحمان بن عوف خلیفہ مقرر کریں۔ کارروائی شوریٰ سے معلوم ہوگا کہ جب معاملہ بیچ میں لٹک گیا دونوں طرف تقریباً مساوی رائے ہوئی تو بیچارے عبداللہ بن عمر کو تو کسی نے پوچھا بھی نہیں، عبدالرحمان بن عوف ہی جوڑ توڑ کرتے رہے اُنھیں یہ معلوم ہی تھا کہ حضرت عمر کیا چاہتے تھے۔ شوریٰ کی تجویز عام لوگوں میں ظاہر کرنے سے پہلے حضرت عمر نے عبدالرحمان بن عوف کو بلایا اور اُن سے تخلیہ میں باتیں کیں مؤرخ ابن خلدون لکھتے ہیں:

''پھر حضرت عمر نے عبدالرحمان بن عوف کو بلایا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ خلافت تمہارے سپرد کر دوں۔ عبدالرحمان نے کہا کہ کیا آپ مجھ سے اس کی بابت صرف مشورہ کرنا چاہتے ہیں حضرت عمر نے کہا کہ نہیں بلکہ تمہیں خلیفہ بنانا چاہتا ہوں۔ عبدالرحمان بن عوف نے کہا قسم بخدا میں اس بوجھ کو نہیں اُٹھاؤں گا اس پر حضرت عمر نے کہا کہ اچھا جو میں تم سے کہتا ہوں وہ کسی سے نہ کہنا یہاں تک کہ میں ان لوگوں کی طرف خلافت کو کر دوں جن سے بوقت رحلت جناب رسولؐ خدا راضی تھے پھر حضرت عمر نے علی و عثمان و زبیر و سعد کو بلایا۔ عبدالرحمان بھی ان کے ساتھ تھے[۱]۔

آپ نے تجویز شوریٰ کی پیچیدگی کو ملاحظہ فرمایا عبدالرحمان قطعاً انکار کر چکے ہیں پھر بھی انھیں امیدواران خلافت میں رکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ امیدواری کیسی کہ خلیفہ گر بھی ہیں۔ یہ دونوں باتیں مل کر صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ عبدالرحمان وہاں شوریٰ میں خاص غرض کے لئے بھیجے گئے تھے چونکہ وہاں اُن کے ہونے کے لئے کچھ بہانہ ہونا چاہیئے تھا لہٰذا کہہ دیا گیا کہ یہ بھی امیدوار خلافت میں وہ خاص غرض کیا تھی ترکیب و ساخت شوریٰ بتا رہی ہے۔ حضرت عمر کے ارادے جو پہلے ظاہر کر چکے ہیں وہ بتا رہے ہیں حضرت عمر کا عبدالرحمان ثالث کو صیغہ راز میں ہدایت دینا بتا رہا ہے۔ ترکیب و ساخت شوریٰ کا تو ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں۔ حضرت علیؑ وہاں اقلیت میں تھے۔ عبدالرحمان ثالث تھے اور وہ حضرت عثمان کے رشتہ دار تھے اور کارروائی شوریٰ بتائے گی کہ آیا انھوں نے رشتہ داری و ہدایت حضرت عمر کے بنا پر فیصلہ کیا یا انصاف کی بنا پر خلیفہ مقرر کیا۔ اب رہے حضرت عمر کے پُرانے منصوبے وہ ہم اب ظاہر کرتے ہیں۔ حضرت عمر پہلے ہی فیصلہ کر چکے تھے کہ ان کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوں گے۔

۱۔ تاریخ ابن خلدون، مطبوعہ دارالطباعۃ الخدیو یہ بولاق، مصر المغربیہ، ۱۲۸۴ھ، ص ر ۱۲۴، و ۱۲۵۔

عن الحذیفة قال قیل لعمر ابن الخطاب و هو بالمدینة یا امیر المومنین من الخلیفة بعدك قال عثمان۔ (کنز العمال، جلد/ ۳،ص/ ۱۵۸، حدیث/ ۲۴۴۸)

حذیفہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر مدینہ میں تھے تو اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ حضرت عمر نے کہا عثمان۔

عن مطرف قال حججت فی امارة عمر فلم یکونوا یشکون ان الخلافة من بعده لعثمان۔ (کنز العمال، جلد/ ۳،ص/ ۱۶۰، حدیث/ ۲۴۵۹)

مطرف سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانے میں لوگوں کو یقین تھا کہ اُن کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے۔

عن سداد بن عثمان قال سمعت عوف بن مالك فی ایام عمر یقول یاطاعون حذنی فقلت لم تقول هذا وقد سمعت رسول اللهؐ یقول ان المومن لایزیده طول العمر الاخیرا قال انی اخاف ستاً خلافة بنی امیة......۔ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج/ ۲،ص/ ۳۹۸)

سداد بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے عوف بن مالک کو حضرت عمر کے زمانہ میں کہتے سنا کہ اے طاعون مجھے لے لے ہم نے کہا کہ تم کیوں ایسا کہتے ہو۔ تم نے رسولؐ خدا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کے طول عمر میں خیر ہے۔ عوف نے کہا کہ میں چھ باتوں سے ڈرتا ہوں، ان میں سے ایک بنی امیہ کی خلافت ہے۔

اب سوچئے کہ حضرت عمر نے خلوت میں عبد الرحمان بن عوف کو کیا ہدایت دی ہوگی۔ وہ ایسی ہدایت ہے کہ جو عام لوگوں میں کہنے کی نہیں۔ لہٰذا عمر نے اخفار کھنے کا وعدہ لے لیا پھر کہی اور لوگوں کو ہدایت کی کہ اُدھر ہونا جدھر عبد الرحمان بن عوف ہوں۔ جائز قیاس و صحیح استدلال سے نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ہدایت یہ ہوگی کہ خلیفہ کس کو بنائیں۔ عبد الرحمان بن عوف کا طرز عمل جو اُنھوں نے شوریٰ میں اختیار کیا اور جس کو ہم ابھی بیان کرتے ہیں صاف بتا رہا ہے کہ ان کی ساری کوشش یہ تھی کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں۔ حضرت عمر نے پہلے ہی اپنے منصوبوں میں فیصلہ کرلیا تھا کہ ان کے بعد حضرت عثمان خلیفہ ہوں۔ لہٰذا آخری اور صحیح نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عمر نے خفیہ ہدایت حضرت عبد الرحمان کو یہ دی تھی کہ تم کسی نہ کسی طرح عثمان کو خلیفہ مقرر کر دینا۔

جب اتنا معلوم ہوگیا تو اب آپ حضرت عمر کے اس حکم کی اہمیت پر غور کیجئے کہ جو عبد الرحمان بن عوف کے فیصلے یا اکثریت کی رائے سے اختلاف کرے تو اُس کو قتل کر دینا۔ حضرت عمر کا منشا کس کو قتل کرانے کا تھا؟ عبد الرحمان بن عوف کا فیصلہ تو ظاہر ہی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ اس کو پسند نہ کرتے اور نہ کیا۔ نتیجہ نکلا کہ حضرت عمر کا صاف و صریح حکم یہ تھا کہ ہمیشہ کی خلش

مٹ جائے گی تم علیؑ کو قتل ہی کر دینا یہ بات دوسری ہے کہ اس وقت کی حالت کو دیکھتے ہوئے ان لوگوں کی ہمت نہیں پڑی کہ قتل کر دیتے۔ بہر صورت حضرت عمر نے ایک راستہ تو دکھا دیا، طریقہ تو بتا دیا۔ جب حالت بدل گئی اور واقعات نے مساعدت کی تو یزید نے اس پر عمل بھی کر کے دکھا دیا۔ یزید نے کوئی نئی بات نہیں کی اپنی طرف سے کوئی نیا سیاسی اصول نہیں ایجاد کیا صرف حضرت عمر کی اطاعت کی، اکثریت نے اس کو خلیفہ مان لیا تھا اس نے امام حسینؑ سے بیعت طلب کی جس طرح حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے ابوبکر کی بیعت طلب کی تھی اور اب حضرت عثمان کے لئے طلب ہوئی تھی امام حسینؑ نے انکار کیا جس طرح حضرت علیؑ نے انکار کیا تھا۔ حضرت عمر ایک دفعہ گھر جلا کر حضرت علیؑ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے دوسری دفعہ حکم دیا کہ اس مختلف (علیؑ) کو قتل کر دینا لیکن وہ زمانہ جناب رسولؐ خدا کے زمانہ سے اتنا نزدیک تھا اور حضرت علیؑ کی وقعت گرتے گرتے بھی ابھی اتنی باقی رہ گئی تھی کہ حضرت عمر کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔ یہ تیسری دفعہ یزید نے کوشش کی، حالات بدل چکے تھے، کامیاب ہو گیا۔

چونکہ اس انتخاب کی جوازیت محض حضرت عمر کے احکام و ہدایات پر منحصر تھی لہٰذا یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ حضرت عمر نے اس انتخاب کے لئے ضابطہ کیا مقرر کیا تھا اور کس طریقہ سے ہونا تھا۔

(ا) سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ حضرت عمر نے نہایت اہتمام کے ساتھ یہ انتظام کیا کہ ممبران شوریٰ محض اپنی رائے سے ایک نتیجہ پر پہونچیں۔ صرف برکت کے لئے جناب حسنینؑ اور عبداللہ ابن عباس کو بلا لیں اُن کو بولنے یا اس میں حصہ لینے کی اجازت نہ تھی اور دو تین انصار کو بھی کارروائی کو Watch کرنے کے لئے، دیکھنے کے لئے بلا لیں حصہ لینے کا اختیار اُن کو بھی نہ تھا.........اس شرط کو حضرت عمر نے اتنی اہمیت دی تھی کہ ابوطلحہ انصاری کو حکم دیا تھا کہ جب تک شوریٰ جاری رہے تم کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ اہل شوریٰ نے اس پر عمل کیا یا نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے شوریٰ کے لئے محض تین دن دیئے تھے اور اس شرط میں یہ سختی تھی کہ تیسرے دن تم اپنی جگہ سے نہ اُٹھنا جب تک خلیفہ مقرر نہ کرلو اگر شوریٰ تین دن میں مکمل نہیں ہوتی تو چوتھے دن کی کارروائی ناجائز تھی۔

تیسری بات جو ہے وہ نہایت غور کے قابل ہے بہت اہم ہے۔ حضرت عمر نے یہ نہیں کہا کہ تم امیدواروں کے سامنے کسی شرط کو پیش کرنا اور خلیفہ کا انتخاب اس شرط کی تعمیل کے اقرار پر مبنی کرنا اگر ایسا کیا گیا تو سارا انتخاب ہی ناجائز ہو گیا۔

اس امر کا ثبوت کہ حضرت عمر نے شوریٰ کی تجویز محض ایک مقصد کے لئے کی تھی اور وہ مقصد یہ تھا کہ خلافت حضرت علیؑ تک نہ پہونچے بلکہ بنوامیہ کی طرف جاوے اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے تو ہر ایک ہدایت دی اور جو صحیح انتخاب کے لئے صحیح ہدایت ہوتی ہے وہی نہ دی۔ یہ نہ بتایا کہ خلیفہ کن صفات کا ہونا چاہئے۔ اس میں کیا کیا فضیلتیں تم

تلاش کرنا اُن فضائل کی جانچ کس طرح کرنا، اسلام کی خدمات کو مدِّ نظر رکھنا آیت قرآنی السّابقون السّابقون پر عمل کرنا۔ یہ دیکھنا کہ پہلے کون ایمان لایا جہادوں میں کون ثابت قدم رہا، کون بھاگتا رہا، جناب رسُول خدا کے نزدیک کس کی منزلت زیادہ تھی بقول خود ان چھ لوگوں کو اس لئے منتخب کیا تھا کہ مرتے دم تک جناب رسُول خدا ان سے راضی تھے، یہی کہہ دیتے کہ ان سب میں اُس کو منتخب کرنا جس سے جناب رسُول خدا سب سے زیادہ راضی تھے جس نے آخر دم تک اُن کی خدمت کی تھی لوگ جنازہ چھوڑ کر چلے گئے اور وہ عشق رسُول میں جنازہ کے ساتھ رہا، جب یہ مسئلہ طے ہوگیا، وجہ انتخاب جناب رسُول خدا کی خوشنودی تھی تو پھر جناب رسُول خدا کے نزدیک سب سے زیادہ جس کی منزلت ہوتی اُسی کو خلیفہ مقرر کرنے کی ہدایت فرمائی جاتی۔ یہ عجیب بات تھی شروع میں تو تمہید اس طرح باندھی کہ یہ چھ آدمی جناب رسُول خدا کے مرتے دم تک کی خوشنودی کی وجہ سے منتخب کئے جاتے ہیں اور ختم اس معاملہ کو عبدالرحمان بن عوف کی خوشنودی پر کیا۔ یہ منطق تو ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اس استدلال کا صحیح و منطقیانہ نتیجہ تو یہ ہوتا کہ ان میں سے جس شخص کو اس خوشنودی کا سب سے زیادہ حصہ ملا ہوا تھا وہی خلیفہ ہو۔

سرمایہ داروں کی جماعت کے سب سے بڑے سرمایہ دار کے ڈکٹیٹرانہ رائے پر خلیفہ کے انتخاب کو چھوڑنا بغیر کسی قسم کی فضیلت اور وجہ انتخاب کی شرط لگانے کے صاف بتا رہا ہے کہ مدعا کیا تھا یہ غرض نہیں تھی کہ خلافت کے لئے بہترین اور موزوں ترین شخص منتخب ہو بلکہ مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان خلیفہ ہوں جو اسی سرمایہ داروں کی جماعت کے ایک اعلیٰ ممبر تھے۔ یہ ڈکٹیٹر، یہ خلیفہ گر کون تھے۔ یہ وہی تھے جس کو حضرت عمر صحیح طور سے فرعون امت جانتے تھے اور کہہ چکے تھے۔ خلافت الٰہیہ کی باگ ڈور ایک فرعون کے ہاتھ میں دے کر اس کو اپنے اصلی مقام و مقصد سے گرا دیا۔

حضرت عمر نے یہ نہیں کہا کہ عبدالرحمان ثالث ہوں یعنی جس کو وہ مقرر کریں وہی خلیفہ ہو بلکہ یہ کہا کہ جس کی طرف عبدالرحمان ہوں وہی خلیفہ ہو جائے بصورت مساوی ہونے کے عبداللہ بن عمر ثالث ہوں اور عبداللہ بن عمر کو ہدایت کی کہ تم اُس کے حق میں فیصلہ دینا جس کی طرف عبدالرحمان ہوں۔

اب ہم شوریٰ کے اندر کی کارروائی پر نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ عبدالرحمان نے کیا کیا۔ عبدالرحمان بن عوف نے دیگر امیدواروں سے اُن کا حق لینے کی کوشش کی اور اپنے تئیں واحد ثالث بنا لیا۔ یہ انصاف کے خلاف تھا اور ہدایات حضرت عمر کے خلاف تھا۔ اس کا اختیار اُن کو نہیں دیا گیا اُنھوں نے حد اختیارات سے تجاوز کیا اور ثالث بن کر ساری کارروائی جو کی وہ ناجائز کی۔

تین دن وہ برابر اجلاس شوریٰ سے باہر جا کر لوگوں سے صلاح و مشورہ کرتے رہے عثمانی جماعت سے ملتے رہے عمرو

بن العاص سے تجویز پوچھی گئی کہ کس طرح علیؑ کو دور رکھا جائے ۔ اُنھوں نے سنت شیخین کی پیروی کی شرط کی تجویز مقرر کی جو عبدالرحمان بن عوف کو پسند آئی ۔ دیکھو شمس التواریخ ص ر ۲۱۲ یہ کارروائی بھی حدود اختیارات سے باہر ہے ۔لہٰذا ناجائز ہوئی ۔

باوجود اس کے تین دن جو اُن کو دیئے گئے تھے اُن کے اندر وہ خلیفہ مقرر نہ کر سکے اُن کو صرف تین دن تک اختیارات تھے چوتھے دن وہ بے اختیار ہو چکے تھے، چوتھے دن اُنھوں نے جو کارروائی کی وہ ناجائز ہوئی ۔

چوتھے دن مقام شوریٰ بھی چھوڑ دیا مسجد میں آ گئے، وہاں خود فیصلہ نہ کیا لوگوں سے کہا کہ خلیفہ مقرر کرلو حضرت عمار یاسر نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا اور ابن ابی سرح نے عثمان کی طرف، آپس میں بات چیت بڑھ گئی اپنے اختیارات ان لوگوں کو دے دیے ۔ اب واپس نہیں لے سکتے تھے ۔

اب تمام لوگوں کے سامنے اُنھیں دکھا کر اور سنا کر حضرت علیؑ اور حضرت عثمان کے سامنے وہ سیرت شیخین والی شرط پیش کی جاتی ہے جو عمرو بن العاص نے بتائی تھی ۔ اس شرط کی بناء پر جو خلیفہ ہوا وہ ناجائز تھا، یہ بات اُن کے اختیارات سے باہر تھی ۔حضرت عمر نے یہ شرط نہیں مقرر کی تھی لہٰذا جو خلیفہ اس شرط کی وجہ سے مقرر ہوا وہ ناجائز تھا ۔

تمام لوگوں کے سامنے اس شرط کو پیش کرنے کا مدعا یہ تھا کہ اُنکو معلوم ہو جاوے کہ علیؑ کو اس وجہ سے خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے کہ اُنھوں نے تمہارے بنائے ہوئے تمہارے پیارے شیخین کی سیرت کی پیروی کرنا قبول نہیں کیا ۔حضرت علیؑ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے کی یہ بھی ایک تجویز تھی ۔

یہ شرط بہت اہم تھی ۔ اس پر ہی خلافت کا انعقاد منحصر کیا گیا اور اسی سے اس زمانے کے لوگوں کے خیالات و اندرونی حالت کا پتہ چلتا ہے ۔لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مورخین ہی کے الفاظ میں بیان کریں ۔

> ''پس عبدالرحمان بن عوف نے علیؑ سے شروع کیا اور کہا کہ میں آپ کی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ آپ وعدہ کریں کہ کتاب اللہ و سنت رسولؐ و سنت شیخین ابوبکر و عمر کی پیروی کریں گے ۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ کتاب اللہ و سنت رسولؐ کی پیروی منظور کرتا ہوں لیکن سیرت شیخین کا وعدہ نہیں کرتا ۔ میں اپنے اجتہاد و رائے پر عمل کروں گا، عبدالرحمان نے پھر اسی طرح عثمان کو بلا کر اس کے سامنے یہ شرط پیش کی ۔ عثمان نے فوراً منظور کرلیا ۔عبدالرحمان نے اسی طرح تین دفعہ علی و عثمان سے پوچھا تینوں دفعہ حضرت علیؑ نے سنت شیخین کی پیروی سے انکار کر دیا اور عثمان نے اقرار کرلیا ۔ اس پر عبدالرحمان نے عثمان کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور

کہا کہ السّلام علیك یا امیر المومنین۔[1]

غور کرو مسلمانو! محمد مصطفیٰ کی حکومت علیؑ کی تلوار سے حاصل کی ہوئی کس طرح غیروں میں اُچھالی جارہی ہے۔ اور اُن کی اولاد کو کس طرح امت کا دست نگر بنایا جارہا ہے۔ اس کو عطا کرنے والا کون؟ ایک شخص جو مجبور ہو کر ایمان لایا اور جس کو حضرت عمر نے فرعون کا لقب دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کو جو ہدایت دی گئی تھی وہ بھی قابل غور ہے جب تین ایک طرف اور تین دوسری طرف ہوں تو تم اُدھر ہونا جدھر عبدالرحمان بن عوف ہوں۔ حضرت عمر نے خود ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ اس صورت میں عبدالرحمان بن عوف خلیفہ ہوں، وجہ یہ ہے کہ عبدالرحمان تو شروع ہی سے انکار کر چکے تھے وہ تو خلیفہ ہونا ہی نہیں چاہتے تھے۔ وہ تو حضرت عثمان کو خلیفہ بنانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اس لئے حضرت عمر کا یہ کہنا بے فائدہ ہوتا کہ اس صورت میں عبدالرحمان خلیفہ ہوں۔ یہ ہدایت عبدالرحمان کو دے ہی چکے تھے کہ عثمان کو خلیفہ کرنا۔ بس اب عبداللہ بن عمر کے لئے یہی ہدایت باقی تھی کہ تم اُدھر ہونا جدھر عبدالرحمان ہوں۔

مؤرخین نے بہت چھپایا لیکن بات چھپ نہ سکی راز فاش ہو ہی گیا، طبری کی روایت دیکھو جو ہم نے اوپر نقل کی ہے۔ جب تیسرا دن ہوگیا معاملہ کسی طرح طے نہ ہوا تو آخر کار سعد بن ابی وقاص نے عبدالرحمان سے کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم میں ضعف آگیا ہے۔ جو تمہاری رائے ہے وہ کر ڈالو۔ یہ تم کو معلوم ہی ہے کہ عمر کیا چاہتے تھے۔''

کہا جاسکتا ہے کہ اگر محض حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کرنا ہی مقصود تھا تو حضرت عمر خود ہی حضرت عثمان کو مقرر کر دیتے اتنی پیچیدہ تجویز وترکیب کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں۔ اگر خود کرتے تو کس بہانہ سے کرتے ظاہراً حضرت علیؑ بدرجہا حضرت عثمان سے افضل تھے سبقت اسلامی میں بھی، جہاد میں بھی، منزلت رسوؐل میں ایسا ہے کہ جس میں افضلیت کا سوال نظر انداز ہوسکتا ہے۔ رائے دینے والے کہتے ہیں ہم رائے دیتے ہیں۔ یہ ہم نہیں بتاتے کہ کیوں زید کو دیتے ہیں بکر کو نہیں دیتے۔ لیکن ساری امت میں اس انتخاب کو ڈال بھی نہیں سکتے تھے، پھر تو بحث ہوتی، افضلیت کا ذکر آتا لہٰذا انتخاب کو بہت ہی محدود رکھا۔

حضرت عمر نے یہ بھی خیال کیا کہ اگر وہ حضرت عثمان کو اپنے حکم سے نامزد کر دیں تو شاید بنو ہاشم کسی ترکیب سے اس

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج/۱ص ۶۳، تاریخ ابن خلدون، جلد/۲ص/۱۲۶، مطبوعہ ۱۲۸۴ھ شمس التواریخ ص/۱۲۱۴، تاریخ طبری، ج/۵، ص/۳۷، حبیب السیر، جلد اول، جزو چہارم ص/۲۷ و ۲۸، تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ص/۱۶۵ و ۱۶۶۔

تجویز کو قائم نہ رہنے دیں۔لہٰذا اُنھوں نے یہ تجویز سوچی کہ اگر مختلف قبائل کے چار آدمی عثمان کی حمایت کے لئے مقرر کر دیئے جائیں تو وہ اور اُن کے قبیلے کے لوگ اپنی بات کی بچ کے لئے عثمان کی حمایت کریں گے۔اور پھر بنو ہاشم کے لئے ان سب کا مقابلہ کرنا مشکل ہوگا۔خصوصاً جبکہ ان لوگوں میں عبدالرحمان بن عوف جیسے دولتمند اور طلحہ جیسے کبر ونخوت کے پُتلے شامل ہوں گے۔(التفریق و التحریف فی الاسلام ،آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی)

سب سے بڑی وجہ اس طریقۂ کار کے اختیار کرنے کی یہ ہے کہ سیدھے سیدھے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ نامزد کر دینے میں حضرت عمر کی دلی مراد حاصل نہیں ہوتی، اگر حضرت ابو بکر کی طرح حضرت عمر بھی وصیت نامہ لکھ جاتے اور اپنی جگہ عثمان کو خلیفہ مقرر کر جاتے تو پھر بات ہی کیا ہوتی۔ یہ تو پہلے ہی سے طے شدہ تھا کہ اُن کے بعد عثمان خلیفہ ہوں گے جیسا کہ اوپر منتخب کنزالعمال کی روایتیں ثبوت میں پیش کی جا چکی ہیں اور حضرت عمر اپنے ضمیر کے اصرار کی وجہ سے اس کے پابند بھی تھے کیوں کہ انھیں عثمان کے احسان کا بدلہ چکانا ضروری تھا۔حضرت ابو بکر کے مرتے دم کی بیہوشی سے فائدہ اُٹھا کر حضرت عثمان نے حضرت عمر کا نام لکھ دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں حضرت عمر مسند خلافت پر رونق افروز ہو گئے تھے۔اس سلوک کی مکافات ضروری تھی۔مگر حضرت عمر ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہتے تھے کہ حضرت عثمان خلیفہ بھی مقرر ہو جائیں اور اس خلافت کی راہ میں جو سب سے بڑا کانٹا ہے وہ بھی نکل جائے۔سقیفہ کی کارروائیاں تفصیل سے بیان کی جا چکی ہیں علیؑ کا حق غصب کرنے، اُن پر مظالم کے پہاڑ ڈھانے، اُن کے گھر کا دروازہ گرانے، آگ لگانے کے واقعات سے کون ناواقف ہوگا۔سقیفہ کے موقع ہی پر حضرت عمر نے تہیہ کر لیا تھا کہ علیؑ کو قتل ہی کر دیا جائے کہ اُن کے بعد حکومت اسلامیہ پر ہم بے کھٹکے قابض ومتصرف رہیں گے اور اختلاف کی گیند سے اچھی طرح کھیلتے رہیں گے۔کسی کا کھٹکا باقی نہ رہے گا۔اگر علیؑ سقیفہ کے موقع پر بجائے محیر العقول ضبط وتحمل اور بے پناہ صبر کے ذرا بھی مقاومت فرماتے تو حضرت عمر اپنے ارادہ کو عملی جامہ بھی پہنا چکے ہوتے۔حضرت ابو بکر کو اُنھوں نے بار بار مجبور بھی کیا، انتہائی شدید تقاضے بھی کئے کہ اس "مختلف" (علیؑ) سے بیعت کیوں نہیں لیتے (اور اگر وہ بیعت نہیں کرتے تو قتل کیوں نہیں کرتے) مگر ابو بکر اس کے لئے تیار نہیں ہوئے،خود اپنے عہد حکومت میں اُنھیں کوئی بہانہ علیؑ کی جان لینے کا میسّر نہ آیا علیؑ کے بے شمار احسانات کی بھی کچھ شرم دامن گیر تھی۔اب چل چلاؤ کا وقت تھا، زندگی کی چند سانسیں باقی تھیں، مرنے سے زیادہ افسوس اس کا تھا کہ خلافت اپنے ہاتھ میں لینے سے اصلی غرض جو ہماری تھی وہ پوری نہ ہو سکی، ہم دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں اور علیؑ اب بھی زندہ ہیں اور اُن کی زندگی سے رسُول اللہ کا پورا مشن زندہ ہے، اُن کی زندگی سے رسُول کی غرض بعثت باقی ہے، اُن کی زندگی سے حقیقی اسلام زندہ ہے، اس لئے چلتے چلتے ایسی ترکیب کر گئے کہ خلافت سے نہ صرف علیؑ محروم کر دئے جائیں خلافت کا

ہمیشہ کے لئے بنی ہاشم سے رُخ موڑ دیا جائے بلکہ علیؑ کو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے اور جس پھانس کو وہ زندگی بھر سینہ میں لئے رہے مرنے کے بعد نکل جائے۔

آج تقریباً دنیا بھر میں ووٹ دینے کا رواج ہوگیا ہے اور ہر شخص آزاد رکھا گیا کہ کسی مسئلہ کے متعلق جس طرف چاہے ووٹ دے۔ جو بات کثرت آراء سے معلوم ہوجاتی ہے اسی کو طے کرلیا جاتا ہے۔ دوسری طرف والوں کو نہ جیل دیا جاتا ہے نہ جرمانہ کی سزا ہوتی ہے، قتل کرنا تو علحدہ رہا مگر حضرت عمر کا یہ انتظام سر دُھنے پر مجبور کردیتا ہے کہ مسئلہ خلافت کے متعلق چھ آدمیوں سے ووٹ طلب کرتے ہیں اور پھر حکم دیتے ہیں کہ دوسری پارٹی والوں کو معمولی سزا نہ دینا بلکہ قتل کردینا۔ اس پر اس زمانے میں حضرت عمر کے جمہوری حاکم اور عدل و انصاف کا تمغہ لگائے ہوئے خلیفہ ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے۔ کیا مصر کے فرعون نے بھی کوئی ایسا حکم دیا تھا؟ کیا چنگیز خاں نے بھی یہ صورت نکالی تھی؟ کیا ہلاکو خاں نے بھی یہ تدبیر سوچی تھی؟ کیا نادر شاہ نے بھی یہ آرڈر دیا تھا؟ حضرت آدم سے اس وقت تک کسی زمانہ، کسی ملک، کسی قوم، کسی مذہب کے پیشوا یا سردار یا حاکم نے ایسا فرمان جاری کیا تھا کہ لوگوں کو کسی بات کے دریافت کرنے کے لئے خود ہی بلایا ہو اور یہ بھی طے کردیا ہو کہ ان میں سے اگر دو پارٹی ہوجائے گی تو دوسری پارٹی کو قتل کردیا جائے گا؟ اس کو زندگی ہی سے ہاتھ دھولینا پڑے گا؟

حضرت عمر نے شوریٰ کے لئے منتخب کرکے بس ایسے ہی افراد رکھے جو کسی طرح علیؑ کے حامی نہیں ہوسکتے تھے۔ ایک دو اگر علیؑ کے طرفدار بھی ہوجاتے تو اکثریت بہرحال علیؑ کے خلاف رہتی اور اس طرح ایک پنتھ دو کاج کا بہترین تماشا دیکھنے میں آتا، عثمان خلیفہ بھی ہوتے اور علیؑ قتل بھی کردیئے جاتے وہ تو کہئے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حضرت عمر کی تدبیریں پوری طرح کامیاب نہ ہوئیں، عثمان خلیفہ بنانے کو تو بنا دیئے گئے مگر علیؑ پر کسی کو ہاتھ اُٹھانے کی ہمّت نہ ہوسکی۔

مسٹر امیر علی اپنی انگریزی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ: ''خلافت کو شوریٰ پر چھوڑنے میں خلیفہ دویم سے ایسی غلطی سرزد ہوئی جس نے بنو امیہ کی سازشوں کے لئے راستہ صاف کردیا بنو امیہ اب مدینہ میں نہایت زبردست ہوگئے تھے اور خاندان رسوؐل کے مدّت سے رقیب تھے اور بنی ہاشم سے سخت نفرت کرتے تھے یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے جناب رسالت مآبؐ کا نہایت تندرہی سے تعاقب کیا تھا اور فتح مکہ کے بعد محض ذاتی مفاد اور اغراض کی خاطر مسلمان ہوگئے تھے۔ اسلام کی ترقی کو وہ اپنے ذاتی اقبال کا ذریعہ بنانے کی ٹھانے ہوئے تھے یہ لوگ رسوؐل کے سیدھے سادے جفاکش صحابیوں سے جو مسلمانوں

پرحکومت کرتے تھے سخت کینہ وعناد رکھتے تھے وہ قدیم مسلمانوں کو کارکن اور سرکاری عہدوں پر سرفراز ہوتا دیکھ کر آتش حسد سے اندر ہی اندر جل بھن کر کباب ہورہے تھے، ان بزرگانِ دین کی پاک زندگیاں ان کو اپنی عیاشی اور خودغرضی کے باعث زہر لگتی تھیں، اُنھوں نے نہایت سہولت سے بدوسرداروں کو جواُن کے اپنے بھائی بند تھے اپنے ساتھ گانٹھ لیا اور اپنی چالبازیوں سے وہ حضرت علیؑ کو خلافت سے محروم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ چند دن کی بحث ومباحثہ کے بعد بنوامیہ خاندان کے ممبر حضرت عثمان کو خلیفہ منتخب کیا۔ اُن کا انتخاب آخرکو اسلام کی تباہی کا باعث ہوا۔ حضرت عثمان کمزور اور ارادے کے کچے تھے اور کسی طرح بھی انتظام حکومت کی قابلیت نہیں رکھتے تھے، بنواُمیہ کے حسب منشاء وہ فوراً اپنے خاندان کے اثر میں آگئے۔ وہ بالکل اپنے سکریٹری مروان کے کہنے پر چلتے جو بنی امیہ میں سخت بدطینت تھا۔ اور عہدشکنی کے جرم میں رسوؐل خدا کے حکم سے جلاوطن ہوچکا تھا اور اس لئے طرید رسوؐل کہلاتا تھا۔ جس وقت عثمان منتخب ہوگئے حضرت علیؑ نے جو کمال درجہ کی حب الوطنی اور غیرت دینی رکھتے تھے سکوت ہی اختیار کیا۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں بنوامیہ اور بنوہاشم کے درمیان وہ آگ پھر سے مشتعل ہوگئی جو ایک صدی تک قائم رہی۔ اُن کے عہد میں صرف یہی رخنہ نہیں پڑا۔ عرب کے عام لوگ ہمیشہ باامن زندگی سے گھبراتے ہیں، وہ صرف رسوؐل خدا کی زبردست شخصیت سے ایک رشتہ میں منسلک ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی مستعدی اور ہوشیاری نے اُن کو ضابطہ میں رکھا۔ اب وہ قریش کی سرداری سے بلبلاتے اور دور دراز مقامات میں بغاوت کے بیج بونے اور مضر اور حمیری فرقوں کے درمیان قومی حسد جو تقریباً معدوم ہوچکا تھا بھڑکانے کے درپے ہوئے جس کا نتیجہ اسلام کے لئے نہایت تباہی بخش نکلا۔ حضرت عثمان نے حضرت عمر کے بہت سے لوگوں کو موقوف کرکے اُن کی جگہ اپنے خاندان کے آدمی جو سخت نالائق اور ناقابل تھے مقرر کئے۔“

تجویز شوریٰ معاویہ ابن ابی سفیان کی نظروں میں:

”ابن عبدربہ عقدالفرید میں لکھتا ہے کہ زیاد نے ابن حصین کو معاویہ کے پاس وفد کرکے یعنی بطور ایلچی کے بھیجا وہ کچھ دنوں معاویہ کے ہاں رہا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت معاویہ نے اسے خلوت میں اپنے پاس بلایا اور کہا اے ابن حصین کہتے ہیں کہ تو بڑا ذہین اور عقیل ہے بھلا ایک بات تو بتا۔ بولا فرمائیے۔ معاویہ نے کہا کون سا امر مسلمانوں میں پراگندگی اور اختلاف کا باعث ہوا؟ ابن حصین نے کہا لوگوں کا عثمان کو قتل کرنا۔ معاویہ نے کہا یہ تو کچھ نہیں بتایا۔ کہا تو پھر علیؑ کا خلیفہ ہونا اور ان کا تجھ سے قتال کرنا۔ کہا یہ بھی کچھ نہ کہا۔ کہا تو پھر طلحہ، زبیر اور عائشہ کا بصرہ جانا اور علیؑ کا اُن سے لڑنا۔ کہا یہ بھی کچھ نہیں۔ کہا اے امیرالمومنین اور تو کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ معاویہ نے کہا لے میں تجھے بتاتا ہوں۔ یہ جتنا کچھ اختلاف اور خواہشوں میں لوگوں کے فرق ہوا

ہے اس شوریٰ کی وجہ سے ہوا ہے جو حضرت عمر نے چھ آدمیوں پر منحصر کیا تھا........"۔ (عقد الفرید، جلد ۲، ص ۲۰۳، تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی)

ممبران شوریٰ کے سامنے امیر المومنینؑ کی احتجاجی تقریر

حضرت امیر المومنینؑ نے ممبران شوریٰ کے سامنے ایک احتجاجی تقریر بھی فرمائی جسے اکثر و بیشتر مؤرخین و محدثین نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ البتہ کسی نے زیادہ حصہ نقل کیا ہے کسی نے کم کتر بیونت کر کے اور اُن فقروں کو نکال کر جن سے حضرات شیخین پر آنچ آتی تھی۔ جن حضرات نے امیر المومنینؑ کی تقریر کے اقتباسات اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں اُن میں چند یہ ہیں:

علّامہ محمد بن یوسف الکنجی، کفایۃ الطالب۔

علامہ اخطب خوارزم، کتاب المناقب۔

علامہ ابن حجر مکی، صواعق محرقہ باب ۹ فصل دوم اور باب ۱۱ فصل اول وغیرہ

میر المومنینؑ نے اپنی اس تقریر میں مخالفین کے لئے عذر کی کوئی گنجائش باقی رہنے نہیں دی تھی۔ اپنے جس قدر خصوصیات و کمالات تھے ایک ایک کر کے گنائے تمام فضائل و مناقب یاد دلا کر اپنے حقدار خلافت ہونے کو ظاہر کیا۔

ہم اس تقریر کے کچھ حصے کا ترجمہ یہاں درج کرتے ہیں:

"عامر بن واثلہ کہتا ہے کہ میں شوریٰ والے دن اس مکان کے دروازے پر تھا، پس اندر لوگوں کی آوازیں بلند ہوئی، میں نے حضرت علیؑ کو کہتے سنا، آپؑ فرما رہے تھے کہ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی، درآں حالیکہ قسم بخدا میں ابوبکر کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار تھا، مگر میں خاموش رہا اس ڈر سے کہ لوگ مرتد نہ ہو جائیں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرنے لگیں، پھر ابوبکر نے عمر کی بیعت کرائی اور قسم بخدا میں عمر کی نسبت خلافت کا زیادہ حقدار اور اہل تھا پھر بھی میں اسی ڈر سے خاموش رہا کہ لوگ پھر کافر نہ ہو جائیں۔ اب تم عثمان کی بیعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہو، اب میں تم کو حق باتیں سناؤں گا۔ عمر نے اس امر خلافت کو پانچ آدمیوں میں ڈال دیا اور میں اُن کا چھٹا ہوں، نہ عمر نے میرے شرف و بزرگی کو سمجھا اور نہ یہ لوگ سمجھتے ہیں اور قسم بخدا اگر میں اپنی فضیلتیں بیان کرنی شروع کروں تو اُن میں سے ایک کی بھی کوئی شخص خواہ وہ عربی ہو یا عجمی دشمن ہو یا کافر تردید نہیں کر سکتا، پھر فرمایا اے پانچ لوگوں کی جماعت میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں میرے سوا رسوؐل خدا کا بھائی ہے، اُنھوں نے جواب دیا کہ نہیں (پھر اسی طرح آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کی نسبت دریافت

کرنے لگے۔ حمزہ، جعفر، فاطمہؑ اور حسنینؑ اور وہ سب جواب دیتے گئے کہ ہم میں کوئی آپ کے سوا ایسا نہیں ہے جس کے رشتہ دار قریبی آپ کے رشتہ داروں ایسے ہوں)۔ پھر آپؑ نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے کہ جس نے میرے پہلے مشرکین کو قتل کیا ہو یا مجھ سے پہلے اسلام لایا ہو یا میری طرح دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہو، سب نے جواب دیا کہ ہم میں آپ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کی محبت خداوند تعالیٰ نے اُمّت اسلامیہ پر واجب رکھی ہو یا جس نے رسوؐل خدا کو غسل دیا ہو۔ سب نے جواب دیا نہیں۔ (پھر آپ نے سدّ ابواب، ردّ شمس، حدیث طیر کے حوالہ سے اپنی فضیلت بیان کی اور وہ لوگ جواب دیتے گئے کہ ہم میں آپ کے سوا کوئی اور ایسا نہیں ہے)، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے میری طرح رسوؐل خدا کو ہر ایک لڑائی اور کٹھن موقع پر بچایا ہو، اور اُن کی حفاظت کی ہو، اُنھوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آیا تم میں کوئی اور ایسا ہے جس نے میری طرح اپنی جان رسوؐل خدا پر قربان کی ہو اور اُن کے فرش پر سویا ہو۔ انھوں نے جواب نہیں دیا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا تم میں کوئی میرے اور میری زوجہ فاطمہؑ کے سوا ایسا ہے جس کو خمس ملا ہو۔ سب نے کہا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جس کو خاص و عام دونوں میں حصہ ملا ہو۔ سب نے کہا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کی طہارت مطلق قرآن شریف سے ثابت ہو۔ سب نے جواب دیا کہ ہم میں آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں (پھر سدّ ابواب کا ذکر فرمایا اور کہا کہ تمہاری شکایت پر رسوؐل خدا نے فرمایا کہ میں نے نہیں بلکہ خدا نے تمہارے دروازے بند کئے اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا، سب نے تصدیق کی، پھر آیت ذو القربیٰ اور جناب رسوؐل خدا کی راز داری اور راز گوئی کا ذکر کیا اور سب نے تصدیق کی، پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو جناب رسوؐل خدا کے ساتھ سب سے آخر تک رہا ہو سوائے میرے؟ اور اُن کو قبر میں اُتارا ہو۔ سب نے کہا کہ ہم میں اور کوئی ایسا نہیں ہے۔" (کتاب المناقب اخطب خوارزم اور صواعق محرقہ علّامہ ابن حجر مکی باب ۱۱، فصل اول)

علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں:

واخرج الدارقطنی ان علیاً قال للستة الذین جعل عمر الامر شوری بینھم کلاماً طویلاً من جملته انشد کم باللہ ھل فیکم احد قال له رسولُ اللہ یا علیؑ انت قسیم الجنة والنار یوم القیامة غیر قالوا اللّٰھُمّ لا۔

''دارقطنی نے اپنی سندوں سے یہ روایت بیان کی ہے حضرت علیؑ بروز شوریٰ ان چھ آدمیوں کے سامنے جنھیں حضرت عمر نے خلافت کے فیصلہ کا اختیار دیا تھا ایک طولانی تقریر فرمائی سلسلۂ تقریر میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے درمیان میرے سوا کوئی اور بھی ہے جس کو رسولؐ خدا نے کہا ہو کہ اے علیؑ تم جنت و دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہو۔ سب نے کہا بخدا نہیں ہم میں آپ کے علاوہ اور کوئی ایسا نہیں ہے۔'' (صواعق محرقہ باب ر ۹ فصل ر ۲، ص ر ۷۵)

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

واخرج الدار قطنی ان علیا یوم الشوریٰ احتج علیٰ اھلھا فقال اللھم انشد کم باللہ ھل فیکم احد اقرب الیٰ رسوؐل اللہ فی الرحم منی ومن جعلہ نفسہ وابناءہ ونساءہ نساء غیری قالوا اللھم لا۔

''دارقطنی نے اپنے اسناد سے یہ روایت کی ہے کہ شوریٰ والے دن حضرت علیؑ نے اہل شوریٰ سے بطور اتمام حجّت گفتگو کی جس میں آپ نے کہا کہ میں تمہیں خداوند عالم کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تمہارے درمیان میرے سوا کوئی دوسرا ہے جو جناب رسوؐل خدا سے رشتہ میں مجھ سے زیادہ قریب ہو، جس کو رسوؐل خدا نے اپنا نفس کہا ہو اور جس کی اولاد کو آں حضرتؐ نے اپنی اولاد، جس کی عورتوں کو اپنی عورتیں کہا ہو، اُنھوں نے جواب دیا کہ آپ کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے۔'' (صواعق محرقہ، باب ر ۹ فصل ر ۲، ص ر ۹۳)

جب عبدالرحمان نے چالبازیوں سے کام لے کر عثمان کی خلافت کا اعلان کر دیا اور اُن کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

لیس ھذا اوّل یوم تظاھر تم فیہ علینا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون واللہ ماولیت عثمان الا لیرد الامر الیك۔

یہ پہلا دن نہیں جب تم نے ہم پر غلبہ حاصل کر لیا اور ہماری حق تلفی کی۔ صبر جمیل کے سوا چارہ کار ہی کیا ہے۔ خدا، معین و مددگار ہے ان باتوں پر جو تم لوگ کرتے ہو خدا کی قسم تم نے اے عبدالرحمان عثمان کو خلیفہ نہیں بنایا مگر اس لئے کہ خلافت تمہیں پلٹا دی جائے.........

چوتھا باب

عہد عثمان

حضرت عمر کا چلایا ہوا تیر نشانہ پر بیٹھا اور اُن کی مکمل تدبیروں کی بدولت حضرت عثمان مسند نشین خلافت ہوئے۔

وہ خواب حقیقت ہو کر رہا جسے دیکھنے کے بعد پیغمبرؐ جتنے دن جئے رنجیدہ و افسردہ رہے آں حضرتؐ نے خواب میں دیکھا تھا کہ بنی اُمیہ منبروں پر چڑھے ہوئے ہیں صحابہ کرام کا بیان ہے کہ اس خواب کے دیکھنے کے بعد زندگی کی آخری سانسوں تک بھی کسی نے آپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ زمانہ کی گردشیں بہت جلد اُس دن کو لے کر آگئیں اور بنی امیہ کے چشم و چراغ حضرت عثمان بن عفان سے اس خواب کی تعبیر کا آغاز ہوا۔

ناظرین معاف فرمائیں گے ہم اس عہد کے حالات ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تو اس لئے کہ حضرت عثمان کی شخصیت و اہمیّت سمجھنے میں آسانی ہو اور یہ معلوم ہو سکے کہ خلافت و نیابت رسوؐل کا مقدّس منصب رفتہ رفتہ کہاں جا پہنچا۔

دوسرے ان واقعات و حالات کی تصویر کشی ہو جائے جو شدہ شدہ قتل حضرت عثمان کا باعث ہوئے۔

پہلی فصل

ہرمزان کا قتل، امیرالمومنین علیہ السلام کا مشورہ قاتل ہرمزان کے متعلق

ہرمزان اہواز کا ایرانی گورنر تھا حضرت عمر کے عہد میں جب اہواز فتح ہوا تو یہ اسیر ہو کر مدینہ آیا، جناب عباس عم رسالت مآبؐ کے ہاتھوں پر مشرف بہ اسلام ہوا۔ حضرت عمر نے بیت المال سے دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔

علّامہ کرابیسی اپنی کتاب ادب القضاء میں سعید بن مسیّب سے بہ اسناد صحیحہ روایت کرتے ہیں کہ ''حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبدالرحمان نے بیان کیا کہ جس دن حضرت عمر زخمی ہوئے اس دن میرا گذر ہرمزان، جفنیہ ایک نصرانی غلام اور ابولولو کی طرف سے ہوا، اُنھوں نے مجھے آتے جو دیکھا تو گھبرا گئے اور اُن کے ہاتھوں سے ایک خنجر گر پڑا جس کے دونوں طرف پھل تھے اور قبضہ بیچ میں تھا، حضرت عمر کے زخمی ہونے کے بعد میں نے لوگوں سے اس واقعہ کو ذکر کیا اور کہا دیکھو کہیں اسی خنجر سے تو حضرت مارے نہیں گئے۔ دیکھا گیا تو وہی خنجر تھا اس پر حضرت عمر کے فرزند عبیداللہ لپکے ہوئے ہرمزان کے پاس پہنچے اور اُسے قتل کر ڈالا ساتھ ہی ساتھ حفنیہ اور ابولولو کی کمسن بچّی کو بھی مار ڈالا، اور ایسا خون سوار ہوا کہ اس وقت مدینہ میں جتنے قیدی تھے سب کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ لوگوں نے انھیں پکڑ لیا اور بے بس کر دیا۔ جب حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے اور اُن کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو عمرو عاص نے حضرت عثمان سے کہا کہ یہ واقعہ آپ کے خلیفہ مقرر ہونے سے پہلے کا ہے لہٰذا آپ کو عبیداللہ سے تعرّض کرنا مناسب نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تینوں خون یوں ہی رائگاں گئے۔''

علّامہ طبری نے بھی تاریخ طبری، جلد/۵ ص/۴۲ میں معمولی فرق سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے، نیز محب طبری نے ریاض نضرہ، جلد/۲ ص/۱۵۰ علامہ ابن حجر نے اصابہ جلد/۲ ص/۲۱۹، پر بعینہ انھیں الفاظ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

علّامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ ''حضرت عثمان بالائے منبر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ لوگو! ہم کوئی مقرر نہیں اگر زندہ رہے تو تم ہم سے اچھی اچھی تقریریں بھی سنو گے خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ عبداللہ بن عمر نے ہرمزان کو مار ڈالا حالانکہ ہرمزان مسلمان تھا اس کا کوئی وارث نہیں۔ اور اگر ہیں تو تمام مسلمان اُس کے وارث ہیں، میں تم لوگوں کا امام ہوں میں نے عبیداللہ کو معاف کر دیا ہے۔ تم لوگ بھی معاف کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں! حضرت علیؑ نے مخالفت کی اور فرمایا کہ اس فاسق سے قصاص لو اُس نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔ ایک مسلمان کو بے قصور قتل کر ڈالا ہے اور عبیداللہ سے کہا اے فاسق اگر کسی دن بھی میرا قابو چل گیا تو

میں ہرمزان کے بدلے میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔ (کتاب الانساب بلاذری، جلد ۵ ص ۴۴)

علامہ یعقوبی لکھے ہیں ''ہرمزان کے بے گناہ قتل کئے جانے اور حضرت عثمان کے عبیداللہ بن عمر سے قصاص نہ لینے پر لوگوں میں بہت زیادہ چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ اس وجہ سے حضرت عثمان نے منبر پر جا کر تقریر فرمائی اور سلسلۂ تقریر میں کہا کہ لوگو! میں ہرمزان کے خون کا مالک ہوں، میں نے اُسے خدا اور حضرت عمر کے لئے ہبہ کیا۔ اس پر جناب مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور بولے ہرمزان خدا اور رسوؐل کا غلام تھا آپ کو یہ اختیار نہیں کہ خدا اور رسوؐل کی چیز کسی کو بخش دیجئے۔ حضرت عثمان نے کہا اچھا ہم بھی سوچیں گے تم لوگ بھی سوچو۔ پھر حضرت عثمان نے عبیداللہ کو مدینہ سے کوفہ بھیج دیا اور اُسے ایک مکان میں جگہ دی چنانچہ وہ جگہ کویفہ ابن عمر کے نام سے مشہور ہوگئی۔ (تاریخ یعقوبی، جلد ۲ ص ۱۴۱)

اما بیہقی عبیداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ جب عمر زخمی کئے گئے تو عبیداللہ بن عمر نے ہرمزان پر حملہ کر کے اُسے قتل کر ڈالا۔ لوگوں نے اس واقعہ کی خبر حضرت عمر کو دی، اُنھوں نے اپنے فرزند عبیداللہ سے پوچھا کہ تم نے ہرمزان کو کیوں مار ڈالا؟ وہ بولے اس لئے کہ اُس نے میرے باپ کو مارا ہے۔ اُنھوں نے پوچھا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ عبیداللہ نے کہا کہ میں نے ہرمزان کو ابولولو کے ساتھ تخلیہ میں دیکھا تھا اُسی نے ابولولو کو مجبور کیا کہ آپ کو ہلاک کرے۔ حضرت عمر نے یہ سن کر فرمایا کہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آتا میرے مرنے کے بعد تم لوگ تحقیق کرنا اور عبیداللہ سے ثبوت طلب کرنا اگر وہ اس امر پر ثبوت پیش کرے تو ہرمزان کا قتل میرے خون کا بدلہ ہو جائے گا اور اگر عبیداللہ ہرمزان کے مجرم ہونے کا ثبوت فراہم نہ کر سکا تو ہرمزان کا قصاص اس سے لینا۔ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے لوگوں نے عرض کی کہ عبیداللہ کے متعلق حضرت عمر کی وصیت پوری کیجئے۔ حضرت عثمان نے پوچھا ہرمزان کا وارث کون ہے؟ لوگوں نے کہا بہ حیثیت خلیفۂ وقت ہونے کے آپ ہی وارث ہیں۔ حضرت عثمان نے فرمایا تو میں نے عبیداللہ کو معاف کیا۔ (سنن کبریٰ، جلد ۸ ص ۲۱)

علّامہ ابن سعد لکھتے ہیں ''عبیداللہ نے ابولولو کی دختر کو مار ڈالا حالانکہ وہ مسلمان تھی، بلکہ عبیداللہ کا ارادہ تو یہ تھا کہ مدینہ میں کسی قیدی کو بھی زندہ نہ رہنے دے۔ مہاجرین اولین سب اُن کے خلاف ہو گئے اور عبیداللہ کی یہ حرکت اُن پر بہت گراں گذری، سب نے متفقہ طور پر اُنھیں سرزنش کی اور قیدیوں سے تعرض کرنے پر برہم ہوئے، عبیداللہ نے کہا کہ میں قیدیوں کو تو قتل کروں گا ہی اُن کے علاوہ دوسروں کو بھی نہ چھوڑوں گا مطلب یہ تھا کہ بعض مہاجرین کو بھی ہلاک کروں گا۔ عمرو عاص بہت دیر تک اُنھیں بہلاتے رہے یہاں تک کہ عبیداللہ کی تلوار اُنھوں نے اپنے قبضے میں کر لی۔ سعد بن ابی وقاص آئے اُنھوں نے عبیداللہ کے بال پکڑ لئے۔ عبیداللہ نے بھی اُن کے بال پکڑ لئے اور دونوں میں کشتی ہونے لگی، لوگوں نے بیچ بچاؤ کیا پھر حضرت

عثمان آئے، یہی صورت اُن کے ساتھ بھی پیش آئی، اُنھوں نے عبیداللہ کا سر پکڑا اُنھوں نے حضرت عثمان کا اور دونوں میں گدّم پٹخنا ہونے لگی۔ جب بہت سے لوگ بیچ میں آگئے تو دونوں جُدا ہوئے۔ اُس دن لوگوں پر عبیداللہ کے خون کر ڈالنے سے عجیب سراسمیگی طاری تھی۔ (طبقات ابن سعد، جلد/ ۳ص/ ۸)

علّامہ طبری لکھتے ہیں کہ "جب حضرت عثمان کی بیعت ہوگئی تو وہ مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور عبیداللہ بن عمر کو طلب کیا، عبیداللہ اُس وقت سعد بن وقاص کے گھر میں مقید تھے۔ جب عبیداللہ نے جفنیہ، ہمزان اور ابولولو کی کمسن بچی کو قتل کر ڈالا اور کہنے لگے کہ میرے باپ کی ہلاکت میں جتنے لوگ شریک تھے میں سبھی کو قتل کر کے رہوں گا۔ (یہ اشارہ اُن کا بعض مہاجرین وانصار کی طرف تھا) تو سعد ہی نے بڑھ کر عبیداللہ کے ہاتھ سے تلوار چھینی اور سر کے بال پکڑ کر زمین پر دے پٹکا اور اپنے گھرلے جا کر کمرے میں بند کر دیا یہاں تک کہ حضرت عثمان نے اُنھیں طلب کیا اور مہاجرین وانصار کے مجمع سے کہا کہ اس شخص عبیداللہ کے متعلق مجھے مشورہ دو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میری رائے تو یہ ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ بعض لوگوں نے کہا ابھی کل حضرت عمر مارے گئے ہیں آج اُن کا فرزند مارا جائے؟ عمر وعاص نے کہا حضور خدا نے آپ کو اس سے بے تعلق رکھا ہے۔ یہ واقعہ آپ کے بااختیار ہونے یعنی خلیفہ مقرر ہونے کے پہلے کا ہے (لہٰذا آپ کو اس معاملہ میں ہاتھ ڈالنا نہ چاہیئے) حضرت عثمان نے کہا میں تمام مسلمانوں کا مختار ہوں میں ہرمزان کا بدلہ دیۃ قرار دیتا ہوں اور اُسے اپنے مال سے ادا کیئے دیتا ہوں۔ (تاریخ طبری، جلد/ ۵ص/ ۱)

یہ چند مؤرخین ومحدثین کی عبارتوں کا اقتباس تھا جو ثبوت ہے کہ ہرمزان، جفنیہ اور ابولولو کی کمسن بچی کا خون یوں ہی رائگاں گیا۔ حضرت عثمان اپنے پیشرو حضرت عمر کے حقوق کا خیال کرتے ہوئے تین خون ناحق ضائع جانے دیئے اور باوجود مسلمانوں کے شدید احتجاج اور مطالبۂ قصاص کے عبیداللہ کو بقول شاعر۔

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

بے داغ چھوڑ دیا۔

باوجود یہ کہ صحابہ کی اکثریت متقاضی تھی کہ عبیداللہ سے ضرور قصاص لیا جائے، حضرت امیر المومنینؑ کا بھی یہی مشورہ تھا، لیکن حضرت عثمان نے تمام بزرگان صحابہ اور حضرت علیؑ کے مشورہ کو ٹھکرا کر عمر وعاص کے اس مشورہ کو ترجیح دی کہ "یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آپ بااختیار نہ تھے یعنی خلافت کے منصب پر فائز نہ تھے۔" حالانکہ خود حضرت عمر نے مرنے سے پہلے صاف لفظوں میں کہا تھا کہ معاملہ کی تفتیش کی جائے اگر عبیداللہ، ہرمزان کے شریک جُرم ہونے پر ثبوت پیش نہ کرسکے تو اُس سے قصاص لیا جائے۔ لہٰذا اگر عمر وعاص کی رائے بفرض محال صحیح تسلیم بھی کرلی جائے تو وقوع واقعہ کے وقت جو مسلمانوں کا حاکم تھا یعنی حضرت

عمر اُن کے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی گئی؟ انھوں نے تو جیتے جی قصاص لینے کا حکم دے دیا تھا۔

مزید برآں عبید اللہ نے صرف ہرمزان کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ جفنیہ اور ابولولو کی کمسن بچی کو بھی مار ڈالا۔ اگر ہرمزان مجرم تھا تو جفنیہ اور ابولولو کی کمسن بچی تو بے قصور تھی ان دونوں کا خون کیوں رائگاں کیا گیا؟ ایک تو یہی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ خلیفہ اسی وقت مواخذہ کا اختیار رکھتا ہے جب جرائم اس کی خلافت کے زمانہ میں ہوں، اگر عمرو عاص کی یہ بات صحیح تھی تو حضرت عثمان نے عبید اللہ کو معاف کیوں کیا یہی کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ واقعہ میری خلافت سے پہلے کا ہے لہٰذا اُن سے قصاص نہیں لے سکتا۔

اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ مقتول کا وارث نہ ہونے کی صورت میں خلیفہ وقت بحیثیت والی ہونے کے مختار ہے چاہے قاتل سے قصاص لے یا معاف کر دے تو پھر بھی سوال ہوتا ہے کہ خلیفہ کو یہ اختیار کب ہے کہ اس سے پہلے کا خلیفہ جو حکم جاری کر چکا ہو اُسے منسوخ کر دے۔ حضرت عمر نے تو قصاص لینے کا حکم صادر کر دیا تھا۔ حضرت عثمان اس حکم کو منسوخ کس قاعدے سے کرنے کے حقدار تھے؟

ایک سوال اور یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن مسلمانوں سے حضرت عثمان نے فرمائش کی تھی کہ تم لوگ عبید اللہ کو معاف کر دو اور اُنھوں نے معاف کر دیا تھا کیا ان مسلمانوں کو حضرت عمر کے حکم کو رد کرنے کا بھی اختیار تھا؟ اگر تھا تو پھر سوال ہوسکتا ہے کہ صرف چند آدمیوں کے معاف کر دینے سے قصاص ساقط بھی ہوسکتا ہے یا لازم تھا کہ تمام مسلمانوں کی رائے لی جاتی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر مسلمان عبید اللہ کو معاف کئے جانے کے خلاف تھے، اُنھوں نے اس فیصلہ پر نکتہ چینی بھی کی یہاں تک کہ حضرت عثمان نے دیکھا کہ جماعت مسلمین عبید اللہ کے قتل کئے جانے ہی پر مصر ہے تو اُنھوں نے عبید اللہ کو حکم دیا کہ تم یہاں سے ٹل جاؤ اور وہ کوفہ چلا گیا اور حضرت عثمان نے اُسے مکان بھی الاٹ کر دیا اور جاگیر بھی دے دی جو تاریخوں میں کویفہ ابن عمر کے نام سے مشہور ہے۔ مسلمانوں نے حضرت عثمان کے اس فعل کو بھی گراں سمجھا اور بہت اعتراضات وارد کئے۔

(تاریخ یعقوبی، جلد ر ۲، ص ر ۱۴۱، معجم البلدان، جلد ۷، ۳۰)

حضرت امیرالمومنینؑ نے عبید اللہ کو برابر اُس جرم پر سرزنش کی اور دھمکی دیا کئے کہ جب بھی میرا قابو چلا میں تم سے قصاص لے کر رہوں گا۔ چنانچہ جب آپ خلیفہ ہوئے فوراً ہی اس کو طلب کیا لیکن عبید اللہ معاویہ کے پاس شام میں بھاگ گیا اور آخر صفین میں مارا گیا۔ (تاریخ کامل، جلد ر ۳، ص ر ۳۲)

علّامہ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ عبید اللہ نے ہرمزان کو جو مسلمان ہو چکا تھا قتل کر ڈالا۔ حضرت عثمان نے اُسے معاف کر دیا، جب حضرت علیؑ خلیفہ ہوئے تو اُسے اپنی جان کا خوف ہوا اور معاویہ کے پاس بھاگ گیا اور جنگ صفین میں مقتول ہوا۔ (استیعاب)

علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ جنگ صفین میں حضرت علیؑ نے اسے ایسی تلوار ماری کہ زرہ کاٹتی ہوئی اس کے شکم میں در آئی۔حضرت علیؑ نے خلیفہ ہونے پر جب عبیداللہ کو بلایا اور وہ معاویہ کے پاس بھاگا اُسی دن آپ نے کہہ دیا تھا کہ آج بھاگ جائے دوسرے دن میرے ہاتھ سے بچ کے جانے نہ پائے گا۔(مروج الذہب، جلدر ۲،ص ر ۴۳)

یہ تمام واقعات شاہد ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ عبیداللہ کے معاف کئے جانے کے شدید ترین مخالف تھے اور معاف کرنے کی کوئی جائز وجہ بھی نہیں تھی۔ورنہ حضرت اس کے قتل کے درپے ہرگز نہ ہوتے،بروز صفّین جب عبیداللہ معاویہ کی طرف سے جنگ کے لئے نکلا تو آپ نے اُس سے پکار کر پوچھا ''وائے ہو تجھ پر اے عمر کے فرزند؟ تو کس بات پر مجھ سے جنگ کرتا ہے، خدا کی قسم اگر تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ بھی مجھ سے لڑنے پر آمادہ نہ ہوتا۔عبیداللہ نے کہا میں حضرت عثمان کے خون کا بدلہ چاہتا ہوں۔آپ نے فرمایا وائے ہو تم پر تم عثمان کے خون کا بدلہ چاہتے ہو اور خداوند عالم ہرمزان کے خون ناحق کے بدلے تمہارا طلبگار ہے۔ (مروج الذہب، جلدر ۲،ص ۲۱)

ان تمام حقائق کے پیش نظر یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ عبیداللہ کی جاں بخشی بالکل ناحق تھی اور مسلمانوں کی غالب اکثریت نے خلاف عدالت جانا۔اس واقعہ نے حضرت عثمان کی خلافت کے پہلے ہی دن آپ کے خلاف اس ناپسندیدگی و ناراضی کی داغ بیل ڈال دی جو آگے بڑھ کر آپ کی ہلاکت کا سبب ہوئی۔بعض عقیدتمندوں نے بات یہ بنائی ہے کہ حضرت عثمان نے عبیداللہ کو معاف کر کے شوکت اسلام برقرار رکھنا چاہی تھی آپ ڈرے کہ کفار و مشرکین جب عبیداللہ کے قتل کئے جانے کی خبر سنیں گے تو کہیں گے کہ مسلمانوں نے اپنے امام (حضرت عمر) کو بھی مار ڈالا اور اُن کے فرزند کو بھی اور اس پر خوب خوشیاں منائیں گے دشمنوں کی اسی شماتت کے ڈر سے آپ نے ہرمزان کا قصاص نہیں لیا بلکہ اُسے معافی دے دی۔

یہ معذرت جتنی رکیک ہے وہ ظاہر ہے۔عبیداللہ سے قصاص لئے جانے میں مشرکین کی خوشی کی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ اور زیادہ اسلام کی حقانیت و صداقت اور مسلمانوں کی بلند کرداری ظاہر ہوتی۔جب مشرکین یہ دیکھتے کہ اسلام اتنا مکمل عدل و انصاف کا مذہب ہے اور مسلمان شریعت کے قوانین کے اتنے سختی سے پابند ہیں کہ عبیداللہ باوجود یہ کہ خلیفہ کے فرزند تھے لیکن چونکہ اُنھوں نے ہرمزان کو بے خطا قتل کر ڈالا تھا مسلمان اُن سے بھی قصاص لینے سے باز نہ رہے اور حدود خداوندی کے اجرا میں ذرا بھی نرمی سے کام نہ لیا اور انھیں اس کا بھی افسوس نہ ہوا کہ کل تو خلیفہ کے موت کے مصیبت نازل ہوئی تھی آج اُن کے فرزند کی ہلاکت ہمارے ہاتھوں پیش آرہی ہے۔درحقیقت فخر و ناز کی بات یہ ہوتی، قصاص لینے پر دین کی شوکت و عزت دوبالا ہوتی نہ کہ بے داغ چھوڑ دینے سے عبیداللہ کو معاف کر دینے سے تو دین کی اور سُبکی ہوئی دشمنوں نے دیکھا کہ مسلمان خود

مسلمان کا گلا گھونٹتے ہیں اور بے گناہ شخص کے قاتل کو محض خلیفہ کے فرزند ہونے کی وجہ سے کوئی سزا نہیں دی جاتی تماشا یہ ہے کہ حضرت عثمان کی طرف سے معذرت کرنے والوں نے عجیب عجیب تاویلیں کی ہیں۔

بعض لوگوں نے یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عثمان مسلمانوں کے والی تھے اور والی کو حق ہے کہ قاتل کو چاہے تو معاف کردے۔

مگر خود یہی تاویل کرنے والے قائل ہیں کہ امام کو اتنا تو حق ہے کہ جان کے بدلے جان نہ لے بلکہ خوں بہا لے لے، لیکن بالکل معاف کردے اسکا اختیار امام کو بھی نہیں۔ اس لئے کہ قصاص تمام مسلمانوں کا حق ہے، اگر کوئی لاوارث مسلمان مرجائے تو تمام مسلمان جس طرح اس کے ترکہ کے وارث ہیں اُسی طرح اس کا قصاص لینے کے بھی حقدار ہیں اور امام تمام مسلمانوں کی طرف سے نائب ہوتا ہے تمام مسلمانوں کی طرف سے اُسے اختیار حاصل ہوتا ہے قصاص لینے کا، لہٰذا اگر امام کسی سے قصاص نہ لے تو اس کا صریحی مطلب یہ ہوا کہ اُس نے تمام مسلمانوں کے حق پر دست درازی کی اور یہ جائز نہیں۔ زیادہ سے زیادہ امام کو یہ حق ہے کہ خوں بہا لے کر چھوڑ دے۔ (بدائع الصنائع ملک العلماء، جلد ۷، ص ۲۴۵)

بعض لوگوں نے عذر کیا ہے کہ ''حضرت عثمان نے مسلمانوں سے خواہش کی تھی کہ وہ عبید اللہ کو معاف کردیں اور مسلمانوں نے حضرت عثمان کی درخواست منظور کرلی تھی، مسلمان ہی مقتول ہرمزان کے ولی تھے اور کوئی ولی و وارث نہیں تھا لہٰذا جب مسلمانوں نے خوشی خاطر معاف کردیا تو حضرت عثمان کا معاف کردینا نامناسب نہ تھا۔

لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ ہرمزان غریب پردیسی تھا فارس کا رہنے والا۔ کیا اس کی تحقیق کرلی گئی تھی کہ فارس میں بھی اس کا کوئی وارث موجود نہیں، یا مدینہ میں کوئی وارث موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ طے کرلیا گیا کہ دنیا کے پردے پر اُس کا کوئی وارث نہیں، کیا حرج تھا اس میں کہ ہرمزان کے جو اعزہ فارس میں تھے اُن کی طرف رجوع کی جاتی، اُنہیں مدینہ بلایا جاتا وہ اگر چاہتے قصاص لیتے یا معاف کردیتے۔

علاوہ اس کے یہ کہاں ثابت کہ مسلمانوں نے حضرت عثمان کی درخواست منظور بھی کرلی تھا مسلمانوں کی ممتاز ترین فرد حضرت امیرالمومنینؑ تو سختی کے ساتھ متقاضی تھے کہ عبید اللہ سے قصاص ضرور لیا جائے۔

علّامہ ابن سعد نے مشہور تابعی امام زہری سے روایت کی ہے کہ تمام مہاجرین و انصار کی ایک ہی رائے تھی سب ہی نے حضرت عثمان کو عبید اللہ کے قتل پر آمادہ کیا۔

بعض حضرات نے بات بنتی نہ دیکھ کر ہرمزان کا ایک وارث بھی ڈھونڈھ نکالا ہے۔ چونکہ ہرمزان کے بے والی وارث ہونے کے سبب مدینہ کے تمام مسلمان اُس کے وارث قرار پاتے ہیں اور مقتول کے وارثوں ہی کو حقیقتاً اختیار ہوتا ہے

کہ چاہے مقتول کے قصاص کے طالب ہوں یا معاف کر دیں اور مدینہ کے مسلمانوں کی اکثریت خواہاں تھی کہ عبید اللہ سے ہرمزان کا قصاص ضرور لیا جائے۔حضرت عثمان کے عبید اللہ کو اپنے حاکمانہ رعب و دبدبہ سے کام لیتے ہوئے چھوڑ دینا مسلمانوں کے حقوق پر دست درازی تھی۔اس لئے بعض حضرات نے یہ بات بنائی کہ نہیں ہرمزان مدینہ میں بے والی و وارث نہیں تھا بلکہ اس کا بیٹا قماذبان بھی تھا۔لوگوں نے اس کی منت سماجت کی تو اُسی نے عبید اللہ کو معاف کر دیا اور اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے سے گریز کیا۔

علامۂ طبری بسلسلۂ اسناد ابو منصور سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے قماذبان کی زبانی اُس کے باپ کی ہلاکت کی داستان سُنی ،قماذبان نے بیان کیا کہ مدینہ کے عجمی لوگ ایک دوسرے کے پاس آیا جایا کرتے۔ایک دن ابولولؤ فیروز میرے باپ کے پاس آیا اُس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا جس کے دونوں طرف پھل تھے میرے باپ نے اُس سے پوچھا کہ یہاں اس خنجر کا کیا کام اُس نے کہا میں یہاں اس کی سپلائی کرنا چاہتا ہوں، فیروز کو میرے باپ سے باتیں کرتے اور اس کے ہاتھ میں خنجر ایک اور شخص نے بھی دیکھ لیا۔جب حضرت عمر مارے گئے تو اسی شخص نے نشان دہی کی کہ میں نے یہی خنجر ہرمزان کو فیروز کے حوالے کرتے ہوئے دیکھا تھا۔یہ سُن کر حضرت عمر کے صاحبزادے عبید اللہ بن عمر تلوار لئے ہوئے آئے اور میرے باپ کو مارڈالا، جب عثمان خلیفہ ہوئے تو اُنھوں نے مجھے بلایا اور عبید اللہ کو میرے حوالے کر کے کہا کہ بیٹے یہ تمہارے باپ کا قاتل ہے اور تم ہم سب سے زیادہ اس سے قصاص لینے کے حقدار ہو اُٹھو اور قتل کر ڈالو۔

میں قتل کرنے کے لئے اُٹھا اور وہاں جتنے بھی مسلمان تھے سب کے سب میرے ساتھ تھے اور سبھوں کی خواہش تھی کہ میں عبد اللہ کو ضرور قتل کر ڈالوں، میں نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ کیا واقعی میں عبید اللہ کو قتل کر ڈالوں لوگوں نے کہا ہاں! اور سبھی نے عبید اللہ کو بُرا بھلا کہا۔میں نے پھر پوچھا کہ اگر تم لوگ مجھے روکنا چاہو تو روک سکو گے؟ لوگوں نے کہا نہیں ہم نہیں روکیں گے اور پھر سب نے عبید اللہ کو گالیاں دیں، میں نے خدا کی خوشنودی اور مسلمانوں کی خاطر عبید اللہ کو معاف کر دیا، اس پر تمام لوگوں نے مجھے اپنے کاندھوں پر اُٹھا لیا خدا کی قسم میں اپنے گھر پہنچا تو لوگوں کے سروں اور ہاتھوں ہی ہاتھ۔

(تاریخ طبری، جلد ر ۵ ،ص ر ۴۳)

علامۂ طبری کے اس انکشاف پر سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب ہرمزان کا وارث موجود تھا تو پھر اسی طبری میں حضرت عثمان کے یہ بیانات کیوں کر موجود ہیں کہ:۔

''ہرمزان کا کوئی وارث موجود نہیں اُس کے وارث سب ہی مسلمان ہیں۔''اور

''میں مسلمانوں کا والی اور حاکم ہوں میں ہرمزان کی جان کا بدلہ دیت قرار دیتا ہوں اور وہ دیت اپنے مال میں سے ادا کروں گا۔''

اگر حضرت عثمان کو معلوم تھا کہ ہرمزان کا فرزند موجود ہے تو بغیر اُس کی مرضی دریافت کئے اس سے بات چیت کئے یہ حکم کیسے صادر کر دیا کہ میں ہرمزان کی جان کا بدلہ دیت قرار دیتا ہوں اور پھر دیت ہی قرار دینا تھا تو وہ عبیداللہ سے کیوں نہیں دلوائی گئی؟ حضرت عثمان نے اپنے مال سے ادا کرنے کا وعدہ کیا تو یہ وعدہ شرمندۂ ایفا بھی ہوا؟ دیت دی بھی گئی؟ اگر دی گئی تو کسے دی گئی؟ یا وقتی طور پر عبیداللہ کی جان بخشی کے لئے وعدہ کرلیا اور دینے کی نوبت ہی نہیں آئی، افسوس کہ تاریخ اس باب میں بالکل خاموش ہے۔ نیز مسلمانوں کو اگر معلوم تھا کہ ہرمزان کا ایک فرزند قماذبان مدینہ میں موجود ہے اور اسی قماذبان ہی نے باپ کا خون معاف کر دیا تھا تو پھر حضرت عثمان نے مسلمانوں سے یہ کیوں کہا تھا؟ **وقد عفوت افلا تعفون،** میں نے عبیداللہ کو معاف کر دیا تم لوگ بھی معاف کرتے ہو؟ یا بہ روایت امام بیہقی **قد عفوت عن عبیداللہ بن عمر** میں نے عبیداللہ کو معاف کیا جب مقتول کا وارث موجود تھا تو پھر خود معاف کرنے اور مسلمانوں سے معاف کر دینے کی التماس کرنے کا کیا مطلب؟ اور مسلمانوں کے معاف کرنے کے کیا معنی؟ اور قصاص میں تساہلی کرنے پر حضرت علیؑ کی طرف سے شدید ناپسندیدگی کا اظہار کیوں؟ اور آپ کی عبیداللہ کو یہ دھمکی کیسی کہ **یا فاسق لئن ظفرت بك یوماً لاقتلنك بالهرمزان** اے فاسق اگر میرا کسی دن تجھ پر قابو چل گیا تو میں ہرمزان کے بدلے تجھے قتل کر کے رہوں گا اور جب آپ خلیفہ ہوئے تو آپ نے اسے طلب کیوں کیا؟ اور عبیداللہ آپ کے خوف سے شام کی طرف بھاگا کیوں؟ اور عمرو عاص نے حضرت عثمان کو یہ مشورہ کیوں دیا کہ یہ واقعہ آپ کے خلیفہ ہونے کے پہلے کا ہے جب آپ بے اختیار تھے؟ سعید بن مسیّب صحابی پیغمبرؐ نے یہ کیوں کہا کہ ہرمزان کا خون یوں ہی رائگاں گیا؟

نیز ملک العلماء کی اس روایت کے کیا معنی باقی رہتے ہیں جو اُنھوں نے بدائع والصنائع میں بیان کی ہے اور فتوائے شرعیہ کی بنیاد قرار دی ہے کہ ''جب سیدنا عمر قتل ہوئے تو ہرمزان نکلا اور اس کے ہاتھ میں خنجر تھا عبیداللہ بن عمر کو گمان ہوا کہ اُسی نے میرے باپ کو قتل کیا ہے اُنھوں نے ہرمزان کو قتل کر دیا۔ اس کا مقدمہ سیدنا عثمان کی خدمت میں پیش ہوا تو سیدنا علیؑ نے سیدنا عثمان سے کہا کہ عبیداللہ کو قتل کر ڈالو مگر سیدنا عثمان باز رہے اور کہا کہ آج میں اُس شخص کو کیسے قتل کروں کل جس کا باپ قتل کیا جا چکا ہے؟ میں ایسا نہیں کروں گا یہ ہرمزان روئے زمین کے باشندوں میں سے ایک فرد تھا اور میں اُس کا والی ہوں میں اس کا خون معاف کرتا ہوں اور اُس کی دیت خود ادا کروں گا۔ (بدائع الصنائع، جلد ۷، ص ۲۴۵)

نیز شیخ ابو علی کا یہ کہنا کیوں کر صحیح ہوگا کہ ہرمزان کا کوئی وارث نہیں تھا جو اُس کے قصاص کا طالب ہوتا اور جس کا کوئی ولی نہ ہو امام اس کا ولی ہوتا ہے ولی کو حق ہے چاہے قصاص لے یا معاف کر دے۔"

علّامہ ابن اثیر جزری نے طبری کی اس روایت اور فرضی قماذبان کی قلعی یہ کہہ کر کھول دی ہے "صحیح یہی ہے کہ حضرت عثمان نے اپنی مرضی سے عبید اللہ کو معاف کر دیا اور ہرمزان کے کسی بیٹے قماذبان نے نہیں۔

کیوں کہ جب حضرت علیؑ زینت آرائے تختِ خلافت ہوئے تو آپ نے عبید اللہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور وہ بھاگ کر معاویہ کے پاس شام میں چلا گیا لہٰذا اگر اس کی مخلصی کسی والی و وارث کے معاف کر دینے کے بنا پر ہوتی تو حضرت علیؑ اُس کے قتل کرنے کے درپے ہی نہ ہوتے۔ (تاریخ کامل، جلد/ ۳ ص/ ۳۲)[۱]۔

۱۔ یہ تو عقلی وجوہ واسباب تھے علّامہ طبری کی اس فرضی قماذبان کی روایت صحیح نہ ہونے کے نقلی حیثیت سے بھی یہ روایت حد درجہ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علّامۂ طبری نے یہ روایت سرّی ابن یحییٰ سے نقل کی ہے اور اس نام اور اس ولدیت کا کوئی شخص گذرا ہی نہیں نہ کتب احادیث میں اس کی کوئی حدیث ملتی ہے۔ لے دے کے امام نسائی نے سیف بن عمر کی ایک حدیث سرّی کے واسطہ سے نقل کی ہے اور اس پر ریمارک کیا ہے لعل البلاء من السری یہ ساری مصیبت سری کی طرف سے ہے۔ (تہذیب التہذیب، جلد/ ۳ ص/ ۴۶)

علّامۂ ابن حجر کا خیال کہ یہ سری ابن یحییٰ نہیں بلکہ سری ابن اسماعیل ہمدانی کوفی ہے جسے یحییٰ بن معین نے جھوٹا اور بکثرب ائمہ حدیث نے ضعیف کہا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ سری بن عاصم ہمدانی متوفی ۲۵۸ھ ہے علّامہ طبری نے اس کا کچھ زمانہ پایا ہے تقریباً سو برس ابن خراش نے اس سری کو جھوٹا کہا ہے ابن عدی نے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث میں چوری کیا کرتا تھا۔ ابن حبان نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ اس کی حدیثوں سے احتجاج جائز نہیں۔

نقاش ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسے سری نے وضع کیا ہے یہ نام دو شخصوں میں مشترک ہے سری بن اسماعیل اور سری بن عاصم اور دونوں کے دونوں بڑے جھوٹے ہیں ہمیں اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں کہ یہ حدیث سری بن اسماعیل کی روایت کردہ ہے یا سری بن عاصم کی جس کی بھی ہو جھوٹ ہے۔

البتہ ایک سری بن یحییٰ علامہ طبری کے بہت پہلے گذر چکے ہیں وہ ثقہ تھے اُن کی وفات ۱۶۷ھ میں ہوئی اور اُن کے مرنے کے ۵۷/ برس بعد ۲۲۴ھ میں طبری پیدا ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جس سری بن یحییٰ نے علامہ طبری سے قماذبان والی حدیث بیان کی یہ وہ نہیں ہو سکتے۔ سری کے علاوہ سلسلۂ اسناد میں شعیب بن ابراہیم کوفی بھی ہے جو مجہول ہے۔ بقول ابن عدی غیر معروف ہے تیسرا شخص سیف بن عمر تمیمی ہے جو موضوعات حدیثوں کا راوی متروک، ساقط، مانا ہوا ضعیف متہم بالزندقہ ہے۔ علّامہ سیوطی نے کوئی حدیث اسی سلسلۂ اسناد سے نقل کی ہے نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس کے سلسلہ اسناد میں بہت سے ضعیف راوی ہیں جس میں بہت ہی ضعیف ابن عمر ہے چوتھا ابو منصور ہے جو ضعیف ہے۔

عجیب وغریب معذرت

علّامہ محب طبری لکھتے ہیں ”حضرت عثمان پر یہ اعتراض جو کیا جاتا ہے کہ اُنھوں نے ہرمزان کا خون رائگاں جانے دیا اور عبید اللہ سے قصاص نہ لیا تو اس کے دو جواب ہیں:

(۱)۔ اگرچہ حضرت عمر ابولولو ہی کے ہاتھوں قتل ہوئے لیکن ہرمزان کی مدد و اعانت سے۔ وہ بھی جرم قتل میں برابر کا شریک تھا اور امام عادل کے قتل میں اعانت کرنے والے کا قتل بہت سے علماء کے نزدیک جائز ہے اکثر فقہا نے کہا کہ قتل کا حکم دینے والے اور قتل کا حکم بجالانے والے دونوں سے قصاص لینا واجب ہے اور عبید اللہ بن عمر نے یہی معذرت اس موقع پر کی تھی جب اُن سے باز پُرس کی گئی تو اُنھوں نے کہا کہ مجھے عبدالرحمان بن ابی بکر نے ایسی ایسی خبر دی تھی، اسی بناء پر حضرت عثمان عبید اللہ بن عمر کے قتل سے باز رہے۔ کیوں کہ ہرمزان یا تو واقعاً شریک جرم تھا، اس بناء پر اس کا قصاص لینے کی ضرورت ہی نہ تھی یا آپ نے اُسے مشتبہ سمجھا یعنی ممکن ہے ہرمزان بھی شریک جرم رہا ہو اور اس تردد و شک کی وجہ سے اس کا قصاص لینا ضروری نہ معلوم ہوا ہو۔

(۲)۔ حضرت عثمان نے عبید اللہ سے جو قصاص نہ لیا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ڈرتے تھے کہ کہیں ایک فتنۂ عظیم نہ اُٹھ کھڑا ہو، بنو تیم (حضرت ابوبکر کے خاندان والے) بنو عدی (حضرت عمر کے خاندان والے) کوشاں تھے کہ عبید اللہ کو قتل نہ کیا جائے دونوں قبیلے اس کی حمایت پر کمربستہ تھے اور بنو امیہ بھی اُنھیں کے ہم خیال تھے، عمرو عاص نے حضرت عثمان کو مشورہ دیا کہ کل حضرت عمر قتل کئے گئے آج اُن کا فرزند قتل کیا جائے؟ نہیں خدا کی قسم یہ ہرگز نہ ہوسکے گا۔ جب حضرت عثمان نے معاملہ کی اس نزاکت کا اندازہ کیا تو آپ نے مناسب سمجھا کہ یہ فتنہ اُبھرنے نہ پاوے، آپ نے فرمایا کہ ہرمزان کے قصاص کا اختیار مجھے ہے میں ہرمزان کے ورثہ کو راضی کرلوں گا۔ (ریاض نضرہ، جلد ۲، ص ۱۵۰)

یہ دو جواب صاحب ریاض نضرہ نے حضرت عثمان کی طرف سے دیئے ہیں اور دونوں جتنے کمزور ہیں وہ مخفی نہیں، کیوں کہ ایک اکیلے عبدالرحمان بن ابی بکر کے اس بیان پر کہ میں نے ہرمزان اور ابولولو کو سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھا اور ابولولو کے پاس دو پہلوؤں کا خنجر تھا، قطعی طور پر یہ فیصلہ کردینا کہ ہرمزان بھی شریک جرم تھا بالکل ہی غلط ہے۔

ہوسکتا ہے کہ دونوں کسی اور بات میں مشورہ کر رہے ہوں یا ابولولو نے ہرمزان سے مشورہ لیا ہو کہ میں حضرت عمر کو قتل کرنا چاہتا ہوں تمہاری رائے کیا ہے اور ہرمزان نے ابولولو کو منع کیا ہو لیکن ابولولو اس کے مشورہ کو نہ قبول کر کے مرتکب قتل ہوا ہو، اسی قسم کے بہت سے احتمالات ہوسکتے ہیں لہٰذا یقینی طور پر ہرمزان کو شریک جرم کیوں کر ٹھہرایا جاسکتا ہے جبکہ مجرم کو شبہ کا فائدہ بھی

دیا جاتا ہے۔

اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ عبدالرحمان نے ہرمزان و ابولولو کی سازش اپنی آنکھوں سے دیکھی پھر بھی ایک اکیلے شخص کی گواہی پر کسی مسلمان کو قتل کر دینا کب جائز ہے۔ تنہا عبدالرحمان کے بیان سے شرعی ثبوت تو پورا ہوتا نہیں جس کے بیان پر عبیداللہ ہرمزان کو قتل کرنے کے حقدار ہوتے اور اُن سے کوئی مؤاخذہ نہ کیا جاتا۔ وجہ تھی کہ جب ہرمزان اور ابولولو کی خفیہ بات چیت کی خبر خود حضرت عمر کو دی گئی تو اُنھوں نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا جب میں مرجاؤں تو اس کی تحقیقات کرنا اور عبیداللہ سے ہرمزان کے شریک جرم ہونے کا ثبوت طلب کرنا اگر عبیداللہ ثبوت پیش کر دیں تو ٹھیک ہے ہرمزان نے مجھے قتل کیا اور عبیداللہ نے میرے بدلہ ہرمزان کو، لیکن عبیداللہ ثبوت پیش نہ کرسکیں تو اُن سے ضرور قصاص لینا۔

یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ عبیداللہ کو اس کا باقاعدہ ثبوت فراہم ہو گیا تھا کہ ہرمزان بھی شریک جرم ہے اور میرے باپ کے قتل میں اس کا بھی ہاتھ ہے پھر بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبیداللہ کو تن تنہا قصاص لینے کا کیا حق تھا؟ کیا ان پر واجب نہ تھا کہ وہ اس معاملہ کو حضرت عمر کے تمام ورثہ کے سامنے رکھتے، ہوسکتا تھا کہ باقی ورثہ ہرمزان کو معاف ہی کر دیتے۔

مزید براں اگر عبیداللہ بن عمر کا قتل ہرمزان پر کوئی قابل قبول عذر ہوتا یا حضرت عثمان کے قصاص نہ لینے کی کوئی صحیح معذرت ہوتی تو دونوں اس مجمع عام میں اپنے عذر کو ضرور بیان کرتے جو عبیداللہ سے قصاص لینے کے لئے چیخ پکار کر رہا تھا اور امیرالمومنینؑ یہ ہرگز نہ کہتے کہ اس فاسق کو قتل کر ڈالو، نہ آپ عبیداللہ کو دھمکی دیتے کہ جب بھی میرا قابو چل گیا میں تمہیں قتل کر کے رہوں گا اور نہ خلیفہ ہونے پر اُسے قتل کرنے کے لئے طلب کرتے نہ عبیداللہ بھاگ کر معاویہ کے پاس جاتا نہ حضرت عثمان یہ عذر کرتے کہ میں ہرمزان کا مالک ہوں اور تمام مسلمان مقتول ہرمزان کے ولی ہیں اور نہ عبیداللہ کو ہرمزان کا خون معاف کرتے نہ مسلمانوں سے معاف کرنے کی درخواست کرتے۔ اور نہ اس مسئلہ میں صحابہ کے درمیان باہمی تکرار ہوتی نہ سعد بن ابی وقاص کو اُٹھنے اور عبیداللہ کے ہاتھ سے تلوار چھیننے اور اپنے گھر میں مقید رکھنے کی ضرورت ہوتی۔ اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ ہرمزان شریک جرم اور عبیداللہ نے اُس کی شرکت جرم پر شرعی ثبوت فراہم کر لیا تھا اور وہ اُس کے قتل کرنے میں حق بجانب تھے پھر ابولولو کی کمسن بچی کا کیا قصور تھا وہ غریب کیوں قتل کی گئی اور مدینہ کے تمام غلاموں کا کیا قصور تھا جو عبیداللہ سبھی کو قتل کر دینے پر تلے ہوئے تھے۔

دوئم ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ علاّمہ محب طبری نے یہ عجیب و غریب تاریخی انکشاف کن معلومات کے بناء پر کیا ہے کہ بنو تیم اور بنو عدی عبیداللہ کی حمایت پر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اُس کے قتل کئے جانے کے ہرگز روادار نہ تھے اور بنی امیہ بھی

عام طور پر اُنھیں کے ہم خیال تھے اور اسی وجہ سے حضرت عثمان ڈر گئے کہ کہیں کوئی فتنہ نہ برپا ہو جائے، یہ خلیفہ کیسے تھے جن پر خلافت کے پہلے ہی دن خوف نے تسلّط جمالیا، جب ابتدائے خلافت ہی میں اُن کی کمزوری کا یہ عالم تھا تو بعد میں اُنھوں نے کس رعب و دبدبہ سے حکمرانی کی ہوگی؟ کیوں کر قاتل سے قصاص لیا ہوگا؟ شرعی حدود کا اجراء کیا ہوگا؟ جب کہ ہر قاتل اور مجرم کے خاندان والے موجود ہی ہوں گے اور اُن کے بگڑ بیٹھنے کا اندیشہ لگا ہی رہتا ہوگا۔

علّامہ محبّ طبری نے بنو تیم اور بنی عدی کی حمایت کا جو ذکر کیا ہے تاریخ میں اس کا پتہ نشان تک نہیں، ورنہ سب سے پہلے سعد بن وقاص کو ڈر لاحق ہوتا جنھوں نے عبید اللہ کو زمین پر پچھاڑ کر اس سے تلوار چھینی تھی اور اُسے گھر میں مقید کر دیا تھا۔ اور اس کے سر کے بال اُکھاڑ لئے تھے لیکن نہ بنی تیم کا کوئی شخص سعد کے دروازے پر آیا نہ بنی عدی کا کوئی شخص سعد پر معترض ہوا نہ کسی اموی نے سعد کے اس فعل پر اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ پھر اگر بنی تیم و بنی عدی اور بنی امیہ کی حمایت عبید اللہ بن عمر حکم خداوندی کے خلاف تھی وہ سب کے سب حدود الٰہی کو معطل کرنے پر اس حد تک کمر بستہ ہو گئے تھے کہ حضرت عثمان ڈر گئے تو یہ کھلی ہوئی خدا کی معصیت تھی جو صحابہ کی عدالت کے منافی ہے حالانکہ کہا جاتا ہے کہ **الصحابہ کلھم عدولٌ** صحابہ سب کے سب عادل ہیں، اور اگر حضرت عثمان کو یہ خوف لاحق ہوا کہ میں اگر عبید اللہ سے قصاص لیتا ہوں تو کہیں اُن کے ہوا خواہ میرے اس فعل کو ناپسند نہ کریں تو آگے چل کر صحابہ نے حضرت عثمان کے جن افعال کو واقعاً ناپسند کیا وہ افعال اُن سے کیسے سرزد ہوئے جو آخر اُن کی ہلاکت کا باعث ہوئے۔ کیا حضرت عثمان پہلے کمزور دل کے تھے بعد میں رفتہ رفتہ جری اور بہادر ہو گئے تھے؟

دوسری فصل

حضرت عثمان کا پہلا خطبۂ جمعہ

حضرت عثمان نے بیعت ہو جانے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا، حمد وثنائے الٰہی کے بعد گویا ہوئے "اے لوگو! ہر سواری کی ابتدا دشوار ہوتی ہے، آج کے دن کے بعد اور بھی بہت سے دن آئیں گے اگر ہم زندہ رہے تو اچھے اچھے خطبے مجھ سے سنو گے، ہم کوئی خطیب ومقرر نہیں، اللہ جلد ہی ہمیں سکھا دے گا۔ (کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ ص ۲۴ طبقات ابن سعد جلد، ۳ ص ر ۴۳ طبع لندن)

علامہ ابوالفداء لکھتے ہیں کہ "جب حضرت عثمان کی بیعت ہوگئی تو منبر پر گئے اور تقریر کرنے کھڑے ہوئے، حمد کے فقرات زبان سے ادا کئے پھر زبان لڑکھڑانے لگی یہ کہہ کر اُتر آئے کہ ہر کام کا آغاز سخت ہوتا ہے اگر ہم زندہ رہے تو بہتر سے بہتر تقریریں سنو گے۔" (تاریخ ابوالفداء، جلد ر ا ص ر ۱۹۶)

ابومخنف کی روایت ہے کہ جب حضرت عثمان منبر پر گئے تو کہا، لوگو! یہ ایسی جگہ ہے جس کے لئے میں نے قبل سے کوئی تیاری کی تھی نہ کوئی تقریر پہلے سے بنائی تھی ہم پھر آئیں گے اُس وقت تقریر کریں گے۔ (کتاب الانساب بلاذری)

علّامہ یعقوبی لکھے ہیں کہ حضرت عثمان منبر پر گئے اور اُس زینہ پر بیٹھے جس پر حضرت رسالت مآب تشریف فرما ہوا کرتے، اُس زینہ پر حضرت ابوبکر وعمر بھی کبھی نہ بیٹھے تھے، حضرت ابوبکر رسوؐل اللہ کا زینہ چھوڑ کر دوسرے زینہ پر بیٹھا کرتے اور حضرت عمر پہلے دوسرے زینے کو چھوڑ کر تیسرے پر بیٹھا کرتے۔ حضرت عثمان کی اس جسارت پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں بعض لوگوں نے کہا آج کے دن شر پیدا ہوگیا۔ اور حضرت عثمان بہت شرمیلے تھے۔ کھڑے ہو کر کچھ دیر چُپ رہے پھر یوں گہر افشاں ہوئے "بتحقیق کہ ابوبکر وعمر اس جگہ کے لئے تقریر تیار رکھتے اور تم انصاف وَر امام کے زیادہ محتاج ہو بہ نسبت باتیں بنانے والے امام کے۔ اور اگر تم زندہ رہو گے تو ہم سے تقریریں بھی سن لوگے۔ یہ کہہ کر اُتر آئے۔ (تاریخ یعقوبی، جلد ر ۲ ص ر ۱۴)

ملک العلماء کی لفظوں کا ترجمہ یہ ہے کہ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو پہلے جمعہ کو خطبہ کہنے کھڑے ہوئے صرف الحمدللہ کہا اس کے بعد ہکلانے لگے۔ پھر بولے کہ تم امام فعّال کے زیادہ ضرورت مند ہو بہ نسبت قوال امام کے۔ حضرت ابوبکر وعمر اس مقام کے لئے تقریر تیار رکھتے تھے۔ عنقریب تم مجھ سے بھی تقریریں سنو گے۔ میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں اپنے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی۔ یہ کہہ کر منبر سے اُتر آئے اور جمعہ کی نماز پڑھانے لگے۔ (بدائع الصنائع، جلد ر ا ص ر ۲۹۲)

غالباً اسی قوت گویائی نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان خطبہ پڑھنے کے موقع پر لوگوں کی خبر خیریت پوچھ کر اور بازار کا نرخ دریافت کر کے ٹال جایا کرتے جیسا کہ امام احمد نے مسند، جلد/۱،ص/۳۷ پر اور ہیثمی نے المجمع ، جلد/۲،ص/۱۸۷ پر روایت کیا ہے۔

قوت گویائی کا نہ ہونا عیب تو ہے مگر اس میں اپنا بس نہیں، یہ تو خدا کی دین ہے وہ جسے چاہے سرفراز کرے اور جسے چاہے محروم، ہمیں اس سے بحث نہیں البتہ حضرت عثمان نے حضرت ابوبکر وعمر کے متعلق اپنی تقریر میں جو ریمارک کئے ہیں وہ قابل غور ہیں علامہ یعقوبی کی عبارت ہے:

انّ ابابکر و عمر وکانا یعدّ ان لهذا المقام مقالاً وانتم الیٰ امام عادل احوج عنکم الیٰ امام یشق الخطب۔ (تاریخ یعقوبی، جلد/۲،ص/۱۴)

ابوبکر وعمر اس جگہ کے لئے تقریریں تیار رکھتے تھے اور تم ایک امام عادل کے زیادہ محتاج ہو بہ نسبت خطبہ ساز امام کے۔

اور ملک العلماء کی لفظیں یہ ہیں:

وانتم الیٰ امام فعّال احوج منکم الیٰ امام قوّال وان ابابکر و عمر کانا یعد ان لهذا المکان مقالاً وستاتیکم الخطب من بعد۔

تم لوگ کام کرنے والے کے زیادہ محتاج ہو بہ نسبت باتونی امام کے بتحقیق ابوبکر وعمر اس جگہ کے لئے تقریریں تیار رکھا کرتے۔ تم آگے چل کر مجھ سے بھی تقریریں سنو گے۔

حضرت عثمان کی تقریر کے الفاظ بتاتے ہیں کہ آپ نے ابوبکر وعمر کو محض باتیں بنانے والا اور غیر عادل اور اپنے کو مجسمۂ عمل اور نمونہ عدل وانصاف فرمایا ہے۔

اس جملہ کو پڑھنے کے بعد لازمی طور پر یہ سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے کو امام اور ابوبکر وعمر کو غیر عادل اور باتونی جو بتایا تو یہ صحیح تھا یا غلط۔ اگر حضرت عثمان سچ بولے تو پھر حضرت ابوبکر وعمر کا کیا حشر ہوگا اور اگر غلط کہا تو خود حضرت عثمان کدھر جائیں گے؟

تیسری فصل

بے گناہ عورت کی سنگساری

ابن عبداللہ جہنی کا بیان ہے کہ ہمارے قبیلہ جہنیہ کے ایک شخص نے شادی کی، چھ مہینہ کے بعد اُس کی عورت کے بچہ پیدا ہوا۔ شوہر نے حضرت عثمان کی خدمت میں آ کر مقدمہ دائر کیا کہ میری بیوی بدکار ہے۔ یہ لڑکا میرا نہیں ہوسکتا۔ آپ نے عورت کے سنگسار کیے جانے کا حکم صادر کر دیا۔ اس کی خبر حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو ملی آپ عثمان کے پاس آئے اور پوچھا۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اس غریب کی کیا خطا ہے خداوند عالم نے کلام مجید میں فرمایا ہے **حمله وفصاله ثلاثون شهراً** حمل اور دودھ بڑھائی دونوں کی مجموعی مدت تیس مہینہ ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے **والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين** مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں گی لہٰذا جب رضاعت کے ۲۴؍مہینے نکال دیئے جائیں تو اقل مدّت ۶؍ماہ قرار پاتی ہے۔ حضرت عثمان نے کہا خدا کی قسم مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ وہ عورت واپس بلائی جائے مگر معلوم ہوا کہ وہ عورت سنگسار کی جا چکی ہے۔ اس عورت نے اپنی بہن سے کہا تھا بہن تم رنج و ملال نہ کرو خدا کی قسم سوائے میرے شوہر کے اور کسی نے میرا جسم دیکھا نہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ کچھ ہی دنوں کے بعد وہ بچہ جوان ہوا اور باپ کی ہو بہو تصویر نکلا۔ باپ کو ماننا پڑا کہ میرا ہی بیٹا ہے کچھ دنوں کے بعد میں نے باپ کو دیکھا کہ ندامت و شرمندگی نے اُس کی حالت غیر کر دی ہے۔

''(موطا امام مالک، جلد؍۲، ص؍۱۷۶، سنن کبریٰ بیہقی جلد؍۷، ص؍۴۴۲ تفسیر ابن کثیر، جلد؍۴، ص؍۱۵۷، عمدۃ القاری، جلد؍۹، ص؍۶۴۲، وغیرہ)

شدید تعجب و حیرت کا مقام ہے کہ مسلمانوں کا امام، خلیفہ رسولؐ کلام الٰہی سے اتنا ناواقف اور خود اعتمادی اتنی کہ شوہر کی شکایت سنتے ہی فوراً سنگسار کرنے کا حکم بھی دے دیا۔ نہ گواہ طلب کیئے نہ ثبوت طلب کیا صرف یہ معلوم کر کے کہ چھ مہینے پر ولادت ہوئی ہے مومنہ کی جان لے لی۔ اگر مسئلہ کا علم نہیں رکھتے تھے تو صحابہ پیغمبرؐ موجود تھے اُن میں سے کسی

ایک سے دریافت کرلیتے۔خود حضرت عمر کے زمانے میں ایسے کئی مقدمات پیش ہوئے۔کئی عورتیں ماخوذ ہوئی اس جرم میں کہ انھیں چھ مہینہ پر ولادت ہوئی ہے اور اُنھوں نے سنگسار کیئے جانے کا حکم دے دیا لیکن حضرت امیر المومنینؑ مانع ہوئے اور حضرت عمر کو اپنا حکم منسوخ کرنا پڑا۔حضرت عثمان مدینہ ہی میں رہتے تھے اور حضرت عمر کے مخصوصین میں سے تھے۔آپ کے علم میں وہ مقدمات ضرور آئے ہوں گے اور فیصلہ کی نظیریں آپ کے سامنے بہت واضح حیثیت سے موجود رہی ہوں گی اُسی پر عمل کرتے۔

یہ بھی فرض کرلیا جائے کہ حضرت عثمان کے ذہن سے کلام مجید کی آیتیں اُتر گئی تھیں۔حضرت عمر کے عہد کے مقدمات بھی آپ کو فراموش ہو گئے تھے۔پھر بھی آپ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم جو دیا ہوگا تو وہ کسی نہ کسی وجہ سے دیا ہوگا؟ کتاب الٰہی کے رو سے وہ حکم دیا تو کس آیت سے؟ حدیث پیغمبرؐ کی بناء پر تو وہ کون سی حدیث ہے، کس نے بیان کی؟ قیاس کی بناء پر حکم دیا تو قیاس کی بنیاد بھی تو کچھ ہونی چاہئے۔اس حکم کا منشا بھی تو کچھ ہونا چاہیے۔یا جو جی میں آ گیا وہی حکم دے دیا۔

چوتھی فصل

شراب خواری ولید بن عقبہ

حضرت عثمان نے بیعت کے تیسرے دن مغیرہ بن شعبہ کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے حسب وصیت حضرت عمر سعد بن ابی وقاص کو حاکم کوفہ مقرر کیا۔ سعد نے بیت المال سے کچھ روپیہ قرض لیا اور ادا کرنے میں تساہلی برتی۔ عبداللہ بن مسعود بیت المال کے خزانچی نے ادائیگی کا تقاضہ کیا اور دونوں میں نوبت نزاع وتکرار کی آ گئی۔ جب اس معاملہ کی خبر حضرت عثمان کو ملی تو آپ نے سعد کو معزول کر کے اپنے چھوٹے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ عبداللہ بن مسعود بدستور خزانچی کے عہدہ پر برقرار رہے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد عبداللہ بن مسعود کو بھی معزول کر کے بیت المال بھی ولید ہی کی تحویل میں دیدیا۔ یہ ولید پانچ سال تک کوفہ کی گورنری پر فائز رہا۔ حضرت عثمان کا مادری بھائی دوسرے بھائی باپ سے تھا فتح مکّہ کے دن مسلمان ہوا مگر شراب نوشی کی عادت جا نہ سکی تھی۔ اہل کوفہ کو سخت ناگوار گذرا کہ سعد ابن ابی وقاص جو صحابی پیغمبرؐ تھے اور عشرہ مبشرہ میں داخل تھے اُنھیں معزول کر دیا گیا اور اُن کی جگہ فاسق وفاجر کا تقرر کیا گیا۔ منجملہ اور امور کے یہ واقعہ بھی حضرت عثمان پر نکتہ چینی کا باعث ہوا۔ (تاریخ اسلام)

علّامہ بلاذری نے محمد بن سعد کے واسطے سے بہ سلسلۂ اسناد ابواسحاق ہمدانی سے روایت کی ہے، ابواسحاق کہتے ہیں کہ ولید بن عقبہ نے شراب پی کر بدمستی کے عالم میں لوگوں کو نماز صبح کی دو ارکعت جماعت سے پڑھائی پھر لوگوں کی طرف مڑ کر بولا کہو تو اور زیادہ پڑھا دوں۔ لوگوں نے کہا، نہیں ہماری نمازیں تو اب قضا ہو چکیں۔ تھوڑی دیر کے بعد۔ ابو زینب، اور جندب بن زبیر ازدی ولید کے پاس آئے وہ ابھی نشہ ہی میں بدمست پڑا تھا ان دونوں نے ولید کے انگلیوں سے انگوٹھی اُتار لی اور اُسے نشہ میں خبر بھی نہ ہوئی۔

ابواسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے مسرق نے بیان کیا کہ ولید نے نماز تمام ہوتے ہی شراب قے کر دی تھی۔

اس کی شکایت لے کر چار آدمی حضرت عثمان کے پاس پہنچے، ابوزینب، جندب بن زبیر، ابوجبیبہ غفاری اور صعب بن

۱۔ صرف صحیح مسلم اور علامۂ بلاذری کی کتاب الانساب میں ہے کہ ولید نے صبح کی دو رکعت پڑھائی اور پڑھانے کے بعد لوگوں کی طرف مڑ کر کہا کہ کہو تو اور پڑھا دوں۔ ورنہ باقی ہر تاریخ وحدیث کی کتابوں میں ہے کہ ولید نے صبح کی دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھائی تھی اور پڑھا کر سوال مذکور کیا تھا۔

جثامہ۔ ان لوگوں نے حضرت عثمان کو بے کم وکاست حالات سنائے۔ عبد الرحمان بن عوف بھی بیٹھے ہوئے تھے اُنھوں نے پوچھا ولید کو کیا ہوگیا ہے کیا وہ پاگل ہوگیا؟ لوگوں نے کہا پاگل تو نہیں ہوا، ہاں زیادہ پی گیا تھا۔ حضرت عثمان نے بجائے ولید کو کچھ کہنے کے شکایت کرنے والوں ہی کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور دھمکیاں دیں اور جندب سے پوچھا تم نے اپنی آنکھوں سے میرے بھائی کو شراب پیتے دیکھا ہے؟ جندب نے کہا، نہیں، لیکن میں اس کی گواہی دیتا ہوں اُسے نشہ میں چور، اور شراب کی قے کرتے دیکھا ہے اور میں نے ہی اس کی بدمستی کی حالت میں اس کی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور اُسے پتہ بھی نہ چلا۔

اس کے بعد یہ چاروں حضرت عائشہ کے پاس آئے اُن سے سارا ماجرا بیان کیا کہ ہم ولید کی شکایت لے کر آئے تھے وہاں اُلٹے ہم پھٹکارے گئے۔ حضرت عائشہ بولیں عثمان نے حدود بھی باطل کیں اور گواہوں کو دھمکایا بھی۔ (کتاب الانساب، جلد ۵ ص ر ۳۳)

واقدی کا بیان ہے کہ حضرت عثمان نے بعض گواہوں کو کوڑے سے مارا بھی، وہ سب حضرت علیؑ کے پاس آئے اور اس ناانصافی کی فریاد کی، آپ خلیفہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ ایک تو آپ نے حدود کو معطل کیا دوسرے جن لوگوں نے آپ کے بھائی کے خلاف گواہیاں دیں اُنھیں آپ نے مارا پیٹا۔ سزا کا مستحق کون تھا، ملی کسے؟ آپ سے حضرت عمر پہلے ہی (تجویز شوریٰ کے وقت) کہہ گئے تھے کہ بنی اُمیہ اور آل ابی معیط کو خاص کر لوگوں کی گردنوں پر نہ مُسلّط کرنا۔ حضرت عثمان نے پوچھا تو آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میری رائے یہی ہے کہ اسے معزول کیجئے اور پھر کہیں حکومت نہ دیجئے، گواہوں کے بیانات لیجئے اور ولید پر شراب نوشی کی حد جاری کیجئے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ وعثمان کے درمیان اس معاملہ میں بڑی تُو تُو مَیں مَیں ہوئی۔ عثمان نے عائشہ سے کہا تمہیں اس سے کیا سروکار (تم عورت ذات ہو) تمہیں تو خدا کا حکم ہے کہ گھر میں بیٹھی رہو بعض نے حضرت عثمان کا ساتھ دیا بعض نے عائشہ کی حمایت کی ان کا کہنا تھا کہ عائشہ سے بڑھ کر ان باتوں کا کسے خیال ہونا چاہئے اور آپس میں ایک دوسرے پر جوتے پھینکے گئے۔ پیغمبرؐ کے بعد مسلمانوں کے درمیان یہ پہلا جھگڑا فساد وکشت وخون تھا۔

طلحہ وزبیر حضرت عثمان کے پاس آئے اُنھوں نے کہا کہ ہم نے پہلے ہی آپ کو منع کیا تھا کہ ولید کو مسلمانوں کی کسی چیز پر حاکم نہ بنائیے، آپ نہیں مانے اور اب اس کا نتیجہ دیکھ رہے ہیں کہ گواہوں نے آ کر اُس کی شراب خواری و بدمستی کی گواہی دی ہے، آپ اُسے معزول کر دیجئے۔ حضرت علیؑ نے کہا معزول بھی کیجئے اور بلا کر اُس کے سامنے ان گواہوں کے بیانات بھی لیجئے اگر یہ گواہ اس کے منہ پر کہہ دیں تو اُس پر حد بھی جاری کیجئے۔ حضرت عثمان نے ولید کو معزول کر کے سعید بن عاص کو کوفہ کا حاکم بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ جا کر ولید کو میرے پاس بھیجدو۔ سعید جب کوفہ آئے تو اُنھوں نے پہلا کام یہ کیا کہ منبر اور دار الامارہ کو

دُھلوایا، پاک کیا اور ولید کو حضرت عثمان کے پاس بھیجدیا۔ جب لوگوں نے اُس کے منہ پر اُس کے خلاف گواہی دی تو حضرت عثمان کا ارادہ ہوا کہ اُس پر حد جاری کریں ولید کو ایک منقش یمنی جبہ پہنا کر ایک حجرے میں بٹھا دیا اور ایک ایک آدمی اُسے کوڑے مارنے کے لئے حجرے میں جانے لگے ولید نے یہ حرکت شروع کی کہ جب حضرت عثمان کسی کو کوڑے مارنے کے لئے اس کے پاس بھیجتے ولید اس سے کہتا کہ میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم قرابت و رشتہ داری کا خیال کرو اور امیر المومنین (عثمان) کو اپنے اوپر غصہ نہ دلاؤ نتیجہ یہ ہوتا کہ ہر شخص باز رہتا اور واپس چلا آتا۔ حضرت علیؑ نے جب یہ صورت دیکھی تو آپ خود کھڑے ہوئے کوڑہ ہاتھ میں لیا، حجرے میں آئے اور آپ کے ساتھ امام حسنؑ بھی تھے ولید نے یہ بات حضرت علیؑ سے بھی کہی حضرت علیؑ نے کہا ایسی صورت میں، مَیں پھر مومن نہیں یہ کہہ کر اُسے کوڑے مارے جس کی دو شاخیں تھیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے امام حسنؑ سے کہا بیٹا اُٹھو اور جا کر اُس پر حد جاری کرو۔ حضرت عثمان نے کہا آپ حسنؑ کو زحمت نہ دیجئے اور لوگ اس کام کو انجام دے دیں گے۔ یہ سُن کر حضرت علیؑ خود اُٹھ کھڑے ہوئے اور جا کر اُسے کوڑے مارے اور ولید آپ کو برا بھلا کہتا جاتا تھا۔

لوگوں نے عثمان سے یہ بھی کہا کہ سرکار اس کا سَر مونڈوا دیجئے، یہ بھی بتایا گیا کہ حضرت عمر ایسا کر چکے ہیں۔ حضرت عثمان نے جواب دیا کہ حضرت عمر نے پہلے ایسا کیا تھا بعد میں ترک کر دیا۔

ابومخنف وغیرہ کا بیان ہے کہ ولید جب صبح کی نماز پڑھانے نکلا تھا تو نشہ کے عالم میں لڑکھڑاتا جاتا تھا اسی حالت میں اُس نے صبح کی دو رکعت نماز پڑھائی اور لوگوں کی طرف مُڑ کر پوچھا اور زیادہ پڑھا دوں؟ اس پر عتاب بن علافہ جو شرفائے کوفہ سے تھے بولے خدا تجھے زیادہ نہ کرے! پھر ایک مٹھی کنکری اُس کے منہ پر ماری اور لوگوں نے بھی اس کی پیروی میں کنکریاں ماریں اور کہا خدا کی قسم تم پر تعجب نہیں، تعجب اس پر ہے جس نے تجھے یہاں کا حاکم بنا کر بھیجا ہے۔

یزید بن قیس ارجبی اور معقل بن قیس ریاحی نے کہا کہ عثمان نے اپنے بھائی کو گورنری کی عزت دے کر ساری اُمّت محمدؐ کی ذلت کا سامان کیا ہے۔

(مسند امام احمد، جلد ۱،ص ر ۱۴۴، سنن بیہقی، جلد ر ۸، ص ر ۳۱۸، تاریخ یعقوبی، جلد ر ۲، ص ر ۱۴۲، تاریخ کامل، جلد ر ۳، ص ر ۴۲، اسد الغابہ، جلد ر ۵، ص ر ۹۱، تاریخ ابوالفداء، جلد ر ۱، ص ر ۱۷۶، اصابہ، جلد ر ۳، ص ر ۶۳۸، وغیرہ)

ولید کے متعلق حطیہ شاعر کہتا ہے:

شھد الحطیئة یوم یلقی ربّه

ان الولید احق بالعذر

(بروز قیامت حطیئہ گواہی دے گا کہ ولید بیچارے کا کوئی قصور نہیں)

نادی وقد نفدت صلاتهم

أأزيد كم ثملا وما يدري

(نماز ختم ہونے پر اُس غریب نے پُکار کر پوچھا تھا کہ کہو تو اور زیادہ کردوں)

ليزيد هم خيرا ولو قبلوا

منه لزاد هم على عشر

(اُس نے تو اور خیر کی زیادتی کرنی چاہی تھی اگر لوگ اُس کی بات مان لئے ہوتے تو یہ صبح کی نماز دس رکعت سے زیادہ پڑھا دیئے ہوتا۔)

فابوا ابا وهب ولو فعلوا

لقرنت بين الشفع والوتر

(لیکن اے ابووہب ولید لوگوں نے انکار کیا۔ اگر وہ تیری بات مانے ہوتے تو تو شفع و وتر کو ملا دیتا)

حبلو اعنانك اذ جريت ولو

حلو عنانك لم تزل تجری

(تم چلے مگر لوگوں نے تمہاری لگام پکڑ لی، اگر تمہاری لگام چھوڑ دیئے ہوتے تو تم چلے ہی جاتے) (اغانی جلد ۴ ص ۱۷۹)

علاّمہ حلبی لکھتے ہیں کہ ولید نے کوفہ کے لوگوں کو صبح کی نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھائی اور رکوع و سجود میں اشرب واسقنی پی اور پلا کہنے لگا محراب میں شراب کی قے کر دی، سلام پھیر کر لوگوں سے پوچھنے لگا کہ اور زیادہ پڑھا دوں؟ اس پر ابن مسعود صحابی پیغمبرؐ نے کہا کہ خدا تجھے زیادہ بھلائی نہ دے نہ اُسے جس نے تجھے یہاں ہم پر حاکم بنا کر بھیجا ہے، اور اپنا ایک موزہ اُتار کر ولید کے منہ پر مارا، لوگوں نے کنکریاں ماریں وہ کراہتا ہوا قصر میں داخل ہوا اور کنکریاں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ (سیرۃ حلبیہ، جلد ۲ ص ۳۱۴)

علاّمہ ابن عبدربہ نے بھی عقد الفرید، جلد ۲ ص ۲۸۳، میں اس واقعہ کو لکھا ہے مگر اُنھوں نے چار کے بجائے تین رکعت لکھی ہیں۔

ابوالفرج اصبہانی نے ابوعبید و کلبی و اصمعی وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ ولید بن عقبہ زنا کار پرلے درجہ کا شرابخور تھا اُس نے کوفہ میں شراب پی اور نشہ کے عالم میں لوگوں کو صبح کی نماز پڑھانے کھڑا ہوا اور دو کے بجائے چار رکعت پڑھا ڈالی پھر لوگوں

کی طرف مڑ کر پوچھنے لگا کہ اور پڑھادوں؟ اور محراب میں قے کر دی نماز میں بآواز بلند اس نے یہ شعر بھی پڑھا ۔

علق القلب الربابا

بعد ماشابت و شابا

(یہ دل رباب سے چپک گیا بعد اس کے کہ رباب بھی بوڑھی ہو چکی اور دل بھی بوڑھا ہو چکا)

مشہور تابعی زہری سے منقول ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ ولید کی شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے حضرت عثمان نے کہا تم لوگ جب اپنے حاکم سے ناراض ہوتے ہو اُسے چھوٹے الزامات ہی لگاتے ہو، صبح ہونے دو سخت سزائیں تم لوگوں کو دی جائیں گی۔ ان لوگوں نے جناب عائشہ کی پناہ لی۔ جب صبح ہوئی تو عثمان نے جناب عائشہ کے گھر سے آوازیں آتے سنیں، فرمایا عراق کے فاسقوں اور خارجیوں کے لئے عائشہ کے گھر کے علاوہ اور کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے، یہ بات عائشہ کے کانوں میں بھی پہونچ گئی، اُنھوں نے پیغمبرؐ کی نعلین مبارک اُٹھا کر کہا تم نے اس نعلین کے پہننے والے کی روش چھوڑ دی ہے۔ باہم تکرار کی آواز لوگوں نے بھی سنیں، مسجد نبوی میں مجمع اکٹھا ہو گیا بعض کہتے کہ حضرت عائشہ سچ کہتی ہیں بعض کہتے کہ عورتوں کو اس سے کیا مطلب؟ مردوں کے ساتھ اُن کے ڈھیلے بازی اور جوتی پیزار کیسی، پھر کچھ صحابہ رسوؐل حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ خدا سے ڈریئے اور حدود کو معطل نہ کیجئے، کوفہ سے ولید کو معزول کر کے بلالیجئے، حضرت عثمان نے ایسا ہی کیا۔

(اغانی، جلد ۴، ص ۱۷۸ تا ۱۸۰)

یہ ولید جس کے متعلق مؤرخین و محدثین کے اتنے بیانات مختصراً مذکور ہوئے وہی ہے جس کے متعلق کلام مجید کی یہ آیتیں بہت پہلے اُتر چکی تھیں:

افمن کان مومنا کمن کان فاسقًا لا یستؤون۔ (سورہ سجدہ)

کیا وہ شخص جو مومن ہو اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو فاسق ہو دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

ان جاء کم فاسق بنبأ فتبیّنوا۔ (سورہ حجرات)

اگر کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو سوچ سمجھ لو۔

ان دونوں آیتوں میں فاسق سے مراد یہی ولید ہے۔

علامۂ ابن عبدالبر لکھتے ہیں لاخلاف بین اھل العلم بتاویل القراٰن فیما علمت ان قولہ عزّوجل ان جاء کم فاسقٌ بنباءٍ نزلت فی الولید۔ اہل علم کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت ولید کے متعلق نازل ہوئی۔

''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ولید جناب امیرؑ سے کہنے لگا کہ میں تم سے تیز نیزے والا، تیز زبان اور بھاری تلوار والا ہوں۔ جناب امیرؑ نے فرمایا خاموش رہ تو فاسق ہے خدا نے جناب امیرؑ کی تصدیق کے لئے یہ آیت نازل فرمائی قتادہ کہتے ہیں وہ دونوں ہرگز نہ دنیا میں نہ خدا کے پاس نہ آخرت میں برابر ہو سکتے ہیں۔

حسان بن ثابت نے اس نزول آیت کے متعلق اشعار بھی نظم کئے۔

انزل الله الکتاب العزیز فی
علیؑ و فی الولید قراٰنا

(خدا نے عزت والی کتاب کو علیؑ اور ولید کے حق میں نازل فرمایا)

فتبؤ الولید من ذاك فسقًا
و علیؑ متبوء ایمانا

(اور ولید کا فسق ٹھکانا جتایا اور علیؑ کا ایمان ٹھکانہ بتایا)

لیس من کان مومناعرف الله
کمن کان فاسقًا خوانا

(نہیں ہے وہ شخص جو کہ ایمان والا ہے اور جس نے خدا کو پہچانا مثل اُس شخص کے جو فاسق اور خائن ہے)

سوف یجزی الولید خزیانا را
و علی لاشك یجزی جنانا

(عنقریب دوزخ میں ولید رسوا کیا جائے گا اور علیؑ کو بے شک جنت میں جزا ملے گی)

فعلی یلقی لدی الله عزًا
والولید یلقی هناك هوانا

(پس علیؑ خدا سے عزت کے ساتھ ملیں گے اور ولید وہاں رسوا ہوگا)

(ارجح المطالب عبید اللہ امرتسری ص ر ۱۶۴)

علامہ محب الدین طبری نے بھی ریاض نضرہ، جلد ر ۲، ص ر ۲۰۶ میں یہی سب باتیں لکھی اور بکثرت محدثین و مفسرین نے بھی۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ولید ایسا مسلمہ فاسق تھا کہ کلام مجید کی کئی آیتیں اُس کے فاسق ہونے کے متعلق نازل ہوئیں اس کو مسلمانوں کا حاکم بنانا کیوں کر جائز تھا تا کہ وہ مسلمانوں کا اور گلا گھونٹے، اُن کا مال و دولت لوٹے اور عزت و آبرو پر

ڈاکہ ڈالے اور بیچارے مسلمان اُسی کو اپنا پیر مرشد مانیں، اسی سے آ کر احکام شریعت حاصل کریں اور وہ اُن کے سیاہ وسفید کا بااختیار مالک بن جائے۔ شریعت اسلام میں اس سے بڑھ کر اور اندھیر کیا ہوگا؟ خیر، حاکم بنانے کو بنا دیا تھا ایک بات تھی جو ہوگئی لیکن جب اُس نے شراب پی اور اس طرح مسجد میں آ کر حالت نماز میں مُصلّے ومحراب میں قے کی چار شخصوں نے آ کر گواہی بھی دی، تو گواہوں کو زدوکوب کیوں کیا؟ اور اُسے معزول کرنے میں درنگ کیوں کی؟ اس پر حد جاری میں تساہلی سے کام کیوں لیا؟ اور حد جاری کرنے پر بادل ناخواستہ آمادہ بھی ہوئے تو یہ خصوصی مہربانی اس کے ساتھ کیوں فرمائی کہ اُسے کمرے میں یمنی جبہ پہنا کر بٹھایا تھا تا کہ حد جاری بھی ہو تو چوٹ نہ لگے، پھر یہ کہ جب کوئی آدمی کمرے میں حد جاری کرنے کے لئے جاتا تھا تو کیا ولید اُسے حضرت عثمان کے غیظ وغضب کا خوف دلاتا اور اپنی رشتہ داری وقرابت کا واسطہ دیتا تھا تو کیا حضرت عثمان کو بھی اس کی خبر ہوتی تھی کہ ولید میری طرف حدود الٰہی کے اجراء پر غضبناک ہونے اور احکام شریعت پر قرابتداری کو مقدم سمجھنے کی نسبت دیر پا ہے ایک ایک سے کہہ رہا ہے کہ مجھ پر حد جاری کرو گے تو خلیفہ ناراض ہوں گے اور اُس کی اس حرکت پر راضی ہو کر آپ چشم پوشی فرما رہے تھے؟ یا ولید کی اس حرکت کی آپ کو خبر ہی نہ ہوئی؟ حدیث کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ کو ولید کی ایک ایک بات معلوم ہوتی رہتی تھی اور خود آپ کی دلی خواہش تھی کہ ولید پر حد جاری نہ ہونے پائے۔ چنانچہ جب حضرت امیرالمومنینؑ نے امام حسنؑ سے فرمایا کہ بیٹا اُٹھو اور جا کر اُس پر حد جاری کرو تو حضرت عثمان نے کہا انھیں زحمت نہ دیجئے اور بھی بہت سے لوگ ہیں جو اس کام کو انجام دے دیں گے۔ حضرت عثمان جانتے تھے کہ امام حسنؑ ولید کی باتوں پر کان نہ دھریں گے نہ حضرت عثمان کے غیظ وغضب کی پروا کریں گے نہ ولید کی خلیفہ سے رشتہ داری کا خیال کریں گے۔ اس لئے چاہتے تھے کہ ہمارے خاص حاشیہ نشین ہی حد جاری کرنے جائیں لیکن خدا ہی کی مرضی غالب رہی اور خود حضرت امیرالمومنینؑ نے بہ نفس نفیس حکم خداوندی کا نفاذ فرمایا اور اُس پر پوری حد جاری کی یا آپ نے اپنے بھتیجے جناب عبداللہ بن جعفر کو حکم دیا کہ تم کوڑے لگاؤ اور آپؑ کھڑے گنتے رہے جیسا کہ مسلم جلد ر ۲، ص ر ۵۲ و اغانی وغیرہ میں ہے۔

قیامت بالائے قیامت یہ ہے کہ ان تمام باتوں کے بعد بھی حضرت عثمان ولید کی محبت وحمایت میں پہلے ہی کی طرح سرشار رہے اور پھر اسی ولید کو بنی کلب وبلقین کے صدقات کی تحصیلداری پر مقرر کیا۔

پانچویں فصل

حضرت عثمان کا بحالت سفر اتمام صلوٰۃ

''حضرت عثمان بارادہ حج ایک گروہ بزرگان اہل بیت و اکابر مہاجرین و انصار کا لے کر منزل منیٰ پر اُترے اور میدان منیٰ میں اپنے واسطے ایک سراپردہ نصب کرایا اور عیان حجاج بیت الحرام کو اس سراپردہ میں جمع کیا اور خوب دعوتیں ضیافتیں کیں اور کمال حشمت و شوکت دکھائی، حضرت عثمان کی یہ حرکت ہر شریف و وضیع کو نہایت معیوب اور بُری معلوم ہوئی کیوں کہ اس طریقہ کو شعار جاہلیت سے جانتے تھے اور وقت بعثت سے اب تک کسی دیندار نے اس امر کا اقدام نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ رسوؐل سے جو حضرت کے واسطے خیمہ نصب کرنے کے واسطے کہا گیا تو حضرت نے فرمایا تھا کہ منیٰ خیمہ گاہ نہیں ہے۔ دوسری خلاف بات اسی موقع پر حضرت عثمان سے یہ ظہور میں آئی کہ رسوؐل اور شیخین اور یہ خود اس وقت سے پہلے منزل منیٰ اور عرفات میں چہار رکعتی نماز کو قصر کرتے تھے یعنی دو رکعت پڑھتے تھے اس وقت اُنھوں نے چار رکعت پڑھیں اور قصر نہ کیا اور اکابر اسلام نے اعتراض کیا اور کہا کہ حضرت عثمان نے خلاف سنّت رسوؐل کیا، اور حضرت عثمان کی مذمت کی۔ علی مرتضیٰؑ اور عبدالرحمان بن عوف نے حضرت عثمان کے پاس جا کر سبب پوچھا۔ خاص کر حضرت عثمان اور عبدالرحمان بن عوف میں ان دونوں معاملہ میں بڑی بحث ہوئی اور جب عثمان لاجواب ہوتے تو عبدالرحمان بن عوف باہر چلے آئے۔ پس اول طعن جو حضرت عثمان پر ہوئی ان دونوں امروں کے باعث ہوئی جو خلاف سنت رسوؐل تھی۔'' روضۃ الاحباب، تاریخ ماسٹر ذاکر حسین)

بخاری و مسلم نے بسلسلۂ اسناد عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ ''پیغمبرؐ جب حج کو تشریف لے جاتے تو مقام منیٰ میں نماز قصر پڑھتے، پیغمبرؐ کے بعد حضرت ابوبکر نے بھی قصر پڑھی، ابوبکر کے بعد حضرت عمر نے بھی قصر پڑھی۔ حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں تو قصر پڑھی لیکن بعد میں پوری پڑھنے لگے۔ عبداللہ بن عمر جب حضرت عثمان کے ساتھ نماز پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے اور اکیلے پڑھتے تو قصر کرتے۔

(صحیح بخاری، جلد ۲، ص ۱۰۴، صحیح مسلم جلد ۲، ص ۲۶، مسند امام احمد، جلد ۲، ص ۱۴۸، سنن بیہقی، جلد ۳، ص ۱۲۶)

ابن عزم کی لفظیں یہ ہیں ''ابن عمر جب مقام منیٰ میں حضرت عثمان کے ساتھ چار رکعت پڑھتے تو گھر آ کر پھر سے اعادہ کرتے قصر نماز پڑھتے۔'' (المحلی، جلد ۴ ص ۲۷۰)

امام مالک نے عروہ سے روایت کی ہے کہ رسُول اللہ نے منیٰ میں چورکعتی نمازیں دو رکعت پڑھیں ابوبکر نے بھی دو پڑھیں، عمر نے بھی دو، حضرت عثمان نے بھی اپنی خلافت کے کچھ حصہ میں دو پڑھیں بعد میں اتمام کرنے لگے۔ (موطا، جلد ۱ ص ۲۲۸)

بخاری ومسلم نے عبدالرحمان بن یزید سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں اس کا تذکرہ عبداللہ بن مسعود صحابی پیغمبرؐ سے کیا گیا اُنھوں نے کہا انّا للہ و انّا الیہ راجعون اس کے بعد وہ بولے کہ میں نے خود پیغمبرؐ کے ساتھ منیٰ میں چار رکعتی نمازیں دو رکعت پڑھیں، ابوبکر نے بھی پڑھیں عمر نے بھی دو، حضرت عثمان نے بھی اپنی خلافت کے کچھ حصے میں دو پڑھیں بعد میں اتمام کرنے لگے۔ (موطا جلد ۱ ص ۲۸۲)

بخاری ومسلم نے عبدالرحمان بن یزید سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں اس کا تذکرہ عبداللہ بن مسعود صحابی پیغمبرؐ سے کہا گیا انھوں نے کہا انا للہ و انا الیہ راجعون اس کے بعد وہ بولے کہ میں نے خود پیغمبرؐ کے ساتھ منیٰ میں چار رکعتی نمازیں دو رکعت کر کے پڑھیں ابوبکر کے ساتھ بھی دو پڑھیں عمر کے ساتھ بھی دو پڑھیں، کاش چار رکعت کے بجائے دو ہی قابل قبول رکعتیں میرے نصیب میں ہوتیں۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ)

علّامہ طبری وغیرہ نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے کہ ۲۹ھ میں حضرت عثمان نے مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ حج کیا۔ مقام منیٰ میں پہونچ کر اُنھوں نے اپنے لئے خیمہ نصب کرایا۔ یہ سب سے پہلا خیمہ تھا جو حضرت عثمان نے منیٰ میں نصب کیا۔ آپ نے منیٰ اور مقام عرفہ میں نماز بھی پوری پڑھی ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت عثمان کے خلاف علی الاعلان پہلا اعتراض لوگوں کا یہی ہوا کہ اُنھوں نے اپنی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں تو مقام منیٰ میں قصر نماز پڑھی لیکن چھٹے سال پوری پڑھی، ان کے اس اقدام پر بکثرت صحابہ معترض ہوئے اور بعض لوگوں نے تو بحثا بحثی بھی کی، یہاں تک حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا کہ نہ تو کوئی نئی بات رونما ہوئی ہے نہ پہلے سے یہ بات کہی سنی تھی۔ آپ نے پیغمبرؐ کو بھی دیکھا کہ اُنھوں نے سفر میں نماز قصر پڑھی پھر اُن کے بعد ابوبکر نے بھی ایسا ہی کیا۔ خود آپ اپنی خلافت کے ابتدائی دنوں میں اسی پر عامل رہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اب یہ جدّت کیوں کی ہے؟ حضرت عثمان نے کہا ایک رائے میرے ذہن میں آئی اور اب یہی مجھے مناسب معلوم ہوا۔

حضرت عثمان کی اس جدّت طرازی کی شکایت عبدالرحمان بن عوف سے بھی کی گئی ؎

اے بادصبا ایں ہمہ آوردہ تست

لوگوں نے پوچھا اپنے بھائی صاحب کے متعلق کیا فرماتے ہیں جنھوں نے لوگوں کو چار رکعت نماز پڑھائی ہے، عبدالرحمان نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قصر کر کے پڑھی پھر روانہ ہوئے اور حضرت عثمان کے پاس پہنچ کر پوچھا۔

عبدالرحمان بن عوف: کیا تم نے اس مقام پر رسول اللہ کے ساتھ نماز قصر کر کے نہ پڑھی تھی؟

حضرت عثمان: ہاں پڑھی تھی۔

عبدالرحمان بن عوف: کیا حضرت ابوبکر کے ساتھ اس جگہ تم نے قصر نماز نہ پڑھی؟

حضرت عثمان: ہاں پڑھی تھی۔

عبدالرحمان بن عوف: کیا عمر کے ساتھ اس جگہ تم نے قصر نماز نہیں پڑھی تھی؟

حضرت عثمان: ہاں پڑھی تھی۔

عبدالرحمان بن عوف: کیا اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں تم نے بھی قصر نماز نہیں پڑھی تھی؟

حضرت عثمان: ہاں پڑھی تھی! مگر سنو بات یہ ہے کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ سال گذشتہ بعض یمن سے آنے والے حاجیوں اور کچھ بدوی لوگوں نے کہا کہ نماز دو ہی رکعتیں ہیں سفر میں بھی حضر میں بھی خلیفۂ وقت امام المسلمین حضرت عثمان دو رکعتیں پڑھتے ہیں میں نے اسی غلط فہمی کو دور کرنے اور نئے مسلمانوں کو بتانے کے لئے کہ نماز کی چار رکعتیں ہیں بجائے قصر کرنے کے پوری نماز پڑھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ میں مکّہ میں اہل وعیال سمیت ہوں گویا یہاں بھی گھر والا ہوں اس لئے بھی میں نے قصر کے بجائے اتمام کیا۔ تیسرے یہ کہ مکّہ میں، میں نے شادی کرلی۔ میری یہاں سسرال ہے۔ نیز طائف میں میری کچھ جائداد اور مال واسباب ہے اس لئے میں نے قیام کی نیت کرلی تاکہ حج سے فارغ ہو کر اُس کی بھی دیکھ بھال کرلوں گا۔

عبدالرحمان بن عوف:

ان تینوں میں سے کوئی عذر بھی تمہارا صحیح نہیں اور تم کسی طرح بھی نماز پوری پڑھنے میں حق بجانب نہیں ہو، تمہارا یہ کہنا کہ منیٰ میں گھر والا ہوں تو یہ عذر کوئی عذر نہیں تمہاری وہ بیوی جو مدینہ کی ہے جب تم باہر جاتے ہو تو ساتھ لے جاتے ہو اور آتے ہو تو ساتھ لاتے ہو، جہاں تم رہو گے وہیں وہ بھی رہے گی لہٰذا منیٰ میں بیوی ساتھ رہنے کی وجہ سے تم یہاں گھر والے کیسے ہو گئے؟ رہ گیا تمہارا یہ کہنا کہ میری کچھ جائداد طائف میں ہے تو اس سے کیا؟ تمہارے اور طائف کے درمیان تین شب کی مسافت ہے تم طائف کے باشندے بھی نہیں۔

یہ عذر کہ بعض یمنی حاجیوں اور کچھ بدوی لوگوں نے سال گذشتہ چرچا کیا تھا کہ نماز دو ہی رکعتیں ہیں حضرت عثمان خلیفۂ وقت خود دو رکعتیں پڑھتے ہیں اس لئے تم نے اُن کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے قصر کی جگہ اتمام کیا۔ یہ بھی مہمل ہے اس لئے کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے زمانے میں جب اسلام تازہ تازہ تھا مسلمان بھی کم تھے آپ نے نماز قصر ہی پڑھی اور

لوگوں کی غلط فہمی کا اندیشہ آپ کو نہ ہوا۔ حضرت ابوبکر نے بھی اپنے زمانے میں نماز قصر پڑھی انھیں بھی لوگوں کی غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہوا۔ حضرت عمر نے بھی نماز قصر پڑھی۔ اُنھیں بھی لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہوا۔

حضرت عثمان: میری تو یہی رائے ہے اور اب اسی کو مناسب سمجھتا ہوں۔

اس گفتگو کے بعد عبدالرحمان وہاں سے اُٹھے اپنے قیام گاہ کو روانہ ہوئے راستہ میں عبداللہ بن مسعود سے ملاقات ہوئی۔

عبداللہ ابن مسعود: ابومحمد! (کنیت عبدالرحمان بن عوف) کیا ہم لوگوں نے غلط خبر سنی تھی؟

عبدالرحمان بن عوف: نہیں، واقعہ صحیح ہے۔

عبداللہ بن مسعود: اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

عبدالرحمان بن عوف: تم اپنے علم کے مطابق عمل کرو۔

عبداللہ بن مسعود: لیکن خلیفۂ وقت کی مخالفت میں تو بہت خرابی ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ اُنھوں نے دو رکعت کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی تو میں نے اپنے ساتھیوں کو چار ہی رکعت نماز پڑھائی۔

عبدالرحمان بن عوف: مجھے بھی خبر معلوم ہوئی تھی لیکن میں نے اپنے ساتھیوں کو دو رکعت نماز پڑھائی لیکن اب میں تمہاری پیروی کروں گا یعنی چار ہی رکعت پڑھوں گا۔[1] (کتاب الانساب بلاذری، جلد ۵ ص ۳۹، تاریخ طبری جلد ۵ ص ۵۶، تاریخ کامل، جلد ۳ ص ۴۲، تاریخ، جلد ۷ ص ۱۵۴، تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۳۸۶)

ا۔ گزشتہ صفحات میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کی یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ عبداللہ بن عمر جب حضرت عثمان کے پیچھے نماز پڑھتے تو چار رکعت پڑھتے اور جب تنہا ہوتے تو دو رکعت پڑھتے، دوسری روایت کا مضمون یہ تھا کہ ابن عمر جب عثمان کے پیچھے پوری نماز پڑھتے تو اپنی قیام گاہ پر آکر اعادہ کرتے اور دو رکعت پڑھتے۔ اب یہ عبداللہ بن مسعود اور عبدالرحمان بن عوف دو صحابی پیغمبرؐ کی آپس کی گفتگو آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔ یہ روایات شاہد ہیں کہ پیغمبرؐ کے جلیل القدر صحابہ وقت ضرورت تعلیمات شرعیہ کی مخالفت اور احکام مذہب میں تغیر و تبدل کرنے کو نامناسب نہ جانتے اور اکثر اوقات دین و مذہب پر موقع و محل کی سیاست کو ترجیح دیا کرتے۔ عبداللہ ابن مسعود ایسے جلیل المرتب صحابی یہ جانتے اور سمجھتے ہوئے کہ حالت سفر میں چار رکعتی نمازیں دو رکعت پڑھی جاتی ہیں۔ عبدالرحمان بن عوف سے کہتے ہیں کہ میں نے تو چار ہی رکعت پڑھی ہے کیوں کہ خلیفہ کی مخالفت کرنے میں شر کا اندیشہ تھا اور عبدالرحمان جو اس مسئلہ میں حضرت عثمان سے بحث و تکرار کر کے اُن کی دلیلوں کو رد کر کے آئے ہیں عبداللہ بن مسعود کے اس جملہ پر کہتے ہیں کہ آئندہ میں بھی چار رکعت پڑھوں گا۔ کیوں کہ مخالفت میں خرابی کا ڈر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تقیہ حرام ہے اور اس کے جواز کی کوئی وجہ نہیں اور یہاں اتنے بڑے بڑے جلیل القدر صحابۂ کرام تقیہ کرنے ہی کو بہتری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ قیامت یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمان بن عوف سواد اعظم کے نزدیک صحابۂ رسولؐ میں بڑی معزز و محترم فرد یں تھیں۔ یہ اگر نماز کے معاملے میں حضرت عثمان کی مخالفت کرتے تو حضرت عثمان اُن کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔ اُنھیں قتل نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کی جان نہیں لے سکتے تھے انھیں قید خانے میں محبوس نہیں کر سکتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ دربار خلافت میں جو تقرب تھا اس میں ذرا فرق آجاتا۔ حضرت عثمان سے اُن کے جو ذاتی اغراض وابستہ تھے اُن کے پورا ہونے میں ذرا دیر ہو جاتی۔ لیکن صرف اتنے معمولی خوف کی وجہ سے یہ حضرات مخالفت احکام شرعیہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت عثمان کی مخالفت سے ڈرتے ہیں اور خدا اور رسولؐ کی مخالفت کرنے کی پروا نہیں کرتے۔

حضرت عثمان کی رائے پر ایک نظر

حضرت عثمان کا یہ اقدام نہ تو کسی دلیل پر مشتمل تھا نہ کتاب وسنت ہی سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اُن کے پاس لے دے کر بس یہی تین دلیلیں تھیں جو انھوں نے عبدالرحمان سے بیان کیں اور عبدالرحمان نے بہت عمدگی سے ایک ایک دلیل کے تار و پور بکھیر دیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دلیلیں اتنی رکیک ہیں کہ دینیات کا معمولی طالب العلم بھی اپنی زبان سے نہیں نکال سکتا چہ جائیکہ امام المسلمین اور خلیفہ رسُول اگر اتنی سی بات کہ جناب عثمان کی بیوی مکہ کی رہنے والی تھی سفر کی حیثیت کو ختم کر دینے والی ہوتی تو مہاجرین صحابہ میں سے کون ایسا تھا جس کی بیوی مکہ کی رہنے والی نہ ہو۔ مہاجرین پہلے مکہ ہی میں تو رہتے تھے ان کی بیویاں بھی مکہ ہی کی تھیں لہٰذا تمام مہاجرین پر واجب تھا کہ جب حج کے لئے مکہ جائیں تو نمازیں پوری ہی پڑھا کریں لیکن شریعت نے ہر مسافر کو مطلقاً قصر کرنے کا حکم دیا ہے جس پر بھی سفر کا اطلاق ہو اُس کے لئے قصر کرنا واجب ہے۔ بیوی تو شوہر کے تابع ہوتی ہے شوہر جہاں جاتا ہے وہ بھی جاتی ہے جہاں ٹھہرتا ہے وہ بھی ٹھہرتی ہے، لہٰذا شوہر محض اس بناء پر کہ وہ اپنے بیوی کے میکے کے قریب ہے مسافر کے حکم سے کیسے خارج ہو جائے گا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں ''امام احمد و بیہقی نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان نے منیٰ میں بجائے قصر کے پوری نماز پڑھی تو لوگوں کو یہ ناگوار گزرا۔ حضرت عثمان نے یہ معذرت کی کہ میں مکہ پہنچ کر گھر والا ہو گیا ہوں اور میں نے پیغمبرؐ کو ارشاد فرماتے سُنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں گھر والا بن جائے وہ پوری نماز پڑھے۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ منقطع ہے اور اس کے سلسلہ اسناد میں ایسے افراد بھی ہیں جن کی بیان کردہ حدیثوں سے کسی شرعی مسئلہ پر دلیل قائم نہیں کی جاسکتی اور اس روایت کی تردید یوں بھی ہوتی ہے کہ خود پیغمبرؐ اپنی ازدواج کے ہمراہ سفر کرتے اور نماز قصر پڑھتے۔''

علامہ ابن قیّم حضرت عثمان کے عذر گناتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''وہ منیٰ میں گھر والے ہو گئے اور مسافر اگر کسی جگہ قیام کرلے وہاں شادی کرلے یا وہاں اُس کی کوئی بیوی پہلے سے موجود ہو تو وہ نماز پوری پڑھے گا، اس کے متعلق پیغمبرؐ سے ایک حدیث بھی مروی ہے۔ چنانچہ عکرمہ ابن ابراہیم ازدی راوی ہے کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں پوری نماز پڑھی اور لوگوں سے کہا کہ میں منیٰ میں گھر والا ہو گیا ہوں اور میں نے پیغمبرؐ سے سُنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شہر میں گھر والا ہو جائے تو وہ پوری نماز پڑھے گا۔ اس حدیث کو امام احمد نے مسند، جلد/۱، ص/ ۶۲ پر اور عبداللہ بن زبیر حمیدی نے بھی اپنی مسند میں روایت کیا ہے، لیکن امام بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیوں کہ ایک تو یہ منقطع ہے دوسرے اس کا راوی عکرمہ بن ابراہیم ضعیف ہے، علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ عکرمہ بن ابراہیم ضعیف کیسے؟ درانحالیکہ امام بخاری نے عکرمہ کا اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور اس پر

کوئی طعن نہیں کیا حالانکہ اُن کا دستور یہ ہے کہ انھوں نے جرح اور مجروحین دونوں کا ذکر کیا ہے، امام احمد اور ابن عباس نے صراحت کی ہے کہ اگر مسافر شخص شادی کرلے تو اُسے پوری نماز پڑھنا لازم ہے، یہی قول ابوحنیفہ و امام مالک اور اُن کے اصحاب کا بھی ہے۔''حضرت عثمان کی طرف سے جو عذر بیان کئے گئے اُن سب میں یہی بہتر و عمدہ عذر ہے۔'' (اصابہ، جلد ر ۲، ص ر ۴۵۶)

میں کہتا ہوں کہ اگر حضرت عثمان اپنے اس دعویٰ کو اس وقت مجمع عام میں بیان کرتے، یہ بات اسلام میں مسلم ہوتی کہ نکاح مسافرانہ حیثیت کو ختم کر دیتا ہے اور اگر کوئی مسافر نکاح کرلے تو اُسے چاہئے کہ قصر کے بجائے پوری نماز پڑھے تو کوئی پیچیدگی ہی نہ رہتی اور نہ عثمان اعتراضات کا نشانہ بنتے لیکن اس کے برعکس تمام صحابہ نے حضرت عثمان پر کڑی تنقیدیں کیں کیا ان صحابہ نے حضرت عثمان کی زبان سے یہ معذرت سنی ہی نہیں یا سُنی مگر ان کی بات قابل قبول نہیں سمجھی یا حضرت عثمان نے یہ عذر ہی نہیں کیا اُن کے بعد اُن کے ہوا خواہوں نے یہ حدیث گڑھ لی۔

نیز ایک بات تو یہ سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت عثمان منیٰ یا مکہ میں نکاح کر لینے سے گھر والے کیسے ہوگئے اور اُن کی حالت سفر ختم کیسے ہوگئی۔ دوسرے یہ کہ حضرت عثمان کا نکاح کرنا ہی کب جائز تھا وہ مکہ میں تو حج کے ارادے سے بحالت احرام آئے تھے محرم کے لئے نکاح جائز نہیں۔ خود حضرت عثمان نے پیغمبرؐ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ لا ینکح المحرم ولا ینکح ولا یخطب محرم نہ تو نکاح کرسکتا ہے نہ شادی کا پیغام دے سکتا ہے۔ (موطا، جلد ر ۱، ص ر ۳۲۱، مسند، جلد ر ۱، ص ر ۵۷ و ۶۴ و ۶۸ و ۷۳، صحیح مسلم جلد ر ۱، ص ر ۹۳۵، سنن دارمی، جلد ر ۲، ص ر ۳۸، سنن ابن ماجہ، جلد ر ۱، ص ر ۶۰۶، سنن نسائی، جلد ر ۵، ص ر ۱۹۲، سنن بیہقی، جلد ر ۵، ص ر ۶۱۵ او ص ۶۶۱۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ لا یجوز نکاح المحرم ان نکح نزعنا منه امرأته۔ محرم کا نکاح جائز نہیں اگر محرم نکاح کرے گا تو ہم اس کی عورت اس سے جدا کر دیں گے۔ (المحلی لابن حزم، جلد ر ۷، ص ر ۱۹۹)

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں۔''احرام باندھنے کی گھڑی سے قربانی کے دن طلوع آفتاب کے بعد رمی جمرہ عقبہ کا وقت آجانے تک نہ تو کسی مرد کے لئے نکاح کرنا جائز ہے نہ عورت کے لئے نہ محرم شخص کسی ایسے کا نکاح کرسکتا ہے جس کا وہ ولی ہو اور نہ نکاح کا پیغام دے سکتا ہے۔ اگر رمی جمرہ کا وقت آنے سے پہلے کوئی نکاح کرے گا تو وہ نکاح فسخ ہو جائے گا، ہاں طلوع آفتاب و رمی جمرہ کا وقت آجانے کے بعد نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

اس مسئلہ پر ابن حزم نے بہت شرح و بسط سے بحث کی ہے اور محکم دلیلیں قائم کی ہیں دیکھئے المحلی لابن حزم، جلد ر ۷، ص ر ۱۹۷، امام شافعی نے بھی اپنی کتاب الام میں اس سے مفصل بحث کی جلد ر ۵، ص ر ۱۶۰۔ جب یہ مسئلہ اتنا واضح ہے تو پھر قرآن کی کس آیت یا پیغمبرؐ کی کس حدیث سے امام ابوحنیفہ و مالک و امام احمد بقول ابن قیم یہ فتویٰ دے سکتے ہیں کہ اگر مسافر کسی شہر میں نکاح کرلے تو اُسے پوری نماز پڑھنا لازم ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ پیغمبرؐ کا طرز عمل بالکل اس کے برعکس رہا، رسالت

مآبؐ ہمیشہ منیٰ میں قصر کیا کئے مہاجرین بھی سب کے سب قصر ہی کرتے رہے۔ باوجودیکہ تمام مہاجرین کی ازواج کا میکہ تھا، ابوحنیفہ ومالک واحمد کو لے دے کے بس وہی عکرمہ بن ابراہیم والی ایک روایت کا سہارا ہے جسے بیہقی نے علیل اور ابن حجر عسقلانی نے غیر صحیح تسلیم کیا ہے۔ یحییٰ وابوداؤد نے کہا کہ عکرمة لیس بشیٔ عکرمہ کچھ بھی نہیں۔ نسائی فرماتے ہیں ضعیف لیس بثقه عکرمہ ضعیف ہے بھروسہ کے قابل نہیں۔ عقیلی کا قول ہے فی حدیثه اضطراب عکرمہ کی حدیث میں اُلٹ پھیر ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں یہ عکرمہ حدیثیں الٹ پلٹ کر بیان کرتا تھا مرسل کو مرفوع کر کے بیان کرتا۔ ایسی حدیثوں سے شرعی مسائل پر استدلال صحیح نہیں، یعقوب کا قول ہے کہ منکر الحدیث ہے۔ ابواحمد حاکم کہتے ہیں کہ عکرمہ قوی نہیں، ابن جارود وابن شاہین نے ضعفا میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (لسان المیزان، جلد/۴،ص/۱۸۲)

حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ وامام احمد ومالک نے محض حضرت عثمان کی عزت وحرمت کو ملحوظ رکھ کر اس قسم کا فتویٰ صادر کر دیا ہے۔ اگرچہ کلام مجید کی کسی آیت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اگر ان حضرات کے فتاویٰ کی چھان بین کی جائے تو بے شمار فتاویٰ ایسے ملیں گے جنھیں نہ قرآن سے کوئی ربط نہ حدیث پیغمبرؐ سے کوئی سروکار۔

شدید تعجب تو یہ ہے کہ ابن قیم نے اس فرضی معذرت کو سب سے اچھی معذرت قرار دیا ہے حالانکہ یہ انتہا سے زیادہ رکاکت وخرافات پر مشتمل ہے جیسا کہ ہم ابھی مختصراً ذکر کر آئے ہیں جب سب سے اچھی معذرت کا یہ حال ہے تو باقی معذرتوں کا کہنا ہی کیا۔ ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

حضرت عثمان کا دوسرا عذر یہ تھا کہ ہماری جائداد طائف میں ہے اس لئے ہم نے بجائے قصر کے پوری نماز پڑھی، یہ عذر بھی کوئی قابل توجہ نہیں کیوں کہ حضرت عثمان مکہ کے رہنے والے تھے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے طائف کے رہنے والے نہیں تھے مکہ اور طائف کے درمیان کئی منزلیں ہیں۔ فرض بھی کر لیا جائے کہ اُن کی جائداد مکہ یا منیٰ وعرفہ ہی میں تھی تو صرف کسی مقام پر جائداد ہونے کی وجہ سے مسافرانہ حیثیت تھوڑی ہی ختم ہو جاتی ہے۔ جب تک قیام کی مدت بھی زیادہ نہ ہو ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا اور اصحاب مکہ میں داخل ہوئے۔ یا بعد پیغمبرؐ جب صحابہ حضرت ابوبکر کے ساتھ حج کرنے مکہ آئے تو باوجودیکہ اکثر وبیشتر صحابہ کے مکانات مکہ میں تھے رشتہ داریاں بھی تھیں کیوں کہ سابقہ وطن تو اُن کا مکہ ہی تھا۔ مگر سبھی نے قصر نماز پڑھی جیسا کہ امام شافعی نے اپنی کتاب الام، ج/۱،ص/۱۶۵ میں روایت کی ہے کہ ''اصحاب رسولؐ نے فتح مکہ کے سال آنحضرتؐ کے ساتھ جب وہ حج بجالائے نیز حضرت ابوبکر کے ساتھ حج کرنے جب مکہ آئے تو سبھی نے نمازیں قصر پڑھیں حالانکہ اکثر صحابہ کے مکانات مکہ

میں تھے اور رشتہ داریاں بھی تھیں۔ خود حضرت ابوبکر کا گھر اور رشتہ دار دونوں تھے۔ حضرت عمر کے تو کئی گھر تھے۔ حضرت عثمان کا بھی گھر تھا اور رشتہ دار بھی، ہمیں نہیں معلوم کہ پیغمبرؐ نے کسی کو بھی پوری نماز پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ نہ آں حضرتؐ نے خود پوری نماز پڑھی نہ صحابہ پیغمبرؐ نے بلکہ صحابہ کا تو یہی طرز عمل معلوم ہے کہ وہ سب کے سب مکہ آنے پر قصر ہی نماز پڑھتے رہے۔"علامہ بیہقی نے بھی سنن جلد ر ۳ ص ر ۱۵۳ میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔"

تیسرا عذر

یعنی حضرت عثمان کا یہ اندیشہ کہ یمن کے حاجی اور بدوی لوگ جنھیں احکام شریعت ٹھیک سے معلوم نہ تھی یہ نہ کہنے لگیں کہ نماز دو ہی رکعتیں ہیں خود امام المسلمین (عثمان) دو رکعت پڑھ رہے ہیں،" بھی صحیح نہیں کیوں کہ اگر صرف اسی اندیشہ کے بنا پر حالت سفر میں قصر کے بجائے پوری نماز پڑھنا صحیح ہوتا تو پیغمبرؐ خدا کو بدرجہ اولیٰ ایسا ہی کرنا مناسب تھا کیوں کہ آپ کے زمانہ میں اسلام نیا نیا تھا تازہ تازہ لوگ مسلمان ہوئے تھے تمام احکام شریعت لوگوں کے کانوں تک ابھی پہنچنے بھی نہیں پائے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر و عمر کے زمانے میں بھی لیکن پیغمبرؐ کو حاضر و مسافر کا حکم بیان کر دینے کے بعد یہ اندیشہ کبھی پیدا ہی نہ ہوا نہ آپ کے بعد آپ کے پیرووں کو کبھی یہ تردد لاحق ہوا۔ جس سال آنحضرتؐ مکہ تشریف فرما ہوئے تھے تو آپ نے بجائے چار رکعت کے دو رکعت نماز پڑھی اور مکہ والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ پوری نماز پڑھو ہم چونکہ سفر میں ہیں اس لئے ہم نے قصر پڑھی ہے۔ سرکار رسالت نے یہ وضاحت کر کے اسی دن اس اندیشہ کی راہ مسدود کر دی تھی لہٰذا حضرت عثمان نے بھی ایسا ہی کیوں نہ کیا جیسا پیغمبرؐ ہر سفر میں کرتے رہے وہ بھی تو پیغمبرؐ کے ہمراہ سفر میں رہا کئے ہیں اور مکہ والوں سے آپ کو کہتے بھی سنا ہوگا کہ اتمّوا الصَّلٰوۃ یا اھل مکۃ فانا سفرا۔ یا اَھلَ البَلَد صَلّوا اربعافانا سفرا۔ اے مکہ والو! تم چار رکعت نماز پڑھو ہم تو مسافر ہیں اس لئے دو رکعت پڑھ رہے ہیں۔ (سنن بیہقی جلد ر ۳ ص ر ۱۳۶، و ۱۵۷ سنن ابی داؤد جلد ر ۱ ص ر ۱۹۱ احکام القرآن خصاص، جلد ر ۲ ص ر ۳۱)

جو شخص احکام سے ناواقف ہو اُسے احکام سے باخبر کرنا ضروری ہے یا اُس کی جہالت کے خوف سے مقررہ حکم کا بدل دینا مناسب ہے؟

علاوہ بریں اس کے حضرت عثمان نے حالت سفر میں قصر کے بجائے پوری نماز پڑھ کر عوام الناس کو جتانا تو یہ چاہا کہ شریعت نے نماز کی چار ہی رکعتیں مقرر کی ہیں مگر جاہل عوام کو انھوں نے اور جہالت میں مبتلا کر دیا۔ عوام نے اُن کے طرز عمل سے یہی سمجھا ہوگا کہ آدمی چاہے سفر میں ہو یا حضر میں نماز پوری ہی پڑھنی واجب ہے امام المسلمین مکہ میں بحالت مسافرت ہیں اور پوری نماز پڑھ رہے ہیں۔ عوام الناس کو تعلیم دینے کی واحد صورت یہی تھی کہ حضرت عثمان شریعت کے مقرر کردہ حکم پر عمل کرتے۔ نماز

قصر پڑھتے اور جس طرح رسول اللہؐ نے صراحت کر دی تھی کہ مکہ والوں ہم مسافر ہیں اس لئے نماز قصر پڑھ رہے ہیں ۔تم لوگ پوری ہی پڑھنا۔حضرت عثمان بھی واضح کر دیتے۔

حضرت عمر کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ مکہ آتے تو لوگوں کو دو رکعت جماعت سے پڑھاتے اُس کے بعد کہہ دیتے کہ مکہ والوتم لوگ اپنی نماز پوری پڑھ لو ہم تو مسافر ہیں ۔امام بیہقی نے حضرت ابو بکر کے متعلق بھی روایت کی ہے کہ انھوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ (سنن بیہقی، جلد/ ۳ص/ ۱۲۶ و ۱۵۷، محلی ابن حزم، جلد/ ۵ ص/ ۱۸، موطا امام مالک جلد/ ۶ ص/ ۱۲،)

یہ اتنے عذر تھے جو حضرت عثمان نے عبدالرحمان بن عوف کے ٹوکنے پر بیان کئے لیکن عبدالرحمان نے ایک عذر بھی صحیح تسلیم نہیں کیا۔بلکہ ایک ایک کو غلط ثابت کیا اور حضرت عثمان کو یہ کہنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا کہ ھٰذا رای رایتہ میں نے یہی رائے مناسب دیکھی اسی طرح حضرت امیرالمومنینؑ کے اعتراض پر بھی وہ یہی کہنے پر مجبور ہوئے یہ سب کے سب عذر جتنے کمزور اور بارد ہیں کسی سے مخفی نہیں ۔ان میں ذرا بھی وزن ہوتا تو حضرت عثمان انھیں پر مصر رہتے اور مجبور ہو کر اس کا اقرار نہیں کرتے کہ اب میرا یہی خیال ہے۔

پانچویں فصل

اذان میں اضافہ

امام بخاری وغیرہ نے بسلسلۂ اسناد سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ کے زمانے میں حضرت ابوبکر کے زمانے میں حضرت عمر کے زمانے میں جمعہ کے دن اذان کی صورت یہ تھی کہ جب امام گھر سے روانہ ہوتے تو اذان دی جاتی اور جب نماز شروع ہونے لگتی تو اُس کے پہلے اقامت کہی جاتی حضرت عثمان کا جب دور آیا اور مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو آپ نے اقامت کے بعد دوسری اذان ایک بلند مقام پر دلوانی شروع کی جو آج تک دی جاتی ہے۔

(صحیح بخاری، جلد ر ۲، ص ر ۹۵ و ۹۶، جامع ترمذی، جلد ر ۱، ص ر ۶۸، سنن ابی داؤد، جلد ر ۱، ص ر ۱۷۱، سنن ابن ماجہ، جلد ر ۱، ص ر ۳۴۸، سنن نسائی، جلد ر ۲، ص ر ۱، کتاب الام شافعی، جلد ر ۱، ص ر ۱۷۳، سنن بیہقی، جلد ر ۱، ص ر ۴۲۹، جلد ر ۳، ص ر ۱۹۳ و ۲۰۵، تاریخ طبری، جلد ر ۵، ص ر ۶۸، تاریخ کامل جلد ر ۳، ص ر ۴۸، فیض الالہ المالک للبقاعی، جلد ر ۱، ص ر ۱۹۳)

امام نسائی کی لفظوں کا ترجمہ یہ کہ ’’حضرت عثمان نے جمعہ کے دن تیسری اذان دینے کا حکم دیا چنانچہ مقام زوراء پر اذان دی گئی۔ دوسری روایت کی عبارت یہ ہے کہ بروز جمعہ جب پیغمبرؐ منبر پر بیٹھ جاتے تو جناب بلال اذان دیتے اور جب آں حضرؐت خطبہ ارشاد فرما کر منبر سے نیچے تشریف لاتے تو اقامت کہتے ایسا ہی ابوبکر وعمر کے زمانے میں بھی ہوتا رہا۔

علامۂ بلاذری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں سائب ابن یزید سے منقول ہے کہ رسوؐل اللہ جب دولت سرا سے برآمد ہوتے تو موذن اذان کہتا پھر اقامۃ کہتا اسی طرح ابوبکر وعمر کے زمانے میں ہوتا رہا حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں بھی یہی طرز عمل رہا حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے ساتویں سال ۳۰ھ میں تیسری اذان کا اضافہ کیا اس پر لوگوں نے انھیں عیب لگایا کہ یہ تو بدعت ہے۔ (کتاب الانساب بلاذری، جلد ر ۵، ص ر ۳۹)

ان تمام روایات کو دیکھنے کے بعد پہلا سوال تو یہ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کی اتنی زیادتی جس کی وجہ سے مکرر اذان دینا ضروری ہوگیا۔ کیا صرف مرکز خلافت مدینۂ منورہ میں ہوگئی تھی یا تمام عالم میں یعنی صرف مدینہ کے اندر ہی بہت کثرت سے مسلمان آگئے تھے یا سارے ممالک مسلمان ہو گئے تھے۔

اگر سارے ممالک مسلمان ہو گئے تھے تو اس صورت میں دو اذان تو کیا ہزار اذانیں بھی حضرت عثمان دلواتے تو کوئی

فائدہ نہ ہوتا اس لئے کہ مدینہ میں اذان دینے والے مؤذن کی آواز مدینہ ہی کے حدود تک پہونچتی دوسرے مما لک تک پہونچنا ممکن نہیں نہ تو دوسرے مما لک اس کے مکلف ہیں کہ مدینہ کی اذان پر کان لگائے رہیں اور نماز جا کر خلیفہ کے پیچھے پڑھیں رہ گیا یہ کہ خود مدینہ کے اندر مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اُسے اگر اذان میں زیادتی کی وجہ جواز تسلیم بھی کرلیا جائے تو یہ زیادتی یوں ہونی چاہئے تھی کہ بہت سے موذن مقرر کئے جاتے جو مدینہ کے مختلف حصوں میں بیک وقت اذان دیتے تاکہ جن لوگوں کو مسجد نبوی میں ہونے والی اذان نہ سُنائی دیتی ہو وہ اپنے محلہ کے مؤذن کی آواز سن کر مسجد میں پہنچ جائیں جیسا کہ رسوؐل اللہ کے زمانے میں بھی ہوا بلال بھی اذان دیتے تھے اور ابن مکتوم بھی۔ نہ یہ کہ ایک ہی مؤذن اذان و اقامت کہنے کے بعد پھر اذان کہے۔ حضرت عثمان نے یہی جدّت فرمائی کہ اُن کے حکم سے اذان و اقامت ہو جانے کے بعد پھر اذان دی گئی اور وہ بھی دور ہٹ کر نہیں بلکہ قریب ہی کے ایک مقام زوراء پر جو حضرت عثمان کا گھر تھا یا کوئی دوسری بلند جگہ۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ مدینہ میں مسلمانوں کی زیادتی جو ہوگئی تھی تو کیا حضرت عثمان کی خلافت کے ساتویں سال یکا یک ہوگئی یا جب سے مدینہ میں اسلامی سلطنت کی داغ بیل پڑی تب سے تعداد یوماً فیوماً بڑھتی جاتی تھی، وہ کون سی حد حضرت عثمان کے پیش نظر تھی کہ جب اس حد سے مسلمانوں کی تعداد متجاوز ہوگئی تو پیغمبرؐ کی سنت کی مخالفت یا تیسری اذان کی ایجاد واجب ولازم ہوگئی۔

مزید برآں اگر مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے تیسری اذان لازم ہوگئی تو دیگر مقامات پر حضرت عثمان کی دیکھا دیکھی دوہری اذانیں کیوں دی جانے لگیں جبکہ وہاں مسلمانوں کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا حضرت عثمان کو چاہئے تھا کہ دوسرے مقامات کے لوگوں کو منع کرتے اور کہتے کہ دوہری اذان صرف مدینہ کے لئے مخصوص ہے یا صرف ان شہروں میں دوہری اذان دی جاسکتی ہے جہاں مسلمان بہت زیادہ ہوں۔

کیا آج بھی کلکتہ، کراچی، بغداد، قاہرہ ایسے بڑے بڑے شہر جہاں مسلمانوں کی لاکھوں تعداد ہے اجازت ہے کہ دوبارہ سہ بارہ بلکہ سو پچاس مرتبہ اذان دی جائے تاکہ کوئی مسلمان اذان کی آواز سننے سے باقی نہ رہے۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے نت نئے اقدامات کے ذریعہ دین خدا سے جرأت و جسارت کرنے کی راہ کھول دی، تھوڑے ہی دنوں کے بعد معاویہ، مروان زیاد اور حجاج ایسے مسلمانوں کے حاکم آئے اور دین الٰہی کے ساتھ خوب خوب کھیلے۔

چھٹی فصل

مسجد نبویؐ کی توسیع

علّامہ طبری ۲۶ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں ''اسی سال حضرت عثمان نے مسجد نبوی میں اضافہ کیا اور اُسے وسعت دی، آس پاس کے مکانات تو انھوں نے مالکوں سے خرید لئے مگر بعض لوگوں نے بیچنے سے انکار کیا تو زبردستی ان مکانات کو منہدم کرادیا اور اُن مکانات کی جو قیمت ہوتی تھی اُسے بیت المال میں جمع کرادیا اس پر ان مالکوں نے چیخ و پکار کی مگر آپ نے سب کو قیدخانہ میں ڈلوادیا اور اُن لوگوں سے کہا کہ محض میرے حلم اور بُردباری کی وجہ سے تم لوگوں کو یہ جرأت ہورہی ہے میں تمہارے مکانات کو خرید کر مسجد میں شامل کرنا چاہتا ہوں اور تم لوگ انکار کرتے ہو یہی کام پہلے حضرت عمر کرچکے ہیں۔ جب تم لوگوں نے دم نہ مارا تھا۔ عبداللہ بن خالد بن اُمیہ نے جب سفارش کی تو آپ نے ان لوگوں کو رہا کیا۔''

(تاریخ طبری، جلد/۵، ص/۷۴، کامل، جلد/۳، ص/۳۶، تاریخ یعقوبی، جلد/۲، ص/۱۴۲)

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان قبضہ اور ملکیت کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے اور شریعت اسلام نے ملکیت پر مالک کے جو حقوق تسلیم کئے ہیں اُس کی کوئی قدر و قیمت آپ کی نگاہ میں نہیں تھی اور شاید آپ نے پیغمبرؐ کا یہ ارشاد بھی نہیں سُنا تھا کہ لایحل مال امرء مسلم الا عن طیب نفس منہ۔ کسی مسلمان کا مال جائز نہیں جب تک وہ بخوشی خاطر نہ دے۔ (بہجۃ النفوس حافظ ابن عمرۃ الازدی، جلد/۲، ص/۱۳۴، وج/۴، ص/۱۱۱)

تعجب خیز امر یہ ہے کہ حضرت عثمان حضرت عمر کے عہد حکومت میں موجود تھے حضرت عمر نے اپنے عہد میں مسجد میں جو اضافہ کیا تھا وہ بھی آپ کی نظروں کے سامنے کیا تھا۔ حضرت عمر نے جناب عباس عمِ رسولؐ کا مکان لے کر مسجد

میں ملانا چاہا اور جناب عباسؓ نے انکار کیا تو آخر حضرت عمر قائل ہو گئے اور اُن کا مکان لینے سے باز رہے۔[1]

زیادہ دن کی نہیں کل ہی کی یہ سب باتیں تھیں اور حضرت عثمان کسی بات سے بے خبر نہ تھے۔ لیکن حضرت عثمان نے کسی چیز کی پروا نہ کی۔ شریعت کے مقررہ قوانین کی مخالفت کرتے رہے اور لطف یہ ہے کہ اپنے اس اقدام کے جواز کے ثبوت میں حضرت عمر کے طرز عمل کو پیش کرتے ہیں کہ تم لوگ اُن کی ہیبت سے مرعوب ہو کر دم نہ مار سکے اور میرے حلم کی وجہ سے سرکشی پر آمادہ ہو۔ زبردستی اُن کے مکانات بھی گرا دیئے اور فریاد کرنے پر قید خانہ میں بھی بھیج دیا۔

۱۔ مختصر لفظوں میں اس واقعہ کی روئداد یہ ہے کہ حضرت عمر نے جب مسجد نبوی میں توسیع کا ارادہ کیا تو آس پاس کے مکانات اُن کے مالکوں سے خرید لئے۔ حضرت عباسؓ اپنا مکان بیچنے پر راضی نہ ہوئے۔ حضرت عمر نے تین صورتیں اُن کے سامنے رکھیں یا فروخت کر دیجئے جو قیمت کہئے بیت المال سے دلوا دوں یا دوسرا مکان بیت المال کے خرچ سے کسی اور جگہ تعمیر کر دیا جائے یا خوشنودی خدا کے لئے یوں ہی دے دیجئے۔ جناب عباسؓ نے تینوں صورتیں نامنظور کیں۔ حضرت عمر نے کہا ایک نہ ایک صورت تو آپ کو ضرور منظور کرنی ہوگی۔ آخر ثالث کی ٹھہری دونوں ابی ابن کعب کے پاس فیصلہ کے لئے گئے انھوں نے پیغمبرؐ کی حدیث بیان کی کہ خداوند عالم نے جناب داؤد کو بیت المقدس تعمیر کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے تعمیر شروع کی تو اس بیت المقدس کی زمین میں ایک اور شخص کی زمین بھی آگئی۔ جناب داؤد نے چاہا کہ خرید لیں وہ شخص بیچنے پر راضی نہ ہوا۔ اور حضرت داؤد نے زبردستی لے لینا چاہا اُس پر خداوند عالم نے بذریعہ وحی اپنی ناراضی کا اظہار کیا اور جناب داؤد بیت المقدس کی تعمیر کے شرف سے محروم کر دیئے گئے۔ اور جناب سلیمان کے ہاتھوں تکمیل ہوئی۔ حضرت عمر کو ابی کے بیان پر اطمینان نہ ہوا تو دوسرے صحابہ سے توثیق چاہی جناب ابوذر وغیرہ نے اُن کی تصدیق کی آخر حضرت عمر باز رہے اور جب خود جناب عباسؓ نے برضا و رغبت دینا منظور کیا جبھی توسیع ممکن ہو سکی۔ (طبقات ابن سعد سنن بیہقی وغیرہ)

ساتویں فصل

نماز عیدین میں تغیّر

نماز عیدین کے متعلق حکم یہ ہے کہ پہلے نماز ادا کی جائے اور اس کے بعد خطبہ۔ اسی پر ہمیشہ پیغمبرؐ کا عمل رہا اور حضرات شیخین ابوبکر وعمر کا بھی چنانچہ بکثرت حدیثیں اس کے متعلق صحاح ومسانید میں مروی ہیں چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

(۱)۔ عن ابن عباس قال اشهد علی رسول الله انه صلی یوم فطر او اضحیٰ قبل الخطب ثمه خطب۔

ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ کو دیکھا کہ آپ نے بروز عید الفطر یا عید الاضحیٰ پہلے نماز ادا کی بعد میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ (صحیح بخاری، جلد ر ۲، ص ر ۱۱۶، صحیح مسلم، جلد ر ۱، ص ر ۳۲۵، سنن ابی داؤد، جلد ر ۱، ص ر ۱۷۸ و ۱۷۹، سنن ابن ماجہ، جلد ر ۱، ص ر ۳۸۵، سنن نسائی، جلد ر ۳، ص ر ۱۸۴، سنن بیہقی، جلد ر ۳، ص ر ۲۹۶)

(۲)۔ عبدالله بن عمر قال کان النبیؐ ثم ابوبکر ثم عمر یصلون العید قبل الخطبة۔

ابن عمر کا بیان ہے کہ پیغمبرؐ خدا پھر ان کے بعد ابوبکر پھر ان کے بعد عمر پہلے عید کی نماز پڑھتے پھر خطبہ پڑھتے۔ (صحیح بخاری، جلد ر ۲، ص ر ۱۱۱، ۱۱۲، صحیح مسلم، جلد ر ۱، ص ۲۰۶، موطاء، جلد ر ۱، ص ر ۱۴۶، مسند، ج ر ؟؟؟، ص ر ۳۸، سنن ابن ماجہ، جلد ر ۱، ص ۲۸۷، سنن بیہقی، جلد، ص ر ۲۹، سنن ترمذی، جلد ر ۱، ص ر ۷۰، نسائی، جلد ر ۳، ص ر ۱۸۳)

حضرت عثمان کا بھی ابتدائے زمانہ خلافت میں یہی طریقہ رہا لیکن کچھ دنوں کے بعد نہ جانے کیوں آپ نے سنت نبوی میں تغیّر وتبدل ضروری سمجھا اور خطبۂ نماز کے پہلے پڑھنے لگے چنانچہ علّامہ ابن حجر عسقلانی وغیرہ تحریر فرماتے

ہیں کہ اوّل من خطب قبل الصّلوٰۃ عثمان صلّی بالنّاس ثم خطبھم حسن بصری کا بیان ہے کہ سب سے پہلے حضرت عثمان نماز عید کے پہلے خطبہ پڑھنے کی ایجاد کی ابتداً اُنھوں نے دستور ہی کے مطابق پہلے نماز پڑھی اس کے بعد خطبہ پڑھا لیکن بعض لوگوں کو نماز نہ ملتی تھی اس وجہ سے آپ نے پہلے خطبہ اس کے بعد نماز پڑھنے لگے۔

(فتح الباری، جلد ۲، ص ۳۶۱، نیل الاوطار، جلد ۳، تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۱۱۱)

حضرت عثمان کے اس اقدام کی وجہ بعض علماء نے یہ لکھی ہے کہ اکثر لوگ تاخیر سے پہنچتے جبکہ نماز ختم ہو چکی ہوتی اور حضرت عثمان خطبہ میں مشغول ہوتے اس لئے آپ نے مناسب سمجھا کہ خطبہ پہلے پڑھ دیا جائے کہ تاخیر سے آنے والوں کو خطبہ نہ ملے تو نماز ضرور مل جائے۔

لیکن یہ وجہ جتنی غلط ہے وہ مخفی نہیں اس لئے کہ لوگوں کے تاخیر سے پہنچنے کا اندیشہ تو پیغمبرؐ کے زمانے میں بھی رہا ہوگا۔ حضرت رسالت مآبؐ کے زمانے میں بھی کچھ نہ کچھ لوگ تاخیر سے پہنچتے ہوں گے لیکن آں حضرتؐ نے اُن کا کوئی خیال نہیں کیا اور جو قاعدہ شریعت نے مقرر کیا تھا وہی نافذ العمل رہا لہٰذا حضرت عثمان کا یہ اقدام سنت پیغمبرؐ کے مقابل میں تو بالکل ایسا ہی ہے کہ پیغمبرؐ کسی مسئلہ کو صریحی لفظوں میں بالکل واضح کر جائیں اور پھر اس میں اجتہاد سے کام لیا جائے۔ اگر اسی پر عمل درآمد ہونے لگے تو جن صاحب کو جو اچھا معلوم ہو اسی کا فتویٰ دے دیں اور جیسی اپنی مرضی ہو ویسی قوانین شریعت میں ترمیم تنسیخ کر دیں پھر شریعت الٰہیہ کا خدا ہی حافظ۔ اصل بات یہ تھی کہ آپ کو تقریر کرنا نہ آتی تھی نماز کے بعد جب خطبہ پڑھنے کھڑے ہوتے تو آپ سے بولا نہ جاتا ہکلاتے ہوئے غیر مربوط الفاظ زبان سے ادا کرتے اور لوگوں کو وہاں بیٹھنا کھل جاتا آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے کھسک جاتے اس لئے آپ نے خطبہ نماز سے پہلے کر دیا کہ لوگ نماز پڑھے بغیر تو جائیں گے نہیں جبراً قہراً میرا خطبہ سننا ہی پڑے گا بہر حال ان دونوں وجہوں میں سے جو بھی وجہ رہی اور آپ نے ایسا کام ایک ہی دو مرتبہ کیا ہو لیکن اس تغیّر سے بنی اُمیہ نے ناجائز فائدے اُٹھائے اور اُن کی فتنہ پردازیوں کو مدد مل گئی۔ بنی اُمیہ اپنے خطبوں میں برسر منبر حضرت امیر المومنینؑ پر سب وشتم کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ لوگ نماز کے بعد بیٹھتے ہی نہیں بلکہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ حضرت عثمان کی نظیر اُن کے پیش نظر تھی، ٹوکنے والوں کا وہ منہ بند کر سکتے تھے کہ خلافت مآب حضرت عثمان ایسا کر چکے ہیں اُنھوں نے یہ صورت اختیار کی کہ نماز کے پہلے خطبہ پڑھنے لگے تا کہ چاروناچار لوگوں کو اُن کی ہفوات سننی ہی پڑے۔

علامہ ابن حزم لکھتے ہیں ”بنو امیہ نے نماز عیدین کے پہلے خطبہ پڑھنا شروع کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ لوگ نماز سے فارغ ہو کر چل کھڑے ہوتے ہیں خطبہ نہیں سنتے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ حضرت علی ابن ابی طالبؑ پر سب وشتم کرتے اور مسلمان اس سے بھاگتے اور بھاگنا حق بھی تھا۔“ (محلی، جلد ۵ ص ۸۶)

ملک العلماء بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں ”بنو امیہ نے نماز عید سے پہلے خطبہ کی ایجاد اس وجہ سے کی کہ وہ اپنے خطبوں میں ایسی باتیں کہتے جو جائز نہیں اور لوگ نماز عید کے بعد ٹکتے ہی نہیں کہ خطبہ سننا پڑے اس لئے انھوں نے یہ ترکیب کی کہ خطبہ نماز سے پہلے پڑھنے لگے تا کہ چار و ناچار لوگوں کو سننا پڑے

(بدائع الصنائع، جلد ۱ ص ۲۸۶)

علامہ مسدی لکھتے ہیں کہ اس ایجاد کی وجہ یہ تھی کہ بنی امیہ خطبوں میں اُن لوگوں پر سب وشتم کرتے جن پر سب و شتم کرنا جائز نہیں اسی لئے لوگ خطبہ کے وقت کھسک جاتے تا کہ اُن کی باتیں سننی نہ پڑیں اسی وجہ سے انھوں نے خطبہ پہلے کر دیا۔ (شرح سنن ابن ماجہ، جلد ۱ ص ۳۸۶)

اس میں شک نہیں کہ بنی امیہ کا یہ فعل دین و مذہب کی تباہی و بربادی کا ایک حصہ تھا اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے، لیکن سوال یہ ہے کہ اُنھیں اس بدعت کی جرأت کس نے دلائی؟ اُن کے لئے ان حرکتوں کی راہ کس نے پیدا کی؟

حضرت عثمان کی سیرت کا جائزہ لینے، اُن کی سوانح حیات سے جو اُن کی نفسیات معلوم ہوتی ہیں انھیں پیش نظر رکھنے کے بعد اُن کے یہ افعال کوئی تعجب انگیز بھی نہیں کیوں کہ وہ بھی تو آخر خاندان بنی امیہ ہی کے چشم و چراغ تھے اور کل شی یرجع الیٰ اصلہ قدرت کا اٹل قانون ہے۔

آٹھویں فصل

فریضۂ حج میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے اختلاف

بخاری و مسلم نے بسلسلۂ اسناد مروان بن حکم سے روایت کی ہے میں نے مکہ و مدینہ کے درمیان حضرت علیؑ و عثمان کو بحث کرتے ہوئے سنا عثمان متعۃ الحج سے منع کر رہے تھے اور حج و عمرہ دونوں کو ایک ساتھ بجالانے کے مخالف تھے، جب علیؑ نے عثمان کا یہ نظریہ معلوم کیا تو آپ نے حج و عمرہ دونوں کے لئے نیت احرام باندھی اور فرمایا لبّیك عمرۃ و حجۃ معا۔ حضرت عثمان نے کہا میں جس بات سے منع کرتا ہوں آپ اسی بات کو جان کر کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے کہا میں کسی کے کہنے سے طریقہ پیغمبرؐ کو نہیں چھوڑ سکتا۔

بخاری و مسلم نے سعید بن مسیب سے بھی اسی مضمون کی روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ و عثمان مقام عسفان میں اکٹھا ہوئے حضرت عثمان متعۃ الحج سے منع کرتے تھے تو حضرت علیؑ نے کہا جس کام کو رسول اللہؐ نے خود کیا ہو اس سے تم منع کرنا چاہتے ہو۔ عثمان نے کہا جانے بھی دو[1]۔ علیؑ نے کہا میں تو جانے نہیں دے سکتا۔ جب علیؑ نے عثمان کی مخالفت دیکھی تو آپ نے دونوں کی نیت سے احرام باندھا۔ (صحیح مسلم جلد اول ص/ ۴۰۲، بخاری پارہ/ ۹، ص/ ۹۳)

امام مسلم نے عبداللہ بن شقیق کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ کان عثمان ینھی عن المتعۃ و کان علی یا مربھا فقال عثمان لعلی کلمۃ ثم قال علی القد علمت ان قد تمتعنا مع رسول اللہ قال اجل ولکنا کنا خائفین۔ حضرت عثمان حج تمتع سے منع کرتے اور حضرت علیؑ اس کا حکم دیتے اور اس پر عثمان نے علیؑ کو کوئی سخت فقرہ کہا۔ علیؑ نے کہا تم جانتے ہو کہ ہم لوگ خود رسوؐل اللہ کے ساتھ متعۃ الحج کر چکے ہیں حضرت عثمان نے کہا ہاں لیکن اس وقت ہم لوگ بحالت خوف تھے۔ (صحیح بخاری، جلد/ ۳، ص/ ۶۹ و ۷۱، صحیح مسلم جلد/ ۱، ص/ ۲۴۹، مسند احمد، جلد/ ۱، ص/ ۶۱ و ۹۵، سنن نسائی، جلد/ ۵، ص/ ۱۴۸ و ۱۵۲، سنن بیہقی، جلد/ ۴، ص/ ۳۵۲، ج/ ۵، ص/ ۲۲، وغیرہ)

---

[1] مولوی وحید الزماں خان صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں: ''حضرت علیؑ نے حضرت عثمان کو نصیحت کی انھوں نے کہا مجھے معاف کر یعنی مجھ کو نصیحت کرنا چھوڑ دو۔ حضرت علیؑ نے کہا یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کیوں کہ حکام کو نصیحت کرنا اور دین کے علم کو شائع کرنا فرض اور لازمہ اسلام ہے اور جو مصیبتیں اور تکلیفیں اس میں پیش آئیں اُن پر صبر کرنا پیغمبروں کی وراثت ہے۔ حضرت علیؑ میں تمام کمالات نبوت جمع تھے صرف آپ نبی نہ تھے کیونکہ نبوت آنحضرتؐ کی ذات مبارک پر ختم ہوگئی اس لئے آپ سے ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ شریعت کے خلاف کوئی بات دیکھیں اور اس پر سکوت کریں۔ (انوار اللغتہ، بارہ/ ۱۶، ص/ ۵۰)

متعۃ الحج کتاب الٰہی وسنت پیغمبرؐ دونوں کے لحاظ سے ثابت وہ مسلّم ہے اور کوئی بھی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس سے متعۃ الحج کو منسوخ قرار دیا جائے۔ رسولؐ اللہ نے زندگی کی آخری سانسوں تک بھی اس سے منع نہیں فرمایا ـــــ ممانعت سب سے پہلے حضرت عمر نے اپنی خود رائی کو کام میں لاتے ہوئے کی جیسا کہ صحیح مسلم وبخاری اور دیگر صحاح ومسانید میں اس کے متعلق بکثرت روایات موجود ہیں (۱)

شریعت نے تین طرح کے حج مقرر کئے ہیں، حج، افراد حج، قرآن، حج تمتع تینوں کی تفصیلات کتب فقہ میں درج ہیں حج تمتع یا متعۃ الحج کا مفہوم یہ ہے کہ عمرہ اور حج ایک ساتھ ادا کئے جائیں۔ پہلے عمرہ بجالایا جائے اس کے بعد حج۔ رسالت مآبؐ کے زمانہ میں متعۃ الحج عام طور سے مروج تھا مسلمان ایک سفر حج میں دونوں عبادتوں کی سعادت حاصل کرتے تھے مگر حضرت عمر نے شرعی مسائل میں جہاں دوسری ترمیمات کیں وہاں پیغمبرؐ کے نافذ کئے ہوئے دو متع متعۃ الحج اور متعہ النساد بھی ممنوع قرار دیئے ہم یہاں متعۃ الحج کے متعلق صرف دو تین روایتیں درج کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

عمران ابن حصین سے روایت ہے نزلت اية الطتعة فی کتاب الله و امرنا بها رسول الله ثم لم تنزل اية تنسخ اٰية متعة الحج ولم ينه عنها رسول الله حتی مات قال رجل برايه بعد ماشاء۔ متعۃ الحج کے متعلق کتاب خدا میں آیت نازل ہوئی پیغمبرؐ نے ہمیں اس کے بجالانے کا حکم دیا پھر کوئی آیت ایسی نازل نہیں ہوئی جس سے متعۃ الحج والی آیت منسوخ ہوجاتی نہ رسول اللہ نے جیتے جی اس سے منع کیا ہاں جب رسوؐل اللہ کا انتقال ہوگیا تو ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کیا۔ (صحیح مسلم، جلد / ۱ص / ۴۷۲ تفسیر قرطبی، جلد / ۲ص / ۳۶۵)

صحیح بخاری کی لفظیں ہیں تمتعنا علی عهد رسول الله و نزل القران قال رجل برأية ماشاء۔ ہم لوگوں نے پیغمبرؐ کے عہد میں متعۃ الحج کیا کلام مجید میں اس کے متعلق حکم بھی نازل ہوا پھر ایک شخص نے اپنی رائے سے جو کچھ چاہا کیا۔ (صحیح بخاری، جلد / ۳ص / ۱۵۱، ج ص / ۲۴)

اس ''ایک شخص'' کے متعلق تمام شارحین حدیث کا اتفاق ہے کہ وہ حضرت عمر تھے علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح اپنی فتح الباری پارہ / ۶، ص / ۹۴ میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں والا ولی ان يفسر لعمر فانه اول من نهی عنها و کان من بعده کان تابعاله فی ذالك فقی مسلم ايضاً ان ابن الزبير کان ينهی عنها وابن عباس يامر بها فه الواجابر فاشاء الی ان اول من نها عنها عمر۔ کہ بہتر یہ ہے کہ حدیث کے لفظ ''ایک شخص'' کی تفسیر یہ کی جائے کہ وہ حضرت عمر تھے جنھوں نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا کیونکہ انھیں نے سب سے پہلے اس کو منع کیا اور ان کے بعد جو لوگ آئے انھوں نے حضرت عمر ہی کی پیروی کی صحیح مسلم میں بھی ہے کہ ابن زبیر اس سے منع کرتے اور ابن عباس اس کا حکم دیتے تھے تب لوگوں نے جابر بن عبداللہ انصاری سے دریافت کیا اُنھوں نے اشارہ کیا کہ سب سے پہلے اس کو حضرت عمر ہی نے حرام کیا تھا۔

علاّمہ قسطلانی شارح بخاری علامہ نووی شارح مسلم بھی اسی کے قائل ہیں۔

عمران ابن حصین کی ایک اور حدیث ہے اهد ثك حديثا عسی الله ان ينفعك به ان رسول الله جمع بين حجته وعمر ته ثم لم ينه عنه حتی مات ولم ينزل فيه قران کريم۔ رسالت مآبؐ نے حج وعمرہ ایک ساتھ ادا کیا اور ایسا کرنے سے آپ نے کبھی منع نہیں کیا یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوگیا اور کوئی آیت بھی ایسی نازل نہ ہوئی جس نے اُسے حرام کیا ہو۔ (صحیح مسلم، جلد / ۱ص / ۴۷۴ سنن دارمی، جلد / ۲ص / ۳۵)

سالم سے مروی ہے کہ میں مسجد میں عبداللہ بن عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شامی شخص نے حج تمتع کے متعلق دریافت کیا ابن عمر نے کہا نہایت خوب ہے، شامی نے کہا آپ کے والد تو منع کرتے تھے۔ ابن عمر نے کہا وائے ہو تم پر حج تمتع تو پیغمبرؐ نے بھی کیا ہے میرے باپ کا حکم مانا جائیگا کہ رسوؐل اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی میرے پاس سے اُٹھ جاؤ۔ (تفسیر قرطبی، جلد / ۲ص / ۳۶۵ سنن دارقطنی، وغیرہ)

حضرت عثمان اس موقع پر بھی موجود تھے جبکہ پہلے پہل حضرت عمر نے متعۃ الحج سے لوگوں کو روکا اور اس موقع پر صحابہ پیغمبرؐ کی طرف سے جس شدید ردعمل کا اظہار ہوا اور شریعت مصطفوی میں دخل اندازی جتنی ناپسند کی گئی اور اس سلسلہ میں جتنی بحثا بحثی حجت وتکرار حضرت عمر اور تمام صحابہ کے درمیان ہوئی اس سے بھی بخوبی واقف تھے۔

حضرت عثمان کو چاہئے تو یہ تھا کہ کتاب الٰہی وسنت نبوی پر عمل کرتے مگر اُنھوں نے دونوں چیزوں کو چھوڑ کر حضرت عمر ہی کی پیروی کو بہتر سمجھا اور اس پر اتنے مصر ہوئے کہ حضرت علیؑ نے جب مخالفت کی اور خود متعۃ الحج کی نیت سے احرام باندھا تو برہمی کا اظہار بھی کیا۔

حضرت امیر المومنینؑ کے اعتراض کے جواب میں عثمان کا یہ کہنا بھی انتہائی حیرت انگیز ہے کہ ہم لوگوں نے رسوؐل اللہ کے ہمراہ جب حج تمتع کیا تھا تو اس وقت ہم بحالت خوف تھے پیغمبرؐ حج تمتع ۱۰ھ میں بجالائے تھے یہ حج آں حضرت کا آخری حج تھا اور حجۃ الوداع کہا جاتا ہے اس حج میں پیغمبرؐ کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی پھر اُس وقت خوف کیسا اور کس کا خوف؟

علمائے اہلسنت بھی وضاحت کرنے سے قاصر رہے کہ حضرت عثمان نے کس خوف کی طرف اشارہ کیا تھا۔ امام احمد اس حدیث کو مسند میں لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ شعبہ نے قتادہ سے پوچھا ما کان خوفھم حضرت عثمان کا اشارہ کس خوف کی طرف ہے اس وقت لوگوں کو کس بات کا خوف تھا قال لا ادری قتادہ نے کہا بھئی مجھے تو پتہ نہ چل سکا۔

نویں فصل

علمی استعداد وفقہی معلومات کا ایک اور مظاہرہ

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ ''عثمان حج کے ارادے سے مکہ آئے۔ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے ان سے جا کر ملاقات کی۔ چشمہ والوں نے کبک (کبوتر کے برابر ایک پرندہ) کا شکار کیا ہم نے اس کو پانی ونمک سے پکایا اور شوربہ دار پکایا تا کہ روٹی بھگو کر کھائی جاسکے۔ ہم اسے عثمان اور ان کے ساتھیوں کے پاس لے کر گئے انہوں نے کھانے میں تامل کیا اس پر عثمان نے کہا یہ تو ایسا شکار ہے جو ہم نے اپنے ہاتھ سے نہیں کیا اور نہ شکار کرنے کا ہم نے حکم دیا ایسے لوگ جو حالتِ احرام میں نہیں تھے انہوں نے شکار کیا اور وہی ہمیں کھلا رہے ہیں لہٰذا کھانے میں کیا حرج ہے پھر حضرت عثمان نے پوچھا کہ اس بارے میں کون شخص بتا سکتا ہے لوگوں نے کہا علیؑ بتا سکیں گے۔ عثمان نے علیؑ کے پاس آدمی بھیجا۔ عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ وہ منظر اب تک میری آنکھوں میں گھوم رہا ہے۔ جب کہ حضرت علیؑ تشریف لائے عثمان نے پوچھا ایک شکار جسے ہم نے نہیں شکار کیا اور نہ ہم نے اس کے شکار کرنے کا حکم دیا ایسے لوگوں نے جنہوں نے احرام نہ باندھا تھا اس کا شکار کر کے ہمیں کھلایا تو اس میں کیا مضائقہ ہے یہ سن کر حضرت علیؑ غضبناک ہو گئے اور آپؑ نے فرمایا اس مجمع میں وہ شخص جو رسولؐ کے ساتھ رہا ہو اسے میں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کھڑا ہو کر گواہی دے کہ جب رسولؐ اللہ بحالت احرام تھے اور آپؐ کے پاس حمار وحشی کی ران لائی گئی تو رسولؐ نے فرمایا ہم لوگ احرام باندھے ہوئے ہیں اسے ان لوگوں کو کھلاؤ جو احرام اتار چکے ہوں۔ آپؐ کے یہ کہنے پر پیغمبرؐ کے بارہ صحابیوں نے کھڑے ہو کر گواہی دی پھر علیؑ نے کہا میں خدا کی قسم دے کر ہر اس شخص سے کہتا ہوں جو رسولؐ کے ساتھ رہا ہو وہ کھڑا ہو کر گواہی دے کہ جب رسولؐ اللہ بحالت احرام تھے اور آپؐ کے پاس شتر مرغ کا انڈا لایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا ہم لوگ بحالت احرام ہیں تم ان لوگوں کو کھلاؤ جو حالت احرام میں نہ ہوں۔ اس پر بارہ دوسرے شخصوں نے کھڑے ہو کر تصدیق کی اور اس کی گواہی دی۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۰)

دوسرے لفظوں میں:

عبداللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت عثمان کے کھانے کے منتظم تھے۔ مجھے وہ منظر اچھی طرح یاد ہے کہ لگن میں بھُنے ہوئے پرندے رکھے تھے اتنے میں کسی شخص نے آ کر کہا کہ حضرت علیؑ اس کے کھانے سے منع فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کے پاس آدمی بھیجا۔ آپؑ تشریف لائے تو حضرت عثمان نے کہا ہر بات میں آپ ہماری مخالفت ہی کرتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ خدا کو یاد دلاتا ہوں۔ ان لوگوں کو جو پیغمبرؐ کے ہمراہ اس وقت موجود تھے جب آپؐ کی خدمت میں حمار وحشی کی ران لائی گئی تھی اور حضرت بحالت احرام تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! ہم لوگ حالت احرام میں ہیں اسے ان لوگوں کو کھلا دو جو احرام اتار چکے ہیں۔ اس پر بہت سے لوگ کھڑے ہو گئے اور انہوں نے گواہی دی کہ ہاں ہم اس وقت موجود تھے اور پیغمبرؐ کو ایسا ارشاد فرماتے سن چکے ہیں، پھر حضرت علیؑ نے کہا میں خدا کی قسم اس شخص کو دیتا ہوں جو اس وقت پیغمبر خداؐ کے ہمراہ موجود رہا ہو۔ جب آپؐ کے پاس شتر مرغ کے پانچ انڈے لائے گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہم بحالتِ احرام ہیں تم اسے ان لوگوں کو کھلا دو جو حالت احرام میں نہ ہوں۔ اس پر بھی بہت سے لوگوں نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ ہاں یہ ہمارے سامنے کا واقعہ ہے۔ یہ سن کر حضرت عثمان کھانے پر سے اٹھ گئے اور اپنے خیمہ میں چلے گئے۔ (مسند احمد ج ۱/ص ۱۰۴)

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ حضرت عثمان کی فقہی استعداد یا تو برائے نام تھی یا وہ بھی قیاس ورائے میں حضرت عمر کے نقش قدم پر چلنا مناسب سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر کی طرف سے اجازت تھی کہ وہ شخص جو بحالتِ احرام ہو شکار کا گوشت کھا سکتا ہے اور آپ کو اپنے نظریہ پر اتنا اصرار تھا کہ خلاف فتویٰ دینے والے کو اپنے درہ سے دھمکاتے۔ اس موقع پر اگر حضرت امیر المومنینؑ موجود نہ ہوتے تو یقیناً حضرت عثمان خود بھی اس پرندہ کا گوشت نوش فرماتے اور آپ کا دیکھا دیکھی دوسرے حضرات بھی۔ مگر حضرت نے کلام مجید کی آیات اور احادیث پیغمبرؐ بیان کر کے اور بہت سے صحابہ رسولؐ کی گواہیاں دلوا کر فریضۂ حج کی ہتکِ حرمت سے باز رکھا اور آپ کو دسترخوان سے اٹھ جانے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا بس یہی کہہ سکے کہ انك لكثير الخلاف۔ آپ ہر بات میں ہماری مخالفت کرتے ہیں۔

حضرت عثمان کا یہ جملہ بتاتا ہے کہ حضرت عثمان کے اکثر افعال آپ کی نظروں میں قابل اعتراض ہوتے اور ہر قدم پر تنبیہ وفہمائش کی ضرورت ہوتی۔

کون انکار کرسکتا ہے اس حقیقت سے کہ خلاف خواہ حضرت علیؑ وعثمان کے درمیان ہو یا علیؑ اور کسی بھی دوسرے شخص کے درمیان حق وانصاف ادھر ہی ہوگا جدھر علیؑ ہوں گے کیونکہ پیغمبرؐ صاف صاف لفظوں میں ارشاد فرما چکے ہیں۔ علی مع الحق والحق مع علی ولن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض یوم القیامۃ۔ علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے اور یہ دونوں اس وقت تک جدا نہ ہوں گے جب تک بروز قیامت حوضِ کوثر پر میرے پاس نہ پہنچ جائیں۔ علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتیٰ یردا علی الحوض۔ علی قرآن کے ساتھ ہیں قرآن علیؑ کے ساتھ ہے دونوں قیامت تک جدا نہ ہوں گے۔ آپؑ پیغمبرؐ کے شہر علم کا دروازہ آپؐ کے علوم کے وارث اور تمام امت اسلام میں بہتر وصحیح فیصلہ کرنے والے تھے۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت کی مخالفت کسی ذاتی پرخاش، کسی عداوت وبغض یا ہوا وہوس کے تحت ہونی ناممکن تھی اس لیے کہ یہ سب باتیں ان کثافتوں میں سے ہیں جن سے حضرت کے پاک وپاکیزہ ہونے کی آیت تطہیر شاہد ہے۔

اس پر تمام امت اسلام کا اتفاق واجماع ہے کہ سنت نبوی کا جاننے والا علیؑ سے بڑھ کر کوئی نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حج کے موقع پر حضرت عمر نے عبداللہ بن جعفر کو زعفرانی رنگ کے کپڑے حالتِ احرام میں پہننے سے منع کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ہم سے بڑھ کر سنت نبوی کا جاننے والا کون ہوسکتا ہے۔ حضرت عمر یہ سن کر چپ ہو گئے۔ لب کشائی کی گنجائش نہ ملی۔ اگر حضرتؑ کے سوا کوئی دوسرا اتنا بڑا فقرہ کہہ جاتا تو حضرت عمر یہ سن درہ سے خبر لیتے اور یہی سبب تھا کہ ہر امر دشوار میں حضرت عمر حضرت امیر المومنینؑ کی طرف رجوع کرتے اور جب آپ انکی مشکل حل فرما دیتے تو لولا علی لھلك عمر کہہ کر اپنی عاجزی کا اقرار اور علیؑ کی مشکل کشائی کو خراج تحسین ادا کرتے۔

لہٰذا مذکورہ بالا مسئلہ میں حضرت عثمان کو جو ہدایت فرمائی وہی حق اور واجب الاتباع ہے۔ کتابِ الٰہی اور سنت نبوی سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

دسویں فصل

لولا علی علیہ السلام لھلک عثمان
اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو عثمان ہلاک ہوجاتے

حافظ عاصمی نے اپنی کتاب زین الفتیٰ فی شرح سورہ ھل اتیٰ میں روایت کی ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ہاتھ میں کسی مردے کی کھوپڑی تھی۔ اس نے کہا آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ کافر آگ میں جلتا ہے اور قبر میں اس پر عذاب ہوتا ہے۔ یہ کھوپڑی میرے ہاتھ میں ہے لیکن مجھے اس کی حرارت نہیں محسوس ہوتی ہے۔ حضرت عثمان یہ سن کر خاموش ہو گئے اور حضرت علیؑ کے پاس آدمی بلانے کو بھیجا۔ حضرت علیؑ تشریف لائے آپؑ نے اس شخص سے کہا پھر سے کہو کیا کہتے ہو؟ اس نے اپنی بات دہرائی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ایک پتھر اور چقماق لاؤ۔ جب دونوں چیزیں لائی گئیں تو آپؑ نے ان دونوں کو ٹکرا کر آگ پیدا کی۔ پھر آپؑ نے اس شخص سے کہا اس پتھر پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔ اس نے تعمیل حکم کی پھر آپؑ نے کہا اب اس چقماق پر بھی ہاتھ رکھ کر دیکھو۔ اس نے ہاتھ رکھا۔ آپ نے پوچھا آگ محسوس ہوتی ہے اس پر وہ شخص مبہوت ہو کر رہ گیا کوئی بات بن نہ پڑی۔ حضرت عثمان نے کہا لولا علی لھلک عثمان۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عثمان ہلاک ہو جاتا۔

پانچواں باب

پہلی فصل

حضرت عثمان کے ہاتھوں حقوق مسلمین کی تباہی

وہ زمینیں جو کسی خاص شخص کی ملکیت میں نہ تھیں اور بارش کا پانی اکٹھا ہو جانے کے سبب سرسبز رہتیں اور چراگاہ کا کام دیتیں۔ اسلام نے ایسی زمینوں میں تمام مسلمانوں کے مساوی حقوق قرار دیئے تھے۔ ان میں تمام مسلمانوں کے مویشی، گھوڑے، اونٹ بغیر کسی مزاحمت کے چرتے اور کسی کو حق نہیں تھا کہ کوئی حصہ اپنے لیے خاص کر لے اور دوسرے کے مویشیوں کو اس میں چرنے سے روک ٹوک کرے۔ چنانچہ پیغمبرؐ کا ارشاد ہے۔ المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الکلاء والماء والنار۔ تمام مسلمان تین چیزوں میں برابر کے حقدار ہیں۔ سبزہ، پانی، آگ۔ ثلاث لایمنعن الماء والکلاء والنار۔ تین چیزوں سے کسی کو روکنا جائز نہیں۔ پانی، سبزہ، آگ۔

ہاں زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ رئیس و حاکم زمین کے جس حصے کو چاہتا اسے مویشیوں اور اونٹوں کے لیے مخصوص کر لیتا، اس زمین میں بس اسی کے جانور چرتے، کسی دوسرے کے جانور اس میں نہیں جاسکتے۔ وہ زمینیں جو عام ہوتیں جہاں سبھی کے جانور چرتے وہاں اس رئیس کے بھی جانور چرتے لیکن رئیس کی خاص زمین پر بس اسی کے جانور جاسکتے۔ اس وقت جہاں جبر و تشدد کی اور بہت سی صورتیں جاری تھیں۔ وہاں یہ بھی تھی رحمۃ للعالمین پیغمبرؐ نے دیگر رسوم و قوانین کے ساتھ جاہلیت کے سرکش و جابر انسانوں کے اس جبر و تشدد کو بھی ملیامیٹ کیا اور ارشاد فرمایا لاحمی الا اللہ ولرسولہ۔ ایسی زمینیں صرف خدا اور رسولؐ ہی کے لیے مخصوص ہو سکتی ہیں اور کسی کے لیے نہیں۔

(صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۳، الاموال ابی عبید ص ۲۹۴، کتاب الامام امام شافعی ج ۳ ص ۳۰۷)

امام شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب عرب کے سرداران قبائل کسی شہر میں اپنے خاندان کے ساتھ وارد ہوتے تو جہاں تک ان کے کتے کی آواز جاتی شہر کی اتنی زمین اپنے لیے اور اپنے مخصوصین کے لیے خاص کر لیتے۔ اتنی زمین میں کوئی حصہ دار نہیں ہوتا اور نہ بادشاہ کے جانوروں کے ساتھ کسی کا جانور اس میں چرنے پاتا اور اس زمین کے اردگرد جو زمینیں ہوتیں اس میں تمام رعایا کے جانور چرتے اور سردار کے بھی چرتے۔ پیغمبرؐ نے اسی کی

ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص زمین کے کسی حصہ کو اپنے لیے مخصوص نہیں کرسکتا جس طرح جاہلیت والے کرتے تھے اور پیغمبر کے فقرہ الا للہ والرسولہ۔ (زمین صرف خدا اور رسول کے لیے مخصوص ہو سکتی ہے) سے مقصود وہ زمینیں ہیں جو لشکر اسلام کے اونٹوں، گھوڑوں اور زکوٰۃ میں وصول شدہ اونٹوں کے لیے مخصوص کر دی جائیں جس طرح حضرت عمر نے نقیع نام کی چراگاہ زکوٰۃ کے اونٹوں اور جہاد کے لیے رکھے جانے والے گھوڑوں کے لیے مخصوص کر دی تھی۔

(کتاب الامام ج ر ۳،ص ر ۳۰۸، معجم البلدان ج ر ۳،ص ر ۳۲۷، نہایہ ابن اثیر ج ر ۱،ص ر ۲۹۷، لسان العرب ج ر ۱۸،ص ر ۲۱۷، تاج العروس ج ر ۱۰،ص ر ۹۹)

یہی قاعدہ مسلمانوں کے درمیان جاری وساری رہا۔ رسالت مآب کے زمانہ سے حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے تک جب عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے اپنے مویشیوں کے لیے چراگاہیں مخصوص کرلیں۔ ان سرسبز زمینوں پر صرف انہیں کے جانور چر سکتے یا سرکاری تحویل میں زکوٰۃ کے اونٹ موجود ہوتے وہ چر سکتے۔

(کتاب الانساب بلاذری، ج ر ۵،ص ر ۳۸، سیرۃ حلبیہ ج ر ۲،ص ر ۸۷)

واقدی کی روایت بتاتی ہے کہ وہ چراگاہیں اپنے اور حکم بن العاص کے لیے مخصوص کرلی تھیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ اپنے لئے حکم بن العاص کے لیے اور تمام بنی امیہ کے لیے مخصوص کرلی تھیں جیسا کہ علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج ر ۱،ص ر ۶۷ میں صراحت کی ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: حضرت عثمان نے مدینہ کے اردگرد کی تمام چراگاہیں اپنے لئے مخصوص کرلیں کسی مسلمان کو اجازت نہیں تھی کہ اپنے جانور وہاں چرا سکے سوا بنی امیہ کے۔ پھر ص ر ۲۳۵ پر واقدی سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت عثمان نے ربذہ، شرف، نقیع یہ سب مقامات حکومت کے لیے مخصوص کرلئے تھے ان زمینوں میں نہ ان کے اونٹ گھوڑے چر سکتے تھے نہ بنی امیہ کے، کچھ دنوں کے بعد انہوں نے شرف کی زمین اپنے اونٹوں کے لیے جو ہزار کی تعداد میں تھے اور حکم بن العاص کے اونٹوں کے لیے مخصوص کرلی اور ربذہ کی زمین زکوٰۃ کے اونٹوں کے لیے اور نقیع کی زمین لشکر اسلام کے گھوڑوں اور اپنے گھوڑوں اور بنی امیہ کے گھوڑوں کے لیے۔ الخ۔

تمام مسلمانوں نے حضرت عثمان کی اس زیادتی اور اپنے حقوق کی پامالی پر صدائے احتجاج بلند کی، جو باتیں آگے چل کر ان کی ہلاکت کا باعث ہوئیں۔ ان میں یہ ایک بات بھی تھی۔ خود حضرت عائشہ نے بھی ان کے اس فعل کو ان

امور سے شمار کیا ہے جو مسلمانوں کی ناراضی کا باعث ہوئے۔ چنانچہ فرماتی ہیں۔ ہم ان کی حرکتوں سے ناراض ہوئے۔ اور چراگاہوں کے اپنی ذات سے مخصوص کر لینے، لوگوں کو کوڑے اور ڈنڈے مارنے پر بھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ان پر ابل پڑے اور ایسا رگڑ ڈالا جیسے کپڑا رگڑا جاتا ہے۔

(فائق زمخشری ج ر ۳، ص ر ۱۱۷، نہایہ ابن اثیر ج ر ۱، ص ر ۲۱۸، وج ر ۴، ص ر ۱۲۱ لسان العرب ج ر ۸، ص ر ۱۸۳، وج ر ۸، ص ر ۲۱۷، تاج العروس ج ر ۱۰، ص ر)

اس فقرہ کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ تمام لوگ ہر اس سبزہ گھاس میں برابر کے شریک ہیں جو بارش سے سیراب ہو اور کسی کی خاص ملکیت میں نہ ہو اس وجہ سے لوگ حضرت عثمان پر برہم ہوئے اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمان کا یہ فعل سبزہ زار زمینوں کو اپنے مویشیوں کے لئے مخصوص کر لینا ان کی اپنی جدت تھی اور زمانہ جاہلیت کے رسوم سنن کو زندہ کرنا تھا جسے پیغمبرؐ اسلام بالکل محو فرما چکے تھے اور آپ نے سبزہ اور گھاس میں تمام مسلمانوں کو برابر کا حصہ دار قرار دیا تھا اور ارشاد فرمایا تھا ''ثلاثة یبغضهم الله'' تین شخصوں کو خداوند عالم دشمن رکھتا ہے ان تینوں میں سے آپؐ نے ایک اس شخص کو بھی قرار دیا جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اختیار کرے۔

دوسری فصل

مروان کو فدک بطور جاگیر عنایت کرنا

منجملہ ان امور کے جو لوگوں کی ناراضگی اور برہمی کا سبب ہوئے۔ حضرت عثمان کی مروان پرستی بھی تھی چنانچہ علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ جن باتوں سے لوگ ناراض ہوئے انمیں یہ بھی تھا کہ انہوں نے فدک مروان کو بطور جاگیر دے دیا حالانکہ صدقۂ رسولؐ تھا۔ (معارف ص ۸۴)

ابو الفداء لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے مروان بن حکم کو فدک جاگیر میں دے دیا حالانکہ وہ پیغمبرؐ کا صدقہ تھا۔ یہ وہی فدک ہے جسے جناب فاطمہؑ نے اپنے باپ کی میراث میں طلب کیا تھا اور حضرت ابو بکر نے پیغمبر سے یہ حدیث بیان کر کے کہ ''نحن معاشر الانبیاء لانرث ولا نورث ماتر کناہ صدقۃ۔'' ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے محروم کر دیا تھا۔ یہ فدک ہمیشہ مروان و بنی مروان کے قبضہ میں رہا یہاں تک عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے انہوں نے فدک کو اپنے عزیزوں کے ہاتھ سے نکال کر پھر اصلی صورت پر کر دیا یعنی صدقہ کی حیثیت برقرار رکھی۔
(تاریخ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۶۸)

علامہ بیہقی نے مغیرہ کے واسطے سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ جب حضرت عمر کا انتقال ہو گیا تو عثمان نے فدک مروان کو جاگیر میں دے دیا اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے استاد نے کہا کہ مروان کو فدک بطور جاگیر زمانۂ عثمان میں ملا۔ گویا حضرت عثمان نے پیغمبرؐ کی اس حدیث۔ جب خداوند عالم اپنے کسی نبی کو کوئی از وقہ عنایت کرے تو وہ اس کے بعد اس کے جانشین کے لیے ہے۔ کی تاویل کی اور اس کا مطلب اور لیا چونکہ وہ صاحب مال وثروت تھے انہیں احتیاج نہ تھی اس لیے انہوں نے فدک اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دیا اور اس طرح صلہ رحم فرمایا اور دوسرے صحابہ نے پیغمبرؐ کی حدیث کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ نبیؐ کے آزوقہ میں میراث کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔ آپ کا جانشین اس کا متولی ہوگا اور مسلمانوں کی بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے گا جیسا کہ ابو بکر و عمر کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۰۱)

علامہ ابن عبدربہ قرطبی حضرت عثمان سے لوگوں کی ناراضی کے اسباب گناتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں حضرت عثمان نے فدک مروان کو جاگیر میں دے دیا حالانکہ وہ پیغمبرؐ کا صدقہ تھا اور افریقہ جب فتح ہوا تو اس کا خمس بھی مروان کو ہبہ کر دیا۔ (عقد الفرائد ج ۲ ص ۱۶۱)

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے فدک مروان کو جاگیر میں دے دیا، اسی فدک کا جناب سیدہؑ نے بعد وفات پیغمبرؐ مطالبہ کیا تھا کبھی بطور میراث کبھی بطور ہبہ اور جناب فاطمہ محروم کر دی گئیں۔

خدا بہتر جانتا ہے حضرت عثمان کے اس فعل کی کیا توجیہ کی جائے گی اور یہ فعل جائز سمجھا جائے گا یا ناجائز۔ کیونکہ فدک کی چند ہی صورتیں ہیں یا تو وہ مسلمانوں کا مال تھا جیسا کہ حضرت ابوبکر مدعی تھے تو پھر مسلمانوں کو محروم کر کے ایک اکیلے مروان کو جاگیر میں دے دینے کی کیا وجہ؟ اور اگر وہ پیغمبرؐ کا ترکہ تھا اور اہل بیتؑ پیغمبر بطور میراث پانے کے حقدار تھے جیسا کہ جناب معصومہؑ نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا اور کلام مجید کی متعدد آیات سے دلیلیں پیش کی تھیں اور آپؑ کے بعد ائمہ طاہرین اور اہل بیت خصوصاً حضرت امیر المومنینؑ احتجاج کرتے رہے تو ظاہر ہے کہ مروان ذریت رسولؐ سے نہیں تھا نہ خلیفہ وقت عثمان کو اس میں سیاہ وسپید کرنے کا حق تھا اور اگر فدک ہبہ پیغمبرؐ تھا جو آپ نے اپنی پارۂ جگر جناب معصومہؑ کو عنایت کیا جیسا کہ جناب معصومہؑ نے دربار خلافت میں اس کا دعویٰ بھی کیا اور گواہوں میں حضرت امیر المومنینؑ اپنے دونوں جگر گوشے حسنؑ وحسینؑ اور ام ایمن کو پیش کیا مگر ان دونوں کی شہادتیں ٹھکرا دی گئیں (۱)۔ تو اس ہبہ سے مروان کو کیا تعلق اور حضرت عثمان کو اس پر کہاں سے یہ اختیار کہ جس کو چاہیں جاگیر میں دیدیں۔

حاشیہ (۱)۔۔علامہ جاحظ نے جن کی دشمنی وعداوت امیر المومنینؑ واہل بیتؑ طاہرین ڈھکی چھپی بات نہیں فدک کے سلسلہ میں بڑے مزے کی بحث کی ہے میں چاہتا ہوں اسے بھی نذر ناظرین کرتا چلوں لکھتے ہیں: ''حضرت ابوبکر وعمر نے یہ حدیث کہ نحن معاشر الانبیاء۔ بیان کر کے فاطمہؑ کو میراث پیغمبرؐ سے محروم کر دیا تھا اس کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر وعمر کی سچائی و بے لوثی کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ اصحاب رسولؐ میں سے کسی بزرگ نے ان دونوں کو نہیں جھٹلایا کسی نے بھی ان کی روایت کردہ حدیث کی تکذیب نہیں کی اگر یہ حدیث فرضی اور شیخین کی من گھڑت ہوتی تو صحابہ کبھی چپ نہ رہتے ضرور اعتراض کرتے، اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر صحابہ کا اعتراض نہ کرنا مخالفت میں زبان نہ کھولنا حضرت شیخین کی سچائی کی دلیل بن سکتا ہے تو یہی چیز فاطمہؑ کی صداقت کی بھی دلیل ہے فاطمہؑ نے جب دعویٰ کیا اور کلام مجید سے قطعی دلیلیں پیش کیں تو اس وقت صحابہ نے کہاں ان کی مخالفت کی اور ان کی دلیلوں کو غلط قرار دیا اگر صحابہ ابوبکر وعمر کو سچا سمجھے ہوتے تو چاہیئے تھا کہ جناب فاطمہؑ کی تمام باتیں انہیں ناپسند ہوتیں ان کا مطالبہ میراث کرنا کلام مجید سے دلیلیں پیش کرنا غلط قرار دیا جاتا مگر حالات کی نزاکت تو اس حد تک پہنچی کہ فاطمہؑ نے وصیت کی کہ میرے جنازہ کی ابوبکر نماز نہ پڑھیں۔ ابوبکر سے کہا کہ میں ہر نماز میں تم پر بددعا کروں گی اور کبھی تم سے کلام نہ کروں گی۔ لہٰذا اگر صحابہ کا حضرت ابوبکر کے حدیث نحن معاشر الانبیاء پیش کرنے پر اعتراض ولب کشائی نہ کرنا دلیل ہوسکتا ہے ابوبکر کے برحق ہونے اور سیدہؑ کے واقعاً مرحوم الارث ہونے کی تو فاطمہؑ کی برہمی وناراضی پر صحابہ کا سکوت وخاموشی ان کا اظہار ناپسندیدگی نہ کرنا بھی فاطمہ کی صداقت اور حق پر ہونے کی دلیل ہے۔ کم سے کم صحابہ کو یہ تو کرنا ہی چاہیئے تھا کہ سیدہؑ کو نرمی سے سمجھا دیتے اور کہتے یہ حدیث پیغمبرؐ کی ہم لوگوں نے سنی ہے آپ کو سننے کا موقع نہ ملا ہوگا۔ یا آپ نے سنا ہوگا مگر ذہن سے اتر گئی ہوگی آپ کو ابوبکر سے مباحثہ زیبا نہیں نہ ان سے ترک تکلم اور ان پر بددعا کرنا مناسب ہے لیکن جب یہ دونوں باتیں نہ ہوئیں صحابہ نے ابوبکر کی حدیث کی بھی مخالفت نہیں کی اور سیدہ کے غصہ وناراضی کو بھی ناپسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا تو ماننا پڑے گا کہ معاملہ برابر کا تھا اور اسباب مساوی تھے اور ایسی صورت میں خداوند عالم کا جو اصل حکم میراث کے بارے میں ہے اسی کی طرف ہم سب کو رجوع کرنا مناسب ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت ابوبکر نے سیدہ پر ظلم کہاں کیا؟ تعدی کب کی۔ سیدہؑ کا غصہ تو جتنا بڑھتا جاتا ابوبکر نرم پڑتے جاتے تھے وہ اگر کہتیں کہ خدا کی قسم میں تم سے کبھی کلام نہ کروں گی تو ابوبکر کہتے کہ میں آپؑ سے ترک گفتگو نہ کروں گا وہ کہتیں کہ میں تم پر خدا کی قسم بددعا کروں گی تو ابوبکر کہتے کہ میں آپؑ کے لیے دعا کروں گا۔ حضرت ابوبکر باوجودیکہ دربار خلافت میں صحابہ کے بھرے مجمع میں قریش کے حلقے میں تھے۔ اس وقت آپ کو رعب وداب کی بھی ضرورت تھی جلال وہیبت کی بھی کیونکہ خلافت کے وقار کے لیے یہ سب چیزیں بہت ضروری تھیں پھر بھی

حضرت ابوبکر نے افسوس وندامت کا اظہار کرتے ہوئے فاطمہؑ کی عزت وحرمت کرتے ہوئے ان پر اپنی شفقت ومہربانی ظاہر کرتے ہوئے کہا اے دختر رسولؐ آپ کی ناداری سے بڑھ کر کوئی بات مجھے شاق نہیں ہوسکتی اور آپ کی مالداری سے بڑھ کر کوئی چیز مجبوب نہیں ہوسکتی لیکن کیا کروں کہ پیغمبرؐ سے سن چکا ہوں۔نحن معاشر الانبیاء الخ تو اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ نرم مزاجی، نرم کلامی، ظلم وجور سے مبرا ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی کیونکہ جب ظالم اور فریبی انسان عقلمند اور کہنہ مشق جھگڑالو ہوتا ہے تو اس کے مکروفریب کے صورت ہوتی ہے کہ مظلومانہ باتیں کرتا اور مسکینی کا اظہار کرتا ہے۔

مزید برآں صحابہ کے ابوبکر وعمر پر اعتراض نہ کرنے کو تم فاطمہؑ کے خلاف ثبوت میں کیسے پیش کرسکتے ہو حالانکہ تمہیں اس کے مدعی ہو کہ حضرت عمر نے برسر منبر مجمع عام میں کہا تھا۔متعتان کانتا فی عھد رسول اللہ متعة النسا ومتعة الحج انا انھی منھما واعاقب علیھما۔دو متعہ پیغمبرؐ کے عہد میں جاری تھی متعة النساء اور متعة الحج اب میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں جو کوئی کرے گا اسے سخت سزا دوں گا اس وقت کسی ایک صحابی نے بھی حضرت عمر کے اس کہنے پر اعتراض نہیں کیا کسی نے اپنی ناراضی وناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔نہ ان کے منع کرنے کو شریعت پیغمبرؐ میں دخل اندازی قرار دی نہ تعجب کیا نہ دوبارہ استصواب کیا خود حضرت عمر یہ اعتراف کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے زمانہ میں یہ دو چیزیں جاری تھیں میں حرام کرتا ہوں لیکن کسی کو بات ٹوکنے کی جرات نہیں ہوئی کہ جو چیزیں پیغمبرؐ کے زمانہ میں جائز ومباح جاری وساری تھیں آپ منع کرنے والے کون ہوتے ہیں۔کسی کو مجال دم زدن نصیب نہ ہوئی تو فاطمہؑ کے حق غصب کر لینے پر کسے لب کشائی کی ہمت ہوتی نیز حضرت عمر نے بروز سقیفہ اور اس کے بعد کئی مواقع پر دعویٰ کیا پیغمبرؐ نے فرمایا الائمۃ من قریش امام قریش ہی سے ہوں گے اور جب انتقال کرنے لگے تو افسوس کرتے تھے کہ کاش سالم زندہ ہوتے تو مجھے کوئی تردد نہ رہتا میں انہیں کو خلیفہ بناتا۔لیکن افسوس ہے کہ کسی صحابی کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ سرکار کل تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ امام قریش ہی سے ہوں گے آج یہ کیوں فرمارہے ہیں کہ سالم زندہ ہوتا تو مجھے انہیں خلیفہ بنانے میں کوئی تردد نہ ہوتا۔سالم تو ایک انصاری عورت کے غلام تھے اسی عورت نے انہیں آزاد کیا تھا اور ان کے مرنے پر ان کی تمام دولت کے وارث ہوئے وہ قریش سے تو تھے نہیں وہ اگر زندہ ہوتے بھی تو آپ کیسے انہیں خلیفہ بنا سکتے تھے۔واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کا معترض نہ ہونا مخالفت میں لب کشائی نہ کرنا اس وقت حضرت ابوبکر وعمر کی صداقت میں پیش کیا جاسکتا تھا جب صحابہ کی نہ تو کوئی غرض وابستہ ہوتی نہ کوئی خوف لاحق ہوتا یہاں صحابہ کی حالت یہ تھی کہ وہ ابوبکر وعمر سے ڈرتے بھی تھے اور ان کے اغراض بھی وابستہ تھے لہٰذا وہ ان کے کسی قول وفعل پر حرف گیری کرنے کی ہمت بھی کرتے تو کیسے کرتے۔(وسائل جاحظ ص/۳۰۰)

لطف یہ ہے کہ ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان تینوں کے سلوک فدک کے ساتھ ایک دوسرے کے مخالف اور متباین رہا کئے۔ہر ایک نے اپنی من مانی کی حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے معصومہؑ سے چھین لیا۔حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے پلٹا دیا جب عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مروان کو جاگیر میں دے دیا۔اس کے بعد تو شاہان بنی امیہ سے لے کر عمر ابن عبدالعزیز اور اس کے بعد مروان حمار تک گیند کی طرح اچھالتے رہے ایک نے واپس کیا تو دوسرے نے آکر چھین لیا تیسرے نے واپس کیا چوتھے نے چھین لیا مگر حضرت ابوبکر کی بیان کردہ حدیث نحن معاشر الانبیاء لانورث ما ترکناہ صدقه۔ہم گروہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے اور تمام امتی اس میں برابر کے شریک ہیں پر کسی زمانہ کسی وقت بھی عمل نہیں کیا گیا ہر دور اور ہر عہد میں اس کی طرح طرح سے خلاف ورزی کی گئی۔

قیامت یہ ہے کہ خود حضرت ابوبکر بھی اپنی بیان کردہ حدیث کو باطل کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے جیسا کہ گذشتہ صفحات پر فدک کی بحث کے ضمن میں سیوطی کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ایک نوشتہ جناب معصومہؑ کے لیے لکھ دیا تھا مگر حضرت عمر نے دیکھ لیا اور لے کر پھاڑ ڈالا۔ان تمام باتوں سے معمولی سمجھ والا بھی اندازہ کرسکتا ہے کہ حضرت ابوبکر کی حدیث کی کیا قدر وقیمت تھی اور کتنا اس پر عمل کیا گیا۔

تیسری فصل

حضرت عثمان کا نظریہ اموال وصدقات میں

فدک ہی کا ذکر نہیں بلکہ تمام اموال چاہے وہ اموال خراج ہوں یا اموال غنیمت، حضرت عثمان ان سب میں آزادانہ رائے رکھتے تھے، اور ان اموال کے متعلق بھی آپ کا اپنا نظریہ تھا اور ہر مال کو مال اللہ اور اپنے کو مسلمانوں کا مالک ومختار جانتے، جس مال کو جہاں چاہتے صرف کرتے جس کو چاہتے دیتے۔ کیا خوب نقشہ کھینچا ہے امیرالمومنینؑ نے اس دور کا۔ فرماتے ہیں۔

الیٰ ان قام ثالث القوم نافجا حضنیه بین شبنه ومعتلفه وقام معه بنو ابیه یخضمون مال الله خضمة الامل نبتة الربیع۔ (نہج البلاغہ خطبہ شقشقیہ)

قوم کا تیسرا آدمی متکبرانہ انداز میں پیٹ پھیلائے اپنے چارہ اور لید کی چھیچھا لیدر میں کھڑا ہوگیا اور اس کے ساتھ اس کے باپ کی اولاد بنی امیہ کھڑی ہوگئی اور خدا کا مال خوب چبا چبا کر کھانے لگے جیسے اونٹ فصل ربیع میں گھانس کھاتا ہے۔

وہ مال جس میں تمام مسلمانوں کا حق ہوتا اور جس سے کسی کو بھی محروم کرنا جائز نہ تھا، حضرت عثمان جائز مستحقین اور حقیقی حصہ داروں کو محروم کرکے اپنے خاص الخاص عزیزوں رشتہ داروں کو دے دیتے، دوسروں کے مال سے صلہ رحم فرماتے تھے۔ اموال غنائم کے متعلق پیغمبرؐ کا ارشاد ہے کہ پانچواں حصہ مال غنیمت کا خدا کے لیے ہے اور چار حصے لشکر اسلام کے لیے جس میں تمام مجاہدین برابر کے حصہ دار ہیں کوئی کسی سے زیادہ پانے کا حقدار نہیں۔ (سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۳۴۔۳۳۶)

رسالت مآبؐ کے پاس جب مال خراج آتا تو آپ اسی دن مسلمانوں میں تقسیم فرما دیتے شادی شدہ کو دوہرا، کنوارے کو ایک حصہ دیتے۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹، سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۴۶)

اموال زکوٰۃ وصدقات میں پیغمبرؐ کا مقرر کردہ دستور العمل یہ تھا کہ جس شہر سے یا قبیلہ سے یہ اموال وصول کئے جاتے وہ اسی شہر وقبیلہ کے محتاج افراد میں تقسیم کردیے جاتے جب کوئی محتاج ان میں نہ ملتا تب مرکز کو بھیجے جاتے جو حکام اموال صدقات کی وصولی کے لیے مقرر کئے جاتے ان کے تقرر کی غرض یہ نہ ہوتی کہ خراج جمع کرکے مرکز کو بھیجیں بلکہ یہ کہ امیروں سے لے کر غریب مستحقین کو دے دیں۔ رسالت مآبؐ نے معاذ صحابی کو جب یمن اسلام اور نماز کی طرف دعوت دینے کے لیے روانہ کیا تو آپؐ نے انہیں تاکید کی تھی کہ فاذا اقروالك بذالك فقل لهم ان الله قد فرض علیکم صدقة

اموالکم توخذ من اغنیائکم فترونی فقرائکم ۔ جب وہ لوگ اقرار کرلیں تو ان سے یہ بھی کہنا کہ خداوند عالم نے تمہارے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو تمہارے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور تمہارے ناداروں کو لوٹا دی جائے گی۔
(صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۱۵، الاموال ابی عبید ص ۵۸، و ۵۹۵، و ۶۱۲، المحلی ج ۶ ص ۱۴۶)

عمرو بن شعیب کا بیان ہے کہ جب سے پیغمبرؐ نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجا وہ وہیں رہے یہاں تک کہ پیغمبرؐ کا انتقال ہوا۔ ابوبکر خلیفہ ہوئے ان کا بھی انتقال ہوگیا، جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو وہ مدینہ آئے حضرت عمر نے انہیں پھر دوبارہ اسی عہدہ پر واپس کیا اب کی مرتبہ انہوں نے جو اموال وصدقات وصول کئے اس کا ایک حصہ مرکز خلافت کو بھیج دیا۔ مگر حضرت عمر نے پسند نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ میں نے تمہیں مال خراج جمع کرنے یا جزیہ وصول کرنے کے لیے نہیں بھیجا ہے بلکہ بھیجنے سے میری غرض یہ ہے کہ تم وہاں کے مالداروں سے وصول کرکے وہیں کے ناداروں کو واپس کردو۔ معاذ نے جواب دیا کہ میں نے مال آپ کو اسی وقت بھیجا ہے جب اس کا کوئی مستحق نہیں ملا۔ (الاموال ص ۵۹۶)

حضرت امیرالمومنینؑ کے عہد خلافت میں قثم بن عباس مکہ کے گورنر تھے آپ نے انہیں فرمان بھیجا۔ وانظر الی ما اجتمع عندك من مال الله فاصرفه من قبلك من ذوی العیال والمجاعة مصببا به مواضع الفاقة والخلات وما فضل عن ذالك فاحمله الینا لنقسمه فیمن قبلنا ۔ (نہج البلاغہ ج ۲، ص ۱۲۸)
تمہارے پاس جتنا خدا کا مال اکٹھا ہو چکا ہے اس کا حساب کرو اور وہاں تمہاری نظر میں جو صاحبان احتیاج ہوں ان میں اسے تقسیم کردو۔ اس کا خیال رہے کہ کوئی حاجت مند چھوٹنے نہ پائے اور جو بچ رہے اسے ہمارے پاس بھیج دو کہ ہم یہاں کے حاجتمندوں میں تقسیم کردیں۔

عبداللہ بن ربیعہ آپؑ کے عہد خلافت میں کوئی غرض لے کر آئے تو آپؑ نے فرمایا کہ یہ مال میرا ہے نہ تمہارا بلکہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے مسلمانوں کا اور ان کی تلواروں کی کمائی ہے اگر تم بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت کئے ہوتے تو انہیں کے اتنا تم بھی پاتے ورنہ دوسرے کے ہاتھوں کی کمائی کسی اور کے کام و دہن کو نہیں مل سکتی۔ (نہج البلاغہ ج ۱، ص ۲۶۱)

حضرت امیرالمومنینؑ کے پاس اصفہان سے کچھ مال واسباب آئے۔ آپؑ نے اسے سات حصوں میں تقسیم کیا ایک روٹی فاضل بچ رہی تو اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور ہر حصے پر ایک ٹکڑا رکھ دیا پھر آپ نے قرعہ اندازی کرکے جو حصہ جس کے نام نکلا اس کے حوالہ کیا۔ (سنن بیہقی ج ۶، ص ۳۴۸)

آپؑ کی خدمت میں دو عورتیں آئیں ایک آزاد عورت تھی دوسری کنیز آپؑ نے ہر ایک کو تو ڑا تھوڑا گیہوں اور چالیس چالیس درہم عنایت کئے۔ کنیز تو اپنا حصہ لے کر چلی گئی لیکن آزاد عورت کہنے لگی حضور آپؑ نے کنیز کو بھی اتنا ہی دیا جتنا مجھے دیا حالانکہ

یں عرب کی رہنے والی آزاد عورت ہوں اور وہ کنیز ہے۔عرب کی رہنے والی بھی نہیں ۔امیر المومنینؑ نے فرمایا میں نے کتاب الٰہی کی چھان بین کی لیکن مجھے اولاد اسماعیل کونسل اسحاق پر فضیلت کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔

یہی سبب تھا کہ جب عمر نے بیت المال سے مسلمانوں کے مختلف وظیفے مقرر کئے اورکسی خاص فضیلت کے سبب کسی کی زیادہ کسی کی کم تنخواہ مقرر کی تو صحابہ نے اس کمی بیشی کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔حضرت عمر نے ازواج پیغمبرؐ کے وظائف بہ نسبت دیگر خواتین کے زیادہ مقرر کئے پھر ازواج میں بھی تفریق رکھی اسی طرح وہ مسلمان جنہیں جنگ بدر میں شرکت کی فضیلت حاصل تھی ان کے وظائف ان لوگوں سے زیادہ تھے جو بدر میں نہ شریک ہوئے۔مہاجرین کے وظائف انصار سے زیادہ تھے۔ جہاد کرنے والوں کے وظیفے گھر میں بیٹھنے والوں سے زیادہ تھے۔(اموال ابی عبید ص/ ۲۲۴۔۲۲۷،فتوح البلدان بلاذری ص/ ۴۵۲، و ۴۶۴،سنن بیہقی ج/ ۶،ص/ ۳۴۹۔۳۵۰)

لیکن پھر بھی اتنا تو تھا کہ حضرت عمر کسی مسلمان کو محروم نہیں کرتے تھے۔تنخواہیں ہر ہر فرد کی بیت المال سے مقرر تھیں وہ برسر منبر کہا کرتے تھے جسے مال کی ضرورت ہو وہ میرے پاس آئے خداوند عالم نے مجھے خزانچی اور تقسیم کرنے والا قرار دیا ہے۔

ان تمام باتوں سے پیشتر خداوند عالم نے اموال کے متعلق ایک واضح نصاب ایک قطعی دستور العمل کلام مجید میں ان آیات کے ذریعہ مقرر کر دیا ہے۔

”وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ۔“(سورہ انفال)

یہ سمجھ رکھو کہ تمہیں جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے تو اس کا پانچواں حصہ خدا کے لیے۔اس کے رسولؐ کے لیے اور اس کے قرابتداروں کے لیے اور یتیموں،فقیروں اور پردیسیوں کے لیے ہے۔

”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللهِ وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ “(سورہ توبہ آیت/ ۶)

اموال زکوٰۃ وصدقات فقراء ومساکین کے لیے ہے اوران لوگوں کی تنخواہیں اس سے دی جائیں گی جو وصولی پر مقرر کیے جائیں مولفۃ القلوب لوگوں کے لیے ہے۔غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے اور قرضداروں کے قرضے میں اور جہاد میں اور مسافروں میں،یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

”ما افاء اللہ علیٰ رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ من یشاء واللہ علیٰ کل شی قدیر۔ ما افاء اللہ علی رسول من اھل القریٰ فاللہ وللرسول ولذی القربیٰ

والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل"

اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسولؐ کو ان سے دلوادیا۔ سو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہے مسلط فرمادیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو دوسری بستیوں کے لوگوں سے دلوادے وہ اللہ کا حق ہے اور رسولؐ کا اور قرابتداروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا۔

یہ خداوند عالم کا مقررہ دستور العمل ہے اور یہی صفت پیغمبرؐ ہے مگر حضرت عثمان نے کتاب خدا کی تمام آیات کو ذہن سے نکال دیا اور اموال کے متعلق پیغمبرؐ کے جتنے ارشادات تھے ان سب سے قطع نظر کرلی۔ حضرت ابوبکر وعمر کی روش اور طرز عمل کی بھی مخالفت کی اور عدل وانصاف کی بھی دھجیاں اڑائیں اپنے خاندان والوں کو سب پر فوقیت دی اور تمام اکابر صحابہ اور بزرگان مسلمین پر انہیں مقدم سمجھا، وہ تمام مسلمانوں کے مشترکہ مال سے اپنے خصوصی رشتہ داروں کو طلا ونقرہ بغیر ناپ تول کے بے اندازہ وحساب دیتے اور چاہے رسولؐ کے قریبی اعزا ہوں یا کوئی اور ہر ایک پر ترجیح دیتے۔ اور ان کی سخت مزاجی و بدسلوکی جو اکابر صحابہ کے ساتھ تھی، کو دیکھتے ہوئے کسی کو ہمت وجرات نہیں ہوتی کہ دم مارسکے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ پر عامل ہو کیوں کہ سبھی دیکھتے تھے کہ حضرت عثمان کسی کی اہانت کرتے کسی کو جلاوطن کرتے اور حضرت عمر سے بھی زیادہ درہ بازی لاٹھی ڈنڈا اسے کام لینے میں پس وپیش نہیں کرتے۔

چوتھی فصل

حضرت عثمان کی نوازشیں حکم بن العاص پر

حکم بن العاص جسے پیغمبرؐ نے مدینہ سے نکال باہر کیا تھا۔حضرت عثمان نے نہ صرف یہ کہ اسے مدینہ میں بلا لیا اور اپنا مقرب خاص بنایا بلکہ قبیلہ قضاعہ سے زکوٰۃ وصدقات کی جتنی رقمیں اور مال واسباب وصول ہوئے وہ سب اسے بخش دیئے حکم جس وقت مدینہ میں داخل ہوا تو کیفیت یہ تھی کہ بدن پر چیتھڑے تھے تمام لوگ اس کی زبوں حالی اور اس کے ہمراہیوں کی فلاکت وادبار کا نظارہ کر رہے تھے۔حکم کے آگے آگے ایک بکرا تھا جسے وہ ہنکاتا ہوا آ رہا تھا اسی حالت سے دربار خلافت میں داخل ہوا۔ جب حضرت عثمان کے پاس سے واپس پلٹا تو اس کے بدن میں انتہائی قیمتی خز کی قبا اور بیش قیمت ریشمی ردا تھی۔

(تاریخ یعقوبی ج ۲/ص/۴۱)

کان مما انکروا علی عثمان انه ولی الحکم بن ابی العاص صدقات قضاعة فبلغت ثلاث مائة الف درهم فوهبها له حین اتاه بها۔(تاریخ الانساب بلاذری ج/۵،ص/۲۸)

حضرت عثمان کی جہاں اور باتیں لوگوں کی ناراضی وبرہمی کا سبب ہوئیں،انہیں میں ایک بات یہ تھی کہ انہوں نے حکم بن العاص کو بنی قضاعہ سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا جس کی مقدار تین لاکھ درہم تھی جب حکم بن عاص وصول کر کے حضرت عثمان کے پاس آیا تو آپ نے سب کا سب اسے بخش دیا۔

علامہ قتیبہ،ابن عبدربہ قرطبی،علامہ ذہبی تحریر کرتے ہیں۔ وممانقم الناس علی عثمان انه اوی طرید النبی الحکم ولم یؤوه ابوبکر واعطاه مائة الف۔حضرت عثمان کی من جملہ ان حرکتوں کے جو لوگوں کی خفگی کا سبب ہوئیں ایک یہ بات بھی تھی کہ انہوں نے حضرت رسول خداؐ کے نکال باہر کئے ہوئے حکم بن عاص کو مدینہ واپس بلایا اسے اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ دی درانحالیکہ حضرت ابوبکر وعمر نے بھی اپنے دور حکومت میں اس کو مدینہ واپس آنے کی اجازت نہیں دی تھی اور حضرت عثمان نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اسے ایک لاکھ درہم بھی بخش دیئے۔

(معارف ابن قتیبہ ص/۸۴،عقد الفرید ج/۲،ص/۲۶۱،مراۃ الجنان یافعی ج/۱،ص/۸۵ وغیرہ)

عبدالرحمن بن یسار کا بیان ہے کہ بازار مدینہ کے مسلمانوں سے زکوٰۃ وصدقات کی وصولی پر جو شخص مقرر تھا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ جب شام ہوئی تو حضرت عثمان اس کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ آج جتنی آمدنی آئی ہے وہ سب حکم بن عاص کو دے دو۔ حضرت عثمان کا قاعدہ تھا کہ جب اپنے اعزا کو کچھ دینا دلانا ہوتا تو اپنے پاس سے نہیں دیتے بلکہ مسلمانوں کے بیت المال ہی سے دلوا دیتے، خزانچی نے ٹال مٹول کی اور کہا جب روپیہ وصول ہو جائے گا میں دے دوں گا۔ حضرت عثمان کا اصرار زیادہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہمارے خزانچی ہو۔ ہم جیسا حکم دیں ویسا کرو۔ خزانچی نے کہا آپ نے جھوٹ کہا بخدا میں نہ تو آپ کا خزانچی ہوں نہ آپ کے گھر والوں کا میں تو مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔ جمعہ کے دن نماز کے وقت حضرت عثمان خطبہ پڑھ رہے تھے۔ وہ خزانچی آیا اور کہنے لگا لوگو! حضرت عثمان مدعی ہیں کہ میں ان کا اور ان کے گھر والوں کا خزانچی ہوں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔ یہ تمہارے بیت المال کی کنجیاں ہیں، یہ کہہ کر اس نے وہ کنجیاں پھینک دیں۔ حضرت عثمان نے اٹھا کر زید بن ثابت کے حوالہ کر دیں۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲ /ص/ ۱۴۵)

اس قسم کا واقعہ زید بن ارقم اور عبداللہ بن مسعود کے متعلق کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ دونوں حضرات بھی کچھ دنوں کے لیے بیت المال کے نگراں رہے غالباً ایسا واقعہ کئی خزانچیوں کے ساتھ پیش آیا۔

حکم بن عاص

یہ شخص مکہ میں رسالت مآب کا پڑوسی اور ابو جہل وابولہب جیسے مشرکین و دشمنان رسولؐ کی طرح آنحضرتؐ کا جانی دشمن تھا۔ ہر وقت سرگرم عداوت رہتا اور سخت سے سخت اذیتیں پہنچایا کرتا۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ۲ /ص/ ۲۵)

طبرانی نے عبدالرحمن بن ابی بکر سے روایت کی ہے کہ حکم رسالت مآبؐ کے پاس آ کر بیٹھا کرتا جب آپؐ کلام فرماتے تو نقلیں اتارتا منھ بناتا ایک دن پیغمبرؐ کی نظر پڑ گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ وہ ویسا ہی ہو گیا اور مرتے دم تک ویسا ہی رہا۔ مالک بن دینار کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسالت مآبؐ گزرے۔ حکم بن عاص اپنی انگلی سے مضحکہ خیز اشارے کرنے لگا۔ آنحضرت کی نگاہ پڑ گئی۔ آپؐ نے بددعا فرمائی کہ خداوندا اسے رعشہ میں مبتلا کر دے اسی وقت اس پر ایسا رعشہ طاری ہوا جو مرتے وقت تک نہ چھوٹا۔ حلبی نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ مہینہ بھر بے ہوش بھی رہا۔

(اصابہ ج ۱ /ص/ ۳۴۵-۳۴۶، سیرۃ حلبیہ ج ۱ /ص/ ۳۳۷، فائق زمخشری ج ۲ /ص/ ۲۰۵، تاج العروس ج ۶ /ص/ ۳۵)

علامہ بلاذری نے روایت کی ہے کہ حکم بن عاص زمانۂ جاہلیت میں رسولؐ اللہ کا پڑوسی تھا اور زمانۂ اسلام میں آپؐ کے جانی دشمنوں اور شدید اذیت پہنچانے والوں میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا جب ۸ ہجری میں مکہ فتح ہو گیا تو حکم مدینہ آیا۔ اس کا

اسلام مشکوک ہے اس کی حالت یہ تھی کہ رسالت مآبؐ کے پیچھے پیچھے چلتا آپؐ کی طرف مضحکہ خیز اشارے کرتا۔آپؐ کی نقلیں اتارتا، ناک منھ مسکوڑتا اور جب آنحضرتؐ نماز پڑھتے تو یہ بھی پیچھے کھڑا ہو کر انگلیوں سے اشارے کرتا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسا منھ بناتا تھا ویسا ہی ہوگیا اور مرتے دم تک ویسا ہی رہا۔ دماغ میں بھی فتور آگیا۔ایک مرتبہ رسولؐ اللہ اپنی کسی زوجہ کے حجرہ میں تشریف فرما تھے۔حکم جھانک کر دیکھنے لگا۔رسولؐ اللہ نے پہچان لیا۔ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اس ملعون مرد مرتعش سے مجھے کون بچاتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جہاں میں رہوں نہ یہ حکم رہ سکتا ہے نہ اس کی اولاد۔ چنانچہ آپؐ نے اسے اہل وعیال سمیت طائف کی طرف نکال باہر کیا۔جب آنحضرت کا انتقال ہوگیا تو حضرت عثمان نے ابو بکر سے اس کی سفارش کی اور درخواست کی کہ حکم کو مدینہ واپس بلایا جائے۔مگر ابو بکر نے انکار کیا اور کہا کہ رسولؐ اللہ جسے نکال باہر کر چکے ہوں میں اسے پناہ نہیں دے سکتا۔ابو بکر کے بعد جب عمر خلیفہ ہوئے تو عثمان نے ان سے بھی اسی مضمون کی درخواست کی۔انہوں نے بھی ابو بکر ہی کی طرح جواب دیا کہ رسولؐ اللہ کے نکالے ہوئے کو میں مدینہ نہیں بلا سکتا۔جب خود خلیفہ ہوئے تو اب کون روکنے والا تھا۔حکم کو بال بچوں سمیت مدینہ واپس بلا لیا اور مسلمانوں سے کہا کہ میں نے حکم کے متعلق رسالت مآب سے سفارش کی تھی اور سوال کیا تھا کہ اسے مدینہ واپس بلا لیجئے۔آنحضرتؐ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں اسے اجازت دے دوں گا مگر قبل اس کے کہ حضرت اجازت دیں آپؐ کا انتقال ہوگیا۔مسلمانوں نے حضرت عثمان کی باتوں کا یقین نہیں کیا اور ان کا یہ فعل ان کی انتہائی ناگواری کا باعث ہوا۔

(کتاب الانساب ج ر ۵،ص ر ۲۷)

واقدی لکھتا ہے کہ حکم بن عاص کی موت مدینہ میں حضرت عثمان کے عہد حکومت میں ہوئی۔انہوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کی قبر پر خیمہ بھی نصب کر دیا۔

سعید بن مسیب ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان نے خطبہ پڑھا اور اس میں مسلمانوں کو کبوتروں کے ذبح کرنے کی تاکید کی، کہا کہ تمہارے گھروں میں کبوتر بہت زیادہ ہو گئے ہیں، دن بھر ڈھیلے بازی ہوتی رہتی ہے اور کئی ڈھیلے ہمیں بھی آ کر لگے اس پر لوگوں نے کہا کہ عثمان کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دیتے ہیں اور رسولؐ اللہ نے جس کو مدینہ سے نکال باہر کیا تھا اسے مدینہ واپس بلا کر پناہ دیتے ہیں۔

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ رسولؐ اللہ اپنے ازواج میں سے کسی زوجہ کے پاس تشریف فرما تھے کہ حکم بن عاص نے جھانک کر آپ کو دیکھ لیا اس پر رسولؐ اللہ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اس مرد مرتعش سے کون مجھے نجات دلاتا ہے اگر میں پا جاؤں تو اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالوں۔آنحضرتؐ نے حکم پر بھی لعنت فرمائی اور اس کی اولاد پر بھی۔(سیرۃ حلبیہ ج ر ۱،ص ر ۳۳۳)

علامہ ابن اثیر نے بھی اسد الغابہ ج ر ۲،ص ر ۳۴ میں مختصر کر کے اس واقعہ کو لکھا ہے۔

علامہ ابوعمر واستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۔میں لکھتے ہیں کہ رسالت مآبؐ نے حکم کو مدینہ سے نکال باہر کیا اور دور بھگا دیا۔ چنانچہ حکم طائف میں جا کر مقیم ہوا ساتھ میں اس کا فرزند مروان بھی تھا۔اس کی جلاوطنی کے کیا اسباب ہوئے۔ رسولؐ اللہ نے اسے کیوں نکال باہر کیا۔اس کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ حکم رسالت مآبؐ کی باتوں کو چھپ چھپ کر سنتا اور مشرکین وکفار ومنافقین کو جا کر بتا دیتا تھا۔ایک دن یہ راز کھل گیا۔اس کے علاوہ یہ حکم حضرت سرور کائنات کی رفتار وحرکت کی نقلیں اتارتا۔رسالت مآبؐ کے خصوصیات سے یہ بات بھی تھی کہ آپ جب چلتے تو آپ کے دونوں ہاتھ زانو پر ہوتے عام لوگوں کی طرح ہاتھ پھینک کر نہیں چلتے حکم ایک دن آپ کی رفتار کی نقل اتار رہا تھا کہ آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔اور نقل اتارتے دیکھ لیا۔آپ نے بددعا فرمائی تو ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ اسی دن سے حکم میں رعشہ پیدا ہو گیا اور مرتے دم تک مبتلا رہا۔

(الاستیعاب ج ر ا ص ر ۱۱۸، واسد الغابہ ج ر ۲ ص ر ۲۴)

علامہ ابوعمرو نے عبداللہ بن عمرو عاص سے یہ بھی روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ مرد ملعون تمہارے پاس آیا چاہتا ہے۔عبداللہ کہتے ہیں کہ میں اپنے باپ عمرو عاص کو رسولؐ اللہ سے ملاقات کرنے کی غرض سے لباس تبدیل کرتے چھوڑ آیا تھا میں سہا ہوا تھا کہ کہیں میرا باپ نہ آجائے اور رسالت مآب کی لعنت کا مصداق ٹھہرے اتنے میں حکم بن عاص حاضر خدمت پیغمبرؐ ہوا۔(استیعاب ج ر ا ص ر ۱۱۹)

علامہ بلاذری، حاکم، واقدی وغیرہ نے بسلسلۂ اسناد عمرو بن مرہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حکم بن عاص نے پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی آپ نے اس کی آواز پہچان لی اور فرمایا کہ اسے آنے دو۔خدا کی لعنت اس پر بھی اور اس کے صلب سے پیدا ہونے والوں پر بھی۔سوا ایمان والوں کے۔اگر چہ وہ بہت تھوڑے ہوں گے۔مکار و دغاباز دنیا ان کو دی جائے گی اور آخرت میں ان کا کچھ بھی حصہ نہ ہوگا۔

علامہ دمیری نے حیٰوۃ الحیوان ج ر ۲ ص ر ۳۹۹ پر ابن حجر نے صواعق محرقہ ص ر ۱۰۸ پر سیوطی نے جمع الجوامع میں ابویعلیٰ طبرانی بیہقی ابن عساکر سے روایت کر کے اس حدیث کو درج کیا ہے۔

امام حاکم نے عبداللہ بن زبیر کے واسطے سے یہ حدیث لکھی ہے اور صحیح بھی قرار دیا ہے کہ پیغمبرؐ نے حکم پر بھی لعنت فرمائی اور اس کی اولاد پر بھی۔(مستدرک ج ر ۴ ص ر ۴۸۱)

طبرانی و ابن عساکر اور دارقطنی نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ میں رسولؐ اللہ کی خدمت میں گیا تھوڑی دیر کے بعد حضرت علیؑ آئے رسالت مآبؐ نے انہیں اپنے قریب بلایا اور ان کے کانوں میں باتیں کرنے لگے سرگوشی کرتے کرتے ایک مرتبہ آپؐ نے گھبرا کر سر ہٹایا۔دروازے پر کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔آپؐ نے علیؑ سے کہا جاؤ اور دروازہ پر جو

شخص ہے اسے یوں کھینچ لاؤ جیسے بکری پکڑ کر اپنے دودھ دوہنے والے کے پاس لائی جاتی ہے۔ حضرت علیؑ گئے اور حکم بن عاص کو کان پکڑ کر رسولؐ اللہ کے پاس لائے۔ حکم کا آدھا کان پہلے ہی سے کٹا ہوا تھا۔ علیؑ نے اسے رسولؐ اللہ کے پاس لا کھڑا کیا۔ آنحضرتؐ نے تین مرتبہ اس پر لعنت فرمائی اور کہا کہ اسے کسی گوشے میں بٹھادو۔ جب کچھ مہاجرین وانصار بھی آگئے تو آپؐ نے اسے پھر بلایا اور بلا کر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ عنقریب خدا کی کتاب پیغمبرؐ کی سنت کی مخالفت کرے گا۔ اور اس کے صلب سے ایسے فتنے برپا ہوں گے جس کا دھواں آسمان تک پہنچے گا۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا یہ حقیر و ذلیل حکم بن عاص؟ یہ کیا اور اس کی مخالفت کیا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ہاں ایسا ہوگا۔ اور تمہیں لوگوں میں سے بعض لوگ اس کے پیرو ہوں گے۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۲۹)

ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، عبد بن حمید، نسائی، ابن منذر، حاکم وغیرہم نے عبداللہ سے روایت کی ہے۔ عبداللہ کہتے تھے کہ میں اس وقت مسجد میں موجود تھا جب کہ مروان نے تقریر کی تھی اور اثنائے تقریر میں کہا کہ خداوند عالم نے امیر المومنین یعنی معاویہ کو یزید کے خلیفہ بنانے کے بارے میں بڑی اچھی رائے دکھائی چنانچہ حضرت ابوبکر وعمر بھی اپنے مرنے سے پیشتر خلیفہ مقرر کر چکے ہیں۔ ابوبکر کے صاحبزادے عبدالرحمن بیٹھے ہوئے تھے وہ بولے۔

عبدالرحمن بن ابی بکر:

۔ یہ تو شاہان روم کے طور طریقے ہیں۔ روم کے بادشاہ اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کو اپنا ولی عہد مقرر کرتے تھے، ابوبکر نے تو خدا کی قسم نہ اپنے کسی لڑکے کو خلیفہ بنایا نہ کسی رشتہ دار و قرابت دار کو۔ اور معاویہ محض اپنے بیٹے کے لاڈ پیار میں اس کو خلیفہ بنا رہا ہے۔

مروان:۔

کیا تمہیں وہ نہیں ہو جس کے متعلق کلام مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ الذی قال لوالدیه اف لکما۔ وہ شخص جس نے اپنے ماں باپ سے کہا تھا کہ وائے ہو تم دونوں پر۔

عبدالرحمن:

۔ کیا تم خود ملعون اور ملعون کے بیٹے نہیں ہو۔ تمہارے باپ پر رسولؐ اللہ نے لعنت نہیں فرمائی؟

یہ آپس کی تکرار حضرت عائشہ کے کانوں تک پہنچ گئی۔ آپ نے فرمایا مروان تم عبدالرحمن سے ایسا ایسا کہتے ہو۔ خدا کی قسم تم جھوٹ بولے۔ عبدالرحمن کے متعلق یہ آیت نہیں نازل ہوئی بلکہ فلاں کے متعلق۔ دوسرے لفظوں میں محمد بن زیاد سے بھی یہ واقعہ یوں منقول ہے کہ جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو کے لیے لوگوں سے بیعت لی تو مروان نے کہا سنة ابی بکر

وعمر ۔ابی بکر وعمر کا طریقہ ہے ۔عبدالرحمان بن ابی بکر نے کہا نہیں بلکہ ہرقل وقیصر کا طریقہ ہے ۔مروان نے کہا یہ وہی شخص ہے جس کے متعلق خداوند عالم نے کلام مجید میں فرمایا الذی قال لوالدیہ اف لکما آیۃ ۔اس تکرار کی خبر حضرت عائشہ کو ہوئی ۔آپ نے فرمایا۔مروان نے جھوٹ کہا خدا کی قسم یہ آیت عبدالرحمان کے متعلق نہیں نازل ہوئی ۔بلکہ دوسرے شخص کے متعلق نازل ہوئی میں اس کا نام بھی جانتی ہوں ۔اگر چاہوں تو بتا دوں ۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسالت مآبؐ نے مروان کے باپ حکم پر لعنت فرمائی اور مروان اس کے صلب میں تھا۔مروان بھی خداوند عالم کی لعنت کا ایک حصہ ہے ۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جناب عائشہ نے فرمایا: لیکن رسولؐ اللہ نے تیرے باپ پر لعنت کی ۔اس وقت تو اس کے صلب میں تھا تو بھی خدا کی لعنت کا ایک حصہ ہے ۔

فائق زمخشری کی لفظیں ہیں ۔ فانت فظاظۃ لعنۃ اللہ ولعنۃ رسولہ۔تو تم خدا ورسولؐ کی لعنت کا نچوڑ ہو ۔

(مستدرک حاکم ج ۴،ص ۴۸۱، تفسیر قرطبی ج ۱۶،ص ۱۹۷، تفسیر زمخشری ج ۳،ص ۹۹، فائق زمخشری ج ۲،ص ۳۲۵، تفسیر ابن کثیر ج ۴،ص ۱۵۹، تفسیر رازی ج ۷،ص ۴۹۱، اسد الغابہ ج ۲،ص ۳۴، نہایۃ ابن اثیر ج ۳،ص ۲۳، شرح ابن ابی الحدید ج ۲،ص ۵۵، تفسیر نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری ج ۲۶،ص ۱۳، اجابۃ زرکشی ص ۱۴۱، تفسیر نسفی برحاشیہ خازن ج ۴،ص ۱۳۲، صواعق محرقہ ص ۱۰۸، ارشاد الساری قسطلانی ج ۷، ص ۳۲۵، لسان العرب ج ۹،ص ۳، درمنثور ج ۶،ص ۴۱، حیاۃ الحیوان ج ۲،ص ۳۹۹، سیرۃ حلبیہ ج ۱،ص ۳۳۷، تاج العروس ج ۵، ص ۶۹، تفسیر شوکانی ج ۵،ص ۲۰، تفسیر آلوسی ج ۲۶،ص ۲۰، سیرۃ زینی دحلان برحاشیہ سیرۃ حلبیہ ج ۱،ص ۲۴۵)

اسی مضمون کی حدیثیں تقریباً تمام کتب احادیث میں موجود ہیں ۔لفظیں خواہ بدلی ہوئی ہوں مگر معناً کوئی فرق نہیں صرف ایک بخاری نے اس حدیث کو قطع وبرید کے ساتھ صحیح بخاری میں وارد کیا ہے ۔انہوں نے مروان اور مروان کے باپ پر پیغمبرؐ کے لعنت فرمانے کو ذکر نہیں کیا اور عبدالرحمن کے اس جملہ کو گول کر گئے، بخاری کا یہ پرانا طریقہ ہے انہوں نے اپنی حدیثوں میں اس قسم کی من مانی کتر بیونت کی ہے اور ان کی حدیث کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ۔مروان معاویہ کی طرف سے حجاز کا حاکم تھا اس نے ایک مرتبہ تقریر کی اور تقریر میں یزید بن معاویہ کا تذکرہ کیا۔غرض یہ تھی کہ معاویہ کے بعد اس کی بیعت کی جائے ۔اس پر عبدالرحمن نے مروان سے کوئی بات کہی ۔مروان نے اس پر اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا عبدالرحمن عائشہ کے گھر میں گھس گئے اور کسی کا قابو ان پر نہ چل سکا مروان نے کہا یہ عبدالرحمن وہ شخص ہے جس کے متعلق خداوند عالم نے کلام مجید میں یہ آیت نازل فرمائی ہے ۔ والذی قال لوالدیہ اف لکما اتعدانني الایۃ۔ جناب عائشہ نے پردہ کے پیچھے سے کہا۔ ما انزل اللہ فینا شیئاً من القرآن الا ان اللہ انزل عزری ۔خداوند عالم نے ہم لوگوں کے متعلق کوئی آیت نازل نہیں فرمائی البتہ جب لوگوں نے مجھے متہم کیا تھا تو اس نے میری معذرت ضرور نازل کی ۔

امام بخاری کی اس حدیث سے کم سے کم یہ بات اچھی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ کلام مجید کی کوئی آیت حضرت ابو بکر کے فضائل میں نہیں نازل ہوئی اور حضرات اہل سنت نے دو چار آیتوں کو کھینچ تان کر زبردستی حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہونے کی ایجاد جو کی ہے وہ غلط ہے خود حضرت عائشہ کی صراحت ہے کہ ہم لوگوں کے متعلق قرآن مجید میں کچھ نازل نہیں ہوا۔

یہ حکم باوجود ملعون اور مطرود ہونے کے اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا اور اسلام کی بیخ کنی اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ہمیشہ ہی کوشاں رہا، چنانچہ ایک مرتبہ حویطب نامی ایک شخص مروان کے پاس آیا۔ مروان نے سلسلۂ گفتگو میں پوچھا۔ تمہارا سن کیا ہے۔ اس نے اپنی عمر بتائی مروان نے کہا بڑے میاں آپ بہت پیچھے اسلام لائے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی آپ سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ حویطب نے کہا خدا مددگار ہے کیا کروں میں نے کئی مرتبہ اسلام لانے کا ارادہ کیا ہر مرتبہ تمہارے باپ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اپنی عزت خاک میں ملانا اور ایک نئے دین کی خاطر اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑنا اور محکوم بننا چاہتے ہو۔ مروان یہ سن کر خاموش ہو گیا اور اپنی بات پر شرمندہ ہوا کہ نہ میں ایسی بات کہتا نہ بھرے مجمع میں شرمندگی کی نوبت آتی۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۸ ص ۷۰)

حکم بن عاص قرآن میں:۔

بن مردویہ نے ابوعثمان نہدی سے روایت کی ہے کہ جب لوگوں نے یزید کی بیعت کی اور مروان نے کہا سنة ابی بکر و عمر یہ ابوبکر و عمر کی سنت ہے اس پر عبدالرحمن بن ابی بکر معترض ہوئے کہا یہ تو ہرقل اور قیصر کے انداز ہیں اور مروان نے عبدالرحمن کے متعلق کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے لیے کلام مجید کی یہ آیت نازل ہو چکی ہے۔ الذی قال لو الدیہ اف لکما۔ تو حضرت عائشہ کے کانوں میں بھی آپس کی یہ تکرار پہنچی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ آیت عبدالرحمن کے متعلق نہیں نازل ہوئی۔ البتہ تمہارے باپ کے متعلق کلام مجید میں ضرور یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

لا تطع کل حلاف مهین هماز مشاء بنمیم۔

ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا ہو بے وقعت ہو طعنہ دینے والا ہو چغلیاں لگاتا پھرتا ہو۔

(تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۴۱، و ۲۵۱، سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۳۳۷، تفسیر شوکانی ص ۲۶۳، تفسیر آلوسی پارہ ۲۹ ص ۲۸، سیرۃ زینی دحلان برحاشیہ سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۲۴۵)

ابن مردویہ نے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ جناب عائشہ نے مروان سے کہا کہ میں نے پیغمبرؐ خدا کو تمہارے باپ اور دادا عاص بن امیہ کے متعلق ارشاد فرماتے سنا ہے۔ انکم الشجرة الملعونة فی القرآن۔ کلام مجید میں جس شجرۃ ملعونہ کا ذکر ہے اس سے مراد تمہیں لوگ ہو۔ (تفسیر درمنثور سیوطی ج ۴ ص ۱۹۱، سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۳۳۷، تفسیر شوکانی ج ۳ ص ۲۳۱، تفسیر

آلوسی پارہ ۱۵، تفسیر قرطبی ج ۱۰، ص ۲۸۶)

ابن حاتم نے یعلیٰ بن مرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت سرورکائناتؐ نے ارشاد فرمایا میں نے بنی امیہ کو خواب میں منبروں پرسوار دیکھا عنقریب وہ تمہارے مالک بن بیٹھیں گے تم انہیں بہت برا مالک پاؤ گے رسالت مآبؐ یہ خواب دیکھ کر بہت مغموم ہوئے اس پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔

''وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا'' (سورہ بنی اسرائیل آیت ۶۰)

اور ہم نے جو خواب تمہیں اے رسول دکھایا ہے اور جس درخت پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ ہم نے تو ان دونوں چیزوں کو لوگوں کے لیے فتنہ و آزمائش قرار دیا ہے۔ اور ہم ان لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی سرکشی بڑھتی ہی جاتی ہے۔

ابن مردویہ نے امام حسینؑ سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ خدا ایک صبح بہت مغموم تھے لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا میں نے خواب میں کچھ ایسا دیکھا ہے کہ بنی امیہ میرے منبروں پر باری باری کود رہے ہیں پھر آپ سے کہا گیا یا رسولؐ اللہ آپ اس کا غم نہ کیجئے یہ دنیا ہے جو انہیں چندروز کے لئے دی گئی ہے پھر خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی اور ابن عساکر نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ رسالت مآبؐ نے خواب میں بنی امیہ کو منبروں پر دیکھا اس پر آپؐ بے حد رنجیدہ ہوئے خداوند عالم نے وحی فرمائی کہ یہ دنیا ہے جو انہیں چندروز کے لیے دی گئی ہے اس پر آپؐ کا غم غلط ہوگیا، یہی مطلب ہے اس آیہ وما جعلنا الرویا التی اریناك۔ الخ کا۔

طبری اور قرطبی نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے خواب میں بنی امیہ کو اپنے منبر پر بندروں کی طرح اچھل کود کرتے دیکھا۔ آپؐ بے حد مغموم ہوئے اور مرتے دم تک آپؐ پھر کبھی ہنستے ہوئے نہیں پائے گئے۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وما جعلنا۔ الخ۔

قرطبی نیشاپوری نے ابن عباس سے روایت کی ہے شجرۂ ملعونہ سے مراد بنوامیہ ہیں۔

ابن ابی حاتم نے عبداللہ بن عمر یا عبداللہ بن عمرو عاص سے روایت کی ہے کہ رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا: میں نے حکم بن عاص کی اولاد کو خواب میں بندروں کی طرح اچھلتے ہوئے دیکھا اس پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وماجعلنا الرویا التی اریناك الخ۔ اس آیت میں شجرۂ ملعونہ سے مراد حکم اور اس کی اولاد ہے۔

دوسرے لفظوں میں یہ روایت یوں ہے کہ پیغمبر خداؐ نے خواب میں دیکھا کہ حکم بن امیہ کی اولاد باری باری میرے منبر پر یوں آرہے ہیں جیسے لڑکے گیند سے کھیلتے ہیں کبھی گیند ایک کے پیر میں ہوتی ہے کبھی دوسرے کے اس سے آپ بہت

رنجیدہ ہوئے۔ابوہریرہ کی روایت کی لفظیں یہ ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا مجھے خواب میں دکھلایا گیا ہے جیسے حکم بن عاص کی اولاد میرے منبر پر اس طرح اچھل کود رہی ہے جیسے بندر کودتے ہیں اس خواب کے بعد پیغمبرؐ مرتے دم تک پھر کھل کھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔(تفسیر طبری پارہ ۱۵،ص/۷۷،تاریخ طبری ج/۱۱،ص/۳۵۶)

دوضروری باتیں:

(۱)علامہ قرطبی رویا والی حدیث آیہ وما جعلنا الرویا الخ کی تفسیر میں درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں حضرت عثمان،عمر ابن عبدالعزیز اور معاویہ داخل نہیں۔ہمیں اس سے یہاں بحث مقصود نہیں کہ یہ تینوں رویا والی حدیث میں داخل ہیں یا نہیں ہمیں اس پر کوئی اصرار بھی نہیں بہرحال یہ حضرات بھی بنی امیہ ہی کے چشم و چراغ تھے۔بنی امیہ سے علیحدہ نہیں تھے اور پیغمبرؐ کی لفظیں بالکل صاف اور سیدھی ہیں۔ان میں کسی استثناء کی گنجائش ہے نہ کسی تخصیص کی۔ہم صرف چند حدیثیں پیغمبرؐ کی ذکر کئے دیتے ہیں۔ناظرین کا ذہن پیغمبرؐ کے ان ارشادات کو پیش نظر رکھ کر خود آسانی سے فیصلہ کرے گا کہ آپ پیغمبرؐ نے یہ ارشادات جملہ بنی امیہ کے لیے بالعموم فرمائے ہیں جو بھی بنی امیہ سے تعلق رکھتا ہو۔وہ ان ارشادات کا مصداق ٹھہرتا ہے یا استثناء کی بھی گنجائش ہے۔؟

جناب ابوسعید خدری صحابی پیغمبرؐ سے روایت ہے کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا:

ان اھل بیتی سیلقون من بعدی من امتی قتلا وتشریدا وان اشد ناقوما لنا بغضا بنو امیہ وبنو المغیرہ وبنی مخزوم۔(مستدرک ج/۴،ص/۴۸۷)

میرے اہل بیت میری امت والوں سے بڑے مصائب سے دوچار ہوں گے۔قتل و جلاوطنی اور سب سے زیادہ ہمارے دشمن بنوامیہ،بنومغیرہ اور بنی مخزوم ہیں۔

جناب ابوذر سے مروی ہے کہ رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا:

اذا بلغت بنو امیہ اربعین اتخذوا عباداللہ خولا ومال اللہ نحلا و کتاب اللہ وغلا۔

(مستدرک ج/۴،ص/۴۷۹،کنزالعمال ج/۶،ص/۳۹)

جب بنوامیہ چالیس کی تعداد کو پہنچ جائیں گے تو بندگانِ خدا کو غلام مال خدا کو عطیہ و بخشش اور کتاب خدا کو ذریعہ مکروفریب بنالیں گے۔

حمران ابن جابر یمامی سے منقول ہے کہ پیغمبرؐ نے تین مرتبہ فرمایا ویل ہو بنی امیہ کے لیے۔(اصابہ ج/۱،

ص ر ۳۵۳، جامع کبیر سیوطی)

جناب ابوذر سے مروی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: جب اولاد ابوالعاص ۳۰ مردوں تک پہنچ جائے گی تو یہ مال خدا کو کھلونا بندگانِ الٰہی کو غلام اور دین کو دھوکہ کی ٹٹی بنائیں گے۔

علام بن جفال کا بیان ہے کہ جب ابوذر نے یہ حدیث بیان کی تو لوگوں کو یقین نہیں آیا اس پر حضرت امیرالمومنینؑ نے گواہی دی کہ میں نے پیغمبرؐ کو یہ بھی ارشاد فرماتے سنا ہے کہ زمین نے کسی ایسے کو اپنے اوپر نہیں اٹھایا نہ آسمان کسی ایسے پر سایہ فگن ہوا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو اور میں اس کی گواہی بھی دیتا ہوں کہ ابوذر نے بنی امیہ کے متعلق پیغمبرؐ خدا کی جو حدیث ارشاد فرمائی ہے واقعاً پیغمبرؐ نے ارشاد فرمائی تھی۔(مستدرک ج رص ر ۴۸۰، کنزالعمال ج ر ۶)

حضرت امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے کہ:

لکل امة آفة وافة هذه الامة بنو امية۔(کنزالعمال ج ر ۶، حدیث ر ۹۱)

ہر دین کے لیے کوئی نہ کوئی آفت ضرور رہوا کی اور اس دین میں آفت بنوامیہ ہے۔

ان تمام احادیث کا جائزہ لینے کے بعد اور بنی امیہ کے افراد نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں۔کتب سیر و تواریخ میں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد معمولی بچہ بھی آسانی سے فیصلہ کرنے پر قادر ہے کہ پیغمبرؐ کے ارشادات بنی امیہ کے متعلق عام ہیں یا خاص اور شجرۂ ملعونہ میں سبھی داخل ہیں یا کسی کے خارج ہونے کی گنجائش اور کوئی جائز وجہ بھی ہے۔

(۲) ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں: ابن ظفر کہتے تھے کہ یہ حکم گھناؤنی اور ناقابل علاج بیماری کا عیب لگایا جاتا تھا۔اسی طرح ابوجہل بھی جیسا کہ دمیری کی حیوۃ الحیوان میں ہے اور پیغمبرؐ کا حکم پر اور اس کے بیٹوں پر لعنت فرماں تا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ پیغمبرؐ نے اپنے اس لعنت فرمانے کی تلافی اپنی دوسری حدیث سے کر دی تھی جس میں آپؐ نے وضاحت فرمائی تھی کہ آپ بشر تھے اور اسی طرح غیظ و غضب میں آجاتے جیسا کہ ایک بشر کو آنا چاہیئے اور آپ نے خداوند عالم سے دعا فرمائی تھی کہ میں نے جسے برا بھلا کہا ہے یا لعنت فرمائی ہے یا بددعا کی ہے۔میرے برا بھلا کہنے لعنت کرنے بددعا کرنے کو اس کے لیے رحمت و کفارہ اور ذریعہ طہارت و پاکیزگی قرار دے دے۔اور دمیری نے ابن ظفر کا جو قول نقل کیا ہے جہاں تک ابوجہل کا تعلق ہے بالکل صحیح ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں برخلاف حکم کے کیونکہ حکم صحابی پیغمبرؐ تھا اور بہت برا ہے کہ صحابی پیغمبرؐ کو ایسا عیب لگایا جائے لہٰذا اس کی تاویل یوں کی جائے گی کہ اگر یہ صحیح بھی ہو تو اسلام لانے سے پہلے حکم ایسا تھا اسلام لانے کے بعد نہیں۔(صواعق محرقہ ص ر ۱۰۸)

ابن حجر کی اس تحریر کو کیا کہا جائے اور اس پر کیا تبصرہ کیا جائے پتہ نہیں انہوں نے مزاحاً یہ بات کہی ہے۔ یا سوچ سمجھ کر، ان کا یہ کہنا کہ پیغمبرؐ کا حکم پر لعنت فرمانا حکم اور اس کے بیٹے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اصل میں انہوں نے بخاری و مسلم کی اس حدیث سے اقتباس کیا ہے جو ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

اللهم انما محمد يغضب كما يغضب البشر وانی اتخذت عندك عهدالم تخلفينه فايما مومن اذيته اوسببته اولعنته اوجلدته فاجعلهاله كفارة وقربة تقربه بهااليك۔ (صحیح بخاری پارہ ۴، ص/۱۷، صحیح مسلم ج/۲، ص/۳۹)

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا خداوندا محمد صرف بشر ہے اسی طرح غصہ میں آتا ہے جس طرح دوسرے بشر، میں تجھ سے وعدہ لے چکا ہوں تو ایفاء وعدہ میں کمی نہ کرنا میں نے جس مومن کو اذیت پہنچائی ہو یا گالی دی ہو یا سزا کی ہو یا لعنت کی ہو میرا یہ فعل اس کے گناہوں کا کفارہ اور اپنی قربت اور نزدیکی کا ذریعہ قرار دے۔

یہ حدیث کسی طرح بھی صحیح نہیں نہ ماننے کے قابل ہے۔ پیغمبرؐ خدا اور جملہ انبیاء کرام کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ وہ کسی کو اذیت دیں یا کسی کو ماریں پیٹیں یا گالیاں دیں یا غیر مستحق پر لعنت فرمائیں خواہ خوش ہونے کی حالت میں خواہ غیظ وغضب کے عالم میں بلکہ انبیائے کرام کا ناحق غصہ فرمانا ممکن ہی نہیں خداوند عالم ایسوں کو رسول بنا کر بھیج ہی نہیں سکتا جو غصہ میں آ کر ایسی حرکتیں کرنے لگیں۔ انبیائے کرام ہر ایسے قول وفعل سے پاک وصاف ہیں جو ان کی عصمت کے منافی ہوں اور ایسی ہر بات سے کوسوں دور ہیں جو ان کی شان کے خلاف ہو۔ ہر نیکوکار اور بدکار مومن وکافر جانتا ہے کہ بے قصور مومنین کو محض غصہ میں آ کر ایذا پہونچانا یا انہیں مارنا پیٹنا یا گالی دینا لعنت کرنا بدترین ظلم اور کھلا ہوا فسق ہے، ایسا فعل کوئی انصاف ور مؤمن بھی نہیں کر سکتا لہٰذا سید الانبیین خاتم المرسلینؐ کے لئے یہ اقوال کیوں کر جائز ہو سکتے ہیں اور وہ بھی جب کہ خود آپؐ کا یہ قول بھی ہو کہ سباب المسلم فسوق۔ مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے۔ (صحیح بخاری پارہ ۴، ص/۳۹) کتاب الاداب باب ینہیٰ عنہ من السباب واللعن)

انہیں ابو ہریرہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

قال قيل يارسول الله ادع على المشركين قال انی لم ابعث لعاناوانما بعثت رحمة۔

پیغمبرؐ سے کہا گیا حضور آپؐ مشرکین پر بددعا فرمائیں آپؐ نے فرمایا میں لعنت کے لیے مبعوث نہیں ہوا ہوں میں تو مجسم رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

جب پیغمبرؐ مشرکین پر بددعا کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے تو بے قصور مومنین کے ساتھ یہ سلوک کب کر سکتے تھے۔

پیغمبرؐ کا یہ بھی ارشاد ہے لايكون اللعانون شفعا ولاشهداء يوم القيامة۔ (صحیح مسلم ج/۳،

ص ر ۲۹۳) باہم ایک دوسرے پر لعنت کرنے والے بروز قیامت نہ تو کسی کے سفارشی ہو سکتے ہیں نہ کسی کے گواہ۔

عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ لم یکن رسول اللہ فاحشا متفحشا۔ پیغمبرؐ خدا نہ تو خود کوئی نامناسب ونازیبا بات کرتے نہ کسی کو پسند کرتے۔ آپؐ فرمایا کرتے کہ تم میں پسندیدہ افراد وہ ہیں جو اچھے اخلاق رکھنے والے ہیں۔ (صحیح بخاری پارہ ر ۴)

جناب عائشہ سے کسی نے پیغمبرؐ کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا تم نے قرآن پڑھا ہے کہا ہاں۔ عائشہ نے کہا تو سمجھ لو کہ آنحضرتؐ کا خلق قرآن ہی ہے کتنی اچھی تعریف کی ہے عائشہ نے پیغمبرؐ کی پوری تصویر کھینچ کر اس فقرہ میں رکھ دی۔ کوئی شبہ نہیں کہ عائشہ نے پیغمبرؐ کو ہمیشہ اس کیفیت سے دیکھا ہوگا کہ قرآن آپؐ کے پیش نظر ہے اس کی آیتوں پر آپ کا عمل ہے۔ اس کے علم کی روشنی سے دیدہ و دماغ منور، قرآن کے تمام اوامر ونواہی کے آپ پابند آداب واطور قرآنی سانچے میں ڈھلے ہوئے کلام مجید کی یہ آیتیں پڑھئے اور پیغمبرؐ کے نظریہ اخلاق کا اندازہ کیجئے۔

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا (سورہ ۳۳، آیت ر ۵۸)

اور جو لوگ ایمان دار مرد اور ایمان دار عورتوں کو بغیر کچھ کئے دھرے (تہمت دے کر) اذیت دیتے ہیں تو وہ ایک بہتان اور صریحی گناہ کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھاتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (سورہ ۴۲، آیت ر ۳۸)

اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچے رہتے ہیں۔ اور جب غصہ آجاتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۔ (سورہ ۳، آیت ۱۳۵)

اور غصہ کو روکتے ہیں اور لوگوں کی خطا سے درگذر کرتے ہیں اور نیکی کرنے والوں سے خدا الفت رکھتا ہے۔

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (سورہ ۲۵، آیت ۶۴)

اور جب جاہل ان سے جہالت کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ سلام (تم سلامت رہو)

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (سورہ ۷، آیت ر ۱۹۹)

اے رسول تم درگذر کرنا اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم دو اور جاہلوں کی طرف سے منھ پھیر لو۔

اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۔(سورہ ۴۱، آیت ۳۵)

ایسے طریقے سے جواب دو نہایت اچھا ہو (ایسا کرو گے تو تم دیکھو گے کہ) جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا دل سوز دوست ہے۔

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (سورہ ۲، آیت ۸۳)

لوگوں کے ساتھ اچھی طرح نرمی سے بات کرنا۔

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (سورہ ۲۲، آیت ۳۰)

لغو باتوں سے بچے رہو۔

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (سورہ ۲، آیت ۱۹۰)

حد سے آگے نہ بڑھو کہ خدا حد سے آگے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (سورہ ۲۶، آیت ۲۱۶)

اور جو مومنین تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان کے سامنے اپنے باز و جھکاؤ (خاکساری سے پیش آؤ)

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (سورہ ۳، آیت ۱۵۹)

اے رسولؐ یہ بھی خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم سا نرم دل سردار ان کو ملا ور اگر تم تیز مزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ خدا جانے کب کے تمہارے گرد سے تتر بتر ہو گئے ہوتے۔ پس اب تم بھی ان سے درگذر کرو اور ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگو اور ظاہراً ان سے کام کاج میں مشورہ لیا کرو۔ مگر اس پر بھی جب کسی کام کو ٹھان لو تو خدا ہی پر بھروسہ رکھو۔

یہ تھے ہمارے پیغمبرؐ اور یہ تھا پیغمبرؐ کا دستور اخلاق اور اس طرح آپ مومنین سے پیش آیا کرتے تھے ہمارے پیغمبرؐ ہی کا یہ قول تھا الرجل من ملك نفسه عند الغضب۔ آدمی وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھے۔ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۲۹۶) من یحرم الرفق یحرم الخیر۔ جو نرمی سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا۔ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۹۰) المسلم من سلم الناس من یدہ ولسانہ۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ مختصر یہ کہ کمال اخلاق پیغمبر پر مہر لگا دی۔ قدرت نے یہ کہہ کر کہ انك لعلیٰ خلق عظیم۔ اے پیغمبر تم خلق عظیم پر فائز ہو۔ حد ہو گئی اب اس کے بعد عظمت خلق پیغمبر کا اندازہ کرنا کس کے بس کی بات ہے؟ لہٰذا وہ پیغمبرؐ جو خلق کے اس درجہ پر فائز ہو۔ اس کے متعلق یہ تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ غصہ میں آ کر ناحق کسی پر لعنت فرمائے کسی کو گالی دے یا جسمانی

اذیت پہنچائے؟ خدا کی پناہ کوئی معمولی عقل والا اس کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا۔

اصل قصہ یہ ہے کہ ابو ہریرہ نے معاویہ کے مقربین خاص میں شمار ہونے اور آل ابی العاص بلکہ جملہ بنی امیہ کی خوشامد و چاپلوسی کی غرض سے یہ حدیث گڑھی اور مقصد یہ تھا کہ پیغمبرؐ بنی امیہ کے منافقین اور فرعون خصال اعزاء پر جولعنت فرما گئے ہیں وہ لعنت مٹ جائے، بنی امیہ لوگوں کو راہ خدا سے روکتے گمراہی وضلالت پھیلاتے تھے۔ پیغمبرؐ نے بارہا ان پر لعنت فرمائی اور دنیاو آخرت میں ہمیشہ کے لیے ان کی ذلت ورسوائی پر مہر فرمادی تھی تا کہ ہر فرد بشر یہ سمجھ لے کہ اللہ ورسولؐ سے انہیں کوئی تعلق نہیں اور ان کے نفاق سے دین کو نقصان نہ پہنچنے پائے اور ان کی مفسدہ پردازیوں سے امت اسلام بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے۔ پیغمبرؐ نے کسی ذاتی عداوت یا خاندانی دشمنی کی بنا پر ان پر لعنت نہیں فرمائی بلکہ محض تقرب الی اللہ اور کتاب الٰہی اور عام مسلمانوں کی بھلائی و بہبودی کے لیے ایسا کیا۔ پیغمبرؐ خدا نے خواب میں دیکھا تھا کہ حکم بن العاص کی اولاد آپؐ کے منبر پر اچک پھاند رہی ہے جس طرح بندر اچکا کرتے ہیں اور لوگوں کو الٹے پیروں پھر کفر کی طرف پلٹائے جارہے ہیں۔ اس خواب کا اتنا عظیم اثر ہوا۔ پیغمبرؐ پر کہ آپؐ پھر مرتے مرتے کبھی کھل کر ہنستے نہیں پائے گئے۔ (مستدرک امام حاکم ج ۴، ص ۴۸۰، کتاب الفتن والملاحم) امام حاکم نے اس حدیث کو لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث بخاری ومسلم کے معیار پر بھی صحیح ہے۔ علامہ ذہبی نے بھی باوجود شدید متعصب ہونے کے اس حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ اس سے خاندان بنی امیہ مراد ہے۔ جس کے متعلق خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو بذریعہ خواب خبر دی تھی کہ یہ پیغمبرؐ کی جگہ پر زبردستی قبضہ، پیغمبرؐ کے جگر گوشوں کو ہلاک و برباد اور امت اسلام میں فتنہ وفساد پھیلائیں گے۔ اسی کا اتنا صدمہ ہوا قلب مبارک پیغمبرؐ پر کہ آپؐ مرتے دم تک پھر کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔ پیغمبرؐ کا یہ خواب علامات نبوت اور آیات سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق متعدد صحیح حدیثیں موجود ہیں جو حد تواتر تک پہونچی ہوئی ہیں۔

پیغمبرؐ اسلام نے ان لٹیروں کی قلعی کھول کر رکھ دی، ان کے متعلق بانگ دہل اعلان فرمادیا تا کہ ان کی حقیقت سمجھنے کے بعد ان سے دوستی اختیار کی جائے یا ان سے نفرت وبیزاری پیغمبرؐ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

امام حاکم کتاب الفتن والملاحم کو ختم کرتے ہوئے کیا اچھا فقرہ تحریر فرماتے ہیں۔

لیعلم طالب العلم ان هذا باب لم اذکر فیه ثلث ماروی وان اول الفتن فی هذه الامة فتنتهم قال ولم یسحنی فیما بینی وبین الله ان اخلی الکتاب من ذکرهم۔ (مستدرک ج ۴، ص ۴۸۱)

اس باب میں جتنی حدیثیں موجود ہیں میں نے ایک تہائی بھی نہیں ذکر کیں۔ واقعہ یہ ہے کہ امت اسلام میں بنی امیہ کا فتنہ پہلا فتنہ تھا اس کے بعد امام حاکم تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ خدا کو ایک نہ ایک دن منھ دکھانا ہے لہٰذا بنی امیہ اور ان کے

متعلق پیغمبرؐ کے ارشادات کچھ نہ کچھ درج کرنے ہی پڑے بغیر ذکر کئے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

امام حاکم کے اس جملہ سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہتی کہ وہ جمہور مسلمین سے خائف تھے ڈرتے تھے کہ ان صحیح حدیثوں کو درج کرنے پر عوام بھڑک نہ اٹھیں۔ اسی لیے انہوں نے معذرت کی کہ میں نے محض اس بنا پر کہ ایک دن خدا کا سامنا کرنا ہے یہ حدیثیں بھی پیغمبرؐ کی درج کرنی ضروری سمجھیں۔

ان حقائق وواقعات کی روشنی میں یہ امر اچھی طرح آشکار ہوگیا کہ ابوہریرہ اوران کے ہم مشرب افراد نے اس قسم کی جتنی حدیثیں اختراع وایجاد کیں۔ ان کی تہہ میں درحقیقت یہی غرض پوشیدہ تھی کہ پیغمبرؐ کی دی ہوئی لعنت ڈھل جائے جو ہر اموی کو روسیاہ کئے ہوئے تھی۔

لائق ماتم تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں نے لاشعوری طور پر ان ملعون منافقین کی پاسداری کر کے پیغمبرؐ اسلام کا لحاظ ترک کر دیا اور وہ یوں کہ بنی امیہ کی اعانت کرتے ہوئے ان مہملات وخرافات کو صحیح جانا اور یہ نہ خیال کیا کہ ان حدیثوں کی وجہ سے پیغمبرؐ کی عظمت خاک باقی نہیں رہتی۔ مقام عبرت ہے کہ امت والے ان ملعونین کی پگڑی سنبھالنے کی فکر میں سرگرداں رہے جن کے نفاق سے مجبور ہو کر پیغمبر نے لعنت فرمائی۔ ان کی مفسدہ پردازیوں کے پیش نظر انہیں مدینہ سے نکال باہر کیا مگر اس مصلحت ومنفعت کو ضائع وبرباد کر دیا جو پیغمبرؐ نے انہیں ملعون ومطرود فرمانے میں ملحوظ رکھی تھی۔ حالانکہ انہیں ملعونوں نے لیلۃ عقبہ جب کہ پیغمبرؐ تبوک سے واپس آرہے تھے۔ پیغمبرؐ کے اونٹ کو بھڑکایا تاکہ پیغمبر گر پڑیں اور ہلاک ہوجائیں۔ مشہور واقعہ ہے جس کے ضمن میں یہ بھی ہے کہ پیغمبرؐ نے اس دن ان سب پر لعنت فرمائی۔ مسلمانوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ ان بنی امیہ کی حمایت میں اتنی سرگرمی دکھاتے ہیں اور انہیں بنی امیہ نے پیغمبرؐ کا عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ ہر طرح کا رنج پہنچایا۔ ہر لمحہ جان لینے کی سازشیں کیں۔ آپؐ پر اور آپؐ کے اہلبیتؑ[1] پر ہر قسم کے حملے کئے پیغمبرؐ نے ان پر اسی غرض سے لعنت فرمائی تاکہ خداوند عالم انہیں اپنی رحمت سے دور رکھے اور امت اسلامی اجماعی طور پر ان سے کنارہ کش اور نفور رہے اس لئے نہیں لعنت فرمائی تھی کہ آپؐ کی لعنت ان کے لیے ذریعۂ قرب الٰہی ہو جیسا کہ ابوہریرہ اور علامہ ابن حجر کہتے ہیں ”اچھا فرض بھی کرلیا جائے کہ پیغمبرؐ

---

[1] زبیر بن بکار نے امام حسنؑ اور آپ کے حریفوں کی گفتگو نقل کی ہے۔ امام حسنؑ شام میں تشریف فرما تھے۔ آپ میں اور معاویہ عتبہ برادر معاویہ، ابن عاص، ابن عقبہ، ابن شعبہ وغیرہ میں کچھ تیز باتیں ہوئیں۔ سلسلۂ گفتگو میں امام حسنؑ نے فرمایا تھا۔ تم لوگ جانتے ہو پیغمبر نے سات مقامات پر ابوسفیان پر لعنت فرمائی تھی تم لوگ اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ پھر آپ نے سلسلہ وار ایک ایک مقام کا تذکرہ کیا پھر ابن العاص کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم بھی جانتے ہو اور دیگر لوگ بھی جانتے ہیں کہ تم نے ستر شعر پیغمبر کی ہجو میں کہے۔ اس پر پیغمبر نے کہا تھا خداوندا میں شعر تو کہتا نہیں نہ مجھے مناسب ہی ہے تو ہر حرف کے عوض ہزار بار اس پر لعنت فرما۔ اس لحاظ سے تم پر خدا کی بے حدوحساب لعنت ہوئی۔ بہت طولانی قصہ ہے۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۲/ ص ۱۷/ تا ۱۰۴، اور احتجاج علامہ طبرسی)

نے حکم پر لعنت فرمائی اور پھر اس لعنت کی یہ کہہ کر تلافی بھی کر دی کہ میں بشر ہوں اور غیظ وغضب بشری خصوصیات سے ہے لیکن قرآن مجید کتاب الٰہی میں جو آیتیں حکم کے متعلق نازل ہو چکی ہیں ان کے متعلق علامہ ابن حجر کیا فرماتے ہیں کیا خداوند عالم نے بھی اتنی سخت شدید آیتیں حکم کے متعلق از راہِ رحمت و کرم اور برائے طہارۃ وکفارہ نازل کی تھیں۔ پیغمبرؐ تو بشر تھے، بشری جذبات کے ماتحت لعنت فرما گئے کیا خداوند عالم بھی بشری خصوصیات کا حامل ہے جو انہیں شجرۂ ملعونہ سے اپنے کلام پاک میں تعبیر کرتا ہے۔

تماشا یہ کہ علامہ ابن حجر کو حکم کی صحابیت کی اتنی لاج اور ان کے پیر ومرشد حضرت ابوبکر کھلے لفظوں میں حضرت عثمان سے فرماتے ہیں۔ عمك فی النار۔ تمہارے چچا حکم بن عاص جہنم ہی میں جائیں گے۔ حضرت عمر نے فرمایا تھا۔ ویحك یا عثمان بتکلم فی لعین رسول اللہ وطریدہ وعدو رسولہ۔ وائے ہو تم پر اے عثمان تم ایسے شخص کی مجھ سے سفارش کر رہے ہو جس پر پیغمبرؐ نے لعنت فرمائی ہے جسے مدینہ سے نکال باہر کیا جو خدا کا بھی دشمن ہے اور رسولؐ کا بھی۔

ضروری سوال:

ان تمام حقائق کا علم ہونے کے بعد ہر شخص کے دل و دماغ میں یہ الجھن ضرور پیدا ہوگی کہ ایسا شخص جس پر پیغمبرؐ نے صاف صاف نام لے کر لعنت فرمائی ہو جسے آپؐ نے مدینہ سے باہر نکال باہر کیا ہو جس کے متعلق کلام مجید کی سخت ترین آیتیں پیام عذاب بن کر نازل ہو چکی ہوں جس پر پیغمبرؐ خدا مسلسل لعنت فرمایا کئے ہوں۔ حضرت عثمان نے کن اسباب کی بنا پر اسے اتنی گرانقدر نوازشوں کا مستحق سمجھا جس کی خباثت وشرارت سے باشندگان مدینہ کو محفوظ رکھنے کے لیے آنحضرتؐ نے اسے جلا وطن کیا ہو کیوں اسے مدینہ واپس بلانے کی جرأت کی۔؟

حضرت عثمان ابوبکر وعمر کے عہد خلافت میں ان تھک کوشش کر کے مایوس ہو چکے تھے اور باوجود اس اتحاد و یگانگت کے جو انہیں شیخین سے حاصل تھی اس مسئلہ میں کورا جواب پا چکے تھے۔ ہر ایک نے صاف صاف لفظوں میں انہیں جواب دے دیا تھا کہ لا احل عقدۃ عقدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو گرہ پیغمبر ڈال گئے ہیں ہم اسے نہیں کھول سکتے۔ (کتاب الانساب بلاذری ج ۲ ص ۵۷، ریاض نضرہ ج ۲ ص ۱۴۳، اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۵، سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۳۲۷، اصابہ ج ۱ ص ۲۴)

علامہ حلبی لکھتے ہیں۔ کہ حکم کو طرید رسولؐ اور لعین پیغمبرؐ کہا جاتا ہے۔ یعنی پیغمبرؐ کا شہر بدر کردہ اور لعنت کردہ۔ رسالت مآبؐ نے اسے طائف کی طرف شہر بدر کر دیا تھا۔ جہاں وہ پیغمبرؐ کی زندگی اور ابوبکر کی مدت خلافت تک رہا۔ حضرت عثمان نے ابوبکر سے درخواست کی تھی کہ حکم کو مدینہ واپس آنے دیا جائے۔ حضرت ابوبکر نے انکار کیا حضرت عثمان نے کہا حضور وہ میرا چچا ہے حضرت ابوبکر نے کہا یہ چچا تمہارا جہنم میں جائے گا۔ ناممکن ہے ناممکن ہے کہ رسولؐ اللہ کے کام میں تغیر وتبدل کروں۔ خدا کی

قسم میں اسے کبھی مدینہ واپس نہیں بلا سکتا۔ جب ابو بکر کا انتقال ہو گیا اور خلیفہ عمر ہوئے تو حضرت عثمان نے ان سے بھی شفارش کی۔ حضرت عمر نے کہا وائے ہو تم پر عثمان تم ایسے شخص کی مجھ سے سفارش کر رہے ہو جس پر پیغمبرؐ نے لعنت فرمائی اور جسے نکال باہر کیا تھا جو خدا کا بھی دشمن ہے اور رسول خداؐ کا بھی جب حضرت عثمان خود خلیفہ ہوئے تو اب موقع تھا انہوں نے فوراً اسے مدینہ واپس بلا لیا۔ اور یہ اقدام مہاجرین و انصار دونوں کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ اور حضرت عثمان کے خلاف بعد میں جو محاذ قائم ہوا ان میں سب سے بڑا سبب تھا۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۷۵) کیا حضرت عثمان کے لیے مناسب نہ تھا؟ کہ پیغمبرؐ کی اتباع کرتے کیا ان کے اعزا و اقرباء خدا اور رسولؐ سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے جب کہ قرآن مجید نے صاف صاف لفظوں میں آگاہی دے دی ہے کہ:

قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَاْتِيَ اللهُ بِاَمْرِهِ وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (سورہ توبہ)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بی بیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو۔ یہاں تک کہ خداوند عالم اپنا حکم بھیج دے اور اللہ فاسقین کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

پھر اس پر اکتفا نہیں کیا کہ حکم کو مدینہ واپس بلا لیا۔ اس کی جلاوطنی منسوخ کر کے پھر مسلمانوں کو اس کی خباثت و شرارت سے دو چار کر دیا بلکہ صدقات و زکوٰۃ کی وصولی پر فائز بھی کر دیا۔ جس میں پہلی شرط دیانت داری و امانتداری ہے اور ملعون عاص نہ ثقہ ہو سکتا ہے نہ امانتدار، اور قیامت بالائے قیامت یہ کہ جو زکوٰۃ کی وصولی اس کے ہاتھوں پر ہوئی وہ اسی کو بخش بھی دی گئی۔

مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات کی جو کچھ وصولی ہو اس کے متعلق پیغمبرؐ کے واضح بیانات موجود ہیں۔ اور پیغمبرؐ ہی کے زمانے میں نہیں بلکہ ابو بکر و عمر کے عہد میں بھی یہی عمل رہا کہ جس قبیلہ اور جس شہر سے زکوٰۃ و صدقات کی وصولی ہو اسی قبیلہ اور اسی شہر کے فقرا و مساکین میں وہ سب تقسیم کر دیا جائے۔

علامہ ابو عبید اپنی کتاب الاموال میں لکھتے ہیں۔ تمام علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر شہر کے باشندے یا ہر چشمہ کے ساکنین اپنے یہاں کے وصول شدہ صدقات کے زیادہ مستحق ہیں جب تک کہ ان میں ایک دو بھی صاحبان حاجت موجود ہیں۔ اسی کے متعلق واضح طور پر پیغمبرؐ کی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اس کے بعد علامہ ابو عبید متعدد حدیثیں نقل کرنے کے بعد لکھتے

ہیں کہ یہ تمام احادیث وروایات بتاتی ہیں کہ ہر قوم اپنے یہاں کی صدقات کی زیادہ مستحق ہے جب تک ان کی احتیاج برطرف نہ ہو جائے۔(کتاب الاموال ص/ ۵۹۶)

کون بتائے کہ حضرت عثمان نے قبیلہ قضاعہ کی صدقات تین لاکھ درہم جو سب کے سب اٹھا کر حکم کو دے دیئے تھے کیا قبیلہ قضاعہ میں کوئی صاحب حاجت نہیں تھا جس کی حاجت دور کی جاتی یا مدینہ منورہ میں دوسرے مسلمان حاجت مند نہیں تھے جن میں یہ تین لاکھ درہم علی السویہ تقسیم ہوتے۔ خداوندعالم کا تو ارشاد ہے۔ انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها۔صدقات فقیروں، محتاجوں اور ان کی وصولی پر مقرر افسران کا حق ہے پھر ایک اکیلے حکم کو کل کے کل تین لاکھ درہم اٹھا کر دے دینے کی کیا وجہ تھی؟

نیز یہ کہ وہ تین لاکھ درہم جن مسلمانوں سے صدقات میں حکم کے ذریعہ وصول کرائے گئے اور پھر اسی کو بخش دیئے گئے کیا ان صدقات کے ادا کرنے والے مسلمان صدقات دے دینے کے بعد سبکدوش سمجھے جائیں گے یا نہیں؟ ایک اور مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ تین لاکھ درہم صدقات کے جن مسلمانوں سے وصول کیے گئے خواہ ان مسلمانوں نے خوشی خاطر ادا کیا ہو یا جبراً قہراً اور یہ جانتے سمجھتے ہوئے کہ ہماری ان صدقات کا حشر کیا ہوگا اور کن ہاتھوں میں جائے گا۔ اور کن کن ناجائز وحرام مصارف میں یہ صرف ہوں گے؟ کیا وہ غریب و بے بس مسلمان صدقات حوالہ کرنے کے بعد اپنے کو فارغ الذمہ سمجھے ہوں گے یا مشغول الذمہ۔ ارشادِ خداوند ہے کہ خذ من اموالهم صدقة تطهرهم بها وتزكيهم۔ ان کے اموال سے صدقات لے لو۔ یہ ان کی پاکیزگی وطہارت کا باعث ہوگا۔ کیا صدقات ادا کرنے کے بعد وہ بے چارے یہ خیال کرنے میں حق بجانب تھے کہ ہماری یہ ادائیگی ہمارے لئے طہارت و پاکیزگی کا باعث ہوگی۔

حضرت عثمان مدعی تھے کہ میں نے پیغمبرؐ کی حیات ہی میں حکم کی واپسی کے لیے پیغمبرؐ سے سفارش کی تھی اور پیغمبرؐ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں واپس بلالوں گا مگر پیغمبرؐ کی عمر نے وفا نہ کی اور اس کی واپسی کا حکم آپ صادر نہ فرما سکے اس دعویٰ پر سوال کیا جاسکتا ہے کہ اگر واقعاً پیغمبرؐ نے اس قسم کا وعدہ فرمایا تھا تو یہ صرف حضرت عثمان ہی کو کیوں معلوم ہوسکا دوسرے کسی صحابی کو کیوں نہ معلوم ہوا۔ حضرت ابوبکر کو بھی پیغمبرؐ کے اس وعدہ کی خبر نہ ہوسکی۔ نہ حضرت عمر کو ہوئی۔ اور اگر حضرت عثمان ہی سے پیغمبرؐ نے یہ وعدہ فرمایا تھا تو ابوبکر وعمر سے جب ان کے عہد خلافت میں آپ نے حکم کی سفارش کی تھی اور اپنے چچا ہونے کا واسطہ دیا تھا۔ اور ان دونوں نے ان کی سفارش نامنظور کردی اس وقت حضرت عثمان نے ابوبکر وعمر سے پیغمبرؐ کے اس وعدہ کا ذکر کیا یا نہیں کیا؟ اگر نہیں؟ تو کیوں؟ کیا اتنے دن بھولے رہے؟ جب خود خلیفہ ہوئے تو پیغمبرؐ کا کیا ہوا وعدہ یاد آیا اور ۲۵/ برس

تک ذہن سے فراموش رہا اور اگر حضرت ابوبکر وعمر سے پیغمبرؐ کے اس وعدہ کا انہوں نے ذکر کیا تھا تب بھی دو صورتیں ہیں یا تو حضرت ابوبکر وعمر نے انہیں جھوٹا سمجھا۔ ان کی بات کا کسی کو یقین نہیں آیا بھلا کسی کی مجال ہو سکتی ہے کہ ایسی بات زبان سے نکال سکے؟ یا یہ کہ انہوں نے سچا سمجھا مگر پھر بھی حکم کو واپس بلانے پر تیار نہیں ہوئے تو یہ اور بھی مشکل ہے کہ پیغمبرؐ کا وعدہ ہوتے ہوئے بھی حضرت ابوبکر وعمر کو حکم کی جلاوطنی پر اصرار رہا۔ سچ تو یہ ہے کہ ذرا بھی گنجائش ہوتی تو ابوبکر وعمر عثمان کی سفارش کو اس طرح ٹھکرا نہ دیتے ضرور حکم کو واپس بلا لیتے لیکن ان کے نزدیک بات اتنی پختہ اور رسولؐ اللہ نے ایسی گرہ لگا دی تھی جو کھل نہیں سکتی تھی۔

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں۔ فما اجابا الیٰ ذالك ونقاه عمر من مقامه باليمن اربعين فرسخاً۔ (ملل ونحل ج ر ۱ ص ر ۲۵) حضرت ابوبکر وعمر نے عثمان کی بات مانی ہی نہیں اور حضرت عمر نے تو کمال یہ کیا کہ حکم اس وقت جہاں تھا وہاں سے ۱۲۰ میل دور اور پھینک دیا اور گویا اس طرح بقول علامہ ابن عبدربہ قرطبی اور علامہ ابوالفداء حکم رسولؐ کا شہر بدر کیا ہوا بھی تھا اور ابوبکر وعمر کا شہر بدر کردہ تھی اور شیخین ہی کی طرح عام صحابہ پیغمبرؐ حکم اور فرزند ابن حکم کی واپسی کو ناجائز وحرام جانتے تھے ورنہ حضرت عثمان کے واپس بلانے پر اتنے برہم نہ ہوتے کہ ان کی خلافت کا تختہ الٹنے پر راضی ہو گئے۔

حضرت عثمان کے اس اقدام کی ایک اور معذرت علامہ ابن عبدربہ قرطبی نے لکھی ہے۔

لما ردّ عثمان الحكم طريد النبی وطريد ابی بکر وعمر الی المدينة تكلم الناس فی ذالك فقال عثمان ما تنقم الناس منّی بانی، وصلت رحماً وقريت عيناً۔ (عقد الفرید ج ر ۲ ص ر ۲۷۲)

جب حضرت عثمان نے حکم طرید پیغمبرؐ اور طرید ابی بکر وعمر کو مدینہ واپس بلا لیا تو لوگوں نے اس کا آپس میں چرچا کیا۔ حضرت عثمان کو جب اس کی خبر معلوم ہوئی تو آپ نے کہا یہ لوگ کس بات پر مجھ سے ناراض ہیں میں نے تو صرف صلہ رحم کیا ہے۔ اور آنکھیں ٹھنڈی کی ہیں۔

حضرت عثمان کا یہ عذر بڑی حد تک صحیح ہے اور ہم اس کے متعلق زیادہ کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتے۔ وہ خود ہی اقرار کر رہے ہیں کہ ہم نے حق قرابت ورشتہ داری ادا کیا ہے۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ حکم اور اولاد حکم کو مدینہ واپس بلا لینا اور ان کو مسلمانوں کا حاکم اور شریعت اسلام پر ان کو مسلط کر دینا ان کو مقطعے اور جاگیریں دینا امت اسلام کے ساتھ انتہائی زیادتی تھی۔ حضرت عثمان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی ہوں تو ہوئی ہوں، کسی باغیرت مسلمان کی نہیں ہو سکتیں۔

پانچویں فصل

مروان بن حکم پر عنایات

حضرت عثمان نے افریقہ کی جنگ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس کا خمس جس کی تعداد پانچ لاکھ اشرفیاں ہوتی تھیں اپنے داماد اپنی بیٹی ام ابان کے شوہر مروان بن حکم کو جو آپ کا چچازاد بھائی بھی تھا بخش دیا۔ اسی واقعہ کے متعلق عبدالرحمان بن حنبل کندی حضرت عثمان سے خطاب کر کے کہتا ہے۔

ساحلف باللہ جھد الیمب
ان ماترك اللہ امرا سدیٰ
ولا کن خلقت لنا فتنة
لکی نبتلی لك اوتبتلی
فان الامینین قد بینا
منار الطریق علیه الهدیٰ
فما اخذا درهما غیلة
وماجعلا درهما فی الهویٰ
دعوت اللعین فادنیته
خلافا لسنة من قد مضی
واعطیت مروان خمس العبا
دظلمالهم وجمیت الحمیٰ

میں خدا کی سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ خداوند عالم نے کسی چیز کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا لیکن آپ نے اے عثمان ہمارے لئے ایک فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ اپنے لئے آزمائش یا ہمارے لئے آزمائش۔ ابوبکر وعمر نے ہدایت کے راستے واضح کر دیے تھے۔ انہوں نے ایک درہم بھی ہتھیایا نہیں نہ ایک درہم اپنی خواہش کے مطابق خرچ کیا۔ تم نے ایک تو حکم بن عاص کو جو طرید رسولؐ تھا اور جس پر پیغمبرؐ نے لعنت فرمائی تھی۔ مدینہ واپس بلایا اور اسے مقرب خاص بنایا۔ اور اپنے اگلوں کے طریقہ کی مخالفت کی۔ دوسرے یہ کہ مال خمس جو تمام بندگان خدا کا مشترکہ مال تھا تم نے حکم کے بیٹے مروان کو ازراہِ ظلم دے دیا اور اپنے

لیے مخصوص چرا گاہیں قرار دیں۔ (معارف ابن قتیبہ ص/۸۴، تاریخ ابوالفداء ج/۱ص/۱۶۸، عقد الفرید ج/۲ص/۲۶۱)

علامہ بلاذری نے عبداللہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ ۲۷ھ میں حضرت عثمان نے ہم لوگوں کو افریقہ جنگ کرنے کے لیے بھیجا، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جو فوجِ اسلام کا سپہ سالار اعلیٰ تھا اسے بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا۔ چار حصے اس مال غنیمت کے تو فوج میں تقسیم ہوئے پانچواں حصہ (مال خمس) حضرت عثمان خلیفہ وقت کی خدمت میں حاضر کیا گیا وہ سب کا سب آپ نے اٹھا کر مروان کو دے دیا۔

ابومخنف کی روایت کی لفظیں یہ ہیں کہ مروان نے اس مال خمس کو دو لاکھ دینار میں خرید لیا اور اس کے متعلق حضرت عثمان سے گفتگو کی تو آپ نے وہ دو لاکھ دینار بھی بخش دیئے، لوگوں نے عثمان کے اس فعل کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ (کتاب الانساب ج/۵، ص/۲۷۔۲۸)

واقدی کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ حاکم افریقہ نے بیس لاکھ بیس ہزار دینا پر صلح کر لی تھی، حضرت عثمان نے ایک دن کے اندر وہ کل رقم آل حکم یا یوں کہا جائے کہ آل مروان کو اٹھا کر دے دی۔ (تاریخ ابن کثیر ج/۷، ص/۱۵۲)

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے۔ افریقہ کا خمس مدینہ لایا گیا اسے مروان نے پانچ لاکھ دینار میں خرید لیا۔ حضرت عثمان نے پانچ لاکھ دینار اسے معاف کر دیئے یہ فعل ان کا منجملہ ان افعال کے ہے جن کی لوگوں نے آگے چل کر گرفت کی خمس افریقہ کے متعلق یہی قول بہتر ہے۔ یوں کہنے کو بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے افریقہ کا خمس عبداللہ بن سعد کو دے دیا تھا بعض کہتے ہیں مروان کو دے دیا تھا۔ اسی سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمان نے افریقہ کی پہلی لڑائی میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اس کا خمس عبداللہ بن سعد کو دیا تھا اور دوسری لڑائی جس میں پورا افریقہ فتح ہو گیا تھا اس کا خمس مروان کو دیا تھا۔ (تاریخ کامل ج/۴، ص/۳۸)

علامہ بلاذری اور ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان نے مصر کی لڑائی میں جو مال خمس ہاتھ آیا تھا وہ مروان کو لکھ دیا تھا اور اپنے قرابت داروں کو جی کھول کر مال و زر عنایت کئے اور تاویل یہ کی کہ میں نے صلہ رحم کیا ہے جس کا خداوند عالم نے حکم دیا ہے۔ آپ نے مال و زر اپنے ذاتی امور میں صرف کیا اور بیت المال سے قرض لئے اور فرمایا کہ ابوبکر وعمر نے اپنے حق چھوڑ دیئے تھے اور میں نے اپنا حق لے کر اپنے اعزا میں تقسیم کر دیا ہے۔ لوگوں نے حضرت عثمان کی ان حرکتوں کو سخت ناپسند کیا اور ان پر اعتراضات کئے۔ (طبقات ابن سعد ج/۴، ص/۲۴ طبع لدن کتاب الانساب بلاذری ج/۵، ص/۲۵)

علامہ بلاذری نے ام بکر بنت مسور سے روایت کی ہے کہ جب مروان نے مدینہ میں اپنا گھر تعمیر کیا تو لوگوں کی بڑے

پیمانہ پر دعوت کی۔ دعوت میں میرے باپ مسور بھی مدعو تھے۔ مروان نے سلسلہ گفتگو میں کہا خدا کی قسم میں نے اپنے اس گھر کے بنانے میں ایک درہم بھی مسلمانوں کے مال سے خرچ نہیں کیا۔ مسور نے کہا اگر چپکے رہ کر اپنا کھانا کھاتے تو یہ زیادہ بہتر تھا۔ تم نے ہمارے ساتھ افریقہ کی لڑائی میں شرکت کی تھی۔ تم سب سے زیادہ مفلس اور بے مال واسباب تھے نہ تمہارے پاس نوکر چاکر تھے نہ غلام۔ حضرت عثمان نے افریقہ کی لڑائی سے جتنا مال خمس وصول ہوا تھا وہ سب اٹھا کر تم کو دے دیا پھر صدقات کی وصولی پر تمہیں حاکم بھی مقرر کر دیا تم نے مسلمانوں کے مال سے خوب خوب ہاتھ رنگے۔ مروان نے اس کی شکایت عروہ سے کی کہ میں تو ان کا اتنا احترام کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ ایسی زیادتی کرتے ہیں۔ (کتاب الانساب ج ۵ ص ۲۸)

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے مروان کو بیت المال سے ایک لاکھ دینے کا حکم صادر فرمایا اور اپنی دختر ام ابان سے اس کی شادی کر دی، اس پر زید بن ارقم جو بیت المال کے خزانچی تھے کنجیاں لے کر آئے اور حضرت عثمان کے سامنے پھینک کر رونے لگے۔ حضرت عثمان نے کہا میں نے صلہ رحم کیا اور حق قرابت ورشتہ داری جو ادا کیا ہے اس پر تم روتے ہو کہا نہیں بلکہ اس پر روتا ہوں کہ تم نے پیغمبرؐ کی زندگی میں راہ خدا میں جو مال وزر خرچ کئے تھے اس کا عوض وصول رہے ہو۔ اگر تم مروان کو سو درہم بھی دیئے ہوتے تو بہت زیادہ تھے۔ حضرت عثمان نے کہا کنجیاں رکھ دیجئے اور تشریف لے جائیے۔ ہمیں آپ کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے خزانچی مل جائیں گے۔ انہیں دنوں ابوموسیٰ اشعری عراق سے مال کثیر لے کر آئے حضرت عثمان نے کل کا کل بنی امیہ میں تقسیم کر دیا۔ (شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۶۷)

علامہ حلبی لکھتے ہیں۔ من جملہ ان باتوں کے جو حضرت عثمان سے لوگوں کی ناراضی کا سبب ہوئیں۔ یہ بات بھی تھی کہ انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی مروان کو ایک لاکھ پچاس اوقیہ عنایت کیا۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۸۷) ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے یعنی چالیس لاکھ دو ہزار درہم مروان کو عنایت کئے۔

مروان بن حکم:

گذشتہ صفحات میں وہ حدیثیں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں پیغمبرؐ نے مروان کے باپ حکم پر لعنت فرمائی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی صلب سے پیدا ہونے والی اولاد پر بھی۔ وہیں ہم نے حضرت عائشہ کا مروان سے یہ کہنا بھی ذکر کیا ہے کہ پیغمبرؐ نے تیرے باپ پر لعنت فرمائی تھی تو بھی خدا کی لعنت کا شریک وحصہ دار ہے۔

عبدالرحمان بن عوف سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں جو بچہ پیدا ہوتا وہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں لایا جاتا مروان جب پیدا ہوا تو وہ بھی لایا گیا۔ آپؐ نے دیکھتے ہی فرمایا ھو الوزغ بن الوزغ الملعون بن الملعون۔ یہ چھپکلی

ہے چھپکلی کا بیٹا یہ ملعون ہے ملعون کا فرزند۔ (مستدرک ج ر، ص ر ۴۷۹، حیٰوۃ الحیوان ج ر ۲، ص ر ۳۹۹، صواعق محرقہ ص ر ۱۰۸، سیرۃ حلبیہ ج ر ۱، ص ر ۳۳۷) معاویہ نے بھی مروان کے الوزغ ابن الوزغ ہونے کی طرف ایک مرتبہ تعریض کی تھی۔ اور مروان سے کہا تھا۔ یاابن الوزغ لست ھُھنا۔ (نہج البلاغہ ج ر ۲، ص ر ۵۶)

جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ہم لوگ پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر تھے ادھر سے حکم بن عاص گذرا آپؐ نے فرمایا ویل لامتی مما فی صلب ھٰذا۔ اس حکم کے صلب میں جو اولاد ہے اس سے ہماری امت عذاب سے دو چار ہوگی۔

(اسد الغابہ ج ر ۲، ص ر ۳۴، اصابہ ج ر ۱، ص ر ۳۴۶، سیرۃ حلبیہ ج ر ۱، ص ر ۳۳۷، کنزالعمال ج ر ۶، ص ر ۴۰)

علامہ ابن ابی الحدید استیعاب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ نے مروان پر نظر کی اور فرمایا: ویل لك وویل لامة محمد منك ومن بیتك اذا شاب صدغاك۔ تجھ پر عذاب ہو تیری وجہ سے اور تیرے گھر والوں کی وجہ سے امت محمدیہ بڑے سخت مصائب سے دو چار ہوگی یہ اس وقت جب تیرے بڑھاپے کا آغاز ہوگا۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ر ۲، ص ر ۵۵)

امیر المومنینؑ جب تخت نشین خلافت ہوئے اور مروان بیعت کے لیے آیا اور امام حسنؑ وحسینؑ نے اس کی سفارش کی ہے تو حضرتؑ نے فرمایا کیا اس نے پہلے میری بیعت نہیں کی تھی مجھے کوئی حاجت نہیں یہ ہاتھ اس کا یہودی کا ہاتھ ہے۔ اگر آج ایک ہاتھ سے بیعت کرے گا تو کل دوسرے ہاتھ سے غداری کرے گا اسے کچھ دنوں کے لیے حکومت حاصل ہوگی جو اتنی ہی حقیر ہوگی جیسے کتے کا اپنی ناک چاٹنا۔ یہ مروان چار مینڈھوں کا باپ ہوگا یعنی فرزندان عبدالملک، ولید، سلیمان، یزید وہشام کا مورث اعلیٰ ہوگا۔ عنقریب امت اس سے اور اس کی اولاد سے ایک شدید دن کا سامنا کرے گی۔ (نہج البلاغہ)

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؑ نے ایک دن مروان کو دیکھ کر ارشاد فرمایا جب اس کی کنپٹیوں کے بال سپید ہونے لگیں اس وقت گمراہی کا یہ علمبردار ہوگا اور اسے حکومت حاصل ہوگی جو ایسی ہی قلیل المنفعت اور حقیر و ذلیل ہوگی جیسے کتنے کتے کا اپنی ناک چاٹنا۔ (طبقات ابن سعد ج ر ۵، ص ر ۳۰ طبع لیدن)

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ مروان خیط باطل (باطل کا دھاگہ) کہہ کر پکارا جاتا تھا کیونکہ بہت طویل القامت اور دبلا پتلا تھا اسی لیے اس کو اس سپید دھاگے سے تشبیہ دی گئی جو دن کی روشنی میں دکھائی پڑتا ہے۔ شعراء نے اس کے لقب کو مختلف عنوان سے نظم کیا ہے۔ اکثر وبیشتر کتب تواریخ میں بکثرت اشعار درج ہیں جو اس عہد میں شعراء نے اس کی ہجو میں کہے اور خیط باطل کہہ کر اسے خطاب کیا ہے۔ (کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵، ص ر ۱۳۶۔ ۱۴۴، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ر ۲، ص ر ۵۵، اسد الغابہ ج ر ۴، ص ر ۳۴۸)

مروان کی سیرۃ کا جائزہ لینے اور اس کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت مخفی نہیں رہتی کہ وہ شریعت

اسلامیہ کے قوانین کو کوئی وزن نہیں دیتا تھا نہ دین الٰہی کی کوئی قدر و قیمت اس کی نگاہوں میں تھی بلکہ دین و مذہب کو پالیٹکس سمجھتا اور مذہبی قوانین و احکام کو سیاسی شعبدہ بازی جانتا تھا۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو دین کے گلے پر چھری پھیرنے میں کوئی تامل نہ کیا۔ اور اگر موقع آ گیا تو تغیر و تبدل کرنے سے نہ چوکا، چند نمونے اس کی جسارت و جرأت کے پیش کرتے ہیں۔ انہیں سے اس کی کیفیت و شخصیت کا آسانی سے ناظرین کو اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) امام احمد نے بسلسلۂ اسناد عبداللہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ جب معاویہ حج کے ارادہ سے شام سے آئے تو ہم بھی ان کے ساتھ مکہ گئے انہوں نے ظہر کی نماز دو رکعت قصر کر کے پڑھی۔ اس کے بعد دارالندوہ میں آ گئے، کچھ دن پہلے حضرت عثمان مکہ میں نماز بجائے قصر پڑھنے کے پوری پڑھ چکے تھے۔ (اس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے) جب معاویہ نے ظہر کی نماز قصر پڑھی تو مروان بن حکم اور عمرو بن عثمان صف سے نکل کر معاویہ کے پاس آئے اور کہا آپ نے جتنی حضرت عثمان کی ذلت و توہین کی ہے کسی نے نہ کی ہوگی۔

معاویہ: ہم نے کیا توہین کی؟

مروان۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان مکہ آ کر پوری نماز پڑھنے لگے تھے۔

معاویہ: وائے ہو تم دونوں پر میں نے کیا بیجا کیا ہے میں نے خود رسولؐ اللہ کے ساتھ ابوبکر و عمر کے ساتھ نماز قصر پڑھی۔

مروان بن حکم اور عمرو بن عثمان: بہرحال حضرت عثمان نے پوری نماز پڑھی تھی۔ اب آپ کا ان کی مخالفت کرنا اور نماز قصر پڑھنا بڑی سخت توہین عثمان کی ہے۔

عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ پھر جب عصر کی نماز کا وقت آیا اور معاویہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے بجائے قصر کے پوری نماز پڑھی۔ (مسند احمد ج ر ۴ ص ر ۹۴ مجمع الزوائد ج ر ۳ ص ر ۱۵۶، مسند طبرانی وغیرہ)

قابل غور ہے کہ جب مروان اور حاکم وقت معاویہ نماز کا جو ستون دین ہے ایسا مذاق اڑا سکتے تھے۔ جب انہیں یہ تک گوارا تھا کہ کتاب الٰہی کی مخالفت ہو جائے۔ سنت پیغمبرؐ کی دھجیاں اڑ جائیں مگر حضرت عثمان کی ذات پر حرف نہ آئے تو پھر وہ نماز کے علاوہ دیگر اصول و فروع دین سے کیا کیا نہ کھیلے ہوں گے۔ نماز تو بنیادی حیثیت رکھتی ہے دین کا ستون اسے کہا جاتا ہے۔ جب اس میں من مانا تغیر ان لوگوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا تو دوسری چیزیں تو بہرحال نماز سے کم درجہ کی تھیں۔

تعجب کا مقام ہے کہ حضرت عثمان کی ذاتی اور ان کے انوکھے نظریہ کی مخالفت تو حضرت عثمان کی ذلت و توہین سمجھی جائے خواہ وہ نظریہ احکام شریعت کے کتنا ہی مخالف کیوں نہ ہو۔ ان کی رائے سے شریعت کے مقررہ حکم پر چھری کیوں نہ پھرتی

ہو اور پیغمبرؐ اسلام کی مخالفت میں کوئی مضائقہ نہ سمجھا جائے۔ آنحضرتؐ کے مقرر کردہ احکام وآئین کی خلاف ورزی میں کوئی قباحت نہ مانی جائے۔

یہ امر بھی حیرت خیز ہے کہ معاویہ کو حضرت عثمان کی مخالفت کرنے سے روکا تو گیا لیکن جن لوگوں نے پیغمبرؐ کی مخالفت کی آپؐ کے مقرر کردہ احکام وقوانین کو درہم برہم کیا انہیں کسی نے نہیں ٹوکا۔

ان سب سے زیادہ سر دھننے کی بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی شریعت، خدا کے دین سے کھیلنے والے عدول ہی کہے اور سمجھے جاتے ہیں پیغمبرؐ کی جتنی مخالفت ہو جائے دین الٰہیہ کی مٹی جتنی چاہے پلید ہو جائے مگر ان حضرات کے دامن عدالت پر کوئی دھبہ نہ آئے گا ان کا کوئی قصور نہیں ہوگا عیب ہوگا تو شریعت ہی میں ہوگا۔

(۲) امام بخاری نے صحابی پیغمبرؐ ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مروان حاکم مدینہ تھا۔ میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے مروان کے ہمراہ نکلا۔ جب ہم لوگ عید گاہ میں پہنچے تو وہاں ایک منبر رکھا ہوا تھا۔ مروان نے چاہا کہ نماز سے پہلے منبر پر خطبہ پڑھنے جائے۔ میں نے اس کا دامن پکڑ کر روکنا چاہا تو اس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا اور منبر پر چڑھ گیا اور نماز کے پہلے اس نے خطبہ پڑھا۔ میں نے مروان سے کہا خدا کی قسم تم لوگوں نے تو مذہب کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ مروان نے کہا ابوسعید جو تم جانتے ہو وہ اب نہیں رہا۔ (یعنی تمہیں یہی معلوم ہے کہ عید کا خطبہ نماز کے بعد پڑھا جاتا ہے لیکن اب وہ عرصہ سے متروک ہے) میں نے کہا بخدا جو میں جانتا ہوں وہ کہیں بہتر ہے۔ ان چیزوں سے جنہیں میں نہیں جانتا۔ مروان نے کہا اصل قصہ یہ ہے کہ لوگ عید کی نماز پڑھنے کے بعد کھسک جاتے تھے۔ ہمارا خطبہ نہیں سنتے تھے اس لیے ہم نے یہ کیا کہ خطبہ نماز سے پہلے پڑھنے لگے۔

دیکھنے کے قابل ہے یہ کہ مروان پیغمبرؐ کے طور وطریقہ میں تبدل وتغیر بھی کرتا ہے اور ڈھٹائی سے۔ ابوسعید ایسے معزز صحابی پیغمبرؐ کے منہ پر کہتا ہے کہ اب وہ پہلے کا چلن نہیں رہا۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے جو باتیں دیکھی تھیں وہ متروک ہو چکی ہیں۔

کوئی بتا سکتا ہے کہ مروان کو شریعت اسلامیہ کے احکام میں کیا حق تھا تغیر وتبدل کا؟ اور پہلے جو باتیں جاری ومروج تھیں ان میں کون سی قباحت تھی کہ وہ ترک کر دی گئیں۔ یہی کہنا پڑتا ہے کہ مروان کو اپنے ابن عم حضرت عثمان کی پیروی زیادہ مرغوب تھی۔ دوسرے یہ کہ وہ خطبہ میں حضرت امیر المومنینؑ پر سب وشتم کرتا تھا اور لوگ اس موقع پر کھسک جاتے تھے اس لئے خطبہ کو نماز سے پہلے کر دیا تاکہ چاروناچار لوگوں کو اس کی ہفوات سننی پڑے جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر نے کیا اچھی بات کہی تھی کہ کل سنن رسول اللہ قد غیرت حتی الصلوۃ۔ رسولؐ اللہ کے

تمام طریقے بدل دیے گئے حتیٰ کہ نماز بھی نہیں چھوڑی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ تغیر و تبدل اور پیغمبرؐ کے طور طریقوں میں من مانی ترمیم و تنسیخ صرف اسی حد تک نہیں رہی کہ عید کی نماز میں خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جانے لگا بلکہ یہ کتر بیونت اکثر احکام مذہب میں سرایت کر گئی۔ جیسا کہ تاریخ کا ایک معمولی طالب علم بھی اپنے مطالعہ سے استنباط کر سکتا ہے۔

(۳) تیسری چیز مروان کا امیر المومنینؑ پر سب وشتم کرنا ہے۔

بقول اسامہ بن زید۔ کان مروان فاحشا متفحشا۔ مروان بہت گالیاں بکنے والا اور بیہودہ گو تھا۔ اس معاملہ میں بنیادی حیثیت حضرت عثمان کو حاصل ہے۔ انہیں نے مروان ایسے ملعون و ناپاک انسان کو اتنی جرأت و ہمت دلائی کہ حضرت امیر المومنینؑ کے منھ آئے۔ جس وقت جناب ابوذر جلاوطن کئے گئے اور حضرت عثمان نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص ابوذر کو رخصت کرنے نہ جائے اور صرف حضرت امیر المومنین حسنؑ و حسینؑ کو لے کر رخصت کرنے گئے اور مروان نے کہا کہ آپؑ کو حضرت عثمان کی مناہی کی اطلاع نہیں؟ اس وقت حضرت امیر المومنینؑ نے مروان کے اونٹ کو کوڑا مارا تھا اور آگے بڑھ گئے تھے۔ اس واقعہ کی اطلاع جب حضرت عثمان کو ہوئی تو چونکہ مروان چچا کا بیٹا تھا اور داماد بھی۔ اس لئے اتنی بات بھی آپ کو بے حد ناگوار گذری اور آپ نے حضرت امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ مروان کو تاوان ادا کیجئے۔ حضرت نے پوچھا تاوان کس بات کا۔ عثمان نے کہا آپؑ نے اس کے اونٹ کو کوڑا جو مارا تھا اس واقعہ کی پوری تفصیل آگے آئے گی اسی سلسلہ میں عثمان نے حضرت امیر المومنینؑ سے یہ بات بھی کہی۔ لم لا یشتمك كانك خير منه۔ مروان آپ کو گالیاں کیوں نہ دے آپ جیسے مروان سے بہتر ہیں۔ اللہ اکبر۔ یہ انقلاب زمانہ تھا حضرت عثمان کی اپنے خاندان والوں کی محبت کی یہ کیفیت تھی کہ مروان جو مسلمہ طور پر ملعون انسان تھا جس پر پیغمبرؐ نے کھلم کھلا لعنت فرمائی تھی اور وہ بھی اس وقت جب کہ وہ اپنے باپ کے صلب میں تھا۔ اسے علیؑ کے مقابل لایا جا رہا ہے کہ آپ مروان سے کوئی بہتر تو ہیں نہیں؟ جب حضرت عثمان نے مروان کو اتنا سر چڑھایا تو معاویہ نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ معاویہ تو برسر پیکار ہی تھا امیر المومنینؑ سے اس نے تو مروان کو آسمان پر چڑھا دیا ہوگا۔ مروان نے بھی معاویہ کی تمنائیں اچھی طرح پوری کیں۔ جب بھی منبر پر چڑھنے کا موقع ملا یا تقریر کی نوبت آئی۔ مروان نے حضرت امیر المومنینؑ پر سب وشتم کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ اپنی گورنری کے زمانہ میں جہاں بھی رہا اور جب خلیفہ ہوا تو اپنی خلافت کے زمانہ میں برابر سرگرمی کے ساتھ حضرتؑ پر سب شتم کرتا رہا۔ اور اپنے ماتحتوں کو بھی اس پر مجبور کرتا رہا۔

مروان کی بدسیرتی کچھ تو اس وجہ سے بھی تھی کہ نیک و بد میں ہمیشہ سے عداوت چلی جا رہی ہے اور کچھ وقت کی سیاست بھی اسی قسم کی تھی۔ علامہ دار قطنی نے مروان سے یہ روایت کی ہے۔ مروان نے ایک مرتبہ کہا کہ علیؑ سے بڑھ کر عثمان کا حمایتی اور

دشمنوں کو ان سے دور کرنے والا کوئی اور نہ تھا۔کسی پوچھنے والے نے پوچھ دیا تو منبروں پر علیؑ کو گالیاں کیوں دیتے ہو؟ مروان نے کہا کہ بغیر اس کے ہماری حکومت پائدار بھی نہ ہوگی۔(صواعق محرقہ ابن حجر ص ر ۲۳)

یہ مروان ہمیشہ سے دشمن اہل بیت پیغمبرؐ رہا اوران کی ایذا رسانی کا جب بھی موقع ہاتھ آیا باز نہیں رہا۔علامہ ابن عساکر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ جب امام حسنؑ کی رحلت ہوئی تو مروان اڑ گیا کہ پیغمبرؐ کے حجرہ میں حسن کو دفن نہ ہونے دوں گا۔کہتا تھا کہ عثمان تو قبرستان بقیع میں دفن ہوں اور حسنؑ پیغمبرؐ کے روضہ میں۔میں ابوترابؑ کے فرزند کو رسولؐ اللہ کے پہلو میں دفن نہ ہونے دوں گا۔یہ اس وقت کا قصہ ہے جب مروان کو معاویہ معزول کر چکا تھا۔اس نے اس فعل سے معاویہ کو خوش کرنا چاہا تھا وہ اپنے مرتے دم تک بنی ہاشم کا دشمن رہا۔(تاریخ ابن عساکر ج ر ۴،ص ر ۲۲۷)

عداوت بنی ہاشم اور کینۂ دیرینہ کا ایک مظاہرہ مروان کی طرف سے یہ ہوا کہ مروان عبداللہ بن عمر کو بھڑکایا کرتا تھا کہ تم خلیفہ ہو جاؤ ہم تمہاری طرف سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہیں۔چنانچہ جب حضرت عثمان مارڈالے گئے تو مروان کچھ لوگوں کو ہمراہ لے کر عبداللہ بن عمر کے پاس پہنچا اوران سے کہا کہ ہم لوگ تمہاری بیعت کرنا چاہتے ہیں۔عبداللہ بن عمر نے پوچھا یہ کیسے لوگ کیونکر راضی ہوں گے؟ مروان نے کہا لوگ نہ مانیں تو آپ ان سے جنگ کیجئے۔ہم آپ کے ساتھ ہیں ہم آپ کی طرف سے ان سے لڑیں گے۔عبداللہ بن عمر نے کہا خدا کی قسم اگر روئے زمین کے تمام لوگ بھی میرے طرفدار ہو جائیں تب بھی میں جنگ کرنے پر تیار نہیں۔مروان اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔اور یہ کہتا ہوا نکلا۔ الملك بعد ابی لیلی لمن غلبا۔حضرت عثمان کے بعد حکومت تو بس اسی کی ہے جو غالب آجائے۔(استیعاب حالات عبداللہ بن عمر)

یہ تھا مروان!!!!

کون پوچھے حضرت عثمان سے مروان ایسے بدطینت انسان کو جس پر پیغمبرؐ نے پیدائش کے پہلے اور پیدائش کے بعد لعنت فرمائی ہو جو ہر جنم میں ملعون رہا کیوں اسے اپنے جوار عاطفت میں جگہ دی؟ صدقات کا امین کیوں بنایا۔جملہ امور میں اسے اپنا معتمد اور مشیر خاص کیوں کیا؟ اسے اپنا قلمدان وزارت کیوں سپرد کیا؟ جس کے نتیجہ میں وہ خود ان کے اوپر اوران کے جملہ امور وحالات پر حاوی ومسلط ہو گیا۔چاہئے تو یہ تھا کہ نیکو کار مومنین کو مقدم سمجھا جاتا ان کی نیک کرداری کے شکریہ میں ان کی عزت وتکریم کی جاتی نہ کہ مروان ایسے مجسمہ شر وفساد صاحبان مکر وزور کو سر چڑھایا جاتا جن کی بدکرداری وبداعمالی کی وجہ سے ان سے پہلوتہی اور اب التفاتی واجب ولازم تھی۔پیغمبرؐ کا ارشاد ہے۔ من رای منکر افاستطاع ان یغیرہ بیدہ فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع بلسانہ فبقلبہ وذلك اضعف الایمان۔جو

شخص کسی ناجائز امر کو دیکھے اور اپنے ہاتھ سے دور کرنے کی قدرت رکھتا ہو تو واجب ہے کہ اپنے ہاتھ سے دور کرے۔ اور اگر ہاتھ سے دور کرنے کی قدرت نہ ہو تو زبان سے روکے اگر زبان سے بھی روکنے پر قادر نہ ہو تو دل سے برا جانے۔ یہ تیسری صورت بہت کمزور ایمان والوں کے لیے ہے؟

حضرت امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ برائی و معاصی کی کم سے کم ناپسندیدگی کی صورت یہ ہے کہ اہل معاصی سے ترش روئی سے پیش آؤ۔

فرض بھی کرلیا جائے کہ حضرت عثمان نے مروان کو مدینہ واپس بلانے میں اجتہادی غلطی فرمائی تاویل کی تھی جس میں خطا ہوگئی لیکن اسے اس درجہ مقرب خاص کیوں بنایا جب کہ اس کو دور رکھنا واجب تھا۔ اسے اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ کیوں دی جب کہ اسے جلاوطن کرنا سزاوار تھا؟ اسے امین کیوں بنایا۔ جب کہ وہ متہم لوگوں میں سے تھا؟ بڑے بڑے عطایا مسلمانوں کے مال سے کیوں دیئے جب کہ نہ دینا ہی ضروری تھا۔ مسلمانوں کے عطیوں پر اسے قابض و متصرف کیوں کیا۔ جبکہ اسے پاس پھٹکنے نہ دینا لازم تھا؟

ہم نہیں جانتے کہ ان سوالات کے کیا جوابات حضرت عثمان کی طرف سے دیئے جائیں گے۔ آج کل کے ان کے ہوا خواہ شاید انہیں معذور سمجھیں لیکن اس دور کے مسلمان جن میں مہاجرین بھی تھے انصار بھی تھے۔ جلیل القدر صحابہ کرام بھی تھے اور گرامی مرتبت علماء بھی انہوں نے اس وقت حضرت عثمان کو معذور نہیں سمجھا۔ اس وقت حضرت عثمان کی طرف سے کوئی عذر کسی نے نہیں قبول کیا وہ مسلمان حضرت عثمان کے کسی عذر کو قابل قبول سمجھتے کیوں جب کہ ارشاد خداوندی پر ان کی نگاہیں مرکوز تھیں اور تاکیداتِ الٰہی ان کے مدنظر تھی۔

واعلموا انما غنمتم من شی فان اللہ خمسة وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم باللہ۔

یہ سمجھ لو کہ تمہیں مال غنیمت میں جو کچھ ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا کے لئے خدا کے رسولؐ کے لیے اور رسولؐ کے صاحبان قرابت کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اگر تم لوگ خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

دنیا انصاف کرے کہ کیا مروان ملعون کو خمس دے دینا حکم قرآن کی مخالفت نہ تھی؟ کیا خود حضرت عثمان نے جبیر بن مطعم کی معیت میں خمس کے متعلق پیغمبرؐ کے حضور عرضداشت نہ پیش کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ ہماری قوم بنی امیہ کو بھی خمس میں حصہ دیا جائے مگر پیغمبرؐ نے صاف جواب دے دیا تھا کہ بنی عبدالشمس اور بنی نوفل کا خمس میں کوئی حصہ نہیں۔

جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے جب صاحبان قرابت کا حصہ بنی ہاشم و بنی مطلب (مطلب جناب ہاشم کے حقیقی

بھائی تھے) کے درمیان تقسیم کیا تو میں اور حضرت عثمان پیغمبرؐ کی خدمت میں آئے۔عرض کی یا رسولؐ اللہ بنی ہاشم کی فضیلت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آپؐ انہیں کے خاندان سے ہیں مگر آپؐ نے بنی ہاشم کے ساتھ بنو مطلب کو بھی خمس میں شریک قرار دیا اور ہمیں محروم کیا حالانکہ ہم اور بنو مطلب ایک ہی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ نے فرمایا لیکن بنی مطلب محمد سے کبھی جدا نہیں ہوئے۔نہ جاہلیت میں نہ اسلام میں۔بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہی چیز ہیں۔چنانچہ پیغمبرؐ نے اس مال خمس سے نہ تو بنی عبد شمس کو کچھ دیا نہ بنی نوفل کو جس طرح بنی ہاشم و بنی مطلب کو دیا تھا۔(صحیح بخاری ج ر ۵،ص ر ۲۸، الاموال ص ر ۲۳۱،سنن بیہقی ج ر ۶،ص ر ۳۴۲،سنن ابی داؤد ج ر ۲،ص ر ۳۱،مسند امام احمد ج ر ۴،ص ر ۸۱،محلی ج ر ۸،ص ر ۳۲۸ وغیرہ)

جب جناب رسالتمآبؐ نے کل بنی عبد شمس کو خمس سے صاف لفظوں میں محروم کر دیا تو بنی عبد شمس کی ایسی فرد جس پر پیغمبرؐ نے لعنت بھی فرمائی ہو۔جسے شہر بدر بھی کر چکے ہوں ایک اکیلی مال خمس کی مستحق کیسے سمجھی جا سکتی ہے اور حضرت عثمان نے مروان کو مال خمس عنایت کر کے کتاب خدا، ارشادات پیغمبرؐ کی جو صریحی مخالفت کی اور اپنے قریبی عزیزوں کو جو ابنائے شجرہ ملعونہ تھے فرزندانِ رسولؐ پر ترجیح دی اس کی کیا معذرت ممکن ہے؟ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

چھٹی فصل

حارث بن حکم کو جاگیر و عطایا

حضرت عثمان نے اپنے دوسرے داماد اپنی بیٹی عائشہ کے شوہر حارث بن حکم کو جو مروان کا بھائی تھا تین لاکھ درہم عنایت کیئے۔ (کتاب الانساب بلاذری ج/۵،ص/۵۲)

علامہ بلاذری دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ زکوٰۃ میں وصول شدہ اونٹ حضرت عثمان کے پاس لائے گئے آپ نے وہ سب کے سب حارث بن حکم کو دے دیئے۔ (کتاب الانساب بلاذری ج/۵،ص/۲۸)

علامہ ابن قتیبہ، ابن عبد ربہ اور ابن ابی الحدید نے لکھا ہے پیغمبرؐ نے مہزولی جو مدینہ کا بازار تھا تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ حضرت عثمان نے حارث بن حکم کو اسے بطور جاگیر مرحمت فرما دیا۔ (معارف ۸۴، عقد الفرید ج/۲،ص/۲۶۱، شرح نہج البلاغہ ج/۱،ص/۲۷)

علامہ حلبی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے بازار مدینہ میں جو مال فروخت ہوتا تھا اس کا دسواں حصہ حارث کو عنایت کر دیا تھا۔ (سیرۃ حلبیہ ج/۱،ص/۸۷) حارث پر حضرت عثمان نے تین طرح نوازشیں فرمائی۔ (۱) حارث کو تین لاکھ درہم دیئے حالانکہ وہ حضرت کے ذاتی مال سے نہ تھے۔ مسلمانوں کے بیت المال سے تھے۔ (۲) زکوٰۃ میں وصول شدہ تمام اونٹ ایک اکیلے حارث کو دے دیئے۔ (۳) پیغمبرؐ جو چیز مسلمانوں کے لیے وقف کر گئے تھے حضرت عثمان نے اسے حارث کو بطور جاگیر دے دیا۔

ہمیں پتہ نہیں کہ یہ حارث کن وجوہ سے ایسی گرانقدر عنایتوں کا مستحق سمجھا گیا اور پیغمبرؐ نے جس چیز کو تمام مسلمانوں کے لیے وقف قرار دیا ہو وہ کیوں صرف حارث کو مخصوص کر کے دی گئی اور تمام مسلمان اس سے محروم کر دیئے گئے اگر حضرت عثمان اپنے ذاتی مال سے اتنے روپے اور اتنی جاگیر دیتے تب بھی اسراف اور فضول خرچی سمجھا جاتا چہ جائیکہ انہوں نے مسلمانوں کے مشترکہ مال سے اوقاف وصدقات سے اس پر انعام و اکرام کی اتنی بارشیں کیں۔ درانحالیکہ حارث کا نہ کوئی کار خیر تاریخ میں مذکور ہے نہ کوئی خیر خواہی اسلام و مسلمین نہ حمایت دین نہ خدمت مملکت اسلامیہ نہ سننے میں کوئی نہ دیکھنے میں کوئی۔

فرض بھی کر لیا جائے کہ حارث بہت مستحق تھا اور اسے تین لاکھ درہم جو حضرت عثمان نے اٹھا کر دیدیئے وہ اس کے استحقاق ہی کے بنا پر دیئے لیکن پیغمبرؐ جو چیزیں وقف کر گئے ہیں اس میں تصرف کیسا؟ وقف وہ بھی پیغمبر کا وقف اسے توڑنا کیونکر

جائز سمجھ لیا گیا؟

ان نوازشوں کی اور تو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی سوااس کے کہ مروان بھی حضرت عثمان کا چچیرا بھائی تھا حارث بھی اس کے علاوہ دونوں داماد بھی تھے ۔اس موقع پر حضرت امیرالمومنینؑ کا طرز عمل دیکھنے کے قابل ہے کہ اور کوئی نہیں عقیل ایسے معزز محترم حقیقی بھائی اتنی حاجت لے کر آئے کہ بیت المال سے جو ماہانہ وظیفہ مقرر ہے اس سے ایک صاع سوا تین سیر گیہوں فاضل مل جائے تا کہ اپنے عیال کے آذوقہ میں کچھ وسعت میسر ہو اور حضرت امیرالمومنینؑ لوہا گرم کر کے عقیل کے ہاتھ پر رکھتے ہیں عقیل آہ کر کے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں ۔امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ تم اس ذرا سے گرم لوہے سے اتنا ڈرتے ہو اور مجھے آتش جہنم میں جھونکنا چاہتے ہو۔(صواعق محرقہ ابن حجر ص/ ۷۹)

علامہ ابن اثیر نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ جناب عقیل کچھ مقروض ہو گئے تھے حضرت علیؑ کے پاس کوفہ پہنچے حضرت علیؑ نے مہمان کیا صاجزادے امام حسنؑ کو حکم دیا کہ لباس بدلوادو۔جب رات ہوئی تو حضرت نے اپنا کھانا منگایا کھانے میں روٹیاں تھیں نمک تھا اور کچھ سبزی تھی، عقیل نے سلسلہ کلام میں اپنے دین کا تذکرہ کیا اور حضرتؑ سے خواہش کی کہ آپؑ ادا کر دیں حضرتؑ نے پوچھا آپ کا قرضہ کتنا ہے عقیل نے بتایا کہ ۴/ہزار درہم۔حضرت نے فرمایا کہ اتنا تو میرے پاس نہیں لیکن چند دن صبر کرو میرا وظیفہ جلد ہی ملنے والا ہے وہ ۴/ہزار کے قریب ہوگا وہ سب میں تمہیں دے دوں گا۔عقیل نے کہا بیت المال آپؑ کے ہاتھوں میں ہے اور مجھے آئندہ کی امید دلا رہے ہیں کہ وظیفہ ملے گا تو دوں گا۔حضرتؑ نے فرمایا تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جس مال کا مجھے امین بنایا ہے وہ آپ کو اٹھا کر دے دوں؟(اسد الغابہ ج/ ۳ص/ ۴۲۳)

ساتویں فصل

سعید بن عاص پر نوازشیں

حضرت عثمان نے سعید بن عاص بن سعید بن العاص کو ایک لاکھ درہم عنایت کئے

ابومخنف سے واقدی نے روایت کی ہے لوگوں نے عثمان کے سعید بن عاص کو ایک لاکھ درہم عنایت کرنے کو بھی ناگوار جانا اس معاملہ میں حضرت علیؑ طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمان سے گفتگو کی تو آپ نے کہا کہ سعید میرا رشتہ دار ہے۔ ذوی الارحام میں سے ہے میں نے صلہ رحم کیا ہے ان لوگوں نے کہا کیا ابوبکر وعمر کے قرابتدار اور ذوی الارحام نہیں تھے۔ انہوں نے کیوں اپنے رشتہ داروں کو اتنی گرانقدر رقمیں نہ دیں۔ حضرت عثمان نے کہا ابوبکر وعمر اپنے قرابتداروں کو محروم رکھ کر خوشنودیٔ خدا کے جویا رہے اور میں صلہ رحم کر کے خوشنودیٔ خدا کا طلب گار ہوں اور ان لوگوں نے کہا ابوبکر وعمر کا طرز عمل ہمیں زیادہ محبوب ہے آپ کے طرز عمل سے آپ نے فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ

(کتاب الانساب ج ر ۵، ص ر ۲۸)

سعید کا باپ عاص پیغمبرؐ کے ان ہمسایوں میں تھا جو آنحضرتؐ کی ایذا رسانی کے درپے رہا کرتے حضرت امیرالمومنینؑ نے بروز جنگ بدر اسے تہہ تیغ کیا۔ رہ گیا اس کا فرزند سعید جس پر خلیفہ نے اتنی مہربانیاں فرمائیں تو یہ مشہور اوباش شخص ہے۔ ولید بن عقبہ کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے حضرت عثمان نے بغیر کسی خصوصی فضیلت وشرف کے سعید کو حاکم کوفہ بنا کر بھیجا یہ جس دن سے کوفہ آیا ہمیشہ فتنہ انگیزی وفتنہ پروری اس کا دستور العمل رہا اس کا مقولہ تھا کہ ان ھٰذا السواد بستان لا غبلمۃ قریش۔ عراق کی سرزمین قریش کے چھوکروں کے لیے باغ ہے۔ جناب ہاشم مرقال جو پیغمبرؐ کے جلیل القدر صحابی تھے اور یرموک میں ان کی ایک آنکھ شہید ہو چکی تھی۔ سعید نے بے وجہ ان کی ذلت ورسوائی کی اور ان کی تباہی وبربادی کا سبب ہوا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سعید نے کوفہ میں پوچھا کہ تم لوگوں میں سے چاند کس نے دیکھا ہے لوگوں نے کہا کہ ہم نے تو نہیں دیکھا ہاشم نے کہا میں نے دیکھا ہے سعید نے کہا اپنی اس کانی آنکھ سے تم نے چاند دیکھ لیا اور اتنے مجمع میں سے کسی نے نہیں دیکھا۔ ہاشم نے کہا تم مجھے یک چشم ہونے کا عیب لگاتے ہو حالانکہ یہ راہِ خدا میں شہید ہوئی ہے۔ آپ کی آنکھ جنگ یرموک میں شہید ہو چکی تھی۔ دوسرے دن ہاشم نے روزہ نہیں رکھا لوگوں نے بھی صبح کے وقت آپ کے ہمراہ کھانا کھایا سعید کو خبر مل گئی اس نے آدمی بھیج کر آپ کو زدوکوب کرایا اور آپ کا گھر جلوا دیا۔ پیغمبرؐ کا ارشاد ہے۔ اذا رایتم الھلال

فصوموا واذا رایتموہ فافطروا۔ جب رمضان المبارک کا چاند دیکھ لو تو روزہ رکھو اور جب عید کا چاند دیکھ لو تو روزہ کھول دو۔ دوسرے لفظوں میں پیغمبرؐ کا ارشاد یوں ہے۔ صوموا الرویتہ وافطروا الرویتہ۔ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، نسائی وغیرہ) ہاشم نے پیغمبرؐ کے ارشاد کی تعمیل ہی تو کی تھی چاند خود دیکھ چکے تھے اس لئے روزہ کھول دیا۔ انہوں نے کیا خطا کی تھی جو سعید نے ان پر مظالم ڈھائے زدوکوب بھی کیا۔ گھر بھی جلوایا غالباً بے چارے ہاشم کو اس کی خبر نہ تھی کہ چاند دیکھنے میں بھی حکام کی رائے اور خواہشوں کو دخل ہے اور حاکم کی مرضی نہ ہونے پر اگر کوئی شخص چاند دیکھ لے اور زبان سے ذکر کرے تو اتنا بڑا جرم ہے کہ معاف ہی نہیں کیا جاسکتا۔ زمانہ کی سیاست کو گواہوں کی گواہی میں بھی دخل حاصل ہے۔

کوفہ والوں نے حضرت عثمان کی خدمت میں ایک مرتبہ سعید کی شکایت کی مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ دی اور کہا کہ جب تم لوگ اپنے حاکم میں درشتی دیکھتے ہو تو تمہاری خواہش ہوتی ہے کہ معزول کر دیا جائے سعید دوبارہ کوفہ پلٹ آیا اور اب کی جی کھول کر اس نے کوفہ والوں پر مظالم کئے۔ (کتاب الانساب بلاذری)

۳۴ھ میں حضرت عثمان کے حکم سے کوفہ کے بہت سے نیکوکار و دیندار اشخاص اور قاریان قرآن کو کوفہ سے جلاوطن کرکے شام کی طرف بھیج دیا جس کی تفصیل آگے چل کر آئے گی۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ ۳۴ھ میں پھر دوبارہ حضرت عثمان کے پاس آیا وہاں اس کی ملاقات ان لوگوں سے ہوئی جو اس کی شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ مالک اشتر، یزید مکفف، ثابت بن قیس، کمیل بن زیاد، زید بن صوحان صعصعہ بن صوحان، حارث اعور، جندب بن زہیر، ابوذینب اسدی، اصغر بن قیس حارثی، ان لوگوں نے حضرت عثمان سے درخواست کی کہ آپ سعید کو معزول کر دیجئے انہوں نے انکار کیا اور سعید کو حکم دیا کہ تم پھر اپنی حکومت پر واپس جاؤ۔ اور مذکورہ بالا باشندگان کوفہ سعید سے پہلے ہی کوفہ پلٹ آئے۔ سعید جب کوفہ میں پہنچا تو مالک اشتر نے کچھ سپاہیوں کو ساتھ لے کر مزاحمت کی اور کوفہ میں گھسنے نہ دیا۔ مجبوراً اسے حضرت عثمان کے پاس واپس جانا پڑا۔ ان واقعات کی تفصیل آگے آتی ہے۔ حضرت عثمان نے اسی زیاکار سعید کو اتنی بڑی رقم اٹھا کر دے دی تھی۔ اگر یہ دادودہش مبنی بر انصاف ہوتی تو اتنے بڑے جلیل القدر صحابہ پیغمبر معترض نہ ہوتے اور حضرت عثمان سے خاص کر اس مسئلہ میں گفتگو نہ کرتے۔

رہ گیا حضرت عثمان کا یہ کہنا کہ میں نے سعید کو اتنا روپیہ دے کر حق قرابت ادا کیا ہے اور صلہ رحم کرکے خوشنودیٔ خدا کا طلبگار ہوا ہوں تو یہ حضرت عثمان کی خوش فہمی ہی سمجھئے اس لئے کہ صلہ رحم اس وقت قابل ستائش ہوتا ہے جب انسان خاص اپنے مال سے دے نہ کہ ایسا مال جس میں تمام مسلمانوں کا حق ہو جو سبھی مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہو دے دینے سے صلہ رحم ہوتا ہے اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس کی امانت رخصت ہو جائے گی اور ثواب کے بدلے جو عذاب ہوگا وہ تو علیحدہ ہے۔

آٹھویں فصل

ولید پر عنایات

عثمان نے ولید بن عقبہ ابن ابی معیط کو جو آپ کا مادری بھائی تھا بیت المال کی ایک رقم خطیر ہبہ کر دی۔
علامہ بلاذری لکھتے ہیں۔ جب ولید حاکم کوفہ ہو کر آیا تو اس وقت کوفہ کے بیت المال کے نگران عبداللہ بن مسعود تھے۔ ولید نے عبداللہ ابن مسعود سے ایک رقم کثیر قرض کے طور پر مانگی۔ حکام اکثر قرض لیتے اور جب وظیفے ملتے تو ادا کر دیتے۔ ابن مسعود نے ولید کو بھی قرضہ دے دیا۔ کچھ دنوں کے بعد واپسی کا تقاضا کیا۔ ولید نے حضرت عثمان کو شکایت لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان نے عبداللہ بن مسعود کو لکھا کہ تم فقط خزانچی ہو۔ ولید نے جو کچھ قرض لیا ہے اس کا تقاضا نہ کرو۔ اس سے تعرض کرنا مناسب نہیں، عبداللہ بن مسعود نے کنجیاں پھینک دیں اور کہا کہ میں اب تک یہی سمجھے تھا کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔ تمہارا ہی خزانچی ہونا ہے تو مجھے ملازمت کی حاجت نہیں کنجیاں حوالے کرنے کے بعد وہ کوفہ ہی میں مقیم رہے۔
(کتاب الانساب ج ر ۵، ص ر ۳۰)

عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عبداللہ بن مسعود ادھر سے گذرے ان دنوں وہ کوفہ کے بیت المال کے نگران تھے اور حاکم کوفہ ولید بن عقبہ تھا، ابن مسعود نے کہا کوفہ والو! رات کو بیت المال کے ایک لاکھ درہم کم نکلے نہ تو اس کے متعلق خلیفہ وقت کا کوئی فرمان پہنچا نہ مجھے اس سے بری قرار دیا ہے۔ ولید نے یہ واقعہ عثمان کو لکھ بھیجا انہوں نے عبداللہ کو بیت المال سے معزول کر دیا۔ (عقد الفرید ج ر ۲، ص ر ۲۷۲)

ولید بن عقبہ:

ولید کا باپ عقبہ رسول اللہ کا پڑوسی اور آنحضرتؐ کی ایذا رسانی میں سب سے پیش پیش تھا۔ علامہ ابن سعد نے بسلسلہ اسناد پیغمبرؐ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میں مکہ میں دو بدترین پڑوسیوں کے بیچ میں تھا۔ ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط۔ یہ دونوں جانوروں کی لید لاتے اور میرے دروازے پر ڈال دیتے۔ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ طرح طرح کے سامان اذیت فراہم کر کے میرے دروازے پر چھوڑ جاتے۔ (طبقات ابن سعد ج ر ۱، ص ر ۱۸۶، طبع مصر)
علامہ ابن سعد لکھتے ہیں۔ پیغمبر اور صحابہ پیغمبر کے شدید دشمن ومخالف ہر وقت جھگڑے پر تیار اور کشت وخون پر آمادہ

رہنے والے یہ افراد تھے۔

ابو جہل۔ابولہب، عقبہ ابن ابی معیط، حکم بن عاص وغیرہ۔

یہ لوگ آنحضرتؐ کے پڑوسی بھی تھے۔ان سب میں انتہائی دشمن ابو جہل، ابولہب، عقبہ بن ابی معیط تھے۔(طبقات ابن سعد ج/ ا ص/ ۱۸۵) علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں۔ابی ابن خلف اور عقبہ ابن ابی معیط دو گہرے دوست تھے۔عقبہ ایک مرتبہ رسولؐ کی خدمت میں بیٹھا اور آپؐ کے ارشادات سنے۔اس کی خبر ابی کو ہوئی وہ عقبہ کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم محمدؐ کے پاس بیٹھے تھے اور ان کی باتیں سنی تھیں میں آج سے تمہارا منھ دیکھوں گا نہ اپنا دکھاؤں گا۔نہ تم سے گفتگو کروں گا جب تک تم محمد کے پاس نہ جاؤ۔اور اپنے لعاب دہن سے ان کے چہرے پر بدسلوکی نہ کرو۔دشمن خدا عقبہ ابن ابی معیط نے خدا اس پر لعنت کرے ایسا ہی کیا۔پھر خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی۔ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا۔اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں نے رسول کے ساتھ ہی راستہ اختیار کیا ہوتا، ہائے افسوس کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے تو ذکر کے آنے کے بعد مجھے گمراہ کر دیا اور شیطان تو انسان کا رسوا کرنے والا ہے ہی۔

عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ عقبہ ابن ابی معیط پیغمبرؐ کے پاس آکر بیٹھا کرتا اور آپؐ کو اذیتیں پہنچانے سے احتیاط کرتا اس کا ایک دوست شام کی طرف سفر میں گیا ہوا تھا قریش والوں نے کہنا شروع کیا۔عقبہ پاگل ہوگیا ہے۔کچھ دنوں کے بعد اس کا دوست شام سے واپس آیا رات کو اس دوست نے اپنی بیوی سے پوچھا محمدؐ کا کیا حال ہے اس نے بتایا کہ اور زیادہ ترقی پر ہیں۔ان کا معاملہ پہلے سے بہت زیادہ سخت ہوتا جارہا ہے۔اس نے پوچھا میرے دوست عقبہ نے کیا کیا بیوی نے بتایا کہ وہ تو دیوانہ ہوگیا ہے۔دوست نے وہ رات بڑے کرب واضطراب میں بسر کی۔جب صبح ہوئی تو خود عقبہ اس دوست سے ملنے آیا۔اس کو سلام کیا مگر دوست نے جواب سلام نہ دیا۔عقبہ نے پوچھا! یہ تم میرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے۔دوست نے کہا میں تمہارے سلام کا کیا جواب دوں تم تو پاگل ہو چکے ہو۔عقبہ نے پوچھا کیا قریش والے یہ کہتے ہیں۔کہاں ہاں۔عقبہ نے پوچھا تو پھر میں کون سی بات ایسی کروں کہ ان کے سینہ کا غبار ڈھل جائے۔دوست نے کہا تم پھر محمدؐ کے پاس جاؤ اور ان کے چہرے پر اپنے لعاب دہن سے بے ادبی کرو۔اور جو گالیاں تمہیں آتی ہیں ان میں سب سے زیادہ گندی گالی جو یاد ہو وہ انہیں دو۔عقبہ نے ایسا ہی کیا۔رحیم وکریم پیغمبرؐ نے محیر العقول صبر وتحمل کا مظاہرہ فرمایا صرف اتنا کہا اگر میں نے مکہ کے

پہاڑوں سے باہر تمہیں پالیا تو تمہیں روک کر تمہاری گردن ماروں گا۔ جب بدر کی جنگ چھڑی اور عقبہ کے حوالی موالی اس جنگ میں نکلے تو اس سے بھی کہا کہ تم بھی چلو۔ عقبہ نے کہا محمدؐ نے مجھے ایسی ایسی دھمکی دی ہے میں اگر مکہ سے باہر نکلا تو وہ میری گردن ماردیں گے۔ ساتھیوں نے کہا ہم تمہیں انتہائی تیز رو سرخ رنگ اونٹ دیتے ہیں جس کا کوئی مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ اگر جنگ میں شکست ہوتی نظر آئے تو تم اسی اونٹ پر بھاگ کر مدینہ چلے آنا۔ عقبہ ان کے ہمراہ جنگ کے میدان میں پہنچا۔ جب بہ فضل خدا مشرکین کو شکست فاش نصیب ہوئی اور عقبہ کا اونٹ اسے لے کر بھاگ نکلا تو رسولؐ اللہ نے قریش کے ستر دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی گرفتار کرالیا۔ جب یہ عقبہ پیغمبرؐ کے پاس پہنچا تو پوچھنے لگا کہ تم مجھے بھی ان لوگوں کے ہمراہ قتل کرو گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہاں تمہاری اسی بے ادبی کی سزا میں، طبری کی لفظیں ہیں کہ ہاں تمہارے کفر و فجور اور خدا اور رسولؐ سے سرکشی کی پاداش میں۔ چنانچہ آپؐ نے علیؑ کو حکم دیا انہوں نے اس کی گردن ماری اور اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **ویوم یعض الظالم علی یدیہ**۔ الخ۔ (تفسیر طبری ج/۱۹ص/۱۶، تفسیر بیضاوی ج/۲ص/۱۱۶، تفسیر قرطبی ج/۱۳ص/۲۵، تفسیر کشاف ج/۲ص/۳۲۶، تفسیر ابن کثیر ج/۳ص/۳۱۷ وغیرہ)

یہ تو باپ کی حالت تھی اب بیٹے ولید کا حال سنئے۔

یہ ولید وہ شخص ہے جسے کلام مجید کی آیت نے واضح لفظوں میں فاسق کہا ہے مشہور زانی و بدکار، شراب خور، تعلیمات مذہب کی ہتک حرمت کرنے والا جسے بھرے مجمع میں شراب خوری کی حد ماری گئی۔ آیت۔ **ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا**۔ اگر کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو سوچ سمجھ لو کہ اس کے متعلق تمام علماء و مفسرین قرآن کا اتفاق ہے کہ فاسق سے مراد ولید بن عقبہ ہے۔

آیت۔ **افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستئون**۔ میں فاسق سے مراد ولید ہے۔

گذشتہ صفحات میں اس ولید کے متعلق ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس نے مسجد جامع میں شراب پی کر نماز پڑھائی اور مصلے پر شراب قے کر دی اور دو کے بجائے چار رکعت پڑھا کر لوگوں سے پوچھنے لگا کہ کہو تو اور پڑھا دوں۔ حضرت عثمان نے ولید کے ان تمام حالات کو جانتے ہوئے بھی محض کنبہ پروری اور برادرانہ محبت کے سبب ولید کو بنی تغلب سے صدقات وصول کرنے پر مامور کیا۔ پھر کوفہ کی گورنری بخشی۔ مسلمانوں کی عزت و آبرو اور احکام دین و مذہب کا ٹھیکہ دار بنایا۔ بیت المال سے اس نے روپیہ قرض لیا تھا تقاضا کیا گیا تو ولید کو سارے روپے معاف کر دیئے۔ وہ مال جو فقیروں ناداروں کا حق تھا جس سے مسکینوں، محتاجوں کی حاجت روائی ہونی چاہئے تھی۔ ولید کی شراب خوری کی نذر ہو گیا۔ اور تقاضا کرنے پر الٹے عبداللہ بن مسعود ایسے جلیل القدر صحابی پیغمبرؐ پھٹکارے گئے اور ولید کو کچھ نہیں کہا گیا کیا شریعت مقدسہ نے جائز قرار دیا ہے کہ ایسا شخص یوں سر چڑھایا

جائے۔حضرت عثمان ہی شاید اس کا جواب دے سکیں تو دے سکیں۔البتہ علامہ ابن حجر نے حضرت عثمان کی طرف سے یہ جواب دینے کی کوشش کی ہے اور اس کے معاصی کا بار ہلکا کرنا چاہا ہے کہ قد ثبت صحبته وله ذنوب امرها الی الله تعالیٰ والصواب السکوت۔(تہذیب التہذیب ج ۱۱ص ۱۴۴)

ولید کا صحابی پیغمبرؐ ہونا ثابت ہے اس سے کچھ گناہ بھی سرزد ہوئے جس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے ہمارے لیے بہتر یہی ہے کہ لب کشائی نہ کریں۔

ہمارا خیال ہے کہ علامہ ابن حجر کو صحابی ہونے سے زیادہ حضرت عثمان کے مادری بھائی ہونے کا پاس تھا۔وہ شخص جس کے متعلق قرآن نے سکوت بہتر نہ سمجھا ہو جسے دو جگہ قرآن نے صاف صاف فاسق کہا ہو۔علامہ ابن حجر خاموش رہیں تو رہیں کوئی دین دار خاموش نہیں رہ سکتا۔

نویں فصل

عبداللہ بن خالد پر حضرت عثمان کی عنایات

حضرت عثمان نے عبداللہ بن خالد بن اسید بن ابی العاص بن امیہ کو تین لاکھ درہم عنایت کئے۔ اور اپنی قوم کے ہر شخص کو ہزار ہزار درہم دیئے۔

علامہ ابن عبدربہ قرطبی، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے عبداللہ کو چار لاکھ درہم دیئے۔ (عقد الفرید ج ۲/ص/ ۲۶۱، معارف ص/ ۸۴، شرح ابن ابی الحدید ج/۱ص/ ۶۶)

ابومخنف لکھتے ہیں ''حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں بیت المال کے انچارج عبداللہ بن ارقم تھے حضرت عثمان نے ایک لاکھ درہم قرض لیے۔ عبداللہ نے اس کے متعلق ایک یادداشت لکھی کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے اور حضرت علیؑ وطلحہ وزبیر سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر سے اس پر گواہیاں لکھوائیں۔ جب مدت پوری ہوئی تو حضرت عثمان نے وہ ایک لاکھ درہم واپس کر دیئے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد عبداللہ بن خالد بن اسید مکہ سے آیا اور اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ حضرت عثمان نے عبداللہ کو تین لاکھ درہم دیئے۔ اور ہمراہیوں میں سے ایک ایک کو لاکھ لاکھ درہم عنایت کئے اور ابن ارقم کو ایک تحریر لکھی کہ اتنے روپے بیت المال سے ادا کر دو۔ ابن ارقم کے نزدیک یہ رقمیں بہت زیادہ تھیں۔ بیت المال متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ انہوں نے حضرت عثمان کا حکم نامہ واپس کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان سے خواہش کی کہ سابق کی طرح پھر ایک تحریر لکھ دیں کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ حضرت عثمان نے ایسی تحریر لکھنے سے انکار کیا، ابن ارقم بھی اڑ گئے کہ بغیر ایسی تحریر لکھے ہوئے ہم ان لوگوں کو یہ روپیہ کسی صورت سے نہ دیں گے۔ حضرت عثمان نے کہا تم ہمارے خزانچی ہو تم کو ایسا کرنے کا کیا حق ہے۔ ابن ارقم نے کہا میں تو یہ سمجھتا تھا کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔ آپ کا خزانچی آپ کا غلام ہوگا۔ خدا کی قسم آپ کی طرف سے اب کبھی بیت المال کی نگرانی کا فرض انجام نہیں دوں گا۔ اس کے بعد بیت المال کی کنجیاں لائے اور منبر سے لٹکا دیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کو کنجیاں دے دیں۔ حضرت عثمان نے اپنے غلام ناقل کے حوالہ کر دیں۔ پھر

زید بن ثابت انصاری کو خزانہ کا انچارج مقرر کیا اور کنجیاں ان کے حوالے کر دیں۔ عبداللہ بن ارقم کو تین لاکھ درہم بھجوائے مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ (کتاب الانساب بلاذری ج ۵،ص ۵۸)

علامہ ابوعمر نے استیعاب میں ابن حجر نے اصابہ میں بضمن حالات عبداللہ بن ارقم یہ سب واقعات بھی لکھے ہیں اور ان کا تین لاکھ درہم واپس کرنا بھی لکھا ہے۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ عبداللہ نے کہا مجھے اس تین لاکھ درہم کی کوئی حاجت نہیں نہ میں نے ایسا کوئی کام کیا ہے کہ عثمان اس کے صلہ میں مجھے اتنی بڑی رقم عنایت کریں۔ خدا کی قسم اگر تین لاکھ مسلمانوں کے مال سے ہے تو ہم نے اتنا کام ہی نہیں کیا کہ ہماری اجرت اتنی ہو جائے اور اگر عثمان نے اپنے ذاتی مال سے دیا ہے تو میں ان کے مال سے ایک پیسہ نہیں لینا چاہتا۔

علامہ یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن خالد بن اسید سے اپنی لڑکی بیاہ دی اور اسے ۶ لاکھ درہم دیئے جانے کا حکم دیا اور عبداللہ بن عامر کو لکھا کہ بصرہ کے بیت المال سے یہ رقم ادا کر دو۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲،ص ۱۴۵)

کس سے پوچھا جائے اور کون بتا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے بیت المال کے لیے کوئی حساب کتاب بھی مقرر ہے یا اس کا حکم دیا گیا ہے کہ جس کو چاہو جتنا چاہو اٹھا کر حوالہ کر دو۔ حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانوں کے بیت المال سے اس طرح داد و دہش کا سلسلہ شروع کیا اور اپنے عزیزوں خصوصاً دامادوں پر درہم و دینار کی بے پناہ بارش کرنے لگے کہ بیت المال کے خزانچی اور نگراں اس کے متحمل نہ ہو سکے۔ اور شریعت کے مقررہ قواعد کی خلاف ورزی ان سے نہ دیکھی جا سکی۔ تو انہوں نے کنجیاں لا کر واپس کر دیں۔ عبداللہ بن خالد کو کوئی بھی فضیلت کوئی بھی خصوصیت ایسی حاصل نہ تھی جس کی وجہ سے اتنی رقم کثیر وخطیر کا اسے مستحق سمجھا جاتا۔ لے دے کر بس یہی ایک بات تھی کہ وہ حضرت عثمان کا داماد تھا۔ آپ کی دختر اس کے حبالہ زوجیت میں تھی۔

دسویں فصل

ابوسفیان پر عنایتیں

جس دن حضرت عثمان نے مروان بن حکم کو ایک لاکھ درہم بیت المال سے دلوائے تھے اسی دن آپ نے ابوسفیان بن حرب کو دو لاکھ درہم دلوائے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ر ا ص ر ۶۷)

ابوسفیان تو ہر بھلائی سے محروم کئے جانے کا مستحق تھا خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس وجہ سے حضرت عثمان نے مسلمانوں کے بیت المال سے اتنی بڑی رقم خطیر دیئے جانے کا حکم دیا۔ اس کے حالات میں علامہ ابوعمرو نے لوگوں کے بیانات لکھے ہیں کہ یہ حالت کفر میں زندیق اور مسلمان ہونے کے بعد منافقوں کی جائے پناہ رہا۔ جنگ حنین جو فتح مکہ اور ابوسفیان کے اسلام ظاہر کرنے کے بعد پیش آئی تھی۔ مسلمانوں کے ساتھ ابوسفیان بھی میدان جنگ میں موجود تھا۔ جب مسلمانوں کا پلہ بھاری پڑتا تو اس کے چہرے کا رنگ اتر جاتا اور جب کفار کا غلبہ ہوتا تو چہرے پر سرخی دوڑنے لگتی، عبداللہ بن زبیر نے یہ کیفیت دیکھ لی۔ انہوں نے اپنے باپ زبیر سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ زبیر نے کہا خدا اسے غارت کرے اسے تو نفاق ہی پسند ہے۔ ابوبکر کے خلیفہ ہونے کے بعد جب ابوسفیان مدینہ آیا اور حضرت علیؑ سے کہنے لگا کہ آپؑ خاموش کیوں بیٹھے ہیں اٹھئے میں آپؑ کی حمایت میں مدینہ کی گلیوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ تم ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن رہے۔

حضرت عثمان جب خلیفہ ہوئے تو ابوسفیان آپ کے پاس تہنیت لے کر پہنچا کہنے لگا۔ یہ خلافت بنی تیم وعدی (ابوبکر وعمر) کے بعد آپ کے پاس پہنچی ہے اسے گیند کی طرح کھیلو اور بنی امیہ کو اس کے ارکان مقرر کرو یہ تو حکومت بادشاہت ہے جنت کیا چیز ہے اور جہنم کیا ہے۔ حضرت عثمان چیخے کہ خدا تجھے غارت کرے بھاگو ہمارے پاس سے۔ (استیعاب ج ر ۲، ص ر ۶۹) علامہ مسعودی نے یہ لفظیں لکھیں ہیں۔ ”اے بنی امیہ اس خلافت سے گیند کی طرح کھیلو میں یہ قسم کہتا ہوں کہ میں ہمیشہ تمنا کرتا تھا کہ یہ خلافت تمہارے ہاتھوں میں آئے اور تمہارے لڑکے بطور میراث پائیں۔“ (مروج الذہب ج ر ا ص ر ۴۴۰)

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بروز جنگ احد و جنگ خندق یہ تمام مشرکین کا حاکم و سردار تھا۔ علامہ ابن سعد نے اس کے اسلام لانے کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ابوسفیان نے لوگوں کو رسولؐ اللہ کے پیچھے امنڈ امنڈ کر آتے دیکھا تو اسے بڑا حسد پیدا ہوا اور اپنے جی میں کہنے لگا کاش میں اس مجمع کو محمدؐ کے مقابلے میں لاسکتا آنحضرتؐ نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا تب بھی

خداتمہیں رسوائی ہی نصیب کرتا اور ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے اپنے جی میں کہا سمجھ میں نہیں آتا کہ محمدؐ ہم پر غالب کیونکر آجاتے ہیں۔ حضرت نے اس کے پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہا خدا تجھ پر غالب آتا ہے۔ (اصابہ ج ر ۲،ص ر ۱۷۹)

حضرت امیرالمومنینؑ سے پوچھیے تو وہ اس کی حقیقت بیان فرمائیں گے۔ آپؑ نے معاویہ کے متعلق فرمایا۔ ”آزاد کردہ ہے اور آزاد کردہ کا بیٹا ہے، کفار کی جماعتوں میں سے ایک جماعت ہے یہ اور اس کا باپ ہمیشہ خدا اور رسولؐ اور مسلمانوں کے دشمن رہے اسلام لائے بھی تو جبراً قہراً۔ (تاریخ طبری ج ر ۶،ص ر ۴)

حضرتؑ نے ایک خط معاویہ کو لکھا تھا اس میں آپؑ کا یہ فقرہ بھی تھا۔ اے ابن صخر اے ملعون کے فرزند اس جملہ سے حضرت کا ارشاد پیغمبرؐ کی اس حدیث کی طرف تھا جس میں آنحضرتؐ نے ابوسفیان اور اس کے دونوں بیٹے معاویہ و یزید پر لعنت فرمائی تھی۔ رسالت مآبؐ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ابوسفیان اونٹ پر سوار ہے اور ایک فرزند اونٹ کی مہار کھینچتا ہے۔ اور دوسرا پیچھے سے ہنکاتا ہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اللھم العن الراکب والقائد والسائق۔ خداوندا سوار پر بھی لعنت فرما اور مہار پکڑ کر کھینچنے والے اور پیچھے سے ہنکانے والے پر بھی۔

(شرح نہج البلاغہ ج ر ۳،ص ر ۴۱۱، ج ر ۴،ص ر ۵۱)

ابوسفیان کی شخصیت وحیثیت پر جناب ابوذر کے اس فقرہ سے بھی روشنی پڑتی ہے جو آپ نے معاویہ کے جواب میں فرمایا تھا۔ (معاویہ نے جناب ابوذر سے کہا تھا اے دشمن خدا دشمن رسول خدا) تو آپ نے فرمایا کہ میں خدا کا دشمن یا رسول کا دشمن نہیں بلکہ تم اور تمہارے باپ خدا اور رسولؐ کے دشمن ہو تم لوگوں نے زبان سے اسلام ظاہر کیا اور باطن میں کفر چھپائے رہے۔

عنقریب جناب ابوذر کے حالات میں ہم اس گفتگو کو مزید وضاحت سے ذکر کریں گے۔ یہ حال تھا ابوسفیان کے کفر واسلام کا۔ مرتے دم تک بھی ابوسفیان کی حالت نہیں بدلی اور اسلام نے اس کے دل میں جگہ نہیں پائی۔ مسلمانوں کے مال سے ایک پائی بھی اسے نہیں ملنی چاہئے تھی نہ کہ دو لاکھ درہم یک مشت۔ ہاں ابوسفیان کا رشتہ ایسا تھا کہ حضرت عثمان اس سے بھی زیادہ دیتے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی، پیغمبرؐ کے طرز عمل کے چاہے موافق ہوتا یا مخالف۔

گیارہویں فصل

غنائم افریقہ کی تقسیم

افریقہ کی پہلی جنگ میں جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آیا۔حضرت عثمان نے اس کا خمس اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو دے دیا۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پورا خمس نہیں دیا بلکہ خمس کا پانچواں حصہ دیا۔ پانچواں حصہ ایک لاکھ دینار کا تھا۔جیسا کہ ابوالفداء نے لکھا ہے اس بناء پر پورا خمس پانچ لاکھ دینار تھا اس کا پانچواں حصہ ایک لاکھ دینار عبداللہ بن سرح کو دیئے گئے اس جنگ میں بڑی بھاری غنیمت ہاتھ آئی تھی جنگ میں شرکت کرنے والے سپاہیوں میں سے جو سوار تھے انہیں تین ہزار ملے اور پیادہ کو ہزار فی کس۔(اسدالغابہ ج ر ۳ص ر ۱۷۳، تاریخ ابن کثیر ج ر ۷، ص ر ۱۵۲)

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ افریقہ میں جہاں جہاں لڑائی ہوئی اور ہر جگہ سے جتنا جتنا مال غنیمت ہاتھ آیا وہ سب کا سب حضرت عثمان نے عبداللہ کو دیا کسی دوسرے مسلمانوں کو اس میں شریک نہیں کیا۔(شرح نہج البلاغہ ج ر ۱،ص ر ۶۷)۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں۔حضرت عثمان زیادہ تر اپنے خاندان بنی امیہ کے ایسے افراد کو حاکم وافسر مقرر کرتے جنہیں پیغمبرؐ کا شرف صحبت بھی حاصل نہ ہوتا۔اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کے مقرر کردہ حکام سے بہت سے ایسے حرکات سرزد ہوتے تھے جو صحابہ کو ناگوار گزرتے اس کی شکایت حضرت عثمان سے کی جاتی تو وہ ان حکام کو معزول بھی نہیں کرتے خلافت کے جب چھ سال پورے گزر گئے اور ساتواں سال شروع ہوا تو حضرت عثمان پورے خاندان پرست بن گئے۔اور زیادہ تر اپنے خویش واقارب ہی کو حاکم مقرر کرتے اسی سلسلہ میں انہوں نے عبداللہ ابن ابی سرح کو مصر کا حاکم مقرر کیا یہ چند برس مصر میں رہا اور خوب خوب اس نے ہاتھ رنگے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر والے اس کی شکایت لے کر داد فریاد کرنے حضرت عثمان کے پاس آئے۔

آگے چل کر علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ جب مصر والے شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے تو حضرت عثمان نے عبداللہ کو ایک خط لکھ دیا جس میں اس کی حرکتوں کو نامناسب بتایا تھا لیکن عبداللہ اس پر بھی نہیں مانا اور حضرت عثمان نے جن باتوں سے منع کیا تھا وہی کرنے پر مصر رہا بلکہ جو لوگ شکایت لے کر گئے تھے انہیں مارا پیٹا بھی اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔ اس پر مصر سے سات سو آدمی مدینہ آئے مسجد میں اترے اور عبداللہ کی حرکتوں کی اصحاب پیغمبرؐ سے اوقاتِ نماز میں شکایت کی اس پر طلحہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت عثمان کو سخت سست باتیں کہیں۔حضرت عائشہ نے کہلا بھیجا کہ شکایت لے کر

آنے والوں کی دادخواہی کی جائے اور حاکم نے جو مظالم کئے ہیں ان کا انصاف کیا جائے حضرت علیؑ بھی تشریف لائے اور زیادہ تر آپؑ ہی نے مصر والوں کی ترجمانی کی اور ان کی شکایات حضرت عثمان کے سامنے پیش کیں۔ حضرت علیؑ نے عثمان سے کہا کہ مصر والے صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ عبداللہ بن سرح کو معزول کر کے کسی دوسرے کو حاکم بنا کر بھیج دیجئے پہلے وہ ایک خون کے قصاص کی بھی درخواست کر چکے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ عبداللہ کو معزول کر دیجئے۔ اور ان کے شکایات کا فیصلہ کیجئے، اگر یہ مظلوم ٹھہریں تو ان کے ساتھ انصاف کیجئے۔ حضرت عثمان نے کہا۔ یہ جس کو پسند کریں میں اسی کو مصر کا حاکم بنا کر بھیج دوں لوگوں نے مشورہ دیا کہ محمد بن ابی بکر کو کہو۔ ان لوگوں نے کہا کہ محمد بن ابی بکر کو ہمارا حاکم بنا دیجئے۔ حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کو مصر کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا اور ان کے ساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت بھی کر دی کہ وہ جا کر مصر والوں کی شکایات سنیں اور عبداللہ کا بیان لیں۔ (کتاب الانساب بلاذری ج/۵ ص/۲۶)۔ عنقریب اس واقعہ کی پوری تفصیل آئے گی اور حضرت عثمان نے مخفی طور پر ابن ابی سرح کو جو خط لکھا تھا کہ شکایت کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دینا۔ ہم اس کا تذکرہ کریں گے۔

یہ ابن ابی سرح وہ شخص تھا جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو گیا تھا اس نے ہجرت بھی کی تھی پھر مرتد ہو کر مشرکین قریش سے مکہ میں جا ملا اور ان سے کہا تھا کہ میں محمدؐ کو جہاں پا جاؤں گا ضرور قتل کر کے رہوں گا جب مکہ فتح ہو گیا تو رسالت مآبؐ نے حکم دے دیا کہ ابن ابی سرح جہاں ملے قتل کر دیا جائے آپ نے اس کا خون سب کے لیے مباح کر دیا چاہے خانہ کعبہ کے پردوں کے پیچھے ہی کیوں نہ ملے۔ ابن ابی سرح بھاگ نکلا اور حضرت عثمان کے پاس پہنچا۔ آپ نے اسے غائب کر دیا جب مکہ میں امن ہو گیا تو حضرت عثمان نے ابن ابی سرح کو نکالا اور رسالت مآبؐ سے جان بخشی کی درخواست کی۔ آنحضرت کافی دیر خاموش رہے اور اس کے بعد کہا اچھی بات ہے جب عثمان اپنے گھر واپس چلے گئے تو آنحضرتؐ نے اصحاب سے فرمایا کہ میں اتنی دیر خاموش اس لیے رہا کہ تم سے کوئی اٹھتا اور اس کی گردن مار دیتا، انصار میں سے کسی نے کہا حضور نے ہمیں اشارہ کیوں نہ کر دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا بات یہ ہے کہ نبی کے لیے دزدیدہ نگاہی جائز نہیں۔

(سنن ابی داؤد ج/۲، ص/۲۲۰، کتاب الانساب بلاذری ج/۵، ص/۴۹، مستدرک حاکم ج/۳، ص/۱۰۰، استیعاب ج/۱، ص/۳۸۱، تفسیر قرطبی ج/۷، ص/۴۰، اسد الغابہ ج/۳، ص/۱۷۳، اصابہ ج/۲، ص/۳۱۷، تفسیر شوکانی ج/۶، ص/۱۳۴۔)

اس عبداللہ بن ابی سرح کے کفر کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً اوقال اُوحی الی ولم یوح الیہ شی ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ۔ اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جس نے خداوند عالم پر جھوٹی تہمت لگائی جس نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے حالانکہ اس پر کوئی بھی وحی نازل نہیں ہوئی اور جس نے اس کا دعویٰ کیا کہ خداوند عالم نے جس طرح جو چیز

نازل کی ہے ویسی ہی عنقریب میں بھی نازل کروں گا۔ تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔ سانزل مثل ما انزل اللہ۔ خداوند عالم نے جو کچھ نازل کیا ہے ویسا عنقریب میں بھی نازل کروں گا۔ سے مراد یہی عبداللہ بن ابی سرح ہے اور اس کا سبب نزول مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ جب آیہ لقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین۔ نازل ہوا تو پیغمبرؐ نے عبداللہ بن ابی سرح کو بلا کر یہ آیت لکھوائی۔ اس نے لکھنا شروع کیا جب لکھتے لکھتے اس آیت پر پہنچا ثم انشاناہ خلقنا آخر۔ تو اسے خلقت انسان کی یہ تفصیل بڑی بھلی معلوم ہوئی اور اس کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا فتبارك اللہ احسن الخالقین۔ پیغمبرؐ نے کہا یہی فقرہ فتبارك اللہ احسن الخالقین وحی میں نازل ہوا ہے۔ اس وقت عبداللہ کو شک ہو گیا دل میں سوچنے لگا کہ اگر محمد سچ کہتے ہیں تو جس طرح وحی ان پر نازل ہوئی ویسی ہی مجھ پر نازل ہوئی اگر غلط کہتے ہیں وحی ان پر نہیں نازل ہوتی اپنے جی سے بناتے ہیں تو جیسی آیتیں انہوں نے بنائی ہیں میری زبان سے بھی ویسا ہی فقرہ نکل گیا۔ اس شک کے پیدا ہوتے ہی یہ مرتد ہو گیا اور مشرکین سے جا کر مل گیا۔ اسی واقعہ کی طرف خداوند عالم نے کلام مجید میں اشارہ کیا ہے۔ ومن قال سانزل مثل ما انزل اللہ۔ (کتاب الانساب بلاذری ج ۵ ص ۴۹، تفسیر قرطبی پارہ ۷، ص ۴۰، تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۳۹۱، تفسیر کشاف ج ۱ ص ۴۶۱، تفسیر فخر الدین رازی ج ۴ ص ۹۶، تفسیر خازن ج ۲ ص ۳۷، تفسیر نسفی برحاشیہ تفسیر خازن ج ۲ ص ۳۷، تفسیر شوکانی ج ۲ ص ۳۳، وغیرہ)

یہ عبداللہ بن ابی سرح بالکل اموی فطرت اور اموی خصال شخص تھا اس نے اور حضرت عثمان نے ایک ماں کا دودھ پیا دودھ بھائی ہونے نے اسے حضرت عثمان کا مقرب خاص بنا دیا اور ایک خاندان ہونے کی وجہ سے حضرت عثمان نے اسے تمام مسلمانوں پر ترجیح دی مسلمانوں کو محروم کر کے عبداللہ کو انہوں نے مالا مال کر دیا اور لاکھوں درہم یونہی دے دئیے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ ہمارا یہ فعل پیغمبرؐ کے طرز عمل کے موافق ہے یا مخالف اور اس احسان کا عبداللہ نے شکریہ بھی ادا کیا۔ حضرت عثمان کے قتل کے بعد جب امیر المومنینؑ متفقہ طور پر خلیفہ منتخب ہو گئے تو اس نے حضرت کی بیعت نہیں کی۔

یہ مختصر اور اجمالی خاکہ تھا حضرت عثمان کی داد و دہش، داماد پرستی اور اقربا نوازی کا زبان سے بھی انہوں نے اپنی تقریروں میں اپنے مسلک کی وضاحت کر دی تھی۔ ھذا مال اللہ اعطیہ من شئت وامنعہ من شئت فارغم اللہ انف من رغم۔ یہ خدا کا مال ہے جسے میں چاہوں دوں گا اور جسے نہ چاہوں محروم رکھوں گا۔ کوئی خفا ہوتا ہے تو ہوا کرے۔ کبھی یوں گہر فشاں ہوتے لنا خذن حاجتنا من ھذا الفی وان رغمت انوف اقوام۔ ہم اس مال غنیمت سے اپنی حاجت بھر لے کر رہیں گے لوگوں کو برا معلوم ہوتا ہے تو ہوا کرے۔

یہ تھے حضرت عثمان اور یہ تھے ان کے اقوال درآنحالیکہ پیغمبرؐ خدا بار بار ارشاد فرما چکے تھے۔ انما انا قاسم وخازن واللہ یعطی۔ میں تو تقسیم کرنے والا اور محافظ ہوں۔ دینے والا تو اللہ ہی ہے دوسرے لفظوں میں یوں ارشاد فرمایا۔ ما اعطیکم ولا امنعکم انما قاسم حیث امرت۔ میں نہ دیتا ہوں نہ محروم کرتا ہوں، مجھے تو جیسا حکم ہوتا ہے ویسا تقسیم کر دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۵، ص ۱۰، سنن ابی داؤد ج ۲، ص ۲۵)

رسالت مآب نے امت کے ان لوگوں کو تنبیہ بھی کر دی تھی جو مال خدا میں ناجائز تصرف کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔ ان رجلاً یتخوضون فی مال اللہ بغیر حق فلھم النار یوم القیامۃ۔ (صحیح بخاری پارہ ۵، ص ۱۷)
جو لوگ مال خدا میں ناجائز تصرف کرتے ہیں ان کے لیے بروز قیامت جہنم ہے۔

بارہویں فصل

مسلمانوں کے لکھ پتی اور کروڑ پتی

حضرت عثمان کی عنایت ونوازش سے آپ کے اعزہ ورشتہ دار حاشیہ نشین ومقرب بارگاہ خوب ہی مالا مال ہوئے اور تقسیم اموال میں آپ کے ایسے طریقہ کار کی بدولت جو کتاب وسنت اور سیرۃ سلف کے مغائر تھے بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں پُرشکوہ محلات عالی شان مکانات بے اندازہ وبے حساب مال واسباب پیدا کئے ہم ان کی مختصر فہرست درج کرتے ہیں۔

زبیر بن العوام:

انہوں نے اپنے مرنے کے بعد ۱۱ مکانات مدینہ میں دو مکان بصرہ میں ایک کوفہ میں ایک مصر میں چھوڑا، ان کی چار بیویاں تھیں۔ بیویوں نے ان کے ترکہ سے آٹھواں حصہ پایا۔ اور ہر بیوی کو ۱۲ لاکھ ملے۔ اس طرح ان کا کل ترکہ ۵ کروڑ ۹۸ لاکھ تھا۔ (صحیح بخاری ج ر ۵، ص ر ۲۱)

صحیح بخاری وغیرہ میں صرف تعداد لکھی ہے۔ درہم ودینار کی صراحت نہیں۔ البتہ تاریخ ابن کثیر میں درہم کی تصریح ہے۔

علامہ ابی سعد لکھتے ہیں کہ زبیر کی مصر میں بھی جاگیریں تھیں۔ اسکندریہ میں بھی، کوفہ میں بھی، مدینہ میں کئی مکانات تھے، اطراف مدینہ سے ان کو آمدنی آتی تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ر ۳، ص ر ۷۷، طبع لیدن) علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ زبیر نے مرنے پر ہزار گھوڑے ہزار غلام کنیزیں اور بہت سے محلات وجاگیریں چھوڑیں۔ (مروج الذہب ج ر ۱، ص ر ۴۳۴)

طلحہ بن عبید اللہ تیمی:

کوفہ میں انہوں نے بڑا عالی شان محل بنوایا تھا۔ روزانہ ایک ہزار دینار کی آمدنی فقط عراق سے آتی تھی۔ بعض لوگوں نے اس سے بھی زیادہ لکھا ہے۔ سراۃ کے اطراف کی آمدنی ایک ہزار دینار سے بھی زیادہ تھی۔ ایک محل انہوں نے مدینہ میں بھی بنوایا تھا جو پکی اینٹ چونے اور نہایت عمدہ ساگوان کی لکڑی سے بنا تھا۔ محمد ابن ابراہیم کا بیان ہے کہ طلحہ کی آمدنی عراق سے ۴ لاکھ سے ۵ لاکھ تک تھی اور سراۃ کے اطراف سے دس ہزار دینار کم وبیش تھی۔ سفیان بن عینیہ کا بیان ہے کہ ان کی روزانہ کی آمدنی ہزار وافی تھی۔ یعنی ہزار دینار تھی۔ موسیٰ بن طلحہ کہتے تھے کہ انھوں نے مرنے پر بائیس لاکھ درہم دو لاکھ دینار چھوڑے۔ ابراہیم بن محمد بن طلحہ کا بیان ہے کہ طلحہ نے مال واسباب زمین وجائداد سونا اور چاندی جتنا چھوڑا اس کی مجموعی قیمت تین کروڑ درہم

تھی جس میں نقد ۲۳ لاکھ درہم اور ۲ لاکھ دینار تھے اور باقی جائداد و اسباب تھے۔

عمرو بن عاص کہتے تھے کہ طلحہ نے مرنے پر سو بھار چھوڑے جس میں سونا بھرا ہوا تھا بھار یل کی کھال کو کہتے ہیں۔ علامہ ابن عبدربہ نے خشنی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ۳۰۰ بہار سونے چاندی چھوڑے، سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ تین سو اونٹ کا بار سونا چھوڑا۔

(طبقات ابن سعد ج ر ۳،ص ر ۱۵۸، مروج الذہب ج ر ۱،ص ر ۴۳۴، عقد الفرید ج ر ۲،ص ر ۲۷۹، ریاض نضرہ ج ر ۲،ص ر ۲۵۸، دول اسلام ذہبی ج ر ۱،ص ر ۱۸، خلاصہ خزرجی ص ر ۵۲)

عبد الرحمان بن عوف:

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ عبد الرحمان نے مرنے پر ہزار اونٹ تین ہزار بکریاں، اور سو گھوڑے چھوڑے مقام حرف پر ان کی کاشت کاری ہوتی تھی جس میں ۲۰ اونٹ کام کرتے تھے۔ یہی علامہ ابن سعد یہ بھی لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مرنے پر اتنا سونا چھوڑا کہ ورثہ میں کلہاڑیوں سے کاٹ کر تقسیم کیا گیا۔ چار بیویاں چھوڑیں ہر بیوی نے اسّی ہزار پائے۔

علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ عبد الرحمان نے ایک بہت عالی شان وسیع وعریض محل تعمیر کیا تھا جس کے اصطبل میں سو گھوڑے ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں بندھتی تھیں اور مرنے پر ان کے ترکہ کا آٹھواں حصہ ۸۴ ہزار تھا۔ (طبقات ابن سعد ج ر ۳،ص ر ۱۶، طبع لیدن، مروج الذہب ج ر ۱،ص ر ۴۳۴، تاریخ یعقوبی ج ر ۲،ص ر ۴۶، صفتہ الصفوۃ ابن جوزی ج ر ۱،ص ر ۱۳۸، ریاض نضرہ ج ر ۲،ص ر ۲۹۱)

سعد بن ابی وقاص:

سعد نے مرنے پر دو لاکھ پچاس ہزار درہم چھوڑے اپنے قصر عقیق میں وفات پائی۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ انہوں نے مقام عقیق میں عالی شان محل بہت بلند و بالا طویل وعریض تعمیر کیا تھا اور بلندی پر کنگرے بھی بنوائے تھے۔

(الطبقات ابن سعد ج ر ۳،ص ر ۱۰۵، مروج الذہب ج ر ۱،ص ر ۴۳۴)

یعلی ابن امیہ:

مرنے پر ۵ لاکھ دینار نقد چھوڑے، دوسروں کو جو قرضے دیئے تھے وہ علیحدہ ہیں اس کے علاوہ بہت سی زمینیں چھوریں جن کی قیمت ایک لاکھ دینار کے قریب تھی۔ (مروج الذہب ج ر ۱،ص ر ۴۳۴)

زید بن ثابت:

مرنے پر اتنا سونا اور چاندی چھوڑا جو کلہاڑیوں سے کاٹ کر ورثہ میں تقسیم ہوا۔ اور اس کے علاوہ املاک و جائداد ایک لاکھ دینار کے قریب چھوڑی۔ (مروج الذہب ج ر ۱ ص ر ۴۳۴)

یہ مختصر سا تذکرہ تھا ان لوگوں کا جنہوں نے حضرت عثمان کے عہد حکومت میں بہتی گنگا سے ہاتھ دھوئے اور خلیفہ کی داد و دہش سے پوری طرح مالا مال ہوئے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عثمان نے جن لوگوں پر انعام و اکرام کی بارشیں کی ہوں گی تاریخ میں ہر ایک کی تفصیل ملنی مشکل ہے تاریخ نے تو صرف انہیں کا ذکر کیا ہوگا جنہیں کوئی خصوصیت حاصل رہی ہوگی اور جن کا پتہ تاریخ کو مل سکا ہوگا۔

خود خلافت مآب حضرت عثمان مسلمانوں کے بیت المال سے منتفع ہوئے کہ آپ جو ردا اوڑھتے وہ ایک سو اشرفی کی ہوتی۔ (استیعاب ج ر ۲، ص ر ۴۷۶، حالات عثمان طبقات ابن سعد ج ر ۳، ص ر ۴۰، طبع لیدن۔ کتاب الانساب بلاذری) علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ مدینہ کے اندر جو بیت المال تھا اس میں ایک چھوٹا ڈبہ تھا جس میں ایک زیور اور ایک جوہر تھا حضرت عثمان نے وہ ڈبہ بیت المال سے نکال کر زیور اپنی کسی بیوی کو دے دیا۔ اس پر لوگون نے ان پر اعتراض کئے اور سخت وسست باتیں کہیں جس پر حضرت عثمان کو غصہ آگیا اور آپ نے فرمایا یہ خدا کا مال ہے میں جسے چاہوں دوں جسے نہ چاہوں نہ دوں جو خفا ہوتا ہے ہوا کرے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عثمان نے فرمایا۔ مال غنیمت سے جتنا ہمیں ضرورت ہوگی لیں گے چاہے کسی کو براہی کیوں نہ معلوم ہو۔ اس پر حضرت علیؑ نے کہا اس صورت میں آپ روک دیئے جائیں گے اور آپ کے بیت المال کے درمیان دیوار حائل کردی جائے گی۔ عنقریب پوری گفتگو ذکر کی جائے گی۔

ابوموسیٰ اشعری بہت سا سونا اور چاندی لے کر آئے حضرت عثمان نے سب کا سب اپنی بیویوں اور لڑکیوں میں تقسیم کردیا اور بیت المال کا اکثر و بیشتر حصہ اپنے کھیتوں کی آبادی اور اپنے مکانات کی تعمیر میں صرف کیا۔ (صواعق محرقہ ص ر ۶۸، سیرۃ حلبیہ ج ر ۲، ص ر ۸۷) علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان جس دن قتل کئے گئے اس دن ان کے خزانچی کے پاس تین کروڑ پچاس لاکھ درہم ایک لاکھ پچاس ہزار دینا تھے وہ سب کے سب لوٹ لئے گئے مرنے پر مقام ربذہ میں تین ہزار اونٹ چھوڑے اور متفرق مقامات پر اتنی جائداد چھوڑی جس کی قیمت دو لاکھ دینار تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ر ۳، ص ر ۵۳)

علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے مدینہ میں ایک عالی شان محل چونے اور پتھر سے تعمیر کیا۔ اس کے

دروازے ساگوان اور عرعر کے بنائے اور بہت سے اموال و جائداد باغات اور چشمے مدینہ میں حاصل کئے۔ عبداللہ بن عتبہ کہتے تھے کہ جس دن حضرت عثمان قتل ہوئے ان کے خزانچی کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور ایک کروڑ درہم تھے اور اتنی جائداد چھوڑی جس کی قیمت ایک لاکھ دینار ہوتی تھی اور بے شمار گھوڑے اور اونٹ چھوڑے۔ (مروج الذہب ج ۱/ص ۴۳۳)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ "بے حد وحساب دولت ان کے پاس تھی اور ہزار غلام تھے۔" (دول اسلام ج ۱/ص ۱۲)

حضرت عثمان کے عطایا اور آپ کی نگاہ کرم کے طفیل:

سرمایہ داروں کی دولت کی مختصر فہرست

نام	تعداد دینار
مروان	۵ لاکھ دینار
عبداللہ ابن ابی سرح	ایک لاکھ دینار
طلحہ	دو لاکھ دینار
عبدالرحمن	۲۵ لاکھ ۶۰ ہزار دینار
یعلی ابن امیہ	۵ لاکھ دینار
زین بن ثابت	۱ لاکھ دینار
خود حضرت عثمان نے لئے	ایک لاکھ ۵۰ ہزار دینار
دوبارہ لئے	دو لاکھ دینار
جملہ	۴۳ لاکھ دس ہزار دینار

نام	تعداد درہم
حکم بن العاص	۳ لاکھ درہم
آل حکم	۲۰ لاکھ درہم
حارث بن حکم	۳۰ لاکھ درہم
سعید بن عاص	۱ لاکھ درہم

ولید	۱لاکھ درہم
عبداللہ بن ابی سرح	۳لاکھ درہم
عبداللہ بن ابی سرح	۶لاکھ درہم
ابوسفیان	۲لاکھ درہم
مروان	۱لاکھ درہم
طلحہ	۲۲لاکھ درہم
طلحہ	۳ کروڑ درہم
زبیر	۵ کروڑ ۹۸لاکھ درہم
سعید ابن ابی وقاص	۲لاکھ پچاس ہزار درہم
	۳ کروڑ پچاس ہزار درہم
جملہ	**۱۲ کروڑ ۶۷ لاکھ ۷۰ ہزار درھم**

یہ نقشہ ملاحظہ فرمائیے اور حضرت امیرالمومنینؑ کا عثمان پر وہ تبصرہ یاد کیجئے۔ قام نافجا حفنیه بین نیثله ومعتلفه وقام معه بنوابیه یخضمون مال الله خضمة الابل نئبتة الربیع۔

(نہج البلاغہ ج ۱)

قوم کا تیسرا آدمی متکبرانہ انداز میں پیٹ پھلا کے اپنے چارہ اور لید کا بچھا لید ر میں کھڑا ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کے باپ کی اولاد بنی امیہ کھڑی ہوگئی اور خدا کا مال چبا چبا کر کھانے لگے جیسے اونٹ فصل ربیع کی گھاس کھاتا ہے۔

کس سے پوچھا جائے اور کون بتائے کہ یہ داد و دہش، یہ بذل وسخا مسلمانوں کے بیت المال کی تقسیم صرف انہیں مذکورہ بالا افراد یا انہیں جیسے اشخاص پر کیوں منحصر رکھی گئی۔ کیا حکومت اسلامیہ انہیں لوگوں کے لیے تھی یا شریعت نے ممانعت کی تھی کہ امت محمدیہ کے نیکو کار افراد جیسے ابوذر، عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود جیسے مقدس صحابہ رسولؐ پر بخششیں نہ کی جائیں انہیں ہر نیکی وبھلائی سے محروم رکھا جائے، یہ لوگ بھوکے رہیں مصیبتیں جھیلیں اسی پر بس نہیں بلکہ گھر سے نکال باہر کئے جائیں انہیں زدوکوب کیا جائے ان کی ہر ممکن ذلت ورسوائی کی جائے۔

خود وصی رسولؐ حضرت امیرالمومنینؑ فریاد کرتے تھے۔ ان بنی امیة لیغوقوننی تراث محمد تفویقاً۔ بنی

امیہ کی اولاد مجھے محمد کی میراث قدرے قدرے کرکے دیتی ہے جیسے ناقہ کو مختصر سے مختصر غذا دی جاتی ہے۔کیا سخاوت اپنے مال اور اپنے قبضہ کی چیزوں کو کہتے ہیں یا دوسروں کی گاڑھی کمائی کے پیسے لٹانے کا نام سخاوت ہے۔جیسا حضرت عثمان کرتے تھے۔

حضرت عثمان کے عطایا اور عنایت کردہ جاگیریں کیا حیثیت رکھتی تھیں اور شرعاً ان کا کیا حکم تھا۔حضرت امیرالمومنینؑ نے اپنے ایک خطبہ میں وضاحت فرمائی ہے۔کلبی نے بسلسلۂ اسناد ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے تخت نشین خلافت ہونے کے دوسرے دن خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

الا ان کل قطیعة اقطعها عثمان و کل مال اعطاه من مال الله فهو مردود فی بیت المال فان الحق القدیم لا یبطله شی ولو وجدته قد تزوج به النساء وفوق فی البلدان لردوقه الی حاله. فان فی العدل سعة ومن ضاق علیه العدل فالجور علیه اضیق ۔(نہج البلاغہ ج ۱/ص ۴۶)

دیکھو! ہر وہ جاگیر جو عثمان نے کسی کو دی۔ہر وہ مال جو عثمان نے مال خدا سے لوگوں کو دیا ہے وہ بیت المال میں واپس کر دیا جائے، اس لیے کہ قدیمی حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی۔اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ بیت المال کے روپیوں سے عورتوں کی شادی کی گئی ہے یا وہ روپیئے متفرق شہروں میں منتشر کر دیئے گئے ہیں تو میری انتہائی کوشش اس کی رہے گی کہ وہ سب مال وزر سابق حال پر پلٹا دیئے جائیں۔عدل میں تو بڑی گنجائش ہے۔جس پر عدل تنگ ہوگا۔اس پر ظلم تو زیادہ تنگ ہوگا۔"

کلبی کہتے ہیں کہ پھر اس کے بعد حضرتؑ نے حکم دیا جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان کے گھر میں جتنے اسلحے ملے جس سے وہ مسلمانوں پر غلبہ رکھتے تھے وہ سب قبضہ میں کر لئے گئے ان کے گھر میں صدقہ کے جتنے اونٹ پائے گئے۔وہ سب تحویل میں لے لئے گئے آپؑ نے یہ بھی حکم دیا کہ ان کی تلوار اور زرہ قبضہ میں کر لی جائے۔البتہ ایسے اسلحے جو ان کے گھر میں نکلے جن سے مسلمانوں نے جنگ نہ کی تھی ان کے متعلق ممانعت کی کہ وہ نہ لئے جائیں۔اسی طرح ان کے گھر میں یا دوسرے گھروں میں جو ان کے ذاتی مال واسباب ہیں ان سے تعرض نہ کیا جائے، نیز آپؑ نے حکم دیا کہ حضرت عثمان نے جتنے اموال لوگوں کو دیئے تھے جہاں بھی وہ اموال ملیں یا وہ اشخاص ملیں جنہوں نے عثمان سے پایا تھا اصول کرکے بیت المال میں جمع کر دیئے جائیں۔یہ خبر عمرو عاص کو بھی پہنچی وہ ان دنوں ملک شام کے مواضع ایلہ میں فروکش تھا جب لوگوں نے حضرت عثمان پر نرغہ کیا تو چپکے سے وہاں سے کھسک آیا تھا، اس نے معاویہ کو خط لکھا جس میں یہ جملے بھی تھے کہ اب جو تدبیریں اپنے بچاؤں کی تمہیں کرنی ہوں کر لو کیونکہ علیؑ ابن ابی طالبؑ تمہارے قبضہ کا ہر مال چھین کر تمہیں یوں ننگا کر دیں گے جس طرح بانس کی چھڑی چھیلی جاتی ہے۔

تیرہویں فصل

حضرت عثمان اور بنی امیہ

اپنے خاندان بنی امیہ سے حضرت عثمان کی محبت، شہرہ آفاق حیثیت رکھتی ہے وہ ہمیشہ بنی امیہ کو دوسرے سے افضل سمجھتے آئے ان کی پاسداری، جا و بیجا حمایت و محبت ان کی خمیر میں داخل تھی۔ روز اول سے وہ اس معاملہ میں مشہور تھے اور جو حضرات ان کے مخلصین میں تھے ان کی اس فطرت سے ہمیشہ سے واقف تھے۔ حضرت عمر نے بہت پہلے پیش گوئی کر دی تھی **لو ولیھا عثمان لحمل بنی ابی معیط علی رقاب الناس ولو فعلھا لقتلوہ**۔ اگر عثمان کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور آگئی تو یہ ابی معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردن پر سوار کر دیں گے اور اگر ایسا کریں گے تو یہ لوگ انہیں ہلاکت تک پہنچا بھی دیں گے (الکتاب الانساب ج ۵ ص ۱۶) دوسری روایت کی لفظیں ہیں جو امام ابوحنیفہ کی روایت کردہ ہے۔ اگر میں عثمان کو حاکم بنادوں تو یہ آل ابی معیط کو لوگوں کی گردن پر لاد دیں گے، خدا کی قسم اگر میں ایسا کروں تو عثمان ضرور ہی ایسا کریں گے تو ابو معیط کی اولاد انہیں رفتہ رفتہ ہلاکت تک پہنچا بھی دیں گے یہاں تک کہ ان کا سر کٹوا دیں۔ (کتاب الآثار امام ابو یوسف)

جب حضرت عثمان نے اپنے مادری بھائی ولید بن عقبہ کو کوفہ کی گورنری پر فائز کیا تو حضرت علیؑ اور طلحہ و زبیر نے حضرت عمر کے انہیں الفاظ سے ان کی گرفت کی کہ کیا آپ کو عمر نے وصیت نہ کی تھی کہ آل ابی معیط اور بنی امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط نہ کرنا، اور حضرت عثمان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تھا۔ (کتاب الانساب ج ۵ ص ۳۰)

حضرت عثمان کی انتہائی کوشش و دلی تمنا تھی کہ تمام اسلامی شہروں میں بنی امیہ کی قاہر و جابر حکومت کی بنیادیں مستحکم ہو جائیں انہوں نے اس کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر افسوس کہ قضا و قدر نے موافقت نہ کی ابوسفیان جب حضرت عثمان کے خلیفہ ہونے کے بعد دوسرے تیسرے دن خلافت کی مبارکباد دینے آیا تھا اور اس نے فرط مسرت کے بنا پر یا حضرت عثمان کی مشہور خاندان پرستی کی وجہ سے دل کی بات زبان سے کہہ دی تھی کہ اس خلافت سے مثل گیند کے کھیلو اور اس کے ارکان بنی امیہ کو بناؤ اس وقت تو حضرت عثمان نے اسے پھٹکار بتا دی تھی لیکن اسی دن سے حضرت عثمان نے اسی کے مشورہ کو اپنا نصب العین بنا لیا اور ہر بڑے شہر کی گورنری و حکومت بنی امیہ کے نوخیز اکھڑ لڑکوں ہی کو دی اور انہیں جوانوں کو حاکم بنایا جنہیں نہ کچھ آتا تھا نہ جاتا نہ تجربہ تھا نہ تعلیم و تہذیب سے آراستہ تھے۔ انہیں مسلط کر کے فتنہ و فساد کے دروازے پاٹوں پاٹ کھول

دیئے اور امت اسلامیہ کی تباہی و بربادی کے ساتھ ساتھ اپنی ہلاکت کا سامان بھی خود فراہم کیا وہ غریب مسلمانوں کے ساتھ حضرت عثمان کو بھی لے ڈوبے۔علامہ ابوعمرو صاحب استیعاب کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کی خدمت میں جب صرف بنی امیہ کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے شہل بن خالد آیا اس نے کہا اے قریش والو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تمہارے اندر کوئی کم سن بچہ بھی باقی نہیں رہا جس کی عزت افزائی تم کرسکو یا کوئی محتاج و نادار نہیں؟ جس کی دولت مندی تمہیں مقصود ہو یا کوئی گمنام نہیں جس کے نام کو تم اونچا کرسکو۔ یہ کس وجہ سے تم نے ابوموسیٰ اشعری کو عراق کا حاکم بنا رکھا ہے؟ عراق اس کو جاگیر میں دے دی ہے جسے وہ خوب اچھی طرح کھا رہا ہے۔حضرت عثمان نے پوچھا تو پھر اس کی جگہ کسے حاکم بنایا جائے لوگوں نے مشورہ دیا کہ عبداللہ عامر۔ حضرت عثمان کا پھوپھی زاد یا خالہ زاد بھائی) موجود ہے۔حضرت عثمان نے ابوموسیٰ کو معزول کر کے اسی کو حاکم بنا دیا درآنحالیکہ اس کی عمر سولہ سال کی تھی۔

غالباً علامہ ابوعمرو سے سن لکھنے میں یہاں غلطی ہوگئی ہے، کیونکہ انہیں نے عبداللہ بن عامر کے حالات میں لکھا کہ حضرت عثمان نے ابوموسیٰ اشعری کو بصرہ سے معزول کیا اور عثمان بن ابی العاص کو فارس سے اور دونوں جگہ کی حکومت عبداللہ کو دے دی، صالح کہتے تھے کہ اس وقت عبداللہ کی عمر ۲۴ سال کی تھی اور ابوالیقظان کہتے کہ عبداللہ جب بصرہ کا حاکم ہو کر آیا تو اس کی عمر ۲۴ یا ۲۵ سال کی تھی۔(استیعاب) بنی امیہ کے نوخیز لڑکے نہ تو اس کی پروا کرتے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔اگر کوئی شکایت کرتا تو حضرت عثمان کان نہ دھرتے نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں لاتے۔انہیں نوخیز لڑکوں میں سے کوفہ کا گورنر سعید بن العاص تھا وہ خود سر اور دلدادہ عیش نوجوان جس کا یہ مقولہ مشہور ہے جو اس نے برسر منبر بھرے مجمع میں کہا تھا۔ ان السوادبستان لا غلیمۃ من قریش۔عراق کی یہ سرزمین قریش کے چھوکروں کے لیے باغات ہیں۔

یہ وہی نوخیز لڑکے تھے جن کے متعلق پیغمبرؐ فرما چکے تھے۔ ان فساد امتی علی یدی غلمۃ سفھاء من قریش۔میری امت کی تباہی قریش کے نادان چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی۔(صحیح بخاری کتاب الفتن پارہ/۱،ص/۱۴۶، مستدرک ج/۴،ص/۴۷۰، نیز آنحضرت نے فرمایا تھا۔ ھلاك ھذہ الامۃ علی یدی اغیلمہ من قریش۔میری اس امت کی ہلاکت قریش کے چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی۔(مستدرک ج/۴،ص/۴۷۹)

یہ نادان وجاہل امراء مراد ہیں پیغمبرؐ کی اس حدیث میں جو آپؐ نے کعب بن عجرہ سے فرمائی تھی۔ اعاذك باللہ یا کعب من امارۃ السفھاء۔اے کعب خدا تم کو جاہل اور نادانوں کی حکومت سے محفوظ رکھے۔کعب نے پوچھا۔یارسولؐ اللہ یہ جاہلوں کی حکومت کیا؟ آپؐ نے فرمایا۔ امراء یکونون بعدی لا یھدون بھدیٰ ولا یستنئون بسنتی۔وہ

امراء جو میرے بعد ہوں گے جو نہ میری ہدایت پر کاربند ہوں گے۔ نہ میری سنت پر چلیں گے۔ (مستدرک ج ر ۴، ص ر ۴۲۲)۔انہیں کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا۔سنو کیا تم لوگ گوش برآواز ہو! عنقریب میرے بعد کچھ لوگ امیر ہوں گے جو شخص ان کے پاس جائے اوران کی جھوٹی باتوں کو سچ جانے اوران کے مظالم میں ان کی اعانت کرے وہ مجھ سے نہیں نہ میں اس سے ہوں نہ میرے پاس وہ حوض کوثر پر آئے گااور جو شخص ان کے پاس نہ جائے نہ ان کی جھوٹی باتوں کی تصدیق کرے نہ ان کی مظالم میں ان کی اعانت کرے وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں وہ عنقریب میرے پاس حوض کوثر پر آئے گا۔"

(تاریخ خطب بغدادی ج ر ۲،ص ر ۲۰۷،وج ر ۵،ص ر ۳۶۲)

نیز ارشاد فرمایاسیکون امراء بعدی یقولون مالا یفعلون۔(مسندامام احمدحنبل ج ر ۱،، مسند ج ر ۱، ص ر ۴۵۶)عنقریب میرے بعد کچھ امراوحاکم ہوں گے جوایسی بات کہیں گے جسے کریں گے نہیں اور ایسے افعال کریں گے جن کاانہیں حکم نہیں دیا گیاانہیں نوخیز لڑکوں کا زمانہ امت محمد کی ہلاکت کازمانہ اورتباہی و بربادی کادور تھا۔انہیں سے فتنوں کی ابتدا ہوئی اورانہیں پر فتنوں کا اختتام۔آپ دیکھیں گے کہ اس دور میں ایسے بھی حاکم ووالی تھے جنہیں پیغمبرؐ نے وزغ ابن الوزغ فرمایا تھا۔لعین ابن لعین کہا تھا جسے شہر بدر کر دیا تھا،ایسے بھی والی ملیں گے جنہیں قرآن نے صاف صاف لفظوں میں فاسق کہا۔ ایسے بھی تھے جو جوانی کی سرمستیوں میں سرشار تھے۔ایسے بھی تھے جنہیں پیغمبرؐ نے مصلحتاً چھوڑ دیا تھااور جو کھلے ہوئے منافق تھے۔

حضرت عثمان نے اپنے عہد حکومت میں ہر ایک کو حکومت وامارت پر فائز دیکھنا چاہا ہر ایک کو مسلمانوں کا امیر وحاکم بنانے کی کوشش کی ان کی تو یہ تمنا تھی کہ جس طرح میری بدولت میرے خاندان کے افراد دنیاوی نعمتوں سے نہال ہوئے عالم آخرت پر بھی انہیں کا قبضہ ہو۔اگر آپ کے ہاتھوں میں جنت کی کنجیاں ہوتیں تو وہ اٹھا کر بنی امیہ کے حوالہ کر دئیے ہوتے کہ ایک ایک متنفس بنی امیہ کا جنت میں چلا جاتا۔امام احمد نے سالم ابن ابی الجعد سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان نے پیغمبرؐ کے اصحاب کو بلایاان میں عمار بن یاسر بھی تھے۔آپ نے فرمایا میں تم لوگوں سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ تم لوگ میری تصدیق کرتے ہو میں خدا کی قسم دے کر تم لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ پیغمبرؐ بنی ہاشم کو تمام قریش پر ترجیح دیتے تھے یہ پوچھنے پر لوگ خاموش رہے۔حضرت عثمان نے کہا اگر میرے ہاتھوں میں جنت کی کنجیاں ہوتیں تو وہ بنی امیہ کے حوالہ کر دیتا یہاں تک کہ ان کا آخری شخص بھی جنت میں داخل ہو جاتا۔(مسند ج ر ۱،ص ر ۶۲)

حضرت عثمان سمجھتے تھے کہ ہماری منت ہائے بے پایاں آخرت میں بھی کام آئیں گی اور ہماری قوم والوں کو دروازہ جنت تک پہنچادیں گی،ان کی تمنا تھی کہ ہماری قوم نعمت ہائے جنت سے بھی اسی طرح نہال ہو جس طرح میں نے دنیا میں مال ودولت سے انہیں مالا مال کیا ہے۔مگر افسوس۔۔۔۔۔۔۔۔۔

چھٹا باب

پہلی فصل

سرگزشت ابوذر رضی اللہ عنہ

علامہ بلاذری نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان نے مروان بن حکم کو گرانقدر رقمیں عنایت کیں اور حارث بن حکم بن ابی العاص کو تین لاکھ درہم دیئے اور زید بن ثابت انصاری کو ایک لاکھ درہم دے ڈالے تو جناب ابوذرؓ کہنے لگے۔ جو لوگ خزانے جمع کر رہے ہیں انہیں دردناک عذاب کی بشارت ہو۔ کلام مجید کی اس آیت کی اکثر و بیشتر تلاوت کرتے۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ۔ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انہیں اے پیغمبرؐ دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔ مروان نے ان کی شکایت حضرت عثمان کی خدمت میں کی۔ حضرت عثمان نے اپنے غلام ناقل سے ابوذر کے پاس کہلا کر بھیجا کہ ان باتوں سے باز آؤ۔ ابوذر نے کہا کیا عثمان مجھے تلاوت کتاب خدا اور ان لوگوں کو برا کہنے سے روکنا چاہتے ہیں جنہوں نے خدا کے حکم کو چھوڑ دیا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں عثمان کو ناراض کر کے خدا کو خوش کروں تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں عثمان کو خوش کر کے خدا کو ناراض کروں۔ حضرت عثمان اس جواب سے بے حد برہم ہوئے لیکن غصہ کو دل میں لئے رہے غصہ نکالنے کا موقع نہ مل سکا۔ ابوذر کو کچھ نہیں کہہ سکے۔ کچھ دنوں کے بعد ایک دن حضرت عثمان نے لوگوں سے پوچھا۔

''امام کے لیے جائز ہے کہ بیت المال سے کچھ قرض لے اس کے پاس ہو جائے تو ادا کرے؟ کعب الاحبار نے کہا کوئی حرج نہیں۔ ابوذر نے کہا یہودی ماں باپ کے بیٹے تم ہمیں ہمارے دین کی تعلیم کرنے لگے؟ حضرت عثمان نے ابوذر سے کہا تم اب مجھے بہت زیادہ اذیتیں پہنچانے لگے۔ میرے اصحاب کو بھی بے حد تنگ کرتے ہو تم اپنے مدرسہ میں واپس چلے جاؤ۔ ابوذر کا مدرسہ شام میں تھا وہیں رہتے تھے مگر کبھی کبھی حج کے ارادہ سے مکہ آتے وہاں سے مدینہ آتے۔ اور حضرت عثمان سے اجازت لیتے کہ اگر کوئی حرج نہ ہوتی تو میں کچھ دنوں قبر پیغمبرؐ پر حاضر رہوں وہ اجازت دے دیتے شام میں ان کا مدرسہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے جب مکانات بہت عالیشان اور بلند و بالا بنتے دیکھے تو حضرت عثمان سے کہا کہ میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ اذا بلغ البناء سلعا فالھرب۔ جب عمارتیں کوہ سیع سے باتیں کرنے لگیں تو وہاں سے بھاگ جانے ہی میں خیر ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں شام کو چلا جاؤں وہاں محاذ جنگ پر دشمنوں سے جنگ کروں۔ حضرت عثمان نے اجازت دے دی۔ ابوذر شام جو پہنچے تو وہاں معاویہ کا رنگ ڈھنگ پسند نہ آیا معاویہ کے اکثر افعال کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے

دیکھتے تھے معاویہ نے ایک مرتبہ ان کے پاس تین سو اشرفیاں بھیجیں۔ابوذر نے کہا اگر یہ رقم میرے اس وظیفہ کے حساب میں ہے جو تم لوگوں نے اس سال روک رکھی ہے تو میں قبول کرنے کو تیار ہوں اور اگر منہ بھرائی ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ حبیب بن مسلم فہری نے ان کے پاس دوسو دینار بھیجے تو آپ نے کہلا بھیجا اور کوئی میرے سوا تمہیں نہیں ملا جو مجھے بھیجا ہے یہ کہلا کر دینار واپس کر دیئے۔معاویہ نے دمشق میں قصر خضرا تعمیر کیا ابوذر نے کہا معاویہ! اگر تم نے یہ قصر مال خدا سے تعمیر کیا ہے تو خیانت کی ہے اور اگر اپنے مال سے بنایا ہے تو اسراف کیا ہے۔معاویہ چپ رہ گئے۔ابوذر کہا کرتے خدا کی قسم ایسے کام ہو رہے ہیں جو میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھے نہ وہ کتاب خدا میں مذکور ہیں نہ سنت پیغمبرؐ سے ان کی اجازت ہے۔خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ حق مٹایا جا رہا ہے اور باطل کو فروغ دیا جا رہا ہے سچے کو جھٹلایا جاتا ہے اور غیر پرہیزگار کو ترجیح دی جا رہی ہے اور نیکوکار پیچھے ڈھکیل دیئے گئے ہیں۔

حبیب بن مسلم فہری نے معاویہ سے کہا ابوذر شام کو تمہارے لئے بگاڑ کر رکھ دیں گے اگر شام والوں کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہے تو جلدی خبر لو۔معاویہ نے ابوذر کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی۔حضرت عثمان نے معاویہ کو خط لکھا کہ ابوذر کو سخت اور تکلیف دہ سواری پر سوار کر کے میرے پاس بھیج دو۔معاویہ نے ابوذر کو روانہ کیا اور اپنے آدمی کو تاکید کر دی کہ رات اور دن چلتے جانا کہیں رکنا نہیں نہ ابوذر کو آرام کرنے دینا جب ابوذر پہنچے تو کہنے لگے لڑکوں کو حاکم بناتے ہو۔زمینیں اور چراگاہیں اپنے لیے مخصوص کرتے ہو۔طلقا کی اولاد کو اپنا مقرب خاص بناتے ہو۔حضرت عثمان نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ کہاں رہنا چاہتے ہو۔ ابوذر نے کہا مکہ میں! کہا نہیں۔ابوذر نے کہا بیت المقدس میں۔کہا نہیں۔ابوذر نے کہا تو مصر یا بصرہ میں۔کہا نہیں میں تو تمہیں ربذہ بھیجنا چاہتا ہوں۔حضرت عثمان نے ابوذر کو ربذہ بھیج دیا وہ وہیں رہے۔یہاں تک کہ انتقال ہوگیا۔

قتادہ سے روایت ہے۔ابوذر نے کوئی بات ایسی کہی تھی جو حضرت عثمان کو ناگوار گزری۔واقدی اور مسعودی کی روایت میں ہے کہ جناب ابوذر نے کہا تھا میں نے پیغمبرؐ خدا کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جب عاص کی اولاد ۳۰ تک پہنچ جائے تو وہ دین خدا کو ہنسی ٹھٹھا بنالیں گے۔الخ۔یہ حدیث عنقریب تفصیل سے آئے گی۔حضرت عثمان نے انہیں جھٹلایا۔(واقدی کی لفظوں میں ''وائے ہو تم پر اے ابوذر رسولؐ خدا پر جھوٹی تہمت دھرتے ہو)۔ابوذر نے کہا پیغمبرؐ کے ارشاد کے بعد ما اظلت الغبراء وما اطبقت الخضرا۔ علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر۔(زمین نے کسی ایسے کو اپنے اوپر اٹھایا نہیں نہ آسمان کسی ایسے پر سایہ فگن ہوا جو ابوذر سے زیادہ صادق اللہجہ ہو) مجھے گمان بھی نہ تھا کہ کوئی مجھے جھٹلائے گا پھر حضرت عثمان نے ربذہ جلاوطن کر دیا جس پر جناب ابوذر کہا کرتے حق پسندی نے میرے لیے کوئی دوست باقی نہیں رکھا۔جب وہ ربذہ چلے

گئے تو فرمایا کرتے ہجرت کے بعد پھر عثمان نے مجھے اعرابی بنا دیا۔"

بشر بن حوشب فزاری نے اپنے باپ سے روایت کی ہے حوشب کہتے تھے کہ میں مویشی لے کر مدینہ کی طرف جا رہا تھا ربذہ سے گذر ہوا وہاں میں نے ایک سن رسیدہ بزرگ کو دیکھا جن کا سر اور ڈاڑھی دونوں سپید ہو چکے تھے میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ابوذر صحابی پیغمبرؐ۔ اس وقت ابوذر ایک چھوٹے سے خیمے میں فروکش تھے اور ان کے ساتھ بھیڑوں کا مختصر سا گلہ تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس جگہ بنی غفار کی آبادی تو نہیں ہے ابوذر نے کہا۔ اخرجت کارھا۔ مجھے زبردستی نکال باہر کیا گیا ہے۔

بشر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کی بیان کی ہوئی یہ حدیث سعید بن مسیب سے بیان کی مگر وہ اسے صحیح ماننے پر تیار نہیں ہوئے کہتے تھے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ عثمان نے انہیں نکالا ہو۔ ابوذر خود اپنی مرضی سے اپنے قدیمی وطن کو واپس گئے ہوں گے۔ جب ابوذر ربذہ کو جانے لگے تو حضرت علیؑ ان کو رخصت کرنے گئے۔ مروان نے علیؑ کو روکنا چاہا۔ علیؑ نے اپنے کوڑے سے مروان کے مرکب کے دونوں کان کے درمیان مارا۔ اس معاملہ میں علیؑ وعثمان کے درمیان سخت وسست باتیں ہوئیں۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان نے کہا تم میرے نزدیک مروان سے افضل نہیں ہو۔ لوگوں نے حضرت عثمان کی اس جسارت کو بے حد ناگوار جانا اور ناپسند کیا لوگوں نے بیچ میں پڑ کر میل ملاپ کرا دیا۔"

مورخ شہیر علامہ مسعودی نے جناب ابوذر کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک دن ابوذر حضرت عثمان کے دربار خلافت میں حاضر تھے۔ حضرت عثمان نے لوگوں سے پوچھا اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نکال چکا ہو تو کیا اب اس میں کسی کا حق باقی رہتا ہے۔ کعب الاحبار نے کہا نہیں اے امیر المومنینؑ۔ ابوذر نے کعب کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا جھوٹ کہا تم نے اے یہودی کے فرزند پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ لیس البر ان تولوا اقبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتاب والبیین وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ والموقون بعھدھم اذا عاھدوا۔ نیکی یہ نہیں ہے کہ تم مشرق ومغرب کی طرف رخ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے۔ اور نیکو کار وہ شخص ہے جو خدا پر ایمان لائے روز قیامت پر ایمان لائے اور ملائکہ، کتاب، انبیاء پر ایمان لائے اور خدا کی محبت میں صاحبان قرابت ایتام ومساکین، مسافر وسائلین اور غلاموں کو آزاد کرانے میں مال خرچ کرے۔ نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے اور جب کوئی وعدہ کرے تو اس کو وفا کرے۔ حضرت عثمان نے پھر لوگوں سے پوچھا کیا تمہاری نظروں میں کوئی مضائقہ ہے اگر ہم مسلمانوں کے بیت المال سے

کچھ مال لے لیں اپنی ضروریات میں صرف کریں اور تمہیں بھی دیں۔کعب الاحبار نے کہا نہیں کوئی حرج نہیں۔ابوذر نے یہ سن کر عصا اٹھالیا اور کعب کے سینہ پر مارا اور کہا اے یہودی کے فرزند تم ہمارے دین کے متعلق غلط سلط باتیں کہتے ہو کتنے ڈھیٹ ہو گئے ہو۔حضرت عثمان نے کہا ابوذر تم کتنی اذیتیں مجھے پہنچانے لگے ہو۔اپنا منہ مجھے اب نہ دکھانا تم نے مجھے بے حد اذیت پہنچائی ہے۔اس حکم پر ابوذر شام چلے گئے،معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھا۔ابوذر کے پاس لوگ بہت کثرت سے آتے ہیں۔مجھے اطمینان اس سے نہیں کہ کہیں وہ لوگوں کو تم سے برگشتہ نہ کردیں۔اگر یہاں کے لوگوں کی آپ کو ضرورت ہے تو ابوذر کو اپنے پاس بلا لیجئے۔عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ سوار کر کے میرے پاس بھیج دو۔معاویہ نے پشت برہنہ اونٹ پر سوار کر کے روانہ کر دیا ساتھ میں پانچ آدمی بھی کر دیئے جو بہت تیزی سے اونٹ کو ہنکاتے ہوئے مدینہ لائے جس سے ابوذر کے رانوں کا گوشت چھل چھل کر گر گیا اور قریب تھا کہ مر جائیں۔لوگوں نے کہا آپ تو اس تعب سے جانبر ہوتے نہیں نظر آتے ابوذر نے کہا میں ابھی نہیں مروں گا جب تک کہ جلاوطن نہ کیا جاؤں۔اس کے بعد ابوذر نے بعد میں پیش آنے والی تمام باتیں لوگوں کو بتائیں کہ ایسا ایسا میرا حال ہوگا اور اس طرح میں غربت و بے چارگی کی موت مروں گا اور اس طرح کچھ لوگ میرے دفن و کفن کے کفیل ہوں گے۔کچھ دنوں ابوذر گھر میں رہے پھر عثمان کے دربار خلافت میں پہنچے اور اپنے دونوں گھٹنوں کے بل بیٹھے اور بہت سی باتیں کہیں اور اولاد ابی العاص کے متعلق پیغمبرؐ کی وہ حدیث بیان کی جسمیں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔جب فرزندان عاص ۳۰ کی تعداد کو پہنچ جائیں گے تو بندگانِ خدا کو غلام بنالیں گے اور بہت سی باتیں کہیں اس دن ایسا اتفاق ہوا کہ عبدالرحمان بن عوف کا ترکہ حضرت عثمان کے پاس لایا گیا اور زر و سیم کی اتنی تھیلیاں ڈھیر کر دی گئیں کہ حضرت عثمان اور لوگوں کے درمیان دیوار کھڑی ہوگئی۔حضرت عثمان نے کہا میں عبدالرحمان کے لیے بھلائی کی امید کرتا ہوں وہ خیر خیرات بھی کرتے تھے مہمانوں کی ضیافت بھی اور پھر اتنا مال بھی چھوڑا۔کعب الاحبار نے کہا سچ کہتے ہیں آپ اے امیر المومنین۔ابوذر نے یہ سن کر عصا اٹھایا اور کعب کے سر پر مارا شام سے مدینہ آنے میں جن مصائب و تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا اور جن اذیتوں میں اب تک مبتلا تھے وہ ابوذر کو مانع نہ ہو سکیں آپ نے فرمایا اے یہودی کے بیٹے تم ایسے شخص کے متعلق جو مر گیا اور اتنا مال چھوڑ گیا کہتے ہو کہ خدا نے اسے دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی عنایت کی اور خدا کے متعلق تم یقینی فیصلہ کئے دیتے ہو حالانکہ میں نے پیغمبرؐ خدا کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔مایسرنی ان اموت وادع مایزن قیراطا۔مجھے یہ بات خوش نہیں کرتی کہ میں مرتے وقت قیراط برابر بھی کوئی چیز چھوڑ کر مروں۔

حضرت عثمان۔تم نکل جاؤ یہاں سے اپنا منہ کبھی مجھے نہ دکھانا۔

ابوذر۔میں مکہ چلا جاؤں؟

حضرت عثمان۔خدا کی قسم ہرگز نہیں۔

ابوذر۔تم مجھے میرے پروردگار کے گھر سے روکنا چاہتے ہو جس میں میں خدا کی عبادت کرنا چاہتا ہوں یہاں تک کہ مجھے موت آجائے۔

حضرت عثمان۔ہاں خدا کی قسم۔

ابوذر۔تو میں شام کو واپس چلا جاؤں۔

حضرت عثمان۔خدا کی قسم یہ تو ہرگز نہ ہوگا۔

ابوذر۔تو بصرہ کی اجازت دیجئے۔

حضرت عثمان۔خدا کی قسم نہیں ان شہروں کے علاوہ کوئی اور جگہ پسند کرو۔

ابوذر۔میں تو ان شہروں کے علاوہ اب کوئی دوسری جگہ پسند نہیں کروں گا۔اگر آپ مجھے دارالہجرۃ مدینہ میں رہنے دیں تو خیر مجھے کسی دوسرے شہر میں جانے کی تمنا نہیں ورنہ آپ کا جہاں جی چاہے بھیج دیں۔

حضرت عثمان۔میں تمہیں ربذہ بھیجنا چاہتا ہوں۔

ابوذر۔اللہ اکبر! سچ کہا تھا پیغمبرؐ خدا نے آنحضرت مجھے ان تمام باتوں کی خبر دے گئے ہیں جو مجھے پیش آنے والی ہیں۔

حضرت عثمان۔رسولؐ اللہ نے تم سے کیا کہا تھا۔؟

ابوذر۔پیغمبر نے مجھ سے کہا تھا کہ تم مکہ اور مدینہ میں رہنے نہیں دیئے جاؤ گے ربذہ میں تمہارا دم نکلے گا اور تمہارے دفن کفن کے کفیل کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو حجاز جانے کے لیے عراق سے آئیں گے جناب ابوذر نے اپنا اونٹ منگایا اس پر اپنی بیوی یا بیٹی کو سوار کیا۔حضرت عثمان نے منادی کرادی کہ جب تک ابوذر ربذہ نہ پہنچ لیں کوئی ان سے نہ ملے نہ ہمراہ جائے۔

جب ابوذر مدینہ سے باہر نکلے اور مروان آپ کو لئے جارہا تھا تو حضرت علیؑ اپنے دونوں فرزندوں حسنؑ و حسینؑ اور اپنے بھائی عقیل اور بھتیجے عبداللہ بن جعفر اور جناب عمار یاسر کے ہمراہ آتے نظر پڑے۔مروان نے ان لوگوں کے پاس پہنچ کر کہا یا علیؑ خلیفہ وقت نے لوگوں کو ابوذر کی ہمراہی اور ان کی مشایعت سے منع کیا ہے اگر آپؑ کو اس حکم کی اطلاع نہیں تو اب میں بتائے دے رہا ہوں۔حضرت علیؑ نے اپنا کوڑا مروان کی سواری کے دونوں کان کے درمیان مارا اور فرمایا دور ہٹ خدا تجھے جہنم میں لے جائے اس کے بعد آپؑ ابوذر کے ساتھ روانہ ہوئے ان کی مشایعت کی۔پھر رخصت کرکے واپس آئے۔جب آپؑ واپس

ہوئے تو ابوذر رونے لگے اور کہا اے اہل بیتؑ پیغمبرؐ خدا آپ لوگوں پر رحمت نازل کرے۔ اے ابوالحسنؑ میں آپؑ کو اور آپؑ کے فرزندوں کو دیکھ لیتا تو رسولؐ اللہ کو یاد کرلیتا تھا۔ مروان نے حضرت عثمان سے جا کر شکایت کی کہ علیؑ نے میرے ساتھ ایسا ایسا سلوک کیا ہے۔ حضرت عثمان نے کہا اے مسلمانوں تم میں سے کون علیؑ سے میری دادخواہی کرتا ہے۔ میں نے اپنا قاصد کام سے بھیجا علیؑ نے اسے واپس کر دیا اور ایسا ایسا کیا خدا کی قسم میں اپنے قاصد کا حق دلوا کر رہوں گا جب حضرت علیؑ واپس[1] آئے تو لوگ آگے بڑھ کر آپؑ سے ملے اور کہا خلیفہ وقت آپؑ پر بہت غضبناک ہیں کیونکہ آپ ابوذر کو رخصت کرنے گئے تھے۔ حضرت علیؑ نے کہا ان کا غضبناک ہونا ایسا ہی تو ہے جیسے گھوڑا اپنے لگام پر غصہ ہو۔ پھر آپ داخل مدینہ ہوئے۔ جب رات ہوئی تو آپؑ حضرت عثمان کے پاس پہنچے۔

عثمان۔ یہ آپؑ نے مروان کے ساتھ کیوں ایسا ناروا سلوک کیا مجھ پر جرأت وجسارت کی اور میرے قاصد کو میرا حکم بجالانے نہ دیا بلکہ واپس کر دیا۔

علیؑ۔ مروان کی بات تو یہ ہے کہ اس نے مجھے روکنا چاہا اور میں نے اسے روکنے نہیں دیا۔ رہ گیا یہ کہ میں نے آپ کے قاصد کو آپ کا حکم ادا نہ کرنے دیا تو یہ غلط ہے میں نے اس سے اسے روکا نہیں۔

عثمان۔ کیا آپؑ کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ میں نے لوگوں کو ابوذر کے ساتھ جانے ان کو رخصت کرنے سے منع کر دیا ہے؟

علیؑ۔ کیا آپ جائز و ناجائز جو حکم بھی دیں گے اس کی اطاعت ہم پر واجب ہوگی؟ خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔

عثمان۔ مروان کو تاوان ادا کیجئے۔

علیؑ۔ تاوان کس بات کا؟

عثمان۔ آپ نے اس کے سواری کے دونوں کانوں کے درمیان کوڑے سے مارا تھا۔

علیؑ۔ میری سواری موجود ہے اگر چاہے تو وہ بھی میری سواری کو مارے لیکن اگر وہ مجھے برا بھلا کہے گا تو میں اسے تو کچھ نہیں کہوں گا آپ ہی کو کہوں گا اور میں کچھ جھوٹ بھی نہیں کہوں گا حق ہی کہوں گا۔

عثمان۔ مروان کیوں نہیں آپ کو برا بھلا کہہ سکتا؟ آپ خدا کی قسم میرے نزدیک مروان سے افضل نہیں۔

حضرت علیؑ یہ سن کر غضبناک ہو گئے اور فرمایا مجھ سے ایسی باتیں کہتے ہو؟ اور مجھے مروان کے برابر کرتے ہو۔ خدا کی

---

[1] ۔ یہ جملہ بتاتا ہے کہ حضرت امیرالمومنین جناب ابوذر کی مشایعت میں تشریف لے گئے تو کئی دن تک مدینہ سے غیر حاضر رہے اس عبارت سے استاذ عبدالحمید جودت سحار مصری کے اس جملہ کی تائید ہو جاتی ہے جو انہوں نے اپنی کتاب الاشتراکی الزہد ص ر ۱۹۴ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ اپنے رفقا سمیت ابوذر کے ہمراہ ربذہ تک گئے وہیں سواریوں سے اتر کر یہ حضرات بیٹھے اور باتیں کرتے رہے۔

قسم میں آپ سے بہتر ہوں۔ میرے باپ آپ کے باپ سے افضل تھے اور میری ماں آپ کی ماں سے افضل تھیں یہ میرے تیر تھے میں چلا چکا آپ بھی تیر نکالئے اور مجھ پر چلائیے۔

یہ سن کر حضرت عثمان غصہ میں بھر گئے چہرہ سرخ ہو گیا اور گھر میں چلے گئے۔ حضرت علیؑ اپنے گھر واپس آئے آپؑ کے گھر پر اعزہ واقربا مہاجرین انصار کا ہجوم اکٹھا ہو گیا جب صبح ہوئی اور لوگ عثمان کے پاس پہنچے تو انہوں نے لوگوں سے حضرت علیؑ کی شکایت کی اور کہا کہ وہ مجھے عیب لگاتے ہیں اور میرے عیب لگانے والوں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ یعنی ابوذر عمار وغیرہ اس پر لوگوں نے بیچ میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرا دیا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے محض خدا کی خوشنودی کے لیے ابوذر کی مشایعت کی تھی۔

واقدی، صہبان مولی المسلمین سے روایت کی ہے۔ صہبان کہتے ہیں کہ جس دن ابوذر حضرت عثمان کے دربار میں آئے میں موجود تھا حضرت عثمان نے ان سے کہا۔ تمہیں نے ایسی ایسی حرکتیں کی ہیں؟

ابوذر۔ میں نے تو آپ کی خیر خواہی کی ہے البتہ آپ نے مجھے دھوکا دینا چاہا اسی طرح میں نے آپ کے صاحب (یعنی معاویہ) کی خیر خواہی کی مگر اس نے بھی میرے ساتھ فریب کیا۔

حضرت عثمان۔ تم جھوٹے ہو۔ تم صرف فتنہ وفساد برپا کرنا چاہتے ہو پورے ملک شام کو تم نے ہم سے برگشتہ کر دیا ہے۔

ابوذر۔ آپ اپنے پیغمبرؐ کے نقش قدم پر چلئے کوئی آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔

حضرت عثمان۔ تم کو اس سے کیا مطلب۔ تمہاری ماں مر جائے۔

ابوذر۔ میں نے تو اور کچھ نہیں کہا سوائے اس کے کہ نیکی کا مشورہ دیا برے کام سے روکنا چاہا۔

حضرت عثمان غصہ سے بیتاب ہو گئے آپ نے حاضرین سے کہا کہ شیخ کذاب کے متعلق مجھے مشورہ دو کہ میں زدوکوب کروں؟ قتل کر ڈالوں؟ یا قید میں ڈال دوں؟ حضرت علیؑ جو وہاں تشریف رکھتے تھے بولے میں آپ کو ان کے متعلق وہی مشورہ دیتا ہوں جو مومن آل فرعون نے کہا تھا۔ فان یك کاذبا فعلیه کذبه وان یك صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم ان الله لا یهدی من هو مسرف کذاب۔ اگر ابوذر جھوٹے ہیں تو اس کا خمیازہ خود بھگتیں گے اور اگر یہ سچے ہیں تو یہ جن باتوں سے خوف دلا رہے ہیں ان میں سے بعض تم پر نازل ہو کر رہیں گی خداوند عالم جھوٹے اور زیاں کار کی ہدایت نہیں کرتا۔

حضرت علیؑ کی اس بات کا عثمان نے بہت سخت ونامناسب جواب دیا جس کا ذکر میں پسند نہیں کرتا۔ حضرت علیؑ نے بھی ویسا ہی انہیں جواب دیا۔ اس کے بعد صہبان کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے عام ممانعت کر دی کہ خبردار کوئی شخص ابوذر

کے پاس اٹھے بیٹھے نہیں۔ نہ ان سے بات چیت کرے۔ پھر حضرت عثمان نے حکم دیا کہ ابوذر کو بلایا جائے۔ ابوذر آئے۔ جب حضرت عثمان کے روبرو کھڑے ہوئے تو ابوذر نے کہا۔

''وائے ہو آپ پر اے عثمان کیا آپ نے حضرت رسالت مآبؐ اور ابوبکر و عمر کو نہیں دیکھا ہے؟ کیا یہی ان کا طرز عمل تھا؟ تم تو میرے ساتھ جابر و ظالم بادشاہوں جیسا برتاؤ کر رہے ہو۔''

حضرت عثمان۔ تو تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔

ابوذر۔ مجھے آپ کے پاس رہنا خود بہت زیادہ پسندیدہ نہیں اچھا تو میں کہاں جاؤں؟

حضرت عثمان۔ جہاں تمہارا جی چاہے۔

ابوذر۔ شام جو سرزمین جہاد ہے جہاں دشمنان اسلام سے جنگ چھڑی ہوئی ہے وہاں جاؤں؟

حضرت عثمان۔ شام سے تو میں نے تمہیں واپس بلایا ہے یہ دیکھ کر کہ تم شام والوں کو میرے برخلاف ابھار رہے ہو۔ کیا میں تمہیں واپس جانے دوں گا۔

ابوذر۔ تو میں عراق چلا جاؤں۔

حضرت عثمان۔ نہیں۔

ابوذر۔ کیوں؟

حضرت عثمان۔ تم ایسے لوگوں میں جانا چاہتے ہو جو شک و شبہ پیدا کرنے والے اور امت میں طعن کرنے والے ہیں۔

ابوذر۔ تو مصر چلا جاؤں۔

حضرت عثمان۔ نہیں۔

ابوذر۔ تو پھر کہاں جاؤں؟

حضرت عثمان۔ جہاں تمہارا جی چاہے۔

ابوذر۔ آپ مجھے مہاجر ہونے کے بعد پھر بدوی اعرابی بنانا چاہتے ہیں اچھا میں نجد کی طرف چلا جاتا ہوں۔

حضرت عثمان۔ ہاں یہی ٹھیک ہے لیکن ربذہ سے آگے نہ جانا۔ ربذہ ہی کی طرف چلے جاؤ۔

چنانچہ ابوذر ربذہ کی طرف جلاوطن ہو گئے۔

علامہ یعقوبی لکھتے ہیں۔ حضرت عثمان کو خبریں پہنچیں کہ ابوذر پیغمبرؐ کی جائے نشست پر بیٹھتے ہیں اور لوگوں کا ان کے ارد

گرد ہجوم ہو جاتا ہے وہ ان سے ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن سے ہم پر آنچ آتی ہے ایک دن ابوذر دروازہ مسجد پر کھڑے ہو کر کہنے لگے۔ اے لوگو جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے جو نہیں پہچانتا وہ اب پہچان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں۔ جندب بن جنادہ ربذی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو اہل عالم پر برگزیدہ کیا ہے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ خدا بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ محمد نوحؑ سے برگزیدہ اور ابراہیمؑ سے بھی مقدم ہیں اور اسماعیلؑ کی پاکیزہ نسل ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ہدایت کرنے والی عترت، شریفوں کا شرف ہیں، اور مستحق افضلیت ہیں۔ وہ ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسے بلند آسمان اور جیسے خانہ کعبہ جس کی زیارت وطواف کو لوگ آتے ہیں یا جیسے قبلہ مقررہ یا دمکتا سورج یا روشن چاند یا راستہ بتانے والے ستارے یا روشنی دینے والا درخت زیتون جس کی آگ میں برکت ہوتی ہے۔ محمدؐ آدمؑ کے علم کے وارث اور ان تمام خصائص وفضائل کے مالک ہیں جن سے انبیاء کو عامہ ناس پر فضیلت ہوتی ہے۔

اس کے بعد علامہ یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کو معلوم ہوا کہ ابوذر انہیں برا بھلا کہتے ہیں اور لوگوں سے تذکرہ کرتے ہیں کہ عثمان نے دین الٰہی میں ایسے تغیرات کر دیئے۔ پیغمبرؐ کی سنت کو بدل ڈالا۔ ابوبکر وعمر کی روش چھوڑ دی۔ حضرت عثمان نے ابوذر کو شام میں بھیج دیا شام میں ابوذر کی روزانہ نشست ہوتی اور اسی قسم کی باتیں کہا کرتے لوگوں کا ان کے گرد ہجوم بڑھتا جاتا یہاں تک کہ ان کے پاس لوگوں کی بہت زیادہ بھیڑ رہنے لگی اور لوگ ان کی باتیں سننے کے لیے کثرت سے جمع ہونے لگے۔ ابوذر صبح کی نماز پڑھنے کے بعد دمشق کے دروازہ پر کھڑے ہو جاتے اور پکار کر کہتے۔ جاءت القطار تحمل النار۔ آگ لے کر فرشتوں کی قطار آگئی۔ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جو دوسروں کو اچھے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور خود تارک ہیں۔ خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو دوسرے کو برے کام سے روکتے ہیں اور خود برے کام کرتے ہیں۔ معاویہ نے حضرت عثمان کو شکایت لکھ بھیجی۔ اور لکھا کہ آپ نے ابوذر کو یہاں بھیج کر پورے شام کو اپنے خلاف کر لیا ہے۔ حضرت عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ ابوذر کو برہنہ پشت اونٹ پر سوار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ وہ حضرت عثمان کے منشاء کے مطابق بڑی اذیتوں کے ساتھ مدینہ بھیج دیئے گئے ان کی رانوں کا گوشت چھل چھل گیا حضرت عثمان کے پاس جب پہنچے تو بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عثمان نے پوچھا۔

میں نے سنا ہے کہ تم لوگوں سے کہتے پھرتے ہو کہ میں نے پیغمبرؐ خدا کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جب بنو امیہ ۳۰ کی تعداد کو پہنچ جائیں گے تو خدا کے شہروں کو گیند بندگان خدا کو غلام اور دین کو مکروفریب کا ذریعہ بنالیں گے۔

ابوذر۔ ہاں میں نے رسولؐ اللہ کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔

حضرت عثمان نے حاضرین سے پوچھا کہ کیا تم لوگوں نے بھی رسول اللہ کو ایسا کہتے سنا ہے؟ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؑ کو بلا بھیجا۔ جب آپؑ تشریف لائے تو پوچھا۔

حضرت عثمان۔ اے ابوالحسن! یہ ابوذر جو کچھ کہتے ہیں کیا آپ نے بھی رسول اللہ کو یہ کہتے سنا ہے؟

حضرت علیؑ۔ ہاں۔

حضرت عثمان۔ کیسے سنا ہے؟

حضرت علیؑ۔ یوں کہ پیغمبر خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آسمان نہ کسی ایسے پر سایہ فگن ہوا۔ نہ زمین نے کسی ایسے کو اپنے دوش پر اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ صادق اللہجہ ہو۔

اس واقعہ کے بعد چند ہی دن ابوذر مدینہ میں رہے ہوں گے کہ حضرت عثمان نے ان کو بلا کر کہا۔

حضرت عثمان۔ خدا کی قسم تمہیں مدینہ سے چلے جانا ہوگا۔

ابوذر۔ کیا آپ حرم رسولؐ سے مجھے نکالنا چاہتے ہیں۔

حضرت عثمان۔ ہاں چاہے تمہیں ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

ابوذر۔ اچھا تو مکہ چلے جانے دیجئے۔

حضرت عثمان۔ نہیں۔

ابوذر۔ بصرہ کی طرف۔

حضرت عثمان۔ نہیں۔

ابوذر۔ تو کوفہ کی طرف؟

حضرت عثمان۔ نہیں البتہ ربذہ چلے جاؤ جہاں سے آئے تھے اب وہیں رہو۔ یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے۔

اس کے بعد حضرت عثمان نے مروان سے کہا انہیں مدینہ سے ربذہ نکال باہر کرو اور کسی کو ان سے ملنے جلنے، بات چیت نہ کرنے دی جائے۔ مروان ایک اونٹ پر آپ کو سوار کر کے مدینہ سے باہر لے چلا آپ کے ساتھ آپ کی بیوی اور بیٹی تھیں۔ حضرت علیؑ امام حسن و حسینؑ، عبداللہ بن جعفر، عمار بن یاسر انہیں رخصت کرنے کے لیے آئے۔ جب ابوذر نے علیؑ کو دیکھا تو ان کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور رونے لگے اور کہا جب میں آپؑ کو دیکھتا ہوں اور آپؑ کے فرزندوں کو تو مجھے رسولؐ اللہ کا ارشاد یاد آجاتا ہے اور قوت صبر جواب دے جاتی ہے حضرت علیؑ آپ سے گفتگو کرنے لگے۔ مروان نے کہا امیر المومنین عثمان نے

ممانعت کی ہے کہ ابوذر سے کوئی کلام کرے حضرت علیؑ نے اپنا کوڑا بلند کیا اور مروان کے مرکب کے منہ پر مارا اور فرمایا دور ہو خدا تجھے جہنم واصل کرے۔ پھر آپؑ نے ابوذر کی مشایعت کی اور بہت دیر تک محو کلام رہے اور آپؑ کے ہمراہ جتنے لوگ تھے سبھی نے ان سے گفتگو کی، مروان نے حضرت عثمان کے پاس واپس آکر شکایت کی جس پر علیؑ و عثمان کے درمیان بہت کچھ تلخ و تند باتیں ہوئیں۔

علامہ ابن سعد نے احنف بن قیس کے توسط سے روایت کی ہے۔ احنف کہتے ہیں۔ میں مدینہ آیا پھر وہاں سے شام آیا۔ جمعہ کے دن نماز پڑھنے مسجد میں گیا ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ جب کسی ستون مسجد کے پاس جاتا ہے وہاں جو شخص ہوتا ہے وہ جلدی سے نماز میں مشغول ہو جاتا ہے میں اس شخص کے پاس جا کر بیٹھا اور میں نے کہا اے بندہ خدا آپ کون ہیں اس نے کہا میں ابوذر ہوں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے بتایا کہ احنف بن قیس ہوں۔ ابوذر نے کہا جلدی میرے پاس سے اٹھ جاؤ ورنہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ میں نے پوچھا یہ کیسے ابوذر نے کہا یہ جو معاویہ ہے اس نے مناہی کرا دی ہے کہ میرے پاس کوئی اٹھے بیٹھے نہیں۔

ابویعلیٰ نے ابن عباس سے روایت کی ہے، ابن عباس کہتے ہیں کہ ابوذر نے حضرت عثمان کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی۔ عثمان نے کہا یہ ہمیں اذیت پہنچانے آگئے جب ابوذر آئے تو حضرت عثمان نے پوچھا تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تم ابوبکر و عمر سے بہتر ہو؟ ابوذر نے کہا میں نے اس کا کبھی دعویٰ نہیں کیا البتہ میں نے پیغمبرؐ خدا کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ تم لوگوں میں سب سے زیادہ مجھے محبوب اور سب سے زیادہ مجھ سے قریب تر وہ ہے جو اس عہد پر باقی رہے جس کا میں نے اس سے معاہدہ کیا ہے اور خدا کا شکر ہے کہ میں عہد پیغمبرؐ پر باقی ہوں۔ (مسند احمد) حضرت عثمان نے اس پر ابوذر کو حکم دیا کہ تم مدینہ چھوڑ دو اور شام چلے جاؤ۔ جناب ابوذر شام چلے گئے۔ وہاں وہ لوگوں سے پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کیا کرتے اور کہتے کہ تمہارے پاس رات تک نہ کوئی درہم باقی بچنا چاہئے نہ دینار سوا اس کے کہ اسے تم راہ خدا میں خرچ کر ڈالو یا کسی قرض خواہ کو دے دو۔ اس پر معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھا کہ اگر ملک شام کی آپ کو ضرورت ہے تو بہتر یہ ہے کہ ابوذر کو اپنے پاس بلا لیجئے۔

(مذکورہ بالا تمام عبارتوں کے لیے دیکھئے کتاب الانساب بلاذری ج ۵/ص ۵۲/ـ ۵۴، صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ و کتاب التفسیر طبقات ابن سعد ج ۴/، س ۱۶۸/، مروج الذہب ج ۱/ص ۴۳۸/، تاریخ یعقوبی ج ۲/ص ۱۴۸/، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱/، ص ۲۴۰/ـ ۲۴۲، فتح الباری ج ۳/ص ۲۱۳/، عمدۃ القاری ج ۴/ص ۲۹۱/)

دوسری فصل

وقتِ جلاوطنی جناب ابوذر سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی گفتگو

حضرت امیر المومنینؑ نے جناب ابوذر سے فرمایا:

یا اباذر انك غضبت لله فارج من غضبت له ان القوم خافوك علی دنیاهم وخفتهم علی دینك فاترك فی ایدیهم ماخافوك علیه واهرب منهم بما خفتهم علیه فما احوجهم الیٰ مامنعتهم وما اغناك عما منعوك وستعلم من الرابح غدا والاکثر حسدا، ولو ان السماوات والارضین کانتا علی عبد رتقا ثم اتقی الله، لجعل الله له منهما مخرجاً لا یونستك الا الحق، ولو یوحشنك الا الباطل، فلو قبلت دنیاهم لاحبوك ولو قرضت منها لامنوك۔ (نہج البلاغہ ج ۱/ص ۲۴۷)

اے ابوذر تم ان لوگوں سے خدا کے لیے ناراض ہوئے تھے پس اسی سے معاوضہ کی امید رکھو یہ لوگ تم سے ڈرتے تھے کہ کہیں تمہاری باتوں کی وجہ سے دنیا ان کے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اور تم اپنے دین کے بچانے کی خاطر ان سے خائف تھے۔ پس اس چیز کو جس کی وجہ سے یہ تم سے خائف تھے (یعنی دنیا) انہیں کے ہاتھوں میں چھوڑ دو اور اس چیز کو لے کر بھاگ جاؤ جس چیز کے متعلق تم ان لوگوں سے خائف تھے۔ یعنی اپنے دین کو لے کر ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جاؤ تم نے اپنے جس دین پر ان لوگوں کو قابو نہ ہونے دیا اس دین کے یہ کتنے محتاج ہیں اور تم کو ان لوگوں نے جس (دنیا) سے محروم کر دیا اس سے تم کتنے بے نیاز ہو عنقریب کل کے دن تم کو معلوم ہو جائے گا کہ فائدہ میں کون رہا اور حسد کا مظاہرہ کس طرف سے زیادہ ہوا۔ اگر آسمان وزمین دونوں کسی بندے کے لیے مسدود ہوں اور بندہ خدا سے ڈرنے والا ہو تو خداوند عالم کوئی نہ کوئی راستہ اس کے لیے ضرور پیدا کر دے گا تم ہمیشہ حق سے مانوس اور باطل سے سراسیمہ رہو گے۔ اگر تم بھی ان لوگوں کی دنیا کو قبول کر لیتے تو یہ لوگ تمہیں بھی محبوب رکھتے اور اگر تم اس دنیا سے قرض لیتے تو یہ لوگ تمہیں امان دیتے۔

علامہ ابن ابی الحدید نے بھی جناب ابوذر کی سرگذشت کو بہت تفصیل سے لکھا ہے اور یہ واقعہ ان کے نزدیک مشہور وزبان زد خلائق واقعات سے ہے ان کی تحریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

''جناب ابوذر کی درد بھری کہانی اور ربذہ کی طرف ان کی جلاوطنی من جملہ ان افسوسناک واقعات کے ہے جو حضرت عثمان کی تباہی کا باعث ہوئے۔ ابوبکر بن عبدالعزیز جوہری نے اس واقعہ کو اپنی کتاب سقیفہ میں بسلسلۂ اسناد عبداللہ بن عباس

سے روایت کیا ہے۔ابن عباس کا بیان ہے کہ جب ابوذر ربذہ کی طرف جلاوطن کئے گئے تو حضرت عثمان کے حکم سے عام منادی کرادی گئی کہ نہ ابوذر سے کوئی کلام کرے اور نہ ان کو رخصت کرنے کوئی ساتھ جائے۔اور مروان کو حکم دیا کہ تم ابوذر کو مدینہ سے باہر نکال آؤ۔مروان ابوذر کو لے کر باہر نکلا اور لوگ کنارہ کش رہے البتہ علی ابن ابی طالبؑ ان کے بھائی عقیل علیؑ کے فرزند حسنؑ وحسینؑ اور عمار ابوذر کی مشایعت کرنے کے لیے نکلے امام حسنؑ ابوذر سے گفتگو کرنے لگے تو مروان نے کہا اے حسن تمہیں معلوم نہیں امیرالمومنین عثمان نے اس شخص سے گفتگو کرنے کو منع کیا ہے اگر پہلے نہیں جانتے تھے تو اب جان لو حضرت علیؑ نے کوڑا اٹھا کر مروان کے ناقہ کے دونوں کانوں کے درمیان مارا اور فرمایا دور ہو خدا تجھے واصل جہنم کرے۔مروان غصہ میں بھرا ہوا حضرت عثمان کے پاس آیا اور ان کو سارے واقعہ کی خبر دی۔حضرت عثمان غصہ سے آگ بگولا ہو گئے۔ادھر یہ لوگ ایک ایک کر کے ابوذر سے رخصت ہونے لگے ان لوگوں کے ساتھ ذکوان ام ہانی بنت ابی طالب کا غلام بھی تھا، ذکوان کہتا ہے کہ اس وقت آپس میں جو بات چیت ہوئی وہ میں نے یاد کر لی۔ذکوان پہلے ہی غیر معمولی حافظہ کا تھا۔حضرت علیؑ نے فرمایا۔

اے ابوذر آپ خدا کی خوشنودی کے لیے غضبناک ہوئے ہیں یہ لوگ آپ سے اپنی دنیا کے لیے ڈرے اور آپ ان سے اپنے دین کے متعلق خائف ہوئے۔آپ کو ان لوگوں نے آفات ومصائب میں مبتلا کیا اور بیابان کی طرف شہر بدر کر دیا، خدا کی قسم اگر زمین وآسمان دونوں کسی بندے پر مسدود ہو جائیں اور وہ بندہ خدا سے ڈرنے والا ہو تو خداوند عالم اس کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔اے ابوذر آپ ہمیشہ حق سے مانوس اور باطل سے سراسیمہ رہیں گے، پھر آپؑ نے اپنے بیٹوں حسنؑ وحسینؑ سے کہا اپنے چچا کو رخصت کرو۔عقیل سے کہا آپؑ اپنے بھائی کو رخصت کیجئے۔جناب عقیل نے کہا ہم کیا کہیں ابوذر آپ جانتے ہیں کہ ہم آپ کو محبوب رکھتے ہیں اور آپ ہمیں دوست رکھتے ہیں۔خدا سے ڈرتے رہئے کہ تقویٰ ہی سبب نجات ہے اور صبر کیجئے کہ صبر کرم ہے اور یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کا صبر کو دشوار سمجھنا بے دلی ہے اور عافیت کو دور سمجھنا ناامیدی ہے۔لہٰذا ناامیدی اور بیدلی دونوں کو اپنے پاس نہ آنے دیجئے۔

پھر امام حسنؑ گویا ہوئے۔اے چچا اگر رخصت کرنے والے کے لیے سکوت نازیبا اور مشایعت کرنے والے کے لیے پلٹنا نہ ہوتا تو کلام بہت مختصر لیکن حزن واندوہ بہت طولانی ہوتا۔ان لوگوں سے جو آپ کو مصائب جھیلنے پڑے وہ ظاہر میں آپ دنیا کے آرام وآسائش اور شدائد ومصائب کی یاد آئندہ کی توقعات اور امیدوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دل سے نکال دیجئے۔اور اس وقت تک صبر کیجئے جب آپ پیغمبرؐ سے جا کر ملیں گے اور آنحضرتؐ آپ سے راضی وخوشنود ہوں گے۔“

پھر امام حسینؑ گویا ہوئے۔اے چچا خداوند عالم یقیناً اس پر قدرت رکھتا ہے کہ آپ کے موجودہ مصائب کو دور کر دے۔

خداوند عالم ہر آن نئی شان والا ہے۔ان لوگوں نے آپ کو جس دنیا سے محروم کیا آپ اس سے کتنا بے نیاز ہیں اور آپ نے جو چیز نہیں دینا گوارا نہ کیا اس کے وہ کتنے محتاج ہیں۔خدا سے صبر اور نصرت کا سوال کیجئے اور بے دلی اور گھبراہٹ سے اسی کی پناہ ڈھونڈھیے،صبر، دین و کرم سے ہے اور گھبراہٹ رزق کو قریب نہیں کرسکتی اور بے دلی موت کو ٹال نہیں سکتی۔"

پھر جناب عمار غصہ میں بھرے ہوئے گویا ہوئے، جن لوگوں نے آپ کو پریشان کیا ہے خدا ان کو اطمینان قلب عنایت نہ کرے جن لوگوں نے آپ کو سہما دیا ہے انہیں امن و عافیت میسر نہ ہو۔اگر آپ ان کی دنیا چاہتے تو وہ آپ کو امان دیتے۔اگر ان کے افعال پر راضی رہتے تو وہ آپ کو محبوب رکھتے، آپ جو باتیں زبان سے کہتے ہیں یہ لوگ اپنی زبان پر اس لیے نہیں لاتے کہ یہ لوگ دنیا پر فریفتہ اور موت سے ہراساں ہیں اپنے بادشاہ حضرت عثمان کے رنگ میں رنگ گئے ہیں اور ملک تو اس کا ہوتا ہے جس کا غلبہ ہو۔لوگوں نے اپنا دین بادشاہ کے حوالہ کر دیا۔اس نے دنیا عنایت کر دی۔حقیقت تو یہ ہے کہ وہ دنیا و آخرت دونوں میں گھاٹے میں رہے اور یہی کھلا ہوا گھاٹا ہے۔

ابوذر رونے لگے وہ بہت سن رسیدہ انسان تھے ابوذر نے کہا خدا آپؑ لوگوں پر اے اہلبیتؑ اپنی رحمت نازل کرے جب میں آپؑ لوگوں کو دیکھتا ہوں رسولؐ خدا کو یاد کر لیتا ہوں، مدینہ میں آپ لوگوں کے سوا میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔میں حجاز میں عثمان کے لیے ویسا ہی گراں ہو گیا جیسا شام میں معاویہ پر شاق تھا۔عثمان کو یہ بھی پسند نہیں کہ میں اس کے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کے پڑوس میں رہوں یا خالہ زاد بھائی عبداللہ بن عامر کے ہمسایہ بصرہ میں رہوں۔انہیں اندیشہ ہے کہ کہیں میں ان مقامات کے لوگوں کو ان کے خلاف برانگیختہ نہ کر دوں۔جس کے نتیجہ میں انہوں نے مجھے ربذہ کی طرف جلا وطن کر دیا ہے۔جہاں نہ کوئی میرا مددگار ہے نہ دشمنوں کو دفع کرنے والا سوا خداوند عالم کے۔خدا کی قسم میں خدا کے سوا کسی کو اپنا مصاحب بنانا بھی نہیں چاہتا۔اور اللہ کے ہوتے ہوئے میں کسی وحشت سے ڈرتا بھی نہیں۔

اس کے بعد یہ حضرات مدینہ واپس آ گئے۔حضرت علیؑ عثمان کے پاس تشریف لائے انہوں نے پوچھا۔

آپؑ نے ہمارے قاصد کو روکا کیوں؟ اور ہمارے حکم کی توہین کیوں کی؟

حضرت علیؑ۔آپ کے قاصد نے مجھے روکنا چاہا اس لیے میں نے بھی اسے روکا۔رہ گیا آپ کا حکم تو میں نے اس کی اہانت نہیں کی۔

حضرت عثمان۔کیا آپ نے سنا نہیں تھا کہ میں نے لوگوں کو ابوذر سے گفتگو کرنے سے منع کر دیا ہے۔

حضرت علیؑ۔کیا آپ اگر خدا کی نافرمانی کا بھی حکم دیں گے تو ہمارے لیے اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے؟

حضرت عثمان ۔اچھا مروان کو ہرجانہ ادا کیجئے ۔

حضرت علیؑ ۔ہرجانہ کس بات کا؟

حضرت عثمان ۔آپ نے اسے برا بھلا کہا اور اس کی سواری کو کوڑا مارا۔

حضرت علیؑ ۔اس کی سواری کے بدلہ میں میری سواری موجود ہے اگر میں نے اس کی سواری کو کوڑا مارا تو وہ بھی میری سواری کو کوڑا مار لے لیکن رہ گیا یہ کہ وہ مجھے برا کہے تو یاد رکھئے اگر ایک لفظ بھی وہ مجھے برا کہے گا تو میں اسے تو کچھ نہ کہوں گا بلکہ ویسا ہی برا آپ کو کہوں گا اور میں آپ کو برا کہنے میں جھوٹ بھی نہ بولوں گا جو کہوں گا سچ ہی کہوں گا۔

حضرت عثمان ۔غصہ سے بے قابو ہو گئے اور بولے مروان آپ کو برا کیوں نہیں کہہ سکتا؟ گویا آپ مروان سے بہتر ہیں؟

حضرت علیؑ ۔ہاں خدا کی قسم میں اس سے بھی بہتر ہوں اور آپ سے بھی۔

یہ کہہ کر حضرت علیؑ وہاں سے اٹھے اور دولت سرا واپس تشریف لائے، حضرت عثمان نے معزز مہاجرین و انصار اور بنی امیہ کے افراد کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور ان سے حضرت علیؑ کی شکایت کی۔لوگوں نے کہا آپ خلیفہ وقت ہیں آپ علیؑ کو سمجھا دیجئے حضرت عثمان نے کہا میں بھی یہی چاہتا ہوں، وہ لوگ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا اچھا ہوتا کہ آپ مروان کے پاس چلتے اور معذرت کر لیتے آپ نے فرمایا یہ کبھی نہیں ہو سکتا نہ میں مروان کے پاس جاؤں گا۔نہ اس سے معذرت کروں گا ہاں اگر عثمان چاہیں تو میں ان کے پاس چل سکتا ہوں ان لوگوں نے آ کر عثمان کو خبر دی۔عثمان نے آدمی بھیج کر آپؑ کو بلایا۔آپؑ بنی ہاشم کے ہمراہ تشریف لائے اور بعد حمد و ثنائے الٰہی گویا ہوئے کہ ابوذر سے میرے گفتگو کرنے اور ان کو رخصت کرنے سے آپ کو جو رنج پہنچا ہے تو میرا ارادہ یہ نہ تھا کہ آپ کو رنج پہنچاؤں نہ آپ کی مخالفت کرنی ہی مجھے مقصود تھی میں نے تو صرف ابوذر کا حق ادا کرنا چاہا تھا۔رہ گیا مروان تو وہ مجھے خداوند عالم کے اس حق کی ادائیگی سے روکنا چاہتا تھا میں نے اسے ایسا کرنے سے روکا اور میں آپ کے اوپر جو غیظ و غضب میں آیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے باتیں ہی ایسی کیں کہ مجھے غصہ آ گیا ورنہ میرا ارادہ ایسا نہ تھا۔

اس کے بعد حضرت عثمان گویا ہوئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد بولے آپ نے مجھ پر جو غم و غصہ کیا اسے میں نے آپؑ کو ہبہ کیا آپؑ نے مروان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ خدا آپؑ کو معاف کرے گا اور آپؑ قسم کھا کر جو فرما رہے ہیں تو آپ نیکو کار اور راست گفتار ہیں آپؑ اپنا ہاتھ مجھے عنایت کیجئے حضرت علیؑ نے ہاتھ بڑھایا حضرت عثمان نے آپ کے ہاتھ کو اپنے سینہ سے لگا لیا۔

جب مجمع برخواست ہو گیا تو قریش اور بنی امیہ کے لوگوں نے مروان سے کہا یہ سارے فتنہ و فساد کی جڑ تمہیں ہو۔ پورا

قبیلۂ وائل ایک ناقہ کے تھن کے معاملہ میں لڑ کر ختم ہوگیا۔ ذبیان وعبس ایک گھوڑے کے متعلق جنگ کرکے مرمٹے۔ اوس وخزرج ایک رسی کے متعلق چالیس برس تک جنگ کرتے رہے کیا تمہاری مجال تھی؟ کہ علیؑ نے تمہارے اونٹ کو کوڑا جو مارا تھا تو تم ان کے اونٹ کو کوڑا مار لیتے۔ مروان نے کہا خدا کی قسم اگر میں چاہتا بھی تو ایسا کر نہیں سکتا تھا۔ مجھے اس کی قدرت ہی نہ حاصل ہوتی۔

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ اکثر ارباب سیر وعلماء تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان نے جناب ابوذر کو پہلے شام کی طرف جلاوطن کیا اور جب معاویہ نے وہاں سے شکایت لکھ بھیجی تو وہاں سے مدینہ بلایا اور جب ابوذر نے مدینہ میں بھی ویسی باتیں کیں جیسی وہ شام میں کرتے تھے تو انہوں نے دوبارہ ابوذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کر دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ جب عثمان نے مروان وغیرہ کو بیت المال سے بڑی بڑی رقمیں دیں اور زید بن ثابت پر بھی خصوصی نوازشیں کیں تو ابوذر لوگوں سے راستوں میں ہر گلی کوچوں میں کہنے لگے۔ بشر الکانز بعذاب الیم۔ سونا چاندی خزانہ کرکے رکھنے والوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو اور بلند آواز سے کلام مجید کی اس آیت کی تلاوت کرتے۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ ابوذر کی یہ باتیں کئی مرتبہ عثمان کے گوش گذار کی گئیں مگر عثمان چپ رہے کچھ بولے نہیں پھر عثمان نے اپنے کسی غلام کو ان کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ تمہارے متعلق جو باتیں مجھے پہنچ رہی ہیں ان سے باز رہو۔ ابوذر نے جواب دیا کہ کیا عثمان مجھے قرآن کی تلاوت سے روکنا چاہتے ہیں اور ان کا حکم ہے کہ جن لوگوں نے خدا کا حکم چھوڑ دیا ہے ان کی منقصت نہ کروں؟ خدا کی قسم عثمان کو ناراض رکھ کر میں خدا کو راضی کرلوں تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں عثمان کو خوش کروں اور خدا کو ناراض۔ حضرت عثمان یہ سن کر بہت مشتعل ہوئے مگر خاموش رہے کچھ بولے نہیں یہاں تک کہ ایک دن حضرت عثمان نے اپنے پاس کے بیٹھے ہوئے لوگوں سے پوچھا۔ امام کے لیے جائز ہے کہ بیت المال سے کچھ قرض لے اور جب اس کے پاس ہو تو ادا کر دے؟ کعب الاحبار نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں، ابوذر نے کہا اے یہودی ماں باپ کے بیٹے کیا تم ہمیں ہمارے دین کی تعلیم دے رہے ہو؟ عثمان نے کہا ابوذر تمہاری ایذا رسانی بہت بڑھتی جا رہی ہے۔ میرے اصحاب کو بھی بہت پریشان کرنے لگے ہو۔ تم شام چلے جاؤ۔ چنانچہ حضرت عثمان نے ابوذر کو شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ وہاں شام میں معاویہ تھا اس کی بہت سی باتیں ابوذر کی ناپسندیدگی کا سبب ہوئی۔ ایک دن معاویہ نے ابوذر کے پاس تین سو دینار بھیجے ابوذر نے لانے والے سے پوچھا اگر یہ تین سو دینار میرے اس وظیفہ ومشاہرہ کے ہیں جس سے تم لوگوں نے اس سال مجھے محروم رکھا ہے اور ایک پیسہ نہیں دیا ہے تو میں قبول کرلوں گا لیکن

اگر بطور منھ بھرائی کے ہے تو مجھے اس کی حاجت نہیں۔ یہ کہہ کر ابو ذر نے وہ دینار واپس کر دیئے۔

پھر معاویہ نے دمشق میں قصر خضراء تعمیر کیا ابو ذر نے کہا معاویہ اگر تم نے اتنا بڑا قصر خدا کے مال سے بنایا ہے تو یہ خیانت ہے اور اگر اپنے مال سے بنایا ہے تو اسراف ہے۔ ابو ذر شام میں کہا کرتے خدا کی قسم اب تو نت نئی ایسی باتیں رونما ہونے لگی ہیں اور ایسے نئے نئے کام ہونے لگے ہیں جو میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھے نہ میں کتاب خدا ہی سے اس کا جواز پاتا ہوں نہ سنت پیغمبرؐ ہی سے۔ خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ حق مٹایا جا رہا ہے اور باطل زندہ کیا جا رہا ہے۔ سچوں کی تکذیب کی جا رہی ہے۔ نیکو کاروں کو پیچھے کر دیا گیا ہے اور خدا سے نہ ڈرنے والوں کو مقدم رکھا جا رہا ہے۔ حبیب بن مسلمہ فہری نے کہا۔ ابو ذر شام کو تمہارے لیے بگاڑ کر رکھ دیں گے۔ اگر شام کی تم لوگوں کو کوئی حاجت ہے تو جلد ہی خبر لو۔

ہمارے استاد، ابو عثمان جاحظ نے اپنی کتاب سفیانیہ میں جلام بن جندل غفاری سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں عہد خلافت عثمان میں معاویہ کا نوکر تھا اور قنسرین وعواصم پر متعین تھا۔ ایک دن میں معاویہ کے پاس اپنے متعلق احکام لینے گیا تو میں نے اس کے دروازے پر کسی چیخنے والے کو چیخ کر کہتے سنا اتتکم القطار بحمل النار۔ فرشتوں کی قطار آگ لے کر آگئی۔ اللھم العن الامرین بالمعروف التارکین له اللھم العن الناھین عن المنکر المر تکبین له۔ خداوندا لعنت فرما ان لوگوں پر جو حکم تو نیکی کا دیتے ہیں اور خود نیکی کے تارک ہیں خداوندا لعنت فرما ان لوگوں پر جو بری باتوں سے روکتے ہیں اور خود اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ آواز سن کر معاویہ پیچ وتاب کھانے لگا۔ چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور مجھ سے پوچھنے لگا جلام! جانتے ہو یہ کون چیخ رہا ہے۔ میں نے کہا نہیں، اس پر معاویہ نے کہا کون مجھے جندب بن جنادہ کی ایذا رسانی سے محفوظ رکھے گا؟ روزانہ میرے قصر کے دروازے پر آتے ہیں اور یہی فقرے جو تم نے ابھی سنے چیخ کر کہتے ہیں، پھر معاویہ نے کہا ابو ذر کو میرے پاس لاؤ۔ لوگ ابو ذر کو کھینچتے ہوئے معاویہ کے پاس لائے اور معاویہ کے سامنے لا کھڑا کر دیا۔ معاویہ نے کہا اے دشمن خدا و رسولؐ تم ہر روز ہمارے دروازے آتے ہو اور یہی حرکتیں کرتے ہو۔ اگر میں بغیر امیر المومنین (عثمان) کی اجازت کے کسی صحابی کو قتل کرنے والا ہوتا تو تمہیں قتل کرتا؟ لیکن ٹھہرو میں ان سے اجازت منگاتا ہوں۔ جلام کہتا ہے کہ مجھے بڑی تمنا تھی کہ ابو ذر کی زیارت کروں کیونکہ وہ میری قوم سے تھے۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا دیکھا وہ ایک گندمی رنگ کے انسان ہیں۔ رخساروں پر گوشت بہت کم، پیٹھ ذرا سی جھکی ہوئی۔ معاویہ کی یہ بات سن کر وہ متوجہ ہوئے اور بولے میں نہ خدا کا دشمن ہوں نہ اس کے رسولؐ کا البتہ تم اور تمہارے باپ دونوں خدا اور رسولؐ کے دشمن ہو تم نے ظاہر میں اسلام کا اقرار کیا اور دل میں کفر چھپائے ہوئے تھے رسالت مآب تم پر لعنت فرما چکے ہیں اور کئی مرتبہ تم پر بددعا کی ہے کہ خدا تمہارا پیٹ نہ

بھرے میں نے رسالتمآبؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہے جب میری امت کا حاکم ایسا شخص ہوگا جس کا حلقوم کشادہ ہو جو کھائے اور شکم سیر نہ ہو اس سے امت والے اپنے بچاؤ کا سامان کر لیں معاویہ نے کہا وہ شخص میں نہیں ہوں۔ ابوذر نے کہا نہیں تمہیں وہ شخص ہو مجھے اس کی پیغمبرؐ خبر دے چکے ہیں اور میں نے پیغمبرؐ کو کہتے سنا ہے اللھم العنہ ولاتشبعہ الابالتراب۔ خداوندا تو اس پر لعنت فرما اور کسی چیز سے اس کا پیٹ نہ بھرنا سوا خاک کے۔ نیز یہ بھی آنحضرت کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔ الست معاویہ فی النار۔ معاویہ کی۔۔۔۔۔ جہنم میں ہوگی۔ معاویہ ہنسنے لگے اور حکم دیا کہ ابوذر قید کر دیئے جائیں اور سارے حالات عثمان کو لکھ بھیجے۔ حضرت عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ جندب (ابوذر) کو سخت تکلیف دہ مرکب پر سوار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ معاویہ نے ابوذر کو کچھ لوگوں کے ساتھ ناقہ کی ننگی پیٹھ پر سوار کر کے مدینہ بھیج دیا۔ آدمیوں کو تاکید کر دی کہ شبانہ روز اونٹ کو تیزی کے ساتھ ہنکاتے ہوئے لے جائیں آرام کا کہیں موقع نہ ملے۔ اسی حالت میں مدینہ پہنچے۔ کیفیت یہ تھی کہ رانوں کا گوشت کٹ کٹ کر گر گیا تھا۔ مدینہ آنے کے بعد حضرت عثمان نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ جہاں چاہو وہاں چلے جاؤ۔ ابوذر نے مکہ جانا چاہا۔ عثمان نے نامنظور کیا۔ بیت المقدس جانا چاہا اسے بھی نامنظور کیا۔ بصرہ یا مصر جانا چاہا اسے بھی نامنظور کیا اور کہا تمہیں ربذہ جانا ہوگا چنانچہ ابوذر ربذہ گئے اور وہیں انتقال کیا۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج/۲، ص/۳۷۵ تا ۳۸۷)

تیسری فصل

ابوذر کون تھے اور کیا تھے؟

یہ مختصر سرگذشت جناب ابوذر کی۔اب اس پر بھی غور کر لینا چاہئے کہ ابوذر کس عظمت و جلالت کے مالک تھے؟ ان کا ایمان کس پایہ کا تھا؟ دین میں کتنے ثابت قدم تھے؟ کس فضل و شرف کے مالک تھے۔علمی جلالت کیا تھی؟ صادق کیسے تھے، زہد کی کیا کیفیت تھی؟ خدا کے معاملہ میں کتنے کھرے تھے؟ پیغمبرؐ کی نگاہوں میں ان کی کیا شان منزلت تھی؟

بعثت سے پہلے ابوذر کی عبادت، سبقت الی الاسلام، دین میں ثبات قدم۔

(۱) علامہ ابن سعد نے عبداللہ بن صامت کے واسطے سے روایت کی ہے۔

قالو اابو ذر صلیت قبل الاسلام ان القی رسول اللہ ثلاث سنین فقلت لمن؟ قال للہ. فقلت این توجہ؟ قال اتوجہ حیث یوجھنی اللہ۔

جناب ابوذر نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبرؐ کی ملاقات اور اسلام لانے سے تین برس پہلے نماز پڑھی، میں نے پوچھا کس کی۔انہوں نے کہا خدا کی، میں نے دریافت کیا رخ کدھر کرتے تھے۔ابوذر نے کہا جدھر خدا رخ پھیرا دیتا تھا۔

ابومعشر نجیح کے واسطے سے روایت کی ہے۔

کان ابوذر تیالہ فی الجاھلیۃ ویقول لا الہ الا اللہ ولا یعبد الاصنام فمر علیہ رجل من اھل مکۃ بعد ما اوحی الی النبی فقال یا اباذر ان رجل بمکۃ یقول مثل ما تقول۔ لا الہ الا اللہ ویزعم انہ نبی۔
(طبقات ابن سعد ج ر ۴، ص ر ۱۶۱)

جناب ابوذر زمانہ جاہلیت ہی میں وحدانیت خدائے تعالیٰ کے معتقد اور لا الہ الا اللہ کے قائل تھے بتوں کی پرستش بھی نہیں کرتے تھے اتفاق ایسا ہوا کہ مکہ کا رہنے والا شخص ابوذر کی طرف سے گزرا اس وقت پیغمبرؐ پر وحی کا نزول ہو چکا تھا اس نے کہا اے ابوذر مکہ میں ایسا شخص ہے جو تمہاری جیسی بات کلمہ لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور اس کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے۔

اس کے بعد ابن سعد نے ابوذر کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔

صحیح مسلم باب مناقب ابوذر میں مذکورہ بالا حدیث ابن سعد ہی کے لفظوں میں موجود ہے۔(صحیح مسلم ج ر ۷، ص ر ۱۵۳، اور ص ر ۱۵۵ پر حدیث کی لفظیں یہ ہیں۔

صلیت سنتین قبل مبعث النبی قال قلت فاین کنت توجہ؟ قال حیث وجھنی اللہ۔

میں نے بعثت پیغمبر سے دو برس پہلے نماز پڑھی راوی نے پوچھا رخ کدھر کرتے تھے کہا جدھر خدا نے رخ کر دیا۔

حافظ ابونعیم کی روایت میں ہے۔ یاابن اخی صلیت قبل الاسلام باربع سنین۔ بھتیجے میں نے اسلام کے پہلے چار برس نماز پڑھی۔(حلیۃ الاولیاج ۱/ص/۱۵۷)

سبط ابن جوزی نے بھی صفوۃ الصفوۃ ج ۱/ص/۲۳۸ پر اس حدیث کو درج کیا ہے۔

(۲) علامہ ابن سعد نے جناب ابوذر سے روایت کی ہے۔ قال کنت فی الاسلام خامساً۔ ابوذر نے بیان کیا کہ اسلام میں میرا نمبر پانچواں تھا۔(طبقات ابن سعد ج/۴ ص/۱۶۱)

علامہ ابوعمر اور ابن اثیر کی لفظیں ہیں۔ اسلم بعد اربعه۔ ابوذر چار شخصوں کے بعد اسلام لائے۔

دوسرے لفظوں میں۔ یقال اسلم بعد ثلاثة ویقال بعد اربعة۔ کہا جاتا ہے کہ ابوذر تین شخصوں کے بعد اسلام لائے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چار شخصوں کے بعد اسلام لائے۔

امام حاکم کی روایت کردہ حدیث کی لفظیں یہ ہیں۔ کنت رابع الاسلام اسلم قبلی ثلاثة نفرو اناالرابع۔ میں اسلام میں چوتھا تھا مجھ سے تین شخص پہلے اسلام لاچکے تھے میرا نمبر چوتھا تھا۔

حافظ ابونعیم کی لفظیں ہیں۔ کنت رابع الاسلام اسلم قبلی ثلاثة واناالرابع۔ میں اسلام میں چوتھا تھا۔ مجھ سے پہلے تین شخص اسلام لاچکے تھے چوتھا مسلمان میں تھا۔

علامہ مناوی کی لفظیں ہیں۔ اناالرابع الاسلام۔ چوتھا اسلام لانے والا شخص میں تھا۔

علامہ ابن سعد نے ابن ابی وضاح بصری سے جو حدیث روایت کی ہے اس کی لفظیں ہیں۔ کان اسلام ابی ذر رابعا اوخامساً۔ ابوذر کا اسلام چوتھا یا پانچواں تھا۔(حلیۃ الاولیاء ج/۱ص/۱۵۷، مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۴۲، استیعاب ج ۱ ص ۸۳، ج ۲ ص ۶۶۴، اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۸۶۵، شرح جامعہ الصغیر مناوی ج ۵ ص ۴۲۴، اصابہ ج/۴ ص/۶۳)

(۳) علامہ ابن سعد نے جناب ابوذر کے واسطے سے روایت کی ہے۔ قال کنت اول من حیاہ صلی اللہ علیه تحیة الاسلام فقلت السلام علیك یارسول الله۔ فقال وعلیك السلام ورحمة الله۔ جناب ابوذر فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے پیغمبرؐ کو میں نے اسلامی طریق پر سلام کیا۔ میں نے السلام علیک یارسول اللہ کہہ کر پیغمبرؐ کو سلام کیا پیغمبرؐ نے جواب میں علیک السلام ورحمۃ اللہ ارشاد فرمایا۔

حافظ ابونعیم کی روایت کردہ حدیث کی لفظیں یہ ہیں۔ انتهیت الی النبی حین قضی صلاته فقلت السلام علیك فقال وعلیك السلام۔ میں پیغمبرؐ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپؐ نماز سے فارغ ہو چکے

تھے میں نے کہا السلام علیك یا رسول اللہ۔آپؐ نے فرمایا وعلیك السلام۔

(صحیح مسلم باب مناقب ابوذر ج ر ۷،ص ر ۱۵۴۔۱۵۵،حلیۃ الاولیا ابونعیم ج ر ۱،ص ر ۱۵۹،استیعاب ج ر ۲،ص ر ۶۶۴)

(۴) علامہ ابن سعد امام بخاری امام مسلم نے عبداللہ بن عباس کے واسطہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب ابوذر کو خبر ملی کہ ایک شخص مکہ میں مدعی ہوا ہے کہ وہ خدا کا رسول ہے تو ابوذر نے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا کہ جا کر پورے حالات معلوم کرو اور اس سے گفتگو کر کے آ کر مجھے بتاؤ وہ شخص مکہ آیا اور پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپؐ کے ارشادات سے واپس جا کر ابوذر کو تمام باتوں کی خبر دی کہ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں بری باتوں سے منع کرتے ہیں پاکیزہ اخلاق کی تاکید کرتے ہیں۔ابوذر نے کہا تم نے میری پوری تسلی نہیں کی یہ کہہ کر وہ خود روانہ ہوئے ساتھ میں کچھ کھانے پینے کا سامان لے لیا۔ جب مکہ پہنچے تو کسی سے پوچھتے ہوئے ڈر معلوم ہوا۔اس وقت پیغمبرؐ سے ملاقات بھی نہ ہو سکی تھی۔اتنے میں رات آگئی۔ابوذر نے مسجد الحرام کے کسی گوشہ میں بستر لگا دیا جب رات تاریک ہوئی تو ادھر سے علیؑ گذرے انہوں نے پوچھا تم کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ابوذر نے بتایا کہ میں قبیلہ غفار سے تعلق رکھتا ہوں۔علیؑ نے کہا تو اپنے گھر چلو۔ابوذر علیؑ کے گھر آئے مگر نہ ابوذر نے کوئی بات علیؑ سے کی نہ علیؑ نے ابوذر سے۔دوسرے دن پھر ابوذر پیغمبرؐ کی تلاش میں نکلے مگر ملاقات نہ ہوئی۔کسی سے پوچھنے میں ڈر معلوم ہوا مجبوراً پلٹ آئے اور سو رہے جب شام ہوئی تو حضرت علیؑ کا اس طرف سے پھر گذر ہوا اور اس مرتبہ پھر ابوذر علیؑ کے ساتھ ہو گئے انہیں کے ہاں شب باش ہوئے لیکن نہ ابوذر نے علیؑ سے کچھ پوچھا نہ علیؑ نے ابوذر سے جب تیسرا دن آیا تو ابوذر نے علیؑ سے عہد و پیمان لئے کہ اگر میں اپنے آنے کا مقصد بیان کروں تو اپنے ہی تک رکھنا اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دینا۔علیؑ نے وعدہ کیا ابوذر نے بتایا کہ مجھے پیغمبرؐ کے بعثت کی خبر پہنچی تھی۔جس کی تحقیق کے لیے میں نے اپنے بھائی کو بھیجا لیکن بھائی نے واپس آ کر جو باتیں بتائیں اس سے میری پوری تشفی نہیں ہوئی اب میں خود حقیقت حال دریافت کرنے اور پیغمبرؐ سے ملنے آیا ہوں۔علیؑ نے کہا میں اس وقت اسی پیغمبرؐ کی خدمت میں جا رہا ہوں تم میرے پیچھے پیچھے آؤ اگر میں کوئی کھٹکے کی بات دیکھوں گا تو میں کسی بہانہ سے ٹھہر جاؤں گا تم رک جانا میں تمہارے پاس واپس آجاؤں گا اور اگر مجھے کوئی کھٹکا دکھائی نہ دیا تو میں چلا چلوں گا اور تم میرے پیچھے چلے آنا اور میں جس مکان میں داخل ہوں تم بھی داخل ہو جانا ایسا ہی ہوا اور ابوذر علیؑ کے پیچھے چلتے ہوئے پیغمبرؐ کی خدمت میں جا پہنچے وہاں اپنی سرگزشت بیان کی۔پیغمبرؐ کے ارشادات سنے اور اسی وقت اسلام قبول کر لیا پھر ابوذر نے پوچھا یا رسولؐ اللہ اب مجھے کیا حکم ہے۔آنحضرتؐ نے فرمایا اپنے وطن واپس جاؤ اور میرے احکام کا انتظار کرو۔ابوذر نے کہا خدا کی قسم میرا جی اس وقت تک جانے پر تیار نہ ہوگا جب تک میں مسجد الحرام میں چیخ کر اپنے اسلام کا اعلان نہ کروں۔چنانچہ ابوذر مسجد میں آئے اور بلند آواز سے پکار کر کہا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ابوذر کے اس چیخ کر کہنے پر

مشرکین کہنے لگے یہ آدمی پاگل ہوگیا ہے یہ آدمی پاگل ہوگیا ہے اس کے بعد سب نے مل کر زدوکوب کی اور ابوذر کو زمین پر پچھاڑ دیا اتنے میں عباس ابن عبدالمطلب آگئے انہوں نے کہا ارے تم لوگوں نے اس آدمی کی جان لے لی۔تم لوگ تجارت پیشہ ہو۔ تجارت کے لیے باہر آتے جاتے رہتے ہو۔راستہ تمہارا قبیلہ غفار کی طرف سے ہو کر نکلتا ہے تم چاہتے ہو کہ لوٹ لئے جاؤ۔اس پر وہ سب الگ ہٹ گئے۔ابوذر نے دوسرے دن بھی ایسا ہی کیا اس پر پھر زدوکوب ہوئی۔پچھاڑے گئے اور آخر عباس پھر پہنچے اور انہوں نے وہی باتیں دہرائیں جو کل کہی تھیں تو مشرکین نے زدوکوب بند کردی۔

(طبقات ابن سعد ج/ ۴،ص/ ۱۶۵۔۱۶۶، صحیح بخاری کتاب المناقب باب اسلام ابی ذر ج/۶،ص/ ۲۴، صحیح مسلم کتاب المناقب ج/ ۷، ص/ ۱۵۶، دلائل النبوۃ ابونعیم ج/ ۲،ص/ ۸۶، حلیۃ الاولیاء ج/ ۱،ص/ ۱۵۹، مستدرک حاکم ج/ ۳،ص/ ۳۲۸، استیعاب ج/ ۲،ص/ ۲۶۴)

علم ابوذر

علامہ ابن سعد نے بطریق زاذان روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ سے جناب ابوذر کے متعلق دریافت کیا گیا۔آپؑ نے فرمایا انہوں نے بے اندازہ وحساب علم حاصل کیا۔جس کے حصول سے دوسرے عاجز رہے وہ اپنے دین کے بارے میں بھی بہت حریص تھے اور علم کے لیے بھی وہ بہت زیادہ سوال کرتے بعض سوالات کے جواب دیئے جاتے بعض کے نہیں ان کا ظرف اتنا پُر کیا گیا کہ لبریز ہوگیا۔(طبقات ابن سعد ج/ ۴،ص/ ۷۰ طبع لیدن)

علامہ ابوعمر لکھتے ہیں۔جناب ابوذر سے صحابہ کی ایک جماعت نے حدیثوں کا استفادہ کیا وہ حافظان علوم سے تھے اور زہد وورع اور حق بات بولنے میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت علیؑ سے آپ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ ایسے انسان تھے جس نے بے حساب علم حاصل کیا جس کے پانے سے دوسرے عاجز رہے۔(استیعاب ج/ ۱،ص/ ۸۳،وج/ ۲،ص/ ۶۶۳)

ابوذر کے متعلق حضرت علیؑ کے اس جملہ کو کم وبیش لفظیں بدل کے علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ ج/ ۵،ص/ ۱۸۶، علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر ج/ ۵،ص/ ۴۲۴،علامہ ابن حجر نے اصابہ ج/ ۴،ص/ ۶۴، پر ذکر کیا ہے۔ابوداؤد نے بھی عمدہ اسناد سے اس کی روایت کی ہے۔

(۲) جناب ابوذر سے مروی ہے آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ جبرئیل ومیکائیل نے جتنے علوم پیغمبرؐ کے سینے میں القاء کئے ان میں کوئی ایسا علم نہ ہوگا جسے پیغمبرؐ نے میرے سینہ میں نہ ڈال دیا ہو۔(مجمع الزوائد ج/ ۹،ص/ ۳۳۱،اصابہ ج/ ۴،ص/ ۴۸۴)

حافظ ابونعیم ابوذر کے متعلق لکھتے ہیں:

عابد و پرہیز گار یکتائے عصر عبادت گذار چوتھے اسلام لانے والے شریعت اور اس کے احکام نازل ہونے سے پہلے

بتوں کو ٹھکرانے والے بزرگ تھے جنہوں نے پیغمبرؐ کی دعوت سے کئی برس پہلے بت پرستی ترک کر دی تھی۔ اور کئی برس پہلے خدا کی عبادت کی پہلے وہ شخص تھے جس نے پیغمبرؐ کو اسلامی طریق پر سلام کیا۔ حق کے معاملہ میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کا خوف لاحق نہ ہوتا تھا نہ افسر و حکام کا رعب و داب انہیں ہراساں کر سکتا تھا پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے بقا و فنا کے علم کے متعلق گفتگو کی، مشقت و محنت پر ثابت قدم رہے عہد و پیمان اور وصیتوں کی حفاظت کی، مصائب و مشکلات پر ثابت قدم رہے، خلائق کی ہمنشینی سے دور بھاگے یہاں تک کہ موت تک جا پہنچے۔ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ جنہوں نے رسولؐ کی خدمت کی۔ اصول کی تعلیم حاصل کی فضول باتیں دور پھینکیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱/ص ۱۵۶)

پھر آگے چل کر حافظ ابو نعیم لکھتے ہیں میرے شیخ نے فرمایا کہ جناب ابو ذر پیغمبرؐ سے ہر وقت وابستہ اور ہر لمحہ ساتھ رہنے والے آنحضرتؐ سے سوال اور استفادہ کے حریص اور جو کچھ استفادہ کرتے تھے اس سے مانوس اور اس پر قائم رہنے والے بزرگ تھے۔ انہوں نے پیغمبرؐ سے ایمان کے متعلق سوال کیا۔ رویت باری تعالیٰ کے متعلق دریافت کیا یہ معلوم کیا کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ کون سا کلام محبوب ہے پیغمبرؐ سے شب قدر کے متعلق پوچھا کہ یہ رات باقی رکھی جائے گی یا انبیاء کے ساتھ اٹھالی جائے گی غرض کہ ہر چیز کے متعلق پوچھا یہاں تک کہ نماز میں کنکری چھونے کے متعلق بھی۔ جناب ابو ذر سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے پیغمبرؐ سے ہر ایک باتیں دریافت کیں یہاں تک کہ نماز میں کنکری چھونے کے متعلق پوچھا آنحضرت نے فرمایا ایک مرتبہ چھوؤ یا وہ بھی نہ چھوؤ۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱/ص ۱۶۹)

امام احمد نے بھی ج ۵/ص ۱۶۳، پر جناب ابو ذر کی یہ حدیث درج کی ہے۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابو ذر علم میں ابن مسعود کی ٹکر کے تھے۔ (اصابہ ج ۴/ص ۶۴)

ابوذر کی راست گفتاری و پرہیزگاری:

(۱) علامہ ابن سعد و ترمذی نے عبداللہ بن عمر اور ابو درداء کے واسطے سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا۔

ما اظلت الخضر اولا اقلت الغبراء اصدق من ابی ذر۔

زمین و آسمان کے درمیان ابو ذر سے بڑھ کر سچا کوئی نہیں۔

ترمذی کی روایت کی لفظیں ہیں۔

ما اظلت الخضرا ولا اقلت الغبراء من ذی لھجۃ اصدق اوفی من ابی ذر شبہ عیسیٰ بن مریم فقال عمر ابن الخطاب کالحاسد یا رسول اللہ افتعرف ذالك له قال نعم فاعرفوہ۔

زمین وآسمان کے درمیان ابوذر سے زیادہ صادق اللہجہ اور باوفا کوئی اور نہیں وہ عیسیٰ بن مریم کے شبیہ ہیں حضرت عمر نے حاسدانہ پوچھا یارسولؐ اللہ کیا آپ ابوذر کو ایسا سمجھتے ہیں رسول اللہؐ نے فرمایاہاں تم لوگ بھی سمجھ لو۔

امام حاکم کی روایت کردہ حدیث کی لفظیں ہیں۔

ما تقل الغبراء ولا تظل الخضراء من ذی لهجة اصدق ولا اولیٰ من ابی ذر شببه عیسیٰ بن مریم فقام عمر ابن خطاب فقال یارسول الله فتعرف ذالك له۔ قال نعم فاعرفوه له۔

ابن ماجہ سے عبداللہ بن عمر کے واسطہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کی لفظیں ہیں۔

ما اظلت الخضرا ولا اقلت الغبراء بعد النبیین اصدق من ابی ذر۔

انبیاء کے بعد زمین وآسمان کے درمیان ابوذر سے زیادہ راست گفتار کوئی نہیں۔

حافظ ابونعیم نے جناب ابوذر کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔

ما تظل الخضراء ولا تقلوا الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر شبیه ابن مریم۔

علامہ ابن سعد نے ابوہریرہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس کی لفظیں یہ ہیں۔ ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر من سره ان ینظر الی تواضع عیسیٰ بن مریم۔ فلینظر الی ابی ذر۔ زمین وآسمان کے درمیان ابوذر سے بڑھ کر صادق اللہجہ کوئی نہیں جسے عیسیٰ کی خاکساری دیکھنے کی تمنا ہو وہ ابوذر کو دیکھے۔

حافظ ابونعیم کی دوسری روایت کردہ حدیث کا ٹکڑا ہے۔ اشبه الناس بعیسی نسکا وزهدا وبراً۔ ابوذر عبادت الٰہیہ بے نیازی دنیا اور نیک اعمال میں سب سے زیادہ عیسیٰ بن مریم سے مشابہ ہیں۔

ایک اور حدیث ابوہریرہ سے ان لفظوں میں مروی ہے کہ ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی اللهجة اصدق من ابی ذر فاذا اردتم ان ینظروا الیٰ اشبه الناس بعیسیٰ ابن مریم هدیاً وبراً ونسکاً فعلیکم به۔ زمین وآسمان کے درمیان ابوذر سے بڑھ کر کوئی صادق اللہجہ نہیں جب تم ایسے شخص کو دیکھنے کی خواہش کرو جو سب سے زیادہ عیسیٰ بن مریم سے مشابہ ہو۔ رفتار میں، نیک اعمال میں، عبادت خداوندی میں تو ابوذر کو دیکھے۔

ابودرداء صحابی پیغمبرؐ سے مروی ہے۔ ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی لهجة اصدق من ابی ذر۔

مالک بن دینار سے ابن سعد نے ان لفظوں میں ایک حدیث روایت کی ہے۔ ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر من سره ان ینظر الیٰ زهد عیسیٰ بن مریم فلینظر الی ابی ذر۔

باختلاف الفاظ اس حدیث کو ابن سعد، ترمذی، ابن ماجہ، امام احمد، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابوعمر، ابونعیم، بغوی، حاکم،

ابن عساکر، طبری اور ابن الجوزی سب ہی نے روایت کیا ہے۔

(طبقات ابن سعد ج ر ۴، ص ر ۱۶۶۔ ۱۶۷، طبع لندن، صحیح ترمذی ج ر ۲، ص ر ۲۲۱، سنن ابن ماجہ ج ر ۱، ص ر ۶۸، مسند احمد ج ر ۲، ص ر ۶۳، ص ر ۱۷۵، ص ر ۲۲۳، ج ر ۵، ص ر ۱۹۷، ج ر ۶، ص ر ۴۴۲، مستدرک ج ر ۳، ص ر ۳۴۲، مصابیح السنۃ ج ر ۲، ص ر ۲۸۸، صفۃ الصفوۃ ج ر ۱، ص ر ۲۴۰، استیعاب ج ر ۱، ص ر ۸۴، اصابہ ج ر ۳، ص ر ۶۲۲، وج ر ۴، ص ر ۶۴، جامع صغیر سیوطی وشرح جامع صغیر مناوی کنز العمال وغیرہ)

(۲) ترمذی نے روایت کی ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔

ابوذر یمشی فی الارض بزھد عیسیٰ بن مریم۔ (جامع ترمذی ج ر ۲، ص ر ۲۲۱)
ابوذر زمین پر عیسیٰ کے زہد کے ساتھ چلتے ہیں۔

علامہ ابوعمرہ کی روایت کی لفظیں ہیں۔ ابوذر فی امتی علیٰ زھد عیسیٰ بن مریم۔ ابوذر میری امت میں عیسیٰ بن مریم کے زہد پر ہیں۔ (استیعاب ج ر ۲، ص ر ۶۶۴، اسد الغابہ ج ر ۵، ص ر ۱۸۶) دوسری جگہ یوں ہے۔ ابوذر فی امتی شبیہ عیسیٰ بن مریم فی زھدہ۔ ابوذر میری امت میں بلحاظ زہد عیسیٰ بن مریم کی شبیہ ہیں۔ تیسری حدیث یہ ہے کہ۔ من سرہ ان ینظر الیٰ تواضع عیسیٰ بن مریم فلینظر الیٰ ابی ذر۔ عیسیٰ بن مریم کی خاکساری جسے دیکھنا مرغوب ہو وہ ابوذر کو دیکھے۔ (استیعاب ج ر ۱، ص ر ۸۴)

(۳) طبرانی نے روایت کی ہے۔

من احب ان ینظر الی المسیح عیسیٰ بن مریم الیٰ برہ وصدقہ وجدہ فلینظر الیٰ ابوذر۔
جو شخص مسیح بن مریم کو ان کی نیک اعمال راست گفتاری اور واقعیت پسندی کے ساتھ دیکھنے کی تمنا رکھتا ہو وہ ابوذر کو دیکھے۔

من سرہ ان ینظر الیٰ شبہ عیسیٰ خلقاً وخلقاً فلینظر الی ابی ذر۔
جو شخص صورت وسیرت میں عیسیٰ کی شبیہ دیکھنا چاہتا ہو وہ ابوذر کو دیکھے۔

ان اباذر لیباری عیسیٰ علیہ السلام بن مریم فی عبادتہ (کنز العمال۔ ج ر ۶، ص ر ۱۶۹، مجمع الزوائد ج ر ۹، ص ر ۲۳۰)
ابوذر عبادت الٰہی میں عیسیٰ بن مریم سے مقابلہ کرتے ہیں۔

ابوذر کا فضل وشرف:

(۱) بریدہ حضرت رسالتمآبؐ سے روایت کرتے ہیں، آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ عزوجل امرنی بحب اربعۃ واخبرنی انہ یحبھم علی وابوذر والمقداد وسلمان۔

(جامع ترمذی ج ر ۲، ص ر ۲۱۳، سنن ابن ماجہ ج ر ۱، ص ر ۶۶، مستدرک حاکم ج ر ۳، ص ر ۱۳۰، حلیۃ الاولیاء ج ر ۱، ص ر ۱۷۲، استیعاب ج ر ۲، ص ر ۵۵۷، جامع صغیر سیوطی، شرح جامع صغیر سیوطی ج ر ۲، ص ر ۲۱۵، اصابہ ج ر ۱، ص ر ۴۵۵)

خداوند عالم نے مجھے چار شخصوں سے محبت کرنے کا حکم دیا اور مجھے خبر دی ہے کہ وہ خود بھی ان چار شخصوں کو دوست رکھتا ہے۔علیؑ، ابوذر، مقداد، سلمان۔

سندی شرح سنن ابن ماجہ میں لکھتے ہیں۔ بظاہر یہ امر وجوبی ہے اور اس کا بھی احتمال ہے کہ استحبابی ہو بہر حال دونوں صورتوں میں پیغمبرؐ جس کام کے لیے مامور ہوں گے امت بدرجہ اولیٰ مامور ہوگی لہذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان چار حضرات کو خصوصیت کے ساتھ محبوب رکھیں۔

(۲) ابن ہشام نے اپنی سیرت میں روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے ارشاد فرمایا۔

رحم الله اباذر یمشی وحده ویموت وحده ویبعث وحده۔(سیرت ابن ہشام ج ر ۲، ص ر ۴۷۹)

خدا ابوذر پر رحم فرمائے وہ تنہا چلیں گے تنہا مریں گے اور تنہا محشور ہوں گے۔

علامہ ابن سعد نے دفن جناب ابوذر کے ضمن میں لکھا ہے۔

فاستهل عبدالله بن مسعود یبکی ویقول صدق رسول الله تمشی وحدك وتموت وحدك وتبعث وحدك۔

(طبقات ابن سعد ج ر ۴، ص ر ۱۷۰، واستیعاب ج ر ۱، ص ر ۸۳، اسد الغابہ ج ر ۵، ص ر ۱۸۸، اصابہ ج ر ۴، ص ر ۱۶۴)

ابوذر کے مرنے کی خبریں سن کر عبداللہ بن مسعود چیخ مار کر رونے لگے اور کہا سچ ارشاد فرمایا تھا پیغمبرؐ خدا نے کہ تم تنہا چلو گے تنہا مرو گے تنہا مبعوث ہو گے۔

(۳) انس بن مالک سے روایت ہے۔

الجنة تشتاق الیٰ ثلاثه علی وعمار وابی ذر۔(مجمع الزوائد ہیثمی ج ر ۹، ص ر ۳۳۰)

جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔علیؑ وعمار وابوذر۔

(۴) ابویعلیٰ نے امام حسینؑ کے واسطہ سے روایت کی ہے۔

قال اتیٰ جبرئیل النبی فقال یا محمد ان الله یحب من اصحابك ثلاثة فاحبهم علی بن ابی طالب علیه السلام ابوذر والمقداد بن اسود۔(مجمع الزوائد ج ر ۹، ص ر ۳۳)

امام حسینؑ فرماتے کہ جبرئیل آئے اور پیغمبرؐ سے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ خداوند عالم آپ کے اصحاب میں سے تین شخصوں کو محبوب رکھتا ہے آپ بھی انہیں محبوب رکھئے۔علیؑ، ابوذر، اور مقداد بن اسود۔

(۵) طبری نے ابودرداء کے واسطہ سے روایت کی ہے۔

انه ذکر اباذر فقال ان رسول الله کان یاتمنه حین لایاتمن الیٰ احد ویسر الیه حین لایسر الیٰ احد۔ (کنزالعمال ج ر ا ص ر ۱۵)

ابودرداء نے ایک مرتبہ ابوذر کا ذکر کرتے ہوئے کہا حضرت رسالت مآبؐ اس وقت ابوذر پر بھروسہ کرتے جب کسی پر آپ کو بھروسہ نہ ہوتا۔ راز کی باتیں ان سے کہتے جب کہ کسی سے بھی نہ کہتے۔

امام احمد نے عبدالرحمان بن غنم کے واسطے سے روایت کی ہے کہ جب ابودرداء صحابی پیغمبرؐ نے ابوذر کی جلاوطنی کی خبر سنی تو بار بار انا لله وانا الیه راجعون کہا دس مرتبہ کے قریب پھر ابودرداء نے کہا خداوندا اگر ان لوگوں نے ابوذر کو جھٹلایا تو میں نہیں جھٹلا سکتا۔ ان لوگوں نے متہم کیا تو میں متہم نہیں کرسکتا ان لوگوں نے اگر بتلائے فریب کرنا چاہا تو میں بتلائے فریب نہیں کرسکتا۔ کیونکہ رسالت مآبؐ جب کوئی امین بنانے کے قابل نہ ہوتا تو انہیں امین بناتے جب کسی سے راز بیان نہ کرتے تو ان سے بیان کرتے۔ قسم بخدا اگر ابوذر میرا داہنا ہاتھ بھی کاٹ ڈالیں تو میں انہیں دشمن نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ پیغمبرؐ کو یہ ارشاد فرماتے سن چکا ہوں۔ ما اظلت الخضراء الخ۔

(مسند امام احمد ج ر ۵ ص ر ۱۹۷، امام حاکم نے بھی مستدرک ج ر ۳ ص ر ۳۴۴، پر اس حدیث کو مختصر کر کے لکھا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کے اسناد عمدہ ہیں۔)

(۶) ابودرداء بیان کرتے ہیں خدا کی قسم رسالت مآبؐ ابوذر کو جب وہ موجود ہوتے تو بہ نسبت ہم لوگوں کے انہیں زیادہ قریب بٹھاتے جب وہ غائب ہوتے تو ان کے متلاشی رہتے اور یہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ پیغمبرؐ نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔ ماتحمل الخضراء ولا تظل الغبراء للبشر بقول اصدق لهجة من ابی ذر۔ (کنزالعمال ج ر ۸، ص ر ۱۵، مجمع الزوائد ج ر ۹ ص ر ۳۳۰) نہ زمین نے اٹھایا نہ آسمان سایہ فگن ہوا کسی ایسے انسان پر جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بھی طبرانی سے یہ حدیث روایت کی ہے ان کی لفظیں ہیں۔ کان رسول الله یبتدی اباذر اذا حضر ویتفقده اذا غاب۔ رسالت مآبؐ کا دستور تھا کہ جب ابوذر بزم پیغمبرؐ میں موجود ہوتے تو آپؐ ان سے کلام کی ابتدا فرماتے اور جب نہ ہوتے تو انہیں تلاش کرتے ان کا حال لوگوں سے دریافت کرتے۔ (اصابہ ج ر ۴ ص ر ۶۳)

(۷) امام احمد نے ابوالاسود دؤلی سے روایت کی ہے۔ ابوالاسود کہا کرتے میں نے اصحاب پیغمبرؐ کو دیکھا مگر ابوذر کی مثال نہیں ملی۔ (مسند ج ر ۵ ص ر ۱۸۱، مجمع الزوائد ج ر ۹ ص ر ۳۳۱)

(۸) شہاب الدین الشہبی نے روایت کی ہے کہ ابوذر ایک مرتبہ پیغمبرؐ کے پاس سے گذرے اور آنحضرتؐ کے پاس جبرئیل دحیہ کلبی کی صورت میں تشریف فرما تھے۔ ابوذر نے جبرئیل کو سلام نہیں کیا جبرئیل نے کہا۔ یہ ابوذر ہیں اگر یہ ہمیں

سلام کرتے تو ہم انہیں جواب سلام بھی دیتے پیغمبرؐ نے جبرئیل سے پوچھا تم انہیں پہچانتے ہو۔ جبرئیل نے کہا بخدائے لایزال یہ ابوذر ساتوں آسمانوں میں زمین سے زیادہ مشہور ہیں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا ابوذر نے یہ منزلت کس وجہ سے پائی۔ جبرئیل نے کہا اس فانی دنیا سے بے نیازی کی وجہ سے۔ (مستطرف ج ۱/ص ۱۶۶، ربیع الابرار زمخشری ص/ ۳۳)۔

پیغمبر کی ابوذر سے وصیتیں:

(۱) امام حاکم نے جناب ابوذر سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا اے ابوذر تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تم ہجوم مصائب میں گرفتار ہوگے۔ میں نے پوچھا یا رسولؐ اللہ ایسی صورت میں آپؐ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا صبر کرنا، صبر کرنا، صبر کرنا۔ لوگوں کے جیسے اخلاق ہوں تم بھی اختیار کرنا مگر ان کے ایسے اعمال ہرگز نہ کرنا۔ (مستدرک ج/ ۳ص/ ۳۴)

(۲) ابونعیم نے بسلسلۂ اسناد جناب ابوذر سے روایت کی ہے کہ میں ایک مرتبہ رسولؐ اللہ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا آنحضرتؐ نے فرمایا ابوذر تم مرد نیک وصالح ہو۔ عنقریب میرے بعد تم پر مصیبتیں نازل ہوں گی میں نے پوچھا یہ سب راہ خدا میں ہوگا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہاں راہ خدا میں۔ میں نے عرض کیا ہاں بسر وچشم۔ (حلیۃ الاولیاء ج/ ۱ص/ ۱۶۲)

(۳) علامہ ابن سعد نے جناب ابوذر سے روایت کی ہے کہ رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا اس وقت تم کیا کروگے جب تم پر ایسے لوگ حاکم ہوں گے جو مال غنیمت میں من مانا تصرف کریں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ اس وقت میں قسم بخدا اپنی تلوار سے جہاد کروں گا جب تک موت نہ آجائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ میں تمہیں ایسی بات نہ بتادوں جو اس سے بھی بہتر ہے وہ یہ کہ تم صبر وسکوت سے کام لینا جب تک مجھ سے نہ آملو۔ (طبقات ابن سعد ج/ ۴ص/ ۱۰۰)

امام احمد وابوداؤد کی روایت کی لفظیں یہ ہیں۔ کیف انت قائمۃ من بعدی یستاثرون بھذا الفی۔ تمہارا کیا حال ہوگا۔ جب میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو مال غنیمت کو اپنا مال سمجھ کر من مانا تصرف کریں گے۔ ابوذر نے کہا اس وقت میں اپنی تلوار کاندھے پر رکھ لوں گا اور اس وقت تک ان سے جہاد کروں گا جب تک میں درجۂ شہادت پر فائز ہوکر آپؐ سے ملحق نہ ہوجاؤں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں اس سے بہتر صورت بتاتا ہوں۔ مرتے دم تک تم صبر کرنا۔

(مسند احمد ج/ ۵ص/ ۱۸۰، سنن ابی داؤد ج/ ۲ص/ ۲۸۲)

(۴) امام احمد نے بسلسلۂ اسناد جناب ابوذر سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا اے ابوذر جب تم مدینہ سے نکالے جاؤ گے اس وقت کیا کروگے؟ میں نے کہا کہ مکہ چلا جاؤں گا جو خوش حالی وفراخی کی جگہ ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اور جب مکہ سے بھی نکال باہر کئے جاؤ۔ میں نے کہا تو پھر شام یا بیت المقدس کی طرف چلا جاؤں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اور اگر

شام سے بھی نکال دیئے جاؤ۔ میں نے کہا تو اس وقت قسم بخدا میں اپنے کاندھوں پر تلوار رکھ لوں گا آنحضرتؐ نے فرمایا جو اس سے بہتر صورت ہو وہ اختیار کرنا۔ میں نے عرض کیا اس سے بہتر صورت کیا ہوگی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم سننا اور اطاعت کرنا چاہے تمہارا حاکم غلام حبشی ہی کیوں نہ ہو۔ (مسند ج ر ۵ ص ر ۱۷۸)

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ان کے قابل وثوق ہونے پر اتفاق ہے۔ دوسری لفظوں میں یہ حدیث یوں ہے کہ اے ابوذر تمہارا کیا حال ہوگا جب تم اس (مسجد نبوی) سے نکال دیئے جاؤ گے۔ ابوذر نے کہا تو میں شام چلا جاؤں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اور اگر شام سے بھی نکال دیئے جاؤ۔ ابوذر نے کہا تو پھر مدینہ میں واپس آجاؤں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر دوبارہ مدینہ سے نکال دیئے جاؤ؟ ابوذر نے کہا تو پھر اپنی تلوار سے جہاد کروں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں اس سے بہتر اور زیادہ عقلمندی کی صورت بتاتا ہوں وہ یہ کہ تم سننا اور اطاعت کرنا اور جہاں تمہیں لوگ کھینچ کر لے جائیں تم چلے جانا۔
(فتح الباری ج ر ۳ ص ر ۲۱۳، عمدۃ القاری ج ر ۴ ص ر ۲۹۱)

(۵) واقدی نے ابوالاسود دؤلی سے روایت کی ہے ابوالاسود کہتے ہیں کہ میری بڑی تمنا تھی کہ ابوذر سے ملتا اور دریافت کرتا کہ مدینہ سے نکلنے کا کیا سبب ہوا؟ چنانچہ میں ربذہ پہنچا۔ ابوذر سے پوچھا کیا آپ مجھے بتائیں گے نہیں کہ مدینہ سے خوشی خاطر اپنی مرضی سے یہاں آئے ہیں یا مجبور کر کے نکالے گئے ہیں۔ ابوذر نے کہا میں اسلامی سرحد پر تھا۔ اور لوگوں سے بے نیاز تھا وہاں سے مجھے مدینہ بھیجا گیا۔ میں نے دل میں کہا چلو اچھا ہوا یہاں میرے احباب بھی ہیں اور میرا دار الہجرۃ بھی ہے مگر میں وہاں سے پھر ربذہ نکال باہر کیا گیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میں مسجد نبوی میں سوگیا آنحضرتؐ میرے پاس سے گذرے آپؐ نے اپنے پیروں سے ٹھوکا دیا اور ارشاد فرمایا کہ مسجد میں پھر نہ سونا۔ میں نے عرض کیا نیند کے غلبہ سے میری آنکھیں بند ہوگئیں تھیں۔ یا رسولؐ اللہ۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا طرز عمل ہوگا جب تم یہاں سے نکال باہر کئے جاؤ گے۔ میں نے عرض کیا کہ ایسی صورت میں شام چلا جاؤں گا کہ وہ سرزمین مقدس ہے۔ بقیہ اسلام اور جہاد کی زمین ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اور جب وہاں سے بھی نکال دیئے جاؤ۔ میں نے عرض کیا پھر مسجد نبوی میں پلٹ آؤں گا۔ آنحضرتؐ نے پوچھا اور جب دوبارہ یہاں سے نکال دیئے جاؤ۔ میں نے عرض کیا اس وقت میں تلوار ہاتھ میں لے لوں گا اور جنگ کروں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں اس سے بہتر صورت بتاتا ہوں جہاں یہ لوگ تمہیں لے جائیں گے تم چلے جانا اور سننا اور اطاعت کرنا۔ چنانچہ میں نے سنا اور اطاعت کی اور آیندہ بھی کروں گا۔ خدا کی قسم عثمان خداوند عالم سے ملاقات اس حالت میں کریں گے کہ وہ میرے متعلق گنہگار ہوں گے۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱ ص ر ۲۴۱، مسند احمد ج ر ۵ ص ر ۱۵۶)

(۶) گذشتہ صفحات میں حضرت عثمان اور جناب ابوذر کی باہم گفتگو درج کی جاچکی ہے کہ حضرت عثمان نے ابوذر سے

کہا میں تمہیں ربذہ بھیجنے والا ہوں۔ابوذر نے کہا اللہ اکبر سچ فرمایا تھا حضرت سرورکائناتؐ نے آپ مجھے ان تمام باتوں کی پہلے ہی سے خبر دے گئے ہیں جو مجھے پیش آنے والی ہیں۔حضرت عثمان نے پوچھا رسولؐ اللہ نے تم سے کیا کہا ہے؟ ابوذر نے کہا رسولؐ اللہ نے مجھے بتایا تھا کہ میں مکہ اور مدینہ دونوں جگہ رہنے سے محروم کر دیا جاؤں گا اور ربذہ میں مروں گا۔

یہ تھے ابوذر؟

اور یہ ہیں ان کے فضائل، خصوصی کمالات اور یہ ہے تقویٰ، ان کا اسلام و ایمان ان کے مکارم و مناقب ان کی نفسیات اور پاکیزہ صلاحتیں اور یہ ہے ان کی سبقت الی الاسلام پیغمبرؐ سے ہر وقت کی وابستگی، ان کی ابتداء و انتہا۔

دنیا انصاف کرے کہ ان تمام باتوں میں کون سی بات خلافت مآب کی ناراضی کا سبب ہوسکتی ہے ان باتوں میں سے کس بات سے حضرت عثمان برہم و ناراض تھے جس کی وجہ سے کبھی ان کے لیے طرح طرح کی سزائیں جسمانی، اذیتیں تجویز کرتے، کبھی ایک شہر سے دوسرے شہر ایک جگہ سے دوسری جگہ جلاوطن کرتے رہتے اور وہ بھی اس بے رحمی کے ساتھ کہ کہاں تو انتہائی پیرانہ سالی، ماہانہ آزوقہ بند ہونے کی وجہ سے فاقوں سے نڈھال اور کہاں لاغر اونٹ کی ننگی پیٹھ، بغیر پالان کی سواری اور اس کے ہنکانے والے اتنے جابر و ظالم کہ نہ دن دیکھیں نہ رات شبانہ روز اونٹ کو دوڑاتے ہوئے ابوذر کو لے جائیں کہ ہچکولوں سے ابوذر کی جان پر بن جائے۔رانوں کا گوشت کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو جائے۔شام سے جب ابوذر مدینہ آئے ہیں تو رانوں کا گوشت رخصت ہو چکا تھا اور تکان کی یہ کیفیت تھی کہ قریب تھا دم نکل جائے۔اتنے پر بھی حضرت عثمان کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوئیں۔ابوذر پوری طرح شفایاب بھی نہ ہونے پائے تھے کہ انہیں ربذہ نکال باہر کیا جہاں نہ چشمہ تھا نہ سبزہ دوپہر کی گرمی کی شدت کوئی سر چھپانے کی جگہ نہیں نہ کوئی عزیز و رشتہ دار کہ اس نیم جاں بوڑھے کی تیمارداری کرے نہ ان کی قوم کا وہاں کوئی آدمی کہ مر جائیں تو میت کو سپرد خاک کرے۔ابوذر نے چٹیل بیابان میں، تنہائی و غربت کے عالم میں جہاں نہ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد جان جہان آفریں کو سپرد کی۔مخبر صادق حضرت خاتم النبیینؐ ابوذر کو پہلے ہی خبر دے گئے تھے کہ ابوذر تم تنہائی کے عالم میں رحلت پاؤ گے اور بروز قیامت تنہا ہی محشور ہو گے اور اپنے مہربان سے اکیلے میں نپٹو گے۔

حضرت عثمان جو اپنے اعزہ اپنے رشتہ دار قرابت دار اپنے حاشیہ نشین و مقرب بارگاہ افراد پر درہم و دینار کی بارش کرنے میں بادل کو شرماتے ہیں جن کے فیض کرم کی بدولت مقربان عثمان لکھ پتی اور کروڑ پتی ہو گئے۔درآنحالیکہ ان میں ایک فرد بھی ایسی نہ تھی جو فضائل و مناقب میں ابوذر کے مقابلہ میں لائی جاسکے۔آخر کیا سبب تھا؟ اور لوگوں پر اتنی نوازشیں اور ابوذر بالکل راندۂ بارگاہ کہ اس غریب کا جو ماہانہ وظیفہ مقرر تھا وہ بھی ضبط کر کے دانہ دانہ کو محتاج کر دیا گیا، آرام و آسائش کی تمام

راہیں ان پر مسدود کر دی گئیں۔ ان کے گھر سے نکال باہر کیا گیا۔ جس پیغمبرؐ کی محبت ان کی رگ رگ میں سرایت کی ہوئی تھی۔ اس کے روضہ کی مجاوری سے بھی محروم کر دیئے گئے اور زمین باوجود اپنی پہنائیوں کے ان کے لیے تنگ سے تنگ تر کر دی گئی۔ کون سا امر قبیح ان سے سرزد ہو گیا تھا جس کی وجہ سے شام میں عام منادی کرا دی گئی کہ ان کے پاس کوئی بیٹھے نہیں۔

(طبقات ابن سعد ج ۴، ص ۳۰۸)

لوگ مدینہ میں ابوذر کو دیکھ کر کیوں بھاگ جاتے اور ان کا سامنا کرنے پر تیار نہ ہوتے، کیوں یہ ممانعت کر دی گئی تھی کہ کوئی ابوذر کے پاس بیٹھے نہ ان سے بات چیت کرے۔ جب جلاوطن کیا تھا تو کس وجہ سے حضرت عثمان نے منادی کرائی تھی کہ کوئی انہیں رخصت نہ کرے اور مروان کو حکم دیا تھا کہ کسی کو ان سے بات نہ کرنے دینا۔ ایسا عظیم مرتبت صحابی پیغمبر اور اس کی یہ رنگت ہر طرف شدائد و مصائب ہی کا سامنا۔ معلوم ہوتا ہے وہ صرف عقوبت ہی جھیلنے کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ خدا کی قسم ابوذر کا المیہ مسلمانوں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے جو قیامت تک نہ مٹ سکتا ہے۔ نہ بھلایا جا سکتا ہے۔

ہاں ابوذر کے لیے حضرت عثمان کی اندھادھند بذل وعطا اور خلاف منشائے رسول بغیر کسی استحقاق کے اپنے اعزہ واقربا پر درہم و دینار کی دھواں دھار بارشیں ضرور ناپسندیدہ اور سبب تنفر واستکراہ تھیں۔ دو مُش خاندان بنی امیہ کے مفسدہ پرداز ظالم امراء کے ہاتھوں معزز ومحترم مسلمان کی درگت بھی ناقابل برداشت تھی۔ روسائے بنی امیہ خیال کرتے تھے کہ ہماری انہیں حرکتوں پر ہمارا تخت شاہی ٹھہرا ہوا ہے اور ابوذر اور ان کے جیسے نیکوکار صحابہ کی باتوں پر کان دھرنے میں انہیں اندیشہ تھا کہ تخت سلطنت ڈگمگا نہ جائے یا وہ سرمایہ دار جو حضرت عثمان کی بخششوں سے مسلمانوں کے راک فیلر اور ہنری فورڈ ہو گئے تھے۔ انہیں اندیشہ لاحق تھا کہ اگر ابوذر کی صداؤں پر توجہ کی جاتی ہے تو جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ چھن جائے گا اسی لیے سبھوں نے ابوذر کے خلاف ایکا کر لیا اور خلیفۂ وقت کو ان کی طرف سے نت نئے اندیشہ دلا کر بھڑکایا جس کے نتیجہ میں ابوذر کا جو دردناک انجام ہوا وہ ہوا۔ خلیفہ وقت تو اپنی قوم کی خواہشوں کے اسیر اور ان کی تمناؤں کے غلام اور خاندان والوں کی محبت میں ہمیشہ ہی سے شہرت یافتہ تھے۔

جناب ابوذر کبھی اس سے منع نہیں کرتے تھے کہ کوئی جائز طریقہ پر دولت نہ کمائے نہ ان کا منشا ہوا کہ اگر کسی شخص نے شرعی طریقوں سے کوئی چیز حاصل کی ہے تو اس سے چھین لی جائے۔ البتہ وہ اس کے ضرور دشمن تھے کہ خلیفہ کے حوالی موالی، مسلمانوں کے حقوق غصب کر لیں اور مال خدا کو اس طرح ہضم کر جائیں جس طرح اونٹ موسم بہار میں گھاس چرتا ہے۔

ان کی کوششیں اسی مقصد کے لیے تھیں جو اس آیت میں مقصود خداوند عالم ہے۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ لا ینفقون فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ اور ان کی غرض یہی تھی کہ اموال کا حصول صرف

انہیں حدود کے اندر رہ کر ہو جو پیغمبرؐ مقرر کر گئے ہیں۔

امام احمد نے احنف بن قیس سے روایت کی ہے۔ احنف کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں تھا ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ جب لوگوں کی نظر اس پر پڑتی ہے تو ادھر ادھر بھاگ جاتے ہیں۔ میں نے اس شخص سے پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ابوذر صحابی پیغمبرؐ ہوں۔ میں نے پوچھا یہ لوگ آپ کو دیکھ کر بھاگ کیوں جاتے ہیں۔ ابوذر نے کہا وجہ یہ ہے کہ میں انہیں مال وزر کا وہ خزانہ جمع کرنے سے روکتا ہوں جس سے پیغمبرؐ منع کرتے تھے۔ (مسند احمد ج ۵/ص ۱۰۶، و ۱۶۲)

صحیح مسلم کی لفظیں ہیں ''احنف کہتے تھے کہ میں قریش کے کچھ لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ادھر سے ابوذر یہ کہتے ہوئے گذرے۔ خزانہ جمع کرنے والوں کو اس کی بشارت دے دو کہ ان کی پشتوں پر اس طرح داغا جائے گا کہ داغ ان کے پہلو سے نکل آئے گا اور ان کے پس گردن کو اس طرح داغا جائے گا کہ وہ داغ ان کی پیشانیوں سے ابل پڑے گا۔ پھر وہ ایک طرف ہو کر مسجد کے ستون کے پاس بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ ابوذر ہیں۔ میں اٹھ کر ان کے پاس آیا۔ عرض کیا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ پہلے کسی سے نہیں سنا۔ ابوذر نے کہا میں وہی کہتا ہوں جسے پیغمبرؐ سے سن چکا ہوں۔ میں نے پوچھا یہ جو ہمارے وظیفے بیت المال سے مقرر ہیں ان کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں۔ ابوذر نے کہا قبول کرو۔ اس میں روزانہ کا آزوقہ ہے لیکن اگر یہی وظیفہ تمہارے دین کی قیمت بنا دیا جائے تو چھوڑ دو۔ (سنن بیہقی ج ۶/ص ۳۵۹)

حافظ ابونعیم نے بسلسلۂ اسناد روایت کی ہے کہ جناب ابوذر نے فرمایا: ''بنی امیہ مجھے فقر اور قتل کئے جانے کی دھمکی دیتے ہیں۔ زمین کا شکم مجھے زیادہ محبوب ہے پشت زمین سے اور ناداری زیادہ پیاری ہے مال و دولت سے۔ ایک شخص نے پوچھا۔ اے ابوذر یہ کیا بات ہے کہ جب تم لوگوں کے پاس بیٹھتے ہو تو وہ تمہیں چھوڑ کر اٹھ جاتے ہیں؟ ابوذر نے کہا اس لیے کہ میں انہیں خزانہ جمع کرنے سے منع کرتا ہوں۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱/ص ۱۶۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے کسی دوسرے کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابوذر کی ناراضی و برہمی ان سلاطین پر تھی جو مال اپنے نفسوں کے لیے مخصوص کر لیتے اور جہاں خرچ کرنا چاہئے تھا وہاں نہیں خرچ کرتے تھے۔

اس قول پر علامہ نووی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کیونکہ وہ سلاطین ابوبکر و عمر و عثمان ہی تو تھے اور ان دونوں نے کبھی خیانت نہیں کی۔ (فتح الباری ج ۳/ص ۲۱۳)

یہ اعتراض علامہ نوری کا صریحی فریب ہے کیونکہ جس زمانہ میں ابوذر نے صدائے احتجاج بلند کی تھی وہ ابوبکر و عمر کی خلافت کا زمانہ نہیں تھا بلکہ حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ تھا جن کی روش صریحی طور پر ابوبکر و عمر کی روش کے برخلاف تھی اور

پیغمبرؐ کی روش کے تو بال بال مخالف۔ اسی وجہ سے ابوذر ابوبکر و عمر کے عہد میں خاموش رہے لیکن حضرت عثمان کے عہد میں ان کا دامن صبر چاک ہوگیا۔ بے عنوانیاں اتنی بڑھ گئیں کہ ضبط کی گنجائش باقی نہ رہی وہ حضرت عثمان سے کہا کرتے ''وائے تم پر کیا تم نے رسالت مآبؐ کو نہیں دیکھا؟ ابوبکر و عمر کو نہیں دیکھا؟ کیا یہی ان حضرات کا طریقہ تھا؟ یہی ان کا طرز عمل تھا تم مجھ پر ایسی زیادتی کرتے ہو جیسے جابر بادشاہ کرتے ہیں۔ نیز جناب ابوذر حضرت عثمان سے کہا کرتے تھے کہ تم ابوبکر و عمر کے طریقہ پر عمل کرو کوئی بھی تم سے کچھ نہ کہے گا۔ ابوذر کی صرف ایک خطا تھی کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف دعوت دیتے تھے جو متروک و ضائع ہو چکی تھی۔ برائیوں سے روکتے جس کا رواج عام ہو رہا تھا۔ صبح و شام کلام مجید کی اس آیت کی تلاوت کرتے۔ ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئك هم المفلحون۔ تم میں ایک ایسی جماعت ہونی ضروری ہے جو خیر کی دعوت دے لوگوں کو نیک کام کا حکم دے، برائیوں سے روکے ایسے ہی لوگ کامیاب و رستگار ہیں۔

ابن خراش کا بیان ہے کہ میں نے ابوذر کو ربذہ میں ایک بالوں کے خیمہ کے اندر دیکھا انہوں نے فرمایا۔ میں تو ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی کرتا رہا۔ اس حق پسندی و حق گوئی نے میرا ایک دوست بھی باقی نہیں رکھا۔ اسی کے ساتھ انہیں معاویہ کی حرکتیں سخت ناپسند تھیں جس نے خزانوں سے گھر بھر لئے اور مسلمانوں کے مال کو اپنا کر قیصر و کسریٰ کا جاہ و جلال اختیار کیا درانحالیکہ عہد پیغمبرؐ میں مفلس و قلاش انسان تھا۔ پیغمبرؐ نے اس کی توصیف میں ایک مرتبہ فرمایا تھا۔ ان معاویہ ترب خفیف الحال۔ معاویہ مفلس و نادار بدحال انسان ہے۔ (صحیح مسلم ج ۴، ص ۱۹۹)

ابوذر کا اتنا قصور تھا کہ شریعت اسلامیہ کی تباہی و بربادی، احکام و قوانین مذہب کا استہزا انہیں منظور نہ تھا۔ انہوں نے تو اپنی زبان سے وہی باتیں نکالیں جو کتاب و سنت کی تعلیمات تھیں۔ ۲۳ برس پیغمبرؐ نے جنہیں مسلمانوں کے ذہن نشین کرنے میں صرف کئے تھے آنحضرت نے معاذ اللہ کبھی اس کا خیال تک نہیں کیا کہ اپنے کسی صحابی کا مال و دولت ضبط کر لیں، صحابہ کرام میں تجارت پیشہ افراد بھی تھے زر و مال والے بھی املاک و جائداد والے بھی، مگر کوئی تاریخ نہیں بتاتی کہ پیغمبرؐ نے کسی کے مال پر نظر کی ہو۔ کسی کی جائداد کو تاکا ہو کسی سے لیا تو بس اتنا ہی جتنا خداوند عالم نے خمس و زکوٰۃ کی صورت میں فرض کیا تھا جو حقوق خداوندی کسی پر عائد ہوتے تھے بس انہیں کا مطالبہ کیا ابوذر بھی پیغمبر کے نقش قدم پر گامزن تھے ان کی تبلیغ و دعوت کا بھی یہی ماحصل تھا کہ کوئی دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ نہ ڈالے خود اس کے ذمہ جو حقوق واجب الادا ہیں اس کی ادائیگی کا پابند ہو۔

آنحضرتؐ نے ابوذر کو پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ تمہیں کن کن مصیبتوں اور ایذا رسانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیا کیا

ناروا سلوک تمہارے ساتھ کئے جائیں گے کس کس طرح ایک شہر سے دوسرے شہر میں نکال باہر کئے جاؤ گے اور عافیت و آرام کے دروازے ایک ایک کر کے تم پر مسدود ہوں گے پیغمبرؐ نے ان کی نیک کرداری کی تعریف کی تھی اور صبر کا حکم دیا تھا۔ اور خوشخبری دی تھی کہ جتنے مصائب تم پر پڑیں گے راہ خدا میں ہوں گے۔ ابوذر نے کہا تھا کہ خدا کا جو حکم ہو میں بہ خوشی خاطر اس کے لیے تیار ہوں۔ لہٰذا ابوذر کی نیک کرداری ضامن ہے کہ خلاف سنت رسولؐ کوئی بات زبان سے ان کے نہ نکلے۔ نہ ایسی بات کی لوگوں کو ترغیب دیں جو نظام معاشرت میں خلل کا باعث ہو۔ اگر ابوذر کا مقصد ان کا مدعا، ان کی تعلیمات مصالح عامہ کے خلاف ہوتیں۔ اگر اس میں خدا اور رسولؐ کی خوشنودی نہ ہوتی تو پیغمبرؐ پر واجب ولازم تھا کہ ابوذر کو منع کر جاتے کہ جب ایسا زمانہ آئے اور ایسی افراتفری مشاہدہ کرو تو اپنی ناپسندیدگی اور مکالفت کا اعلان کر کے مصیبتیں مول نہ لے لینا۔ آنحضرت جانتے تھے کہ ابوذر کی اس قسم کی تبلیغ انہیں شدید اذیت ومصائب سے دو چار کر دے گی۔ خلیفہ وقت الگ برہم ہوں گے اور خلیفۂ وقت کا کلمہ پڑھنے والے مورخین ابوذر کے خلاف تاریخ کے صفحات علیحدہ سیاہ کریں گے اور ابوذر کے دامن پر ایسا دھبہ لگایا جائے گا جو ہمیشہ باقی رہے گا لہٰذا پیغمبرؐ کا انہیں پہلے ہی سے منع کر دینا واجب تھا کہ اسکی نوبت ہی نہ آتی۔

ابوذر پر تہمت لگائی جاتی ہے کہ وہ مطلقاً مال وزر جمع کرنے کے مخالف تھے حالانکہ کبھی شریعت نے ایسا کالا قانون نافذ نہیں کیا اور نہ ہرگز ابوذر کا یہ مقصد تھا جو ان کے سر تھوپا جاتا ہے وہ ابوذر جو امت پیغمبرؐ میں بلحاظ زہد وتقویٰ نیکوکاری وراست روی وراستبازی اور بلحاظ پاکیزہ اخلاق کے شبیہ عیسیٰ ابن مریم تھے اور پیغمبرؐ نے انہیں لفظوں میں ان کی مدح وثنا فرمائی ہے یہ بس حضرت عثمان کی جرأت تھی کہ ایسے شخص کے متعلق یہ الفاظ زبان پر لائے۔ اشیروا علی فی ھذا الشیخ الکذاب اما ان اضربہ او احسبہ او اقتلہ۔ مجھے مشورہ دو کہ میں اس جھوٹے بڑھے کے متعلق کیا کروں۔ زدوکوب کروں قید میں ڈال دوں؟ یا قتل کر ڈالوں؟ اور جب ابوذر نے پیغمبرؐ کی حدیث فرزندانِ عاص کے متعلق بیان کی تو مجمع عام میں انہیں جھٹلایا بھی۔

حیرت ہے اور شدید حیرت ہے کہ ایسا شخص جس نے محض خیر خواہی کی ہو جس کا مطمح نظر محض بھلائی ہی رہا ہو اور جس نے خدا اور رسولؐ کی سچی سچی ترجمانی کی ہو اس کا یہ صلہ؟ یہ انعام واکرام؟ یہ حضرت عثمان کا مخصوص ادب تھا اور وہی ایسا کر بھی سکتے تھے اس سے زیادہ حیرت انگیز حضرت عثمان کا وہ جواب ہے جو انہوں نے حضرت امیر المومنینؑ کو دیا تھا حضرت امیر المومنینؑ نے ان کے مشورہ طلب کرنے پر کہا تھا کہ میں آپ کو وہی مشورہ دیتا ہوں جو مومن آل فرعون نے دیا تھا تو ایسا نامہذب کلمہ حضرت عثمان نے کہا کہ مورخین نے اس کا ذکر مناسب نہیں سمجھا ہم نے تلاش وجستجو سے وہ جواب بھی معلوم کر لیا لیکن ہماری تہذیب بھی اس کے نقل کی متحمل نہیں۔

حضرت عثمان نے ایک اور مرتبہ امیر المومنینؑ سے سخت کلامی کی تھی وہ اس وقت جب آپ اپنے فرزند کے ہمراہ ابوذر کو رخصت کرنے مدینہ سے باہر گئے اور مروان نے آ کر خلافت مآب کی خدمت میں شکایت کی اس کی تفصیل ہم گذشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں۔اسی میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ ما انت بافضل عندی من مروان۔آپ میرے نزدیک مروان سے بہتر نہیں ہیں۔

یہ اندھیر خدا کی پناہ کہ علیؑ کے مقابلہ میں مروان لایا جائے۔ وزغ ابن الوزغ ملعون ابن ملعون۔سچ ہے واقعا سچ ہے علیؑ تو علیؑ خود حضرت سرورکائنات ہوتے تو معاذ اللہ ان کے متعلق بھی یہ فقرہ کہنے میں تامل نہ کیا جاتا۔اس لیے کہ مروان اپنے چچا کا بیٹا تھا پھر پارۂ جگر بھی اپنی اس کی زوجیت میں تھی بھلا اس سے بہتر اور دوسرا کیوں کر ہوسکتا تھا۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ پیغمبرؐ نے مروان کے متعلق جو اپنے صریحی ارشادات فرمائے؟ بارہا لعنتیں جو فرمائیں حضرت عثمان کو ان کی کوئی اطلاع ہی نہیں تھی یا معاذ اللہ وہ پیغمبرؐ کو حق وصداقت سے علیحدہ جانتے تھے کیا مروان کی مفسدانہ حرکتیں حضرت عثمان کی چشم وگوش سے دور تھیں؟ یا قرابت ورشتہ داری کا انہیں اتنا پاس تھا کہ ہر چیز سے آنکھیں بند کر لینا ہی مرغوب تھا؟ جس کے نتیجہ میں وہ مروان ایسے شخص کو اس شخص کے مقابلے میں لانے پر تیار ہو گئے جسے خداوند قادر وتوانا نے پاک و پاکیزہ قرار دیا تھا اور قرآن مجید میں پیغمبرؐ کا نفس فرمایا تھا۔

چوتھی فصل

مورخین کی جناب ابوذر پر زیادتی

وہ معزز و محترم صاحبان فضل و شرف افراد جن کے سوانح حیات سے امت اسلام بہت کچھ استفادہ کر سکتی تھی جن کے پاکیزہ اخلاق، بزرگانہ انداز، اثر انگیز پند و نصائح حکمت سے بھری ہوئی باتیں، جرأت مندانہ اقدامات، دوراندیشانہ سکوت و توقف مسلمانوں کے لیے بہترین سبق تھے، افسوس کہ تاریخ نے ان کے ساتھ بڑی زیادتیاں کی ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ مورخین کا قلم ایسے افراد کے حالات لکھتے وقت بہت تیزی سے گزر جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کے پورے حالات نظروں کے سامنے نہیں آتے نہ ان کی جلالت و عظمت کا پورا اندازہ ممکن ہوتا ہے۔ مورخین بہت مختصر عنوان سے اہمیت کو گھٹا کر الٹ پھیر کر کے واقعات کو بیان کرتے ہیں یا جھوٹی سچی باتیں ملا کر غلط سلط روایتیں بیچ میں داخل کر کے صحیح خدوخال کو دھندلا کر دیتے ہیں یہ سب اپنے مسلک کی حمایت اپنی پارٹی کی جانبداری اپنے محبوب افراد کی لغزشوں پر پردہ ڈالنے کے لیے کیا جاتا ہے تا کہ ان کی عزت و حرمت پر حرف نہ آئے یا پھر ارباب حکومت کی ہوا خواہی اور کرسی اقتدار پر متمکن افراد کی خوشنودی کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ یہی تمام باتیں جناب ابوذر کے ساتھ پیش آئیں اور انہیں وجوہ سے ان کی سبق آموز تاریخ حیات بھی مورخین نے خلط ملک کر کے پیش کی وہ ابوذر جو مجسمۂ فضائل و کمالات تھے جن کے نقش قدم پر چلنا ہر مسلمان کے لیے واجب و لازم تھا جن کی پیروی کر کے دنیا و آخرت سدھر سکتی تھی۔

مورخ بلاذری:

علامہ بلاذری نے جناب ابوذر کی ربذہ کی طرف جلاوطنی کے متعلق کئی روایتیں لکھی ہیں جنہیں ہم ابھی پیش کر آئے ہیں انہیں میں جناب ابوذر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ اخرجت کارھا۔ مجھے زبردستی نکال باہر کیا گیا ہے لیکن چونکہ ابوذر کے اس جملہ سے آنچ آتی تھی خلافت مآب افراد پر ثبوت فراہم ہوتا تھا اس فقرہ سے ابوذر کی مظلومی اور حکمران وقت کے جبر و تشدد و ظلم و جور کا اس لیے بلاذری نے سعید بن مسیب کے سپید جھوٹ کا ٹکڑا چپکا دیا کہ ابوذر اپنی مرضی ہی سے ربذہ کو گئے ہوں گے حضرت عثمان نے نہیں نکالا ہوگا۔

علامہ بلاذری اور سعید بن مسیب کو افسوس اسکا احساس نہ ہوا کہ اس بیجا حمایت سے خود حضرت رسالت مآبؐ کی صریحی تکذیب ہوتی ہے گذشتہ صفحات میں پیغمبرؐ کی حدیث درج کی جا چکی ہے آنحضرتؐ نے ابوذر سے کہا تھا۔ یا اباذر کیف تصنع ان اخرجت من المدینہ۔اے ابوذر تمہارا کیا طرز عمل ہوگا اس وقت جب تم مدینہ سے نکالے جاؤ گے۔(مسند ج ۵، س ۱۷۸) نیز حضرت علیؑ کی تکذیب ہوتی ہے آپ کا وہ فرقہ غلط ثابت ہوتا ہے جو آپ نے حضرت عثمان سے اس وقت کہا تھا جب ابوذر کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت عثمان جناب عمار کے ساتھ انہیں واقعات کو دہرانا چاہتے تھے۔ یا عثمان اتق اللہ فانك سیرت رجلا صالحاً من المسلمین فهلك فی تسیرك۔اے عثمان خدا سے ڈرو تم پہلے بھی ایک مرد مسلمان نیکو کار کو جلاوطن کر چکے ہو اور وہ غریب حالت جلاوطنی میں ہلاک ہو چکا ہے۔ نیز جناب ابوذر کے اس قول کی تکذیب ہوتی ہے جو خود علامہ بلاذری نے سلسلۂ بیان میں لکھی ہے۔ ردنی عثمان بعد الهجرة اعرابیاً۔عثمان نے مجھے ہجرت کے بعد پھر اعرابی بنا دیا۔ نیز حضرت عثمان کی بھی تکذیب ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ بلاذری ہی نے حضرت عثمان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے جو انہوں نے جناب عمار سے کہا تھا۔ اترانی ندمت علی تسیرہ۔کیا تم سمجھتے ہو کہ میں انہیں جلاوطن کر کے شرمندہ ہوں،ایک حضرت عثمان کے سر سے الزام کو ہٹانے میں نہ جانے کس کس کی تکذیب ہوتی ہے۔

ابن اثیر جزری:

مورخ ابن اثیر جزری نے بھی اپنی تاریخ کامل میں اسی قسم کی ستم کیشی کی ہے بلکہ علامہ طبری سے بھی دو قدم آگے نکل گئے ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

وفی هذہ السنة کان ماذکر فی ابی ذر واشخاص معاویة ایاہ من الشام الی المدینة وقد ذکر فی سبب ذلك امور کثیرة من سب معاویة ایاہ وتهدیدہ بالقتل وحمله الی المدینة من الشام بغیر وطاع وتقیه من المدینة علی الوجه الشنیع لایصح النقل به ولو صح لکان ینبغی ان یعتذر عن عثمان فان للامام ان یورب رعیته وغیر ذالك من الاعذار لا ان یجعل ذلك سبباً للطعن علیه کرهت ذکرها الخ۔

اسی سال حضرت ابوذر کا واقعہ اور معاویہ کا آپ کو شام سے مدینہ بھیجنا پیش آیا۔اس واقعہ کے اسباب میں بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں کہ معاویہ نے آپ کو گالیاں دیں قتل کر ڈالنے کی دھمکی دی ننگی پیٹھ کے اونٹ پر شام سے مدینہ بھیج دیا اور وہاں سے حضرت عثمان نے نہایت نازیبا طریقہ پر آپ کو جلاوطن کیا ان تمام باتوں کی روایت صحیح نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو مناسب ہے کہ حضرت کو اس معاملہ میں معذور سمجھا جائے کیونکہ امام کو حق ہے کہ اپنی رعیت کی تادیب کرے اسی قسم کے اور دیگر

عذر کئے جاسکتے ہیں نہ یہ کہ ان واقعات کی وجہ سے حضرت عثمان پر ایسی طعن وتشنیع اور اعتراضات کئے جائیں جن کا ذکر گوارا نہیں۔الخ۔

ابن اثیر نے جن روایتوں کی صحت سے انکار کیا ہے دوسرے لوگوں نے حرف بحرف صحیح قرار دیا اور شروع سے آخر تک تمام روایتیں نقل کرڈالی ہیں۔لہٰذا اپنے چپ رہنے سے ابن اثیر جو فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ کبھی بھی حاصل نہ ہوگا ابن اثیر سمجھتے تھے کہ مسلم الثبوت حقائق کو اگر ہم گول کرجائیں گے تو وہ لوگوں کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ رہیں گے لیکن منصف مزاج مولفین اور جویائے حقیقت مورخین کسی چھوٹی بڑی بات کو پردۂ خفا میں رہنے نہیں دیں گے ابن اثیر کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ نہ تو دنیا میں وہی ایک اکیلے مورخ ہیں نہ ان کی تاریخ تنہا تاریخ ہے۔

بفرض محال اگر مورخین پورے واقعات نہ ذکر کرکے حقائق پر پردہ بھی ڈال دیں تو ان محدثین کو کیا کریں گے جنھوں نے ابوذر کی جلاوطنی کی حدیثیں کتب احادیث کے باب الفتن اور باب اعلام النبوۃ میں درج کرڈالی ہیں جن میں سے صرف چند حدیثیں ہم ابھی ابھی بیان کرآئے ہیں،کیا ان حدیثوں میں جلاوطنی کا تذکرہ ہے وہ ابوذر اور ان کے ہمدرد افراد اہل بیتؑ طاہرین اور ان کے ہم خیال نیکوکار مسلمان کے غم وغصہ کے لیے کافی نہیں؟خصوصاً جب یہ نظر آتا ہے کہ مرکز نبوۃ سے اخراج اور مدینہ سے جلاوطنی صرف حکم ابن عاص اس کی اولاد اس کے خاندان اور اسی جیسے لوگوں کے ساتھ مخصوص تھی اور وہ بھی اس لیے تاکہ مدینہ ان کے فتنہ وفساد ان کی ہنگامہ پسندی سے محفوظ رہے ان کی ناپاکیوں سے مدینہ کی مقدس سرزمین آلودہ نہ ہونے پائے کیا جناب ابوذر بھی معاذ اللہ حکم بن عاص ہی کی طرح فسادی وفتنہ پرور نجس وناپاک تھے وہ ابوذر جو پیغمبرؐ کی نگاہوں میں انتہائی معزز ومحترم اور امت محمدیہ میں نظیر عیسیٰ مریم تھے جن سے بڑھ کر صادق اللہجہ کوئی نہ تھا جو ان تین افراد میں سے تھے جن کی جنت مشتاق ہے کیا وہ طرید وملعون حکم بن عاص کے ہم پلہ وہم درجہ تھے کہ ان کو مدینہ سے نکال باہر کیا جائے لوگوں کو ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے نہ دیا جائے۔خدائے وحدہ لاشریک کی قسم غیرت دار مسلمان تلواروں سے کٹ مرنا نیزوں سے چھلنی ہونا گوارا کرتا مگر یہ اتنی باتیں جو ابوذر کے لیے جائز سمجھی گئیں ان میں سے ایک بات بھی کرنے پر تیار نہ ہوتا۔

رہ گیا یہ کہ امام کو حق ہے کہ اپنی رعیت کی تادیب کرے تو یہ حق امام کو انہیں لوگوں کے متعلق پہنچ سکتا ہے جو آداب دینی اور احکام مذہبی سے کورے اور جہالت وناواقفیت سے بھرپور ہوں۔ابوذر ایسے عظیم المرتبت صحابی کو ادب سکھانے کی کوئی احتیاج تو تصور ہی نہیں کی جاسکتی وہ ابوذر جن کی ایسی مدح وثنا پیغمبرؐ نے کی جیسی کسی صحابی کی نہیں کی انہیں اپنا مقرب خاص بنایا۔انہیں علوم تعلیم کئے جنہیں اپنی امت میں عیسیٰ کی نظیر قرار دیا۔لہٰذا کون سا ادب باقی رہ گیا تھا جو انہیں حضرت عثمان نے

اپنے اس سلوک اور برتاؤ سے دینا چاہا اور یہ کیسی تادیب تھی جسے حضرت سرور کائناتؐ نے فی سبیل اللہ بلا ومصیبت سے تعبیر کیا تھا اور ابوذر کو حکم دیا تھا کہ تم صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینا اور ابوذر نے کہا تھا بسر وچشم کس وجہ سے اور کس لیے ابوذر اس تادیب کے سزاوار نظر آئے درآنحالیکہ ان کی کوئی خطا نہ تھی انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ عمل نیک اور مقبول بارگاہ الٰہی ہی کا کام تھا جس کی داد امیر المومنینؑ نے ان لفظوں میں دی تھی۔ یا اباذر انك غضبت لله فارج من غضبت له۔ اے ابوذر تم خدا کے لیے غضبناک ہوئے لہٰذا خدا ہی سے اپنی امیدیں وابستہ رکھو۔

چاہئے تو یہ تھا کہ خود ابوذر دوسروں کو ادب سکھانے والے ہوتے کیونکہ وہ علم نبوت کے حامل دین کے احکام اور اس کی حکمتوں سے باخبر اور پاکیزہ نفسیات بہترین صلاحتیں رکھتے تھے جو امت محمد میں شبیہ عیسیٰ تھے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضرت عثمان ابوذر کی تادیب میں اتنی سرگرمی دکھلائیں اور ولید بن عقبہ ایسے شرابخوار اور نماز کا مذاق اڑانے والے کی تادیب پر ان کا دل تیار نہ ہو۔ عبید اللہ بن عمر کے بے قصور لوگوں کو قتل کرنے پر کسی تادیب کی ضرورت نہ سمجھیں۔ ابوذر اور بہت سے نیکو کار مومنین کو شہر بدر کر دیں۔ سرگروہ اہلبیتؑ طاہرین امیر المومنینؑ کو بھی جلاوطن کیئے جانے کے لائق جانیں اور خود پیغمبر جس شخص کو نکال باہر کر چکے ہوں اسے مدینہ واپس بلا کر انعام و اکرام سے نہال کر دیں۔

وہ ہولناک حادثہ جس سے جلیل القدر عظیم المرتبت صحابہ کرام ابوذر جیسے دوچار ہوئے جس کا تذکرہ ہر زبان پر آیا طعن وتشنیع کی ہر طرف سے آوازیں اٹھیں جسے تاریخ میں انتہائی ہوشربا واقعات میں شمار کیا گیا ہے تمام مومنین کے دل جس پر تڑپ اٹھے اور خلافت مآب حضرت عثمان ہر طرف سے اعتراضات کا نشانہ بن گئے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ مسلمان اطاعت کا جوا کاندھوں سے اتار پھینکنے کے متعلق سوچنے لگے چنانچہ کوفہ کے کچھ لوگ جناب ابوذر کے پاس ربذہ میں پہنچے اور کہنے لگے کہ حضرت عثمان نے آپ کے ساتھ جو ناز یبا برتاؤ کیئے ہیں وہ آپ کی نظروں کے سامنے ہیں آپ ہماری کمانداری قبول کیجئے تو ہم ان سے جنگ کے لیے تیار ہیں۔ ابوذر نے کہا۔

''نہیں اگر عثمان مجھے مشرق سے مغرب کی طرف بھی نکال پھینکیں تب بھی میں جنگ پر آمادہ نہیں۔''

ابن بطال کا بیان ہے کہ معاویہ نے ابوذر کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی کہ وہ مجھے بات بات پر ٹوکتے اور ہر معاملہ میں بحث وتکرار کرتے ہیں۔ معاویہ کی فوج والے بھی ابوذر کی طرف مائل تھے۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان نے فتنہ وفساد کے خوف سے ابوذر کو مدینہ بلوالیا کیونکہ ابوذر خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہیں کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری عینی ج ر ۴ ص ر ۲۹۱) غرضکہ ابوذر کے ساتھ اس ناروا سلوک کی خبر جس شہر جس قریہ میں بھی پہنچی ہر جگہ بے زاری کا اظہار کیا گیا

اور سلطنت اسلامیہ کے کونے کونے میں اس واقعہ پر ماتم ہوئے لہٰذا ایسا سانحہ جانکاہ ابن مسیب جیسے اشخاص کے چھپانے سے چھپنا ممکن بھی ہے؟ ابن مسیب نے اموی محبت کے نشہ میں کہنے کو تو کہا کہ ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان نے ابوذر کو ربذہ جلاوطن کیا ہو۔ ابوذر خود اپنی خوشی سے گئے ہوں گے لیکن ابن مسیب کو یہ خیال نہیں ہوا کہ کوئی ہوش وحواس والا بھی یہ بات ماننے پر تیار نہیں ہوگا کہ ابوذر ایسے فدائی پیغمبرؐ اپنے دارہجرت اور روضہ پیغمبرؐ کو چھوڑ کر ربذہ میں دوبارہ سکونت پسند فرمائیں گے جو بے آب وگیاہ ویرانہ تھا اگر ابوذر اپنی خوشی سے ربذہ چلے گئے تھے تو جانے کے وقت اس قدر صدمہ وملال کا اظہار ان سے کیوں ہوا۔ اور جو حضرات انہیں رخصت کرنے گئے تھے علیؑ وحسنینؑ وعقیل وعمار وغیرہ ان کی طرف سے رنج وملال غم وغصہ کا مظاہرہ کیوں ہوا۔

بلاذری کی امانت ودیانت کا ایک دوسرا نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ ابوذر کو جب حضرت امیر المومنینؑ رخصت کر کے آئے ہیں اور حضرت عثمان نے اس معاملہ میں حضرت علیؑ سے جو سخت کلامی کی ہے اس کو صاف گول کر گئے بس اتنا ہی لکھ کر رہ گئے جری بین علی وعثمان فی ذالك كلام۔ اس معاملہ میں عثمان اور علیؑ کے درمیان باتاباتی ہوئی لیکن کیا کیا باتیں ہوئیں اسکو نہیں لکھا کیونکہ پوری بات لکھ دیتے تو حضرت عثمان پر آنچ آتی تھی۔

ابن جریر طبری:

علامہ طبری نے بھی اسی قسم کی زیادتی کی ہے چنانچہ ابوذر کے واقعات پر پہنچ کر لکھتے ہیں۔

وفی هذه السنة اعنی سنة كان ماذكر من امر ابی ذر ومعاوية واشخاص معاوية اياه من الشام الی المدينة وقد ذكر فی سبب اشخاصه اياه منها عليها امور كثيرة كرهت ذكرا كثرها فاما العاذرون فی ذالك فانهم ذكروا فی ذلك قصة۔ الخ۔

اسی سال یعنی ۳۰ھ میں ابوذر اور معاویہ کا واقعہ پیش آیا اور معاویہ نے انہیں شام سے مدینہ بھیج دیا۔ معاویہ نے ابوذر کو شام سے مدینہ کیوں بھیجا اس کے متعلق بہت سی باتیں لوگوں نے بیان کی ہیں جن کا ذکر کرنا مجھے پسند نہیں البتہ لوگوں نے اس معاملہ میں معاویہ کو معذور قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس کے متعلق ایک قصہ ذکر کیا ہے۔ الخ۔

کون پوچھے علامہ طبری سے وہ "بہت سی باتیں" آپ نے کیوں نہیں بیان کیں اور صرف وہی قصہ کیوں ذکر کیا جو معاویہ کی معذوری اور حضرت عثمان کی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے گڑھنے والوں نے گڑھا ہے وہ حقائق واقعات جس سے معاویہ وعثمان کی ذات پر حرف آتا تھا جس کا اس زمانہ میں تمام مسلمانوں کی زبانوں پر ذکر تھا وہی باتیں بیان کرنی علامہ طبری کو ناپسند ہوئیں اور انہوں نے یہ خیال کرلیا کہ اگر ہم اپنی تاریخ میں نہیں لکھیں گے تو کسی کو خبر نہ ہوگی۔ سبھی بے خبر رہیں گے

اور ہمیشہ کے لیے پردہ پڑ جائے گا مگر علامہ طبری کی تدبیروں کے برخلاف یہ واقعہ زمانہ بھر میں مشہور ہو گیا اور تاریخ واحادیث کے صفحات میں آج بھی ہر منصف مزاج انسان کے لیے درس عبرت ہے۔

اس کے بعد علامہ طبری نے وہ من گڑھت قصہ بیان کیا ہے جس کا ایک حصہ بھی صحیح نہیں ہر جملہ اس کا تاریخ وحدیث کو جھٹلاتا ہے وہ قصہ جھوٹا ہے یا سچا تاریخ یا حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یا نہیں یہ تو بعد کی منزل ہے۔طبری نے اس قصہ کو جس سلسلہ اسناد سے نقل کیا ہے اگر اسی پر غور کیا جائے تو اس کی رکاکت واضح ہو جائے اتنے راویوں کے واسطے سے وہ قصہ لکھا گیا ہے۔سری اشعیب بن ابراہیم، سیف بن عمر، یزید فقعسی ان سب کا ذکر ہم اس سوانح عمری کے ص ر ۲۵۷ پر کر چکے ہیں۔سری مشہور جھوٹا اور حدیث گڑھنے والا۔شعیب مجہول وغیر معروف سیف بن عمر ضعیف ومتروک وساقط اور حدیثوں کا گڑھنے والا تھا تمام تر حدیثیں اس کی منکر ہیں۔موضوع حدیثوں کی روایت کرتا خود حدیثیں گڑھتا اور متہم بالزندقہ تھا یزید فقعسی کا کسی کتاب میں ذکر نہیں۔

علامہ طبری کی امانت دیکھنے کے قابل ہے کہ وہ حقائق مسلم الثبوت واقعات جسے بکثرت ثقہ اور مستند راویوں نے بیان کیا اسے ذکر کرنا پسند نہ کیا اور جھوٹے اور لاغی لوگوں نے بے سر پیر کی جو باتیں بیان کیں ان سے اپنی تاریخ کے صفحات کو زینت دی۔

یہ امر بھی تعجب خیز ہے کہ حضرت عثمان مسلمانوں کے تمام مہمات امور اور رفاہ عامہ کے کل کام مروان کو سونپ دیں اور حضرت امیر المومنینؑ کے اس مشورہ پر کان تک نہ دھریں کہ:

''آپ مروان سے جبھی خوش ہوں گے اور مروان آپ سے جبھی راضی ہوگا جب وہ آپ کو دین سے کنارہ اور عقل سے پوری طرح کورا بنا دے۔خدا کی قسم مروان نہ اپنے دین کے متعلق کوئی رائے رکھتا ہے۔نہ اپنے نفس کے بارے میں۔مجھے تو نظر آتا ہے کہ وہ آپ کو ہلاکت کے غار تک پہنچا کے دم لے گا میں آج کے بعد پھر سمجھانے کے لیے آپ کو نہیں آؤں گا۔آپ اپنی عزت کھو بیٹھے ہیں اور پوری طرح بے بس ہو چکے ہیں۔

آپ کی مروان پرستی اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ خود آپ کی رفیقۂ حیات نائلہ بنت فرافصہ کو سرزنش کرنی پڑی اور یہ کہنا پڑا۔

''آپ مروان کے بالکل مرید ہو کر رہ گئے ہیں جہاں وہ چاہتا ہے آپ کو گھسیٹ لے جاتا ہے۔''

حضرت عثمان نے پوچھا تو اب میں کیا کروں۔نائلہ نے کہا۔

''خدا سے ڈرئیے اور بزرگوں کی روش اختیار کیجئے۔آپ مروان کی باتوں پر جائیں گے تو آپ کو قتل کر کے رہے گا۔ لوگوں کے نزدیک مروان کی نہ تو قدر ہے نہ اس کا کوئی رعب وداب ہے نہ کسی کے دل میں اس کی محبت ہی ہے۔لوگ آپ

سے جو برگشتہ ہور ہے ہیں وہ محض مروان کی وجہ سے، آپ علیؑ کے پاس پیام بھیجئے اوران سے مصالحت کر لیجئے۔ان سے رشتہ داری بھی ہے وہ آپ کی بات کو نہیں ٹالیں گے۔کاش حضرت عثمان بیوی کی بات ہی مان لیئے ہوتے تو یہ روز سیاہ دیکھنے میں نہ آتا۔
حضرت عثمان کے لیے مناسب تھا کہ وہ ابوذر کو اپنے سے قریب کرتے۔ان کے اخلاق وکمالات، زہدوامانت، علم ودیانت سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے۔لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور کرتے بھی کیسے؟ اردگرد تو آپ کے بنی امیہ تھے جن کی محبت میں حضرت عثمان سرتاپیر غرق۔بنی امیہ اس کا موقع ہی نہ آنے دیتے کہ حضرت عثمان ابوذر کی باتوں کو توجہ سے سن ہی لیں۔یہ تو آگ لکڑی کا میل ہوتا۔

بنی امیہ جیسے تھے وہ معلوم ہے اور یہی لوگ حضرت عثمان پر پوری طرح حاوی تھے۔ابوسفیان کہا کرتا اے بنی امیہ اس حکومت وسلطنت سے تم گیند کی طرح کھیلو میں ہمیشہ متمنی تھا کہ یہ حکومت تمہارے ہاتھوں میں آئے اور تمہارے لڑکے پوتے، پر پوتے یکے بعد دیگرے اس کے وارث ہوں خود حضرت عثمان سے اس نے کہا تھا۔قبیلہ تیم وعدی (ابوبکر وعمر) کے بعد یہ حکومت تم تک آئی ہے اسے گیند کی طرح اچھالو اور بنی امیہ کو اس کے ارکان مقرر کرو کہ یہ تو حکومت و بادشاہی ہے جنت کیسی جہنم کیسا۔"

اس وقت تو حضرت عثمان نے اسے جھڑک دیا تھا لیکن آپ کا طرز عمل ابوسفیان کی تمناؤں کے موافق ہی رہا۔اوران کے عہد میں بنی امیہ حکومت سے گیند کی طرح کھلتے رہے۔

ہمیں تو کوئی تاریخ نہیں بتاتی کہ حضرت عثمان نے جھڑکنے کے سوا ابوسفیان کی کوئی تادیب کی ہو۔اسکا وظیفہ بند کیا ہو، شہر بدر کیا ہو، زدوکوب کیا ہو، جس طرح انہوں نے ابوذر اور انہیں جیسے نیکوکار متقی و پرہیزگار مسلمانوں کی تادیب ضروری سمجھی تھی۔

عماد الدین ابن کثیر:

ابن کثیر نے اور زیادہ ستم ڈھائے ہیں لکھتے ہیں:

"ابوذر مالداروں کے مال جمع کرنے کو ناپسند کرتے ضرورت سے فاضل رکھنے کو منع کرتے۔ان کے نزدیک ضرورت سے فاضل مال کو خیرات کردینا واجب تھا۔ اور وہ خداوندعالم کے اس حکم والذین یکنزون الذھب والفضۃ۔الخ۔کی تاویل کرتے تھے۔معاویہ نے ان باتوں کی نشرواشاعت سے انہیں روکا مگر وہ باز نہ آئے۔معاویہ نے ان کی شکایت عثمان کو لکھ بھیجی۔عثمان نے ابوذر کو لکھا کہ مدینہ واپس چلے آؤ۔جب وہ مدینہ آئے تو حضرت عثمان نے ان فروگذاشتوں پر ابوذر کی ملامت کی اور کہا کہ ان سے باز آؤ لیکن وہ باز نہ آئے تو انہیں ربذہ قیام کرنے کا حکم دیا جو مدینہ کا مشرقی حصہ ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود ابوذر نے حضرت عثمان سے خواہش کی کہ مجھے ربذہ رہنے کی اجازت دی جائے۔اور کہا کہ

پیغمبرؐ خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب عمارتیں کوہ سع سے باتیں کرنے لگیں تو مدینہ سے کہیں دور چلے جانا۔ اور اس وقت ایسا وقوع میں آچکا تھا۔ حضرت عثمان نے انہیں ربذہ میں قیام کرنے کی اجازت دے دی اور انہیں تاکید کی کہ مدینہ کبھی کبھی آتے رہنا کہ مہاجر ہونے کے بعد پھر اعرابی نہ ہو جاؤ۔ چنانچہ جناب ابوذر وہیں مرتے دم تک مقیم رہے۔

آگے چل کر وفات ابوذر کے حالات میں ابن کثیر لکھتے ہیں۔

''جناب ابوذر کے فضائل میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن میں مشہور تر حدیث یہ ہے۔ ما اقلت الخضراء۔ الخ۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے پھر جب رسولؐ کا انتقال ہو گیا اور ابوبکر بھی مر گئے تو ابوذر شام چلے آئے وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ ان میں اور معاویہ میں اختلاف پیدا ہوئے اور حضرت عثمان نے انہیں مدینہ واپس بلا لیا۔ مدینہ سے وہ ربذہ چلے آئے وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ وقت انتقال ان کے پاس سوا ان کی زوجہ اور اولاد کے کوئی نہیں تھا وہ لوگ غسل وکفن کے متعلق متفکر تھے کہ عبداللہ بن مسعود عراق سے اپنے اصحاب کے ساتھ آتے ہوئے ربذہ کی طرف سے گذرے اس وقت ابوذر کی آخری گھڑیاں تھیں۔ جناب ابوذر نے انہیں اپنے غسل وکفن کے متعلق وصیتیں کیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ انتقال کے بعد پہنچے اور غسل وکفن کے کفیل ہوئے۔ جناب ابوذر نے اپنے گھر والوں کو تاکید کی تھی کہ ایک بکری ذبح کر کے ان لوگوں کی ضیافت کرنا۔ عثمان نے ابوذر کے مرنے کے بعد ان کے اہل وعیال کو اپنے پاس بلا لیا اور اپنے گھر والوں کے ساتھ رکھا۔ الخ۔

ابن کثیر اس موقع پر اتنی ہی باتیں لکھ سکے جن میں ہم دو چار باتوں کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

(۱) ابن کثیر نے ابوذر پر تہمت لگائی ہے کہ وہ مالداروں کے مال جمع کو ناپسند کرتے تھے۔'' یہ تہمت کوئی نئی نہیں ہے ابن کثیر سے پہلے کے لوگ بھی یہ اتہام لگا چکے ہیں آج کل کے مورخین بھی اسی قسم کی باتیں ابوذر کی طرف منسوب کرتے ہیں صرف لفظیں بدل دی گئی ہیں۔ اور وہ یہ کہ ابوذر اشتراکی (یعنی سوشلسٹ) تھے ہم آیندہ اس پر تفصیلی بحث کریں گے۔

(۲) ابن کثیر کا خیال ہے کہ ابوذر کا شام جانا اور وہاں سے پھر مدینہ آکر ربذہ جانا اپنی مرضی سے تھا۔ ربذہ کے متعلق ہم گذشتہ صفحات میں شرح وبسط سے ذکر کر چکے ہیں کہ جناب ابوذر ربذہ جلاوطن کئے گئے تھے۔ مدینہ سے انہیں بہت ہی نامناسب طریقہ پر شہر بدر کیا گیا تھا اور اس موقع پر حضرت علیؑ و مران، حضرت علیؑ و عثمان، عثمان اور عمار کے درمیان تیز وتند باتیں بھی ہوئی تھیں۔ خود حضرت عثمان نے اعتراف کیا تھا کہ میں نے ابوذر کو جلاوطن کیا۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے بھی ان کی اس بارے میں فہمائش کی تھی۔ بکثرت لوگوں نے خود جناب ابوذر کی زبان سے یہ فقرہ سنا کہ عثمان نے مجھے ہجرت کے بعد پھر اعرابی بنا دیا۔ نیز ابوذر کی جلاوطنی کا واقعہ علامات نبوت میں سے ہے کہ آنحضرتؐ ابوذر کو پہلے ہی خبر دے گئے تھے کہ تمہارے ساتھ

ایسے برتاؤ کئے جائیں گے اور تم جلاوطن کئے جاؤ گے۔ ابو ذر کے شام جانے کی تفصیل بھی لکھی جا چکی ہے کہ وہ خود سے نہیں گئے بلکہ مجبور کر کے بھیجے گئے۔

(۳) رہ گیا ابن اثیر کا یہ کہنا کہ عثمان نے ابو ذر کو تاکید کر دی تھی کہ کبھی کبھی مدینہ آتے جاتے رہنا تا کہ ہجرت کرنے کے بعد پھر اعرابی نہ ہو جاؤ۔ یہ صریحی جھوٹ ہے ہم گذشتہ صفحات میں بلاذری کے حوالہ سے ابو ذر کا یہ قول درج کر چکے ہیں کہ ردنی عثمان بعد الهجرة اعرابیاً۔ عثمان نے ہجرت کے بعد مجھے اعرابی بنا دیا۔''

علاوہ بریں کسی فرد واحد نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا ہے کہ ابو ذر ربذہ جلاوطن ہونے کے بعد ایک مرتبہ بھی پھر مدینہ آئے ہوں سن ۳۰ھ میں آپ جلاوطن کئے گئے۔ ۳۲ھ ماہ ذی الحجہ میں انتقال ہوا۔ دو تین برس کے عرصہ میں ایک مرتبہ بھی مدینہ آنے کا ثبوت نہیں ملتا۔

(۴) ابن کثیر نے ابو ذر کے متعلق پیغمبرؐ کی مشہورترین حدیث ما اظلت الخضراء الخ۔ کے متعلق لکھا ہے وفیه ضعف حدیث میں ضعف ہے۔

ابن کثیر کا فضائل کے تذکرہ میں یہ طریقہ کار ہے کہ جب وہ اپنے کسی محبوب اموی شخص یا طرفداران بنی امیہ سے کسی کے حالات لکھتے ہیں تو بے شمار باتیں لکھ جاتے ہیں اور من گڑھت مہملات و مزخرفات کو صحیح انداز میں پیش کرتے ہیں، نہ ان کے اسناد سے کوئی تعرض کرتے ہیں نہ مضامین کی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ خشک و تر جو بھی مل جاتا ہے اس سے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیتے ہیں لیکن جب محبان اہلبیتؑ، شیعیان امیر المومنینؑ اکابر و اعاظم مسلمین میں سے کسی کے حالات لکھنے بیٹھتے ہیں جیسے جناب ابو ذر، وغیرہ تو ان کا سینہ تنگی کرنے لگتا ہے، قلم میں لغزش آجاتی ہے اور لب و زبان پر مہر سی لگ جاتی ہے اور اگر چاروناچار کوئی بات لکھنی ہی پڑتی ہے تو حتی الامکان سبک کر کے بہت معمولی عنوان سے لکھتے ہیں تا کہ اس کی اہمیت کی طرف کسی کا ذہن ملتفت نہ ہو سکے جیسے انہوں نے یہاں جناب ابو ذر کی مشہور فضیلت ما اظلت الخضراء کے متعلق کیا ہے کہ ضعیف قرار دے دیا۔

پانچویں فصل

مال وزر کے متعلق نظریہ جناب ابی ذر رضی اللہ عنہ

جناب ابوذر کے خیالات ومعتقدات کوئی انوکھے اور نرالے نہ تھے دوسرے عظیم المرتبت اصحاب پیغمبرؐ پابند کتاب وسنت بزرگانِ دین کی طرح ابوذر کی بھی تمنا وآرزو یہی تھی کہ امت والوں کا بھلا ہو۔ مسلمان خوشحال وفارغ البالی کی زندگی بسر کریں اور وہ شریعت کے مقرر حدود سے سرمو متجاوز نہ ہوں کہ اسی میں ان کی فلاح وبہبود مضمر ہے۔ ان کا منشا تھا کہ بخل جیسی گھناؤنی بیماری میں عوام مبتلا نہ ہونے پائیں۔ ارباب دولت وثروت فقرا ومساکین کو بھولیں نہیں۔ اور ان کے جو حقوق خداوند عالم نے مالداروں پر فرض قرار دیئے ہیں۔ ان حقوق سے وہ محروم نہ کئے جائیں ان کی ناراضی وبرہمی صرف ان لوگوں پر تھی جو ناداروں کے حقوق غصب کیا کرتے، ان دولت مندوں پر تھی جن کے گھروں میں سیم وزر کے انبار لگے ہوئے تھے جن کے مرنے پر ورثہ نے کلہاڑیوں سے سونا کاٹ کر آپس میں تقسیم کیا اور کاٹنے والوں کے ہاتھ زخمی ہو ہو گئے لیکن اس انبار طلا ونقرہ سے واجب حقوق کی ادائیگی کا کوئی خیال نہیں کیا گیا نہ خمس دیا گیا نہ زکوٰۃ ادا کی گئی۔ نہ ان دکھ درد کے ماروں کی خبر لی گئی جن کی غذا بھوک، جن کی سیرابی تشنگی اور جن کا عیش وآرام پریشاں حالی وآشفتہ بختی تھی۔

ان سرمایہ داروں کے یہاں درہم ودینار کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور نادار مسلمان فاقے کرتے تھے۔ مستحقین کو نہ ان کی زکوٰۃ ملتی تھی نہ عوام کی فلاح وبہبود میں اس سے ایک پائی خرچ ہوتی تھی۔ طلا ونقرہ کے متعلق خداوند عالم کا منشا تو یہ ہے کہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں آتے جاتے رہیں صنعت وحرفت میں خرچ ہوں قومی مصنوعات میں لگائے جائیں تاکہ سرمایہ دار مزدور ملک وقوم سبھی کو فائدہ پہنچے مالکوں کو منافع کی صورت میں، ناداروں کو مزدوری واجرت کے طور پر، شہروں کی آبادی بڑھے، زمینیں آباد ہوں۔ اسکول ومدارس کے ذریعہ مذہب کی دعوت تبلیغ ہو۔ کالج اور یونیورسٹی، رسائل وجرائد اور کتابوں کے ذریعہ علمی ترقی ہو۔ نادار واپاہج مسلمانوں کے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے بلکہ اموال زکوٰۃ میں ان کے جو حقوق مقرر ہیں وہ خود ان تک پہنچ جائیں۔ اسلامی لشکر ساز وسامان سے لیس ہوں ملکی سرحدوں کا استحکام پوری طرح ہو۔ اور امت والے امن کے ساتھ نیک بختی کی زندگی گذاریں اسی وجہ سے خداوند عالم نے حرام قرار دیا کہ سونے چاندی کے برتن بنائے جائیں تاکہ یہ سونا اور چاندی ایک جگہ گھر کر نہ رہ جائیں اور ان کے بے شمار فوائد سے خلائق محروم نہ رہے۔

جناب ابوذر کی ناراضی و برہمی انہیں جیسے لوگوں پر تھی جو سونے اور چاندی کو اپنے گھر میں مقید کر کے رکھنا چاہتے تھے۔

جیسے امیر معاویہ جن کے دروازہ پر جناب ابوذر روزانہ صدا دیتے اور آیہ کریمہ کی تلاوت فرماتے الذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم۔ جو لوگ سونا اور چاندی خزانوں میں بند کر کے رکھیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہ کریں انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

جیسے مروان جس پر حضرت عثمان کی عنایت و مہربانی کا ایک معمولی نمونہ یہ ہے کہ افریقہ کی جنگ میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا سب کا سب حضرت عثمان نے اٹھا کر مروان کو دے دیا جو زیادہ نہیں صرف پانچ لاکھ دینار تھا۔

جیسے عبدالرحمان بن عوف جنہوں نے مرنے پر اتنا سونا چھوڑا جو کلہاڑیوں سے کاٹ کر ورثہ میں تقسیم ہوا۔ انہوں نے چار بیویاں چھوڑیں۔ ہر بیوی نے ۸۰ ہزار پائے اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کل ترکہ ان کا کتنا ہوگا۔

قیاس کن زنگلستان من بہار مرا

جیسے زید بن ثابت کہ انہوں نے نقد مال وزر اور کھیت و باغات کے علاوہ اتنا طلا ونقرہ چھوڑا جو کلہاڑیوں سے کاٹ کر ورثہ میں تقسیم ہوا۔

جیسے طلحہ جنہوں نے مرنے پر سو بہار چھوڑے ہر بہار میں کم سے کم تین سو پونڈ سونا تھا (بہار) بیل کی کھال کو کہتے ہیں۔ اسی سونے سے بھرے ہوئے بہار کے متعلق حضرت عثمان نے کہا تھا۔ ویلی علی ابن الحضرمیة (یعنی طلحہ) اعطیته کذا و کذا بهارا ذهبا وهو یروم دمی یحرض علیٰ نفسی۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۴۰۴)

وائے ہو ابن حضرمیہ طلحہ پر میں نے اتنے اتنے بہار سونے سے بھرے ہوئے انہیں دیئے اور وہ اب میرے خون کے پیاسے ہیں۔

اسی قبیل کے دوسرے بخیل افراد جو امت اسلام کے لیے گھن بنے ہوئے تھے ان پر ابوذر کی برہمی تھی۔ ابوذر اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھتے تھے کہ خلیفہ وقت کے پاس ابوموسیٰ اشعری سونا اور چاندی کی بہت بڑی مقدار لے کر آتے ہیں اور وہ سب کا سب اپنی بیویوں اور بیٹیوں میں تقسیم کر دیتے ہیں اور شریعت اسلامیہ کی مخالفت کی رتی برابر پروا نہیں کرتے ابوذر کو یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمان کے گھر میں درہم و دینار کے کتنے ذخیرہ ہیں جو ان کے مرنے پر لوگوں نے لوٹ لئے۔

انصاف کی جاہے کہ ایسا شخص جو ان تمام حالات کا شاہد عینی ہو گھر کے اندر بھرے ہوئے سونے چاندے کے ذخائر درہم و دینار کے خزانے جس سے پوشیدہ نہ ہوں اس کا کیا ردعمل ہونا چاہئے جب کہ ابوذر پیغمبرؐ کی تعلیم و ہدایت کی بدولت آئندہ

پیش آنے والی باتوں کا بھی وسیع علم رکھتے تھے لوگوں کی تفسیات کا بھی انہیں پورا پورا اندازہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ یہی سونے چاندی کے ذخائر عنقریب باطل کی طرف لوگوں کو بلانے میں صرف ہوں گے اسی کے ذریعہ حضرت امیر المومنینؑ کی بیعت توڑنے والوں اور خوارج و دشمنان اہل بیتؑ کے فوجی دستے مرتب کئے جائیں گے فضائل بنی امیہ میں حدیثیں گڑھنے والوں کو منھ مانگی اجرت دی جائے گی اہل بیت طاہرین پر سب وشتم کرنے والوں، موالیان اہلبیت وشیعیان امیر المومنینؑ کے قاتلوں کو بڑے بڑے انعامات دیئے جائیں گے اور بڑا حصہ شراب خوری و بدکاری اور دیگر برائیوں میں صرف ہوگا۔

کیااندازہ کیا جاسکتا ہے اس شخص کی دلی کیفیات کا جس کے کانوں میں پیغمبرؐ کی یہ آواز گونج رہی ھو اذا بلغ بنو العاص ثلاثین رجلا اتخذوا مال الله دولاً وعباد الله خولاً۔ جب اولاد ابی العاص ۳۰ تک پہنچ جائیں گے تو وہ مال خدا کو اپنا کھلونا اور بندگان خدا کو اپنا غلام بنالیں گے۔ اور وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہو کہ اولاد ابی العاص ۳۰ تک پہنچ چکی اور وہ حکومت سے اس طرح کھیل رہے ہیں جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں اور انہوں نے مال خدا کو کھلونا بنا رکھا ہے۔

ان تما حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا واجب تھا ابوذر پر؟ کیا وہ لبوں پر مہر سکوت لگائے رہتے جیسے نہ کچھ دیکھتے ہوں نہ سنتے ہو نہ انہیں کسی بات کا علم ہو؟ یا آواز حق بلند کرتے رہتے؟ لوگوں کو یہ دیکھنے پر مجبور کرتے کہ بھلائی کی باتیں کیا ہیں اور فتنہ وفساد کے اسباب کیا؟ سچ تو یہ ہے کہ:

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اس کو یہ ناتواں اٹھالایا

کوئی کلام اس میں نہیں کہ جناب ابوذر نے اس فریضہ کو پوری طاقت اور قوت سے انجام دیا ان کی یہی بس ایک صدا تھی کہ الذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل الله فبشرھم بعذاب الیم۔

جناب ابوذر آیت کے اصل معنی ومقصود سے بے خبر نہیں تھے ان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اگر کوئی شخص جائز طریقے سے بھی درہم ودینار محفوظ کرے تو وہ بھی اس آیت میں شامل ہے ان کی نگاہ تو ان جیسے لوگوں پر تھی جن کا ہم نے اوپر مختصراً تذکرہ کیا جنہوں نے ناجائز طریقہ پر زر ومال جمع کئے، بغیر کسی استحقاق کے اتنی دولت سمیٹ لی تھی اور جنہوں نے اپنے ذخیروں اور خزانوں سے ان فرائض کو ادا نہیں کیا تھا جو خمس وزکوٰۃ وغیرہ کی صورت میں شریعت نے ضروری قرار دیئے ہیں۔ ان حقوق کو پورا نہیں کیا تھا جو بشریت کے لوازم سے ہیں جیسے صلہ رحم، فقرا ومساکین کی اعانت، ایتام کی خبر گیری، غریب الوطن مسافروں کی دستگیری ہمسایوں کی ہمدردی اسی قسم کے اور دیگر حقوق جو مذہبی حیثیت سے نہیں تقاضائے انسانیت کے بنا پر عائد ہوتے

ہیں۔

ابوذر کے زمانہ میں اور لوگ بھی ارباب دولت وثروت تھے جن میں صحابہ کرام بھی تھے اور دیندار مومنین بھی مگر ان لوگوں پر جناب ابوذر کی برہمی وناراضی نہیں تھی جیسے قیس بن سعد بن عبادہ انصاری جو مشہور دولت مند ورئیس تھے مگر ان کا یہ عالم تھا کہ خمس وزکوٰۃ کا کیا ذکر داد و دہش کے طور پر ہزاروں ہزار لٹا دیتے تھے۔

جیسے صحابی پیغمبرؐ ابوسعید خدری جو کہا کرتے کہ انصار میں کوئی گھرانہ ہم سے بڑھ کر مال ودولت والا نہیں۔ جیسے عبداللہ بن جعفر طیار جن کی دولت وثروت کے ساتھ ان کے جود وسخا کا شہرہ زمانہ بھر میں تھا۔ جیسے عبداللہ بن مسعود نہوں نے مرنے پر ۹۰ ہزار درہم ودینار چھوڑے۔ (صفۃ الصفوہ ابن جوزی)

اور حکیم بن حزام جن کے ہاتھ میں دارالندوۃ تھا۔ معاویہ کے ہاتھ انہوں نے ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا۔ عبداللہ بن زبیر نے اعتراض کیا کہ تم نے قریش کی عزت بیچ ڈالی حکیم نے جواب دیا پرانی ساری عزتیں ہوا ہوگئیں۔ اب صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی عزت عزت ہے بھتیجے۔ میں نے دارالندوہ بیچ کر جنت میں گھر خریدا ہے۔ مجھے جو رقم ہاتھ آئی ہے اسے میں نے راہ خدا کے لیے مخصوص کر دیا چنانچہ اسی رقم سے حکیم نے حج کیا اس شان سے کہ قربانی کے لیے سو اونٹ لے گئے اور ہر اونٹ کو منقش چادر اوڑھائی تھی عرفہ کے دن سو غلام آزاد کئے اور ہزار بکریاں قربانی کیں اسی طرح اور بہت سے پیسے والے اس زمانہ میں تھے مگر کسی نے نہیں سنا کہ ابوذر نے ان جیسے دولتمندوں کی بھی ملامت کی ہو وجہ یہی تھی کہ جناب ابوذر جانتے تھے کہ ان لوگوں نے اپنی دولت شرعی طریقوں سے حاصل کی ہے اور جو حقوق وفرائض ان پر عائد ہوتے تھے اس سے زیادہ ہی راہ خدا میں خرچ کر ڈالا ہے۔ شرافت ومروت کا پورا پورا خیال رکھا ہے اور ابوذر اسی بات کے متمنی بھی تھے۔

آخر کیا وجہ تھی کہ معاویہ دمشق میں قصر خضراء بناتے ہیں تو ابوذر سے ضبط نہیں ہوتا فرماتے ہیں۔ اگر تم نے یہ محل مال خدا سے بنایا ہے تو خیانت کی ہے اور اگر اپنے مال سے بنایا ہے تو اسراف کے مرتکب ہوئے اس پر معاویہ کو جواب دیتے نہ بن پڑا اور ابوذر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ خدا کی قسم تم تو ایسے کام کرنے لگے ہو جسے ہم نے نہ دیکھا نہ سنا خدا کی قسم نہ اس کا جواز کتاب خدا سے ثابت، نہ احادیث پیغمبرؐ سے۔ خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ حق مٹایا جا رہا ہے اور باطل کو زندہ کیا جا رہا ہے سچوں کو جھٹلایا جا رہا ہے بدکاروں کو ترجیح دی جا رہی ہے اور نیکوکار پیچھے ڈھکیل دیئے گئے ہیں۔

اور وہی ابوذر جناب مقداد صحابی پیغمبرؐ کو مدینہ سے قریب مقام جرف میں پختہ مکان اینٹ چونے سے بناتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن نہ ناپسند کرتے ہیں نہ انہیں منع کرتے ہیں نہ ان کے ہونٹوں کو کوئی جنبش ہوتی ہے۔ (مروج الذہب

ج ر ا،ص ر ۴۳۴) وجہ یہی تھی دونوں صورتوں میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔معاویہ کی دولت اور طرح حاصل ہوئی تھی اور مقداد کے پیسے اور صورت کے تھے مقداد کا مکان اور تھا اور معاویہ کا محل اور۔خود مقداد اور معاویہ میں جو فرق ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

یہ جو تہمت حضرت ابوذر کو لگائی جاتی ہے کہ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ ضرورت سے فاضل جو کچھ بھی ہو اس کا خرچ کر دینا واجب ہے تو یہ انتہائی غلط تہمت اور صریحی بہتان ہے نہ تو ابی ذر اس کے مدعی ہوئے نہ کسی سے ایسی بات ہی انہوں نے کہی۔ جناب ابوذر ایسی مہمل اور غلط بات زبان سے نکال بھی کیسے سکتے تھے۔کیا ابوذر کو زکوٰۃ کے حدود معلوم نہیں تھے؟ یہ نہیں جانتے تھے کہ زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوتی ہے جب خوش حالی وفارغ البالی ہو اور اسی چیز میں واجب ہے جو سال بھر کے اخراجات نکالنے کے بعد فاضل بچے۔ارشاد خداوندعالم ہے خذ من اموالھم صدقة تطھرھم وتزکیھم۔ان کے اموال سے تھوڑا سا (بقدر معین) زکوٰۃ لو کہ یہ زکوٰۃ ان کی پاکیزگی وطہارت کا باعث ہوگی۔

یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ان کا سب مال لے لو بلکہ یہ کہا گیا کہ مال سے کچھ لے لو اتنا جتنا کہ نصاب مقرر شدہ ہے۔

علاوہ اس کے درہم ودینار، مویشی اور غلات میں زکوٰۃ کی مقدار کا معین ہونا صریحی ثبوت ہے کہ مقرر مقدار ادا کرنے کے بعد باقی سب کا سب مالک کے لیے مباح ہے وہ جس طرح چاہے خرچ کرے شریعت اس میں کوئی مداخلت کرنے والی نہیں خود جناب ابوذر سے بہت سی حدیث زکوٰۃ کے قواعد وآداب کے متعلق مروی ہیں جسے بخاری ومسلم اور سبھی صحاح ومسانید نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے لہٰذا اگر زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی تمام مال کا بھی راہِ خدا میں خرچ کر دینا واجب وفرض ہوتا تو پھر نصاب مقرر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی سیدھے سیدھے یہی کہہ دیا جاتا کہ جس کے پاس مال ودولت ہو وہ سب کا سب راہ خدا میں خرچ کر دے۔یہ چیز تو معمولی سمجھ والا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے چہ جائیکہ جناب ابوذر جو خزینہ دار علوم اور سنت نبوی کے جامع تھے۔

کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ جناب ابوذر کا منشا یہ رہا ہے کہ نہ کوئی شخص کاروبار کرے نہ صنعت وحرف میں منہمک ہو نہ وقت ضرورت واحتیاج، دکھ بیماری، شادی، بیاہ، مرنا، جینا، گھر، مکان کے لیے کوئی پیسہ بچا کر رکھے بلکہ جو بھی مال اس کے پاس ہو وہ خدا کی راہ میں دے ڈالے، کیا جناب ابوذر یہ چاہتے تھے کہ دنیا میں سب کے سب فقیر ومحتاج ہی رہیں فقیر جس کے آگے ہاتھ پھیلائے وہ بھی فقیر ہی نکلے اگر ایسا ہو جائے تو سال ہی دو سال میں دنیا نابود ہو جائے ایسی مہمل ورکیک بات تو کوئی شریف ونیکوکار اپنی زبان سے نکال نہیں سکتا چہ جائیکہ جناب ابوذر جن کا شمار علماء صحابہ میں تھا جو مصلحین وصلحائے امت اسلام

میں ایک نمایاں شخصیت رکھتے تھے وہ مسلمانوں کا بھلا ہی چاہتے تھے وہاں ابوذر کا غیظ وغضب خدا کے لیے تھا۔ ان کی برہمی مسلمانوں کی ہمدردی میں تھی جب وہ دیکھتے کہ مسلمانوں کی گاڑھی کمائی جنگ میں حاصل کیا ہوا مال غنیمت خزانوں میں مقفل کر دیا جاتا ہے حقدار اس سے محروم رکھے جاتے ہیں اور سرکش و بدکار افراد کو مالا مال کیا جاتا ہے۔

یری فیئهم فی غیرهم منقسماً

وایدیهم من فیئهم صفرات

ابوذر دیکھتے تھے کہ مسلمانوں کا حاصل کیا ہوا مال غنیمت غیروں میں تقسیم کیا جارہا ہے اور خود مسلمانوں کے ہاتھ اپنی کمائی (مال غنیمت) سے خالی ہیں۔

ابوذر کی تمام برہمی اعتراض واختلاف محض خوشنودی خدا اور راہ خدا میں تھے جیسا کہ جناب رسالت مآبؐ ان کے متعلق پہلے ہی فرما چکے تھے۔ انت رجل صالح وسیصیبك بلاء بعدی قال فی الله قال فی الله قال مرحبا بالله۔ اے ابوذر تم مرد صالح ہو عنقریب میرے بعد تم پر بلائیں نازل ہوں گی۔ ابوذر نے یہ پوچھا یہ سب راہ خدا میں ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں سب راہِ خدا میں ہوگا۔ ابوذر نے کہا تو بسر وچشم۔

چھٹی فصل

جناب ابوذر اور اشتراکیت

جناب ابوذر کی عظمت و جلالت سے ناواقف سرمایہ دار اور سرمایہ پرست مسلمانوں کی ایک تہمت ابوذر کے متعلق آپ نے ملاحظہ فرمائی یہی کہ وہ ناممکن اور انہونی بات کے معتقد اور ضرورت و احتیاج سے تھوڑا فاضل زرومال کو بھی محفوظ رکھنے کے مخالف اور اسے راہِ خدا میں خرچ کر دینا واجب قرار دیتے تھے آج کل کے سرپھرے کارل مارکس اور لینن کا دم بھرنے والے مسلمانوں کی دوسری تہمت بھی ملاحظہ فرماتے چلئے آج کے اشتراکیت زدہ مسلمان بڑے شد و مد سے اپنی تحریروں میں اپنی تقریروں میں کبھی تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جناب ابوذر اشتراکی (سوشلسٹ) تھے کبھی کہتے ہیں کہ کمیونسٹ تھے اس طرح موجودہ معاشی خلفشار اور سرمایہ بیزاری کا رشتہ اس بزرگترین صحابی پیغمبرؐ سے جوڑنا چاہتے ہیں جن کا مطمح نظر محض قرآنی تعلیمات اور ارشادات نبوی تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ سوشلزم ہو یا کمیونزم ہر ایک کا بنیادی اصول یہ ہے کہ انفرادی ملکیت شخصی جائداد کوئی چیز نہیں سرمایہ دار دولت، زمینوں کی پیداوار، صنعت و حرفت کے منافع کسی فرد واحد کی ملکیت نہیں بلکہ تمام قوم اس میں برابر کی شریک ہے۔ ہر فرد اپنی دولت سے بس اتنا ہی لے سکتا ہے جتنا اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو باقی تمام دولت حکومت کے حوالہ کر دی جائے گی۔ جسے وہ اپنی مرضی سے رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کرے گی اس کے برخلاف اسلام نہ تو مردود و ملعون سرمایہ داری کا حامی ہے نہ اشتراکیت کے غیر فطری نظام کی تائید کرتا ہے وہ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے تاکہ ہر شخص اپنی خداداد قوتوں اور صلاحیتوں سے پیش از پیش کام لے چونکہ معاشی زندگی کی اصلاح کے لیے قانونی جکڑ بندی کافی نہیں ہے اس لیے اسلام نے اخلاقی تربیت کے ذریعہ سے بھی اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہے دنیاوی حکومتوں کے مادی نظام اور اسلام میں یہی ایک وجہ امتیاز ہے اشتراکی نظام ہماری پوری زندگی کو ضابطے اور قانون کی بندش میں جکڑ دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ایک مشین بن کر رہ جاتے ہیں اور ہمارے ارادے اور مرضی کا جب کوئی مصرف نہیں ہوتا تو وہ آہستہ آہستہ معطل اور بے کار ہونے لگتے ہیں ہمدردی، غربا پروری اور صلہ رحم کے مواقع جب دستیاب نہ ہوں گے تو فرد اور جماعت ان شریفانہ جذبوں سے محروم ہو جائے گی یہ صحیح ہے اشتراکی نظام ایک ایسی سماج کی بنیاد رکھ رہا ہے جس میں کوئی شخص دوسرے کی معاشی امداد کا محتاج نہ ہوگا بلکہ یہ فرض اجتماعی ادارے انجام دیں گے۔ مگر جب ہمدردی اور مواسات کا سرچشمہ افراد کے دلوں میں خشک ہو جائے گا

تو امداد کے اجتماعی اداروں کو ایسے آدمی کہاں ملیں گے جو شریفانہ جذبات سے پر ہوں۔ اور مصیبت زدہ افراد کا دل سوزی سے مداوا کرسکیں۔ یہ شخصی اعانت اخلاقی احساس کی بیداری کا پیمانہ ہے اجتماعی امداد کے ادارے محض مشین ہوں گے جو قائم شدہ طریق عمل یا رائے عامہ کے دباؤ سے کام کرتے رہیں گے۔ اسلام چونکہ نفسیات انسانی پر پوری نظر رکھتا ہے اس لیے اس نے چند شعبوں کو ضابطے اور قانون کے حوالے کیا ہے اور بقیہ شعبوں میں انسان کے اخلاقی احساس کو عمل کی آزادی دے دی ہے اور اس طرح اس کے نشونما کا موقع بہم پہنچایا ہے دوسرے امور کی طرح معاشی امور میں بھی انسان کے آزاد اور خود مختار ارادے کے لیے ایک وسیع میدان چھوڑ دیا گیا ہے جہاں قانون اور حکومت کے دباؤ کا گذر نہیں یا جہاں بنی آدم کی اخلاقی جراتوں کا امتحان ہوتا ہے جو شخص قانون کی رو سے اس بات پر مجبور ہو کر اپنی گاڑھی کمائی ایک ادارے کے سپرد کر دے اور اس میں سے اتنا ہی لے جتنا اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو تو یہ کیونکر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس آدمی کا اخلاقی معیار کیا ہے۔ ہاں حکومت کا دباؤ اور قانون کی گرفت کا خوف نہ ہو تو انسانی عمل سے اس کی اخلاقی نشو ونما کا پتہ چل سکتا ہے اسلام حاکمانہ داروگیر اور قانونی دباؤ کو درمیان میں لائے بغیر انسان کے اخلاق کو اتنا مضبوط دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی دستگیری اور اعانت کرسکے پورا قرآن راہ خدا میں خرچ کرنے کے احکام سے بھرا پڑا ہے اس سے جہاں انسان کی اخلاقی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے وہاں دولت کے گردش کرتے رہنے کا بھی موقع دستیاب ہوتا ہے جس سماج میں دولت چلتی پھرتی رہے وہاں سرمایہ داری وجود میں نہیں آسکتی۔

اس موقع پر ہم پھر ان کلمات کا اعادہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو جناب ابوذر مختلف مواقع پر ارشاد فرماتے رہے نیز وہ حدیثیں جو انہوں نے پیغمبرؐ سے اموال کے متعلق روایت کیں اور وہ اقوال جو ابوذر کی مدح وثنا اور ان کی حمایت و پاسداری میں کیا صحابہ نے فرمائے اور پیغمبرؐ کے وہ ارشادات جو ابوذر کی مدح وستائش میں وارد ہیں بیان کر کے حقیقت حال کا تفصیلی جائزہ لینا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کو اندازہ ہوسکے کہ اشتراکیت و اشتمالیت کا الزام ابوذر پر ذرہ برابر بھی صحیح ثابت ہوتا ہے یا محض افترا و بہتان ہے۔

جناب ابوذر نے حضرت عثمان سے منجملہ اور باتوں کے یہ بات بھی کہی تھی ویحك یاعثمان اما رایت رسول الله ومرایت ابابکر وعمر؟ هل رایت هذا هدیهم انك لتبطش بی بطش الجبار۔ وائے ہو آپ پر اے عثمان کیا آپ نے حضرت رسالت مآبؐ کو نہیں دیکھا، کیا ابوبکر وعمر کے زمانے میں نہیں رہے کیا ان کی یہی روش تھی آپ تو میرے ساتھ جابر وقاہر بادشاہوں جیسا سلوک کرتے ہیں۔

نیز ایک اور موقع پر کہا تھا اتبع سنة صاحبیك لایکن لاحد علیك کلام۔ آپ اپنے دونوں صاحب

ابوبکر وعمر کی روش اختیار کیجئے آپ پر کوئی بھی اعتراض نہ کرے گا اس کا جواب حضرت عثمان نے یہ دیا تھا کہ تمہاری ماں نہ ہو! تمہیں اس سے کیا۔ ابوذر نے کہا ہمیں تو سوا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کوئی دوسرا چارہ کار نظر نہ آیا۔

ملاحظہ فرمائیے۔ ابوذر عثمان کو عہد رسالت کی طرف متوجہ کرتے ہیں پھر ابوبکر وعمر کے زمانہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ان حضرات کی روش اختیار کیجئے اور یہ واضح ہے کہ پیغمبرؐ خدا کے زمانہ میں بھی ابوبکر وعمر کے زمانہ میں بھی انفرادی ملکیت عام طور سے تھی، عہد نبوی، عہد شیخین تینوں زمانوں میں مسلمانوں میں سرمایہ دار بھی تھے ملکیت والے بھی اور تجارت پیشہ افراد بھی، وہ سب کے سب اپنے سرمایہ میں اور اپنے سرمایہ کی پیداوار میں بالکل آزاد تھے، نقد سرمایہ وزمینیں مصنوعات ماکولات جس کی تھیں اس کی تھیں حکومت وسلطنت کو اس سے کوئی تعرض نہ تھا۔ پیغمبرؐ خدا کا مقرر کردہ قانون تھا لا یحل مال امرء الا بطیب نفسہ۔ کسی شخص کا مال جب تک وہ خوشی خاطر اجازت نہ دے دے جائز نہیں۔ قرآن مجید کی وضاحت تھی۔ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض۔ ایک نہیں کلام مجید میں تقریباً پچاس آیتیں ہوں گی جس میں صاف صاف مال ودولت کو ان کے مالکوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

اس موقع پر جناب ابوذر اشتراکیت کے بالکل برخلاف دعوت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اشتراکیت میں انفرادی ملکیت کوئی چیز نہیں اور ابوذر کہتے ہیں کہ آپ پیغمبرؐ کی روش اختیار کیجئے۔ ابوبکر وعمر کی پیروی کیجئے اور پیغمبرؐ وشیخین کی روش نہ اختیار کرنے کو ناپسند کرتے اور قابل اعتراض سمجھتے ہیں لہٰذا اگر ابوذر اشتراکی ہوتے یا کمیونزم ان کا عقیدہ ہوتا تو پیغمبرؐ اور شیخین کی پیروی کرنے کو کیوں کہتے جن کے زمانہ میں انفرادی ملکیت پوری طرح جاری وساری تھی اور ایک سے ایک سرمایہ دار اور صنعت وحرفت والے تھے جن کی پیداوار کے منافع خاص ان کی جیبوں میں جاتے تھے حکومت کوئی تعرض نہیں کرتی تھی۔ معاویہ نے جب قصر خضرا تعمیر کیا تھا اس موقع پر ابوذر نے کہا تھا ان کانت ھذہ الدار من مال اللہ فھی الخیانۃ وان کانت من مالك فھذا الاسراف۔ اگر یہ محل تم نے خدا کے مال سے بنایا ہے تو خیانت کی ہے اور اگر اپنے مال سے بنایا ہے تو اسراف کے مرتکب ہوئے۔

اس موقع پر ابوذر مال کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں ایک خدا کا مال، دوسرے انسان کا اپنا مال۔ خدا کے مال میں تصرف کو ابوذر خیانت سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنے مال کو بے اندازہ خرچ کرنے کو سراف قرار دیتے ہیں۔ ابوذر معاویہ پر محض اس لیے برہمی کا اظہار نہیں کرتے کہ انہوں نے اپنے مال میں تصرف کیا تھا بلکہ ان کی برہمی دو باتوں میں سے کسی ایک بات پر تھی یا تو انہوں نے خدا کے مال میں خیانت کی تھی یا اپنا مال بیدردی سے خرچ کیا تھا اگر وہ اشتراکی ہوتے انفرادی ملکیت کو ممنوع قرار دیتے تو انہیں اصل تصرف پر اعتراض ہوتا یہ کہتے کہ تم نے یہ مال خرچ ہی کیوں کیا؟

خدا کے مال سے جناب ابو ذر مسلمانوں کے مال کو مراد لیتے یعنی مال خراج، زکوٰۃ وغنائم وغیرہ چنانچہ جناب ابو ذر نے حضرت عثمان سے پیغمبرؐ کی یہ حدیث بیان کی تھی کہ میں نے رسول خداؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جب اولاد ابی العاص ۳۰ تک پہنچ جائے گی تو وہ مال خدا کو کھلونا بندگان خدا کو اپنا غلام اور دین کو ذریعہ مکر وفریب بنا لیں گے۔ اس حدیث کی امیر المومنینؑ نے تصدیق کی تھی تو مال خدا وہی مسلمانوں کا مال تھا۔ خراج وزکوٰۃ اموال غنائم جو اپنے خاص خاص عزیزوں اور حاشیہ نشینوں کو حکومت کی طرف سے دیئے جاتے تھے اور مسلمان جن کا واقعی حق تھا محروم رہتے تھے۔ اموال مسلمین کی تعبیر مال خدا سے صرف ابو ذر اور معاویہ ہی کے عہد میں نہ تھی بلکہ بہت پہلے سے تعبیر چلی آ رہی تھی خود حضرت عمر نے ابو ہریرہ سے کہا تھا جب وہ بحرین سے خورد برد کر کے واپس آئے تھے یا عدو اللہ وعدو کتابہ اسرقت مال اللہ۔ اے دشمن خدا تم نے خدا کے مال میں چوری کی ہے۔ (الاموال لابی عبید ص ر ۲۶۹)

یہ تو تھی ابو ذر اور معایہ کی گفتگو جس میں صریحی طور پر انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہیں اس گفتگو کے کسی ایک لفظ سے بھی اشتراکیت کا پہلو نہیں نکلتا اور نہ انفرادی ملکیت کا انکار مترشح ہوتا ہے۔

معاویہ نے جب ابو ذر کو ۳۰۰ اشرفیاں بھیجیں تو ابو ذر نے کہا تھا۔ ان کانت من عطائی الذی حرمتمونیہ عامی ھٰذا اقبلتھا او انکانت صلة فلا حاجة لی فیھا۔ اگر یہ ۳۰۰ دینار وہ میرا سالانہ گذارہ ہیں جس سے اس سال تم لوگوں نے مجھے محروم رکھا ہے تو میں قبول کرتا ہوں اور اگر انعام وبخشش ہے تو مجھے اس کی حاجت نہیں۔

اس جملہ میں ابو ذر مال کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں ایک وہ مقرر گذارہ جس سے وہ محروم کر دیئے گئے تھے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے جرم میں دوسرے وہ ذاتی مال جس کا مالک اپنی خوشی خاطر سے انعام وبخشش لوگوں کو دیتا ہو اگر ہم اپنے نوکر کی ماہانہ تنخواہ دیں تو انعام وبخشش اس کو نہیں کہا جائے گا ہاں تنخواہ کے علاوہ اپنے مال سے کسی بات پر خوش ہو کر دیں تو وہ انعام وبخشش ہے ابو ذر کے اس جملے سے ان کے اشتراکی ہونے کا ذرہ برابر بھی کسی کو شک ہو سکتا ہے؟ اشتراکیت میں تو انفرادی ملکیت ہوتی ہی نہیں انفرادی ملکیت کا ازالہ ہی اشتراکیت کا بنیادی پتھر ہے۔ مزید برآں اشتراکیت میں انعام وبخشش کا کوئی سوال ہی نہیں اشتراکیت کا دستور تو صرف یہ ہے کہ ہر شخص اپنی محنت کی اجرت پانے کا حقدار ہے جیسا کہ کسی کا کام ہو گا ویسی اس کی مزدوری ہو گی۔

اموال کے متعلق ابو ذر کی حدیثیں:

۔ اموال کے متعلق ابو ذر سے پیغمبرؐ کی جو حدیثیں مروی ہیں ان سے بھی صاف صاف اشتراکیت کی مخالفت ہوتی ہے ہم

چند حدیثیں بطور نمونہ درج کرتے ہیں۔

ا۔ مامن مسلم ینفق من کل مال له زوجین فی سبیل الله عزوجل الا استقبلته حجبة الجنته کلهم یدعوه الیٰ ماعنده قلت و کیف وذالك قال ان کانت رجالاً فرجلین و ان کانت ابلاً فبعیرین و ان کانت بقراً فبقراتین۔

ہر وہ مسلمان جو اپنے پورے سرمایہ سے راہ خدا میں دوہرا خرچ کرے گا جنت کے درمیان دربان اس کا اس طرح استقبال کریں گے کہ ہر دربان اس کو اپنی طرف دعوت دے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ کیسے آپؐ نے فرمایا اگر وہ غلاموں کا ایک مالک ہو تو دو غلام آزاد کرے اگر اونٹوں کا مالک ہے تو دو اونٹ راہ خدا میں قربانی کرے اور اگر گائے کا مالک ہے تو دو گائے۔

دوسری حدیث کی لفظیں یہ ہیں۔

من انفق زوجین من ماله فی سبیل الله ابتدرته حجبة الجنة۔

جو شخص راہ خدا میں دوہرا خرچ کرے دربان جنت اس کی طرف دوڑ آئیں گی۔

(مسند ج رص ر ۱۵۱،۔ ۱۵۳۔ ۱۵۹۔ ۱۶۳)

ان دونوں حدیثوں سے ہر انسان کے لیے انفرادی ملکیت ثابت ہوتی ہے برخلاف اشتراکیت کے کیونکہ اشتراکیت میں انفرادی ملکیت کوئی چیز نہیں ہے۔

(۲) فی الابل صدقتها وفی الغنم صدقتها وفی البقر صدقتها وفی البر صدقته۔

اونٹ کی زکوٰۃ اونٹ غنم کی زکوٰۃ غنم بقر کی زکوۃ بقر اور گیہوں کی زکوٰۃ گیہوں نکالنی واجب ہے۔

(۳) مامن رجل یموت فیترك غنما اوابلا اوبقراً لم یودز کاته الاجات یوم القیامة اعظم ماتکن واسمن حتی نطاه باظلافها وتنطحه بقرونها۔

جو شخص بھیڑ، اونٹ، گائے بغیر اس کی زکوٰۃ دیئے چھوڑ کر مر جائے تو بروز قیامت یہ اونٹ گائے خوب موٹے ہو کر آئیں گے اور کھروں سے اسے روند ڈالیں گے اور اپنے سینگوں سے اس کا پیٹ پھاڑ ڈالیں گے۔

یہ کل حدیثیں انفرادی ملکیت ثابت کرتی ہیں نیز یہ کہ ہر انسان پر صرف زکوٰۃ کا نکالنا واجب ہے۔ زکوٰۃ کل مال کا ایک مختصر حصہ ہوگی باقی مال مالک کا ہے وہ جس طرح چاہے صرف کرے۔

رہ گئی وہ نزاع جو حضرت عثمان کے سامنے جناب ابوذر اور کعب الاحبار میں ہوئی تھی وہی ایک ایسی چیز ہے جسے

مخالفین ومعاندین ابوذر بڑے شدومد سے پیش کرتے ہیں اس واقعہ کو مورخ طبری نے مشہور کذاب وضاع حدیث مجہول ومتہم سری،شعیب،سیف بن عمر کے واسطے سے روایت کیا ہے[۱] وہ یہ ہے۔

جناب ابوذر ربذہ سے مدینہ برابر آیا جایا کرتے تھے تاکہ ان کی مہاجرانہ شان باقی رہے پھر بدوی نہ ہوجائیں وہ تنہائی وخلوت بہت پسند کرتے تھے ایک مرتبہ وہ عثمان کے پاس آئے وہاں کعب الاحبار بیٹھے ہوئے تھے۔ابوذر نے عثمان سے کہا آپ لوگوں کے صرف شرافت سے رہنے پر راضی نہ ہوجائیے۔جب تک وہ خیر خیرات بھی نہ کریں زکوٰۃ دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف زکوٰۃ ہی دے کر نہ رہ جائے بلکہ ہمسایہ عزیز اقربا سے حسن سلوک سے پیش آئے صلۂ رحم پر عمل پیرا ہو۔کعب نے کہا زکوٰۃ مضروضہ ادا کرنے کے بعد واجب کی ادائیگی ہوجاتی ہے مزید خرچ کرنا ضروری نہیں اس پر جناب ابوذر نے اپنا ڈنڈا اٹھا کر ایک ہاتھ کعب کو رسید کیا اوران کا سر زخمی کردیا عثمان نے ابوذر کی طرف سے معافی مانگی کعب نے معاف کردیا اور عثمان نے ابوذر سے کہا اے ابوذر خدا سے ڈرو اور اپنے ہاتھ اور زبان کو روکو۔ابوذر نے کعب الاحبار کو مارنے کے علاوہ یہ بھی کہا تھا کہ اے یہودیہ عورت کے فرزند تمہیں مسائل اسلام کی کیا خبر۔(تاریخ طبری ج ر ۵،ص ر ۶۷)

علامہ مسعودی نے روایت کی ہے کہ:

''ایک مرتبہ ابوذر حضرت عثمان کے دربار خلافت میں پہنچے حضرت عثمان نے لوگوں سے پوچھا اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرچکا ہو تو کیا اس مال میں دوسرے کسی کا حق ہوتا ہے کعب نے کہا یا امیرالمومنین نہیں یہ کسی کا کوئی حق نہیں۔ابوذر نے کعب کے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا جھوٹ کہا تونے اے یہودیہ کے فرزند۔پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البرمن آمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتاب والنبیین وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا۔نیکی کچھ یہی تھوڑی ہے کہ (نماز میں) اپنے منھ پورب یا پچھم کی طرف کرلو بلکہ نیکی تو اس کی ہے جو خدا اور روز آخرت اور فرشتوں اور خدا کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اس کی الفت میں اپنا مال قرابت داروں،اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں اور مانگنے والوں اور لونڈی غلام کے گلو خلاصی میں صرف کرے اور پابندی سے نماز پڑھے اور زکوٰۃ دیتا رہے اور جب کوئی عہد کیا تو اپنے قول کے پورے رہیں۔

۱۔اس سلسلہ اسناد پر ہمارا تبصرہ ص ر ۲۵۷ پر ملاحظہ کیجئے۔

پھر حضرت عثمان نے پوچھا اگر ہم مسلمانوں کے بیت المال سے لے کر کچھ اپنی ضروریات میں صرف کریں اور تم کو بھی دیں تو اس میں کوئی حرج ہے؟ کعب نے کہا کوئی حرج نہیں۔ ابوذر نے لاٹھی اٹھا کر کعب کے سینے پر ٹھوک دیا اور کہا اے یہودی کے بیٹے ہمارے دین میں لب کشائی کی تمہیں جرأت کیونکر ہوئی اس پر حضرت عثمان نے کہا تم اب ہمیں بہت ستانے لگے ہو اپنا چہرہ ہم سے دور ہٹالے جاؤ کہ مجھے تم سے بہت اذیت پہونچی ہے اس پر ابوذر شام[۱] چلے گئے۔ (مروج الذہب ج/۱ص/۴۳۸)

ان دونوں واقعوں میں جناب ابوذر نے مستحب خیر وخیرات کی دعوت دی ہے طبری والی روایت کی لفظیں یہ ہیں ''کہ زکوٰۃ ادا کر چکنے والے کو مناسب ہے کہ وہ صرف زکوٰۃ ادا کر دینے ہی پر اکتفا نہ کرے۔''

مسعودی والی روایت میں ابوذر نے کلام مجید کی آیت سے استشہاد کیا کہ نیکی صرف مشرق ومغرب کی طرف منھ پھرانا ہی نہیں بلکہ نیکی یہ ہے کہ اللہ پر روز قیامت پر ملائکہ کتاب خدا انبیائے کرام پر ایمان لایا جائے۔ اور خدا کی محبت میں صاحبان قرابت، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، حاجتمندوں کی حاجت روائی کی جائے یہ چیزیں انسانی واجبات اور بشری فرائض میں داخل ہیں۔ زکوٰۃ ادا کر کے تو معبود کے حقوق کی تعمیل ہوگی۔ انسانیت وبشریت کے تقاضے اور حقوق بھی تو کوئی چیز ہیں۔

جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد گرامی ہے ان فی المال حقاً سوی الزکاۃ۔ مال میں زکوٰۃ کے بعد اور بھی کچھ حقوق واجب ہیں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ لیس البر ان تولوا وجوھکم۔ الخ۔

(سنن بیہقی ج۔ص/۸۴)، احکام قرآن جصاص ج/۱ص/۱۵۳، تفسیر قرطبی ج/۲،ص/۲۱۲، تفسیر ابن کثیر ج/۱ص/۲۰۸، شرح سنن ابن ماجہ ج/۱ص/۵۲۶، تفسیر شوکانی ج/۱ص/۱۵۱، تفسیر آلوسی ج/۲ص/۴۷)

ابوعبیدہ نے ابن جریج کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ مومنین نے آنحضرت سے پوچھا کہ ہم کیا خرچ کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یسئالونك ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل۔

آنحضرت نے فرمایا یہ مستحبی خیر خیرات ہے زکوۃ مفروضہ اس کے علاوہ ہے۔ (الاموال ص/۲۵۸)

ابوعبیدہ لکھتے ہیں کہ یہی مذہب عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ کا ہے اور اصحاب رسول تاویل قرآن کے زیادہ عالم ہیں۔

۱۔ یہ واقعہ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں ابوذر کے شام کی طرف جلاوطن ہونے کے پہلے کا ہے اور یہی ایک واقعہ تنہا سبب تھا ابوذر کی جلاوطنی کا یہ روایت طبری کی بیان کردہ روایت کی صاف صاف تکذیب کرتی ہے کہ ابوذر ربذہ سے مدینہ آیا جایا کرتے تھے کسی شخص نے بھی آج تک اس کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ ابوذر ربذہ سے جلاوطن ہونے کے بعد پھر کسی دن مدینہ آئے ہوں۔

بہ نسبت دوسروں کے اور وہی لائق اتباع بھی ہیں۔ طاؤس شعبی کا مذہب ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ اور بھی بہت سے حقوق ہیں جیسے والدین کے ساتھ حسن سلوک صلہ رحم مہمان کی ضیافت وغیرہ۔

تو ابوذر کی آواز کوئی نئی آواز نہ تھی قرآن مجید کی جو صدا تھی شارع اسلام کی جو آواز تھی پیغمبرؐ کے سچے پیر و صحابہ و تابعین کی جو صدائیں تھیں وہی صدائیں ابوذر نے بلند کیں، ابوذر کی باتوں کو کعب الاحبار جیسا مسلمان ہی جھٹلا سکتا تھا۔ جو ابھی ابھی یہودیت کی آغوش سے نکل کر دائرہ اسلام میں آئے تھے جو پیغمبرؐ کی زندگی بھر مسلمان نہ ہوئے عہد عمر میں مشرف بہ اسلام ہوئے اب نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام کی حقانیت وصداقت نے انہیں دائرہ اسلام میں آنے پر مجبور کیا یا مسلمانوں کی شوکت و دبدبہ سے ڈر کر یا انعام و بخشش گرانقدر وظائف کی لالچ سے مسلمان ہوئے ہم کو یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ اپنی مختصر اسلامی زندگی میں قوانین شرع واجبات و سنن اسلام سے بھی پوری طرح واقف ہو سکے یا نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ابوذر نے سچ کہا تھا۔ **یابن الھودیه ما انت وما ھھنا** ۔اے یہودیہ کے فرزند تمہیں اسلامی آداب کی کیا خبر؟

ابوذر حق رکھتے تھے کہ ان تازہ وارد مسلمانوں کو متنبہ کریں چاہے حضرت عثمان کو برا معلوم ہوا یا بھلا نئے نئے اسلام لائے ہوئے شخص کو جلیل القدر علمائے صحابہ کی ایک بزرگ فرد کے مقابلہ میں فتویٰ دینے کی ہمت ہی کیوں ہوئی اور اس فتوے کا انہیں حق ہی کیا تھا سچ کہا ہے جناب باری نے۔

الذین یلمزون المطوعین من المومنین فی الصدقات والذین لایجدون الا جھدھم فیسخرون بینھم سخر الله منھم ولھم عذاب الیم۔

جو لوگ دل کھول کر خیرات کرنے والے مومنین پر ان مومنین پر جو صرف اپنی مشقت کی مزدوری پاتے ہیں الزام لگاتے ہیں پھر ان سے مسخرا پن کرتے ہیں تو خدا بھی ان سے تمسخر کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اس جگہ غور کرنے کے قابل یہ امر ہے کہ جناب ابوذر مال خرچ کرنے کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں ایک وہ جو از روئے قوانین اسلام واجب وفرض ہے جیسے زکوٰۃ و خمس وغیرہ دوسرے وہ جو مستحب اور تقاضائے بشریت ولوازم انسانیت سے ہے جیسے صلہ رحم وغیرہ تو جب تک کوئی شخص کسی مال کا مالک ہی نہ ہوگا اس کی کوئی مخصوص ملکیت ہی نہ ہوگی تو وہ واجبی یا مستحبی طور پر خرچ کیونکر کرے گا اور کیا کرے گا؟

اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ جناب ابوذر کمیونزم کے معتقد تھے اور انفرادی ملکیت کو ناجائز سمجھتے تھے۔

(۴) **ثلاثة یبغضھم الله الشیخ الزانی والفقیر المختال والغنی الظلوم۔**

تین شخصوں کو خداوند عالم دشمن رکھتا ہے بوڑھا زناکار، دھوکہ باز فقیر اور ظالم سرمایہ دار۔

دوسرے لفظوں میں یہ حدیث یوں ہے۔

ان اللہ یبغض الشیخ الزانی والفقیر المختال والمکثر البخیل۔

خداوند عالم دشمن رکھتا ہے بوڑھے زنا کار دھوکہ باز فقیر کو اور بخیل دولت مند کو۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے۔

ان اللہ لا یحب کل مختال فخور۔ والبخیل المنان والتاجر الحلاف۔

خداوند عالم دھوکہ باز اترانے والے احسان جتلانے والے بخیل قسمیں کھانے والے تاجر کو محبوب نہیں رکھتا۔

ان سب روایات میں مختلف انسانی طبقات کا ذکر ہے۔فقیر، مالدار، دولت مند تاجر جو اپنے اصل سرمایہ سے تجارت کرتا ہے اور اشتراکی انسان مال و دولت کے لحاظ سے تمام پبلک کو برابر سمجھتا ہے۔اس کے نزدیک فقیر و مالدار کا تفرقہ ہے ہی نہیں۔

مختصر یہ کہ ایک نہیں بہتیری حدیثیں جناب ابوذر کی روایت کی ہوئی موجود ہیں جن کے لیے ایک لفظ سے اشتراکیت کی تردید ہوتی ہے۔ ہر حدیث میں انہوں نے انفرادی ملکیت کا ذکر کیا ہے اور خصوصی ملکیت کے تذکرے کئے ہیں جو نظریہ اشتراکیت کے بالکل مخالف و برعکس ہے۔

(دیکھئے مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۴، ۱۶۷۔ ۱۶۸، ۱۷۸ ا۔صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۸۸ وغیرہ)

ساتویں فصل

علمائے جامعہ ازھر (مصر) کے مقالہ پر ایک نظر

مصر کی وزارتِ داخلہ نے جامعہ ازہر کے شیخ کو کسی مصنف کی ایک کتاب بھیجی تھی جس کے مصنف نے جناب ابوذر کے اقتصادی نظریات سے بحث کی تھی اور نتیجہ یہ نکالا تھا کہ اسلام میں کمیونزم ابتدا ہی سے چلا آرہا ہے۔ وزارت داخلہ چاہتی تھی کہ اس کے متعلق علمائے دین کے خیالات معلوم ہوں اور اگر ان کی اجازت ہو تو کتاب کی اشاعت پر پابندی کی جائے شیخ جامعہ ازہر نے یہ معاملہ ازہر کی جمعیت علماء کے سپرد کر دیا جمعیت علماء کا جلسہ سابق مفتی اور صدر جمعیت استاذ شیخ عبدالمجید سلیم کی صدارت میں منعقد ہوا اور اس کتاب کے موضوع پر مفصل بحث و مباحثہ کیا گیا۔ تفصیلی جائزہ لینے کے بعد جمعیت علماء نے اپنا فتویٰ شائع کیا جس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔

اسلام میں کمیونزم نہیں:

اسلام کے بنیادی اصولوں سے ملکیت کی حفاظت و احترام ہے ہر شخص کو حق ہے کہ جائز و مباح ذرائع سے دولت حاصل کرے جتنا جی چاہے اسے بڑھائے اور اپنی دولت سے جو کچھ چاہے خرید کرے صحابہ وغیر صحابہ کے فقہاء و مجتہدین کا مسلک یہ رہا ہے کہ مالداروں کو اپنی دولت سے بس اتنا ہی خرچ کرنا واجب ہے جو خداوند عالم نے بصورت زکوٰۃ خراج فرض قرار دیے ہیں نیز وہ واجب اخراجات جو بسبب زوجیت یا قرابت عائد ہوتے ہیں یا وہ ضروری اخراجات جو کسی وقتی و عارضی اسباب سے درپیش آ ہوتے ہیں جیسے نادار و محتاج افراد کی مدد بے بس فاقہ کش غریب کو کھانا کھلانا اور کفارات وغیرہ۔ اسی طرح وطن کی حفاظت کی ضروریات کے لیے جو مصارف درپیش ہوں اور دیگر شرعی رفاہ عامہ کے امور جن کی تفصیل کتب تفاسیر و احادیث وفقہ میں مدون ہے۔ انہیں مذکورہ بالا امور میں دولت مندوں پر اپنی دولت کا خرچ کرنا واجب قرار دیا گیا ہے۔

ہاں ان امور کے علاوہ اسلام نے ہر صاحب استطاعت سے اس کی بھی اپیل کی ہے کہ وہ خیر و خیرات کی دوسری صورتوں میں بھی رضا کارانہ طور پر اپنا مال خرچ کریں بشرطیکہ اسراف و فضول خرچی کا شائبہ نہ آنے پائے جیسا کہ اشاد الٰہی ہے۔

لا تجل یدك مغلولة الی عنقك ولا کل البسط فتعقد ملوماً محسوراً۔

اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا بہت تنگ کر لو کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں۔ اور نہ بالکل کھول دو کہ سب کچھ دے

ڈالو۔اور آخرتم کو ملامت زدہ حسرت ناک بیٹھنا پڑے۔

نیز جیسا کہ خداوند عالم اپنے ممدوح بندوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

والذين اذا انفقوا لم يسرفو ولم يقتروا وكان بين ذالك قواما۔

اور وہ لوگ کہ جب وہ خیرات کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے نہ کنجوسی سے کام لیتے ہیں بلکہ دونوں کی درمیانی راہ پر عمل کرتے ہیں۔

اور جناب ابوذر کا مسلک یہ تھا کہ ہر شخص پر واجب ولازم ہے کہ اس کی احتیاج وضرورت سے فاضل جتنا بھی مال ہو راہ خدا میں خرچ کردے ان کے نزدیک اپنی ضرورت اپنا پیٹ بھرنے سے فاضل اور اپنے عیال کے نان ونفقہ سے زائد مال کا محفوظ رکھنا حرام وناجائز تھا جناب ابوذر کا یہی عقیدہ تھا مگر صحابہ میں سے کسی صحابی کا ہمیں پتہ نہیں جس نے ان کی رائے سے اتفاق کیا ہو بلکہ بکثرت علماء اسلام نے ان کے عقیدہ کی تردید کی ہے اور جمہور صحابہ وتابعین کے مذہب کو درست قرار دیا ہے کوئی شک نہیں کہ جناب ابوذر اپنی رائے میں خطا پر تھے۔حق یہ ہے کہ ابوذر جیسے عظیم المرتبت صحابی کا نظریہ انتہائی عجیب وغریب اسلام کے بنیادی اصولوں کے برخلاف ،حق کے برعکس تھا۔اسی لیے ان کے زمانہ کے مسلمانوں نے اسے قطعاً ناپسند کیا اور حد درجہ متعجب ومتحیر ہوئے۔

علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں ابوذر کے مسلک کو لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں۔

جناب ابوذر کے اس دعویٰ پر کثرت سے لوگ معترض ہوئے وہ لوگ ابوذر کے سامنے میراث کی آیتیں پڑھتے اور کہتے کہ اگر تمام مال خرچ کر دینا واجب ہوتا تو آیہ میراث کے نازل ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ابوذر جہاں بھی جاتے لوگ ان کے پاس ہجوم کر کے آتے اور ان کے عقیدہ پر حیرت کا اظہار کرتے۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ یہ عقیدہ غلط تھا اور اس عقیدہ والے جناب ابوذر مجتہد خاطی تھی جن کی خطا خداوند عالم بخشے گا بلکہ وہ اپنے اجتہاد میں اجر بھی پائیں گے لیکن یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ ان کی رائے غلط تھی اور کتاب وسنت اور قوانین مذہب اسلام سے اس کی تائید نہیں ہوتی ابوذر کی رائے مانی نہ جائے گی چونکہ ابوذر کا مذہب نظام مملکت میں خلل کا باعث اور لوگوں میں فتنہ وفساد برپا ہونے کا موجب تھا شام کے حاکم معاویہ نے خلیفہ وقت عثمان سے درخواست کی کہ آپ ابوذر کو مدینہ بلا لیجئے اس وقت ابوذر شام ہی میں تھے خلیفہ نے انہیں مدینہ بلا بھیجا۔مدینہ آکر بھی وہ اپنے مذہب پر جمے رہے اور اس کی اشاعت کرتے رہے مجبوراً عثمان نے ان سے خواہش کی کہ آپ لوگوں سے دور رہئے چنانچہ ابوذر نے ربذہ میں قیام کیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔

ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابوذر کا مذہب یہ تھا کہ عیال کے نفقہ سے فاضل مال کا محفوظ رکھنا حرام ہے وہ اسی کا فتویٰ دیتے اور اسی پر لوگوں کو ابھارتے رہتے تھے اور جو شخص اس کی مخالفت کرتا اسی پر سختی کرتے چنانچہ معاویہ نے انہیں روکا مگر وہ نہیں مانے معاویہ ڈرے کہ کہیں لوگوں کو ضرر نہ پہنچے انہوں نے عثمان کو شکایت لکھ بھیجی عثمان نے انہیں مدینہ بلا بھیجا اور ربذہ میں اکیلے رہنے کا حکم دیا اسی جگہ ان کا انتقال بعہد خلافت ہوا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں لکھتے ہیں۔ برائی کا دفع کرنا مقدم ہے بھلائی حاصل کرنے پر اسی سبب سے عثمان نے ابوذر کو ربذہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا حالانکہ مدینہ میں ان کے قیام سے طلاب علم کو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوتا لیکن چونکہ مدینہ میں رہنے کی وجہ سے مفسدہ کا اندیشہ تھا اس لیے اس مفسدہ کا دفعیہ مقدم سمجھا گیا ان فوائد پر جو مدینہ میں ان کے ٹھہرنے سے مسلمانوں کو حاصل ہوتے۔

ہماری اس پوری عبارت سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب الشیوعیۃ فی الاسلام، اسلام اور کمیونزم، اسلام کے اصول وقواعد سے میل نہیں کھاتی جس طرح یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام کو اس کمیونزم سے دور کا بھی واسطہ نہیں جو عوام الناس سمجھتے ہیں اور جس کی اس کتاب کے مصنف نے وضاحت کی ہے۔

اسی سبب سے ہماری رائے یہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت پر پابندی عائد کردی جائے تاکہ فتنہ پرور مفسد افراد نظام مملکت میں رخنہ اور ضعیف الایمان ناواقف مسلمانوں کے خیالات خراب نہ کرسکیں۔ (جریدہ الوقت المصریہ ۲۔ج/۱ص/۷/۱۳۶۷ھ)

ہماری گذارش:

ہماری گذارش یہ ہے کہ اگر مصر کی وزارت داخلہ یا شیخ جامع ازہر اس قضیہ کو ایسی جماعت کے جو ابوذر کے حال کی عارف، ان کی باتوں سے باخبر اور کتب احادیث وسیرۃ وتفاسیر پر مطلع، ان کتابوں میں جو رطب و یابس بھرے ہوئے ہیں ان سے واقف، ہوا وہوس سے خالی اور فرقہ وارانہ نعروں سے دور ہے سپرد کردیتے تو یہی جماعت صحیح و برحق فیصلہ کرسکتی اور بتاتی کہ ابوذر کی باتیں کوئی نرالی نہ تھیں بلکہ حرف بہ حرف انہیں خیالات کے مطابق تھیں جن کی ترجمانی جمعیۃ علما کے اس مقالہ کے شروع میں کی گئی کہ ہر شخص کو جائز ذرائع سے دولت حاصل کرنے اور اس کے بڑھانے کا حق ہے اور اتنا ہی خرچ کرنا ضروری ہے جو خمس وزکوٰۃ اور دیگر ضروری اخراجات میں از روئے کتاب وسنت ضروری قرار دیا گیا ہے۔

ہم گذشتہ صفحات میں اس پر پوری روشنی ڈال چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ ابوذر کی برہمی صرف انہیں معلوم اشخاص پر تھی جو سونے چاندی کو خزانوں میں جمع کرکے رکھتے اور راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے تھے جو ان کے واجبی منافع تک سے

مسلمانوں کو محروم رکھتے چہ جائیکہ مستحبی خیر وخیرات، ہماری سابق تحریر پڑھنے کے بعد یہ امر روشن اور واضح ہو جاتا ہے کہ جامعہ از ہر کی انجمن علماء کا یہ کہنا کہ ابوذر احتیاج وضرورت اور اپنے اور اپنے عیال کے اخراجات سے فاضل مال کا راہ خدا میں خرچ کر دینا واجب قرار دیتے تھے، صریحی تہمت اور کھلا ہوا فریب ہے کاش وہ جمعیت علماء اپنے دعویٰ کے ساتھ یہ بھی وضاحت کر دیتی کہ انہیں ابوذر کا یہ عقیدہ کہاں سے معلوم ہوا کن کتابوں سے انہوں نے پتہ چلایا کہ ابوذر ایسے عقیدے کے مالک تھے جو جمعیت کے خیال میں جمہور صحابہ وتابعین کے مخالف تھا ہم ابوذر کی روایت کردہ حدیثوں میں سے چند حدیثیں ابھی بیان کر چکے ہیں ان کی کسی ایک حدیث سے بھی جمعیت علماء کے دعویٰ کی تائید نہیں ہوتی۔

کاش یہ جمعیت العلماء ان بکثرت علمائے اسلام کے نام بھی گنوا دیتی جنہوں نے ابوذر کے مذہب کی تردید کی اور ان کے وہ اقوال وعبارتیں بھی نقل کر دیتی جو ان بکثرت علماء سے محمد خضرمی، احمد امین، صادق ابراہی، عمر ابی النصر، محمد احمد جاوا ملولی بک، عبدالمجید بک العبادی اور انہیں جیسے دوسرے موجودہ زمانہ کی پیداوار مصنفین ہیں جنہوں نے سیدھے سادے مسلمانوں کو دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے۔

ہم گذشتہ صفحات میں عظیم المرتبت صحابہ پیغمبر کے اقوال ابوذر کے متعلق ذکر کر چکے ہیں اور دکھلا چکے ہیں کہ وہ ابوذر کے نفس مطلب سے سر بسر متفق تھے، ابوذر کو جو اذیتیں پہنچائی گئیں ان پر دلی صدمہ تھا انہیں اور صالح ونیکو کار صحابہ کا اجماع واتفاق تھا اس امر پر کہ ابوذر اپنی جو رائے پیش کرتے ہیں وہی صحیح اور دینی رائے ہے اور کتاب وسنت پیغمبر سے اسی کا استفادہ ہوتا ہے۔

کیا یہ بات سر دھننے اور خون کے آنسو بہانے کی نہیں کہ ابوذر ایسے جلیل القدر صحابی پیغمبرؐ کا مذہب اسلام کے بنیادی اصول سے دور حق وصداقت سے بعید سمجھا جائے؟ وہ ابوذر جنہوں نے اسلام سے پہلے کبھی بت پرستی نہیں کی جنہوں نے بعثت پیغمبرؐ کے کئی سال پہلے نماز پڑھی جو چوتھائی اسلام اور چوتھے مسلمان تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ بعہد نبوی صحبت پیغمبرؐ میں گذارا اور تحصیل علم میں کوئی لمحہ ضائع جانے نہیں دیا جو پیغمبرؐ کی آواز پر کان لگائے رہے اور ہر حکم وارشاد پر ہمہ تن متوجہ رہا کئے جس کی وجہ سے پیغمبرؐ کے اخلاق وعادات علوم ومعارف ان کے اندر اس طرح نقش ہو کر رہ گئے جس طرح صیقل شدہ آئینہ میں تصویر اتر آتی ہے حضرت سرور کائنات ابوذر کو جب وہ موجود ہوتے تو دیگر صحابہ سے زیادہ قریب کرتے جب وہ غیر حاضر ہوتے تو ان کی جستجو فرماتے وہ ابوذر جو دین میں راسخ علم کے حریص تھے جنہوں نے رسولؐ اللہ سے ہر چیز کے متعلق پوچھا یہاں تک کہ یہ بھی دریافت کر لیا کہ نماز میں کنکری چھو سکتے ہیں یا نہیں جن کے سینے میں پیغمبرؐ نے وہ تمام علوم ودیعت کر دیئے میکائیل وجبرئیل نے جن علوم کو پیغمبرؐ کے سینے میں ودیعت کیا تھا جنہیں پیغمبرؐ نے عیسیٰؑ کی شبیہ کہہ کر امت کو پہچنوایا تھا جس کے بارے میں باب مدینہ علم پیغمبرؐ، حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ دعاءُ ملیء علماً ثم اوکی علیہ۔ وہ ایک ظرف

ہیں جس میں علم پوری طرح بھر دیا گیا ہے پھر اس پر مہر لگادی گئی ہے۔

کیا حیرت و استعجاب کا مقام نہیں کہ جو شخص ایسا ہو جس نے عہد نبوت میں پیغمبرؐ کی آخری سانسوں تک مدینہ میں رہ کر آپؐ کے تمام ارشادات سنے ہوں اور سرچشمۂ وحی سے اپنی علمی تشنگی بجھائی ہو کیا ایسے شخص کا مذہب اسلام کے بنیادی اصولوں سے دور اور حق وصداقت سے بعید ہوگا؟ اور کعب الاحبار ایسے شخص کی رائے جو مدتوں یہودی رہ کر تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے، صحیح اور اسلام کے اصولوں سے قریب تر ہوگی؟ کعب الاحبار قوانین اسلام سے بہ نسبت ابوذر کے زیادہ واقف اور ان کا فتویٰ ابوذر کے فتوے سے زیادہ صحیح فتویٰ ہوگا؟ گویا کہ حقائق اسلامی انہیں کے پیش نظر تھے ابوذر کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

بفرض محال ہم چند لمحوں کے لیے اپنی باتوں سے قطع نظر بھی کرلیں پھر بھی کیا ان صحیح روایات واحادیث سے ایک ساعت کے لیے بھی چشم پوشی ممکن ہے؟ جو بڑے بڑے حفاظ وائمہ حدیث نے صحیح طرق واسناد سے پیغمبر کی طرف منسوب کرکے ابوذر کی مدح وثنا ان کی عظمت وجلالت ان کے مجسمہ رشد وہدایت ہونے کے متعلق اپنی مولفات میں وارد کی ہیں؟ حضرت سرور کائنات بعلم نبوت یقیناً ابوذر کے موجودہ وآئندہ حالات سے واقف تھے۔ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آگے چل کر کون سی باتیں وہ اپنی زبان پر لانے والے ہیں۔ آنحضرت نے کیوں نہیں اسی وقت ابوذر کو تنبیہ وفہمائش کرکے آیندہ کی باتوں سے روک دیا تھا۔ تنبیہ وفہمائش کے بدلے مصائب وشدائد پر صبر کرنے کی کیوں تاکید کی تھی؟ ان کے ابتلائے مصائب ہونے کو راہ خدا میں مصائب جھیلنے سے تعبیر کیوں کیا تھا؟ زجر وتوبیخ کرنے کے بدلے درد بھرے لفظوں میں جلاوطن اور شہر بدر کئے جانے کی پیشین گوئی کیوں کی تھی؟

ہم کو ازہری جمعیت علماء سے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ آپ نے بے تامل یہ جو فرمادیا کہ صحابہ نے ابوذر کے مذہب کو ناپسند کیا اور اسے عجیب وغریب سمجھا تو یہ کون سے صحابہ تھے کیا وہ کبار صحابہ تھے۔ یا خالی نام کے صحابہ؟ کہیں آپ کی مراد حکم ابن ابی العاص، سعید بن عاص، عبداللہ بن خالد، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح ایسے صحابہ تو نہیں۔ دوسرے لفظوں میں بنی امیہ کے وہ افراد جو اسلام کے اصل قواعد سے بعید حق سے کوسوں دور تھے اور انہیں جیسے بندگان زر جنہوں نے اسلام کی بنیادیں ہلا دیں اور خلیفہ وقت کو مصائب وآلام میں مبتلا کیا اور بیکس مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم اور ان کے خون سے اپنے اپنے ہاتھ تر کئے اور ہولناک لڑائیاں برپا کیں اور امت اسلام کو فتنہ وفساد کے بھنور میں گرفتار کرادیا اگر آپ کی مراد انہیں صحابہ سے تھی تو خیر ورنہ یاد رہے کہ باب مدینہ علوم پیغمبرؐ امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ آپؐ کے دونوں فرزند حسنؑ وحسینؑ اور تمام صالح ونیکوکار صحابہ ابوذر کی رائے سے حرف بہ حرف متفق تھے اور ابوذر کو جتنی اذیتیں پہنچائی گئیں ان پر بے حد دل گرفتہ اور خلیفہ وقت کی تمام سختیوں پر حد سے زیادہ برہم تھے اور ہمیشہ رہے۔

جمعیت علمائے ازہر کے اشتہادات:

جمعیت نے اپنے مقالہ میں آلوسی، ابن کثیر اور ابن حجر کی عبارتیں ثبوت میں پیش کی ہیں گویا ان دشمنان اہل بیتؑ وشیعیان اہل بیتؑ کے علاوہ اور کسی کی تحریر انہیں نظر ہی نہیں پڑی۔ ہم نے گزشتہ صفحات میں ابوذر کے متعلق بکثرت مورخین ومحدثین کی جو عبارتیں اور بیانات درج کیے ہیں ان سب کی جمعیت کو جیسے خبر ہی نہیں ایسا ہی ہونا بھی چاہئے ہر شخص اپنے مطلب کی بات پر نظر رکھتا ہے ہم نے ابتدا میں محدثین ومورخین کی جو عبارتیں نقل کی ہیں ان سے چونکہ جمعیت کا دعویٰ اور ابوذر کے متعلق بہتان عالم آشکارا ہو جاتا تھا اس لیے جمعیت نے صرف انہیں مذکورہ بالا تینوں علمائے اہل سنت کی عبارتوں پر اکتفا کی اور ان کی بھی پوری عبارتیں نقل نہیں کی بلکہ بعض جملے جو اپنے خلاف پڑتے تھے حذف کر گئی جمعیت سمجھتی تھی کہ تحقیق وجستجو کے متلاشی محض اس کے بیان پر اعتماد کرلیں گے اور خود کتاب اٹھا کر دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کریں گے ہم پہلے آلوسی کی پوری عبارت آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

آلوسی اپنی تفسیر میں بسلسلۂ آیت والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ لکھتے ہیں کہ:

''جناب ابوذر نے اس آیت کے ظاہری معنی کو لے کر احتیاج وضرورت سے فاضل تمام مال کے خرچ کر دینے کو واجب قرار دیا۔ اسی سبب سے ان کے اور معاویہ کے درمیان شام میں اختلاف رونما ہوا اور معاویہ نے ان کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان نے ان کو مدینہ بلا بھیجا۔ مدینہ آنے کے بعد بھی ابوذر اپنی رائے ہی پر مصر رہے یہاں تک کعب الاحبار نے کہا کہ اے ابوذر ملت حنفیہ تمام ملتوں سے سہل وآسان تر ہے اور مبنی بر انصاف ہے جب کہ ملت یہود میں جو تمام تر ملتوں میں تنگ تر اور سخت ترین مذہب ہے تمام مال کا خرچ کر دینا واجب نہیں قرار پایا تو اسلام میں کیونکر ایسا ہوسکتا ہے؟ اس پر حضرت ابوذر بگڑ بیٹھے ان کے مزاج میں ذرا تندی بھی تھی اور اسی تندی کی وجہ سے انہوں نے بلال موذن رسول کو عیب لگایا تھا اور حضرت رسالت مآبؐ نے ان کے متعلق فرمایا تھا۔ انك امرءٌ فيك جاهلية۔ تم ایسے انسان ہو جن میں کچھ جاہلیت کی بو باقی رہ گئی ہے۔ ابوذر نے کعب الاحبار کو مارنے کے لیے اپنا عصا اٹھایا اور کہا اے یہودی تجھے ان مسائل سے کیا سروکار؟ کعب بھاگے۔ ابوذر نے ان کا پیچھا کیا کعب حضرت عثمان کے پیچھے جا چھپے۔ ابوذر نہیں مانے اور عصا رسید ہی کر دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ عصا عثمان کو لگا ابوذر کے دعوے پر بکثرت لوگ معترض ہوئے لوگ ان کے سامنے آیت میراث کی تلاوت کرتے اور کہتے کہ اگر کل مال خرچ کر دینا ہی واجب ہے تو اس آیت کے نازل ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ابوذر جہاں بھی جاتے لوگ ان پر ہجوم کرتے اور ان کے نظریہ پر حیرت واستعجاب کا مظاہرہ کرتے اسی وجہ سے انہوں نے گوشہ

نشینی پسند کی اور حضرت عثمان سے اس معاملہ میں مشورہ لیا۔حضرت عثمان نے مشورہ دیا کہ ربذہ چلے جاؤ۔ابو ذر اپنے منشا سے وہیں مقیم رہے۔یہی صحیح اور موثق واقعہ کی مختصر روداد ہے۔شیعہ حضرات نے اس واقعہ کو رنگ دے کر بیان کیا ہے اور حضرت عثمان ذی النورین کے مطاعن سے قرار دیا ہے اور ان کی غرض یہ ہے کہ وہ خدا کے نور کو بجھائیں حالانکہ خدا اپنے نور کو تمام کو پہنچا کر رہے گا۔" (تفسیر آلوسی ج / ۱۰ص / ۸۷)

یہ عبارت چند وجھوں سے محل نظر ھے۔

(۱) آلوسی کہتے ہیں کہ جناب ابو ذر نے آیۂ الذین یکنزون الذھب۔کے ظاہری معنی کو اختیار کیا؟ حالانکہ آیت کے ظاہری و باطنی معنی جدا جدا نہیں جو ظاہری معنی ہے وہی باطنی معنی اور جو باطنی معنی وہی ظاہری معنی اس آیت سے یہ بھی نہیں نکلتا کہ وہ مال جس کی زکوٰۃ نکالی جا چکی ہو اور وہ احتیاج سے فاضل ہو اس کا راہِ خدا میں خرچ کر دینا واجب ہے لہٰذا اس آیت کا کوئی ظاہری معنی ہے یہ نہیں جس کی نسبت ابو ذر کی طرف دی جا رہی کہ انہوں نے ظاہری معنی کو اختیار کر کے احتیاج سے فاضل مال کو بھی راہ خدا میں خرچ کر دینا واجب سمجھا۔آیت میں تو صرف سونا چاندی خزانہ میں جمع کرنے کی ممانعت ہے ابو ذر کا مقصد ومنشا ہم بہت تفصیل سے گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں۔ان کے مقولے ان کی بیان کردہ احادیث وروایات کی کسی لفظ سے سراحۃً یا اشارۃً کنایۃً اس کا پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے اس آیت سے یہ مطلب سمجھا ہو کہ ضرورت سے فاضل مال کا راہِ خدا میں خرچ کر دینا واجب ہے۔

(۲) ابو ذر و معاویہ کی باہمی نزاع بھی آلوسی نے اپنی من گڑھت بیان کی ہے۔ابو ذر و معاویہ کے درمیان اختلاف آیت کے نزول میں تھا نہ کہ مفاد آیت میں" معاویہ کہتے تھے کہ آیت صرف اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی اور جناب ابو ذر فرماتے تھے کہ اہل اسلام اور اہل کتاب دونوں ہی کے متعلق نازل ہوئی لہٰذا اس بناء پر ابو ذر اور معاویہ میں خرچ کئے جانے والے مال کی مقدار کے متعلق کوئی اختلاف نہیں تھا اگر ابو ذر کا مقصد یہ تھا کہ ضرورت سے فاضل مال کا راہِ خدا میں خرچ کر دینا واجب ہے تو معاویہ کا نظریہ بھی یہی تھا کہ ضرورت سے فاضل سب مال کا خرچ کر دینا واجب ہے۔اور اگر معاویہ اس کے قائل تھے کہ ضرورت سے فاضل مال کا بعض حصہ راہ خدا میں خرچ کر دینا اہل کتاب کے لیے ضروری ہے تو ابو ذر کا مطلب بھی یہی تھا کہ ضرورت سے فاضل مال کا بعض حصہ راہ خدا میں خرچ کر دینا مسلمانوں اور اہل کتاب دونوں کے لیے ضروری ہے غلطی پر تھے تو دونوں، اور حق پر تھے تو دونوں۔لہٰذا ایک طرف جناب ابو ذر پر یہ بہتان کہ وہ انہونی بات کے قائل تھے ناممکن العمل امر کے معتقد تھے ضرورت سے تھوڑا سا فاضل مال بھی محفوظ رکھنے کو منع کرتے تھے سوائے بغض وعناد اور معاویہ کی طرف داری کے کیا

ہوسکتا ہے اگر ابوذر اہل اسلام اور اہل کتاب سبھی کو ناممکن بات کی تکلیف دیتے تھے تو کیا معاویہ کم سے کم اہل کتاب ہی کو ناممکن بات کی تکلیف نہیں دیتے تھے؟ مسلم وغیر مسلم دونوں کے ساتھ ناانصافی ناانصافی تھی اور صرف غیر مسلم کے ساتھ ناانصافی ناانصافی نہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ ابوذر کا بس اتنا مطلب تھا کہ مسلمان صرف زکوٰۃ واجبہ ہی نکالنے پر اکتفانہ کریں بلکہ تطوعاً واستحباباً بھی خرچ کریں یعنی صلہ رحم کریں ایتام ومساکین فقراء وسائلین نادار ہمسایوں کی بھی اپنی ضرورت سے فاضل مال سے مدد کریں ان کی ناراضی و برہمی تو زرومال کے ان خزانوں میں بند رکھنے پر تھی جو احتکار کے مرادف ہے جس طرح ایشیاء خوردنی کا محفوظ کرنا اس غرض سے کہ جب گرانی تیز ہوگی تو خوب گراں بیچ کر کافی منافع کمائیں گے شریعت نے حرام قرار دیا۔ اسی طرح سونے چاندی کے خزانوں کو سر بمہر کر کے رکھنے سے منع کیا تا کہ خلائق ان کے منافع سے محروم نہ رہے۔

(۳) کعب الاحبار کا واقعہ بھی آلوسی نے طبع زاد بیان کیا ہے جس کی کسی کتاب سے تائید نہیں ہوتی۔ اصل واقعہ اور صحیح کیفیت ہم بیان کر چکے ہیں۔ آلوسی کے یہ سارے فقرے من گڑھت ہیں کہ کعب الاحبار نے ان سے کہا کہ اے ابوذر ملتہ حنفیہ تمام ملتوں سے آسان تر ہے۔ کعب نے حضرت عثمان کی پناہ لی اور ان کے پیچھے جا چھپے۔۔۔۔۔۔۔ابوذر نے کوئی پروانہ کی ڈنڈا رسید کر ہی دیا اور وہ ڈنڈا بجائے کعب حضرت عثمان کو لگا۔"

یہ اتنی باتیں جو آلوسی نے بیان کی ہیں کاش یہ بھی بتا دیتے کہ کہاں سے انہوں نے معلوم کیا کس کتاب سے انہیں پتہ چلا کوئی واہیات سے واہیات کتاب ہی نام لے دیتے کسی قصے کہانی یا ناول کا ذکر کر دیتے اصل غرض تو آلوسی کی یہ تھی کہ مسلمانوں کو بھڑکائیں۔ ابوذر ایسے تھے کہ انہوں نے خلافت مآب کی بھی پروانہ کی اور ڈنڈا مار ہی دیا جو جلالت مآب خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی کو جالگا۔

ہم امام احمد کی روایت کردہ حدیث آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

"جناب ابوذر آئے اور حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی انہوں نے اجازت دی اور ابوذر کے ہاتھ میں عصا تھا۔ حضرت عثمان نے پوچھا کہ اے کعب عبدالرحمن کا انتقال ہوگیا ہے اور انہوں نے اتنا مال چھوڑا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟ کعب الاحبار نے کہا اگر وہ حقوق اللہ ادا کر چکے ہیں تو کوئی حرج نہیں اس پر جناب ابوذر نے عصا اٹھا کر کعب کو مارا اور فرمایا کہ میں نے رسالت مآبؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ اگر میں پہاڑ برابر بھی سونا راہ خدا میں خیرات کر ڈالوں اور خدا اسے قبول بھی کر لے تب بھی مجھے پسند نہیں کہ اپنے مرنے پر چھ اوقیہ سونا چھوڑ جاؤں۔" اے عثمان میں آپ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ نے پیغمبرؐ کی زبان سے یہ حدیث نہیں سنی؟ انہوں نے کہا میں نے سنا ہے۔ (مسند ج ۱ ص ۶۳)

اس حدیث سے یہ حقیقت عالم آشکار ہوجاتی ہے کہ اصل معاملہ عبدالرحمان بن عوف کی دولت کا تھا جنھوں نے اتنا سونا چھوڑا تھا جو ورثہ میں کلہاڑیوں سے کاٹ کاٹ کر تقسیم کیا گیا اور کاٹنے والوں کے ہاتھ زخمی ہوگئے جن کی دولت کا ۳۲واں حصہ ۸۰ ہزار تھا۔

عبدالرحمن بن عوف کو یہ بے انتہا دولت خدا کے اس مال سے جس میں تمام مسلمان برابر کے حقدار تھے بغیر کسی استحقاق کے دی گئی تھی۔ایک تو وہ ناجائز ذریعہ سے ہاتھ آئی اور پھر خزانہ میں بند کرکے رکھی گئی۔کعب کے فتویٰ دینے سے کہ ''اگر وہ حقوق اللہ ادا کر چکے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں وہ دولت جائز نہ ہوجائے گی کیونکہ نہ تو وہ دولت زراعت کے پیداوار سے حاصل ہوئی نہ مویشی اور چوپایوں کی نسل بڑھنے سے اکٹھا ہوئی تھی۔نہ کسی تجارت میں منافع کے طور پر کہ حقوق اللہ ادا کر دینے کے بعد پاکیزہ ہوجاتی وہ ساری کی ساری دولت خدا کی تھی اور تمام مسلمان اس میں برابر کے حصہ دار تھے اگر اس میں عبدالرحمن کا حق تھا بھی تو اتنا ہی جتنا کسی دوسرے مسلمان کا۔

حیرت تو اس پر ہے کہ حضرت عثمان نے اس دولت کے متعلق فتویٰ پوچھا ہی کیوں؟ اور پھر پوچھا بھی تو خاص کر کعب الاحبار سے جو مدۃ العمر یہودی رہ کر تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے درآنحالیکہ دربار میں ابوذر ایسے جلیل القدر عالم بزرگ ترین صحابی پیغمبر بھی موجود تھے فتویٰ پوچھنے والے حضرت عثمان سے اس دولت کی حقیقت تو مخفی نہیں تھی۔شوریٰ کے موقع پر اپنی تدبیروں سے کام لے کر عبدالرحمن نے حضرت عثمان کو خلافت دلوائی تھی۔احسان کا بدلہ اتارنا ضروری تھا۔حضرت عثمان ہی نے انہیں مسلمانوں کے بیت المال سے اتنی دولت عنایت کی تھی۔حضرت عثمان لاکھ غنی سہی، پھر بھی اتنے غنی نہ تھے کہ وہ اپنی گرہ سے عبدالرحمان کو اتنا مال دے دیتے انہوں نے مال اللہ ہی دیا جو کچھ دیا۔ابوذر احکام شریعت کے مواقع اچھی طرح پہچانتے تھے مجبور تھے ان کی زیادتیوں پر صدائے احتجاج بلند کریں جو شخص مال اللہ سے یہ داد و دہش کرے اس پر بھی برہم ہوں جو اس داد و دہش کو قبول کرے، مباح سمجھے اس پر بھی اور جو دونوں کے افعال کو جائز بتائے اس پر بھی۔

اگر ابوذر کے اسی قسم کے خیالات ونظریات سے اشتراکیت واشتمالیت کا عقیدہ مترشح ہوتا ہے تو خلیفہ دوئم حضرت عمر کھلے لفظوں میں اس نظریہ کا اعلان واظہار کر چکے ہیں۔

علامہ طبری روایت کرےت ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا لو استقبلت من امری ما استدبرت لا خذت فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین۔(طبری ج/۵،ص/۳۳)۔اگر میری حکومت کچھ دنوں اور رہی تو میں مالداروں کی ضرورت واحتیاج سے فاضل دولت لے کر فقراء مہاجرین کو بانٹ دوں گا۔

کتاب العصر المامون میں ہے۔ حرم عمر ابن الخطاب علی المسلمین اقتناع الضیاع والزراعة لانّ اوزاقهم وارزاق عیالهم وما یملکون من عبید اموال کل ذالك یدفعه لهم من بیت المال فما بهم الی اقتناء المال من حاجة۔ حضرت عمر بن خطاب نے مسلمانوں کو جائداد و کاشتکاری حرام قرار دی کیونکہ مسلمانوں کا آزوقہ، ان کے عیال کا آزوقہ، ان کے غلام وکنیز اور جانوروں کا آزوقہ سب بیت المال سے پورا کیا جاتا ہے پھر انہیں مال و دولت کی ضرورت ہی کیا ہے۔

افسوس مصر کی جمعیت علماء کو حضرت عمر کے اس مالی نظریے کا علم نہ ہوا یا شاید خلافت کے دبدبے سے لب کشائی کی جرأت نہ ہوسکی۔ ابوذر غریب مسلمان اور وہ بھی خلیفہ کے معتوب ان پر بہتان تراشی سے کیا چیز مانع ہوسکتی تھی۔

(۴) آلوسی کا یہ کہنا کہ ابوذر کے مزاج میں تندی تھی یہ بھی پیغمبرؐ خدا کی معاذ اللہ کھلے لفظوں میں تکذیب ہے۔ پیغمبرؐ تو ابوذر کو رفتار گفتار زہد و عبادت میں جناب عیسیٰؑ سے تشبیہ دیں۔ امت اسلام میں انہیں عیسیٰؑ کا نمونہ فرمائیں اور آلوسی کہیں کہ ان کے مزاج میں تندی تھی۔ تندی کا اظہار ان سے ہوا بھی ہوگا تو شریعت کی تباہی دیکھ کر قوانین اسلام کا مذاق اڑائے جانے پر جو خالص الایمان اور فنافی اللہ مومنین کی خصلت میں داخل ہے۔ سچے مسلمان سے اسلام کا تمسخر کسی صورت سے برداشت ہونا ناممکن ہے اور ابوذر تو سرگروہ مومنین مخلصین تھے۔

لہٰذا ایک تو یہ روایت کہ انہوں نے بلال کو عیب لگایا تھا یا گالی دی تھی کسی طرح صحیح اور ماننے کے قابل نہیں کیونکہ اس روایت سے ابوذر کی مذمت نکلتی ہے وہ ابوذر جو پیغمبرؐ کے مقرب بارگاہ اور محبوب ترین صحابی تھے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ واقعہ موثق راویوں سے مروی ہے۔ یہ روایت صحیح اسناد سے وارد ہوئی ہے تو ایک دفعہ غیر اختیاری طور پر ایسا ہوگیا ہوگا پھر کبھی اس کی نوبت نہیں آئی ہوگی اور غالباً یہ واقعہ بہت پہلے شروع زمانہ اسلام میں پیش آیا ہوگا جیسا کہ شارحین حدیث نے وضاحت کی ہے۔ (دیکھئے ابن حجر کی فتح الباری قسطلانی کی ارشاد الساری، عینی کی عمدۃ القاری وغیرہ)

تماشا یہ ہے کہ خود آلوسی نے اپنی کتاب سائک الجاهلیة۔ پر جو عبارت لکھی ہے وہ ان کے ذہن سے اٹھ گئی اور اپنے ہی لکھے ہوئے کا خیال تک نہ آیا سچ ہے۔ حافظہ نہ باشد۔ آلوسی لکھتے ہیں۔ معرفت کے بلند ترین درجہ پر ابوذر کے فائز ہونے سے پہلے ایک مرتبہ ابوذر و بلال میں ہاتا پائی ہوئی۔ ابوذر نے بلال کو کہہ دیا۔ یاابن المسود اولہٰ زن حبشیہ کے فرزند بلال نے اس کی شکایت پیغمبرؐ سے کی۔ آپؐ نے ابوذر سے پوچھا کہ تم نے بلال کو برا بھلا کہا ہے۔ اور حبشی عورت کے بطن سے پیدا ہونے کا عیب لگایا ہے ابوذر نے کہا ہاں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ جاہلیت کا غرور ابھی تم میں کچھ باقی رہ گیا ہے۔ یہ سن کر

ابوذر نے اپنا رخسارہ زمین سے لگا دیا اور کہا میں اپنا رخسارہ زمین سے اس وقت تک نہ اٹھاؤں گا جب تک بلال اپنے قدموں سے میرے رخسارہ کو نہ روندیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب بلال نے ان کا رخسارہ اپنے قدموں سے روندا تب انہوں نے زمین سے رخسارہ الگ کیا۔ (ارشاد الساری قسطلانی شرح صحیح بخاری پارہ ۱/ص ۱۱۳)

یہ تھے ابوذر اور یہ تھے ابوذر کے آداب، اور یہ تھے ان کے پاکیزہ اخلاق یقیناً وہ خلق کے بہت بڑے درجہ پر فائز تھے۔

(۵) آلوسی نے لکھا ہے کہ "ابوذر کے دعوے پر بکثرت لوگ معترض ہوئے مگر انہوں نے صراحت نہیں کی کہ وہ بکثرت لوگ آخر کون تھے؟ کاش ایک اعتراض کرنے والے کا نام بھی وہ ذکر کر دیتے یا کم سے کم کسی معمولی سی کتاب ہی کا نام ذکر کر دیتے جس سے ان کے دعوے کی تائید ہوتی اور یہ پتہ چلتا کہ واقعاً ابوذر پر کوئی معترض بھی ہوا تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اس وقت تمام صحابہ ابوذر کے ہم آہنگ و ہم آواز تھے انہیں جو اذیتیں پہنچائی گئیں ان پر ناراض اور ابوذر کے دلی ہمدرد تھے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے والے پر برہم تھے ان کے وقت میں تو کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس نے ان کے قول کی تردید کی ہو۔

ابوذر کو جو اذیتیں پہنچائی گئیں انہیں شہر بدر اور جلاوطن کیا گیا اس پر تمام نیکو کار صحابہ ملول و دل گرفتہ تھے ابو درداء کو جب ان کی جلاوطنی کی خبر ملی تو انہوں نے بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون۔ زبان پر جاری کیا کئی مرتبہ فرمایا ارتقبھم واصطبر منتظر رہو ان کے اور صبر کرو۔ اللھم ان کذبوا اباذر فانی لا اکذبہ۔ خداوندا یہ لوگ ابوذر کو جھٹلائیں تو جھٹلائیں میں نہیں جھٹلا سکتا۔ اللھم وان اتھموہ فانی لا اتھمہ۔ خداوندا یہ لوگ ابوذر کو متہم کرتے ہیں تو کریں میں متہم نہیں کر سکتا۔ اللھم وان استغشوہ فانی لا استغشہ فان رسول اللہ کان یاتمنہ حین لا یاتمن احدا ویسر الیہ حین لا یسر الی احد۔ خداوندا اگر ان لوگوں نے ابوذر کے ساتھ فریب کرنا چاہا تو میں فریب نہیں کر سکتا کیونکہ حضرت رسالت مآبؐ ابوذر پر بھروسہ کرتے تھے جب کوئی بھروسہ کے لائق نہ ہوتا اپنے رموز و اسرار سے آگاہ کرتے جب کسی کو آگاہ نہیں کرتے تھے۔ (مسند ج/۵،ص/۱۹۷، مستدرک ج/۳،ص/۳۴۴ و تلخیص مستدرک)

غالباً ابوذر پر اعتراض کرنے والوں سے آلوسی کی مراد وہ سرکشان بنی امیہ ہیں جنہوں نے مال خدا کو کھلونا اور بندگان خدا کو غلام اور دین کو مکر و فریب اور کتاب الٰہی کو دھوکہ کی ٹٹی بنا رکھا تھا۔ ظاہر ہے ان سے بڑھ کر ابوذر پر اعتراض کرنے والا کون ہو سکتا تھا۔

(۶) آلوسی نے دعویٰ کیا ہے کہ ابوذر ربذہ جو گئے وہ اس وجہ سے کہ ابوذر جہاں بھی جاتے لوگ ان پر ہجوم کرتے اور ان کے نظریے پر حیرت و استعجاب کا مظاہرہ کرتے انہوں نے گوشہ نشین ہو جانا پسند کیا۔ حضرت عثمان سے اس معاملہ میں مشورہ

لیا توانھوں نے ربذہ چلے جانے کا مشورہ دیا ابوذر اپنی خواہش سے جب تک جی چاہا وہیں مقیم رہے آلوسی کا یہ جملہ جس قدر بدترین جھوٹ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہم گزشتہ صفحات میں بہت تفصیل سے اکثر مورخین ومحدثین کی عبارتیں پیش کر چکے ہیں کہ جناب ابوذر ربذہ میں جلاوطن کئے گئے۔ دربار خلافت سے مناہی کرادی گئی کہ خبردار کوئی ابوذر کو رخصت کرنے نہ جائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ چھوڑنے کے وقت ابوذر کے پاس کوئی بھی نہ آسکا سوا حضرت امیرالمومنینؑ اور ان کے دو فرزند حسنینؑ اور جناب عقیل وعمار کے مروان آکر ان حضرات سے مزاحم ہوا جس کی وجہ سے امیرالمومنینؑ اسے جھڑکنے پر مجبور ہوئے اور اس کی وجہ سے آپ میں اور عثمان میں تکرار کی نوبت آئی۔ ہم وہ کلمات بھی نقل کر چکے ہیں جو ابوذر کو رخصت کرنے والوں نے تسلی دلاسا کے لیے کہے نیز وہ اقوال بھی جو ابوذر نے ربذہ میں اپنے ملاقات کرنے والوں سے کہے اور بھی بہت سی باتیں ہم ذکر کر چکے ہیں جو صریحی ثبوت ہیں کہ ابوذر جبراً شہر بدر کئے گئے۔ تمام صحابہ بالاتفاق اس جلاوطنی پر ناراض تھے اس سے پہلے ہم پیغمبرؐ خدا کے وہ ارشادات بھی بیان کر چکے ہیں جو آپ نے ابوذر سے ان کے جبراً قہراً مدینہ سے نکالے جانے کے متعلق بطور پیشن گوئی فرمائے تھے۔ آلوسی کا حقیقتاً مقصد یہ ہے کہ ان کے محبوب خلیفہ پر کوئی معترض نہ ہو، صحابی پیغمبر کے ساتھ اس بدترین بدسلوک پر کوئی لب کشائی نہ کرے۔ اسی لیے خیالی قصہ ایجاد کرکے اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اس تحقیق وجستجو کا ہاتھ ان کے پردے کو چاک نہ کردے گا۔ کاش جمعیت علمائے مصر آلوسی کے آخری فقرہ پہ بھی دھیان دیئے ہوتی۔ جمعیت نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ابن کثیر اور ابن حجر کی عبارتیں بھی پیش کی ہیں۔ اور ان دونوں ہی نے اعتراف کیا ہے کہ ابوذر اپنی مرضی کے خلاف مجبور کرکے ربذہ بھیجے گئے اگرچہ ان دونوں نے حضرت عثمان کے فعل کو نیک اور انہیں معذور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے مگر پھر بھی یہ اعتراف تو صاف صاف لفظوں میں ہے کہ ابوذر مرضی کے خلاف جلاوطن کئے گئے اور ان دونوں کی عبارتوں کے ساتھ آلوسی کا آخری فقرہ جس قدر مضحکہ خیز ہے مخفی نہیں جمعیت کے بیان کی خود جمعیت کے بیان سے تردید ہو جاتی ہے۔

(۷) آلوسی لکھتے ہیں یہی صحیح اور قابل اعتماد مختصر کیفیت ہے۔ الخ۔ ملاحظہ فرمائیے کتنی دیدہ دلیری سے انہوں نے خواہش کے مطابق حقیقت کو مشتبہ کرنا چاہا یہ سمجھتے ہوئے کہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں اسی کو اہل اسلام صحیح قرار دیں گے باقی ساری کتابیں جلادی جائیں گی صفحہ تاریخ کے چہرہ پر پردہ ڈال دیا جائے گا اور صحاح ومسانید سے حدیثیں چھیل دی جائیں گی۔ اور ان کی کتاب کو لے کر باقی ان تمام کتابوں کو دریابرد کردیا جائے گا جس میں وہ تمام باتیں مذکور ہیں جن کو آلوسی نے جھٹلانے کی کوشش کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ علمائے اہل اسلام ابوذر کے معاملہ میں دو حصوں میں منقسم ہیں۔ایک جماعت نے ابوذر کے تمام واقعات تاریخی حیثیت یا بطور روایت حدیث کے بلا کم و کاست بیان کر دیئے ہیں اور اپنی طرف سے کوئی حاشیہ آرائی نہیں کی ہے۔دوسری جماعت نے یہ کیا ہے کہ واقعات تو وہ سب بیان کر دیئے ہیں جو پہلی جماعت نے بیان کئے ہیں مگر ساتھ ساتھ حضرت عثمان وغیرہ کی طرف سے معذرت اور ان کی بے گناہی بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انہوں نے ابوذر پر جتنی زیادتی کی انہیں جو اذیتیں پہنچائیں وہ محض خلافت کے وقار کو باقی رکھنے اور حرمت دین کو قائم رکھنے کے لیے۔(یاد رکھئے ریاض نضرہ ج ر ۲،ص ر ۱۴۶،صواعق محرقہ ص ر ۶۸،تاریخ خمیس وغیرہ) ان دونوں قسموں کے علماء میں سے کوئی بھی شیعہ عالم نہیں کہ آلوسی ان کی روایات کو ناقابل اعتماد کہہ کر ٹھکرا سکیں۔

کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ آلوسی کو تو احساس ہو گیا کہ ابوذر کے متعلق تمام روایات شیعوں کی بیان کی ہوئی ہیں اور گزشتہ زمانہ کے تمام علمائے اعلام وحفاظ حدیث کو ذرہ برابر بھی پتہ نہ چل سکا اور انہوں نے شیعوں کی روایتوں کو صحیح سمجھ لیا اور صحیح سمجھ کر حضرت عثمان کی طرف سے عذر و معذرت اور ان کے افعال کو جائز ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہو۔انتہائی تعجب ہے کہ جمعیت علماء نے آلوسی کی عبارت کو آخر اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش ہی کیوں کیا جب کہ وہ سرتاپا مہمل اور خرافات سے مملو ہے اور کوئی گوشہ بھی اس عبارت کا تاریخ سے واقف انسان کے لیے قبول کرنے کے قابل نہیں تھا یہ تو جمعیت کے پہلے شاہد کا حال تھا۔

دوسرا شاھد:

جمعیت نے اپنے دعوے کے ثبوت میں دوسرا شاہد ابن کثیر کو پیش کیا ہے بتایا جائے کہ ابن کثیر کون تھے اور کیا تھے اور ان کی دونوں کتابیں ''تاریخ ابن کثیر'' اور تفسیر ابن کثیر کتنے مہملات ومزخرفات تہمت و بہتان مکر و فریب کا مجموعہ ہیں منجملہ ان کی غلط بیانیوں کے یہ دعویٰ بھی ہے کہ ابوذر عیال کے نفقہ سے فاضل مال کے محفوظ رکھنے کو حرام قرار دیتے۔اسی کا وہ فتویٰ دیتے ہیں اور اسی کی ترغیب الخ۔حالانکہ ابوذر کا کوئی بھی فتویٰ کوئی اشارہ یا صراحت کسی کتاب میں موجود نہیں جس سے یقین تو درکنار، وہم و گمان بھی ہو سکے کہ ابوذر عیال کے نفقہ سے فاضل مال کے محفوظ رکھنے کو حرام قرار دیتے تھے ابوذر کے متعلق تو متقدمین علماء کے یہی بیانات ہیں کہ وہ آیات کلام مجید کی تلاوت کرتے اور سونے چاندی کو خزانوں میں بند رکھنے کی ممانعت جن احادیث نبوی میں مذکور ہیں ان لوگوں سے نقل کرتے۔

آیات کلام مجید کے متعلق ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ تمام آیات میں انفاق مال سے مراد مال کے کچھ حصہ کا انفاق

ہے اور آیۃ الذین یکنزون الذھب والفضہ۔ کے متعلق ابوذر ومعاویہ میں جو نزاع تھے وہ اس بارے میں نہیں تھی کہ ضرورت سے فاضل تمام مال کا خرچ کرنا واجب ہے یا بعض کا بلکہ اس امر میں تھی کہ یہ آیت صرف اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے یا اہل کتاب اور اہل اسلام دونوں کے متعلق اگر فرض کرلیا جائے کہ ابوذر اہل اسلام کے لیے ضرورت سے فاضل تمام مال کا راہ خدا میں خرچ کر دینا واجب قرار دیتے تھے اور اس طرح انہونی اور ناممکن العمل بات کے قائل تھے تو یہی الزام معاویہ کو بھی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اہل اسلام کو نہ سہی اہل کتاب کو تمام مال خرچ کر دینا واجب قرار دیتے تھے۔

جناب ابوذر آیت کے شان نزول کے متعلق جس امر کے مدعی تھے یعنی یہ آیت اہل کتاب واہل اسلام دونوں کے متعلق نازل ہوئی۔ روایات واحادیث اور مفسرین کے بیانات سے اسی کی تائید بھی ہوتی ہے خود ابن کثیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ سدی سے روایت کی ہے کہ ھی فی اھل القبلۃ یہ آیت اہل قبلہ کے متعلق نازل ہوئی اس کا بھی تقریباً وہی مفہوم ہے۔

تفسیر خازن میں ہے قال ابن عباس والسدی نزلت فی مانعی الزکاۃ من المسلمین۔ (تفسیر خازن ج ر ۲، ص ر ۲۳۲) ابن عباس وسدی نے کہا ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جناب ابوذر اور دیگر علماء کا قول ہے کہ اس آیت سے مراد اہل کتاب اور اہل اسلام ہیں اور یہی صحیح بھی ہے۔ (تفسیر قرطبی ج ر ۸، ص ر ۱۲۳)

علامہ زمخشری لکھتے ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت میں مراد وہ مسلمان ہوں جو خزانہ جمع کر کے رکھتے اور خرچ نہیں کرتے۔ (تفسیر کشاف ج ر ۲، ص ر ۳۱) علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ جائز ہے کہ آیت میں مراد وہ مسلمان ہوں جو مال حاصل کرتے جمع کر کے رکھتے اور اس کا حق ادا نہیں کرتے۔ (بیضاوی ج ر ۱، ص ر ۴۹۹) شوکانی لکھتے ہیں بہتر یہ ہے کہ آیت کو عموم لفظ پر حمل کیا جائے کہ یہی وسیع ہے۔ (تفسیر شوکانی ج ر ۲، ص ر ۳۳۹) آلوسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ الذین سے مراد یا تو احبار و رہبان ہیں یا مسلمان اور یہی انسب بھی ہے۔ (روح المعانی ج ر ۱۰، ص ر ۸۷) یہ تمام مفسرین ابوذر کے ہمنوا ہیں اور ان کے بیانات کی بنا پر ابوذر ہی کی رائے صحیح ومناسب نظر آتی ہے۔

اب جو لوگ ابوذر کے خلاف گئے ہیں اور آیت کو صرف اہل کتاب سے مخصوص کیا ہے کیوں نہیں ان لوگوں کو بھی وہی عیب لگایا جاتا جو ابوذر پر لگایا جاتا ہے۔ اگر ابوذر ایسے واہیات عقیدہ کے مالک تھے کہ اہل اسلام وغیر اسلام سبھی کو اپنی ضرورت سے فاضل مال خرچ کر دینا واجب ہے۔ تو ابوذر کے مخالف بھی تو کم سے کم اہل کتاب ہی کے لیے یہ بات واجب قرار دیتے ہیں۔

قیامت یہ ہے کہ ابوذر نے انفاق کے مال کے متعلق جو حدیثیں روایت کی ہیں انہیں جیسی اور بھی بہت سی حدیثیں دیگر صحابہ کرام نے روایت کی ہیں لیکن ان صحابہ میں سے کسی بھی صحابی کے بارے میں نفرت وعناد کا وہ مظاہرہ نہیں کیا گیا جیسا کہ ابوذر کے متعلق۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ امامت کے متعلق ان کا نظریہ وہ نہ تھا جو سواد اعظم کا ہے۔ اور وہ ہمیشہ سے حلقہ بگوشان اہل بیت طاہرینؑ وامیرالمومنینؑ سے تھے خاندان بنی امیہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اسی کی پاداش میں ان لوگوں نے ابوذر کو بدنام اور اپنی امکانی قوت سے ان کی رائے کو مہمل وخرافات ثابت کرنے کی کوشش کی۔

نظریہ ابوذر کے موافق دوسرے صحابہ کی روایت:

(۱) عبداللہ بن مسعود صحابی پیغمبرؐ نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبرؐ خدا بلال کے یہاں تشریف لائے وہاں کھجوروں کا ایک ڈھیر دیکھا آپؐ نے دریافت کیا بلال یہ کیا ہے؟ بلال نے عرض کی یارسولؐ اللہ یہ آپؐ کے مہمانوں کے لیے میں نے اکٹھا کیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا بلال تمہیں اس کا خوف نہیں کہ تمہارے لیے آتش جہنم میں دھواں ہو؟ بلال اسے خرچ کر ڈالو۔ اس کا اندیشہ نہ کرو کہ خدا کوئی کمی کر دے گا۔ بزار نے اس حدیث کی اچھی سندوں سے روایت کی ہے۔ طبرانی نے معجم کبیر میں اسے درج کیا ہے۔

(۲) ابوہریرہ نے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ ایک مرتبہ بلال کی عیادت کو تشریف لائے انہوں نے کھجور کا ایک ڈھیر حاضر کیا۔ آپؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بلال نے کہا یہ میں نے آپؐ کے لیے جمع کر رکھا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تمہیں اس کا ڈر نہیں کہ آتش جہنم میں تمہارے لیے دھواں قرار دیا جائے اسے خرچ کر ڈالو اور خدا سے کمی کا خوف نہ کرو۔ (ابویعلیٰ نے اس کی روایت کی ہے اور طبرانی نے معجم کبیر اور اوسط دونوں میں اچھے اسناد سے نقل کیا ہے۔)

(۳) اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں کہ پیغمبرؐ نے مجھ سے فرمایا کوئی شئے سر بمہر نہ کرو کہ تمہیں بھی محروم کر دیا جائے ایک روایت میں ہے کہ خرچ کر ڈالو، یا دے ڈالو یا بخش دو اور محفوظ کر کے نہ رکھو کہ خدا بھی اپنی نعمتوں کو تم سے محفوظ کرے۔ اور خزانہ میں جمع نہ کرو کہ خالق بھی تمہیں محروم کرے۔ (اس حدیث کی بخاری ومسلم وداؤد نے روایت کی ہے۔)

(۴) بلال موذن رسول راوی ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا اے بلال حالت فقیری میں مرو۔ مالداری میں نہ مرو، میں نے عرض کی کیونکر یارسولؐ اللہ آپؐ نے فرمایا جو رزق تمہیں میسر ہو اسے چھپاؤ نہیں جس چیز کا سوال کیا جائے۔ اس سے انکار نہ کرو۔ میں نے عرض کیا یارسولؐ اللہ میں اس پر کیونکر قادر ہو سکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا چاہئے ایسا ہی یا پھر جہنم کا سامنا ہے۔ طبرانی نے کبیر میں اس کی روایت کی ہے، ابن حبان نے کتاب الثواب میں اور امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۵) انس بن مالک راوی ہیں کہ پیغمبرؐ کی خدمت میں تین پرندے بطور ہدیہ پیش کئے گئے آپؐ نے اپنے ایک خادم کو ایک عطا کیا جب دوسرا دن ہوا تو وہ خادم طائر لے کر آیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا کہ کل کے لیے کچھ اٹھا کر نہ رکھا کرو۔ خداوند عالم کل کا رزق خود عطا کرنے والا ہے۔ (ابو یعلیٰ اور بیہقی نے اس کی روایت کی ہے۔ ابو یعلیٰ نے جن لوگوں سے روایت کی ہے وہ سب ثقہ ہیں۔

(۶) انس بن مالک راوی ہیں کہ رسالت مآبؐ کل کے لیے کوئی چیز اٹھا کر نہیں رکھتے۔ ابن حبان نے اپنے صحیح میں اس کی روایت کی ہے اور بیہقی نے سنن میں۔

(۷) سمرہ بن جندب راوی ہیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میں اس حجرہ میں اسی لیے جاتا ہوں کہ کہیں اس میں کوئی مال ایسا نہ رہ جائے جسے میں بغیر خرچ کیے دنیا سے اٹھ جاؤں۔ طبرانی نے معجم کبیر میں اچھے اسناد سے اس کی روایت کی ہے۔

(۸) ابو سعید خدری نے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا مجھے گوارا نہیں کہ وہ احد جتنا میرے پاس سونا ہو اور میں تین دن تک اس حالت سے زندہ رہوں کہ اس سونے سے کچھ بچ رہے سوا اس کے کہ دینی امور کے لیے کچھ محفوظ کر کے رکھوں۔ (بزاز نے اچھے اسناد سے اس کی روایت کی ہے۔)

(۹) ابو امامہ راوی ہیں کہ عہد پیغمبرؐ میں ایک شخص کا انتقال ہو گیا کفن کا سامان نہیں تھا آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اس کے تہہ بند میں دیکھو۔ دیکھا گیا تو ایک یا دو دینار تھے۔ آنحضرت نے فرمایا یہ دو داغ ہیں۔

(۱۰) اہل صفہ میں ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس کے رداء میں ایک دینار پایا گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا یہ ایک داغ ہے پھر دوسرے شخص کا انتقال ہوا اس کے تہہ بند میں دو دینار پائے گئے آپؐ نے فرمایا۔ یہ دو داغ ہی۔ (امام طبرانی اور ابن حبان نے متعدد طریقوں سے اس کی روایت کی ہے۔)

(۱۱) سلمہ بن اکوع راوی ہیں کہ میں پیغمبرؐ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جنازہ لایا گیا پھر دوسرا جنازہ آپہنچا آپؐ نے پہلے کے متعلق پوچھا کہ اس نے کوئی قرضہ چھوڑا ہے لوگوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے دوسرے کے متعلق پوچھا اور اس نے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ تین اشرفیاں۔ آپؐ نے فرمایا اس کی انگیوں میں یہ تین داغ ہیں۔ (مسند احمد، صحیح بخاری، صحیح ابن حبان)

(۱۲) ابو ہریرہ راوی ہیں کہ ایک اعرابی پیغمبرؐ کے ساتھ جنگ خیبر میں شریک ہوا اسے اپنے حصہ میں دو دینار ملے اس نے اپنے کپڑے میں سی لیا جب اس کا انتقال ہوا تو وہ دونوں دینار اس کے کپڑے میں پائے گئے۔ رسولؐ اللہ سے اس کا تذکرہ کیا گیا آپؐ نے فرمایا یہ دو داغ ہیں۔ (امام احمد نے اچھے اسناد سے اس کی روایت کی ہے۔)

یہ اتنی حدیثیں حافظ منذری نے اپنی کتاب الترغیب والترہیب ج ۱/ص ۲۵۳ تا ۲۵۸ میں نقل کی ہیں)

(۱۳) امام احمد نے مسند میں ابن عباس کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ رسالت مآبؐ کوہ احد کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر ہمارے لیے یہ کوہ احد سونے کا ہو جائے اور میں راہ خدا میں سب کا سب خرچ کرنے کے بعد اپنے مرنے کے دن دو دینار بھی چھوڑ جاؤں تو مجھے پسند نہیں۔

(۱۴) خود ابن کثیر نے اپنی تفسیر ج ۲/ص ۳۵۲ میں عبداللہ بن مسعود کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم بندہ کے لیے خزانہ جمع کر کے رکھنا زیبا نہیں کہ ایک دینار دوسرے دینار سے ٹکرائے اور ایک درہم دوسرے درہم سے مس ہو، اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کی کھال پھیلا کر درہم و دینار علیحدہ علیحدہ رکھے جائیں گے۔

(۱۵) ابن کثیر نے ابی جعفر ابن جریر طبری سے روایت کی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا۔ اگر کوئی شخص اپنے مرنے پر خزانہ چھوڑے گا تو وہ خزانہ بروز قیامت دو پھنوں والے سانپ کی شکل میں بنا دیا جائے گا۔ وہ سانپ اس کا پیچھا کرے گا۔ یہ شخص پوچھے گا کمبخت تو کون ہے؟ وہ کہے گا میں تمہارا خزانہ ہوں جسے تم چھوڑ کر مرے تھے۔ وہ سانپ برابر اس کا پیچھا کرے گا۔ یہاں تک کہ پہلے اس کا ہاتھ نگل جائے گا پھر اس کا تمام بدن۔

(۱۶) ابن کثیر ہی نے اپنی تفسیر ج ۲/ص ۲۵۲ میں ابن ابی حاتم سے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا جو شخص مرنے پر سونا چاندی چھوڑ کر مرے گا آتش جہنم سے سر سے لے کر پیر تک داغا جائے گا۔

(۱۷) ابن کثیر نے ابویعلیٰ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا دینار اور درہم پر درہم نہ رکھے جائیں رکھنے والوں کی انہیں درہم و دینار سے پیشانی پیٹھ داغی جائیں گے اور کہا جائے گا کہ یہ وہ خزانہ ہے جو تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا تھا اب اس کا مزہ چکھو۔

(۱۸) امام احمد نے عبداللہ بن ہذیل کے واسطے سے روایت کی ہے ابن ہذیل کہتے تھے کہ میرے ایک دوست نے بیان کیا کہ پیغمبرؐ خدا نے ارشاد فرمایا۔ ہلاکی ہو سونے اور چاندی کی، میرا دوست عمر ابن خطاب کی معیت میں گیا، عمر نے پوچھا یا رسولؐ اللہ آپ فرماتے ہیں کہ سونے اور چاندی کی بربادی ہو تو آخر ہم جمع کر کے کیا رکھیں؟ آپؐ نے فرمایا ذکر خدا کرنے والی زبان شکر ادا کرنے والا دل اور وہ زوجہ جو قیامت کے امور میں معین ہو۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲/ص ۳۵۱)

(۱۹) امام احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے سالم بن ابی الجعد سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت الذین یکنزون الذھب والفضۃ نازل ہوئی تو لوگوں نے پوچھا پھر کون مال ہم جمع کریں۔ حضرت عمر نے کہا میں اسے رسولؐ اللہ سے

دریافت کرتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا شکر ادا کرنے والا دل ذکرِ خدا کرنے والی زبان اور وہ زوجہ جو دین میں تمہاری معین ہو۔

(۲۰) امام احمد نے مسند ج ۱/ص ۶۴/ میں حضرت عثمان کے واسطے سے روایت کی ہے کہ انسانی ضرورت کی چیزیں مکان، روٹی، کپڑا اور پانی ہے۔ اس سے فاضل چیزوں میں فرزند آدم کو کوئی حق نہیں۔ (حلیۃ الاولیاج ۱/ص ۶۱/)

یہ چند حدیثیں بطور نمونہ نقل کی گئیں ان حدیثوں کو ائمہ فقہ، حفاظ حدیث اور بڑے بڑے مفسرین نے اپنی تالیفات میں ذکر کیا ہے اور دنیا سے بے نیازی اور مستحب خیر و خیرات کی طرف لوگوں کو رغبت دلانے کے لیے اور خزانہ جمع کرنے، ذخیرہ اکٹھا کرنے سے ڈرانے کے لیے بطور ثبوت پیش کی ہیں، انتہائی حیرت و استعجاب ہے کہ ان تمام حدیثوں میں سے کسی حدیث کے راوی پر کسی نے بھی لب کشائی نہیں کی نہ وہ اتہامات عائد کئے جو ابوذر پر عائد کئے جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان تمام حدیثوں کے ظاہری معنی کبھی بھی مقصود نہ ہوں گے۔ علمائے اسلام ان تمام احادیث میں کوئی نہ کوئی تاویل و توجیہ ضرور کرتے ہوں گے۔ تو اگر اتنی حدیثوں میں تاویل کی گنجائش ہے تو ابوذر نے جو حدیثیں بیان کی ہیں۔ ان میں تاویل کیوں نہیں کی جاسکتی۔ ابوذر کی بیان کردہ حدیثیں اور یہ دونوں حدیثیں تو بالکل ملتی جلتی ایک دوسرے کی ترجمان ہیں پھر کیا چیز مانع تھی کہ ابوذر کی بیان کردہ حدیثوں سے تو ظاہری معنی مراد لئے جائیں اور ان کو ہدف ملامت بنایا جائے کہ وہ ضرورت سے ذرا بھی فاضل مال کو جمع کرنے کے مخالف تھے اور ان حدیثوں کے ظاہری معنی مراد لینے کے بجائے تاویل کی جائے دوسرے معنی پہنائے جائیں۔

ابوذر غریب نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ دنیا سے بالکل بے نیازی اختیار کرلی جائے۔ ان کی ناراضی تو صرف ان لوگوں پر تھی جنہوں نے ناجائز طریقہ پر سونا چاندی ذخیرہ کیا اور خزانوں میں سر بمہر کر کے رکھا جیسا کہ ہم مفصلاً بیان کر چکے ہیں۔

ابن کثیر کو اپنے اس دعویٰ پر کہ ابوذر ضرورت سے فاضل مال محفوظ رکھنے کو حرام قرار دیتے تھے چونکہ کوئی ٹھوس ثبوت اور ابوذر کا کوئی واضح قول نہیں مل سکا اس لیے انہوں نے ابوذر کے عمل کو پیش کر کے اپنا مطلب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''ابوذر جن دنوں میں شام میں معاویہ کے پاس تھے، ایک دن معاویہ نے انہیں اپنے دربار میں بلا بھیجا یہ آزمانے کے لیے کہ دیکھیں جیسا کہتے ہیں ویسا کرتے بھی ہیں یا نہیں معاویہ نے انہیں ہزار دینار دیئے جسے ابوذر نے اسی دن تقسیم کر دیا۔ پھر معاویہ کے آدمی نے آکر کہا کہ میں ہزار دینار غلطی سے آپ کے پاس لے کر آگیا وہ دوسرے کو پہنچانا تھا۔ آپ مجھے

واپس کردیجئے ابوذر نے کہا وہ تو سب خرچ ہوگئے۔ میرے روپئے جب آجائیں تو میں واپس کروں گا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ ابن کثیر نے ابوذر کے اس واقعہ کو کس چیز کے ثبوت میں پیش کیا ہے اس سے تو بس فقط ان کا محیر العقول زہد وورع اور دنیا سے بے نیازی ظاہر ہوتی ہے ان کا یہ عمل نہ تو ان کے کسی فتوے کے بنا پر تھا نہ ضرورت سے فاضل خرچ کردینے کو واجب قرار دینے کی وجہ سے تھا یہ تو ان کے جود وسخا زہد و پرہیز گاری کی اعلیٰ مثال ہے۔ اور بس۔ ایسا ہی زہد اور دنیا سے بے نیازی سید البشر حضرت خاتم النبیین سے ظاہر ہو چکی ہے کہ آپؐ نے وقت انتقال نہ درہم چھوڑا نہ دینار نہ غلام نہ کنیز نہ بکری نہ اونٹ بلکہ آپ کی زرہ ۳۰ صاع کے عوض یہودی کے یہاں رہن تھی یہی طرز عمل تھا اہل بیت طاہرین علیہم السلام کا جو خدا کی محبت میں روزہ رکھتے اور اپنے سامنے کا کھانا اٹھا کر مسکین ویتیم واسیر کو بخش دیتے۔ پانی سے صرف افطار کر کے دوسرے دن کے روزہ کی نیت کر لیتے تھے، سبط اکبر حضرت حسن مجتبیٰؑ کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ آپؑ نے دو مرتبہ اپنا سارا مال راہِ خدا میں لٹا دیا اور تین مرتبہ اپنا آدھا مال ومتاع خیرات کر دیا۔

امت پیغمبر میں ابوذر جیسے اور بھی بہت سے زاہد گزرے ہیں جنہوں نے راہ خدا میں ایک ایک تنکا اپنا لٹا دیا اور مسلمانوں نے ان کے اس فعل کو ان کی فضیلت سمجھا لیکن افسوس یہی فعل ابوذر جیسے عظیم المرتبت صحابی پیغمبر کے لیے جو امت محمد میں شبیہ عیسیٰ مریم تھے۔ حرف گیری وملامت کا سبب بن گیا اور مسلمانوں نے یہ کہہ دیا کہ وہ اس کا فتویٰ دیتے تھے اور ضرورت سے فاضل تھوڑا مال وزر بھی بچا رکھنے کو حرام قرار دیتے تھے۔

تیسرا شاھد:

جمعیت علمائے جامعہ ازہر نے اپنے مقالہ میں تیسرے شاہد ابن حجر کو پیش کیا ہے کاش جمعیت ابن حجر کی عبارت کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں نہ ہی پیش کرتی تو زیادہ بہتر تھا۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری ج ر ۱، ص ر ۲۱۳ پر جو گراں قدر لفظیں مدح ابوذر میں صرف کی ہیں ان سے جمعیت کا دعویٰ بجائے ثابت ہونے کے خاک میں مل جاتا ہے انہوں نے ابوذر کے متعلق وہ تمام باتیں لکھی ہیں جو ہم بیان کر آئے ہیں پیغمبرؐ کی ان سے وصیت، ربذہ جلاوطن کئے جانے کی پیشن گوئی، ان کی مظلومی اور عام غربت وبے چارگی میں موت وغیرہ اس طرح ابن حجر کی تحریر سے جمعیت کے دعویٰ کی تردید بھی ہوتی ہے اور خود ابن حجر کے اس فقرے کی بھی جو جمعیت نے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

منجملہ اور باتوں کے جو ابن حجر نے بعض علمائے اعلام سے نقل کر کے لکھی ہیں یہ جملہ بھی ہے۔ الصحیح ان انکاد ابی ذر کان علی السلاطین الذین یا خذون المال لا نفسھم ولا ینفقونہ فی وجھہ۔ صحیح یہ ہے کہ

ابو ذر کی ناراضی و برہمی ان سلاطین پر تھی جو مال کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے اور جہاں خرچ کرنا چاہئے نہیں خرچ کرتے تھے۔

غور کیجئے جب ابن حجر اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابو ذر کی برہمی صرف ان سلاطین پر تھی جو مال کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے تو پھر ابن حجر کے اس قول کی کیا وقعت رہ جاتی ہے کہ برائی کا دفع کرنا مقدم ہے بھلائی حاصل کرنے پر اسی سبب سے عثمان نے ابو ذر کو ربذہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا حالانکہ مدینہ میں ان کے قیام سے طالب علم کو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوتا۔

یہ تھے شاہد جمعیت کے اور ان کی عبارتوں میں جتنی صداقت تھی وہ بھی آپ نے دیکھ لی۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ جب بنیاد ہی اتنی کمزور تھی تو اس پر قائم شدہ عمارت کا کیا حشر ہونا چاہئے اس موقع پر ہم پھر کہتے ہیں کہ جناب ابو ذر کے کمیونزم کو ثابت کرنے کے لیے جمعیت مفتیان جامعہ ازہر نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ انتہائی رکیک اور مہمل ہیں اس لیے کہ جمعیت نے اپنے مقالے میں جو دعوے کئے ہیں اور ان کے اثبات میں جو دلائل پیش کئے ہیں انہیں بفرض محال تسلیم کر بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ جناب ابو ذر کا یہ نظریہ ثابت ہوتا ہے کہ احتیاج سے فاضل مال کا راہِ خدا میں خرچ کر دینا واجب ہے۔ اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ انسان کے پاس ضرورت کے لائق جتنا مال ہو اس پر تصرف کرنے کا اسے پورا حق حاصل ہے لیکن ایک کمیونسٹ یہ نہیں کہتا وہ تو سرے سے انفرادی ملکیت ہی کا منکر ہے کسی کی دولت ذاتی دولت میں نہ وہ اپنی ذات میں خرچ کرنے کا مجاز ہے بلکہ حکومت ضرورت کے لائق اسے خرچ دے گی یا جو ضرورتیں اس کی ہوں گی وہ پوری کرے گی۔

صحیح تو یہ ہے کہ ابو ذر اس کے بھی قائل نہ تھے کہ ضرورت سے فاضل تمام مال کا راہِ خدا میں خرچ کرنا واجب ہے ان کا منشا تو یہ تھا کہ انسان صرف حقوق واجب یعنی زکوٰۃ و خمس ہی پر اکتفا نہ کرے بشریت و انسانیت کے تقاضوں کے بنا پر جو دوسرے حقوق عائد ہوتے ہیں جیسے صلہ رحم، ہمسایہ نوازی، ایتام پرستی، غربا کی دستگیری ان سے بھی باز نہ رہے۔ یہ اخراجات واجب نہیں ہاں مستحب ضرور ہیں۔

اب کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے اس میں کہ جمعیت مفتیان مصر نے ابو ذر کی طرف جتنی باتیں منسوب کی ہیں قطعاً ناروا اور ان کا مقالہ انصاف و دیانت کے بالکل برخلاف ہے۔

ضرورت تھی کہ ابو ذر کے کمیونسٹ ہونے کے متعلق دیگر اربابِ قلم نے جو خانہ فرسائیاں کی ہیں ان پر بھی تبصرہ کر دیا جاتا۔ محمد خضری کی محاضرات ج/۲، ص/۳۶۔ ۳۷ عبد الحمید بک العبادی صدر شعبۂ ادب کی ''صور من التاریخ الاسلامی ص/۱۰۹ تا ۱۱۳، احمد امین کی فجر الاسلام ج/۱، ص/۱۳۶، محمد احمد جاو المولی بک کی انصاف عثمان، صادق ابراہیم عرجون کی عثمان بن عفان ص/۳۵، عبد الوہاب النجار کی الخلفاء الراشدون ص/۳۱۷، اور انہیں جیسے دیگر مصنفین جو زبردستی مورخ بن

بیٹھے ہیں لیکن ان تمام لوگوں نے تمام تر وہی باتیں لکھی ہوئی ہیں جن کی رکاکت و مہملیت کو ہم گزشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں۔

البتہ محمد حضرمی اور احمد امین وغیرہ نے ایک نئی اپج یہ کی ہے کہ ابوذر نے کمیونزم کے اصول عبداللہ بن سبا یہودی سے حاصل کئے۔ ان لوگوں کا ماخذ طبری کی وہی روایت ہے جسے سری سے انہوں نے سنا۔ سری والے سلسلہ واسناد پر ہم ص ر ۲۵۷ میں پوری روشنی ڈال چکے ہیں اور جن جن راویوں سے سری کی حدیثیں طبری تک پہنچی ہیں ان کے کذب وضع حدیث، افراء بہتان کا ثبوت خود اکابر علمائے حدیث کے بیانات سے دے چکے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ کہ عبداللہ بن سبا جس کے یہودی، مفسد، فتنہ انگیز ہونے، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی ہمہ گیر شہرت ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کے خلاف مصر کے مسلمانوں کو اسی نے ابھارا تھا جس نے شہر شہر گھوم گھوم کر فتنہ وفساد کے بیج بوئے اور ساری دنیائے اسلام کو خلافت مآب کے خلاف صف آرا کر دیا۔ اس کی طرف کسی نے تیکھی نگاہوں سے نہیں دیکھا نہ حکومت وقت نے اس کی روک تھام کی۔ نہ اسلامی شہروں سے اسے نکال باہر کیا بلکہ اسے کھلے بندوں آزاد چھوڑ دیا کہ اپنی من مانی حرکتیں کرتا رہے اور ساری سختی ہر قسم کا تشدد جلیل القدر، عظیم المرتبت صحابہ اور نیکو کار مومنین سے مخصوص کر دیا گیا جیسے ابوذر، عبداللہ ابن مسعود، عمار بن یاسر، مالک اشتر، زید، صعصعہ، فرزندان صوحان، جندب بن زبیر، کعب بن یزید ارحبی، عامر بن قیس، مشہور زاہد عبادت گذار عمرو بن حمق، عروہ بارقی، کمیل بن زیاد، حارث ہمدانی فقیہ کہ ان بزرگوں میں سے کسی کو ایسا جلاوطن کیا گیا کہ گھر پلٹنے کی نوبت نہ آئی، عالم غربت و بے چارگی ہی میں انتقال ہوا۔ کسی کی ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دی گئی کسی کو جی کھول کر گالیاں دی گئیں۔

ان سب سے پیشتر خود حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کو حضرت عثمان نے مدینہ سے نکال باہر کرنا چاہا جیسا کہ آئندہ ہم اس کی تفصیل کریں گے کئی مرتبہ آپؑ کو ینبع چلے جانے پر مجبور کیا تا کہ لوگ خلافت کے لیے آپؑ کا نام نہ لیں۔ ابن عباس سے کہا اپنے ابن عم (علی) کو ذرا روکو۔ ابن عباس نے کہا کہ میرے ابن عم ایسے نہیں کہ ان کو رائے بتائی جائے وہ خود اپنے متعلق بہتر رائے قائم کرنے والے ہیں آپ اگر کچھ پیغام دینا چاہیں تو میں وہ پیغام پہنچا سکتا ہوں۔ حضرت عثمان نے کہا ان سے کہہ دو کہ وہ اپنی جائداد ینبع چلے جائیں نہ انہیں مجھ سے رنج پہنچے نہ میں ان سے رنجیدہ ہوں ابن عباس نے آ کر حضرت امیرالمومنینؑ سے یہ پیغام بیان کیا آپؑ نے فرمایا کہ عثمان نے مجھے پانی ڈھونے والا اونٹ قرار دیا ہے میں ینبع کے پھیرے ہی کرتا رہوں؟ ایک مرتبہ کہلا بھیجا کہ ینبع چلے جاؤ پھر پیغام بھیجا کہ جلدی آجایئے اور اب کہلا بھیجا ہے کہ پھر ینبع چلا جاؤں۔ خدا کی قسم میں ان کی باتوں سے اتنا درگزر کر رہا ہوں کہ خوف ہے کہیں گنہگار نہ ہو جاؤں۔ (نہج البلاغہ ج ر ا ص ر ۴۶۸) عقد الفرید ج ر ۲ ص ر ۲۷۴)

ہر شخص پوچھنے کا یہ حق رکھتا ہے کہ آخر ابن سبا اور ان کے ساتھیوں پر حکومت نے کیوں نہیں پابندیاں عائد کیں جنہوں نے شہر شہر گاؤں گاؤں فتنہ وفساد پھیلا رکھا تھا اور ان مقدس اور خالص الایمان مومنین پر کیوں نزلہ اتارا گیا۔ جن کا مطمح نظر محض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر رہا۔

کیا عبداللہ بن سبا کو ختم کر کے سولی دے کر ہاتھ و پیر اس کا کاٹ کر یا سرزمین اسلام سے نکال باہر کر کے فتنہ وفساد کی اصل جڑ ہی کاٹی نہیں جا سکتی تھی؟

حضرت عثمان نے مقدس صحابہ پیغمبر سے اس مرد گمراہ وگمراہ کن کے متعلق تو کبھی مشورہ لیا نہیں کہ کیا کیا جائے؟ اور اس کی فتنہ انگیزیوں کا کیونکر انسداد ہو؟ اور ابوذر ایسے عظیم المرتبت صحابی پیغمبر کے متعلق اپنے عزیز واقارب بنی امیہ کی اولاد سے مشورہ کے لیے فوراً تیار ہو گئے۔ اشیروا علی فی هذا الشیخ الکذاب اما ان اضربه او احبسه او اقتله فانه قد فرق جماعة المسلمین انفیه اومن الارض الاسلام۔ مجھے مشورہ دو کہ میں اس بڈھے، اور بہت بڑے جھوٹے کے متعلق کیا کروں، ماروں، پیٹوں، قید میں ڈال دوں، قتل کر ڈالوں یا اسلامی حدود سے نکال باہر کروں کہ اس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔

بے شک عبداللہ بن سبا بڑا مفسد وفتنہ انگیز، کفر والحاد کا سرچشمہ تھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں میں اپنے گندے عقائد کی نشر واشاعت کرتا رہا مگر یہ ہرگز ثابت نہیں کہ وہ کمیونزم کا عقیدہ رکھتا تھا نہ یہی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسی نے حضرت عثمان کے مخالفین کو ان کی جان لینے پر تیار کیا کیونکہ خود مسلمان خصوصیت کے ساتھ حضرت عثمان سے بگڑ بیٹھے تھے اور وہ مسلمان تمام تو صحابہ رسول تھے جو کسی بہکانے والے کے بہکانے میں آنے کے نہیں نہ کسی کی فتنہ انگیزی ومفسدہ پردازی میں پڑنے والے تھے جیسے ابوذر، عمار، مالک اشتر، عبداللہ بن مسعود وغیرہ حضرت خاتم النبیینؐ کی صحبت کے باریاب صحابی جنہوں نے مدتوں شمع رسالت سے اکتساب نور کیا تھا بھلا کسی گمراہ کی گمراہی ایسے بزرگوں پر کیا اثر انداز ہو سکتی تھی؟

کسی صحیح تاریخ سے یہ بھی نہیں ملتا کہ ابن سبا کی ان بزرگوں سے ملاقات بھی ہوئی ہو چہ جائیکہ وہ ان حضرات کی نفسیات میں دخیل ہوا ہو اور انہیں کے ہاتھوں سے فتنہ وفساد برپا کرنے مسلمانوں کا شیرازہ مٹانے کی کوشش کی ہو کیوں کہ نہیں حضرت عثمان نے اس کی جماعت کو پراگندہ کر کے انہیں کیفر کردار کو پہنچا کر مسلمانوں کو آرام کی سانس لینے کا موقع دیا جس طرح حضرت امیر المومنینؑ نے اپنے عہد خلافت میں کیا کہ انہیں تہس نہس کر کے قیامت تک کے لیے ان کا نام ونشان تک مٹا دیا۔

ساتواں باب

اکابر صحابہ کے ساتھ بدسلوکی

مسجد نبوی سے صحابی پیغمبر عبداللہ بن مسعود کا اخراج

علامہ بلاذری لکھتے ہیں: عبداللہ بن مسعود نے جب بیت المال کی کنجیاں گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کے سامنے پھینک دیں تو یہ جملہ بھی کہا:

من غیّر غیر اللہ مابہ ومن بدل اسخط اللہ علیہ وما ارایٔ صاحبکم الا وقد غیر وبدل ایعزل مثل سعد ابن ابی وقاص ویولی الولید۔

جو الٹ پھیر کرے گا خدا بھی اسے تہہ و بالا کر دے گا جو تبدیلی کا مرتکب ہوگا خدا اس پر ناراض ہوگا میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تمہارے صاحب نے الٹ پھیر بھی کیا ہے اور تبدیلی کے بھی مرتکب ہوئے۔

کیا صحابی پیغمبر سعد ابن ابی وقاص اس قابل ہیں کہ انہیں معزول کر دیا جائے اور ولید بن عقبہ اس قابل ہے کہ اسے حاکم مقرر کیا جائے۔

وہ اکثر یہ بھی کہا کرتے:

ان اصدق القول کتاب اللہ واحسن الھدیٰ ھدی محمد وشر الفتن محدثا تہا وکل محدث بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔

سب سے زیادہ صحیح قول کتاب الٰہی ہے اور سب سے عمدہ ہدایت محمد مصطفیؐ کی ہدایت ہے اور بدترین امور نت نئی باتیں ہیں اور ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

ولید بن عقبہ نے ان باتوں کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی اور لکھا کہ ابن مسعود آپ کو عیب لگاتے اور برا بھلا کہتے ہیں۔ حضرت عثمان نے ولید کو لکھا کہ تم عبداللہ بن مسعود کو میرے پاس روانہ کرو۔ اس حکم کی اطلاع پا کر کوفہ کے لوگ ابن مسعود کے پاس اکٹھا ہوئے اور عرض داشت پیش کی کہ آپ یہیں قیام کیجئے ہم آپ کو کوئی گزند پہنچنے نہیں دیں گے عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا کہ حکومت کی اطاعت مجھ پر فرض ہے مجھے یہ بھی گوارہ نہیں کہ میں ہی پہلے پہل فتنہ وفساد کا دروازہ کھولوں، انہوں نے لوگوں کو واپس کر دیا اور مدینہ کے لیے چل کھڑے ہوئے۔

اہل کوفہ رخصت کرنے کے لیے ساتھ ساتھ چلے ابن مسعود نے تقویٰ اختیار کرنے قرآن سے وابستہ رہنے کی وصیت کی۔کوفہ والوں نے ان لفظوں میں خراج عقیدت پیش کیا کہ ''خدا آپ کو جزائے خیر عنایت کرے آپ نے ہمارے جاہلوں کو زیور علم سے آراستہ کیا ہمارے عالموں کو مستحکم بنایا۔ہمیں قرآن پڑھنا سکھایا اور دینی مسائل تعلیم کئے آپ اسلام کے بہت اچھے بھائی اور بہترین خلیل ہیں۔''اس کے بعد رخصت ہو کر اپنے گھروں کو واپس گئے۔عبداللہ بن مسعود جس وقت مدینہ پہنچے حضرت عثمان منبر پر خطبہ فرما رہے تھے ابن مسعود کو دیکھ کر گویا ہوئے۔ الا انه قد قدمت عليكم دويبة سوءٍ من يمشي على طعامه يقي ويسلح دیکھو ذلیل جانور تمہاری طرف آرہا ہے جو اپنے کھانے پر چلتا ہے قے کرتا ہے اور لید کرتا ہے ابن مسعود نے کہا ایسا نہیں البتہ میں پیغمبرؐ کا صحابی ہوں۔میں جنگ بدر میں بھی آنحضرتؐ کے ہم کاب تھا اور بیعۃ الرضوان میں شریک تھا۔

حضرت عائشہ نے اپنے حجرہ سے پکار کر کہا عثمان تم صحابی پیغمبر کے لیے ایسی بات کہہ رہے ہو؟

پھر حضرت عثمان کے حکم دینے پر بہت نازیبا طریقہ سے وہ مسجد سے نکال دیئے گئے۔عبداللہ بن زمعہ نے انہیں زمین پر پٹک بھی دیا۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کے غلام یحموم نے عبداللہ بن مسعود کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر زمین پر پٹک دیا جس سے ان کی پسلی چور ہوگئی۔حضرت امیرالمومنینؑ علی ابن ابی طالبؑ نے کہا آپ ولید بن عقبہ کے کہنے سننے پر صحابی رسول کے ساتھ ایسی بدسلوکی کر رہے ہیں۔حضرت عثمان نے جواب دیا میں نے ولید کے کہنے پر ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے زبید بن صلت کندی کو کوفہ بھیجا تھا خود اس سے ابن مسعود نے کہا کہ عثمان کا خون حلال ہے حضرت امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ زبید بن صلت بھی قابل اعتبار نہیں تھا جس کے بیان پر آپ نے ابن مسعود کے ساتھ یہ سلوک مناسب سمجھا۔

واقدی کی لفظوں کا ترجمہ یہ ہے کہ جب ابن مسعود مدینہ پہنچے تو جمعہ کی رات تھی۔حضرت عثمان کو جب ان کی آمد کی اطلاع ملی تو کہا لوگو! آج کی شب تمہارے پاس وہ ذلیل جانور آرہا ہے جو اپنی غذا پر چلتا ہے اسی پر قئے کرتا ہے اور لید کرتا ہے۔ ابن مسعود نے کہا میں ایسا نہیں البتہ میں پیغمبرؐ کا صحابی ہوں میں جنگ بدر میں پیغمبرؐ کے ساتھ رہا اور بیعت الرضوان میں بھی۔ جنگ خندق میں بھی ہم کاب تھا جنگ حنین میں بھی۔حضرت عائشہ اپنے حجرہ سے چیخیں اے عثمان تم پیغمبرؐ کے صحابی کے لیے ایسا کہتے ہو؟عثمان نے کہا آپ چپ ہی رہئے۔پھر حضرت عثمان نے عبداللہ بن زمعہ کو حکم دیا کہ دھکے دے کر نکال دو۔ابن زمعہ نے ابن مسعود کو دونوں ہاتھوں پر اٹھالیا اور مسجد کے دروازے پر لا کر پٹک دیا جس کی وجہ سے ان کی ایک پسلی ٹوٹ گئی ابن مسعود نے کہا ابن زمعہ کافر نے مجھے عثمان کے حکم سے قتل کر ڈالا۔

بلاذری لکھتے ہیں۔ ''حضرت امیرالمومنینؑ ابن مسعود کی خبر گیری کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کو اپنے گھر لائے، ابن مسعود مدینہ ہی میں رہے حضرت عثمان انہیں کسی دوسری جگہ جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے جب ابن مسعود علاج معالجہ سے ٹھیک ہوگئے تو جہاد میں شرکت کے خواہشمند ہوئے۔ حضرت عثمان نے اس سے بھی انہیں روک دیا۔ مروان نے حضرت عثمان سے کہا کہ ابن مسعود نے پورے عراق کو آپ کے خلاف کر دیا ہے آپ چاہتے ہیں کہ اب وہ شام والوں کو بھی آپ کے خلاف کر دیں چنانچہ وہ انتقال کے وقت تک مدینہ ہی میں رہے۔ قتل عثمان سے دو برس پہلے مدینہ میں ان کا انتقال ہوا۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ وہ مدینہ میں سعد بن ابی وقاص کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عثمان ان کی عیادت کے لیے آئے۔ ان دونوں میں باہم اس طرح باتیں ہوئیں۔

حضرت عثمان۔ آپ کو کیا تکلیف ہے؟

ابن مسعود۔ اپنے گناہوں کی تکلیف ہے۔

حضرت عثمان۔ آپ کا جی کیا چاہتا ہے؟

ابن مسعود اپنے پروردگار کی رحمت کا متمنی ہوں۔

حضرت عثمان۔ میں آپ کے لیے کسی طبیب کو بلاؤں۔

ابن مسعود۔ طبیب ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے۔

حضرت عثمان۔ میں آپ کا مشاہرہ دلوا دوں؟

ابن مسعود نے دو برس سے مشاہرہ نہیں پایا تھا۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۷ ؍ ص ؍ ۱۶۳)

ابن مسعود۔ جب میں اس کا ضرورت مند تھا تب تو آپ نے مجھے دیا نہیں اور اب جب کہ مجھے اس کی احتیاج نہیں رہی آپ دینے پر آمادہ ہیں۔

حضرت عثمان۔ آپ کے بچوں کے کام آئے گا۔

ابن مسعود۔ ان کے رزق کا کفیل خدا ہے۔

حضرت عثمان۔ میری بخشائش کا خدا سے سوال کیجئے۔

ابن مسعود۔ میں خدا سے دعا کروں گا کہ وہ آپ سے میرا پورا پورا حق وصول کرے۔

ابن مسعود نے وصیت کی کہ میرے جنازہ کی نماز عثمان نہ پڑھیں مرنے پر بقیع میں دفن ہوئے۔ عثمان کو کوئی اطلاع

نہ ہوئی۔ جب انہیں معلوم ہوا تو بے حد غضبناک ہوئے اور کہا کہ تم لوگوں نے مجھ پر سبقت کی۔ عمار بن یاسر نے کہا۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ آپ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ (کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵ ص ر ۳۶)

تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ عثمان ابن مسعود کی عیادت کے لئے آئے پوچھا:۔

حضرت عثمان۔ آپ کو کیا تکلیف ہے؟

ابن مسعود۔ اپنے گناہوں کی اذیت ہے۔

حضرت عثمان۔ آپ کا جی کچھ چاہتا ہے؟

ابن مسعود۔ اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہوں۔

حضرت عثمان۔ میں آپ کے لیے کوئی طبیب بلواؤں۔؟

ابن مسعود۔ طبیب ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے۔

حضرت عثمان۔ آپ کا وظیفہ جاری کرادوں؟

(دو برس سے ابن مسعود نے اپنا وظیفہ نہیں پایا تھا)

ابن مسعود۔ مجھے اس کی احتیاج نہیں۔

حضرت عثمان۔ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا۔

ابن مسعود۔ آپ میری بیٹیوں کی ناداری کا اندیشہ کرتے ہیں میں نے اپنی بیٹیوں کو تاکید کر رکھی ہے کہ وہ ہر رات سورہ واقعہ ضرور پڑھا کریں میں نے حضرت پیغمبرؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو شخص ہر شب سورۂ واقعہ پڑھے گا۔ اسے کبھی بھی فاقہ کی نوبت نہ آئے گی۔ (تاریخ ابن کثیر ج ر ۷، ص ر ۱۶۳)

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ ”جب ابن مسعود کی آخری گھڑیاں ہوئیں تو انہوں نے اپنے عیادت کرنے والوں سے کہا۔ میری وصیت قبول کرنے پر کون تیار ہے؟ پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو چونکہ اندازہ تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اس لیے کسی کی ہمت بولنے کی نہ ہوئی انہوں نے پھر اپنی بات دہرائی کہ کون میری وصیت پوری کرے گا؟ جناب عمار نے کہا میں آپ کی وصیت قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔ ابن مسعود نے کہا میری وصیت بس اتنی ہی ہے کہ عثمان میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں۔ عمار نے کہا ایسا ہی ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ جب ابن مسعود دفن کر دیئے گئے تو حضرت عثمان برہمی کے عالم میں پہنچے۔ کسی نے بتایا کہ دفن وکفن کے

منتظم عمار تھے انہیں سے ابن مسعود نے وصیت کی تھی۔ انہوں نے عمار سے پوچھا تم نے مجھے خبر کیوں نہیں کی۔ عمار نے کہا ابن مسعود نے مجھے وصیت کی تھی کہ آپ کو خبر نہ ہونے دوں۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج/۱ص/۲۳۶)

یعقوبی لکھتے ہیں:

عبداللہ بن مسعود مرض الموت میں مبتلا ہوئے حضرت عثمان ان کی عیادت کے لیے آئے پوچھا یہ تمہاری کیسی باتیں مجھے معلوم ہوتی رہی ہیں۔ ابن مسعود نے کہا کچھ بھی نہیں سوا اس کے کہ آپ نے جو میرے ساتھ برے سلوک کئے ہیں ان کا تذکرہ میں نے لوگوں سے کیا آپ ہی کے حکم سے میرا شکم لاتوں سے روندا گیا۔ اور مجھ پر ایسی بے ہوشی طاری ہوئی کہ میری ظہر کی نماز بھی قضا ہوگئی اور عصر کی بھی، آپ نے میرا بیت المال سے مقررہ وظیفہ بند کر دیا۔ حضرت عثمان نے کہا میں سب کا بدلہ چکانے پر تیار ہوں تم وہ ساری باتیں میرے ساتھ کر سکتے ہو۔ ابن مسعود نے کہا میں خلفاء سے قصاص لینے کی رسم جاری کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت عثمان نے کہا اچھا یہ اپنا وظیفہ لے لو۔ ابن مسعود نے کہا جب میں محتاج تھا تب تو آپ نے محروم رکھا اور جب میں اس سے بے نیاز ہوں تو آپ دینے پر آمادہ ہیں۔ مجھے اس کی حاجت نہیں حضرت عثمان پلٹ آئے اور ابن مسعود مرتے دم تک حضرت عثمان پر غضب ناک رہے۔ (تاریخ یعقوبی ج/۲ص/۱۴۷)

علامہ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان نے ابن مسعود کو محض اس قصور پر کہ ابوذر کے دفن میں کیوں شریک ہوئے ۴۰ کوڑے مارے۔ (شرح ابن ابی الحدید ج/۱ص/۲۳۷)

حلبی لکھتے ہیں:

”منجملہ ان باتوں کے جو حضرت عثمان سے لوگوں کی برہمی کا سبب ہوئیں یہ بھی ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود کو مقید رکھا انہیں معتوب بارگاہ سلطانی قرار دیا۔ ابی ابن کعب کا وظیفہ بند کر دیا۔ عبادہ بن صامت کو معاویہ کی شکایت پر شام سے نکال باہر کیا۔ عمار بن یاسر اور کعب بن عبادہ کو ۲۰۔ ۲۰ کوڑے مارے کعب کو بعض پہاڑوں کی طرف نکال دیا اور عبدالرحمان بن عوف سے کہا انك منافق۔ تم منافق ہو۔ (سیرۃ حلبیہ ج/۲ص/۸۲)

یہ مختصر تذکرہ تھا اس سلوک کا جو عبداللہ ابن مسعود صحابی پیغمبرؐ کے ساتھ برتا گیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ عبداللہ بن مسعود کون تھے اور خدا اور رسولؐ خدا کی نگاہوں میں ان کی کیا عظمت و جلالت تھی نیز ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ جائز تھا یا ناجائز۔

(۱) ابو مسلم اور ابن ماجہ نے سعد بن ابی وقاص کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ آیت:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ (سورہ انعام آیت ر ۵۲)

اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار سے اس کی خوشنودی کی تمنا میں دعائیں مانگا کرتے ہیں ان کو اپنے پاس سے نہ دھتکارو۔ نہ ان کے حساب وکتاب کی جواب دہی تمہارے ذمہ ہے اور نہ تمہارے حساب وکتاب کی جواب دہی کچھ ان کے ذمہ ہے تاکہ تم انہیں اس خیال سے دھتکار بتاؤ تو تم ظالموں کے شمار میں ہو جاؤ گے۔

چھ شخصوں کے متعلق نازل ہوئی انہیں میں ایک عبداللہ بن مسعود بھی ہیں۔

(تفسیر طبری ج ر ۷، ص ر ۱۲۸، مستدرک ج ر ۳، ص ر ۳۱۹، تاریخ ابن عساکر ج ر ۶، ص ر ۱۰۰، تفسیر قرطبی ج ر ۱۶، ص ر ۴۳۳۔ ۴۳۴، تفسیر ابن کثیر ج ر ۲، ص ر ۱۳۵، تفسیر ابن جوزی ج ر ۲، ص ر ۱۰، تفسیر درمنثور ج ر ۲، ص ر ۱۳، تفسیر خازن ج ر ۲، ص ر ۱۸، تفسیر ج ر ۱، ص ر ۴۰۴، تفسیر شوکانی ج ر ۔ ص ر ۱۱۵)

(۲) ابن سعد نے عبداللہ بن مسعود کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ آیت:

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ (سورہ آل عمران آیت ر ۱۷۲)

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد بھی خدا اور رسول کا کہنا مانا ان میں سے جن لوگوں نے نیکی اور پرہیزگاری کی ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔

اٹھارہ شخصوں کے متعلق نازل ہوئی ابن مسعود ان میں سے ایک ہیں۔ ابن کثیر و خازن نے اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ہے کہ ابن مسعود منجملہ ان لوگوں کے ہیں جن کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(۳) شربینی اور خازن نے آیت۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ۔

جو شخص رات کے اوقات میں سجدہ کرے اور کھڑے کھڑے خدا کی عبادت کرتا ہو اور آخرت سے ڈرتا ہو۔

کے متعلق ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ابن مسعود عمار اور سلمان کے متعلق نازل ہوئی۔ اس کی تفصیل آگے چل کر جناب عمار کے ذکر میں ہم کریں گے۔

(۴) حضرت امیر المومنینؑ علی ابن ابی طالبؑ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا:

عبداللہ یوم القیامۃ فی المیزان اثقل من احد۔

بروز قیامت عبداللہ بن مسعود میزان میں کوہ احد سے بھی گراں تر ہوں گے۔

دوسرے لفظوں میں یہی روایت یوں وارد ہے کہ:

والذی نفسی بیدہ لھما یعنی ساقی ابن مسعود اثقل فی المیزان من احد۔

پروردگار عالم کی قسم ابن مسعود کی دونوں پنڈلیاں میزان میں کوہ احد سے بھی بھاری ہیں۔

تیسرے لفظوں میں یہ روایت ہے۔

والذی نفسی بیدہ لساقا عبداللہ یوم القیامۃ اشد واعظم من احد وحراء۔

خدا کی قسم عبداللہ کی پنڈلیاں بروز قیامت شدید و اعظم ہوں گی۔ کوہ احد وحراء سے۔

(مستدرک ج ر ۳،ص ر ۳۱۷،حلیۃ الاولیاج ر ۱،ص ر ۱۲۷، استیعاب ج ر ۱،ص ر ۳۷۱،صفوۃ الصفوۃ ج ر ۱،ص ر ۱۵۷، تاریخ ابن کثیر ج ر ۷، ص ر ۱۶۳، اصابہ ج ر ۲،ص ر ۳۷۰،مجمع الزوائد ہیثمی ج ر ۹،ص ر ۲۸۹،کنز العمال ج ر ۶،ص ر ۱۸۰۔ ۱۸۱، ج ر ۷،ص ر ۵۵)

(۵) علقمہ و عمر سے پیغمبرؐ کی ایک حدیث مروی ہے۔

من سرہ ان یقراء القرآن غضاً اورطباً کما انزل فلیقراہ علی قراۃ ابن ام عبد۔

جو شخص تر و تازہ قرآن کی تلاوت کرنا چاہے جیسا کہ وہ نازل ہوا تھا تو وہ ابن مسعود کی قرأت پر تلاوت کرے۔

(سنن ابن ماجہ ج ر ۱،ص ر ۶۳،حلیۃ الاولیاج ر ۱،ص ر ۱۲۴،مستدرک ج ر ۳،ص ر ۳۱۸،استیعاب ج ر ۱،ص ر ۳۷۱،صفۃ الصفوۃ ج ر ۱،ص ر ۱۵۶،طرح التثریب ج ر ۱،ص ر ۷۵،اصابہ ج ر ۲،ص ر ۳۶۹،مجمع الزوائد ج ر ۹،ص ر ۲۸۷،کنز العمال ج ر ۶،ص ر ۱۸۱)

(۶) ابو درداء سے ایک حدیث مرفوعاً مروی ہے جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا۔

رضیت لامتی مارضی اللہ لھاوابن ام عبدہ وسخطت لامتی ماسخط اللہ لھا وابن ام عبد۔

میں اپنے امت کے لیے انہیں باتوں کو پسند کرتا ہوں جن باتوں کو ابن مسعود پسند کریں اور انہیں باتوں سے ناراض ہوں جن باتوں سے ابن مسعود ناراض ہوں۔

(مستدرک ج ر ۲،ص ر ۳۱۷۔ و ۳۸۱،مجمع الزوائد ج ر ۹،ص ر ۲۹۰، استیعاب ج ر ۱،ص ر ۳۷۱،کنز العمال ج ر ۶،ص ر ۱۸۱، ج ر ۷،ص ر ۵۷)

(۷) عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ مجھ سے پیغمبرؐ خدا نے ارشاد فرمایا:

اذنك علی ان ترفع الحجاب وتسمع سوادق حتی انھاك۔

میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم پردہ ہٹاؤ اور میری پوشیدہ گفتگو سنو تاوقتیکہ میں منع کر دوں۔

(مسند احمد ج ر ۱، ص ر ۳۸۷، سنن ابن ماجہ ج ر ۱، ص ر ۶۳، حلیۃ الاولیا ج ر ۱، ص ر ۱۶۲، استیعاب ج ر ۱، ص ر ۳۷۱، تاریخ ابن کثیر ج ر ۷، ص ر ۱۶۳، اصابہ ج ر ۲، ص ر ۳۶۹)

(۸) ترمذی نے عبداللہ کے واسطے سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے ارشاد فرمایا:

تمسکوا بعهد ابن ام عبد۔

ابن مسعود کے عہد سے متمسک رہو۔

امام احمد کی لفظوں میں یہ روایت یوں ہے۔

تمسکوا بعهد عمار وما حدثکم ابن مسعود فصدقوه۔

عمار کے عہد سے متمسک رہو اور ابن مسعود جو حدیث تم سے بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔

(مسند احمد ج ر ۵، ص ر ۳۸۵، حلیۃ الاولیاء ج ر ۱، ص ر ۱۲۸، تاریخ ابن کثیر ج ر ۲، ص ر ۱۶۲، اصابہ ج ر ۲، ص ر ۳۶۹، کنز العمال ج ر ۷، ص ر ۵۵)

(۹) حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ سے ابن مسعود کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

علم القرآن وعلم السنة ثم انتهى و كفى به علماً۔

انہوں نے قرآن کا علم بھی حاصل کیا اور حدیث کا بھی۔ پھر دونوں کے درجہ انتہا پر پہنچ گئے اور وہ علم میں مکمل ہیں۔

(حلیۃ الاولیا ج ر ۱، ص ر ۱۲۹، مستدرک ج ر ۳، ص ر ۳۱۸، استیعاب ج ر ۱، ص ر ۳۷۳، صفۃ الصفوۃ ج ر ۱، ص ر ۱۵۷)

(۱۰) امام حاکم نے حبۃ العرنی کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ کچھ لوگ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور عبداللہ ابن مسعود کی مدح وثنا کی، حضرت نے فرمایا:

''میں بھی ان کا ایسا ہی مداح ہوں اور اس سے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس کے حرام کو حرام اور حلال کو حلال سمجھا وہ دین میں فقیہ اور سنت کا عالم ہے۔ (مستدک ج ر ۳، ص ر ۳۱۵)

(۱۱) ترمذی نے ثقہ راویوں سے حذیفہ بن یمان صحابی پیغمبرؐ کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

ان اشبه الناس هدیا ودلاً وسمتا بمحمد عبدالله۔

عبداللہ بن مسعود بہ نسبت تمام لوگوں کے مشابہ تر ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰؐ سے رفتار وگفتار، عادات وخصائل میں۔

امام بخاری کی لفظوں میں یہ حدیث یوں ہے۔

ما اعرف احدا اقرب سمتا وھدیا ودلا برسول اللہ من ابن ام عبد۔

میں کسی کو نہیں جانتا جو بمقابلہ ابن مسعود رفتار وگفتار عادات وخصائل میں قریب تر ہو پیغمبرؐ سے۔

ترمذی نے اس کے ساتھ مزید اس جملہ کی بھی روایت کی ہے۔

ولقد علم المحفوظون من اصحاب رسول اللہ ان ابن ام عبد اقربھم الی اللہ زلفیٰ۔

صحابہ پیغمبر کے یقین رکھتے تھے کہ ابن مسعود تمام صحابہ کے بہ نسبت خدا سے قریب تر ہیں۔

حافظ ابونعیم کی لفظیں ہیں:

انہ من اقربھم وسیلۃ یوم القیامۃ۔

بروز قیامت عبداللہ بن مسعود کا سب سے زیادہ قریبی وسیلہ ہوگا۔

استیعاب کی لفظیں ہیں۔

سمع حذیفہ یحلف باللہ ما اعلم احدا اشبہ دلا وھدیا برسول اللہ من حین یخرج من بیتہ الی ان یرجع الیہ من عبداللہ بن مسعود ولقد علم المحفوظون من اصحاب محمد انہ من اقربھم وسیلۃ الی اللہ یوم القیامۃ۔

حذیفہ بن یمان خدا کی قسم کھا کر بیان کیا کرتے پیغمبر خداؐ کے دولت سرا سے برآمد ہونے اور پھر واپس ہونے میں عبداللہ بن مسعود کے علاوہ میں کسی کو نہیں جانتا جو آنحضرتؐ کی چال ڈھال میں آپ کا مشابہ تر ہو۔ محتاط صحابہ پیغمبر کے یقین رکھتے تھے کہ ابن مسعود بروز قیامت سب سے زیادہ قریبی وسیلہ رکھنے والے ہوں گے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب، مسند احمد ج ۵، ص ۳۸۹، مستدرک ج ۳، ص ۲۱۵، وص ۳۳۰، حلیۃ الاولیا ج ۱، ص ۱۲۹، وص ۱۲۷، استیعاب ج ۱، ص ۳۴۲، مصابیح السنہ ج ۲، ص ۲۸۳، صفۃ الصفوۃ ج ۱، ص ۱۴۸-۱۵۶، تاریخ ابن کثیر ج ۲، ص ۱۶۲، الوصول ج ۳، ص ۲۹۷، اصابہ ج ۲، ص ۲۶۹، کنز العمال ج ۷، ص ۵۵)

(۱۲) بخاری ومسلم اور ترمذی نے ابوموسیٰ سے روایت کی ہے کہ جب میں اور میرا بھائی یمن سے آئے تو ہم دونوں ابن مسعود کو پیغمبرؐ کے گھر والوں ہی سے سمجھتے تھے کہ وہ اور ان کی ماں برابر پیغمبرؐ کے پاس آتے جاتے رہتے۔

(مستدرک ج ۳، ص ۳۱۴، مصابیح السنۃ ج ۲، ص ۲۸۴، تیسر الوصول ج ۳، ص ۲۸۹، تاریخ ابن کثیر ج ۷، ص ۱۶۴، مرآۃ الجنان یافعی ج ۱، ص ۸۷، اصابہ ج ۸، ص ۳۶۹)

(۱۳) امام احمد نے عمرو بن عاص کے واسطہ سے روایت کی ہے۔

مات رسول اللہ وھو یحب عبداللہ بن مسعود و عمار بن یاسر۔

رسالت مآب نے مرتے دم تک عبداللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر کو محبوب رکھا۔ (مسند ج ر ۴، ص ر ۲۰۳)

ہیثمی نے ان لفظوں میں روایت کی ہے۔

مات رسول اللہ وھو راض عنہ۔ (مجمع الزوائد ج ر ۹ ص ر ۲۹۰، کنز العمال ج ر)

مرتے دم تک پیغمبر ابن مسعود سے راضی رہے۔

(۱۴) بخاری نے عبداللہ بن مسعود کے واسطہ سے روایت کی ہے۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ کے دہن مبارک سے ستر سورے سنے اور یاد کئے اس وقت زید بن ثابت بچوں میں سے ایک بچہ تھے دوسری لفظوں میں یہ حدیث یوں ہے کہ:

احکمتھا قبل ان یسلم زید بن ثابت ولہ ذوابۃ یلعب مع الغلمان۔ (حلیۃ الاولیا ج ر ۱، ص ر ۱۲۵، استیعاب ج ر ۱ ص ر ۳۷۳، تہذیب التہذیب ج ر ۶ ص ر ۲۸)

میں قرآن مجید کو اس کے معانی و مطالب کے ساتھ اچھی طرح اس وقت یاد کر چکا تھا جب کہ زید بن ثابت ابھی اسلام بھی نہ لائے تھے وہ گیسو رکھے ہوئے (بچے تھے) چھوکروں کے ساتھ کھیلا کرتے۔

(۱۵) بغوی نے تمیم بن حزام سے روایت کی ہے کہ میں اصحاب رسول کی صحبت میں اٹھا بیٹھا میں نے ابن مسعود سے بڑھ کر دنیا سے بے نیاز آخرت کا خواہش مند نہیں پایا۔ (اصابہ ج ر ۲ ص ر ۳۷۰)

بخاری نے اپنی تاریخ ج ر ۱ قسم ر ۲ ص ر ۱۵۲، میں ان لفظوں میں اس حدیث کو درج کیا ہے۔ میں نے ابوبکر و عمر کو بھی دیکھا اور اصحاب محمدؐ کو بھی مگر ابن مسعود سے بڑھ کر۔۔۔۔ الخ۔

(۱۶) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ عبداللہ صاحب سواد رسولؐ اللہ یعنی پیغمبرؐ کے راز دار تھے۔

عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ عبداللہ پیغمبرؐ کے راز دار تھے اور انہیں کی تحویل میں آپ کا مسند، مسواک اور نعلین رہا کرتی۔

علامہ ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ر ۶ ص ر ۲۸، میں اس کی تشریح کی ہے کہ ابن مسعود ہر وقت پیغمبرؐ کے ہمراہ رہا کرتے اور آپؐ کی نعلین مبارک اٹھا کر رکھا کرتے۔ (طبقات ابن سعد ج ر ۳، ص ر ۱۰۸، حلیۃ الاولیا ج ر ۱، ص ر ۱۲۶، استیعاب ج ر ۱، ص ر ۱ / ۳۰۱، صفۃ الصفوۃ ج ر ۱، ص ر ۱۵۶، طرح التثریب ج ر ۱، ص ر ۷۵)

(۱۷) ابووائل سے روایت ہے کہ ابن مسعود نے کہا میں تمام صحابہ میں کتاب خدا کا زیادہ عالم ہوں اور میں ان سے بہتر نہیں ہوں۔ کتاب خدا میں کوئی سورہ یا آیت نہ ہوگی جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور

کب نازل ہوئی۔

ابووائل کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو ابن مسعود کی تکذیب کرتے ان کے دعوے کو جھٹلاتے نہیں سنا۔ (تیسر الوصول ج ۲،ص ۹، استیعاب ج ۲،ص ۲۷۳، مراۃ الجنان یافعی ج ۱،ص ۸۷)

یہ تھے ابن مسعود اور یہ تھی ان کی علمی جلالت ان کی رفتار وگفتار، ان کی صلاحیت اور پیغمبرؐ کی خدمت میں ان کا تقرب خاص۔ انہیں خصوصیات کے ساتھ ان باتوں کو بھی شامل کر لیجئے کہ وہ سابقین اسلام سے تھے اسلام میں چھٹا نمبر ان کا تھا۔ انہیں دوہری ہجرت کا شرف حاصل تھا انہوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر مدینہ کی طرف جنگ بدر جو اسلام کا پہلا غزوہ تھا اس میں بھی شریک رہے اور سارے غزوات میں بھی پیغمبرؐ کے وہ دس صحابی جنہیں آنحضرتؐ نے جنت کی بشارت دی تھی ابن مسعود بھی ان میں سے ایک تھے۔ (استیعاب)

تاریخ وسیرت کا مطالعہ کرنے کے بعد اس حقیقت میں ذرہ برابر آپ کو شک نہ ہوگا کہ علوم قرآن اور سنت پیغمبرؐ کی نشر واشاعت، جاہلوں کی تعلیم، غافلوں کی تنبیہ دین کی حمایت ونصرت، ان کی عادت بن چکی تھی۔ ان تمام باتوں میں وہ پیغمبرؐ سے ملتے جلتے تھے۔ رفتار وگفتار طور وطریق سبھی میں شبیہ رسولؐ تھے۔ ان کے متعلق کسی کو لب کشائی کی جرات یا حرف گیری کی جسارت ہو ہی نہیں سکتی۔ حضرت عمر نے انہیں امور دین کی تعلیم دینے کے لیے اور جناب عمار کو حاکم بنا کر کوفہ بھیجا تھا اور کوفہ والوں کو خط لکھا تھا کہ یہ دونوں نجباء اصحاب محمدؐ سے ہیں اور آنحضرتؐ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک رہ چکے ہیں تم لوگ ان دونوں کی پیروی کرنا اور ان کی باتوں کو دھیان دے کر سننا میں نے عبداللہ بن مسعود کو کوفہ بھیج کر تم لوگوں کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے۔

(استیعاب ج ۱،ص ۴۸۳، ج ۲،ص ۳۳۶، اصابہ ج ۲،ص ۳۶۹)

اہل کوفہ نے جن لفظوں میں ابن مسعود کو خراج عقیدت پیش کیا تھا وہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ کہ خدا آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے آپ نے ہمارے جاہلوں کو زیور علم سے آراستہ کیا ہمارے عالموں کو استقامت بخشی۔ ہمیں قرآن پڑھنا سکھایا اور دینی مسائل تعلیم کئے آپ اسلام کے بہت اچھے بھائی اور بہترین خلیل ہیں۔ یہ ابن مسعود پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے مکہ میں آواز بلند سے کلام مجید کی تلاوت کی ایک مرتبہ اصحاب پیغمبرؐ مجتمع تھے ذکر نکلا کہ قریش نے کبھی بلند آواز سے کلام مجید کی تلاوت نہیں سنی کوئی شخص ایسا ہے جو انہیں آج سنا دے۔ عبداللہ ابن مسعود نے کہا یہ خدمت میں انجام دوں گا لوگوں نے کہا ہمیں تمہارے متعلق اندیشہ ہے ہم تو ایسا آدمی چاہتے ہیں جو قوم وقبیلہ والا ہو اگر دشمن ضرر رسانی پر آمادہ ہوں تو خاندان والے اسے بچالیں۔ ابن مسعود نے کہا تم لوگ مطمئن رہو خداوند عالم مجھے محفوظ رکھے گا۔ دوسرے دن ابن مسعود دن چڑھے خانۂ کعبہ کے پاس پہنچے قریش والے نشست گاہ پر بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بلند آواز سے سورۂ رحمان کی تلاوت شروع کر دی۔ قریش والوں

نے پہلے تو غور سے سنا پھر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ابن مسعود کیا کہہ رہے ہیں پھر انہیں احساس ہوا کہ یہ تو وہی آیات پڑھ رہے ہیں جن کے متعلق محمدؐ کا دعویٰ ہے کہ خداوندعالم نے ہم پر وحی کے ذریعہ نازل کیا وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور ابن مسعود کے چہرے پر مارنے لگے مگر ابن مسعود نے کوئی پرواہ نہ کی اور پڑھتے ہی چلے گئے اس کے بعد اپنے اصحاب کے پاس پلٹ آئے اس حالت سے چہرہ لہولہان تھا اصحاب نے کہا اسی کا تمہارے بارے میں ہمیں اندیشہ تھا ابن مسعود نے کہا اب تو مشرکین قریش کا اور بھی ڈر جاتا رہا اگر تم لوگ کہو گے تو کل صبح پھر میں ایسا ہی کروں گا اصحاب نے کہا نہیں بس اتنا ہی کافی ہے قریش جس چیز کو سننا گوارا نہیں کرتے تھے وہ آج تم انہیں سنا کر رہے۔

انہیں حالات نے ابن مسعود کو بلند کردار کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ غیظ وغضب میں کبھی ناروا اقدام انہوں نے نہیں کیا۔ نہ غصہ میں کبھی حد سے متجاوز ہوئے اگر انہوں نے منہ سے کوئی بات نکالی تو ہدایت سے لبریز اگر کوئی حدیث بیان کی تو وہی جسے واقعاً وہ پیغمبرؐ سے سن چکے تھے اگر چلے تو حق کے سیدھے راستے پر اور حملہ آور ہوئے تو گمراہی وضلالت پر ان کے جاننے والوں نے روز اول سے انہیں ایسا ہی جانا وہ تمام صحابہ کے نزدیک معزز ومحترم رہے ان کی مخالفت وتردید کی شاید ہی کسی کو جرأت ہوئی بلکہ صحابہ ان کی مخالفت کو گناہ عظیم سمجھا کئے۔ ابووائل بیان کرتے ہیں کہ ابن مسعود نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے پائنچے ٹخنوں سے بھی نیچے ہیں ابن مسعود نے کہا پائنچے اونچے کرلو۔ اس شخص نے کہا اور تم؟ تم بھی تو اپنے پائنچے اونچے کرو۔ ابن مسعود نے کہا میں تمہارے ایسا نہیں میری پنڈلیاں سوکھی ہوئی اور لاغر ہیں جن کی وجہ سے میں مجبور ہوں۔ اس واقعہ کی خبر حضرت عمر کو بھی ہوگئی۔ آپ نے اس شخص کو سزا دی اور کہا تم ابن مسعود کی بات رد کرتے ہو۔

(اصابہ ج ر ۲ ص ر ۳۰۷، کنز العمال ج ر ۷، ص ر ۵۵)

اب کون بتائے اور کس سے پوچھا جائے کہ اتنا بڑا معزز ومحترم صحابی پیغمبر کس وجہ سے دو برس تک اپنے وظیفہ سے محروم رکھا گیا؟ کیوں بھرے مجمع میں انہیں گالیاں دی گئیں۔ مسجد رسولؐ سے اس ذلت ورسوائی اور جبر وتشدد کے ساتھ کیوں نکالے گئے کہ انہیں دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر زمین پر پٹک دیا تھا جس سے ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں آخر کس وجہ سے تشدد کے سارے طریقے ان پر صرف کیے گئے۔

کیا یہ سب باتیں اسی وجہ سے نہ تھیں کہ شراب خوار و بدکار ولید بن عقبہ کا بیت المال کو شیر مادر سمجھنا ان سے برداشت نہ ہوا۔ انہوں نے بیت المال کی کنجیاں پھینک دی تھیں اس لیے کہ مسلمانوں کے مال کو ولید کے لیے مباح کر دینے کی کوئی وجہ نہ تھی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ خلیفہ نے آج ولید کو اتنے لاکھ بیت المال کے روپیے ہبہ کر دیئے ہیں آگے چل کر اس سے بھی بڑے بڑے عطیے اسے دیئے جائیں گے۔ ولید کی حرکتوں کی ذمہ داری ہمارے سر نہ آئے مسلمانوں کے حقوق کی تباہی میں ہم شریک

نہ ٹھہریں۔اس کی شراب خوری و بدکاری میں ہم معین نہ ہوں۔خدا کے سامنے ہمیں جوابدہی نہ کرنی پڑے انہیں اسباب سے وہ مستعفیٰ ہو گئے اسی خدا ترسی اور غیر معمولی تدین کا یہ صلہ بارگاہ خلافت سے دیا گیا کہ دو برس تک اپنے گزارہ سے محروم رہے گالیاں دی گئیں اور ہڈی پسلی توڑ دی گئی۔اتنی ہی زیادتی ابن مسعود کے ساتھ نہیں کی گئی بلکہ ایک اور موقع پر انہیں چالیس کوڑے بھی مارے گئے آپ سن کر حیرت کریں گے کہ کسی غلطی یا خطا پر نہیں بلکہ اس جرم پر کہ انہوں نے ابوذر کو آغوش لحد کے سپرد کیا تھا ابن مسعود حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آرہے تھے۔ربذہ جب پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اس دشت بے آب وگیاہ میں ابوذر صحابی پیغمبرؐ کا انتقال ہو گیا ہے۔

انہوں نے پیغمبرؐ کے عظیم المرتبت اور مقرب خاص صحابی کو دیکھا کہ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

انہوں نے علمائے اسلام میں سے ایک جلیل القدر عالم کو پایا کہ اب وہ جسد بے روح ہے۔

انہیں نے پاکیزگی و پرہیزگاری کے مجسمہ کو دیکھا اور ان کی آنکھوں میں عہد نبوی کے ابوذر کی تصویر پھر گئی۔

انہوں نے امۃ مرحومہ میں شبیہ جناب عیسیٰ بن مریم کو دیکھا جسے خلیفہ وقت نے اسلامی دارالسلطنت سے نکال باہر کیا تھا۔

انہوں نے پیغمبرؐ کے عزیز ترین صحابی مومنین کے محبوب ترین بزرگ کو دیکھا کہ ذلت و بے چارگی کے عالم میں مظلومی ومقہوری کی حالت میں جاں بحق ہو گئے۔

انہوں نے شاہراہ عام پر ایک پاک و پاکیزہ غریب الوطن کا لاشہ دیکھا جس پر آفتاب کی تمازت تھی اور ہوائیں خاک ڈال رہی تھیں اور انہوں نے حضرت سرور کائنات کے اس ارشاد کو یاد کیا کہ خدا ابوذر پر رحم کرے اکیلے جائیں گے تنہا مریں گے اور تنہا محشور ہوں گے۔

ابن مسعود اور ان کے ہمراہی مومنین کی حمیت وغیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ اس دردناک منظر کو دیکھ کر خاموش تماشائی کی حیثیت سے گذر جائیں اور شریعت کے اس فریضہ کو نہ بجالائیں جو اس نے ہر مسلمان کی میت کے متعلق ہم پر عائد کئے ہیں چہ جائیکہ ابوذر جن کے متعلق پیغمبرؐ نے بشارت دی تھی کہ انہیں نیکوکار مومنین دفن کریں گے۔

ابن مسعود اور ان کے ہمراہی سنتے ہی مرکبوں سے اتر پڑے اور اس مقدس صحابی پیغمبرؐ کی آخری خدمت جس اہتمام سے ممکن تھی بجالائے جب دفن وکفن سے فارغ ہو کر یہ لوگ مدینہ پہنچے تو ان کا یہ فعل بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا اور حکم صادر ہوا کہ چالیس کوڑے مارے جائیں۔اگر کوئی مسلمان کسی زندیق وملحد کو بھی سپرد لحد کرے تو اسے کسی سزا کا مستوجب قرار نہیں دیا جاسکتا چہ جائیکہ مسلمان کی میت ہو اور پھر ابوذر جیسے مسلمان کی میت۔

دوسری فصل

داستان عمار

(۱)

علامہ بلاذری نے بسلسلۂ اسناد ابومخنف کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ ''بیت المال میں کوئی صندوقچہ تھا جس میں ایک زیور اور ایک عمدہ موتی تھا۔ حضرت عثمان نے بیت المال سے وہ صندوقچہ نکال کر زیور اپنی کسی بیوی کو دے دیا اس پر لوگوں نے اعتراضات کئے اور ان کے متعلق اتنی سخت وشدید باتیں کہیں کہ انہیں غصہ آگیا۔ منبر پر تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور کہا۔ لناخذن حاجتنا من هذا الغیٔ وان رغمت انوف اقوام۔ ہم اس مال خراج سے جتنی ہماری ضرورت ہوگی لے کر رہیں گے چاہے لوگوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ حضرت علیؑ نے کہا ایسی صورت میں آپ روک دیئے جائیں گے۔ آپ کے اور بیت المال کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ عمار بن یاسر نے کہا میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جسے یہ تصرف ناگوار گزرا ہے۔ حضرت عثمان نے کہا اے بڑے پیٹ والی عورت کے بچے تمہاری کیا مجال؟ اسے گرفتار کرلو۔ عمار گرفتار کر لئے گئے۔ حضرت عثمان گھر چلے گئے اور عمار کو بلا بھیجا اور اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہوگئے۔ عمار اٹھا کر جناب ام سلمہ زوجہ پیغمبرؐ کے گھر لائے گئے، بے ہوشی اتنی بڑھی کی ظہر عصر مغرب کی نمازیں قضا ہوگئیں۔ ہوش میں آنے پر انہوں نے وضو کیا نماز پڑھی اور کہا کہ خدا کا شکر کہ یہ پہلا دن نہیں کہ ہمیں راہ خدا میں اذیت پہنچائی گئی ہو۔ جناب عمار بنومخزوم کے حلیف تھے اسی تعلق کے بنا پر ہشام بن ولید بن مغیرہ مخزومی بگڑ بیٹھا۔ حضرت عثمان سے کہا علیؑ سے ڈر گئے اور ہم پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت ہوگئی۔ ہمارے بھائی کو اتنا مارا کہ لبِ گور کر دیا خدا کی قسم اگر عمار مر گئے تو میں بھی بنوامیہ کی کسی بڑی شخصیت کو قتل کر کے رہوں گا۔ حضرت عثمان نے گالیاں دے کر ہشام بن ولید کو نکلوا دیا وہ جناب ام سلمہ کے یہاں پہنچا وہ خود عمار کی حالت دیکھ کر حضرت عثمان پر بے حد غضبناک تھیں، جناب عائشہ کو خبر معلوم ہوئی تو وہ بھی بے حد برہم ہوئیں اور حضرت سرورکائناتؐ کا ایک موئے مبارک اور ایک کپڑا اور ایک جوتی نکال کر کہنے لگیں کہ کس قدر جلد تم لوگ اپنے پیغمبرؐ کے طریقے کو چھوڑ بیٹھے۔ ابھی تو آپ کا یہ بال یہ لباس اور جوتی بھی پرانی نہیں ہوئی۔ حضرت عثمان اس پر غصہ میں آپے سے باہر ہوگئے اور سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہیں مسجد کے اندر چلے آئے انہیں لوگ دیکھ کر سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کہنے لگے عمرو بن عاص جو

پہلے مصر کا گورنر تھا اور حضرت نے اسے معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو گورنر مقرر کر دیا تھا اس کی وجہ سے وہ پہلے ہی بھرا ہوا تھا اس نے سب سے زیادہ سبحان اللہ کی آوازیں بلند کیں۔ حضرت عثمان کو ہشام بن ولید اور اس کے اعزہ کے متعلق معلوم ہوا کہ سب حضرت ام سلمہ کے پاس گئے ہیں اور ام سلمہ عمار کی دردناک حالت دیکھ کر بے حد غضبناک ہوئیں حضرت عثمان نے جناب ام سلمہ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ کے گھر میں ہجوم کیسا اکٹھا ہوا ہے؟ جناب ام سلمہ نے کہلا بھیجا کہ ہجوم کو رہنے دو تم اپنی خبر لو اور لوگوں کو اتنا نہ مجبور کرو کہ وہ ایسا اقدام کر بیٹھیں جسے حتی الامکان وہ کرنا نہیں چاہتے۔ عمار کے ساتھ حضرت عثمان کی اس بدسلوکی کو تمام لوگوں نے بے حد برا جانا۔ یہ خبر آگ کی طرح پھیلی اور تمام مسلمانوں میں نفرت و ناراضی کی لہر دوڑ گئی۔ (کتاب الانساب بلاذری ج/۵، ص/۴۸)

(۲)

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ ”مقداد بن عمر، عمار بن یاسر، طلحہ اور بن زبیر نے بہت سے صحابہ کے ساتھ مل کر ایک نوشتہ لکھا جس میں حضرت عثمان کی تمام ناپسندیدہ حرکتیں ایک ایک کر کے لکھیں اور پروردگار کا خوف دلایا اور تنبیہ کی کہ وہ اگر ان باتوں سے باز نہ آئیں گے تو ہم لوگ ان کے خلاف کسی اقدام پر لامحالہ مجبور ہوں گے عمار وہ نوشتہ لے کر حضرت عثمان کے پاس آئے اور کچھ حصہ انہیں پڑھ کر سنایا۔ حضرت عثمان نے کہا ان سب لوگوں میں بس تمہیں کو جرأت ہوئی! عمار نے کہا چونکہ میں دوسروں کے بہ نسبت آپ کا زیادہ خیر خواہ ہوں۔ حضرت عثمان نے کہا سمیہ کے بیٹے تم جھوٹے ہو۔ عمار نے کہا خدا کی قسم میں سمیہ کا بھی بیٹا ہوں اور یاسر کا بھی۔ حضرت عثمان نے اپنے غلاموں کو حکم دیا سب نے عمار کے ہاتھ پیر پکڑ لئے اور حضرت عثمان نے ان کے آلۂ تناسل پر ٹھوکریں ماریں وہ جوتا بھی پہنے ہوئے تھے۔ اس چوٹ کی وجہ سے عمار کو فتق کا عارضہ لاحق ہو گیا اور بے ہوش ہو گئے۔ اور وہ بہت زیادہ بوڑھے بھی تھے۔ (کتاب الانساب بلاذری ج/۵، ص/۴۹)

علامہ ابن ابی الحدید نے بھی اس عبارت کو بغیر کسی نوٹ کے درج کیا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ ج/۱ص/۲۳۹)

واقعہ کی تفصیل:

علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں محدثین کا بیان ہے کہ پیغمبرؐ کے بہت سے اصحاب نے اکٹھا ہو کر ایک نوشتہ لکھا اور اس میں حضرت عثمان کی (۱) وہ تمام باتیں ذکر کیں جو انہوں نے سنت پیغمبرؐ اور سنت شیخین کے خلاف کی تھیں۔

(۲) حضرت عثمان نے افریقہ کا پورا خمس مروان کو اٹھا کر دے دیا حالانکہ اس میں خدا کا بھی حق تھا اور رسولؐ کا بھی اور انہیں میں سے پیغمبرؐ کے قرابت دار، ایتام اور مساکین تھے۔

(۳) حضرت عثمان نے کثرت سے عالیشان مکانات تعمیر کئے چنانچہ صرف مدینہ میں انہوں نے سات بڑے بڑے مکانات بنوائے ایک گھر اپنی بیوی نائلہ کے لیے ایک اپنی بیٹی عائشہ کے لیے اور باقی دوسری بیٹیوں اور بیویوں کے لیے۔

(۴) خمس جو خدا اور رسولؐ ہی کا حصہ ہے اس سے مروان نے ذی حشب میں بہت سے محلات تعمیر کئے اور مال و دولت سے انہیں پُر کیا۔

(۵) حضرت عثمان نے ہر جگہ کی حکومت اور ہر محکمہ کی افسری اپنے عزیزوں ہی کو دی بنی امیہ کے نوخیز چھوکروں کو جنہیں نہ تو پیغمبرؐ کی صحبت کا شرف حاصل تھا نہ کچھ آتا جاتا ہی تھا۔

(۶) ولید بن عقبہ کوفہ کے گورنر نے صبح کی نماز شراب پی کر دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھائی اور یہ بھی کہا کہ اگر تم لوگ کہو تو اور پڑھا دوں۔

(۷) حضرت عثمان نے اولاً ٹال مٹول کی، حد جاری نہ کرنا چاہی اور جاری بھی کی تو بہت تاخیر کر کے بادل ناخواستہ۔

(۸) مہاجرین وانصار کو انہوں نے بالکل بالائے طاق رکھا نہ کہیں کا حاکم بنایا اور نہ ان سے کسی امر میں مشورہ لیا۔ بلکہ جو چاہا خود رائی سے کیا۔

(۹) مدینہ کے اردگرد کے چراگاہ جو تمام مسلمانوں کے لیے پیغمبرؐ کے زمانے سے وقف چلے آرہے تھے۔ حضرت عثمان نے اپنے اور اپنے عزیزوں کے لیے مخصوص کر لیا بس انہیں کے جانور ان چراگاہوں میں چر سکتے تھے اور کسی مسلمان کے نہیں۔

(۱۰) انہوں نے مدینہ میں بہت سے ایسے لوگوں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں گرانقدر وظائف مقرر کئے، موٹی موٹی رقمیں دیں جنہیں نہ تو پیغمبرؐ کی صحبت کا شرف حاصل تھا نہ وہ جہاد میں شرکت کرتے نہ اسلام کی نصرت وحمایت کے لیے کوئی قدم اٹھاتے۔

(۱۱) حضرت عمر وابوبکر اپنے زمانوں میں خیزران سے لوگوں کو سزا دیتے تھے حضرت عثمان نے کوڑے مارنے شروع کئے۔ حضرت عثمان پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کی پشتوں پر کوڑے مارے۔

یہ نوشتہ لکھنے کے بعد ان لوگوں نے طے کیا کہ حضرت عثمان تک اسے پہنچانا چاہئے۔ نوشتہ لکھتے وقت عمار بن یاسر اور مقداد بن اسود بھی موجود تھے جب وہ لوگ نوشتہ لے کر حضرت عثمان کو دینے کے لیے روانہ ہوئے تو ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ عمار جن کے ہاتھ میں نوشتہ تھا وہی تنہا رہ گئے عمار رکے نہیں وہ حضرت عثمان کے گھر پر آئے۔ اندر آنے کی اجازت چاہی وہاں مروان اور بنی امیہ کے بہت سے افراد بھی بیٹھے ہوئے تھے عمار نے پاس پہنچ کر وہ نوشتہ حضرت عثمان کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضرت عثمان نے پڑھنے کے بعد پوچھا۔

تم نے یہ نوشتہ لکھا ہے؟

ہاں

اور لوگ کون کون تمہارے ساتھ تھے؟

بہت سے لوگ تھے مگر وہ آپ کے ڈر سے متفرق ہو گئے۔

وہ لوگ کون تھے؟

میں ان کے نام بتادوں گا۔

تو تمہیں کو اتنے لوگوں میں میرے ساتھ گستاخی کرنے کی جرأت ہوئی؟

مروان نے کہا اے امیر المومنین سی سیاہ فام غلام (یعنی عمار) نے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکایا ہے اگر آپ انہیں قتل کر ڈالیں تو دوسروں کو عبرت ہو جائے حضرت عثمان نے اپنے آدمیوں سے کہا مارو اور خود بھی مارنے میں شریک ہو گئے۔ سب نے مل کر انہیں اتنا مارا کی فتق کا عارضہ ہو گیا اور بے ہوش ہو گئے۔ غلاموں نے کھینچ کر دروازہ کے باہر ڈال دیا۔ جناب ام سلمہ کو خبر معلوم ہوئی آپ نے عمار کو اپنے گھر اٹھوالیا۔ بنو مغیرہ جو عمار کے حلیف تھے یہ واقعہ سن کر بے حد برہم ہوئے۔ جب عثمان نماز ظہر کے لیے گھر سے نکلے تو ہشام ابن ولید بن مغیرہ مخزومی نے انہیں روک کر کہا کہ اگر عمار اس زدوکوب سے جانبر نہ ہوئے تو میں بھی بنی امیہ کے کسی بڑے آدمی کو قتل کر کے رہوں گا۔ حضرت عثمان نے جھڑک دیا کہ تمہاری کیا مجال؟ حضرت عثمان مسجد میں آئے تو حضرت علیؑ کو دیکھا آپ کا مزاج کچھ ناساز تھا سر پر پٹی باندھے ہوئے تھے حضرت عثمان نے کہا اے ابوالحسنؑ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہاری موت کی دعا مانگوں یا زندگی کی تمنا کروں۔ کیونکہ اگر تمہیں موت آجائے تو تمہارے بعد دوسرے کے لیے مجھے زندہ رہنا گوارا نہیں کیوں کہ تمہارا بدل ملنا محال ہے اور اگر تم زندہ رہو تو سرکش افراد ہمیشہ تمہاری آڑ لیں گے تمہیں اپنا دست بازو بنائیں گے اور تمہیں لوگ اپنی جائے پناہ قرار دیں گے اور میں تمہاری وجہ سے ان کا کچھ بگاڑ نہ سکوں گا۔ مجھے تم سے ایسی ہی نسبت ہے جیسے نافرمان لڑکا اگر مر جائے تو باپ کو صدمہ میں مبتلا کرے اور اگر زندہ رہے تو نافرمانی کرے یا تو صلح اختیار کرو کہ ہم بھی تم سے صلح رکھیں اگر جنگ کی ٹھانی ہے تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں ہمیں آسمان و زمین کے درمیان معلق نہ رکھو کیونکہ بخدا اگر تم مجھے مار ڈالو گے تو پھر میرا بدل تمہیں ملنا مشکل ہوگا اور اگر میں تمہیں قتل کر ڈالوں تو مجھے ایسا میسر نہ ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ خلیفۃ المسلمین وہ شخص ہرگز نہ ہو سکے گا جس نے فتنہ فساد کی ابتدا کی ہو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا آپ کی باتوں کا بہت کچھ جواب دیا جاسکتا تھا لیکن میں اپنے درد کی وجہ سے کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا بس صرف وہی جملہ کہنا چاہتا ہوں جو عبد صالح نے کہا تھا۔

فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔

مروان نے کہا خدا کی قسم ہم اپنے نیزوں کو توڑ کر اور اپنی تلواروں کو کاٹ کر رکھ دیں گے اور ہمارے بعد اس حکومت سے کسی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ حضرت عثمان نے ڈانٹا کہ چپ رہو تم کو اس سے کیا سروکار؟۔ (کتاب الامامت والسیاستہ ج ر ا ص ر ۲۹)

علامہ ابن عبدربہ نے بھی اس واقعہ کو مختصر کرکے لکھا ہے، حضرت عثمان کے اصحاب نے ایک نوشتہ میں ان کے عیوب اور ان کے افعال جو لوگوں کی برہمی وناراضی کا سبب ہوئے لکھا اور لکھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ اس نوشتہ کو حضرت عثمان کے پاس لے کر جائے کون؟ عمار نے کہا میں لے کر جاؤں گا۔ چنانچہ وہ لے کر گئے اور حضرت عثمان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت عثمان نے نوشتہ پڑھنے کے بعد کہا۔ خدا تمہاری ناک رگڑے۔ عمار نے کہا اور ابوبکر وعمر کی بھی۔ اس پر حضرت عثمان اٹھ کھڑے ہوئے اور عمار کو اپنی لاتوں سے خوب روندا یہاں تک کہ وہ غش کر گئے۔ پھر حضرت عثمان بے حد بدنام ہوئے اور عمار کے پاس طلحہ وزبیر کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک منظور کرلو یا تو معاف کردو یا تاوان لے لو یا قصاص لو۔ عمار نے کہا بخدا مجھے کوئی بھی قبول نہیں یہاں تک کہ میں خدا سے ملاقی ہوں۔ (عقد الفرید ج ر ۲ ص ر ۲۷۲)

(۳)

علامہ بلاذری ویعقوبی وغیرہ لکھتے ہیں ''جب حضرت عثمان کو ربذہ میں حضرت ابوذر کے انتقال کرجانے کی خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا رحمہ اللہ خدا ان پر رحم کرے۔ عمار بن یاسر نے کہا ہاں خدا ان پر ہم لوگوں کی طرف سے رحم کرے۔ حضرت عثمان نے بہت گندی گالی دے کر کہا تم سمجھتے ہو میں ابوذر کے جلاوطن کرنے پر شرمندہ ہوں۔ انہوں نے حکم دیا اور عمار گدی میں ہاتھ دے کر نکال دیئے گئے۔ حضرت عثمان نے کہا تم بھی وہیں ربذہ جاؤ۔ جب عمار سامان سفر تیار کر کے جانے لگے بنومخزوم نے حضرت علیؑ کے پاس آکر درخواست کی آپ عمار کے متعلق خلیفہ سے گفتگو کیجئے حضرت علیؑ نے حضرت عثمان سے کہا اے عثمان آپ خدا سے ڈریئے آپ مسلمانوں میں سے ایک نیکوکار کو پہلے ہی جلاوطن کرچکے ہیں اسی جلاوطنی میں اس غریب کا انتقال ہوگیا پھر اب دوبارہ ابوذر ہی جیسے انسان کو جلاوطن کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس موقع پر علیؑ وعثمان میں سخت کلامی کی نوبت آگئی۔ حضرت عثمان نے علیؑ سے کہا زیادہ جلاوطنی کے تو آپ سزاوار نظر آتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے کہا اگر مرضی ہو تو ایسا بھی کر دیکھئے۔ مہاجرین حضرت عثمان کے پاس جمع ہوئے انہوں نے کہا کیا خوب! کہ جب آپ سے کوئی بات کرتا ہے آپ اسے شہر بدر اور جلاوطن کرنے پر تل جاتے ہیں یہ چیز کسی صورت سے گوارا نہیں ہوسکتی۔ حضرت عثمان عمار کو جلاوطن کرنے سے باز

رہے۔(کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵،ص ر ۵۴،۷۷،یعقوبی ج ر ۲،ص ر ۵۰)

(۴)

علامہ بلاذری وغیرہ لکھتے ہیں،۔حضرت عثمان ایک نئی بنی ہوئی قبر کے پاس سے گزرے پوچھا کہ کس کی قبر ہے لوگوں نے بتایا کہ عبداللہ بن مسعود کی وہ عمار پر بے حد برافروختہ ہوئے کہ انہوں نے ابن مسعود کے مرنے کی خبر ان سے پوشیدہ رکھی کیونکہ ابن مسعود نے عمار کو اپنے دفن وکفن اور نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تھی اسی موقع پر انہوں نے عمار کو اپنے پیروں سے روندا جس کی وجہ سے انہیں فتق کا عارضہ لاحق ہوگیا۔(کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵،ص ر ۴۹،شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ر ۱،ص ر ۲۳۹)

علامہ یعقوبی کا بیان ہے کہ جب ابن مسعود کا انتقال ہوا تو عمار نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔عثمان موجود نہیں تھے معاملہ مخفی رہا۔جب عثمان واپس ہوئے تو انہوں نے ابن مسعود کی قبر کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے۔لوگوں نے بتایا کہ ابن مسعود کی۔عثمان نے پوچھا کہ بغیر مجھے خبر ہوئے یہ کیسے دفن کر دیئے گئے۔لوگوں نے بتایا کہ ابن مسعود نے عمار کو اپنے دفن کفن کا انتظام سونپا تھا اور وصیت کی تھی کہ آپ کو خبر نہ کی جائے۔تھوڑے ہی دنوں کے بعد صحابی پیغمبرؐ مقداد کا بھی انتقال ہوگیا ان کی نماز جنازہ بھی عمار نے پڑھائی اور حسب وصیت مقداد عمار نے عثمان کو خبر نہ کی۔اس پر حضرت عثمان بے حد غضب ناک ہوئے اور کہا وائے ہو زن حبشیہ کے فرزند پر اس نے مجھے کیوں نہیں خبر کی۔(تاریخ یعقوبی ج ر ۲،ص ر ۱۴۷)

ابن سعد لکھتے ہیں کہ عقبہ بن عامر جس نے جنگ صفین میں عمار کو شہید کیا تھا اسی نے حضرت عثمان کے حکم سے عمار کو زدوکوب کیا تھی۔(طبقات ابن سعد ج ر ۳،ص ر ۱۸۵،طبع لیدن)

یہ تھا سلوک اور برتاؤ حضرت عثمان کا پیغمبرؐ کے اس جلیل القدر صحابی کے ساتھ جس کی مدح وثنا میں قدرت نے انتہائی گراں قدر لفظیں صرف کیں جس کے مطمئن بالایمان، عابد شب زندہ دار اور قیامت سے ہراساں ہونے پر قرآن بطور گواہ نازل ہوا جو پہلے وہ مسلمان تھے جنہوں نے اپنے گھر میں خدا کی عبادت کے لیے مسجد بنائی۔(طبقات ابن سعد ج ر ۳، ص ر ۱۷۸،تاریخ ابن کثیر ج ر ۷،ص ر ۴۱۱۔پیغمبرؐ خدا نے انتہا سے زیادہ جن کی مدح وثنا فرمائی ساتھ ہی ساتھ ان کی دشمنی وعداوت ان کے سب وشتم تحقیر وتوہین سے ممانعت بھی کی۔

بزرگان صحابہ نے عمار کے ساتھ ان بدسلوکیوں کو بہت گراں سمجھا جن لوگوں نے انہیں اذیت دی اور ان پر اپنا غصہ اتارا۔ان سے دشمنی کی ان پر بے حد برہم وناراض ہوئے عمار کے ساتھ یہ تمام سلوک روا رکھے گئے مگر کوئی تاریخ نہیں بتا سکتی کہ

وہ ذرہ برابر بھی جادہ حق سے منحرف ہوئے ہوں وہ انہیں باتوں پر راضی رہے جو خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کا سبب تھیں۔ انہیں باتوں پر غضبناک ہوئے جو خدا اور رسول کو غضبناک کرنے والی تھیں انہوں نے ہمیشہ اداء کلمہ حق کیا اور باطل کے مقابل ڈٹے رہے چاہے لوگوں کو برا معلوم ہوا ہو یا بھلا ان کی یہ روش شروع ہی سے جس دن کفار قریش نے ان پر اور ان کے والدین پر مصائب کے پہاڑ توڑے تھے ان کا ایمان ان کی فروتنی وخاکساری پسندیدہ الٰہی تھی اور انہوں نے جو مصائب جھیلے وہ بھی قدرت کے علم میں تھا یہی سبب تھا کہ ان کا ذکر پیغمبرؐ اسلام کا ہمیشہ وردِ زبان رہا۔ آنحضرتؐ ان کا اٹھتے بیٹھتے تذکرہ کرتے ان کے لیے بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا ہوتے اور ارشاد فرماتے۔

اصبروا آل یاسر !موعدکم الجنة

ابشروا آل یاسر !موعدکم الجنة

اللهم اغفر لآل یاسر وقد فعلت۔

صبر کرو یاسر کی اولاد! تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔[1]

خوش ہو اے یاسر کے گھر والو تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔[2]

خداوندا آل یاسر کی مغفرت فرما اور تو یقیناً ان کی مغفرت کر چکا ہے۔[3]

بنومخزوم عمار اور ان کے والد اور والدہ کو (جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے) جب دو پہر ہو جاتی تو باہر نکالتے اور مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر اذیت پہنچاتے آنحضرتؐ کا ادھر سے گذر ہوتا تو اس تکلیف میں انہیں دیکھ کر فرماتے:

اصبروا آل یاسر موعدکم الجنة صبرا

ال یاسر فان مصیرکم الی الجنة

صبر کرو آل یاسر کہ تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے۔ صبر کرو

آل یاسر کہ تمہاری بازگشت جنت کی طرف ہے۔[4]

اس شان کے تھے عمار اپنی زندگی کے آغاز یعنی اسلام لانے کے دن سے اپنی زندگی کے آخری دن تک جس دن کہ

۱۔ یہ حدیث حضرت عثمان کے واسطے سے مروی ہے مجمع الزوائد ج ر ۹ ص ر ۲۹۳، کنز العمال ج ر ۶ ص ر ۶۶۵۔

۲۔ مجمع الزوائد ج ر ۹ ص ر ۲۹۳۔

۳۔ مسند احمد ج ر ۱ ص ر ۶۲، مجمع الزوائد ج ر ۹ ص ر ۲۹۳، کنز العمال ج ر ۷ ص ر ۷۲

۴۔ سیرۃ ابن ہشام ج ر ۱ ص ر ۳۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ر ۱ ص ر ۱۴۰، طرح التثریب ج ر ۱ ص ر ۸۷، کنز العمال ج ر ۷ ص ر ۷۲۔

انہیں باغی جماعت نے شہید کیا جس کی خبر عمار کو پیغمبرؐ خدا پہلے ہی دے چکے تھے کہ۔

ویحك یابن سمیة تقتلك الفئة الباغیه۔

ہائے افسوس اے سمیہ کے فرزند تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔[1]

عمار قرآن مجید میں:۔

عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ آیت۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ۔ (سورہ زمر/۹)

جو شخص رات کے اوقات میں سجدہ کر کرکے اور کھڑے کھڑے خدا کی عبادت کرتا ہو اور آخرت سے ڈرتا ہو۔

عمار کے متعلق نازل ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ج/۳ص/۱۸۷،طبع لیدن تفسیر شربینی ج/۳ص/۴۱،تفسیر شوکانی ج/۲ص/۴۴۲)

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ یہ آیت عمار اور حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی شان میں نازل ہوئی۔تفسیر کشاف ج/۳ص/۲۲، قرطبی نے اپنی تفسیر ج/۱۵ص/۲۳۹، پر مقاتل سے نقل کیا ہے کہ امن ھو قانت سے مراد عمار بن یاسر ہیں۔خازن اپنی تفسیر ج/۳ص/۵۳، پر لکھتے ہیں کہ یہ آیت ابن مسعود عمار سلمان کے متعلق نازل ہوئی۔

(۲) ابن ماجہ نے روایت کی ہے یہ آیت:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ۔ (سورہ انعام/۵۲)

جو لوگ صبح وشام اپنے پروردگار سے اس کی خوشنودی کی تمنا میں دعائیں مانگا کرتے ہیں ان کو اپنے پاس سے نہ

---

[1] یہ حدیث بے شمار طریقوں سے مروی ہے اور تواتر کے حد سے متجاوز ہو چکی ہے۔عثمان، عمرو عاص، معاویہ ابن ابوسفیان، حذیفہ یمان، عبداللہ ابن عمر، خذیمہ بن ثابت، کعب بن مالک، جابر بن عبداللہ ابن عباس، انس بن مالک، ابوہریرہ، ابومسعود، ابوسعد، ابوامامہ، ابورافع، ابوقتادہ، زید بن ابی ادنیٰ، عبداللہ بن ہذیل، ابی السیر، زیاد بن الفرو، جابر بن سمرہ، عبداللہ بن عمرو عاص، ام سلمہ، عائشہ سب ہی کے واسطے سے یہ حدیث مروی ہے دیکھئے طبقات ابن سعد ج/۳ص/۱۸۰، سیرۃ ابن ہشام ج/۲ص/۱۱۴، مستدرک ج/۳۰ص/۳۸۶۔۳۸۷۔و۳۹۱۔استیعاب ج/۲ص/۴۳۶، استیعاب میں اس حدیث کے متعلق یہ جملہ بھی ہے۔ تواترت الاثار عن النبی انه قال تقتل عمار الفئة الباغیه وهذا من اخباره بالغیب واعلام نبوته وهو من اصح الاحادیث۔

پیغمبرؐ کے ارشادات حد تواتر تک پہنچے ہیں کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا یہ من جملہ آنحضرتؐ کے علاماتِ نبوت اور غیب کی خبروں سے ہے اور یہ صحیح ترین حدیثوں سے ہے۔

(طرح التثریب ج/۱ص/۸۸، تیسر الوصول ج/۳ص/۲۷۸، شرح ابن ابی الحدید ج/۲ص/۲۷۴، تاریخ ابن کثیر ج/۷ص/۲۶۷ص/۲۷۰، تہذیب التہذیب، اصابہ وغیرہ وغیرہ)

دھتکار وان کے حساب وکتاب کی جوابدہی تمہارے ذمہ ہے اور نہ تمہارے حساب وکتاب کی جوابدہی کچھ ان کے ذمہ ہے۔

عمار وصہیب و بلال وخباب کے متعلق نازل ہوئی۔تفسیر طبری،ص ر ۱۲۷۔ ۱۲۸،تفسیر قرطبی ج ر ۶،ص ر ۴۳۱،تفسیر بیضاوی ج ر ۱، ص ر ۱۸۰،تفسیر کشاف ج ر ۳،ص ر ۴۵۳،تفسیر کبیر رازی ج ر ۴،ص ر ۵۰،تفسیر کبیر ج ر ۲،ص ر ۴۳۴،تفسیر ابن جرنی ج ر ۲،ص ر ۱۰،تفسیر درمنثور ج ر ۳، ص ر ۱۴،تفسیر خازن ج ر ۲،ص ر ۱۰،تفسیر شربینی ج ر ۱،ص ر ۴۰۴،تفسیر شوکانی ج ر ۲،ص ر ۱۲۵۔

(۳) حفاظ وائمہ حدیث کی بہت بڑی جماعت نے روایت کی ہے کہ آیت۔

اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ ۔(سورہ نحل ر ۱۰۶)

اس شخص کے سوا جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو۔

عمار کے متعلق نازل ہوئی علامہ ابوعمر واستیعاب میں لکھتے ہیں کہ اس امر پر اہل تفسیر کا اتفاق واجماع ہے۔قرطبی لکھتے ہیں بنابرقول مفسرین یہ آیت عمار کے متعلق نازل ہوئی۔علامہ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں۔علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ یہ آیت عمار کے متعلق نازل ہوئی۔

واحدی کی لفظوں میں ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت عمار بن یاسر کے بارے میں نازل ہوئی۔اور شانِ نزول یہ ہے کہ مشرکین نے عمار اور ان کے والدین یاسر اور سمیہ کو نیز صہیب، بلال، خباب وسالم کو گرفتار کیا سمیہ کو انہوں نے اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور نیزہ سے ان کی شرمگاہ کچل ڈالی اور کہا کہ مردوں ہی کی وجہ سے اسلام لائی ہو۔اسی صدمہ سے سمیہ انتقال کرگئیں یاسر بھی مقتول ہوئے یہ سمیہ اور یاسر پہلے مقتول ہیں جو راہ اسلام میں شہید ہوئے لیکن عمار نے انتہائی مجبوری اور بے بسی کے عالم میں اپنی زبان پر وہی فقرے جاری کر دیئے جو مشرکین چاہتے تھے پیغمبرؐ کو خبر پہنچائی گئی کہ عمار تو کافر ہو گئے۔آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کلا ان عماراً ملئ ایمانا من قرنه الی قدمه واخلط الایمان بلحمه ودمه۔ ہرگز نہیں عمار سر سے پیر تک ایمان سے لبریز ہیں اور ایمان ان کے گوشت اور خون میں سرایت کر چکا ہے۔عمار روتے ہوئے رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھوں سے ان کی آنکھیں پوچھیں اور فرمایا کہ اگر مشرکین پھر اسی طرح درپے ایذا ہوں تو تم پھر انہیں کلمات کو دہرا دینا جو وہ کہلانا چاہتے ہیں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔الامن اکرہ۔الخ۔

(طبقات ابن سعد ج ر ۳،ص ر ۱۸۷،تفسیر طبری ج ر ۱۴،ص ر ۱۲۳،اسباب النزول واحدی ص ر ۲۱۲،مستدرک ج ر ۲،ص ر ۳۵۷،استیعاب ج ر ۲،ص ر ۴۳۵،تفسیر قرطبی ج ر ۱،ص ر ۱۸۹،تفسیر زمخشری ج ر ۲،ص ر ۱۷۶،تفسیر بیضاوی ج ر ۱،ص ر ۶۸۳،تفسیر کبیر رازی ج ر ۵،ص ر ۳۶۵،تفسیر ابن جزی ج ر ۲،ص ر ۱۶۲،تفسیر نیشاپوری برحاشیہ طبری ج ر ۱۴،ص ر ۱۲۲،بھجۃ المحافل ج ر ۱،ص ر ۹۴،تفسیر ابن کثیر ج ر ۲،ص ر ۵۸۷،اصابہ ج ر ۲،ص ر ۵۱۲ وغیرہ)

(۴) واحدی نے مشہور مفسر سدی کے واسطے سے روایت کی ہے کہ یہ آیت:

اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰهُ وَعۡدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيۡهِ كَمَنۡ مَّتَّعۡنٰهُ مَتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ثُمَّ هُوَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ۔ (سورہ قصص/ ۶۱)

جسے ہم نے دنیاوی زندگی کے (چندروزہ) فائدے عطا کئے ہیں اور پھر قیامت کے دن جوابدہی کے واسطے ہمارے سامنے حاضر کیا جائے گا۔

عمار اور ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ (اسباب النزول واحدی ص/ ۲۵۵، تفسیر قرطبی ج/ ۳، ص/ ۳۰۳، تفسیر کشاف ج/ ۲، ص/ ۳۸۶، تفسیر خازن ج/ ۳، ص/ ۴۳، تفسیر شربینی ج/ ۳، ص/ ۱۰۵)

(۵) ابن عباس سے مروی ہے کہ آیت:

اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ۔ (سورہ انعام/ ۱۳۲)

جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اس کے لیے ایک نور بنا دیا ہے جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں بے تکلف چلتا پھرتا ہے۔

عمار بن یاسر کے متعلق نازل ہوئی۔ استیعاب ج/ ۲، ص/ ۲۰، تفسیر ابن کثیر ج/ ۲، ص/ ۱۷۲، تفسیر بیضاوی ج/ ۱، ص/ ۴۰۰، تفسیر سیوطی ج/ ۳، ص/ ۴۳، تفسیر خازن ج/ ۲، ص/ ۳۲، شوکانی ج/ ۲، ص/ ۱۵۲)

عمار کے متعلق پیغمبرؐ کے ارشادات:

عمار کے مدح وثنا میں پیغمبرؐ نے جو گراں قدر لفظیں صرف کی ہیں چند نمونے ان کے بھی ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) ابن عباس نے روایت کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

ان عمار ملئ ایمانه من قرنه الی قدمه واختلط الایمان بلحمه ودمه۔

عمار سر سے پیر تک ایمان سے لبریز ہیں اور ایمان ان کے گوشت اور خون میں سرایت کر چکا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج/ ۱، ص/ ۳۹، تفسیر کشاف ج/ ۲، ص/ ۱۷۶، تفسیر بیضاوی ج/ ۱، ص/ ۶۸۳ وغیرہ)

(۲) عمار خلط الله الایمان مابین قرنه الی قدمه، خلط الایمان بلحمه ودمه یزول مع الحق حیث زال ولیس ینبغی للنار ان تاکل منه شیئاً۔ (کنز العمال ج/ ۶، ص/ ۱۸۳)

خداوند عالم نے عمار میں ایمان کو سمو دیا ہے سر سے لے کر پیر تک اور ایمان ان کے گوشت اور خون میں سرایت کر گیا ہے۔ حق جدھر جاتا ہے عمار ادھر جاتے ہیں۔ آتش جہنم کے لیے ان کا ایک ذرہ بھی مباح نہیں۔

(۳) ماحد من اصحاب رسول الله الالوشیئت لقلت فیه ماخلاعمار فانی سمعت

رسول اللہ یقول ملئ ایمانا الی مشاشہ۔

اصحاب رسول میں کوئی صحابی ایسا نہیں جس کے متعلق خردہ گیری اور کچھ نہ کچھ نکتہ چینی نہ کرسکوں سوائے عمار کے کہ ان کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ وہ ایمان سے لبریز ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۹،ص ۲۹۵، طرح التثریب ج ۱،ص ۸۷، تیسر الوصول ج ۳،ص ۲۷۹، بدایہ ونہایہ ج ۷،ص ۳۱۱، استیعاب ج ۲،ص ۴۳۵)

(۴) کنا عند علی فدخل علیہ عمار فقال مرحبا بالطیب المطیب سمعت رسول اللہ یقول عمار ملی ایماناً الی مشاشہ۔

ہانی بن ہانی ناقل ہیں کہ ہم لوگ حضرت علیؑ کے پاس بیٹھے تھے کہ عمار آئے آپؑ نے فرمایا خوش آمدید اے پاک وطاہر میں نے رسالت مآبؐ سے سنا ہے کہ عمار سر سے پیر تک ایمان سے لبریز ہیں۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱،ص ۶۵، حلیۃ الاولیاج ۱،ص ۱۳۹، اصابہ ج ۲،ص ۵۱۲)

(۵) ان عمار مع الحق والحق معہ یدور عمار مع الحق اینما دار۔

عمار حق کے ساتھ ہیں اور حق عمار کے ساتھ ہے جدھر حق گردش کرتا ہے ادھر عمار بھی گردش کرتے ہیں۔

(طبقات ابن سعد ج ۳،ص ۱۸۷، طبع لیدن)

طبرانی وبیہقی وحاکم نے ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ:

اذا اختلف الناس کان ابن سمیہ مع الحق۔

جب لوگوں میں اختلاف واقع ہو تو ابن سمیہ (عمار) حق کے ساتھ ہوں گے۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۷،ص ۲۷۰، جامع کبیر سیوطی ج ۶،ص ۱۸۴)

علامہ ابوعمرو نے حذیفہ کے واسطے سے روایت کی ہے پیغمبرؐ خدا نے ارشاد فرمایا:

علیکم بابن سمیہ فانہ لن یفارق الحق حتی یموت اوقال فانہ یدور مع الحق حیث دار۔

تم ابن سمیہ کی پیروی کرنا وہ مرتے دم تک حق سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یا یہ فرمایا کہ وہ ادھر ہی جاتے ہیں جدھر حق جاتا ہے۔(استیعاب ج ۲،ص ۴۳۶)

(۶) عمار ما عرض علیہ الامران الا اختار الارشد منھما۔

عمار کے سامنے جب دو چیزیں پیش ہوں تو ان میں سے وہ وہی چیز اختیار کریں گے جو سب سے زیادہ سبب رشد

وہدایت ہوگی۔

(مسند احمد ج ر۱ ص ر ۳۸۹، ج ر۶، ص ر ۱۱۳، سنن ابن ماجہ ج ر۱، ص ر ۶۶، مصابیح السنۃ بغوی ج ر ۲، ص ر ۲۸۸، تفسیر قرطبی ج ر۱، تیسیر الوصول ج ر ۳، ص ر ۱۷۹، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۲، ص ر ۲۷۴، کنز العمال ج ر ۶، ص ر ۱۸۴، اصابہ ج ر ۲، ص ر ۵۱۲)

(۷) استاذن عمار اعلی النبی فقال ائذنوا له مرحبا بالطیب المطیب۔

عمار نے پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی آپؐ نے فرمایا آنے دو انہیں خوش آمدید اے پاک وپاکیزہ۔

(جامع ترمذی، تاریخ بخاری، مسند ج ر۱، ص ر ۱۰۰، و۱۲۶، حلیۃ الاولیا ج ر۱، ص ر ۱۴۰، مصابیح السنۃ ج ر ۲، ص ر ۲۸۸، استیعاب ج ر ۲، ص ر ۴۴۵، سنن ابن ماجہ ج ر۱، ص ر ۶۵، بدایہ ونہایہ ج ر ۷، ص ر ۳۱۱، وغیرہ وغیرہ)

(۸) ان الجنة تشتاق الی اربعة۔ علی ابن ابی طالب عمار بن یاسر وسلمان الفارسی والمقداد۔ اشتاقت الجنة الی ثلثة علی وعمار وسلمان۔

جنت چار شخص کی مشتاق ہے علی، عمار یاسر، سلمان فارسی۔ مقداد۔

جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ علی۔ عمار۔ سلمان۔

(حلیۃ الاولیا ج ر۱، ص ر ۱۴۲، مستدرک ج ر ۳، ص ر ۱۳۷، تفسیر قرطبی ج ر ۱۰، ص ر ۱۸۱، تاریخ ابن کثیر ج ر ۷، ص ر ۳۱۱، مجمع الزوائد ہیثمی ج ر ۹، ص ر ۳۰۷، استیعاب ج ر ۲، ص ر ۴۳۵، تاریخ ابن عساکر وغیرہ)

(۹) دم عمار ولحمه حرام علی النار ان تطعمه۔

عمار کا خون اور گوشت آتش جہنم پر حرام ہے۔ (مجمع الزوائد ج ر ۹، ص ر ۲۹۵، کنز العمال ج ر ۶، ص ر ۱۸۴، جلد ۷ ص ر ۷۵)

(۱۰) مالهم ولعمار؟ یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار ان عمار جلد مابین عینی وانفی۔

کفار قریش اور عمار کا کیا حال ہے عمار انہیں جنت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ اسے جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ یقیناً عمار کو مجھ سے ایسی ہی نسبت ہے جیسے میری دونوں آنکھوں اور میری ناک کی درمیانی کھال۔ (سیرۃ ہشام ج ر ۲، ص ر ۱۱۵، وعقد الفرید ج ر ۳، ص ر ۲۸۵)

مالقریش ولعمار یدعوهم الی الجنة ویدعونه الی النار قاتله وسالبه فی النار۔

کیا حال ہے قریش اور عمار کا۔ عمار قریش والوں کو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور وہ عمار کو جہنم کی طرف۔ عمار کا قاتل اور بعد مرگ انہیں لوٹنے والا جہنم میں جائے گا۔ (تاریخ ابن کثیر ج ر ۷، ص ر ۲۶۸)

(۱۱) من عادی عمارا عاداه الله من ابغض عمار ابغضه الله من یسب عماراً یسبه الله ومن یبغض عمارا یبغضه الله ومن یسفه عمارا الیسیفهه الله۔

جو شخص عمار کو دشمن رکھے گا خدا اسے دشمن رکھے گا جو شخص عمار سے بغض رکھے گا خدا اس سے بغض رکھے گا جو شخص عمار کو دشنام دے گا خدا اس کے ذکر کو برا کرے گا جو عمار سے غصہ کرے گا خدا اس سے غصہ کرے گا جو شخص عمار کو ذلیل کرے گا خدا اس کی تذلیل کا سامان کرے گا۔

(مسند احمد ج ۴،ص/۸۹،مستدرک ج ۳ ص/۳۹۰و۳۹۱،تاریخ خطیب ج/۱،ص/۱۵۲، استیعاب ج/۲،ص/۴۳۵، اسدالغابہ ج/۴،ص/۴۵، طرح التثریب ج/۱،ص/۸۸، تاریخ ابن کثیر ج/۷،ص/۳۱۱، اصابہ ج/۲،ص/۵۱۲،کنزالعمال ج/۶،ص/۱۷۵، وج/۷، ص/۱۷ و۷۵)

(۱۲) حذیفہ صحابی پیغمبر سے پوچھا گیا کہ جناب عثمان مارے گئے اب آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔انہوں نے کہا عمار کے دامن سے تمسک کرو۔کہا گیا کہ عمار تو ہر وقت علیؑ سے چپکے رہتے ہیں۔حذیفہ نے کہا ہی حسد تو جان لیوا ہے تم لوگ عمار کو محض اس وجہ سے ناپسند کرتے ہو کہ وہ علیؑ سے قریب ہیں۔خدا کی قسم علیؑ عمار سے کہیں افضل ہیں اور ان دونوں میں وہی نسبت ہے جو سحاب اور خاک میں یقیناً عمار منتخب روزگار افراد میں ہیں۔(کنزالعمال ج/۷،ص/۷۳)

(۱۳) جناب عبداللہ بن جعفر نے فرمایا کہ میں نے عمار بن یاسر اور محمد ابن ابی بکر کا مثل نہیں دیکھا۔یہ دونوں چشم زدن کے لیے بھی خدا کی نافرمانی نہیں کرنا چاہتے تھے۔اور نہ بال برابر حق کی مخالفت پر تیار تھے۔

(مجمع الزوائد ج/۹،ص/۲۹۱)

(۱۴) جناب جبرئیل بروز جنگ احد پیغمبرؐ کے پاس آئے۔آنحضرتؐ اس وقت اپنے اصحاب کو دریافت کر رہے تھے۔کہ فلاں کہاں گئے اور فلاں کہاں گے۔جبرئیل نے پیغمبرؐ خدا سے پوچھا یہ آپ کے سامنے کون ہے جو دشمنوں سے آپ کے لیے سینہ سپر ہے۔آنحضرتؐ نے فرمایا عمار بن یاسر۔جبرئیل نے کہا کہ انہیں جنت کی خوش خبری دے دیجئے۔آتش جہنم عمار پر حرام ہے۔(مستطرف ج/۱،ص/۶۶)

یہ تھے عمار۔

ان تمام حقائق کے پیش نظر ان تمام ارشادات الٰہی وفرمودات پیغمبرؐ پر نظر کرنے کے بعد انصاف کی جا ہے کہ حضرت عثمان نے ایک دو مرتبہ نہیں متواتر جو اتنی زیادتیاں عمار کے ساتھ کیں کسی حیثیت سے بھی وہ جائز ومباح متصور ہو سکتی ہیں۔ان کے اس بدترین سلوک انتہائی نازیبا برتاؤ کی کوئی بھی وجہ جواز نکل سکتی ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عثمان نے جو کچھ کیا وہ

بطور تادیب کیا وہ خلیفہ وقت تھے۔ انہیں حق تھا کہ بے راہ روی پر تنبیہ کریں تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ تادیب کی ضرورت ہوگی تب تادیب دی جائے گی یا یوں ہی خواہ مخواہ، ضرورت تادیب کی ہو یا نہ ہو۔ تادیب تو اسی صورت میں ضروری سمجھی جاسکتی ہے جب کوئی بے ادبی کرے جھوٹ بولے، حق کے خلاف جائے شریعت کی مخالفت کرے۔

اور عمار ان تمام باتوں سے کوسوں دور تھے۔ انہوں نے ہمیشہ حق کی طرف دعوت دی۔ حقیقت کا اظہار کیا مظلوم کی ہمدردی کی اور جو کسی نے وصیت کی وہ پوری کی۔ نیکو کار مومنین نے جن کا نصب العین ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر رہا۔ ان کے پیغام کو خلیفہ وقت تک پہنچایا تھا۔ ان تمام باتوں میں کون سی بات اسلام کے لیے مضر تھی جس سے خلیفہ وقت نے عمار کو روکنا چاہا۔ ان کے کس فعل سے باطل کی ہمدردی ظاہر ہوئی کہ سزا و تادیب دے کر انہیں حق کی طرف لانے کی کوشش کی گئی۔ کیا خلیفہ وقت اپنے کو مسلمانوں کے نفوس عزت و آبرو کا بھی اسی طرح مالک سمجھتے تھے جس طرح اموال مسلمین کا مالک جانتے تھے کہ اموال مسلمین میں من مانا تصرف تو کرتے ہی تھے۔ مسلمانوں کی جانوں سے بھی کھیلتے تھے کہ جسے جی چاہا شہر بدر کیا جسے چاہا کوڑوں سے سزا دی جسے چاہا ہڈی پسلی اس کی توڑ دی ایک ڈکٹیٹر اور جابر و قاہر بادشاہ کی طرح۔

اگر خلیفہ وقت تادیب ہی پر کمر بستہ تھے تو عبید اللہ بن عمر۔ حکم بن ابی العاص، مروان بن حکم، ولید بن عقبہ، سعید بن عاص اور انہیں جیسے لوگوں کی بھی تادیب کی یا نہیں جن کے شر و فساد سے دنیائے اسلام تنگ آئی ہوئی تھی جو حقیقی مستحق تھے تادیب کے اور ان کے اعمال و حرکات خلیفہ وقت کی نگاہوں سے مخفی بھی نہیں تھے۔ افسوس کہ کسی کتاب سے پتہ نہیں چلتا کہ مذکورہ بالا اشخاص میں کسی کو خلیفہ نے کبھی تنبیہ فرمائی ہو بلکہ وہ تو ہمیشہ انہیں نہال کرنے ہی کی فکر میں رہے بڑی بڑی گرانقدر رقمیں عنایت کرتے۔ ان کی پشت پناہی کرتے اور مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کرتے رہے۔ خلیفہ وقت نے تو اپنی ساری تادیب صرف صلحائے امت نیکو کار مومنین کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ جیسے عمار و ابو ذر ابن مسعود وغیرہ۔

اگر آپ حضرت عثمان کے اعمال و افعال کی چھان بین کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کسی بھی مقدس و نیکو کار انسان کا کوئی وزن ان کی نگاہوں میں نہیں تھا نہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا کچھ بھی پاس و لحاظ وہ کرتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے کئی مرتبہ بہت درشت کلمات اور ناز یبا لب و لہجہ میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے بھی گفتگو کی۔ جسے ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں۔ من جملہ ان کلمات کے یہ فقرے بھی تھے۔ انت احق بالنفی منه۔ آپ نکال باہر کئے جانے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ لئن تقیت لا اعدم طاغیا یتخذك سلما وعضدا ویعدك کهفا وملجاء۔ اگر میں زندہ رہا تو ہمیشہ سرکش افراد کو دیکھوں گا کہ وہ آپ کو زینہ اور اپنے دست و بازو بنائیں گے۔ اور آپ کو جائے پناہ قرار دیں گے۔ سرکش سے

مراد حضرت عثمان کی ابوذر وعمار جیسے لوگوں ہی سے تھے مقدس صحابہ رسولؐ سرکش وظالم تھے۔ ان کی نظروں میں حضرت امیر المومنینؑ ان کے لیے سہارا دست و بازو اور جائے پناہ تھے۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ علامہ ابن حجر ابن کثیر اور انہیں جیسے محبت حضرت عثمان میں ڈوبے ہوئے علمائے اہل سنت امیر المومنینؑ کے متعلق عثمان کے ان درشت و نازیبا کلمات کی کیا تاویل کریں گے۔

ابوذر وابن مسعود، مالک اشتر، عمار کے ساتھ حضرت عثمان نے جو سلوک کئے انہیں جو برا بھلا کہا گالیاں دیں اس کی تو یہ حضرات تاویل کر دیتے ہیں کہ:

مصلحة بقائهم فی الاوساط الاسلامیه مع الحریة فی المقال لا تکافی المفسدة المترتبة علیه من سقوط ابهة الخلافة۔

اسلامی شہروں میں ان لوگوں کو اگر قول فعل کی آزادی دے دی جاتی تو خلافت کا وقار خاک میں مل جاتا اور اس طرح ان حضرات کی موجودگی اتنی مفید نہ ہوتی جتنی فتنہ وفساد کا موجب ہوتی۔

حالانکہ ان غریبوں کا کوئی بھی قصور نہ تھا سوا اس کے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پابند تھے جو ہر سچے مسلمان کا شعار ہے۔ اور ہونا چاہئے۔ محبت کے اندھا اور بہرا بنا دینے کی اس سے بہتر مثال کیا ہوگی مگر پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ کیا حضرت امیر المومنینؑ کے مدینہ رہنے میں بھی کوئی مضرت تھی کوئی نقصان تھا کہ انہیں شہر بدر کرنے کا سزاوار سمجھا گیا۔ آپ کا وجود مسعود سراسر خیر و برکت ہی کا ذریعہ تھا؟ کیا شخصی اور نوعی مصلحتیں علیؑ سے بڑھ کر کسی سے حاصل ہو سکتی تھیں؟ خدا کی قسم وہ وقار جو امیر المومنینؑ ایسے سرچشمۂ خیر و برکت اور مجسمۂ علم وفضل کی موجودگی کے سبب خاک میں ملتا ہو اس کا خاک میں مل جانا ہی بہتر ہے۔ بخدائے لایزال یہ محبت عثمان میں ڈوبے ہوئے لوگ جو حضرت عثمان کے اندھا دھند اقدامات دل ہلا دینے والے افعال کی تاویلیں کرتے اور ان کی پاسداری وحمایت میں طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں اگر ان لوگوں کو ذرہ برابر بھی گنجائش میسر ہوتی تو حضرت کے دامن کو بھی داغدار کرنے میں دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے اور آپ پر بھی وہی تہمتیں لگاتے جو دیگر مقدس جلیل القدر صحابہ پیغمبر منتخب روزگار افراد پر لگانے سے باز نہ رہے لیکن افسوس۔

اگر حضرت عثمان امیر المومنینؑ کی نصیحتوں پر ذرا بھی کان دھرتے۔ آپ کے مشورے کا کچھ بھی خیال کرتے تو وہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا جو وہ دیکھ کر رہے نہ خلافت کی عزت و وقار خاک میں ملتا جو مل کر رہا۔ عزت و کامرانی انہیں بھی میسر رہتی اور مسلمانوں کو بھی۔

تیسری فصل

مقدس مومنین کوفہ کی جلاوطنی شام کی طرف

حضرت عثمان نے بہت سے ناپسندیدہ اور قابل اعتراض افعال کئے جس پر تمام صحابہ برہم تھے مثلاً بنی امیہ کو ہر جگہ کی حکومت دی خصوصاً فاسق و جاہل اور بے دین اموی اشخاص کو نیز اموال غنائم و خراج سے اپنے خاندان کے لوگوں کے گھر بھر دیئے اور غریب مسلمانوں کو محروم رکھا اور عمار و ابوذر عبداللہ بن مسعود ایسے صحابہ پیغمبرؐ کے ساتھ انتہائی نامناسب سلوک کئے، پھر اتفاق ایسا ہوا کہ ولید بن عقبہ گورنر کوفہ نے جب شراب پی کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اور لوگوں نے اس کی شراب نوشی کی گواہی دی تو اسے معزول کر کے حضرت عثمان نے سعید بن عاص کو گورنر بنا کر بھیجا۔ سعید کے دربار میں شرفائے کوفہ کی آمد و رفت رہتی۔ ایک دن سعید نے معززین کوفہ سے کہا ان السواد بستان لقریش وبنی امیہ۔ سرزمین عراق قریش اور بنی امیہ کے لیے باغ ہے۔ مالک اشتر نے کہا وہ سرزمین عراق جسے خدا نے ہماری تلواروں کے ذریعہ مسلمانوں کو دلوایا ہے۔ تم اپنا اور اپنی قوم کا باغ کہہ رہے ہو؟ سعید کے پولیس افسر نے کہا تم حاکم کی بات رد کر رہے ہو؟ اور بھی اس نے سخت سست باتیں کہیں، مالک اشتر نے اپنے گرد کے شرفاء کی طرف دیکھا وہ تمام لوگ سعید کے سامنے پولیس افسر پر ٹوٹ پڑے۔ اسے روند ڈالا اور ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔ اس واقعہ کی ناگواری پھیلتی گئی۔ سعید نے معززین کوفہ سے ملنا جلنا بند کر دیا۔ انہوں نے سعید کو بہت برا بھلا کہا۔ پھر عثمان تک پہنچ گئے کہ انہوں نے ہم لوگوں کو ذلیل کرنے کے لیے کل کے چھوکروں کو ہمارا حاکم بنا کر بھیجا ہے کوفہ کے اور بھی بہت سے لوگ ان کے ہمدرد ہو گئے اور صورت حال بہت خراب ہو گئی۔

سعید بن عاص نے یہ سرگزشت عثمان کو لکھ بھیجی اور لکھا کہ مالک اشتر اور ان کے رفقا جو قاریان قرآن کہے جاتے ہیں مگر ہیں جاہل ان کی موجودگی میں میری حکومت چل نہیں سکتی۔ عثمان نے سعید کو لکھا کہ سب کو شام کی طرف نکال باہر کرو اور مالک اشتر کو لکھا کہ میرا خیال ہے کہ تم اپنے دل میں بہت سی باتیں چھپائے ہو کہ اگر کوئی ایک بھی ظاہر کر دو تو تمہارا خون مباح ہو جائے میرا گمان ہے کہ تم اس وقت تک اپنی حرکت سے باز نہ آؤ گے جب تک تمہیں سخت تنبیہ نہ کی جائے۔ جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو تم شام کی طرف روانہ ہو جاؤ کیونکہ تم نے اپنے پاس کے لوگوں کو بری طرح بگاڑ رکھا ہے۔ چنانچہ سعید نے اشتر اور ان لوگوں

کو جو اس واقعہ میں اشتر کے طرفدار تھے یعنی زید وصعصہ فرزندان صوحان، عائذ بن حملۃ، کمیل ابن زیاد، جندب بن زہیر، حارث ہمدانی، یزید بن مکفف، ثابت بن قیس، اصعر بن قیس وغیرہ کو جلاوطن کر دیا۔

حضرت عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ کوفہ کے لوگ فتنہ وفساد پھیلانے پر تل گئے ہیں تمہارے پاس انہیں بھیج رہا ہوں اگر نیک چلنی دیکھنا تو ان کے ساتھ اچھے سلوک کرنا اور ان کے وطن واپس کر دینا۔

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۸۸ تا ۹۰، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۵۷ تا ۶۰، شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۱۵۸ تا ۱۶۰، تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۳۸۷ تا ۳۸۹ تاریخ ابی الفداء ج ۱ ص ۱۶۸)

معاویہ ان لوگوں کو کہاں برداشت کر سکتے تھے انہوں نے دربار خلافت میں عرضیاں گزاریں کہ ان لوگوں کو واپس کوفہ جانے دیجئے ورنہ یہ لوگ شام کو بگاڑ کر رکھ دیں گے حضرت عثمان نے پھر ان لوگوں کو کوفہ واپس جانے کا حکم دیا یہ لوگ کوفہ پہونچے تو اب سعید کے چیخنے چلانے کی باری تھی حضرت عثمان نے سعید کو لکھا کہ ان لوگوں کو عبدالرحمان بن خالد بن ولید گورنر حمص کے پاس بھیج دو اور مالک اشتر اور ان کے اصحاب کو لکھا۔

اما بعد فانی قد سیرتکم الی حمص فاذا اتاکم کتابی ھذا فاخرجوا الیھا فانکم لستم تالون للاسلام واھلہ شرا۔

میں تم لوگوں کو حمص بھیج رہا ہوں جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو تم چل کھڑے ہونا کیونکہ تم اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے باز نہ رہو گے۔

تھوڑے دنوں تک یہ لوگ حمص میں مقیم رہے پھر وہاں سے کوفہ بھیج دیئے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان مذکورہ بالا حضرات کی عظمت وجلالت نیک کرداری مشہور عالم زہد وتقویٰ مقتضی تھا کہ ان کی عزت وتوقیر کی جاتی نہ یہ کہ انہیں مبتلائے مصائب کیا جاتا۔ دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا جاتا۔ ان حضرات سے کوئی خطا سرزد نہ ہوئی تھی نہ انہوں نے حکومت کے خلاف کوئی اقدام کیا تھا محض ایک اکیلے شخص الھڑ اور نوخیز اوباش سعید بن عاص نے خلیفہ کے کان بھر دیئے اور خلیفہ وقت نے ان تمام لوگوں کو چوروں اور بدمعاشوں، ڈاکوؤں لٹیروں سے بھی بدتر سلوک کا مستحق سمجھ لیا اور ذلت وتوہین میں کمی اٹھا نہ رکھی حالانکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

ان جاءکم فاسق بنباءٍ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی مافعلتم نادمین۔

اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح سوچ سمجھ لو کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی میں تم اپنی قوم کو مبتلائے مصائب کر دو اور بعد میں اپنے افعال پر شرمندہ ہو۔

سعید بن عاص کا فسق وفجور کچھ ڈھکا چھپا نہیں ایک سعید کے کہنے پر بے سمجھے بوجھے اور بغیر چھان بین کئے ۔اکابر ملت طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کئے گئے ۔حضرت عثمان کو چاہئے تو یہ تھا کہ خود سعید کو سرزنش کرتے ۔بلکہ ان بزرگوں کے ساتھ اس نے جو زیادتیاں کیں ان پر اسے سزا دی جاتی ۔کیونکہ یہ لوگ معمولی درجہ کے نہیں نامی گرامی شخصیتوں کے مالک تھے یہ قاریان قرآن تھے اپنے وطن میں مرکزیت ومرجعیت کے حامل تھے اپنے ملک کے مشہور زاہد وعابد فقیہ ومجتہد تھے ان کی کوئی خطا بھی نہیں تھی سوا اس کے کہ یہ سعید کے خواہشوں کے غلام بننے پر تیار نہ تھے ۔آخر کیوں نہیں خلیفہ وقت نے حقیقتِ حال کا پتہ چلانے کی کوشش کی ان لوگوں کو بھی بلاتے سعید کو بھی طلب کرتے دونوں کے بیانات لیتے اس کے بعد جو حق ہوتا وہ فیصلہ دیتے لیکن انہوں نے بجائے انصاف سے کام لینے کے سعید کی پوری پاسداری کی اور ان اولیاء خدا کے ساتھ جو ناروا سلوک کئے وہ آج بھی تاریخ کے صفحات پر نمونہ عبرت ہیں ۔

اس موقع پر ہم ان مقدس بزرگوں کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں تا کہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ یہ حضرات کس بلند درجہ پر فائز تھے ان کے ساتھ جو زیادتیاں کی گئیں وہ کتنا صریحی ظلم اور کھلی ہوئی ناانصافی تھیں اور حضرت عثمان کی حمایت بیجا میں ان صحابہ کرام پر جو اتہامات لگائے جاتے ہیں وہ کتنے بڑے بہتان ہیں اور ابن حجر مکی کے ان بزرگوں کے متعلق اس جملہ پر ہر منصف مزاج نفرین کر سکے کہ:

ان المجتهد لا یعترض علیه فی اموره الاجتهادية لكن اولئك الملاعين المعترضون لا فهم لهم بل ولا عقل۔

مجتہد کے اجتہادی امور میں اعتراض کرنا مناسب نہیں لیکن ان ملعون اعتراض کرنے والوں کو نہ سمجھ تھی نہ عقل۔

اشتر:

(ا) جناب مالک بن حارث اشتر پیغمبر کا شرف صحبت اٹھائے ہوئے بزرگ جس نے بھی آپ کا ذکر کیا ہے مدح وستائش ہی کے ساتھ ۔آپ کی علوئے منزلت اور جلالت قدر کے لیے امیر المومنینؑ کی مدح وثنا میں ڈوبی ہوئی لفظیں ہیں جو آپ نے ان کی زندگی میں اور مرنے کے بعد فرمائیں ۔ہم نمونۃً چند کلمات امیر المومنینؑ کے یہاں ذکر کرتے ہیں ۔مصر کا گورنر بنا کر جب امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو روانہ کیا تو ساکنان مصر کو ان کے متعلق لکھا۔

اما بعد فقد بعثت اليكم عبداً من عباد الله لا ينام ايام الخوف ولا ينكل عن الاعداء ساعات الروع، اشد على الفجار من حريق النار وهومالك بن الحارث اخو مذحج فاسمعواله واطيعوا

امرہ فیما طابق الحق فانہ سیف من سیوف اللہ لا کلیل الظبہ ولا نابی الضریبۃ فان امرکم ان تنفروا فانفروا وان امرکم ان تقیموا فاقیموا فانہ لایقدم ولا یحجم ولا یوخر ولا یقدم الاعن امری وقد آثر تکم بہ علی نفسی لنصیحتہ لکم وشدۃ شکیمتہ علی عدو کم۔ الخ۔(تاریخ طبری ج/۶،ص/۵۵،نہج البلاغہ ج/۲، ص/۶۱)

میں تم لوگوں کی طرف بندگان خدا میں سے وہ بندہ روانہ کر رہا ہوں جو خوف کے دنوں میں سوتا نہیں نہ خوف کی گھڑیوں میں دشمنوں سے ہاری مانتا ہے بدکاروں کے لیے آتش جہنم سے بھی سخت تر ہے اور وہ مالک بن حارث مذحجی ہیں تم ان کی بات سنو اوران کے احکام کی تعمیل کرو جو حق کے مطابق ہوں گے کیونکہ یہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ جس کی باڑھ کند نہیں نہ ان کا وار اوچھا پڑتا ہے اگر یہ تم کو حکم دیں تو کوچ کرو اگر ٹھہرنے کو کہیں تو ٹھہر جاؤ کیونکہ ان کا حملہ ان کی پسپائی ان کا آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا سب میرے حکم پر منحصر ہے۔ میں نے مالک کو تمہارے پاس بھیج کر اپنے اوپر تم کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ تمہارے خیر خواہ اور تمہارے دشمنوں کے لیے سنگ وآہن ہیں۔

دوسرے لفظوں میں شعبی نے صعصہ بن صوحان کے واسطے سے روایت کی ہے۔

امابعد فانی قد بعثت الیکم عبداً من عباداللہ لاینام ایام الخوف ولاینکل عن الاعداء وحذر الدوائر. لا ناکل من قدم ولا راہ فی عزم من اشد عباداللہ باسا واکرمھم حسبا اضر علی الفجار من حریق النار و ابعد الناس من دنس وعار ھو مالك بن الحرث الاشتر حسام صارم لا تابی الضریبۃ ولا کلیل الحد حکیم فی السلم رزین فی الحرب ذورای اصیل وصبر جمیل فاسمعوا لہ واطیعوا امرہ فان امرکم بالنفر فانفروا وان امرکم ان تقیموا فاقیموا فانہ لایقدم ولا یحجم الا بامری وقد آثر تکم بہ نفسی نصیحۃ لکم وشدۃ شکیمۃ علی عدو کم۔ الخ۔(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج/۲،ص/۲۹،حمزۃ الرمل ج/۱، ص/۵۴۹)

امابعد میں تمہاری طرف بندگان خدا میں سے ایک بندے کو روانہ کر رہا ہوں جو خوف کے دنوں میں سوتا نہیں۔ نہ دشمن کی گھاتوں سے ہاری مانتا ہے۔ نہ قدم پیچھے ہٹانے والا ہے نہ کمزور ارادے کا بندگان خدا میں شدید ترین رعب وہیبت والا اور از روئے حسب انتہائی معزز ومحترم، بدکاروں کے لیے آتش جہنم سے زیادہ نقصان رساں اور گندگی وکثافت سے کوسوں دور یہ شخص مالک بن حرث اشتر ہیں جو قاطع تلوار ہیں جن کا وار کبھی اوچھا نہیں پڑتا نہ ان کی تلوار کی باڑھ کند ہے ایام صلح میں مجسمۂ حکمت ہیں میدان جنگ میں پُر وقار نپی تلی صحیح رائے کے مالک اور صبر جمیل کے خوگر تم ان کی بات کان دے کر سننا ان کے

احکام کی تعمیل کرنا اگر یہ کوچ کا حکم دیں تو کوچ کرنا اور اگر ٹھہرنے کا حکم دیں تو ٹھہر جانا کیونکہ ان کا اقدام اور ان کی پسپائی سب میرے احکامات پر منحصر ہوگی۔ میں نے محض تمہاری خیر خواہی میں مالک اشتر کو بھیج کر تمہیں اپنے او پر ترجیح دی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ تمہارے دشمنوں کے لیے بلائے بے درماں ہیں۔

(۲) امیر المومنین نے اپنے دو افسران فوج کو ایک خط لکھا تھا جس میں مالک اشتر کے متعلق آپ کا یہ جملہ تھا۔

وقد امرت عليكما وعلى من حيز كما مالك بن الحارث الاشتر فاسمعا له واطيعوا واجعلاه درعا ومجنا فانه من لا يخاف وهنه ولا سقطته وبطوه عما اسراع اليه احزم ولا اسراعه الى ما البطء عنه امثل۔

میں تم دونوں اور تمہارے ماتحتوں پر افسر اعلیٰ بنا کر مالک بن حارث اشتر کو روانہ کر رہا ہوں تم ان کی باتیں دھیان سے سننا اور ان کے احکام کی اطاعت کرنا اور انہیں اپنی زرہ اور سپر بنا لینا کیونکہ نہ تو ان سے کسی کمزوری کے ظاہر ہونے کا اندیشہ ہے نہ کسی لغزش کا ڈر جہاں پیش قدمی مناسب ہے۔ وہاں سستی کا ان سے ڈر نہیں اور جہاں توقف بہتر ہے۔ وہاں جلد بازی کرنے کا ان سے خوف نہیں۔

علامہ ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؑ نے جن گراں قدر لفظوں میں مالک اشتر کی مدح وثنا فرمائی ہے وہ باوجود اپنے اختصار کے لمبی چوڑی عبارت سے بڑھ کر ہے۔ اپنی زندگی کی قسم اشتر اس مدح وستائش کے سزاوار بھی تھے وہ انتہائی ہیبت وجلال والے دریا دل سخی، حلیم و بردبار، صاحب ریاست ووجاہت، خوش بیان مقرر اور عمدہ شاعر تھے ان کے مزاج میں نرمی اور سختی کوٹ کوٹ کر بھری تھی جہاں دبدبہ کی ضرورت ہوتی دبدبہ سے کام لیتے جہاں نرمی کی ضرورت ہوتی نرمی برتتے۔ حضرت عمر کا فقرہ مشہور ہے کہ یہ حکومت اسی کے بس کی ہے جو قوی ہو مگر درشت مزاج نہ ہو نرم دل ہو مگر بودا نہ ہو اور مالک اشتر اس معیار کی بہترین مثال تھے۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ر ۳ ص ر ۴۱۷)

(۳) امیر المومنینؑ نے محمد بن ابی بکر کو خط لکھا تھا اس میں مالک اشتر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان الرجل الذی کنت ولیته مصراً کان لنا نصیحاً وعلی عدونا شدیدا وقد استکمل ایامه ولاقی حمامه ونحن عنه راضون فرضی الله عنه وضاعف له الثواب واحسن له المآب۔

کوئی شبہ نہیں کہ وہ شخص جسے میں نے مصر کا حاکم مقرر کیا تھا وہ ہمارا خیر خواہ ہمارے دشمنوں کے لیے سخت وشدید تھا

(افسوس) اس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے اور موت دامن گیر ہوگئی ہم ان سے راضی ہیں خداوندعالم بھی ان سے راضی وخوشنود ہو اور اسے زیادہ سے زیادہ ثواب عنات کرے اور انجام بخیر ہو۔

(۴) جب حضرت امیرالمومنینؑ کو مالک اشتر کی خبر مرگ ملی آپ نے فرمایا:

انالله وانا الیه راجعون والحمدلله رب العالمین اللهم انی احتسبه عندك فان موته من مصائب الدهر ثم قال رحم الله مالكا فقد كان وفى بعهده وقضى نحبه ولقى ربه مع انا قد وطنا انفسنا ان نصبر على كل مصيبة بعد مصابنا برسول الله فانها من اعظم المصائب۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ر ۲،ص ر ۲۹)

ہم خدا ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں تمام مدح وستائش پروردگار عالم ہی کے لیے ہے۔ بارالٰہا میں مالک اشتر کی موت پر تجھ سے اجر کا طالب ہوں ان کی موت زمانے کے مصائب سے ہے پھر آپؑ نے فرمایا خدا رحم کرے مالک اشتر پر انہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا زندگی کے دن پورے کئے اور پروردگار کے پاس پہنچ گئے۔ (پیغمبرؐ کی جدائی کی) شدید ترین مصیبت اٹھانے کے بعد جس سے بڑھ کر کوئی دوسری مصیبت نہیں ہوسکتی ہم نے ہر مصیبت پر اپنے کو صبر کا عادی بنالیا ہے اب کوئی مصیبت مصیبت نہیں معلوم ہوتی۔

مغیرہ ضبی کا بیان ہے کہ جب تک مالک اشتر زندہ رہے حضرت امیرالمومنینؑ کا معاملہ ترقی پذیر ہی رہا۔

(۵) قبیلہ نخع کے بزرگوں کا بیان ہے کہ جب امیرالمومنینؑ کے پاس مالک اشتر کی خبر مرگ آئی تو ہم آپؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ آپؑ آہیں بھرتے اور صدمہ وافسوس فرمارہے ہیں پھر آپؑ نے فرمایا:

لله درّ مالك وما مالك ولو كان من جبل لكان فندا ولو كان من حجر لكان صلدا اما والله ليهد من موتك عالماً وليفرحن عالماً على مثل مالك فليبك البواكى وهل موجود كمالك۔

خدا بھلا کرے مالک کا کسے معلوم کہ مالک کیا تھے۔ اگر وہ پہاڑ سے ہوتے تو پہاڑ کا بہت بڑا ٹکڑا ہوتے اگر پتھر سے ہوتے تو سخت چٹان ہوتے خدا کی قسم مالک تمہاری موت ایک عالم کو منہدم اور ایک عالم کو مسرور کردے گی مالک ہی جیسے شخص پر رونے والی عورتوں کو رونا زیبا ہے مالک کے ایسا کوئی ہے بھی۔

علقمہ بن قیس نخعی کہتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ اتنا رنج واندوہ فرماتے رہے کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہیں آپؑ بھی نہ رحلت فرما جائیں مدتوں رنج وغم آپؑ کے چہرے سے نمایاں رہا۔ (نہج البلاغہ ج ر ۲،ص ر ۲۳۵،شرح ابن ابی الحدید ج ر ۶،ص ر ۳۰،لسان العرب ج ر ۴،ص ر ۳۳۶،تاریخ کامل ج ر ۳،ص ر ۱۵۳،تاج العروس ج ر ۲،ص ر ۴۵۴)

(۶) علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ مالک اشتر شہسوار، شجاع، رئیس اور کابر و اعاظم شیعہ سے تھے حضرت امیر المومنینؑ کی مودت اور نصرت میں نقطۂ انتہا پر فائز تھے۔ حضرت نے ان کے انتقال پر فرمایا:

رحم اللہ مالکافلقد کان لی کما کنت لرسول اللہ۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ر ۳، ص ر ۴۱۶)

خداوند عالم مالک پر رحم فرمائے وہ میرے لیے ایسے ہی تھے جیسا کہ میں خود رسولؐ اللہ کے لیے تھا۔

(۷) معاویہ ابن ابی سفیان نے عمر کے غلام کے پاس مالک اشتر کی ہلاکت کے لیے خفیہ طور پر زہر بھیجا۔ اس نے شربت میں وہ زہر ملا کر مالک اشتر کو پلا دیا۔ جب معاویہ کو مالک اشتر کے انتقال کی خبر ملی تو مجمع میں کھڑے ہو کر تقریر کی جس میں کہا کہ:

اما بعد فانه کانت لعلی ابن ابی طالب یدان یمینان قطعت احدا هما یوم صفین وهو عمار بن یاسر وقطعت الاخری الیوم وهو مالك الاشتر۔

(تاریخ طبری ج ر ۶، ص ر ۲۵۵، تاریخ کامل ابن اثیر ج ر ۳، ص ر ۱۵۳، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۲، ص ر ۲۹)

علی ابن ابی طالبؑ کے دو دائیں ہاتھ تھے ایک میں نے جنگ صفین میں کاٹ ڈالا۔ یعنی عمار بن یاسر کو قتل کیا اور دوسرا ہاتھ آج کے دن کاٹ لیا یعنی مالک اشتر ختم ہو گئے۔

(۸) ان تمام باتوں سے پیشتر حضرت سرور کائناتؐ کا ارشاد گرامی ہے جو آپؐ نے ابوذر کی تجہیز و تکفین کے متعلق بطور پیشن گوئی ارشاد فرمایا لیموتن احد کم بفلاة من الارض یشهده عصابة من المومنین۔ تم صحابہ میں سے ایک شخص صحرائے بے آب وگیاہ میں جاں بحق ہوگا جس کے آخری مراسم مومنین کی ایک جماعت انجام دے گی۔ (مستدرک ج ر ۳، ص ر ۳۳۷) یلی دفنه رهط صالحون۔ جس کے دفن وکفن کے امور نیکو کاروں کے ایک گروہ کے ہاتھوں انجام پائیں گے اور یہ مسلم ہے کہ جناب ابوذر کی تجہیز و تکفین جناب مالک اشتر اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ (کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵، ص ر ۵۵، حلیۃ الاولیاء ج ر ۱، ص ر ۱۷، مستدرک ج ر ۳، ص ر ۳۳۷، استیعاب ج ر ۱، ص ر ۸۳، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۳، ص ر ۴۱۶)

یہ حدیث مالک اشتر کی عظمت و جلالت کا مکمل ثبوت اور زبان پیغمبرؐ سے ان کے مومن ہونے کی قطعی شہادت ہے۔ انصاف کی جا ہے کہ پیغمبرؐ کی اس شہادت کے بعد ابن حجر کا مالک اشتر پر یہ الزام لگانا کہ وہ دین سے خارج تھے ناسمجھ تھے، عقل کے کورے تھے نیز ان پر اور ان کے نیکو کار رفقا پر لعنت کرنا کتنا صریح ظلم ہے۔

(۲) زید بن صوحان عبدی:

جو زید الخیر کے نام سے مشہور ہیں پیغمبرؐ کے صحابی تھے، صحابہ کرام کے حالات میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں سب میں ان کے حالات لکھے گئے ہیں۔ علامہ ابوعمر واستیعاب میں ان کے متعلق لکھتے ہیں۔ کان فاضلا دینا سیدا فی قوم۔ بڑے فاضل دیندار اور اپنی قوم میں سرداری کی حیثیت رکھتے تھے محدثین نے پیغمبرؐ کی حدیث ان کے متعلق روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو شخص ایسے انسان کو دیکھنا چاہئے جس کے بعض اعضا اس کے باقی جسم سے پہلے جنت میں جائیں گے وہ زید بن صوحان کو دیکھے۔

ایک اور حدیث ہے الا قطع الحبر زید، زید رجل من امتی تدخل الجنة قبل بدنه۔ دست بریدہ فاضل روزگار زید، زید میری امت کے وہ فرد ہیں جن کا ہاتھ جنت میں ان کے بدن سے پہلے جائے گا زید کا ہاتھ جنگ قادسیہ میں قطع ہوگیا تھا۔

ایک اور حدیث میں ہے زید وما زید؟ یسبقه بعض جسده الی الجنة ثم یتبعه سائر جسده الی الجنة۔ زید؟ کیا کہنا زید کا۔ زید کا بعض حصہ جسم جنت میں پہلے داخل ہوگا اسی کے پیچھے پھر ان کا پورا جسم داخل جنت ہوگا۔

ایک مرتبہ زید اپنے مرکب پر سوار ہونا چاہتے تھے حضرت عمر نے رکاب تھام کر انہیں سوار کرایا اور حاضرین سے کہا کہ اس طرح زید اور ان کے خویش و برادر کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے۔

(تاریخ ابن عساکر ج/۶، ص/۱۱۔ ۱۳، تاریخ خطیب بغدادی ج/۸، ص/۴۴۰، استیعاب ج/۱، ص/۱۹۷، اسد الغابہ ج/۳، ص/۲۳۴، بہجۃ المحافل ج/۲، ص/۲۲۷، اصابہ ج/۱، ص/۵۸۲)

فائق زمخشری ج/۱، ص/۳۵، میں ہے کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا زید الخیر الاجزم من الخیار الابرار۔ بھلائیوں والے دست بریدہ زید منتخب روزگار لوگوں میں سے ہیں۔ علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں زید بہترین خلائق تھے حدیث میں ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا زید الخیر الاجزم جندب وما جندب۔ دست بریدہ بھلائیوں والے زید اور جندب کیا کہنا جندب کا لوگوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ آپ دو شخصوں کا ذکر فرما رہے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا ان دو شخصوں میں ایک شخص تو وہ ہے جس کا ہاتھ ۳۰ سال پہلے اس سے جنت میں جائے گا دوسرا شخص وہ ہے جس کی ضربت حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن ہوگی۔

ان دو شخصوں میں سے ایک زید بن صوحان تھے۔ حلولاء۔ میں ان کا ایک ہاتھ کٹ چکا تھا۔ جنگ جمل میں حضرت علیؑ

کے فدائیوں میں تھے۔ حضرت علیؑ سے انہوں نے کہا حضور آج میں یقیناً قتل کیا جاؤں گا۔ آپ نے پوچھا ابوسلمان! تمہیں کیسے پتہ چلا؟ زید نے عرض کی میں نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو دیکھا کہ آسمان سے اترا اور مجھے اٹھانا چاہا۔ چنانچہ اسی روز عمرو یثربی نے انہیں شہید کیا۔ (معارف ابن قتیبہ ص/۱۷۶)

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ زید قائم اللیل صائم النہار تھے، ہر شب جمعہ عبادت میں جاگ کر گزار دیتے، جنگ جمل میں شہید ہوئے، مرنے سے پیشتر انہوں نے وصیت کی کہ مجھے میرے کپڑوں میں دفن کیا جائے کہ میں انہیں خون بھرے کپڑوں میں بروز قیامت خداوند عالم کے حضور دادخواہی کروں گا۔

دوسری حدیث میں ان کی وصیت یوں مروی ہے کہ میرے خون نہ دھلانا نہ خون بھرے لباس میرے بدن سے اتارنا سوا دونوں موزوں کے، مجھے زمین میں یوں گاڑ دینا کہ میں فریادی ہوں بروز قیامت اپنی فریاد پیش کروں گا۔ (تاریخ خطیب ج/۸، ص/۴۳۹)

علامہ یافعی لکھتے ہیں:

کان زید من ساداۃ التابعین صواما قواما۔ (مراۃ الجنان یافعی ج/۱، ص/۹۹)

زید تابعین کے سرداروں میں سے تھے بڑے روزہ دار عبادت گذار۔

شذرات الذہب ج/۱، ص/۴۴ میں ہے۔

من خواص علی من الصلحاء التقیاء۔

زید حضرت علیؑ کے نیکوکار و پرہیزگار مخصوصین میں سے تھے۔

(۳) صعصعہ بن صوحان عبدی:

زید مذکور کے بھائی زمرۂ اصحاب پیغمبرؐ میں یہ بھی داخل ہیں۔ علامہ ابوعمرو استیعاب میں لکھتے ہیں کہ یہ عہد پیغمبرؐ میں مسلمان ہوئے مگر آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے، یہ سید و سردار فصیح اللسان مقرر اور بڑے دیندار بزرگ تھے شعبی کہا کرتے کہ میں نے ان سے خطبے سیکھے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ اپنی قوم کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے، فصیح اللسان فاضل روزگار، بہترین مقرر اور بڑے دیندار حضرت علیؑ کے مخصوص صحابہ میں گنے جاتے تھے۔

ابوموسیٰ اشعری نے ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے آپ نے سب تقسیم کر دیئے کچھ مال بچ رہا

آپ نے لوگوں سے اس کے متعلق مشورہ لیا مختلف رائیں لوگوں نے دی صعصعہ جو کم سن نوجوان تھے اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے کہا حضور آپ ایسی چیز کے متعلق لوگوں سے مشورہ چاہتے ہیں جس کے متعلق قرآن میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا لیکن جس چیز کے متعلق خدا حکم نازل فرما چکا ہے اس حکم پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ حضرت عمر نے کہا سچ کہتے ہو تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔اس کے بعد آپ نے اس بقیہ مال کو بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔(طبقات ابن سعد، مروج الذهب تاریخ ابن عساکر، استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ، تہذیب التہذیب وغیرہ)

(۴) جندب بن زہیر ازدی:

یہ بھی پیغمبرؐ کے صحابی تھے۔استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ سب میں ان کے حالات مذکور ہیں۔ یہ جنگ جمل و صفین میں بڑے کارہائے نمایاں امیرالمومنینؑ کی حمایت میں انجام دیئے۔

(۵) کعب بن عبدہ:

ان کے متعلق بلاذری کا جملہ سابق میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ مشہور زاہد تھے۔

(۶) عدی بن حاتم طائی:

بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ۸ ہجری میں حاضر خدمت پیغمبرؐ ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے ان کے ثقہ ہونے میں کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا ان کی حدیثیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

حضرت عمر نے ایک مرتبہ بڑی گرانقدر لفظوں میں ان کی مدح فرمائی تھی انہوں نے حضرت عمر سے پوچھا۔سرکار مجھے پہچانتے ہیں؟ حضرت عمر نے کہا ہاں خدا کی قسم میں تمہیں پہچانتا ہوں۔خداوند عالم نے تمہیں بہترین معرفت کے ساتھ معزز کیا ہے، خدا کی قسم میں تمہیں جانتا ہوں کہ تم اس وقت ایمان لائے جب لوگ کافر تھے اور پیغمبرؐ کو تم نے اس وقت پہچانا جب لوگ انکار کر رہے تھے اس وقت تم نے وفا کی جب سب نے بے وفائی کی اس وقت تم متوجہ ہوئے جب سبھی روگرداں تھے بتحقیق کہ پہلا وہ مال زکوٰۃ جس نے سرور کائنات اور ان کے اصحاب کے چہروں کو خنداں کیا، قبیلہ طے کا مال زکوٰۃ تھا جسے تم رسولؐ اللہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے تھے۔

(مسند احمد ج ۱/ ص ۴۵، طبقات ابن سعد، صحیح مسلم، استیعاب، تاریخ خطیب، اسد الغابہ، تہذیب التہذیب وغیرہ۔

اسد الغابہ میں یہ بھی ہے کہ یہ حضرت عثمان کے مخالفین میں سے تھے۔

(۷) مالک بن حبیب:

یہ بھی پیغمبر کے صحابی تھے۔

(۸) یزید بن قیس ارحبی:

انہوں نے بھی پیغمبرؐ کا زمانہ پایا بہت بڑے سردار اور لوگوں کی نگاہوں میں بے حد عظیم المنزلت تھے، جب کوفہ والے حضرت عثمان کے خلاف صف آرا ہوئے تو قاریان قرآن نے باتفاق آرا انہیں اپنا سردار منتخب کیا۔ حضرت علیؑ کے فدائیوں میں تھے اور آپؑ کی معیت میں جمل وصفین وغیرہ سبھی میں شریک ہوئے آپ نے پہلے انہیں پولیس افسر مقرر کیا پھر اصفہان ورے وہمدان کا گورنر مقرر فرمایا۔ جنگ صفین میں انہوں نے اہم خدمات انجام دیئے ہیں۔ اور بڑی معنی خیز تقریریں کی ہیں جن سے ان کی نفسیات اور غیر معمولی کمالات کا اندازہ ہوتا ہے۔ کچھ حصہ ان کا ابن مزاحم نے اپنی کتاب صفین میں، طبری نے اپنی تاریخ، ابن اثیر نے تاریخ کامل میں نقل کیا ہے۔ ان کی ایک تقریر کا ٹکڑا ہے:

''سچا مسلمان وہ ہے جس کے معتقدات ونظریات سالم ہوں بلاشبہ یہ لوگ معاویہ اور ان کے اصحاب اس وجہ سے ہم سے جنگ نہیں کرتے کہ ہم نے کسی دینی معاملہ کو ضائع کر دیا ہے اور ان کو اس کے قائم کرنے کی بڑی فکر ہو یا ہم نے عدل وانصاف کو مردہ کر دیا ہے اور وہ زندہ رکھنا چاہتے ہیں یہ لوگ ہم سے صرف اپنی دنیا قائم رکھنے کے لیے آمادۂ پیکار ہیں چاہتے ہیں وہ اس دنیا کے مطلق العنان فرمانروا بنے رہیں اگر خدانہ کردہ یہ لوگ تم پر غالب آگئے تو یقیناً سعید بن عاص، ولید بن عقبہ، عبداللہ بن عامر ایسے اشخاص کو تم پر مسلط کر دیں گے جو اپنی صحبتوں میں طرح طرح کی باتیں بناتے اور مال خدا کو ہضم کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا ہی ہے اور اس کے خرچ کرنے میں ہم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے باپ کی میراث ہے؟ حالانکہ وہ خدا کا مال ہے اور بفضل خدا ہماری تلواروں اور نیزوں کی کمائی ہے بندگانِ خدا اس ظالم قوم سے جنگ کرو جو مرضی الٰہی کے برخلاف فیصلہ کرتے ہیں تم ان سے لڑنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو۔ اگر یہ تم پر غالب آگئے تو یقیناً تمہارے دین اور دنیا دونوں کو برباد کر دیں گے ان لوگوں کو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ آزما چکے ہو۔ خدا کی قسم ان کی نیت ہمیشہ شر وفساد ہی کی رہی ہے۔

(کتاب صفین ص/ ۲۷۹، تاریخ طبری ج/ ۶ ص/ ۱۰، اصابہ ج/ ۳ ص/ ۶۷۵)

(۹) عمرو بن حمق بن حبیب خزاعی کعبی:

پیغمبرؐ کی مصاحبت میں مدتوں رہے۔ آپ کی بے شمار حدیثوں کے حافظ ہیں پیغمبرؐ کو انہوں نے ایک مرتبہ جام شیر پلایا

جس پر آنحضرت نے دعا دی اللھم امتعه بشبابه۔ خداوندا انہیں جوانی سے بہرہ ورفرما۔ چنانچہ یہ ۸۰ برس تک زندہ رہے اور ان کا ایک بال بھی سپید نہیں ہوا۔ (اسد الغابہ ج ر ۴ ص ر ۱۰۰، اصابہ ج ر ۲ ص ر ۵۳۳)

امام بخاری نے ان کی حدیثیں تعلیقات میں درج کی ہیں۔ ابن ماجہ ونسائی وغیرہ نے اپنی صحاح میں یہ جناب حجر بن عدی کے مخصوص اعوان میں سے تھے، ابوعمرو نے استیعاب میں ابن اثیر نے اسد الغابہ میں ابن حجر نے اصابہ میں ان کے حالات لکھے ہیں اور کسی نے ایک لفظ بھی ان کے متعلق نامناسب نہیں لکھا بس زیادہ سے زیادہ یہ کہ:

کان ممن سار الی عثمان بن عفان وهو احد الاربعة الذين دخلوا عليه الدار فيما ذكر وصار بعد ذالك من شيعة علی علیہ السلام۔

انه كان ممن قام علی عثمان كان احد من الب علی عثمان۔

یہ حضرت عثمان کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہونے والوں میں سے ان چار آدمیوں میں سے ایک ہیں جو حضرت عثمان کے گھر میں داخل ہوئے تھے جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے حضرت عثمان کے قتل کے بعد علیؑ کے مخصوص اصحاب میں داخل ہوئے تھے۔ یہ من جملہ ان لوگوں کے تھے جو حضرت عثمان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے یہ منجملہ ان لوگوں کے تھے جنہوں نے حضرت عثمان پر یورش کی۔

جنگ صفین میں انہوں نے بڑی خدمات انجام دیں اور ایسی تقریریں کیں جو ان کے خلوص ایمان کی شاہد اور پاکیزگی روح وسلامتی فطرت کا ثبوت ہیں۔

دیکھئے کتاب صفین ابن مزاحم ص ر ۱۱۵، و ۴۳۳۔ ۴۵۴۔ ۵۵۲)

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ان کی قبر موصل میں بہت مشہور زیارت گاہ ہے اور بہت بڑا روضہ ان کا بنا ہوا ہے۔ (اسد الغابہ ج ر ۴ ص ر ۱۰۱)

(۱۰) عروہ بن جعد:

یہ ابوجعد بارقی ازدی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ بزرگ صحابی، اصابہ، استیعاب، اسد الغابہ وغیرہ سبھی تذکروں میں ان کے حالات مذکور ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی حدیثیں مذکور ہیں۔

(۱۱) اصغر بن قیس بن حارث حارثی:

انہوں نے بھی زمانہ پیغمبرؐ پایا، ابن حجر نے اصابہ میں ان کے حالات درج کئے ہیں۔

(۱۲) کمیل بن زیاد نخعی:

اپنی قوم کے معزز و محترم سید و سردار تھے۔ حجاج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

(۱۳) حارث ابن عبداللہ اعور ھمدانی:

بہت ثقہ اور معتمد بزرگ تھے۔ ابن معین نے انہیں ثقہ لکھا ہے۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ یہ تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ سب سے زیادہ صاحب شرف اور سب سے بڑھ کر علم فرائض کے ماہر تھے۔ انہوں نے علم فرائض حضرت علیؑ سے حاصل کیا۔

شعبی جیسے متعصبین نے ان کی تکذیب بھی کی ہے جس کے متعلق علامہ ابن عبدالبر اپنی کتاب العلم میں لکھتے ہیں۔

''میرا خیال ہے شعبی نے حارث کو کذاب جو کہا اس کا ان سے اچھی طرح مواخذہ کیا گیا انہوں نے کہنے کو تو کہہ دیا مگر ان کا کذب بتایا نہیں۔ اصل میں شعبی ان سے اس لیے برہم تھے کہ وہ حضرت علیؑ کو بے حد دوست رکھتے تھے۔

چوتھی فصل

کعب بن عبدہ کی جلاوطنی اور زدوکوب

کوفہ کے قاریان قرآن اور معززین نے حضرت عثمان کی خدمت میں سعید بن عاص حاکم کوفہ کی زیادتیوں کی فریاد کی اور اپنا شکایت نامہ روانہ کیا جس میں انہوں نے عرض کی کہ:

سعید بن عاص، معزز ومحترم پرہیزگار ونیکوکار بزرگان مومنین کے پیچھے پڑ گیا ہے اور آپ کو ان کے معاملہ میں ایسے طرز عمل پر آمادہ کرلیا ہے جو نہ شرعاً جائز ہے نہ اخلاقاً ہی مناسب ہے ہم امت محمد کے بارے میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ ہمیں پورا اندیشہ ہے کہ کہیں آپ کے ہاتھوں ہی ان کی تباہی عمل میں نہ آئے کیونکہ آپ نے اپنے خاندان والوں کو ان کی گردنوں پر مسلط کر رکھا ہے۔ یہ سوچ لیجئے کہ آپ کے جو مددگار ہیں وہ ظالم ہیں اور آپ کے مخالفین مظلوم ہیں جب ظالم آپ کی نصرت کریں گے اور مخالفین اپنی مخالفت کا اظہار کریں گے تو دونوں فریق ایک دوسرے کے برخلاف ہوں گے اور شیرازہ اتحاد رخصت ہو جائے گا ہم آپ کی زیادتیوں پر خدا کو گواہ بناتے ہیں اور اسی کی گواہی کافی ہے آپ ہمارے اسی وقت تک امیر ہیں جب تک آپ راہ راست پر رہیئے ورنہ خدا سے آپ کوئی چھٹکارا نہیں پائیں گے۔

اس شکایت نامہ پر کسی نے اپنا نام نہیں لکھا اور ابوربیعہ نامی ایک شخص کے ہاتھ حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا۔ کعب بن عبدہ ایک مشہور زاہد تھے انہوں نے ایک علاحدہ خط لکھا۔ اسی مضمون کا اور اس میں انہوں نے اپنا نام بھی لکھ دیا جب ربیعہ یہ دونوں خط لے کر عثمان کے پاس آیا تو آپ نے نوشتہ لکھنے والوں کے نام پوچھے۔ اس نے لاعلمی ظاہر کی حضرت عثمان نے اسے حوالات میں ڈال دیا زدوکوب بھی کرنا چاہا مگر علیؑ نے منع کیا کہ وہ غریب و پیغامبر ہے جو پیغام اس کے حوالہ کیا گیا تھا اس نے پہنچا دیا حضرت عثمان نے سعید بن عاص کو لکھ بھیجا کہ کعب بن عبدہ کو ۲۰ کوڑے مارے جائیں اور ان کا حساب کتاب رے میں منتقل کر دیا جائے۔ سعید نے ایسا ہی کیا پھر حضرت عثمان اپنے فعل پر شرمندہ ہوئے اور کعب بن عبدہ کو اپنے پاس بلا بھیجا جب وہ آئے تو ان سے معذرت کی اپنی شرمندگی کا اظہار کیا اور اپنے کپڑے اتار کر کعب سے کہا کہ تم بھی مجھے ۲۰ کوڑے مارلو۔ کعب نے معاف کر دیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عثمان نے کعب کا خط پڑھ کر سعید کو لکھا کہ کعب کو میرے پاس بھیج دو۔ کعب

نوجوان اور بہت لاغر انسان تھے جب وہ حضرت عثمان کے پاس پہنچے تو حضرت عثمان نے کہا۔

تم مجھے حق کی تعلیم دیتے ہو؟ حالانکہ میں نے کتاب خدا کی اس وقت تلاوت کی جب تم مشرک کے صلب میں تھے۔

کعب بن عبدہ۔شوریٰ نے آپ کو خلافت کی مسند پر بٹھایا اور اس وقت جب آپ نے عہد کیا کہ ہم پیغمبرؐ کی روش پر چلیں گے، اگر آج ہم سے پھر دوبارہ مشورہ لیا جائے تو ہم یقیناً آپ کو اس منصب سے الگ کر دیں گے۔ اے عثمان! کوئی شک نہیں کہ کتاب خدا اس کے لیے ہے جو اسے پڑھے اور اس پر عمل کرے پڑھنے میں ہم آپ برابر ہیں۔ ہاں اگر پڑھنے والا اس پر عمل نہ کرے تو وہ قرآن کے برخلاف حجت ہوگا۔

حضرت عثمان۔میں تو سمجھتا ہوں کہ تمہیں یہ بھی نہ پتہ ہوگا کہ تمہارا پروردگار کہاں ہے؟

کعب بن عبدہ۔ ھو بالمرصاد۔ خداوند عالم آپ کی گھات میں ہے۔

مروان۔حضور آپ کی بردباری ہی نے ایسے لوگوں کو جری بنا دیا ہے۔آپ نہ نرمی سے کام لیں نہ انہیں اس قسم کی حرکتوں کی جسارت ہو۔

حضرت عثمان نے حکم دیا کہ کعب کے کپڑے اتارے جائیں اور ۲۰ کوڑے لگائے جائیں۔اس سزا کے بعد حضرت عثمان نے انہیں دباوند کی طرف جلاوطن کر دیا۔

سعید نے انہیں بکیر بن حمران احمری کی نگرانی میں دباوند بھیج دیا وہاں جس دیہاتی کے یہاں جا کر ٹھہرے۔اس نے بکیر سے پوچھا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے شخص کو کس جرم میں یہ سزا دی گئی۔بکیر نے کہا چونکہ یہ شریر ہیں دیہاتی نے کہا اگر ایسے ہی لوگ شریر ہوتے ہیں تو یقیناً یہی بہترین خلائق ہیں۔

کعب کے جلاوطن کیئے جانے پر طلحہ وزبیر نے حضرت عثمان کی فہمائش کی جس پر انہوں نے کعب کو واپس بلا لیا اور اظہار ندامت کے طور پر خواہش کی کہ تم اسی طرح ۲۰ کوڑے مجھے مارلو۔مگر کعب نے معاف کر دیا۔

(کتاب الانساب ج ر ۵،ص ر ۴۱۰،تاریخ طبری ج ر ۵،ص ر ۱۳۷، ریاض نضرہ ج ر ۲،ص ر ۱۴۰،وص ر ۱۴۹، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱،ص ر ۱۶،صواعق محرقہ ص ر ۱۸)

علامہ حلبی نے حضرت عثمان سے لوگوں کی برہمی و بیزاری کے اسباب میں اس واقعہ کو بھی شمار کیا ہے کہ انہوں نے کعب کو ۲۰ کوڑے مارے اور پہاڑوں کی طرف نکال باہر کیا۔

کیا یہ امر حیرت خیز نہیں کہ حضرت عثمان کے مخالفین خواہ مدینہ کے رہنے والے ہوں یا دیگر بلاد اسلامیہ کے سب

کے سب اپنے مقام کے نامی گرامی معززین اور نیکو کار مومنین تھے جس طرح بلاشبہ آپ کے حلقہ بگوش و حاشیہ نشین دین کا تمسخر اڑانے والے رسوائے زمانہ، بدنام خلائق ہوا و ہوس کے بندے یعنی بنی امیہ کے اوباش افراد تھے۔

آپ دیکھیں گے کہ حضرت عثمان کا ہاتھ سزا کے لیے جب بھی اٹھا تو انہیں نیکو کاروں پر جس طرح ان کے انعام واکرام مخصوص تھے صرف اوباش اور کمینہ افراد ہی کے لیے کیا خلیفہ مومنین کے لیے بجائے رحمت کے عذاب ہی ہوا کرتا ہے کس سے پوچھا جائے کہ جب باشندگان کوفہ کا شکایت نامہ حضرت عثمان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کس جرم میں خط لانے والے کو قید میں ڈال دیا اور مارنے پیٹنے کے درپے ہوئے وہ غریب صرف پیغامبر ہی تو تھا ہوسکتا ہے کہ اسے خط کے مضمون کا بھی علم نہ ہو اور خط میں تھا بھی کیا؟ صرف خدا کو یاد دلایا گیا تھا اور مسلمانوں کے شیرازہ کو پراگندہ کرنے سے ڈرایا گیا تھا اور اپنی فرمانبرداری کا یقین دلایا گیا تھا مگر اسی وقت جب تک کہ وہ خدا کی فرمانبرداری کریں اور جادہ مستقیم سے منحرف نہ ہوں یہی سب باتیں ماقبل کے خلفاء میں بھی ملحوظ رکھی گئیں اور اسی بنیاد پر بروز شوریٰ حضرت عثمان کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔

نیز کعب بن عبدہ کے خط سے بھی برہمی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ انہوں نے بھی اپنی قوم والوں کی طرح صرف خیرخواہی کا ثبوت دیا تھا جس کا انعام دربار خلافت سے یہ دیا گیا کہ کوڑے مارے گئے اور پہاڑوں کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ کیوں نہیں حضرت عثمان نے ان سے سمجھوتہ کی کوشش کی۔ ان کی شکایت پر توجہ دیتے اگر بے جا شکایتیں تھیں تو ان کو قائل کرتے اگر بجا تھیں تو ان کے دفعیہ کی کوشش کرتے اور اس طرح بات بڑھنے کی نوبت ہی نہ آتی لیکن وہ تو محض اپنی ہی رائے کو صحیح سمجھتے یا جو ان کے حلقہ بگوش کہتے اسی پر یقین رکھتے یہی وجہ تھی کہ کعب بن عبدہ ایسے زاہد و عبادت گذار کو بھی وہ راضی نہ کر سکے بلکہ کہا تو یہ کہا کہ تم مجھے حق کی تعلیم دیتے ہو حالانکہ میں نے اس وقت قرآن پڑھا جب تم مشرک کے صلب میں تھے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ رکیک بات کیوں کر حضرت عثمان کی زبان سے نکلی اگر کوئی انسان خدا پر ایمان رکھنے والا ہو تو کیا صلب مشرک میں رہ چکنے کی وجہ سے اس کی کوئی عزت نہیں اس صورت میں تو صحابہ کرام کی بھی عزت باقی نہ رہنا چاہئے کیونکہ سب ہی مشرکین کے صلب سے پیدا ہوئے مشرک عورتوں کے رحم میں رہے اور خود بھی اسلام لانے کے قبل مدتوں مشرک رہے۔ اسلام نے تو ماقبل کی سب ہی چیزیں مٹا دیں۔ اصلاب و ارحام صرف ظروف کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مزید برآں پہلے پہل قرآن کی صرف تلاوت کرنے کی وجہ سے کیا کسی کا درجہ بلند سمجھا جاسکتا ہے جب تک کہ اس پر عمل بھی نہ ہو؟ جیسا کہ کعب نے حضرت عثمان کو جواب بھی دیا تھا یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عثمان کے یہ کہنے کیا کا تُک تھا کہ تمہیں یہ بھی پتہ نہ ہوگا کہ تمہارا پروردگار کہاں ہوگا؟ کیا مطلب تھا آخر حضرت عثمان کا؟ کیا وہ مکان و جگہ پوچھنا چاہتے تھے؟ نعوذ

باللہ! کون مسلمان نہیں جانتا کہ خداوند عالم کسی جگہ و مکان سے مخصوص نہیں، کعب نے جواب بھی کیالا جواب دیا کہ ھو بالمر صاد میرا خدا گھات میں ہے۔

تند و تیز سخت و شدید باتیں ہی کیا کم تھیں کہ مروان نے آپ کے سکوت کو حلم قرار دیدیا اور کعب کی باتوں کو جرأت و جسارت قرار دے کر آپ کو کعب کے خلاف بھڑکایا اور بھڑکانے میں آپ آ بھی گئے۔ آپے سے باہر ہو کر کعب کے کپڑے اتارنے اور ۲۰ کوڑے مارنے کا حکم صادر کر دیا۔ کعب ایسے زاہد کے ساتھ یہ بدسلوکی کھلی ہوئی زیادتی تھی اور اگر منتقم حقیقی اور روز جزا وسزا کا کوئی وجود ہے تو یقیناً حضرت عثمان کو اپنی اس بدسلوکی کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔ محدثین اہل سنت نے اسی جواب دہی سے حضرت عثمان کو محفوظ ظاہر کرنے کے لیے تتمہ روایت میں اتنا ٹکڑا اپنی طرف سے گڑھ کر اضافہ کر دیا کہ حضرت عثمان اپنے فعل پر نادم ہوئے اور طلحہ و زبیر کی فہمائش پر انہوں نے کعب کو واپس بلالیا ان سے معافی چاہی اور کعب نے معاف بھی کر دیا۔ مگر ان محدثین کو یہ خیال نہ رہا کہ خلیفۂ وقت بے بات کی بات میں غصہ سے بے قابو ہو جاتے۔ کعب کے معاملہ میں تو طلحہ و زبیر کی فہمائش پر شرمندہ تائب ہو گئے مگر بہت ممکن ہے کہ اور بھی بہت سی حرکتیں ان سے سرزد ہوئی ہوں بہت سے بے قصور مومنین کو انہوں نے ایذا پہنچائی ہو۔ اور کسی نے فہمائش نہ کی ہو اور حضرت عثمان اپنی بدسلوکی ہی پر مصر رہے ہوں۔

پانچویں فصل

مشہور زاھد وعابد عامر بن عبد قیس تمیمی بصری کی جلاوطنی شام کی طرف

طبری نے روایت کی ہے کہ کچھ مسلمانوں نے جمع ہو کر حضرت عثمان کے افعال واعمال کا آپس میں تذکرہ کیا رائے ہوئی کہ کسی کو حضرت عثمان کے پاس بھیجا جائے جو جا کر ان سے گفتگو کرے اور ان کی طرف سے جو زیادتیاں عمل میں آئی ہیں انہیں گنائے۔ طے ہوا کہ عامر بن عبد قیس جائیں وہ حضرت عثمان کے پاس پہنچے اور کہا کہ:

عامر بن قیس۔ کچھ مسلمانوں نے اکٹھا ہو کر آپ کے افعال کی چھان بین کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ آپ نے بہت سے قابل اعتراض افعال کئے ہیں آپ خدا سے ڈرئیے اور توبہ کیجئے اور ان باتوں سے باز رہئے۔

عثمان۔ اس شخص کو دیکھو جسے لوگ قاری جانتے ہیں یہ ہمارے پاس آتا ہے اور مہمل بکواس اور رکیک باتیں کرتا ہے۔ اسے خدا کی قسم یہ بھی نہیں معلوم کہ خدا کہاں ہے؟

عامر بن قیس۔ میں نہیں جانتا کہ خدا کہاں ہے؟

عثمان۔ ہاں بخدا تم نہیں جانتے کہ خدا کہاں ہے؟

عامر بن قیس۔ میں خدا کی قسم جانتا ہوں کوئی شک نہیں کہ اللہ آپ کی گھات میں ہے۔

جب حضرت عثمان نے اندازہ کیا کہ مخالفت زور پکڑتی جا رہی ہے تو انہوں نے تمام والیوں کو مدینہ بلا بھیجا۔ معاویہ ابن ابی سفیان، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، سعید بن عاص، عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عامر وغیرہ جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عثمان نے ان سے کہا۔

ہر شخص کے کچھ مددگار اور خیر خواہ ہوتے ہیں تمہیں لوگ میرے مددگار وخیر خواہ بھی ہو اور بھروسہ کے لائق بھی۔ لوگوں نے جیسا سر اٹھایا ہے تم دیکھتے ہو ان لوگوں کا تقاضا ہے کہ میں اپنے عاملوں کو معزول کر دوں کوئی ایسی بات نہ کروں جو انہیں ناپسند ہو بلکہ انہیں کی من مانی کروں تم لوگ خوب سوچ بچار کر کے مجھے مشورہ دو۔

عبداللہ بن عامر۔ میری رائے یہ ہے کہ حضور آپ ان لوگوں کو جہاد کا حکم دیں یہ جنگ کی بھٹی کے سامنے جب رہیں گے تو کسی قسم کا شور وشغب نہ کریں گے اور خود بخود آپ کے مطیع ہو جائیں گے ہر شخص کو اپنی جان کی پڑی ہوگی۔

حضرت عثمان۔ سعید بن عاص تمہاری کیا رائے ہے۔

سعید بن عاص۔ حضور میری رائے پوچھتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ اصل بیماری کو کاٹ پھینکئے اور جس چیز سے ڈرتے ہیں اس کو بھی کچل ڈالئے اور میری رائے پر عمل کیجئے تب ہی ان باتوں کا سدباب ہوگا۔

حضرت عثمان۔ وہ رائے تمہاری کیا ہے۔

سعید بن عاص۔ حضور ہر وہ اور جماعت کے کچھ لیڈر اور سرغنہ ہوتے ہیں جب وہ لیڈر مر جاتے ہیں تو جماعت خود بخود پراگندہ ہو جاتی ہے اور پھر ان میں اتحاد پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت عثمان۔ رائے تو تمہاری ٹھیک تھی اگرچہ اس میں جو خرابی ہے وہ ظاہر ہے۔

پھر معاویہ کی طرف مڑ کر پوچھا تمہاری کیا رائے ہے۔

معاویہ۔ میری رائے تو یہ ہے کہ اپنے ہر عامل کو حکم دیں کہ وہ اپنے صوبہ کے لوگوں پر کنٹرول رکھے میں اپنے صوبہ کا ضامن ہوں کسی کو آپ کے خلاف دم نہ مارنے دوں گا۔

پھر حضرت عثمان عبداللہ بن سعد کی طرف متوجہ ہوئے تمہاری کیا رائے ہے؟

عبداللہ بن سعد۔ میری رائے کہ یہ لوگ لالچی ہیں انہیں بیت المال سے کچھ دے دلا کر زم کر لیجئے۔

پھر آپ عمرو بن عاص کی طرف مڑے اور پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟

عمرو بن عاص۔ میری رائے ہے کہ آپ نے لوگوں پر زیادتیاں کی ہیں لہٰذا اب انصاف پر کمر باندھ لیجئے اگر انصاف کرنا نہیں چاہتے تو معزول ہونے پر تیار رہیں اگر معزول ہونا بھی نہیں چاہتے تو کوئی پکا ارادہ کر لیجئے اور اسی پر چل کھڑے ہوئیے۔

حضرت عثمان۔ کیا خوب، یہی تمہاری رائے ہے۔

جب لوگ متفرق ہو گئے اور صرف عثمان و عمرو عاص رہ گئے تو عمرو عاص نے کہا خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ آپ میری نگاہوں میں اس رائے سے کہیں بلند و بالا ہیں، بات یہ ہے کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ہم سب لوگوں کی باتیں باہر ضرور پہنچیں گی میں نے چاہا کہ میری بات بھی باہر پہنچے اور لوگ مجھ پر بھروسہ کرنے لگیں۔ اس طرح میں یا تو آپ کو فائدہ پہنچاؤں گا یا آپ کی

طرف سے برائی کا دفعیہ کروں گا۔

حضرت عثمان نے اپنے عاملوں کو اپنی جگہوں پر واپس جانے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ اپنے اپنے یہاں کے لوگوں پر خوب سختی کریں اور انہیں مجبور کر کے محاذ جنگ کی طرف بھیجیں ساتھ ہی ساتھ آپ نے یہ بھی طے کر لیا کہ مسلمانوں کے وظائف بند کر دیئے جائیں تا کہ وہ بے بس ہو کر آپ کے مطیع ومحتاج رہیں۔ (کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵،ص ر ۴۳، تاریخ طبری ج ر ۵،ص ر ۹۴، کامل ج ر ۳،ص ر ۶۲، تاریخ ابن خلدون ج ر ۲،ص ر ۳۹۰)

بلاذری لکھتے ہیں کہ عامر بن قیس تمیمی حضرت عثمان کی حکومت اور ان کی سیرت کو بے حد ناپسند کرتے تھے۔ حمران بن ابان حضرت عثمان کے غلام نے اس بات کی شکایت لکھ بھیجی انہوں نے عبداللہ بن عامر بن کریز کو لکھ بھیجا کہ عامر بن قیس کو میرے پاس گرفتار کر کے بھیج دو۔ جب عامر مدینہ پہنچے اور حضرت عثمان نے دیکھا کہ لوگ ان کی گرفتاری اور گھر سے باہر نکالے جانے کو بڑی اہمیت دے رہے ہیں کیونکہ یہ بڑے عابد وزاہد تھے انہوں نے نرمی کا سلوک کیا اور انہیں پھر بصرہ بھیج دیا۔ (الانساب ج ر ۵،ص ر ۵۷)

ابن مبارک نے روایت کی ہے کہ عامر بن قیس کی شکایت حضرت عثمان سے کی گئی آپ نے حکم دیا کہ انہیں شام جلاوطن کر دیا جائے۔ معاویہ نے قیس کو قصرِ خضرا میں ٹھہرایا اور ایک کنیز کو مقرر کیا کہ عامر کے حالات کی خبر دیتی رہے۔ یہ عامر رات بھر عبادت میں گذار دیتے اور سحر ہونے سے پہلے قصر سے باہر نکل جاتے اور جب اندھیرا ہو جاتا تو واپس آتے۔ وہ معاویہ کا کھانا چھوتے بھی نہیں بلکہ اپنے ساتھ سوکھی روٹیوں کے ٹکڑے لائے تھے اسی کو پانی میں بھگوتے اور کھا لیتے۔ معاویہ نے عثمان کو یہ صورت لکھ کر بھیج دی آپ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ نیکی کرو اور اپنے سے تادیب کرو۔ عامر نے جواب دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ (الاصابہ ج ر ۳،ص ر ۸۵)

ابن قتیبہ ابن عبدربہ اور راغب اصفہانی کے نزدیک حضرت عثمان سے لوگوں کی برہمی کے اسباب میں سے ایک سبب عامر بن قیس کی جلاوطنی بھی تھی۔

(معارف ص ر ۸۴۔ وص ر ۱۹۴، عقد فرید ج ر ۲،ص ر ۲۶۱، محاضرات ج ر ۲،ص ر ۲۱۲)

سچ کہا ہے کسی نے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

حضرت عثمان کا دور کتنا پر آشوب دور تھا کتنے حیرت کی بات ہے کہ ہر اسلامی شہر کے جتنے معززین ونیکو کار مومنین

تھے سب ہی تختۂ مشق بنے اور بارگاہ خلافت سے کسی کو بھی معافی کے قابل نہ سمجھا گیا۔ کبھی کوڑوں سے پیٹا گیا۔ کسی کو تاریک قید خانوں میں مقید کیا گیا کسی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ، دوسری جگہ سے تیسری جگہ شہر بدر کیا۔ کسی کا آزوقہ بند کر دیا گیا۔ کسی کی ہڈی پسلی توڑ دی گئی کسی کو مجمع عام میں گالیاں دی گئیں ۔ یہ سب باتیں آخر کس لیے عمل میں لائی گئیں صرف اس لیے تاکہ مقدس صحابہ نیکو کار مومنین حق کے لیے غضبناک ہوئے منکرات کو ناپسند کیا۔ اندھیری نگری ان سے برداشت نہ ہوئی کیوں نہیں ایسا کیا گیا کہ ان کی شکایتیں سنی جاتیں جو جائز ہوتی انہیں دور کر دیا جاتا جو ناجائز تھیں ان میں قائل کیا جاتا۔ اسی میں خدا کی بھی خوشنودی تھی پیغمبرؐ کی بھی اور تمام مسلمانوں کی بھی اور یہی مناسب ذریعہ تھا فتنہ وفساد کے انسداد کا مارنے پیٹنے، شہر بدر کرنے گالی دینے سے تو یقیناً یہی صورت بدرجہا بہتر تھی۔

اگر حضرت عثمان کی نگاہوں میں مخالفین کی مخالفت غلطی تھی تو جلسۂ عام میں اس مسئلہ کو پیش کر سکتے تھے۔ مجمع عام میں جب مخالفین کی شکایتیں پیش کی جاتیں ان پر بحث ومباحثہ ہوتا تو اغلب تھا کہ یا تو مخالفین قائل ہو جاتے یا حضرت عثمان ان کی شکایت کو جائز تسلیم کر لیتے ۔ اس قسم کے سمجھوتے کے لیے جلسۂ عام کرنا زیادہ مفید تھا۔ بہ نسبت اس خفیہ اجلاس کے جو حضرت عثمان نے عامر بن قیس کے متعلق اپنے مخصوص عمال کو جمع کر کے کیا تھا وہ عمال جو سارے فسادات کی جڑ اور تمام خرابیوں کی بنیاد تھے۔

سب سے زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ حضرت عثمان نے حمران بن ابان کی چغلی پر توجہ کیوں کر کی۔ یہ وہی حمران بن ابان تو تھا جس نے ایک عورت سے عدہ کی حالت میں نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عثمان نے اسے زدوکوب کی اور بصرہ کی طرف نکال دیا تھا۔ (تاریخ طبری ج ۵،ص ۹۱، تاریخ کامل ج ۳،ص ۶۰) یہ وہی حمران بن ابان تھا جس سے حضرت عثمان نے کوئی راز کی بات کہی اس نے عبدالرحمان بن عوف سے کہہ دیا۔ حضرت عثمان بے حد غضبناک ہوئے۔ اور اسے نکال باہر کیا۔ (تہذیب التہذیب ج ۳،ص ۲۴)

بلاذری لکھتے ہیں کہ جب کوفہ کے لوگوں نے حاکم کو ولید بن عقبہ کی شکایت کی تو حضرت عثمان نے حمران بن ابان کو بھیجا کہ جا کر پتہ چلاؤ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ ہے وہاں ولید نے حمران کو کافی رشوت دے دی۔ حمران نے مدینہ واپس آ کر جھوٹ بولا اور ولید کو بالکل بے قصور بتایا۔ اس کے بعد اس کی ملاقات مروان سے ہوئی۔ مروان سے اس نے کچا چٹھا کہہ دیا۔ مروان نے عثمان سے آ کر کہا۔ حضرت عثمان کو بہت طیش آیا۔ انہوں نے حمران کو بصرہ سے نکال دیا اور اسے ایک مکان بھی دلوا دیا۔ (کتاب الانساب ج ۵،ص ۱۷۵)

حمران بن ابان جب ایسا کھلا ہوا فاسق اور جسور تھا پھر آخر اس کی چغلی پر حضرت عثمان نے کیونکر اس کو سچا سمجھا۔ خدا وند عالم کا تو ارشاد ہے۔

ان جائکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ۔ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو سوچ بچار لو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو مبتلائے مصیبت کر ڈالو۔

حضرت عثمان نے حمران کی خبر پر مزید تحقیق کیوں نہ کر لی؟

اور سنئے! حمران ابن ابان فاسق کو جب حضرت عثمان نے بصرہ نکال باہر کیا چونکہ آپ کا وہ غلام تھا اس لیے آپ نے بصرہ میں اس کے لیے مکانات الاٹ کر دیا تا کہ وہ اپنے بال بچوں سمیت اطمینان سے رہ سکے اور پیغمبرؐ کے بوڑھے صحابی ابوذر ربذہ جلاوطن کئے گئے جو بے آب و گیاہ ویرانہ تھا کہیں سر چھپانے کی بھی جگہ نہیں تھی۔

تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو۔

چھٹی فصل

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر تشدد

مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت عثمان نے امیر المومنینؑ کے ساتھ جیسے سلوک کیے اور اکثر مواقع پر درشت ناملائم الفاظ آپ کی شان میں استعمال کیے ان کا ذکر ناظرین کی آزردگی ہی کا باعث ہوگا مورخین نے پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور بہت کم ان مناقشات کا ذکر کیا ہے پھر بھی جو کچھ تاریخ کے صفحات پر موجود ہے اس سے ایک بافہم انسان بہت کچھ استنباط کرسکتا ہے۔

کوئی مسلمان! کوئی سچا مسلمان جو خدا پر ایمان رکھتا ہو جس کی نظر سے کتاب خدا کی وہ آیات گذر چکی ہوں جو امیر المومنینؑ کے متعلق نازل ہوئیں جس نے پیغمبرؐ کے وہ گراں قدر ارشادات اپنے کانوں سے سنے ہوں جو آپ نے علیؑ کے متعلق فرمائے پیغمبرؐ کا وہ غیر معمولی سلوک اور برتاؤ دیکھا ہو جو علیؑ کے ساتھ آپؐ روا رکھتے تھے۔ جو علیؑ کی عظمت وجلالت، ان کی خدمات اسلامی، ان کی جانثاری پیغمبرؐ سے ذاتی طور پر واقف ہو ایسے مسلمان کے لیے کسی طرح بھی جائز ہوسکتا ہے کہ وہ علیؑ کو ان الفاظ سے خطاب کرے؟

لما لا یشتمك مروان اذا شتمته ما انت عندی بافضل منه۔

اگر آپ مروان کو برا بھلا کہیے تو مروان آپ کو برا کیوں نہیں کہہ سکتا آپ میرے نزدیک مروان سے افضل نہیں۔

حالانکہ مروان اور اس کا باپ دونوں پیغمبرؐ کے دھتکارے ہوئے تھے آنحضرتؐ نے اس پر بھی لعنت فرمائی تھی اور اس کے باپ پر بھی۔

واللہ یا ابالحسن ما ادری اشتھی موتك ام اشتھی حیاتك فواللہ لئن مت ما احب ان ابقی بعدك غیرك لانی لا اجد منك خلفا ولئن بقیت لا اعدم طاغیاً یتخذك سلما وعضداً ویعدك کھفاً وملجا لا یمنعنی منھه الا مکانه منك ومکانك منه فانا منك کالابن العاق من ابیه ان مات فجعه وان عاش عقه۔ ما انت بافضل من عمار واما انت اقل استحقاقاً للنفی منه۔

اے ابوالحسنؑ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہاری موت کی دعا مانگوں یا زندگی کی تمنا کروں کیونکہ اگر تمہیں موت آجائے تو تمہارے بعد دوسرے کے لیے مجھے زندہ رہنا گوارا نہیں کیونکہ تمہارا بدل ملنا محال ہے اگر تم زندہ رہو تو سرکش افراد ہمیشہ تمہاری آڑ لیں گے تمہیں اپنا دست و بازو بنائیں گے تمہیں اپنی جائے پناہ قرار دیں گے اور میں تمہاری وجہ سے ان کا کچھ

بگاڑ نہ سکوں گا مجھے تم سے ایسی ہی نسبت ہے جیسے نافرمان لڑکا اگر مرجائے تو باپ کو صدمہ میں مبتلا کرے اور اگر زندہ رہے تو نافرمانی کرے۔تم تو میرے نزدیک عمار سے بہتر نہیں نہ جلاوطنی کے ان سے کم سزوار ہو۔

امیر المومنینؑ کے ساتھ اس اہانت آمیز طرز عمل ایسے درشت وناز یبا کلمات ہی پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ آپ کو مدینہ چھوڑنے پر بھی مجبور کیا گیا اور ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ آپ کو ینبع جانا پڑا جس کی تفصیل ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔کس سے پوچھا جائے اور کون بتائے کہ آخر حضرت امیر المومنینؑ نے کیا خطا کی تھی کہ آپؑ کا وجود مسعود مدینہ میں خلیفہ وقت سے برداشت نہ ہوسکا اور دوسرے بہت سے معزز مومنین کی طرح آپؑ کو بھی شہر بدر کرنے کے مرتکب ہوئے معاذ اللہ۔جناب ابوذر تو حضرت عثمان کی نظروں میں اشتراکی تھے۔شیخ کذاب تھے اس لیے جلاوطن کرنے کے لائق سمجھے گئے۔

عبداللہ بن مسعود ان کی نظروں میں حقیر وذلیل چوپایہ تھے اس لیے ان کی ہڈی پسلی توڑی گئی۔عمار یاسر ان کے نزدیک سرکش وکاذب تھے اس لیے انہیں گالیاں دی گئیں ان کے پیٹ پر لات ماری گئی۔

کیا امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ بھی اسی قسم کے تھے ان کے نزدیک؟ عیاذاً باللہ۔

خدا شاہد ہے کہ امیر المومنینؑ کا کیا ذکر وہ تمام صحابہ کرام اور مقدس مومنین جو حضرت عثمان کے تشدد کا نشانہ بنے بالکل بے قصور و بے خطا تھے اور لگائے گئے الزامات واتہامات سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمان ان تمام نیکوکار مومنین کو جو انہیں نیک مشورہ دیتے ان کی واقعی خیر خواہی کرتے اپنا دشمن اور سرکش سمجھتے تھے اسی لیے انہیں طرح طرح کے مصائب وشدائد کا نشانہ بناتے اور جان لینے کے درپے ہوجاتے۔خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے غریب مومنین اپنی جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہوتے اگر امیر المومنینؑ آڑے نہ آجاتے۔اور افہام وتفہیم کر کے خلیفہ وقت کو ان کے شدائد سے باز رکھنے کی سعی بلیغ نہ کرتے۔لے دے کر یہی ایک خطا تھی، ایک جرم تھا جس کی وجہ سے آپ نہ صرف ناروا سلوک، نامناسب کلمات کے مستحق سمجھے گئے بلکہ بقول حضرت عثمان سب سے زیادہ شہر بدر کئے جانے کے مستحق سمجھے گئے۔

خدا کی قسم حضرت عثمان کے اسی طرز عمل اور انہیں درشت ونامہذب کلمات نے امیر المومنینؑ کے خلاف لوگوں کی جرائتیں بڑھادیں آپ ہی نے مجمع عام میں آپؑ کی عظمت وجلالت پر خاک ڈالنے کی کوشش کی۔لوگوں کی نگاہوں میں آپؑ کو حقیر وذلیل کرنا چاہا اور سرکش واوباش امویوں، ذلیل عربوں کو اتنی شہ دیدی کہ بعد میں امیر المومنینؑ اور آپ کی اولاد کے ساتھ اسی لب ولہجہ میں گفتگو کرنے کی لوگ جسارت کرنے لگے۔

یہ چند مختصر حالات وواقعات ہم نے عہد حضرت عثمان کے آپ کی خدمت میں پیش کئے ان سے آپ کو اندازہ ہوسکے گا کہ ۲۵ برس کے عرصہ میں شریعت اسلامیہ میں کتنے تغیرات ہوچکے تھے اور رفتہ رفتہ خلافت اسلامیہ کس قدر فسطائیت کے

قالب میں ڈھل چکی تھی یہ تمام واقعات مورخین ہی کی زبان سے بیان کئے گئے ہیں صفحات تاریخ کھلے ہوئے ہیں اور ہر شخص ان کا مطالعہ کرسکتا ہے اگرچہ مورخین نے کاٹ چھانٹ میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی بہت سے واقعات کو انہوں نے توڑ مروڑ کر بیان کیا ہے واجب تو یہ تھا کہ مورخین اپنے قلم کو جادہ انصاف سے منحرف نہ ہونے دیتے واقعات! جس طرح سے وہ گزرے ہیں اسی طرح قلم بند کرتے کسی فرقہ کی جانب داری نہ کرتے نہ اپنے مذہبی عقائد اور قلبی جذبات کی پروا کرتے مگر افسوس کہ مورخین نے تاریخ کا حق نہیں ادا کیا نہ اپنی ذمہ داریوں سے انہوں نے سبکدوش ہونے کی کوشش کی انہوں نے جہاں جی چاہا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا اور جو بات پسند نہ آئی اسے قلم زد کر گئے۔

علامہ طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں ''واقدی نے مصریوں کے عثمان کے پاس آنے کے بہت سے اسباب لکھتے ہیں بعض باتیں تو بیان کی گئی ہیں اور بعض کے ذکر سے میں نے خود پہلوتہی کی۔ایسی باتیں تھیں کہ ان کا تذکرہ مجھے گوارا نہ ہوا۔ (طبری ج/۵،ص/۱۰۸)

دوسری جگہ لکھتے ہیں قاتلین عثمان نے قتل عثمان کے جو اسباب بیان کئے ہیں ان میں سے بہت سے اسباب میں نے ذکر کئے اور بہت سے اسباب کے ذکر سے پہلوتہی کی کیوں کہ مصالح اسی کے مقتضی تھے۔(طبری ج/۵،ص/۱۱۳)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔''محمد بن ابی بکر جب مصر کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے معاویہ کو خط لکھے دونوں طرف سے خطوط آئے اور گئے میں نے ان کا ذکر مناسب نہ سمجھا کیونکہ عامۃ المسلمین ان کو برداشت نہ کرسکیں گے۔(طبری ج/۵،ص/۲۳۲)

علامہ مسعودی کا ایک فقرہ ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں کہ عثمان نے علیؑ کو بہت سخت سست جواب دیا جس کا ذکر کرنا میں پسند نہیں کرتا اور علیؑ نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں۔حضرت عثمان کے واقعہ قتل کے اسباب بہت سے میں نے ترک کر دیئے کیونکہ کچھ مصلحتیں اسی کی مقتضی تھیں۔(تاریخ کامل ج/۳،ص/۷۰)

ابن کثیر بدایہ ونہایہ ج/۷،ص/۱۷۷میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں بہت سے واقعات پیش آئے جتنا ممکن ہوگا ہم ان واقعات کو بیان کریں گے۔یہ لکھ کر ابن کثیر نے اپنے جی سے بہت سی باتیں بنا رکھی ہیں اور جھوٹ کا طومار باندھا ہے کوئی بات بھی صحیح نہیں نہ اگلے مورخین کی عبارتیں ان مزخرفات کی ذرہ برابر تائید کرتی ہیں یہ چند مشہور مورخین کا حال ہے اور انہیں کے زبان وقلم کا اعتراف کہ جن واقعات کو انہوں نے مناسب سمجھا بیان کیا۔اور جن واقعات میں ذرا بھی شائبہ اہانت نظر آیا گول کر گئے۔دیگر مورخین کی کیفیت بھی ان سے جدا گانہ نہیں۔

آٹھواں باب

پہلی فصل

حضرت عثمان سے اکابر صحابہ و مومنین کی بیزاری

اوران کی معزولی وھلاکت پر ارباب حل وعقد کا اجماع واتفاق

ہم نے یہاں جتنی باتیں بیان کی ہیں ان سے حضرت عثمان کی نفسیات کے مختلف پہلو، ان کا مبلغ علم، ان کا تقویٰ، ان کا تدبر و اصابت رائے ان کی صلاحیتیں بآسانی معلوم کی جاسکتی ہیں۔ حضرت عثمان کے معاصرین ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بھی ان کی ان باتوں سے ناواقف نہ تھے۔ اسی وجہ سے وہ سب ان کے متعلق متفق الرائے تھے سب کا ایک ہی فیصلہ تھا ان کے متعلق، اور ہر ایک کے طرز عمل ان کے ساتھ ایک ہی جیسے تھے۔ ہم چند نمونے حضرت عثمان کے معاصرین کے قول یا عمل کے پیش کرتے ہیں انہیں سے اندازہ ہوسکے گا کہ جب ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والے صحابہ کرام مہاجرین وانصار کی بے تعلقی اور بے پروائی بلکہ استکراہ و بیزاری کا یہ عالم تھا تو عامہ مسلمین کا کیا حال رہا ہوگا۔

(۱) حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے ارشادات:

(۲) قتل عثمان کے متعلق آپؑ نے فرمایا:

لو امرت به لكنت قاتلاً او نهيت عنه لكنت ناصراً۔ غير ان من نصره لايستطيع ان يقول خذله من انا خير منه ومن خذله ويستطيع يقول۔ نصره من هو خير مني وانا جامع لكم امره ليستاثرو فاساء الاثرة، وجزعتم فاساتم الجزع ولله حكم واقع في المستاثر والجازع۔ (نہج البلاغہ ج ۱ ص ۷۶)

اگر میں قتل عثمان کا حکم دیئے ہوتا تو خود ہی قاتل ہوتا اور اگر ان کی طرف سے مدافعت کرتا تو ان کا مددگار ہوتا اور یہ دونوں باتیں مجھے ناپسند تھیں۔ البتہ جس نے ان کی مدد کی وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ترک نصرت کرنے والوں سے بہتر ہوں اور ترک نصرت کرنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ عثمان کی مدد کرنے والا مجھ سے بہتر ہے میں قتل عثمان کی اصل حقیقت صاف صاف بیان کردوں عثمان نے خود رائی کی اور بہت بری طرح کی اور تم لوگوں نے بھی بے صبری کی اور نہایت بری طرح بے صبر ہوگئے۔ اب خدا اس نفس پروری کرنے والے اور ان بے صبروں میں جو حکم چاہے کرے۔

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ امیر المومنینؑ کے اس فقرہ غیر ان من نصرہ کا مطلب یہ ہے کہ عثمان کی مدد نہ کرنے والے بہتر تھے مدد کرنے والوں سے کیوں کہ حضرت عثمان کے مددگار زیادہ تر فاسق و بدکار افراد تھے جیسے مروان بن حکم اور اسی قبیلہ

کے افراد اور مدد نہ کرنے والے سبھی مہاجرین وانصار تھے۔ (شرح نہج البلاغہ ج/۱ص/۱۵۸)

(۲) حضرت عثمان نے عبداللہ بن عباس کے ذریعہ حضرت امیرالمومنینؑ کو کہلا بھیجا کہ آپ مدینہ چھوڑ کر ینبع چلے جائے اس پر آپ نے فرمایا:

یابن عباس! مایرید عثمان الاان یجعلنی جملاً ناضحا بالغرب اقبل وادبر بعث الیّ ان اخرج ثم بعث الیّ ان اقدم ثم هوا الان یبعث الیّ ان اخرج واللہ لقد رفعت عنه حتی خشیت ان اکون اثما۔ (نہج البلاغہ ج۱ص/۴۶۸)

اے ابن عباس! عثمان کا یہی منشا ہے کہ وہ مجھے پانی بھرنے والے اونٹ جیسا بنا دیں کہ وہ آتا ہے اور جاتا ہے۔ پہلے انہوں نے مجھے پیغام بھیجا کہ میں مدینہ چھوڑ کر ینبع چلا جاؤں جب میں ینبع چلا گیا تو پیغام بھیجا کہ جلدی آئیے پھر اس وقت کہلا بھیجا ہے کہ میں ینبع چلا جاؤں خدا کی قسم میں نے انہیں اتنی طرح دی ہے کہ ڈرتا ہوں کہیں گنہگار نہ ہو جاؤں۔

(۳) ابن سعد نے جناب عمار یاسر کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ بعد قتل عثمان میں نے منبر رسولؐ پر حضرت علیؑ کو یہ کہتے سنا۔

ما احببت قتله ولا کرهته ولا امرت به ولا نهیت عنه۔ (انساب بلاذری ج/۵ص/۱۰۱)

میں نے عثمان کے قتل کو نہ تو ناپسند کیا نہ پسند؟ نہ میں نے حکم دیا نہ منع کیا۔

(۴) ابو مخنف نے روایت کی ہے کہ معاویہ نے حبیب ابن مسلمہ فہری، شرحبیل بن سمط، معن ابن یزید کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا یہ لوگ حاضر ہوئے اس موقع پر ان لوگوں نے معاویہ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت علیؑ نے اس کا جواب دیا اس کے بعد حبیب اور شرحبیل نے کہا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ عثمان مظلوم قتل کئے گئے آپ نے فرمایا میں یہ نہیں کہہ سکتا۔ (کتاب صفین ص/۲۲۷، طبری ج/۶ص/۴، تاریخ کامل ج/۳ص/۱۴۵)

(۵) معاویہ کے ایک خط کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

ذکرت ابطائی عن الخلفا وحسدی ایاهم والبغی علیهم فاما البغی فمعاذ اللہ ان اکون واما الکراهة لهم فواللہ ما اعتذر للناس من ظك وذکرت یغنی علی عثمان وقطعی رحمه فقد عمل عثمان ما علمت وعمل به الناس ماقد بلغك فقد علمت انی کنت من امره فی عزلة الا ان تجنی فتجن ماشئت واما ذکرك قتلة عثمان وماسالت من دفعهم الیك فانی نظرت فی هذا الامر وضربت انفه وعینه فلم یسعنی دفعهم الیك ولا الی غیرك وان لم تنزع عن علیك لتعرفتهم عما قلیل تطلبونك ولاولا یکلفونك ان تطلبهم فی سهل ولا جبل ولا بر ولا بحر۔

(کتاب صفین ص/۱۰۲، العقد الفرید ج/۲ص/۲۸۶، نہج البلاغہ ج/۲ص/۱۰، شرح ابن ابی الحدید ج/۳ص/۴۰۹)

تم لکھتے ہو کہ ہم نے خلفاء کی بیعت کرنے میں توقف کیا ان پر حسد کیا ان سے سرکشی و بغاوت کی تو خدا کی پناہ کہ میری طرف سے بغاوت یا سرکشی وقوع میں آئے۔ البتہ کراہت ونفرت، وہ ظاہر ہے میں اس کے متعلق لوگوں کے سامنے اس کی معذرت بھی نہیں کرنا چاہتا تم نے لکھا ہے کہ میں نے عثمان سے بغاوت کی ان کی رشتہ داری کا پاس ولحاظ نہ کیا تو عثمان نے جیسے جیسے کام کئے تم بھی اچھی طرح جانتے ہو اور لوگوں نے ان کے ساتھ جو سلوک کئے ان کی خبریں بھی تمہیں پہنچی ہوں گی۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ان کے معاملہ میں بالکل کنارہ کش تھا ہاں تم نے اگر گنہگار ہونے پر کمر باندھی ہے تو جو جی چاہے کہو رہ گیا قاتلین عثمان کا مطالبہ اور تمہارا سوال کہ میں انہیں تمہارے حوالہ کردوں تو میں نے اس پر اچھی طرح غور کر لیا میں انہیں نہ تمہارے حوالہ کرسکتا ہوں نہ کسی اور کے اگر تم اپنی گمراہی سے باز نہ آؤ گے تو عنقریب وہ لوگ تمہیں خود ڈھونڈھنے نکلیں گے۔ تمہیں تلاش وجستجو کی زحمت نہ دیں گے۔

(۶)

ابن قتیبہ نے عمروعاص اور ایک سوار کا سوال و جواب نقل کیا ہے۔ عمروعاص کو کوئی سوار آتا نظر پڑا۔ عمروعاص نے بڑھ کر پوچھا۔

کیا خبر ہے۔

سوار: عثمان مارے گئے۔

عمروعاص۔ پھر لوگوں نے کیا کیا۔

سوار۔ لوگوں نے علیؑ کی بیعت کرلی۔

عمروعاص۔ علیؑ نے قاتلین عثمان کے ساتھ کیا کیا۔

سوار۔ ولید بن عقبہ نے علیؑ سے آکر قتل عثمان کے متعلق پوچھا تھا علیؑ نے جواب دیا کہ میں نے لوگوں کو قتل عثمان کا حکم دیا نہ منع کیا ان کے قتل سے نہ مجھے خوشی ہوئی نہ رنج۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۴۲)

(۷) اعمش نے قیس بن حازم سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کو منبر کوفہ پر کہتے ہوئے سنا۔

یا ابناء المهاجرین انفروا الی ائمة الکفر وبقیة الاحزاب والیاء الشیطان، انفروا الی من یقاتل علی دم جمال الخطایا۔ فوالله الذی فلق الحبة وبرا النسمة انه یحمل خطایاهم الی یوم القیامة لا ینقض من اوزارهم شیا۔

اے فرزندان مہاجرین! کفر کے سرغنوں اور شیطانوں کے پیروؤں کی طرف چل کھڑے ہو تم چل پڑو۔ ان لوگوں کی طرف جو حمال خطایا (گناہوں کا بہت بار اٹھانے والے) کے خون کے متعلق جنگ کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم وہ گناہوں کا بار اٹھانے والے قیامت تک لوگوں کے گناہوں کا بار اٹھائے رہیں گے پھر بھی ان کا بار کچھ کم نہ ہوگا۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱[1]، ص ر ۱۷۹)

(۸) حضرت امیر المومنینؑ نے جب مالک اشتر کو مصر کا حاکم بنا کر بھیجا تو اہل مصر کو یہ خط تحریر فرمایا۔

من عبداللہ علی امیر المومنین۔ الی القوم الذی غضبواللہ حین عصی فی ارضه وذهب بحقه فضرب الجور سرادقه علی البر والفاجر والمقیم وانطاعن۔ فلا معروف یستراح الیه ولا منکر یتناهی عنه۔ (تاریخ طبری ج ر ۶، ص ر ۵۵، نہج البلاغہ ج ر ۲، ص ر ۶۳، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۲، ص ر ۲۹)

خدا کے بندے مومنین کے امیر علیؑ ابن ابی طالبؑ کی جانب سے ان لوگوں کی طرف جو خدا کے لیے غضبناک ہوئے[2]۔ اس وقت جب زمین پر خدا کی نافرمانی کی جا رہی تھی اور اس کا حق رائیگاں کیا جا رہا تھا۔ ظلم و جور نیکوکار و بدکار مقیم و مسافر سب پر مسلط ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو کوئی معروف باقی تھا جس سے راحت حاصل کی جاتی۔ نہ کسی منکر سے اجتناب کیا جاتا تھا۔

---

[1]۔ علامہ ابن ابی الحدید نے اس حدیث کی صحت میں اشکال ظاہر کیا ہے کیونکہ اس کا راوی قیس بن حازم ہے اور اسی قیس نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ انکم ترون ربکم یوم القیامة کما ترون القمر لیلة البدر لا تضامون فی رویته۔ تم اپنے پروردگار کو بروز قیامت یوں دیکھو گے جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو کہ کوئی تکلیف دیکھنے میں نہیں ہوتی اس کے علاوہ ہمارے مشائخ متکلمین نے قیس پر طعن کیا ہے کہ وہ فاسق تھا اس کی روایت قبول نہ کی جائے گی اس کے بعد ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو حمال خطایا (گناہوں کا بہت بڑا بار اٹھانے والے) سے مراد معاویہ ہے۔ نہ کہ عثمان۔ کیونکہ معاویہ کی فوج والے معاویہ ہی کی جان کی حفاظت کرتے تھے اور جو شخص کسی انسان کے جان کی حفاظت کرتا ہے وہ اس کی طرف سے جنگ کرتا ہی ہے۔ الخ۔

کون پوچھے علامہ ابن ابی الحدید سے کہ قیس کے حدیث رویت روایت کرنے سے اس مذکورہ بالا روایت میں کیا خرابی پیدا ہوتی ہے۔ حدیث رویت کو بخاری مسلم اور امام احمد وغیرہ سبھی نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے تو کیا اس حدیث کے درج کرنے کی وجہ سے کسی نے بخاری و مسلم و احمد کو نا قابل اعتماد جانا ان پر کوئی طعن کیا ان کی کتب احادیث کو ردی سمجھا۔ اگر نہیں تو ایک حدیث رویت بیان کرنے سے قیس کی باقی روایتیں کیوں ردی سمجھ لی جائیں گی دوئمش اگر ہر دشمن علیؑ کو فاسق اور غیر مقبول الروایہ قرار دیا جائے جیسا کہ حق ہے بھی تو پھر اس صورت میں صحاح کی کیا قیمت باقی رہتی ہے۔ صحاح میں زیادہ تر دشمنان و معاندین امیر المومنینؑ ہی کی حدیثیں بھری ہیں انہیں دشمنوں میں سے ایک قیس بن حازم بھی ہے جس کی حدیثیں کل صحاح میں موجود ہیں علاوہ اس کے علماء حدیث اگر چہ کھل کے یہ کہتے ہیں کہ قیس بن حازم صریحی دشمن امیر المومنینؑ تھا پھر بھی سب کے سب اسے ثقہ قرار دیتے ہیں متقن الروایہ کہتے ہیں اس کی حدیثوں کو بہت صحیح بتاتے ہیں دیکھئے تہذیب التہذیب ج ر ۸، ص ر ۳۸۶ وغیرہ

رہ گیا ابن ابی الحدید کا حمال خطایا کی تاویل کرنا کہ اس سے مراد حضرت عثمان نہیں بلکہ معاویہ ہیں تو یہ تاویل انتہائی بعید از عقل ہے یا تاویل تو بالکل ایسی ہی ہے جیسی معاویہ نے عمار کے متعلق حدیث پیغمبرؐ تقتلك الفئة الباغیة تم کو باغی گروہ قتل کرے گا کی تاویل کی تھی۔

[2]۔ ابن ابی الحدید اس فقرہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے کوئی تاویل بنتی نظر نہیں آتی اس لیے کہ مصر والوں ہی نے عثمان کو قتل کیا تھا اور جب امیر المومنینؑ شہادت دیتے ہیں کہ وہ خدا کے لیے غضب میں آئے اور اس وقت جب زمین پر اس کی نافرمانی کی جا رہی تھی تو یہ شہادت قطعی ثبوت ہے کہ حضرت عثمان عاصی تھے اور منکرات عمل میں لاتے تھے۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ر ۳، ص ر ۵۸)

یہ چند فقرے حضرت کے سیکڑوں کلمات سے بطور نمونہ درج کئے گئے ہیں ان پر غور کرنے کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ آپ خلیفہ وقت کو نہ تو ایسا امام عادل سمجھتے تھے جس کا قتل کیا جانا ناگوار خاطر ہوتا۔ نہ ان کی ذات کو اہمیت دیتے نہ ان کی خلاف ایکا کرنے محاذ قائم کرنے پر ناراض تھے بلکہ آپ ان کے معاملہ میں بالکل کنارہ کش تھے اور ڈرتے تھے کہ بار بار ان کی طرف سے مدافعت کرنے میں گنہگار نہ ہو جاؤں جن لوگوں نے عثمان کے خلاف ہنگامے برپا کئے۔ وہ بھی آپؑ کی نظروں میں گنہگار نہیں تھے ورنہ ان کے برپا کئے ہوئے طوفان پر آپؑ کو برہمی کا اظہار کرنا چاہئے تھا نہ کہ سکوت اختیار کرتے یا ترک نصرت کرنے والوں کو مدد کرنے والوں سے بہتر جانتے اگر حضرت امیر المومنینؑ عثمان کو امام عادل سمجھتے ہوتے تو کم سے کم آپ یہ ضرور کہتے کہ عثمان کی مدد کرنے والے نہ مدد کرنے والوں سے بہتر ہیں۔

اگر امیر المومنینؑ کے مذکورہ بالا ارشادات پر گہری نظر کی جائے تو آپ کی رائے عثمان کے متعلق مخفی نہیں رہتی آپ کا نظریہ تو اسی خطبہ سے واضح ہو جاتا ہے جو آپؑ نے اپنی بیعت کے دوسرے دن فرمایا تھا الا ان کل قطیعة اقطعها عثمان۔ الخ۔ دیکھو ہر وہ جاگیر جو عثمان نے کسی کو دی ہر وہ مال جو عثمان نے مال خدا سے لوگوں کو دیا ہے۔ وہ بیت المال میں واپس کر دیا جائے اس لیے کہ قدیمی حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ بیت المال کے روپیوں سے عورتوں کی شادی کی گئی ہے یا وہ روپے متفرق شہروں میں منتشر کر دیئے گئے ہیں تو میری انتہائی کوشش اس کی رہے گی کہ وہ سب مال وزر سابق حال پر پلٹا دیئے جائیں عدل میں تو بڑی گنجائش ہے جس پر عدل تنگ ہوگا اس پر ظلم تو زیادہ تنگ ہوگا۔ (نہج البلاغہ ج ۱/ص ۴۶)

یہ لفظیں بتاتی ہیں کہ اگر خلیفہ وقت امیر المومنینؑ کے نزدیک امام عادل ہوتے تو ان کا لینا دینا حکم، احکام حجۃ ہوتے نہ کہ انہیں حرف غلط کی طرح قلم زد کر دیا جاتا۔

(۲) جناب عائشہ کی رائے:

(۱) علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ جب عثمان محصور تھے تو ان کی حمایت میں مروان بہت پامردی سے جنگ کر رہا تھا اسی وقت جناب عائشہ حج کے لیے آمادۂ سفر ہوئیں۔ مروان، زید بن ثابت اور عبد الرحمان بن عتاب ان کی خدمت میں آئے عرض کیا کہ یا ام المومنین کیا اچھا ہوتا کہ آپ سفر کا ارادہ ملتوی کر دیتیں۔ آپ دیکھ رہی ہیں کہ خلیفۂ وقت محصور ہیں آپ کی موجودگی ان کے بچاؤ کا ذریعہ ہوگی، عائشہ نے کہا اب تو ہم نے رختِ سفر باندھ لیا ہے۔ رکنا ممکن نہیں۔ ان لوگوں نے دوبارہ درخواست کی عائشہ نے مثل سابق انکار کیا۔ مروان یہ شعر پڑھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

وحرق قیس علی البلا

دحتی اذا استعرت اجذما

قیس نے شہروں میں میرے خلاف آگ لگادی جب وہ آگ خوب بھڑک اٹھی تو خود بھاگ کھڑا ہوا۔ عائشہ نے کہا سنو! خدا کی قسم میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے اور تمہارے صاحب (عثمان) دونوں کے پیروں میں ایک ایک چکی بندھی ہوتی اور تم دونوں سمندر میں ڈال دیئے جاتے یہ کہہ کر آپ مکہ روانہ ہوگئیں۔

بلاذری کی لفظوں کا ترجمہ یہ ہے کہ جب حضرت عثمان کا معاملہ بہت نازک ہوگیا تو انہوں نے مروان بن حکم عبدالرحمن بن عتاب ابن اسید کو حکم دیا کہ جناب عائشہ حج کے ارادہ سے مکہ جارہی ہیں ان سے کہو کہ آپ رک جائیں تو غالباً میری یہ مصیبت ٹل جائے جناب عائشہ نے فرمایا کہ میں رخت سفر باندھ چکی ہوں حج اپنے اوپر واجب کرلیا ہے میں خدا کی قسم کسی طرح نہیں رک سکتی مروان اور اس کے ہمراہی مذکورہ بالا شعر پڑھتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے عائشہ نے کہا مروان جی تو یہ چاہتا ہے کہ وہ میرے ان تھیلوں میں سے ایک تھیلے میں ہوتے اور میں خود اٹھا کر لے جاتی اور سمندر میں ڈال دیتی۔(۲) عبداللہ ابن عباس کو حضرت عثمان نے موسم حج کا افسر مقرر کر کے مکہ بھیجا تھا۔ راستہ میں جناب عائشہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ جناب عائشہ نے کہا ابن عباس! خدا نے تمہیں عقل، سمجھ اور قوت تقریر عنایت کی ہے دیکھو لوگوں کو اس سرکش عثمان سے روگرداں کردو۔ (بلاذری)

طبری کی لفظوں کا ترجمہ یہ ہے کہ ابن عباس روانہ ہوئے راستہ میں مقام صلصل پر جناب عائشہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا ابن عباس میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں تمہیں خدا نے قوت گویائی بخشی ہے تم لوگوں کو اس شخص عثمان کی مدد سے روکو اور اس معاملہ میں مذبذب کردو، لوگوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں اور ستارہ روشنی بلند ہو چکا ہے وہ لوگ ایکا کر کے متفرق شہروں سے سمٹ آئے ہیں میں دیکھ کر آئی ہوں کہ طلحہ ابن عبیداللہ جو عائشہ کے چچیرے بھائی تھے نے بیت المال اور خزانوں کی کنجیاں اپنے قبضہ میں کرلی ہیں اگر وہ خلیفہ ہوئے تو اپنے چچا کے بیٹے (ابوبکر) کی سیرت پر چلیں گے۔ ابن عباس نے کہا مادر گرامی اگر حضرت عثمان کے ساتھ کوئی بات پیش آئی تو لوگ ہمارے صاحب (علیؑ) ہی کی طرف رجوع کریں گے۔ حضرت عائشہ نے کہا یہ سب باتیں چھوڑو میں تم سے تکرار نہیں کرنا چاہتی نہ جھگڑا کرنا مقصود ہے۔

ابن ابی الحدید نے بھی طبری سے نقل کر کے اس روایت کو لکھا ہے لیکن ان کی عبارت یہ ہے کہ جناب عائشہ نے کہا اے ابن عباس میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں تمہیں خدا نے سمجھ عقل قوت گویائی دی ہے تم لوگوں کو طلحہ سے منحرف نہ کرنا لوگوں کی آنکھیں عثمان کے متعلق کھل چکی ہیں اور اب وہ ایک امر عظیم کا ارادہ کر کے متفرق شہروں سے سمٹ آئے ہیں، طلحہ نے بیت

المال پر اپنے آدمی مقرر کر دیئے ہیں اور خزانوں کی کنجیاں قبضہ میں کر لی ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو اپنے چچا کے بیٹے ابوبکر کی سیرت پر چلیں گے۔

(۳) قتل عثمان کے سال عائشہ اور ام سلمہ دونوں نے حج کیا عائشہ عثمان سے بے حد خفا تھیں۔ جب انہیں عثمان کے محصور ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے مسجد الحرام میں اپنا خیمہ نصب کرایا اور کہا میں دیکھتی ہوں عثمان اسی طرح اپنی قوم کے لیے منحوس ثابت ہوں گے جس طرح ابوسفیان جنگ بدر میں اپنی قوم کے لیے منحوس نکلا۔ (بلاذری)

(۴) طبری روایت کرتے ہیں کہ جب عثمان محصور تھے اور عائشہ مکہ میں تھیں تو ایک شخص اخضر نامی آیا اس سے جناب عائشہ نے پوچھا کہ لوگوں نے کیا کیا۔ اخضر نے کہا حضرت عثمان نے تمام مصریوں کو قتل کر دیا۔ عائشہ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا مناسب تھا کہ عثمان ایسے لوگوں کو قتل کر ڈالیں جو صرف ظلم کی شکایت اور حق کا مطالبہ کرنے آئے تھے خدا کی قسم ہمیں ہرگز یہ گوارا نہیں۔ اس کے بعد دوسرا شخص آیا اس سے پوچھا اس نے کہا مصریوں نے عثمان کو قتل کر ڈالا عائشہ نے کہا حیرت ہے اس اخضر پر اس نے عثمان ہی کو قاتل اور مصریوں کو مقتول بتایا تھا۔

(۵) ولید بن عقبہ کی شراب خواری کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے کہ جن لوگوں نے کوفہ سے آ کر حضرت عثمان کے سامنے ولید کی شراب خوری کی گواہی دی اور حضرت عثمان نے انہیں ڈانٹا ڈپٹا اور مارنے پیٹنے پر تیار ہوئے تو ان گواہوں نے عائشہ کے گھر میں پناہ لی۔ عثمان نے عائشہ کے گھر سے تیز و تند اور سخت و سست باتیں اپنے متعلق لوگوں کو کرتے سنیں کہا عراق کے خارجیوں اور بدمعاشوں کا ٹھکانہ عائشہ ہی کا گھر رہ گیا ہے۔ جناب عائشہ نے ان کا یہ جملہ جب سنا تو انہوں نے پیغمبرؐ کی نعلین مبارک دکھا کر کہا تم نے اس نعلین کے پہننے والے (یعنی حضرت رسالتمآبؐ) کی روش چھوڑ دی۔

(۶) جناب عمار کے حالات میں بیان کیا گیا کہ عائشہ کو جب عمار کے ساتھ عثمان کی بدسلوکی کی خبر ملی تو بے حد غضبناک ہوئیں اور پیغمبرؐ کا موئے مبارک و پیراہن ایک جوتی نکال لائیں اور کہا کتنی جلدی تم لوگوں نے اپنے پیغمبرؐ کی سنت ترک کر دی حالانکہ یہ آپ کا بال، یہ لباس، جوتی ابھی تک پرانی نہیں ہوئی اس پر حضرت عثمان مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گئے سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہیں۔

ابوالفداء لکھتے ہیں منجملہ مخالفین عثمان کے جناب عائشہ بھی تھیں وہ پیغمبرؐ کا پیراہن موئے مبارک باہر نکالتیں اور کہتیں کہ یہ آنحضرتؐ کا پیراہن ہے یہ موئے مبارک ہے یہ ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپؐ کا دین بوسیدہ ہو گیا۔

(۷) جنگ جمل کے موقع پر امیر المومنینؑ عائشہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

اور تم اے عائشہ اپنے گھر سے خدا اور سول کی نافرمانی کر کے نکلیں، ایسے امر کی طلبگاری میں جس سے تمہیں سروکار نہیں ہے پھر بھی تم کہتی ہو کہ تم مسلمانوں کی اصلاح چاہتی ہو ذرا بتاؤ کہ عورتوں کو لشکر کی کمانداری محاذ جنگ پر مردوں کے مقابلہ اور خون بہانے سے کیا واسطہ؟ پھر تم اپنے خیال مین خون عثمان کا انتقام چاہتی ہو مگر تمہیں اس سے کیا نسبت عثمان بنی امیہ سے تھے اور تم بنی تیم سے ہو پھر کل تم ہی اصحاب پیغمبرؐ کے مجمع میں کہتی تھی۔ اقتلوا نعثلاً قتله الله فقد كفر۔ نعثل کو قتل کر ڈالو خدا اسے قتل کرے کہ وہ کافر ہو گیا ہے اور آج تم ان کے انتقام کی طلبگار ہو۔ خدا سے ڈرو اپنے گھر میں واپس جاؤ اور پردہ میں بیٹھو۔

(۸) طبری اور ابن منبہ نے روایت کی ہے کہ قبیلہ جہنیہ کا ایک غلام جنگ جمل میں محمد بن طلحہ کے پاس آیا یہ محمد بن طلحہ مرد عابد تھے اس نے کہا کہ مجھے بتائیے عثمان کے قاتل کون ہیں؟ محمد نے کہا سنو! عثمان کا خون تین کی گردن پر ہے ایک تو یہ ہودج والی (یعنی عائشہ) دوسرے یہ سرخ اونٹ والے (یعنی طلحہ) اور تیسرے علی ابن ابی طالبؑ۔ غلام ہنسا کہ دو کے متعلق تم نے ٹھیک کہا تیسرے کے متعلق تم غلط کہتے ہو۔ میں اب تک گمراہی میں پڑا ہوا تھا یہ کہہ کر حضرت علیؑ کی طرف چلا گیا۔ چند شعر بھی اس نے کہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''میں نے طلحہ کے فرزند سے عثمان کے متعلق پوچھا انہوں نے بتایا کہ تین شخصوں نے ان کی جان لی۔ ایک عائشہ دوسرے طلحہ تیسرے علیؑ ہم لوگ تو دیہاتی ہیں کھری بات کہنا جانتے ہیں ہم نے کہا پہلے دو کے متعلق تو تم سچ بولے تیسرے روشن و تابندہ شخص کے متعلق تم نے خطا کی۔''

(۹) طبری نے دو طرح سے روایت لکھی ہے کہ مکہ سے واپسی میں جناب عائشہ جب مقام سرف میں پہنچیں تو وہاں عبد ابن ام کلاب سے ملاقات ہوئی جناب عائشہ نے اس سے پوچھا۔

کہو کیا خبر ہے؟

عبد ابن ام کلاب۔ ان لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا اور قتل کرنے کے بعد آٹھ دن تک ٹھہرے رہے۔

عائشہ۔ اس کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا؟

عبد ابن ام کلاب۔ تمام اہل مدینہ نے متفق ہو کر راستہ پیدا کیا سب نے حضرت علیؑ کی خلافت پر اتفاق کر لیا۔

عائشہ۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو خدا کرے آسمان زمین پر پھٹ پڑے واپس لے چلو۔ مجھے واپس لے چلو۔

چنانچہ آپ مکہ واپس ہوئیں یہ کہتی ہوئی قتل والله عثمان مظلوماً۔ عثمان بخدا مظلومی کی حالت میں قتل کئے گئے خدا کی قسم میں ان کا انتقام لوں گی۔

عبدا بن ام کلاب ۔ یہ کیا؟ خدا کی قسم آپ ہی نے تو سب سے پہلے ان کی مٹی پلید کی ۔ آپ ہی کہا کرتی تھیں ۔ اقتلوا نعثلا فقد کفر ۔ نعثل کو مار ڈالو کہ یہ کافر ہو گیا ہے ۔

عائشہ ۔ لوگوں نے توبہ کرا کے پھر مار ڈالا ۔ یوں کہنے کو میں نے بھی کہا تھا اور لوگوں نے بھی کہا لیکن اب میری آخری بات پہلی بات سے بہتر ہے ۔

عبدا بن ام کلاب ۔ مادر گرامی بہت پھسپھسی معذرت ہے ۔

اس کے بعد عبد نے چند اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اے باد صبا این ہمہ آوردۂ تست، آپ ہی نے حضرت عثمان کے قتل کا حکم دیا آپ ہی نے کہا کہ عثمان کافر ہو گئے ۔ ہم نے آپ کی اطاعت کی اور انہیں مار ڈالا ہم پر نہ آسمان ٹوٹا نہ چاند سورج گہن میں آئے ۔ اب لوگوں نے اس مرد عظیم المنزلت کی بیعت کر لی ہے جو ہر قسم کی گمراہی کو دور اور ہر کجی کو سیدھا کر دے گا ۔ سچ تو یہ ہے کہ وفا کیش بد عہدوں جیسا نہیں ہوتا ۔

(۱۰) علامہ ابو عمر صاحب استیعاب لکھتے ہیں احنف بن قیس مرد زیرک و دانا تھے ۔ جب عائشہ علیؑ کے خلاف لوگوں کو صف بستہ کرنے کے لیے بصرہ پہنچیں تو احنف بن قیس کو بلا بھیجا ۔ انہوں نے انکار کیا دوبارہ پیغام بھیجا احنف آئے عائشہ نے کہا ۔

''وائے ہو احنف، امیر المومنین عثمان کے قاتلوں سے جہاد نہ کرنے کا کیا عذر خدا کے روبرو بیان کرو گے ۔؟

کیا تعداد کی کمی کے سبب جنگ پر تیار نہیں؟ یا قبیلہ میں تمہاری بات مانی نہیں جاتی ؟

احنف بن قیس ۔ مادر گرامی! میں کوئی بوڑھا نہیں ہوا نہ زیادہ دن کی بات ہے گزشتہ سال میں نے اپنی آنکھوں سے آپ کو دیکھا اور اپنے کانوں سے عثمان کو برا بھلا کہتے سن چکا ہوں ۔

(۱۱) ابو مخنف نے مختلف واسطوں سے روایت کی ہے کہ مکہ میں جناب عائشہ کو قتل عثمان کی خبر ملی تو انہوں نے کہا ابعدہ للہ ۔ خدا انہیں غارت کرے ۔ ذالك بما قدمت يداه وما الله بظلام للعبيد ۔ یہ ان کی اپنی کرنی کا پھل ہے خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا ۔

(۱۲) ابو مخنف لکھتے ہیں کہ قیس بن حازم نے بیان کیا کہ جب عائشہ کو مکہ میں قتل عثمان کی خبر ملی تو اس خوش فہمی میں کہ خلافت طلحہ کے ہاتھ آئی ہو گی بار بار اظہارِ مسرت فرماتیں اور جب عثمان کا ذکر کرتیں تو کہتیں ابعدہ اللہ ۔ خدا انہیں غارت کرے جب راستہ ہی میں انہیں خبر ملی کہ علیؑ خلیفہ ہو گئے تو کہنے لگیں کاش یہ آسمان زمین پر پھٹ پڑتا ۔ پھر آپ نے اپنی سواری کو مکہ پلٹانے کا حکم دیا میں نے راستہ بھر انہیں دیکھا کہ بار بار گویا اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہتی جاتیں قتلوا ابن عفان

مظلوماً۔لوگوں نے عثمان کو مظلوم قتل کیا۔ میں نے عرض کیا مادر گرامی ابھی میں نے آپ کو کہتے سنا خدا عثمان کو غارت کرے۔ یہ بھی میں دیکھ چکا ہوں آپ سب سے زیادہ ان کی دشمن تھیں اور سب سے زیادہ انہیں برا کہتی تھیں عائشہ نے کہا ہاں بات تو ایسی ہی ہے۔ مگر پھر میں نے ان کے معاملہ میں غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ لوگوں نے ان سے توبہ کرائی جب وہ توبہ کر کے مثل چاندی کے پاک وصاف ہو گئے تو قتل کر ڈالا۔

(۱۳) ابومخنف لکھتے ہیں کہ جناب عائشہ ام سلمہ کے پاس پہنچیں کہ انہیں بھی اپنی باتوں میں لا کر خون عثمان کا انتقام لینے کے لیے خروج پر آمادہ کریں۔

عائشہ۔اے دختر بنت ابی امیہ آپ رسولؐ اللہ کی بیویوں میں سے پہلے ہجرت کرنے والی ہیں اور امہات المومنین میں سب سے بزرگ بھی ہیں، رسولؐ اللہ آپ ہی کے گھر سے ہم لوگوں کو چیزیں تقسیم کرتے جبرئیل امین زیادہ تر آپ ہی کے گھر میں آیا کئے۔

ام سلمہ۔ یہ باتیں تم کسی غرض ہی سے کر رہی ہو۔

عائشہ۔عبداللہ نے مجھے بتایا کہ لوگوں نے پہلے تو عثمان سے توبہ کرائی جب انہوں نے توبہ کر لی تو روزہ کی حالت میں شہر حرام کے اندر انہیں قتل کر ڈالا میں نے بصرہ جانے کا قطعی ارادہ کر لیا ہے۔میرے ساتھ طلحہ وزبیر بھی ہوں گے۔آپ بھی میرے ساتھ چلیں قوی امید ہے کہ خدا ہمارے اور آپ کے ہاتھوں معاملات کو سدھار دے۔

ام سلمہ۔کل کے دن لوگوں کو تم عثمان کے خلاف بھڑکاتی تھیں اور بری بری باتیں ان کے متعلق کہتی تھیں اور سوا نعثل کے کوئی دوسرا نام ان کا تمہارے پاس نہ تھا اور تم خوب اچھی طرح جانتی ہو کہ رسولؐ اللہ کے نزدیک علیؑ کی کیا منزلت تھی۔

(۱۴) علامہ ابن اثیر فیروز آبادی۔ابن منظور اور زبیدی وغیرہ ائمہ لغت لکھتے ہیں نعثل بیوقوف بوڑھے کو کہتے ہیں نعثل ایک یہودی تھا مدینہ میں۔تبصیر میں ہے کہ اسی یہودی سے حضرت عثمان کو تشبیہ دی گئی۔نعثل مصر کا بھی ایک شخص تھا جس کی داڑھی بہت لمبی تھی۔ابوعبیدہ کا بیان ہے کہ وہ حضرت عثمان کے مشابہ تھا اور حضرت عثمان کو برا کہنے والے انہیں نعثل کے نام سے پکارتے تھے۔جناب عائشہ کا قول تھا۔ اقتلوا نعثلا قتل اللہ نعثل۔نعثل کو قتل کر ڈالو۔خدا نعثل کو قتل کرے۔مراد ان کی عثمان سے تھی۔

(طبقات ابن سعد ج ر ۵،ص ر ۲۵،طبع لیدن۔کتاب الانساب بلاذری، ج ر ۵،ص ر ۱۷۔وص ر ۵،و ۱۹۱، امامۃ والسیاست ج ر ۱،ص ر ۴۲، وص ر ۴۶، وص ر ۵۷، تاریخ طبری ج ر ۵،ص ر ۱۴۰، وص ر ۶۶ و ۱۷۲، وص ر ۱۰۶، عقد فرید ج ر ۲،ص ر ۲۶۷، وص ر ۲۷۲، تاریخ ابن عساکر ج ر ۷، ص ر ۳۱۹، استیعاب حالات اختف، تاریخ ابی الفداء ج ر ۱،ص ر ۲۷، تذکرۂ ابن جوزی ص ر ۳۸، وص ر ۴۰، نہایۃ ابن اثیر ج ر ۴،ص ر ۱۶۶، اسد الغابہ ج ر ۳،ص ر ۱۵، کامل ج ر ۳،ص ر ۸۷، قاموس ج ر ۴،ص ر ۵۹، حیوۃ الحیوان ج ر ۲،ص ر ۳۵۹، سیرۃ حلبیہ ج ر ۳،ص ر ۳۱۴،لسان العرب ج ر ۱۴، ص ر ۱۹۳،تاج العروس ج ر ۱،ص ر ۱۳۱وغیرہ۔)

یہ چند عبارتیں مختلف کتابوں کی اختصار کو مدنظر رکھ کر پیش کی گئیں ان کے مطالعہ کے بعد ہر شخص با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جناب عائشہ کی نظروں میں عثمان کی کیا قدر ومنزلت تھی۔ ان کی نظروں میں وہ منصب خلافت کے قطعاً نااہل تھے۔ اپنے نظریہ میں وہ اتنی سخت تھیں کہ ان کے قتل کی آرزو کرنے لگیں۔ انہیں یہ محبوب تھا کہ عثمان کے پیروں میں چکی بندھی ہوتی اور وہ سمندر میں ڈال دیئے جاتے یا بورے میں بھر کر سمندر میں ڈال دیئے جاتے یا تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے سبھی باتیں عثمان کے لیے انہیں پسندیدہ تھیں جب ہی پیغمبرؐ کا موئے مبارک پیراہن اور نعلین نکال کر لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکاتیں، ہر لمحہ انہوں نے مسلمانوں کو ابھارا۔ سفر وحضر ہر عالم میں لوگوں کو ان کی مدد سے روکا۔ اپنے نظریہ سے وہ اس وقت تک پلٹی نہیں جب تک عثمان قتل نہ کر ڈالے گئے اور ان کی توقعات خاک میں نہ مل گئیں۔ یعنی خلافت طلحہ تک پہنچنے نہ پائی۔

طلحہ کو خلیفہ بنانے کی بڑی آرزو تھی کہ خلافت پھر ہمارے خاندان بنی تیم میں پلٹ آئے اور غالباً اسی لیے انہوں نے بھی ہنگامہ کے دوران حج بھی کیا تاکہ راستہ میں جس جس قافلہ سے ملاقات ہو پھر مکہ پہنچ کر حاجیوں کے ہجوم میں وہ طلحہ کی خلافت کی دعوت دیں، چنانچہ ان کی زبان سے طلحہ کے متعلق یہ فقرے بار بار سنے بھی گئے۔ ایہ ذاالاصبع۔ آیا انگلیوں والا آیا اباشبل۔ واہ اے ابوشبل۔ یا ابن عم کیا کہنا تمہارا اے چچا کے بیٹے فکانی انظر الی اصبعه وهو یبایع له۔ میں گویا اپنی آنکھوں سے ان کی انگلیوں کو دیکھ رہی ہوں اور ان کی بیعت کی جارہی ہے۔ ایہ ذاالاصبع لله ابوك واہ کیا کہنا تمہارا اے انگلیوں والے خدا تمہارا بھلا کرے۔ ما اعظم وجدوا طلحة لها كفوا۔ بے شک ان لوگوں نے طلحہ کو خلافت کے لیے سر بسر موزوں پایا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ خلافت علیؑ تک پہنچ گئی تو علیؑ سے تو انہیں کوئی دلچسپی تھی نہیں انہوں نے رخ پھیر دیا اور اب کہنے لگیں کہ کاش آسمان وزمین پر پھٹ پڑتا۔ عثمان کے قتل ہونے پر رنج واندوہ کرنے لگیں مکہ واپس گئیں پھر وہاں سے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں کہ شاید اس طرح خلافت طلحہ کو مل جائے حالانکہ وہ عثمان کی رشتہ دار نہ تھیں کہ ان کا مطالبہ حق بجانب ہوتا پھر انہیں لشکر کی کمانداری اور میدانِ جنگ میں آنے سے کیا سروکار؟ وہ عورت ذات تھیں پردہ میں انہیں بیٹھنا واجب تھا نہ کہ جرنیلی، کمانڈری۔ اس کے علاوہ پیغمبرؐ کی ازواج میں داخل تھیں جنہیں خاص طور پر ممانعت کی گئی تھی ازواج میں بھی عائشہ کو پیغمبرؐ نے خاص الخاص طریقہ پر منع کیا تھا اور واقعہ جمل سے خوف دلایا تھا مگر انہوں نے کسی ایک بات کی بھی پروا نہ کی طلحہ کی تائید ہی انہیں ہر چیز سے محبوب تھی انہوں نے چشمۂ حواب کے کتوں کو بھونکتے ہوئے سنا اور سن کر اپنے کان بہرے کر لئے طلحہ کی خلافت کی امید انہیں برابر اکساتی رہی ہاں جب طلحہ قتل کر ڈالے گئے تو اب دل شکستہ ہو کر بیٹھ رہیں۔ اور خدا کا امر غالب بھی آچکا تھا۔

(۳) عبد الرحمن بن عوف کا نظریہ:

یہ عبدالرحمن عشرۂ مبشرہ میں سے ایک کہے جاتے ہیں شوریٰ کے سرگروہ یہی تھے اور انہیں کے فیصلہ سے عثمان خلیفہ ہوئے۔

(۱) بلاذری نے سعد سے روایت کی ہے کہ جب ربذہ میں ابوذر کی وفات ہوئی تو علیؑ وعبد الرحمن بن عوف نے آپس میں اس بدسلوکی کا تذکرہ کیا علیؑ نے کہا یہ تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔ عبد الرحمن نے کہا جب تم چاہو اپنی تلوار اٹھاؤ اور میں بھی اپنی تلوار اٹھاتا ہوں۔ عثمان نے مجھ سے جتنے عہد و پیمان کئے تھے سب کی مخالفت کی۔

(۲) ابوالفداء لکھتے ہیں کہ جب عثمان سے وہ حرکتیں سرزد ہوئیں یعنی ملکوں اور شہروں پر اپنے خاندان کے چھوکروں کو انہوں نے حاکم بنایا تو عبد الرحمن بن عوف سے کہا گیا کہ یہ سب تمہارا ہی کیا ہے۔ عبد الرحمن نے کہا مجھے اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا لیکن اب میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ ان سے کبھی کلام نہ کروں گا۔ چنانچہ اسی خفگی و برہمی کے عالم میں عبد الرحمان کا انتقال ہوا۔ حالتِ بیماری میں عثمان ان کی عیادت کے لیے آئے تو انہوں نے دیوار کی طرف منھ پھیر لیا۔ اور ان سے بات نہ کی۔

(۳) سعد سے مروی ہے کہ عبد الرحمان نے وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ عثمان نہ پڑھائیں چنانچہ ان کی نماز زبیر یا سعد ابن ابی وقاص نے پڑھائی عبد الرحمان ۳۲ھ میں مرے۔

(۴) ابن عبد ربہ قرطبی لکھتے ہیں، جب عثمان نے ناپسندیدہ افعال کئے یعنی اپنے گھر والوں کو تمام صحابہ پیغمبرؐ پر ترجیح دی اور ان کا حاکم بنایا تو عبد الرحمن سے کہا گیا کہ یہ تمہارا ہی کام ہے۔ عبد الرحمان نے کہا میں ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ عبد الرحمن عثمان کے پاس آئے اور ان کی سرزنش کی کہا میں نے تمہیں اس شرط پر خلافت کے لیے ترجیح دی تھی کہ تم ہم میں ابوبکر و عمر کی روش

ا کس سے پوچھا جائے کہ ابوبکر و عمر کی سیرت جس پر عثمان کی بیعت کی گئی تھی آیا سنت رسولؐ کے موافق تھی یا مخالف اگر موافق تھی تو یہ شرط ضمنی ہے اصل چیز مطابقت کتاب خدا و سنت پیغمبر تھی اگر کوئی کتاب و سنت پیغمبرؐ کی مخالفت کرتا تو اس پر برہمی مناسب تھی صرف ابوبکر و عمر کی سیرت کی مخالفت پر برہمی کی کوئی وجہ نہ تھی اگر ابوبکر و عمر کی سیرت کتاب و سنت نبوی کی مخالفت تھی تو اس صورت میں ہر مسلمان پر اس کی مخالفت فرض ہے مناسب تو یہ تھا کہ حضرت عثمان سے برہمی و بیزاری کا اظہار صرف اس بنا پر کیا جاتا کہ انہوں نے کتاب وسنت نبوی کی مخالفت کی ہے یہی وجہ تھی کہ امیر المومنینؑ کے سامنے جب یہ شرط پیش کی گئی تو آپؑ نے منظور نہیں کیا اور صرف مطابق کتاب وسنت اور اپنے اجتہاد کے موافق عمل کرنے پر اصرار کیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت عثمان نے سیرۃ شیخین والی شرط کو جلدی سے منظور کر لیا مذکورہ بالا صورتیں ان کے بھی پیش نظر تھیں یا نہیں وہ بھی سمجھتے تھے کہ سیرت شیخین اگر موافق کتاب خدا و سنت پیغمبرؐ ہے تو اصل چیز کتاب وسنت ہے انہیں کی پیروی ضروری ہوگی اور اگر مخالفت ہے تو اس کی مخالفت واجب ہے نہ کہ پیروی۔ اگر وہ یہ بات سمجھتے تھے تو کیوں نہیں انہوں نے اپنی جانب سے شرط پیش کی کہ ہم سیرت شیخین کی بس وہیں تک پیروی کریں گے جہاں تک وہ کتاب خدا وسنت کے موافق ہوگی اور جہاں مخالفت ہوگی ہم ترک کردیں گے اور اگر نہیں سمجھتے تھے تو انہوں نے ایسی شرط ہی کیوں قبول کی جس کی حقیقت انہیں معلوم نہ تھی۔

اللہ ہی جانے ان سوالات کا کیا جواب ہوسکتا ہے؟ ہماری نظر تو اس وقت اس پر ہے کہ شوریٰ کے کرتا دھرتا عبد الرحمان بن عوف کے کیا خیالات تھے عثمان کے متعلق؟ حضرت عثمان عبد الرحمن کے اس فقرہ کے بعد کہ میں تمہاری بیعت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ امیر المومنینؑ سے ان کے اس فقرہ کے بعد کہ آپ بھی تلوار اٹھائیے میں بھی اٹھاتا ہوں کسی کو بھی شک وشبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے؟ کہ عبد الرحمان بن عوف بھی خلافت کا انہیں ایسا ہی نااہل سمجھتے تھے جیسے دوسرے لوگ عثمان سے جنگ کرنے ان پر تلوار کھینچنے تک کو مباح جانتے تھے۔

اختیار کرو گے تم نے ان دونوں کی مخالفت کی اپنے گھر والوں کو محبوب رکھا۔ اور انہیں مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر دیا۔ عثمان نے کہا۔ عمر خوشنودی خدا کے لیے قطع رحم کرتے تھے اور میں صلۂ رحم کر کے خدا کی خوشنودی کا طالب ہوں۔ عبدالرحمان نے کہا خدا کی قسم آج سے میں تم سے کبھی کلام نہ کروں گا۔ چنانچہ مرتے وقت تک وہ ان سے نہیں بولے۔ مرض موت میں عثمان ان کی عیادت کے لیے آئے تو انہوں نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔ اور بات نہ کی۔

(کتاب الانساب بلاذری ج ۵ ص ۵۷، عقد فرید ج ۲ ص ۲۵۸، وص ۲۶۱، وص ۱۷۲، تاریخ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۲۶)

(۵) طبری نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان کے پاس صدقے کے اونٹ آئے آپ نے اپنے چچا کے کسی لڑکے کو دے دیا اس کی خبر عبدالرحمان کو ہوئی انہوں نے آدمی بھیج کر وہ اونٹ منگائے اور مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ عثمان گھر ہی میں بیٹھے رہے۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۱۲، کامل ج ۳ ص ۷۰)

(۶) ابو ہلال عسکری اپنی کتاب اوائل میں لکھتے ہیں۔ عثمان وعبدالرحمان کے متعلق حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کی بددعا مقبول ہوئی اور وہ ایک دوسرے کے دشمن ہو کے مرے جب عثمان نے اپنی محل زوراء بنوایا تو قسم قسم کے کھانے پکوائے اور لوگوں کی دعوت کی ان میں عبدالرحمان بھی تھے، عبدالرحمان نے جب وہ عالیشان محل دیکھا اور پھر کھانے کے اقسام پر نظر کی تو کہا عفان کے بیٹے لقد صدقنا علیك ما كنا نكذب فيك۔ تمہارے متعلق وہی باتیں سچ نکلیں جنہیں ہم جھٹلاتے تھے میں تمہاری بیعت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، حضرت عثمان غصہ سے بے قابو ہو گئے غلام سے کہا انہیں نکال باہر کرو چنانچہ وہ نکال دیئے گئے۔ عثمان نے حکم دیا کہ ان کے پاس کوئی اٹھے بیٹھے نہیں۔ چنانچہ کوئی ان کے پاس نہیں آتا تھا سوا ابن عباس کے کہ وہ قرآن وفرائض کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے۔ عبدالرحمان بیمار پڑے عثمان ان کی عیادت کو آئے بات کرنا چاہی مگر عبدالرحمان نے مرتے دم تک ان سے بات نہ کی۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۶۵۔۶۶)

(۴) طلحہ بن عبیداللہ کا نظریہ:

یہ بھی عشرہ مبشرہ میں بقول اہل سنت داخل ہیں۔ اور چھ اصحاب شوریٰ میں ایک یہ بھی تھے۔

حضرت امیرالمومنینؑ طلحہ کے متعلق فرماتے ہیں:

قسم بخدا جلدی سے طلحہ نے اس ڈر سے انتقام خون عثمان کا مطالبہ کر دیا کہ کہیں خود ان سے انتقام نہ لیا جائے کیونکہ ان کی ذات بھی آلودہ ہے۔ مہاجرین میں ان سے بڑھ کر عثمان کے خون کا کوئی پیاسا نہیں تھا انہوں نے انتقام کا ڈھونگ رچا کر لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا تا کہ حقیقت مشتبہ ہو جائے اور لوگ شک میں مبتلا ہو جائیں۔ خدا کی قسم طلحہ نے عثمان کے معاملہ میں

تینوں باتوں میں ایک بات بھی تو نہیں کی۔

اگر ابن عفان ظالم تھے جیسا کہ طلحہ کہتا ہے تو چاہئے تھا کہ طلحہ ان کے قاتلوں کی مدد کرتے اور ان کے طرفداروں سے جنگ کرتے۔

اگر ابن عفان مظلوم تھے تو چاہئے تھا کہ طلحہ ان کے حمایتی ہوتے۔

اگر طلحہ متردد تھے انہیں ٹھیک سے پتہ نہ تھا کہ عثمان ظالم ہیں یا مظلوم تو چاہئے تھا کہ کنارہ کش رہتے۔ اور لوگوں کو ان کے ساتھ چھوڑ دیتے مگر تینوں باتوں میں سے ایک بات بھی انہوں نے نہیں کہ بلکہ ان کا طرز عمل ان تمام باتوں سے نرالا تھا۔ (نہج البلاغہ ج ر ۱ص ر ۳۲۳)

(۲) طبری نے حکیم بن جابر کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ جب عثمان محصور تھے علیؑ نے طلحہ سے کہا میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں تم عثمان کو لوگوں سے بچاؤ۔ طلحہ نے کہا خدا کی قسم اس وقت تک ایسا نہیں کرسکتا جب تک بنو امیہ پورا پورا قرضہ ادا نہ کر دیں۔ (تاریخ طبری ج ر ۵،ص ر ۱۳۹،شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱ص ر ۱۶۰)

اسی وجہ سے امیر المومنینؑ فرمایا کرتے خدا ابن صعبہ (طلحہ) کا برا کرے عثمان نے انہیں اتنا اور اتنا دیا اور انہوں نے جو سلوک کیا وہ کیا۔

(۳) ابن ابی الحدید نے طبری سے نقل کیا ہے کہ طلحہ نے حضرت عثمان سے ۵۰ ہزار قرض لئے تھے ایک دن جب عثمان مسجد جا رہے تھے طلحہ نے کہا آپ کا روپیہ تیار ہے چل کر لے لیجئے عثمان نے کہا اب وہ تمہارا ہے۔ جب عثمان محصور تھے تو کہا کرتے تھے کہ یہ ہماری نیکی کا بدلہ ہے۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں طلحہ ان کے بڑے شدید دشمنوں میں تھے زبیر بھی لگ بھگ تھے روایت میں ہے کہ حضرت عثمان نے ویلی علیٰ ابن الحضرمیۃ۔ ابن حضرمیہ (طلحہ) کا ستیاناس ہو میں نے انہیں ہزاروں ہزار پونڈ سونا دیا اور اب وہ میرے خون کے پیاسے ہیں خداوندا انہیں اس دولت سے نفع اٹھانے کا موقع نہ دے اور ان کو بغاوت کی پاداش سے ملاقی کر، جن لوگوں نے عثمان کی محصوری کے واقعات قلم بند کئے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ جس دن عثمان مقتول ہوئے اس دن طلحہ اپنے منھ پر نقاب ڈالے ہوئے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے اور عثمان کی طرف چھپ چھپ کر تیر چلاتے تھے۔ یہ بھی روایت میں ہے کہ جب محاصرہ کرنے والوں کو عثمان کے گھر گھسنے کی راہ نہ ملی تو طلحہ ہی نے کسی انصاری کے گھر کی طرف سے انہیں عثمان کے گھر میں داخل کیا اور ان لوگوں نے جا کر قتل کیا۔ (ابن ابی الحدید ج ر ۲،ص ر ۴۰۴)

(۴) علامہ طبری وغیرہ نے اپنی تاریخوں میں روایت کی ہے کہ جب عثمان محصور تھے اس وقت علیؑ خیبر میں تھے جب

وہ مدینہ آئے تو عثمان نے انہیں بلا بھیجا، ان کے آنے پر کہا، آپ پر میرے کئی حقوق ہیں، ایک اسلام کا حق۔ دوسرے رشتہ داری کا حق، تیسرے یہ کہ خلیفہ وقت ہوں، اگر ان باتوں میں کوئی بات نہ بھی ہوتی اور ہم لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ہوتے تب بھی عبد مناف کے لیے یہ بات بڑے شرم کی تھی کہ بنو تیم والے (یعنی طلحہ) ان کا اقتدار غصب کر لیں۔ حضرت علیؑ نے کہا عنقریب آپ کو خبر معلوم ہوگی یہ کہہ کر نکلے مسجد میں آئے اسامہ کو بیٹھا دیکھ کر پاس بلایا اور ساتھ لئے ہوئے طلحہ کے گھر پہنچے۔ طلحہ کا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا آپ نے طلحہ سے پوچھا تم کیا کر رہے ہو؟ طلحہ نے کہا اے ابوالحسنؑ اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور بیت المال کے دروازہ پر آئے۔ لوگوں سے کہا اسے کھول دو۔ مگر کنجیاں موجود نہ ہونے کے سبب دروازہ کھل نہ سکا آپ نے حکم دیا کہ دروازہ توڑ دیا جائے۔ دروازہ توڑ دیا گیا۔ آپ نے کل خزانہ لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کیا جو لوگ طلحہ کے گھر میں جمع تھے انہیں جب خبر ملی تو وہ بھی کھسک آئے اور طلحہ اکیلے رہ گئے عثمان کو جب یہ معلوم ہوا تو بے حد خوش ہوئے۔ اس کے بعد طلحہ حضرت عثمان کے پاس پہنچ کر معذرت کرنے لگے۔ میں خدا سے استغفار کرتا ہوں اور تائب ہوں میں نے ایک امر کا ارادہ کیا تھا مگر خدا حائل ہو گیا۔ حضرت عثمان نے کہا تم تائب ہو کر نہیں آئے بلکہ بے بس ہو کر آئے ہو۔ اللہ تم سے سمجھے۔

(تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۵۴، تاریخ کامل ج ۳ ص ۷۰، شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۱۶۵، تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۳۹۷)

(۵) بلاذری نے ابومخنف وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں نے عثمان کو گھیر لیا اور کسی کو ان کے پاس آنے جانے سے روک دیا۔ سعید بن عاص نے مشورہ دیا کہ حج کے ارادہ سے مکہ چلے چلئے یہ خبر محاصرین کو بھی مل گئی انہوں نے کہا ہم انہیں ہٹنے دیں گے ہی نہیں جب تک خدا ہمارے ان کے درمیان اپنا فیصلہ نافذ نہ کر دے۔ ان کے محاصرہ میں طلحہ نے بہت زیادہ سختی برتی اور پانی تک ان کے پاس جانے سے روک دیا یہاں تک کہ حضرت علیؑ کو غصہ آگیا اور آپؑ نے پانی کے مشکیزے وہاں بھجوائے۔ (کتاب الانساب ج ۵ ص ۷۱/۳۵)

(۶) کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۲۴، میں ہے کہ کوفہ و مصر والے عثمان کے دروازہ پر رات دن پہرہ دیتے اور طلحہ دونوں جماعتوں کو عثمان کے خلاف بھڑکاتے رہے پھر طلحہ نے کہا عثمان جب تک کھانا پانی پہنچ رہا ہے انہیں تمہارے محاصرہ کی کیا پرواہ ہوگی پانی اندر نہ جانے دو۔

(۷) بلاذری نے یحیٰ بن سعید کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ عثمان کے محاصرہ کے دنوں طلحہ ہر چیز کے مالک بن بیٹھے تھے، عثمان نے علیؑ کے پاس ایک شعر لکھ کر بھیجا جس کا مفہوم یہ تھا کہ اگر میں کھانے کی چیز ہوں تو آپؑ ہی کھائیے ورنہ قبل اس کے کہ میرے ٹکڑے ہوں میری مدد کیجئے، علیؑ نے لوگوں کو طلحہ سے الگ کر دیا اور وہ تنہا رہ گئے۔ جب طلحہ نے یہ دیکھا تو عثمان کے پاس معذرت کرنے پہنچے، عثمان نے کہا حضرمیہ کے فرزند تم نے لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا انہیں میری جان

لینے پر آمادہ کیا جب بات نہ بنی اور تمہارا مقصد پورا نہ ہوا تو اب معذرت کرنے آئے ہو خدا تمہاری معذرت قبول نہ کرے۔ (کتاب الانساب ج/۵،ص/۷۷)

(۸) بلاذری نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ میں طلحہ سے بڑھ کر عثمان کے خون کا کوئی پیاسا نہ تھا۔ (کتاب الانساب ج/۵،ص/۸۱، عقد الفرید ج/۲،ص/۲۶۹)

(۹) ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ جنگ جمل میں مروان بھی عائشہ کے لشکر میں تھا اس نے کہا آج کے بعد مجھے اپنا بدلہ لینے کا موقع نہ ملے گا اسی مروان نے تیر مار کر طلحہ کو قتل کیا۔ (تاریخ ابن عساکر ج/۱،ص/۸۴)

علامہ ابوعمر واستعیاب میں لکھتے ہیں کہ ثقہ علماء کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ مروان ہی نے جنگ جمل میں طلحہ کو قتل کیا، ابن حجر نے اصابہ میں حاکم نے مستدرک میں اور دیگر محدثین نے بھی اسی مضمون کی روایتیں لکھی ہیں۔[1]

(۱۰) عبدالملک بن مروان کہا کرتا تھا کہ میرا باپ مروان مجھے نہ بتا چکا ہوتا کہ میں نے طلحہ کو قتل کیا ہے تو میں طلحہ کی اولاد میں کسی کو زندہ نہ چھوڑتا۔

(۱۱) ولید بن عبدالملک کے پاس موسیٰ بن طلحہ آئے ولید نے کہا تم جب بھی میرے پاس آئے میں نے چاہا کہ تمہیں قتل کر ڈالوں مگر میرے باپ نے بتایا تھا کہ دادا مروان طلحہ کو قتل کر چکے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج/۵،ص/۲۲)

(۱۲) مسعودی نے واقعہ جمل میں ذکر کیا ہے کہ جب زبیر واپس ہو گئے تو حضرت علیؑ نے طلحہ سے پکار کر پوچھا کہ تم کیوں ہمارے مقابلہ میں آئے ہو، انہوں نے کہا عثمان کے خون کا انتقام لینے کے لیے حضرت نے فرمایا ہم میں جس کی گردن پر عثمان کا خون ہے خدا اس کو قتل کرے۔ (مروج الذہب ج/۲،ص/۱۱)

خداوند عالم نے بہت جلد آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور طلحہ مروان کے ہاتھوں مارے گئے۔

(۱۳) ہم سے عثمان کے معاملہ میں لغزش ہوگئی ہے (گناہ ہوگیا ہے) جس کی توبہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ انتقام خون عثمان میں میرا خون بھی بہہ جائے۔ (طبری ج/۵،ص/۱۸۳)

(۱۴) جب عثمان پر پانی بند کر دیا گیا تو وہ کوٹھے پر چڑھے اور وہاں پہنچ کے پکارا طلحہ کہاں ہیں؟ (صرف انہیں سے خطاب کرنا بتاتا ہے کہ انہیں نے پانی بند کرایا تھا، طلحہ آئے کہا کیوں طلحہ کیا تم نہیں جانتے کہ چاہ رومہ فلاں یہودی کا تھا اور میں

---

[1] ۔مروان کے طلحہ کو انتقام خون عثمان میں قتل کرنے کی تفصیل ان کتابوں میں دیکھئے۔۔مروج الذہب ج/ ،۲ص/ ،۱۱عقد فرید ج/ ،۲ص/۲۷۹،مستدرک ج/ ،۳ ص/۳۷۰،تاریخ کامل ج/ ،۳ص/ ،۱۰۴صفتہ الصیوۃ ج/ ،۱ص/ ،۱۳۲اسدالغابہ ج/ ،۳ص/ ،۶۱دول اسلام ذہبی ج/ ،۱ص/ ،۱۸تاریخ ابن کثیر ج/ ،۷ص/ ،۲۴۷تذکرۂ سبط ص/ ،۴۴مرأۃ الجنان ج/ ،۱ص/ ،۹۷تہذیب التہذیب ج/ ،۵ص/ ،۲۱تاریخ ابن شحنہ برحاشیہ کامل ج/ ،۷ص/۱۸۹۔

نے اس کو چالیس ہزار میں خرید کیا؟ طلحہ نے کہا ہاں ٹھیک ہے عثمان نے کہا تو یہ بھی جانتے ہو کہ آج سوا میرے اس کے پانی سے کوئی اور بھی روکا گیا ہے؟ آخر یہ کیوں؟ طلحہ نے کہا یہ اس لیے کہ تم نے تغیرات وتبدل (شریعت) میں کیا۔ حضرت عثمان نے کہا طلحہ تمہیں معلوم ہے کہ رسولؐ خدا نے کہا تھا جو اس گھر کو خرید کر مسجد میں ملائے اس کے لیے اس کے عوض میں جنت ہے اور اس پر میں نے ۲۰ ہزار کو مول لیا اور مسجد میں شامل کر دیا۔ طلحہ نے کہا ہاں جانتا ہوں! کہا تو پھر سوائے میرے اس میں نماز سے کوئی اور بھی روکا جاتا ہے؟ آخر کیوں؟ طلحہ نے کہا اس لیے کہ تم نے شریعت میں الٹ پھیر کر دی ہے۔ (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص/ ۶۴)

(۵) زبیر بن عوام کا نظریہ:

یہ بزرگ بھی عشرہ مبشرہ میں داخل کہے جاتے ہیں، شوریٰ کے ایک رکن یہ بھی تھے۔

(۱) طبری واقعہ جمل میں لکھتے ہیں۔ حضرت امیر المومنینؑ اپنے مرکب پر سوار باہر نکلے، زبیر کو آواز دی، دونوں آمنے سامنے کھڑے ہوئے۔

امیر المومنینؑ۔ تم کیسے آئے؟

زبیر۔ آپؑ لائے ہیں ہم آپؑ کو اپنے سے زیادہ اس خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے۔

امیر المومنینؑ نے کہا کیا میں خلافت کا حقدار نہیں؟ ہم تو تمہیں عبد المطلب ہی کی اولاد سے سمجھتے تھے یہاں تک کہ تمہارا بیٹا عبداللہ سن رشد کو پہنچا اس نے ہمارے تمہارے درمیان جدائی ڈال دی آپ نے کئی باتیں انہیں جتائیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ رسالت مآبؐ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ اپنی پھوپھی کے بیٹے کے متعلق کیا خیال ہے تمہارا، وہ ایک دن تم سے جنگ کریں گے اور ظالم ہوں گے یہ سن کر زبیر واپس ہو گئے اور کہا کہ میں آپ سے جنگ نہ کروں گا۔ زبیر اپنے بیٹے عبداللہ کے پاس آئے اور کہا کہ اس لڑائی میں میری عقل کام نہیں کر رہی ہے۔ عبداللہ نے کہا لڑائی میں آپ آئے تھے سمجھ بوجھ کر ہی مگر یہاں آ کر آپ نے ابن ابی طالبؑ کے لشکر کے پھریروں کو دیکھا اور یقین کر لیا کہ ان پھریروں کے نیچے موت آ کر رہے گی اس لیے بزدلی آئی۔ عبداللہ کے اس جملہ نے زبیر کو بھڑکا دیا خوب گرجے برسے اور کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ علیؑ سے جنگ نہ کروں گا۔ عبداللہ نے کہا قسم کا کفارہ ادا کر دیجئے اپنے غلام سرجیس کو آزاد کر دیجئے۔ زبیر نے غلام کو آزاد کیا اور میدان جنگ میں صف آرا ہو گئے۔ حضرت علیؑ نے زبیر سے کہا تم مجھ سے خون عثمان کے طالب ہو حالانکہ تمہیں نے قتل کیا۔ ہم میں جو شخص عثمان کا زیادہ مخالف تھا خدا کرے آج کے دن اس کا کیا سامنے آئے۔

(۲) مسعودی نے روایت کی ہے کہ بروز جنگ جمل مروان نے کہا لو زبیر بھی چل دیئے اب کہیں (یہ دوسرا قاتل بھی نہ کھسک جائے یہ کہہ کر اس نے کہا کچھ پروا نہیں کہ یہاں پڑے یا وہاں اور تیر نکال کر رگِ ہفت اندام پر طلحہ کے مارا اور قتل کر ڈالا۔ (مروج الذہب ج/ ۲،ص/ ۱۱)

(۳) ابن ابی الحدید لکھتے ہیں طلحہ لوگوں کو سب سے زیادہ حضرت عثمان کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے زبیر کا بھی قریب قریب یہی حال تھا، لوگوں کا بیان ہے کہ زبیر کہا کرتے تھے اقتلوہ فقد بدل دینکم ۔عثمان کو قتل کر ڈالو کہ انہوں نے تمہارے دین کو بدل ڈالا ہے۔لوگوں نے کہا آپ کے صاحبزادے تو عثمان کے دروازے پر ان کی حمایت میں دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں (اور آپ ایسا کہتے ہیں) زبیر نے کہا عثمان کا قتل کیا جانا مجھے ذرا بھی ناگوار نہیں چاہے پہلے میرا لڑکا ہی کیوں نہ قتل کر ڈالا جائے، کوئی شک نہیں کل بروز قیامت عثمان پل صراط پر بدبودار مردہ ہوں گے۔ (شرح نہج البلاغہ ج/ ۲، ص/ ۴۰۴)

(۲) طلحہ وزبیر کا مشترکہ طرز عمل عثمان کے ساتھ:

(۱) حضرت امیر المومنینؑ ان دونوں کے متعلق فرماتے ہیں:

والله ماانکروا علی منکرا ولاجعلوا بینی وبینهم نصفا وانهم لیطلبون حقاهم ترکوه، ودماهم سفکوه فان کنت شریکهم فیه فان لهم نصیبهم منه وان کانوا ولوه دونی فما الطلبة الا قبلهم وان اول عدلهم للحکم علیٰ انفسهم، وان معی لبصیرتی مالبست ولالبس علی وانها للفئة الباغیة فیها الحما والحمة ۔ (نہج البلاغہ ج/ ۱،ص/ ۲۹۴)

بخدا ان لوگوں نے کسی برائی کو نہ چھوڑا جس کا اتہام مجھ پر نہ لگایا ہو اور نہ میرے اور اپنے درمیان انصاف کو راہ دی بلکہ یہ لوگ الٹے مجھ سے اس حق کو طلب کرتے ہیں جسے خود ہی کھویا ہے اور اس خون کا قصاص چاہتے ہیں جسے خود ہی بہایا ہے پس اگر اس خون میں میں ان کا شریک تھا تو ان کا بھی تو اس میں بڑا حصہ ہے پھر یہ کون قصاص چاہنے والے اور اگر ان لوگوں نے بغیر میری رائے کے اس قتل عثمان کو انجام دیا تو اس کی پاداش انہیں کو بھگتنا چاہئے ان کا اولین فیصلہ خود انہیں کو مجرم قرار دیتا ہے میرے ساتھ بصیرت ہے نہ میں نے کبھی کسی کو دھوکہ دیا ہے نہ مجھے کوئی دھوکہ دے سکتا ہے یہ طالبان انتقام یقیناً باغی جماعت ہیں اسی جماعت میں زبیر بھی اور اسی میں عائشہ بھی۔

علامہ ابو عمرو نے استیعاب میں بہ سلسلۂ حالات طلحہ امیر المومنینؑ کا ایک فقرہ نقل کیا ہے۔

''میں چار شخصوں کے ذریعہ مبتلائے مصیبت ہوا وہ چاروں فیاض طلحہ، بڑے بہادر زبیر، لوگوں میں بہت محترم عائشہ اور انتہائی فتنہ پرور یعلی بن منبہ ہیں۔ خدا کی قسم ان لوگوں نے میری کوئی بات بے جا نہیں دیکھی نہ میں نے مال و دولت سے اپنا گھر بھر لیا نہ اپنی کوئی ذاتی خواہش پوری کی یہ لوگ مجھ سے وہ حق مانگتے ہیں جس کو خود انہوں نے پورا نہیں کیا، اس خون کا عوض چاہتے ہیں جسے انہوں نے خود بہایا ہے ساری ذمہ داری ان لوگوں کے سر ہے۔ اگر عثمان کی مخالفت میں میں بھی ان کا شریک ہوتا تو یہ لوگ میری مخالفت پر کمر بستہ نہ ہوتے عثمان کا خون انہیں لوگوں کے سروں پر ہے اور یہی لوگ گروہ باغی ہیں آخر میں آپ نے فرمایا خدا کی قسم طلحہ وزبیر اور عائشہ بخوبی واقف ہیں کہ میں حق پر ہوں اور وہ باطل پر ہیں۔''

(۲) حضرت امیر المومنینؑ نے بصرہ جاتے وقت کوفہ والوں کو ایک خط لکھا جس میں تحریر فرماتے ہیں:

''دیکھو میں تمہیں عثمان کا واقعہ بے کم وکاست بتاتا ہوں جسے سن کر حقیقت واقعہ پر اس طرح مطلع ہو جاؤ گے جیسے تم نے اپنی آنکھوں سے سارا واقعہ دیکھا ہے لوگوں نے عثمان کے خلاف محاذ قائم کیا مہاجرین میں سے میں بہت زیادہ انہیں راضی رکھنے کی کوشش کرتا اور ناراضی کا بہت کم موقع آنے دیتا اور یہ طلحہ وزبیر کا قتل عثمان میں ان کی ہلکی چال بھی تیز دوڑ تھی اور نرمی سے ہنکانا بھی سختی سے جھڑکنا تھا اور عائشہ کا بھی ناگہانی غیظ وغضب تھا لہٰذا ایک قوم مقرر ہوئی اور اس نے ان کو قتل کر دیا اور لوگوں نے میری بیعت خوشی سے کی مجبور نہیں کئے گئے۔

(نہج البلاغہ ج ر ۲ ص ر ۳، امامۃ والسیاسۃ ج ر ۶ ص ر ۵۸)

(۳) طبری لکھتے ہیں کہ سعید بن عاص، مروان اور اس کے ساتھیوں سے راہ (جنگ جمل) میں ملا کہا کہ تم لوگ کہاں چلے جا رہے ہو اور اپنے انتقام کو اپنے پیچھے اونٹوں پر چھوڑے جاتے ہو۔ ارے ان کو قتل کر کے اپنے گھروں کو پلٹ جاؤ۔ (یعنی قاتلین عثمان یہی ہیں) ان لوگوں نے کہا آگے بڑھتے ہیں شاید سب قاتل مل جائیں اور سب کو ہم قتل کر سکیں۔ اس کے بعد سعید طلحہ وزبیر سے تنہائی میں ملا اور کہا اگر تم دونوں کامیاب ہوئے تو سچ سچ بتاؤ کسے خلیفہ بناؤ گے۔ دونوں نے کہا ہم میں جسے لوگ منتخب کر لیں۔ سعید نے کہا نہیں بلکہ عثمان کے لڑکے کو خلیفہ بنانا چاہئے کیونکہ انہیں کے خون کا انتقام لینے کے لیے نکلے ہو۔ دونوں نے کہا ہم شیوخ مہاجرین کو چھوڑ کر چھوکروں کو خلیفہ بنائیں گے؟ سعید نے کہا تب تو مجھے اس کی کوشش کرنا چاہئے کہ خلافت عبد مناف کی اولاد سے نہ جانے پائے یہ کہہ کر واپس پلٹ گیا مغیرہ بن شعبہ نے کہا سعید ہی کا کہنا ٹھیک ہے جو لوگ قبیلہ ثقیف کے ہوں (مغیرہ کے خاندان والے) وہ پلٹ چلیں۔ چنانچہ مغیرہ اور اس کے ہمراہی واپس ہو گئے۔

(تاریخ طبری ج ر ۵ ص ر ۱۶۸)

(۴) ابن عباس نے معاویہ کے ایک خط کے جواب میں لکھا:

''رہ گئے طلحہ وزبیر تو ان دونوں نے عثمان پر یورش کی اور ان کا گلا گھونٹ ڈالا پھر علیؑ کی بیعت توڑ کر حکومت کی طلب میں ان دونوں نے خروج کیا چونکہ انہوں نے بیعت کر کے پھر توڑ دی۔اسی لیے ہم نے ان سے جنگ کی جس طرح تم سے بغاوت کے جرم پر برسر پیکار ہیں۔

(کتاب صفین بن مزاحم ص ر ۲۷۴، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۲، ص ر ۲۸۹)

(۵) حابس بن سعید شام کا رئیس تھا اس کا ایک بھائی مدینہ سے شام واپس گیا حابس سے کہا کہ عثمان جب قتل ہوئے تو میں مدینہ میں موجود تھا اور علیؑ کے ساتھ کوفہ گیا تھا۔حابس اسے لے کر معاویہ کے پاس گیا کہ یہ میرا بھائی کوفہ سے آیا ہے۔علیؑ کے ساتھ رہ چکا ہے اور قتل عثمان کے دنوں میں مدینہ میں تھا آدمی سچا ہے اور بھروسہ کے لائق ہے۔معاویہ نے کہا مجھے عثمان کی سرگذشت سناؤ اس نے کہا قتل عثمان کے کرتا دھرتا محمد بن ابی بکر اور عمار بن یاسر تھے اور عثمان کے معاملہ میں دو شخصوں نے بڑی آگ لگائی۔ایک طلحہ دوسرے زبیر اور سب سے زیادہ حسن سلوک اگر کسی نے ان کے ساتھ کیا تو وہ علیؑ ہیں،عثمان کے قتل ہونے کے بعد لوگ علیؑ پر اس طرح ٹوٹے جیسے شمع پر پروانے ٹوٹتے ہیں یہاں تک کہ آپ کی نعلین گم ہوگئی اور ردا بدن سے گرگئی۔

(امامۃ والسیاسۃ ج ر ۱، ص ر ۴۷، کتاب صفین ص ر ۲۷، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱، ص ر ۲۵۹)

(۶) امام حاکم نے بہ سلسلہ اسناد اسرائیل بن موسیٰ سے روایت کی ہے جب طلحہ وزبیر بصرہ پہنچے تو لوگوں نے پوچھا کیسے آنا ہوا، ان لوگوں نے کہا ہم عثمان کا انتقام لینے آئے ہیں۔حسن بصری نے کہا سبحان اللہ! کیا لوگوں کو عقل نہیں ہے وہ یہ نہیں کہیں گے کہ تمہارے سوا اور کسی نے عثمان کو قتل نہیں کیا۔(مستدرک ج ر ۳، ص ر ۱۱۸)

(۷) جب عائشہ اور طلحہ وزبیر بصرہ سے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف نے جو ان دونوں حضرت امیر المومنینؑ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے ابوالاسود دوئلی کو ان لوگوں کے پاس بھیجا۔ابوالاسود نے جناب عائشہ کی خدمت میں آکر تشریف آوری کا سبب پوچھا۔

جناب عائشہ: میں عثمان کے خون کا انتقام لینے آئی ہوں۔

ابوالاسود: بصرہ میں تو کوئی ایسا نہیں ہے جو قتل عثمان میں شریک رہا ہو۔

جناب عائشہ: یہ سچ ہے عثمان کے قاتل مدینہ میں علیؑ کے پاس ہیں میں اہل بصرہ کو ان سے جنگ کرنے پر آمادہ کرنے آئی ہوں۔عثمان کے مظالم تم لوگوں پر تو میں دیکھ نہ سکی۔تم لوگوں کی تلواریں عثمان پر کیسے برداشت کرسکتی ہوں۔

ابوالاسود: آپ کو اس سے کیا؟ آپ رسول خداؐ کی پابند ہیں۔آنحضرتؐ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ گھر میں بیٹھیں۔کتاب خدا

کی تلاوت کریں، عورتوں کو لڑنے بھڑنے اور خون کا انتقام لینے سے کیا سروکار؟ کوئی شک نہیں کہ علیؑ آپ کی نسبت عثمان کے زیادہ حقدار اور قریبی رشتہ دار ہیں کیونکہ دونوں عبد مناف کی اولاد ہیں۔

جناب عائشہ: میں تو جب تک اپنا کام انجام نہ دے لوں گی واپس نہ جاؤں گی۔

ابوالاسود: پھر آپ کو ایسی لڑائی کا سامنا کرنا پڑے گا جس سے سخت لڑائی کوئی ہوگی نہیں۔

اس کے بعد ابوالاسود زبیر کے پاس پہنچے کہا اے زبیر آپ بروز بیعت ابوبکر تلوار کا قبضہ ہاتھ میں لئے کہہ رہے تھے۔ اس خلافت کا علیؑ سے بڑھ کر کوئی حقدار نہیں اور آج آپ نے یہ طوفان اٹھا رکھا ہے۔ زبیر نے کہا ہم عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں، ابوالاسود نے کہا ہمیں تو اب تک جو خبریں ملی ہیں وہ یہی کہ آپ اور آپ کے ساتھی طلحہ ہی نے ان کی جان لی ہے۔ زبیر نے کہا طلحہ کے پاس جاؤ اور سنو وہ کیا کہتے ہیں ابوالاسود طلحہ کے پاس گئے وہ اسی طرح گمراہی میں ڈوبے ہوئے اور فتنہ وفساد کشت وخون پر مصر تھے۔

(الامامۃ والسیاسۃ ج/۱ص/۵۷، عقد فرید ج/۲ص/۲۷۸، شرح ابن ابی الحدید ج/۶ص/۵۱)

(۸) جب طلحہ وزبیر اور عائشہ مقام اوطاس میں پہنچے تو سعید بن عاص، مغیرہ بن شعبہ کے ہمراہ وہاں پہنچا اور جناب عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

سعید بن عاص۔ مادر گرامی کہاں کا ارادہ ہے؟

جناب عائشہ۔ بصرہ جارہی ہوں۔

سعید بن عاص۔ بصرہ جا کر کیا کیجئے گا؟

جناب عائشہ۔ قاتلین عثمان سے انتقام لوں گی۔

سعید بن عاص۔ قاتلین عثمان تو یہ آپ کے ساتھ ہیں (انہیں کیوں نہیں قتل کر ڈالتیں) پھر مروان کی طرف مخاطب ہو کر۔

سعید بن عاص۔ تم کہاں جارہے ہو؟

مروان۔ بصرہ۔

سعید بن عاص۔ وہاں جا کر کیا کروگے؟

مروان۔ قاتلین عثمان سے قصاص لوں گا۔

سعید بن عاص۔ قاتلین تو یہ تمہارے ساتھ ہی ہیں۔ انہیں دونوں طلحہ وزبیر نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ یہ خود خلیفہ بننا چاہتے تھے۔ جب مغلوب ہو گئے (علیؑ کی بیعت ہوگئی) تو انہوں نے کہا خون کو خون سے دھوئیں گے اور گناہ کو توبہ سے رفع کریں

گے۔

اس کے بعد مغیرہ نے کہا لوگو! اگر تم محض مادر گرامی کی معیت میں نکلے ہو تو اب انہیں پلٹا لے جاؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر قتل عثمان پر غضبناک ہو کر نکلے ہو تو تمہارے انہیں سرداروں نے عثمان کو قتل کیا ہے اور اگر تم علیؑ سے کسی بات پر ناراض ہو تو بتاؤ وہ کون سی باتیں ہیں؟ تمہیں میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں ارے سال بھر میں دو دو ہنگامے۔ مگر ان لوگوں نے عائشہ وطلحہ وزبیر ہی کے ساتھ جانے پر اصرار کیا۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۵۵)

(۹) جب طلحہ وزبیر بصرہ میں وارد ہوئے تو عثمان بن حنیف نے دو شخصوں کو بھیج کر حجت تمام کرنا چاہی، عمران بن حصین صحابی پیغمبرؐ اور ابوالاسود کو بلا کر طلحہ وزبیر کے پاس روانہ کیا۔

ابوالاسود دوئلی نے کہا تم لوگوں نے عثمان کو قتل کر ڈالا اور ہم سے کوئی مشورہ نہیں کیا پھر علیؑ کی بیعت کر لی اور ہم سے پوچھا تک نہیں ہم نہ تو عثمان کے قتل پر غضبناک ہوئے اور نہ علیؑ کی بیعت پر پھر تمہیں یہ سوجھی کہ تم نے علیؑ کی بیعت توڑنے کا ارادہ کر لیا۔

عمران بن حصین نے کہا اے طلحہ! تم نے عثمان کو قتل کیا اور ہم اس کے لیے غضبناک نہ ہوئے پھر تم نے علیؑ کی بیعت کر لی اور ہم اس پر بھی خفا نہ ہوئے تمہاری تقلید میں ہم نے بھی ان کی بیعت کر لی اگر عثمان جائز طور پر قتل ہوئے تو پھر تم کاہے کو نکلے اور اگر قتل ان کا ناحق تھا تو تم نے بھی ان کے قتل میں پورا پورا حصلہ لیا ہے طلحہ نے کہا ہاں یہ سچ ہے۔ مگر علیؑ اپنی حکومت میں کسی کو شریک کرنا نہیں چاہتے تو ہم نے اس لئے تو بیعت کی نہیں تھی۔ خدا کی قسم ان کا خون بہایا جائے گا۔ یہ سن کر ابوالاسود نے عمران سے کہا لو ظاہر ہو گیا اور طلحہ نے صاف صاف بتا دیا کہ ان کو خلافت نہ ملنے کا غصہ ہے۔ پھر ابوالاسود اور عمران زبیر کے پاس گئے اور کہا ہم طلحہ کے پاس گئے تھے۔ زبیر نے کہا ہم اور طلحہ تو ایک روح دو قالب ہیں اور کہا! ہم سے خدا کی قسم عثمان کے بارے میں کچھ لغزشیں جلد بازی میں ہوئیں جن سے ہم نے معذرت کی آڑ ڈھونڈھی۔ (امامۃ والسیاسۃ ج ۱، ص ۵۶)

(۱۰) عمار یاسر نے کوفہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ''اے باشندگان کوفہ اگر ہماری خبریں تمہیں پہلے معلوم نہ تھیں تو اب ساری باتیں تم تک پہنچ چکی ہیں۔ قاتلین عثمان لوگوں کے سامنے کوئی عذر نہیں پیش کر سکتے۔ نہ ان کے قتل سے انکار کر سکتے ہیں۔ طلحہ وزبیر نے سب سے پہلے عثمان کی مخالفت کی اور سب کے بعد حکم قتل کیا اور سب سے پہلے علیؑ کی بیعت کی جب دل کی تمنا پوری نہ ہوئی تو بغیر کسی سبب کے انہوں نے بیعت توڑ دی۔

(الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۵۹)

(۱۱) امیر المومنینؑ نے ایک تقریر میں فرمایا ان دونوں طلحہ وزبیر نے سب سے پہلے میری بیعت کی۔تم اسے جانتے ہو،اس کے بعد انہوں نے بیعت توڑ دی غداری کی اور عائشہ کو لے کر بصرہ میں علم بغاوت بلند کر دیا کہ تمہارے شیرازہ کو منتشر کر دیں اور تمہیں مبتلائے مصیبت کریں،خداوندا دونوں کو ان کے کرتوت کا مزہ چکھا۔ان کی کسی لغزش کو معاف نہ کر نہ کسی خطا سے درگذر کر،نہ انہیں دم لینے کی مہلت دے۔یہ دونوں اس حق کے طالب ہیں جسے انہوں نے خود ترک کیا اور اس خون کا بدلہ چاہتے ہیں جسے خود بہایا ہے۔(شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱ ص ر ۱۰۲)

(۱۲) مالک اشتر نے ایک گفتگو میں امیر المومنینؑ سے کہا طلحہ وزبیر اور عائشہ کا معاملہ ہمارے لئے تشویشناک نہیں یہ طلحہ وزبیر خود حلقۂ بیعت میں آپ کے داخل ہوئے پھر بغیر آپ کی کسی خطا کے یہ جدا ہو گئے دونوں کہتے ہیں کہ وہ خون عثمان کے طالب ہیں تو انہیں انتقام اپنی ذاتوں سے لینا چاہئے کیونکہ سب سے پہلے انہیں نے لوگوں کو عثمان کا خون بہانے پر ابھارا اور برانگیختہ کیا۔(شرح ابن ابی الحدید ج ر ۲ ص ر ۱۰۳)

یہ کل روایتیں قطعی ثبوت ہیں کہ یہی طلحہ وزبیر عثمان کے خلاف محاذ قائم کرنے میں بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔انہیں نے فتنہ کو بھڑکایا اور ان کا خون بہانے میں کوئی حرج نہ سمجھا اور عثمان کے لیے وہ تمام مظالم مباح سمجھے جو کسی مسلمان کے لیے روا نہیں،انہوں نے اس وقت تک عثمان کا پیچھا نہ چھوڑا جب تک جان نہ لے لی۔اس موقع پر طلحہ نے بہت سے کارنامے انجام دیئے،انہیں طلحہ نے عثمان پر پانی بند کیا جو ہر متنفس کے لیے مباح ہے۔عثمان نے جب سلام کیا تو انہیں طلحہ نے جواب سلام نہ دیا حالانکہ ہر مسلمان پر سلام کا جواب دینا فرض ہے،عثمان کی میت لوگوں نے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہی تو یہی طلحہ مانع ہوئے اور تین مرتبہ رکاوٹ ڈالی حالانکہ شریعت اسلامیہ کا حکم ہے کہ میت کو جہاں تک جلد ممکن ہو دفن کیا جائے انہیں طلحہ نے عثمان کی میت پر اور میت کے اٹھانے والوں پر تیر بارانی کی اور چاروناچار دفن عثمان پر طلحہ راضی بھی ہوئے تو یہودیوں کے قبرستان میں۔

اب سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسے صحابی پیغمبر تھے؟ ان کی ان حرکتوں کی کیا وجہ جواز تھی؟ تمام صحابہ کو عادل ماننا کیوں کر صحیح ہے؟ یہ طلحہ وزبیر کیونکر عشرہ مبشرہ میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ان دونوں کا دامن جب ہی پاک ہوسکتا ہے جب عثمان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے جس کا کوئی مسلمان قائل نہ ہوگا۔

ہمیں یہاں تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ہم تو صرف عثمان کے متعلق جلیل القدر صحابہ پیغمبر کی رائیں۔ان کے بارے میں ان کے نظریات بیان کرنا چاہتے ہیں۔طلحہ وزبیر کا جو نظریہ ہم نے ذکر کیا ان کے زمانہ میں بھی لوگ اس سے واقف تھے اور

آج بھی کسی کو اس سے مجال انکار نہیں ہو سکتی۔

(۷) عبداللہ بن مسعود کی رائے

گذشتہ صفحات میں ابن مسعود کی سرگذشت، عثمان کے متعلق ان کی رائے اور ان کے خلاف غم وغصہ مختصراً ذکر کیا جاچکا ہے۔ یہ بہت سخت مخالف تھے۔ عثمان کو عیب لگاتے ہر موقع پر ان کی قدح کرتے ان کی ناپسندیدہ حرکات کا ذکر کر کے انہوں نے تمام عراق کو ان کا مخالف بنا دیا تھا۔ اسی وجہ سے عثمان نے انتہائی تشدد ان کے ساتھ برتا انہیں قید میں ڈال دیا۔ سرکاری معتوب قرار دیا اور دو برس تک ان کا گزارہ روک دیا۔ آپ کے حکم سے ابن مسعود مسجد نبوی سے بہت ہی ذلت ورسوائی سے نکالے گئے، اٹھا کر زمین پر پٹک دیئے گئے جس سے ہڈی پسلی ٹوٹ گئی اور ۲۰ کوڑے مارے گئے۔

عبداللہ ابن مسعود کی نفرت اور غیظ وغضب مرتے دم تک باقی رہا مرنے لگے تو یہ وصیت کر کے مرے کہ عثمان میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں۔

مصر کے جلیل الشان مورخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

''روایات میں ہے کہ جن دنوں ابن مسعود کوفہ میں تھے وہ عثمان کا خون مباح جانتے تھے لوگوں کے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے کہتے کہ بدترین اور نت نئی باتیں ہیں اور ہر نت نئی بات بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہوگی۔'' اس فقرہ سے ان کا اشارہ عثمان اور ان کے عامل کی طرف ہوا کرتا تھا۔

(الفتنۃ الکبریٰ ص ۱۷۱)

یہ رائے تھی اس عظیم المنزلت صحابی پیغمبر کی جو رفتار گفتار طور طریق میں تمام لوگوں سے زیادہ مشابہ پیغمبرؐ تھے اس کے بعد کسی جویائے تحقیق کے لیے حضرت عثمان کے متعلق صحیح فیصلہ کرنے میں کیا رکاوٹ باقی رہ جاتی ہے۔

(۸) عمار بن یاسر کی رائے:

جناب عمار نے بروز صفین اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

''بندگان خدا میرے ساتھ اٹھ کھڑے ہو ایسی قوم کی طرف جو کہتے ہیں کہ ہم انتقام عثمان کے طالب ہیں، کوئی شک نہیں کہ عثمان کو نیکوکار بندوں نے قتل کیا جو سرکشی وظلم کو ناپسند کرتے نیکی کا حکم دیتے ہیں طالبان انتقام عثمان! جنہیں محض اپنی دنیا کی سلامتی کی فکر ہے چاہے دین تباہ و برباد ہو جائے۔ ہم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے عثمان کو کیوں قتل کیا ہم نے جواب دیا کہ چونکہ انہوں نے ناپسندیدہ حرکتیں کیں، یہ کہتے ہیں کہ عثمان نے کوئی ناپسندیدہ حرکت نہیں کی یہ لوگ عثمان کو بے گناہ اس وجہ

سے کہتے ہیں کہ عثمان نے دنیا ان کے حوالہ کر دی تھی، خدا کی قسم یہ لوگ انتقام نہیں چاہتے، اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کو چکھا اور دل وجان سے پسند کیا اور سمجھ گئے کہ اگر حکومت حقیقی مستحق کے پاس جاتی ہے تو ہمارا من وسلویٰ چھن جائے گا۔ چونکہ معاویہ اوران کے اصحاب کو اسلام میں کوئی سابقیت حاصل نہیں جس کی وجہ سے یہ حکومت وخلافت کے مستحق ہوتے اس وجہ سے انہوں نے اپنے پیروؤں کو یہ کہہ کر دھوکا دیا کہ ہمارے امام مظلوم قتل کئے گئے یہ ڈھونگ صرف اسی لئے رچایا گیا تا کہ حکومت واقتدار ہمارے ہاتھ آجائے۔ ہم بادشاہ بن جائیں، یہ چال کامیاب رہی جیسا کہ تم لوگ دیکھ رہے ہو اگر یہ لوگ ڈھونگ نہ رچاتے تو ایک آدمی بھی ان کا ساتھ نہ دیتا۔ (کتاب صفین مطبوعہ مصر ص ر ۳۶۱، وص ر ۳۶۹، تاریخ طبری ج ر ۶، ص ر ۲۱، کامل ابن اثیر ج ر ۳، ص ر ۱۲۳، تاریخ ابن کثیر ج ر ۷، ص ر ۲۶۶، جمہرۃ الخطب ج ر ۱، ص ر ۱۸۱)

(۲) باقلانی لکھتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عمار کہا کرتے۔ عثمان کافر ہیں۔ اوران کے قتل کئے جانے کے بعد کہتے تھے کہ ہم نے جس دن عثمان کو قتل کیا ایک کافر کو قتل کیا۔ (تمہید ص ر ۲۲۰)

(۳) نصر بن مزاحم نے عمرو عاص اور جناب عمار کی ایک گفتگو نقل کی ہے۔

عمرو عاص۔ قتل عثمان کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

عمار۔ قتل عثمان ہی نے تمہارے لئے ہر برائی کا دروازہ کھول دیا ہے۔

عمرو عاص۔ علیؑ ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے۔

عمار۔ نہیں بلکہ خداوند عالم جو علیؑ کا پروردگار ہے اس نے قتل کیا اور علیؑ بھی اپنے پروردگار کے ساتھ تھے۔

عمرو عاص۔ تم بھی ان کے قاتلین میں سے ہو۔

عمار۔ ہاں میں بھی ان کے قاتلوں سے ہوں اور آج انہیں قاتلوں کے ہمراہ محاذ جنگ پر موجود ہوں۔

عمرو عاص۔ تم نے کیوں انہیں قتل کیا؟

عمار۔ چونکہ وہ ہمارے دین کو بدل دینا چاہتے تھے۔ اس لیے۔

عمرو عاص نے مجمع سے خطاب کر کے کہا سنو عمار خود اپنی زبان سے قتل کا اقرار کر رہے ہیں۔

عمار۔ فرعون نے بھی تم سے پہلے اپنی قوم والوں سے کہا تھا۔ الا یستمعون الایۃ۔ کیا تم نہیں سنتے؟ ۔ (کتاب صفین ص ر ۳۸۴، شرح نہج البلاغہ ج ر ۲، ص ر ۱۷۳)

جناب عمار کی عظمت وجلالت سے آپ ناواقف نہ ہوں گے یہ وہی عمار ہیں جن کی مدح وثنا میں کلام مجید کی متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور پیغمبرؐ ان کی مدح وستائش میں ہمیشہ رطب اللسان رہے۔ کبھی فرمایا عمار سر سے پیر تک ایمان سے لبریز

ہیں کبھی کہا عمار حق کے ساتھ ہیں اور حق عمار کے ساتھ جدھر عمار گردش کرتا ہے ادھر حق گردش کرتا ہے۔ ایسا مجموعہ فضائل ومناقب بزرگ عثمان کے متعلق جو رائے رکھتا تھا اسے آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یہ عمار عثمان کو اپنے نفس پر ظلم کرنے والا، بندگانِ خدا کے ساتھ مخالف کتاب الٰہیہ حکم کرنے والا۔ دین خدا میں تغیر وتبدل کا ارادہ رکھنے والا قرار دیتے تھے، عمار کے نزدیک قاتلین عثمان نیکو کار مومنین تھے جو ظلم وعدوان کو ناپسند کرتے تھے نیک کاموں کا حکم دیتے تھے، اسی قسم کے ان کے اور بھی بہت سے ارشادات ہیں، انہوں نے جو کچھ کہا اسی پر آخر وقت تک جمے رہے اور جو طرز عمل اختیار کیا اسی پر مصر رہے، انہیں واضح لفظوں میں اعتراف ہے کہ یورش کرنے والوں میں ہم بھی تھے انہیں اس کا بھی افسوس تھا کہ ہم نے قبر کھود کر آگ میں جلایا کیوں نہیں۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۲۹۲)

یہی کیفیت جناب عمار کی مرتے دم تک رہی۔ یہاں تک کہ انہوں نے قاتلان عثمان کی معیت میں طالبان انتقام سے جنگ بھی کی یہی یقین ووثوق رکھتے ہوئے کہ طالبان انتقام باطل پر ہیں ان سے جنگ کرنا واجب ہے وہ اپنے اعتقادات سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ہٹے۔ یہاں تک کہ انہیں باغی جماعت معاویہ کے اصحاب نے شہید کیا اور حسب ارشاد پیغمبرؐ عمار کا قاتل اور دشمن جہنم میں ہوگا۔

(۹) مقداد بن اسود کندی کی رائے:

علامہ یعقوبی حضرت عثمان کی بیعت اور استخلاف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: ایک جماعت علیؑ کی طرف مائل ہوگئی اور عثمان کو برا بھلا کہنے لگی۔ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا ایک آدمی کو دیکھا کہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھا اس طرح آہیں بھر رہا ہے جیسے اس کی دنیا لٹ گئی ہو۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''بڑی حیرت ہے قریش پر اور خلافت کو اہل بیتؑ پیغمبرؐ سے ان کے دور لے جانے پر، حالانکہ اہلبیتؑ میں علی ابن ابی طالبؑ ہیں جو سب سے پہلے ایمان لائے جو ابن عم رسولؐ ہیں تمام لوگوں سے زیادہ عالم دین خدا کے سب سے بڑھ کر فقیہ، اسلام کی راہ میں سب سے زیادہ مشقتیں جھیلنے والے، صراطِ مستقیم کی طرف سب سے بڑھ کر ہدایت کرنے والے ہیں، ان لوگوں نے ہادی ومہتدی، پاک وصاف بزرگ سے خلافت کو ہٹا کر امت کی بھلائی نہیں چاہی اور نہ صحیح راستہ اختیار کیا ہے بلکہ ان لوگوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی خدا ظالموں کو غارت وبرباد کرے۔

وہ شخص کہتا ہے کہ میں اس آدمی کے پاس گیا پوچھا خدا تم پر رحم کرے تم کون ہو یہ کس شخص کے متعلق کہہ رہے ہو۔ اس آدمی نے کہا میں مقداد بن عمرو ہوں اور وہ شخص علی ابن ابی طالبؑ ہے۔ میں نے کہا آپ اس مسئلہ کو لے کر اٹھتے کیوں نہیں؟

یں آپ کی مدد کروں گا، مقداد نے کہا بھتیجے یہ ایک دو آدمی کے بس کا کام نہیں پھر میں باہر نکلا ابوذر سے میں نے مقداد کی باتیں دہرائیں، ابوذر نے کہا بھائی سچ کہتے ہیں۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۱۴)

مقداد نے عبدالرحمان بن عوف سے کہا تھا کہ اے عبدالرحمان بخدا تم نے اس کو چھوڑ دیا جو حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور انصاف کرتا ہے میں نے ایسا ظلم کبھی نہیں دیکھا جیسا ظلم وستم اس گھر کے لوگوں پر ان کے نبی کے بعد ہوا مجھے قریش سے تعجب ہے کہ انہوں نے ایسے شخص کو چھوڑا جس سے زیادہ علم وعدل والا کوئی اور نہیں کاش میرے مددگار ہوتے عبدالرحمان نے کہا مقداد خدا سے ڈرو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم آزمائش میں نہ پڑ جاؤ۔ (طبری ج ۵، ص ۳۷، کامل ج ۳، ص ۲۹۔ ۳۰، عقد الفرید ص ۲۶۰)

مسعودی کی لفظوں کا ترجمہ ہے کہ "عمار کھڑے ہوئے اور کہا اے گروہ قریش، اگر یوں ہی تم اہل بیتؑ پیغمبر سے خلافت کو ہٹا کر کبھی ادھر کبھی ادھر رکھتے رہے تو ہم اس سے بھی مطمئن نہیں کہ خدا تم سے اس خلافت کو چھین کر دوسروں کے حوالے کر دے جس طرح تم نے خلافت کو اہل بیت سے الگ کر کے ان کے اغیار میں رکھ دیا ہے۔

مقداد نے کھڑے ہو کر کہا میں نے ایسا ظلم وستم کبھی نہیں دیکھا جیسا ظلم وستم اس گھر کے لوگوں پر ان کے نبی کے بعد ہوا۔ عبدالرحمان بن عوف نے کہا مقداد تمہیں اس سے کیا سروکار؟ مقداد نے کہا میں خدا کی قسم انہیں محبوب رکھتا ہوں کیونکہ رسولؐ انہیں محبوب رکھتے تھے۔ اے عبدالرحمن حق انہیں کے ساتھ اور انہیں میں ہے۔ قسم بخدا اے عبدالرحمان اگر قریش کے مقابلہ کے لیے مجھے انصار ومددگار ملتے تو میں ان سے اسی طرح جنگ کرتا جس طرح میں نے رسولؐ اللہ کی معیت میں جنگ بدر لڑی۔ (مروج الذہب ج ۱، ص ۴۴۰)

مقداد کو کون مسلمان جانتا نہ ہوگا ان کی عظمت وجلالت، دین میں ان کا درجہ، ان کے فضائل عالم آشکار ہیں علامہ ابوعمر واستیعاب میں لکھتے ہیں۔ مقداد اہل فضل وشرف اور بزرگ ومنتخب اصحاب سے ہیں انہوں نے دو ہجرتیں کیں جنگ بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے مسلمانوں میں پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کی جنگ بدر میں ان کے علاوہ سب پیادہ تھے یہ پہلے سات اسلام لانے والوں میں سے ہیں اور ان چودہ برگزیدہ افراد میں سے ایک فرد ہیں جو رسولؐ اللہ کے وزراء اور رفقا شمار کئے جاتے تھے۔

(مستدرک ج ۳، ص ۳۴۸۔ ۳۴۹، استیعاب ج ۱، ص ۳۸۹، اسد الغابہ ج ۴، ص ۴۱۰)

حضرت سرور کائناتؐ نے ان کا نام اوّاب رکھا تھا۔

پیغمبرؐ کے ان جملوں کے بعد کہ خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں چار شخصوں سے محبت کروں اور مجھے خبر دی ہے

کہ وہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے، علیؑ، ابوذر، سلمان، مقدار۔ (جامع ترمذی استیعاب، اسدالغابہ ج ر ۴، ص ر ۴۱۰، اصابہ ج ر ۳، ص ر ۴۵۵)

جنت چار شخصوں کی مشتاق ہے۔علیؑ، عمار، سلمان، مقداد۔ (حلیۃ الاولیاج ر ۱، ص ر ۱۴۳)

کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مقداد کتنے فضائل کے مالک تھے خدا ورسول کے نزدیک کیا توقیر ومنزلت ان کی تھی۔

ایسے مقدس بزرگ حضرت عثمان کے کھلم کھلا خلاف، ان کی خلافت پر روز اول ہی سے غضبناک تھے اور حضرت عثمان کے خلیفہ ہوجانے پر انہوں نے ایسی آہیں بھریں جیسے ان کی ساری دنیا لٹ گئی ہو، یہ لوگوں کو عثمان کے خلاف ابھارتے، ان سے کنارہ کشی کی ترغیب دیتے، ان کی حکومت کو انتہائی ناقابل برداشت مصیبت اور اہل بیتؑ پر کھلم کھلا ظلم جانتے تھے، انہیں تمنا وآرزو تھی کہ کاش میرے انصار ومددگار ہوتے اور میں عثمان کو خلیفہ بنانے والوں سے اسی طرح جنگ کرتا جس طرح پیغمبرؐ کی معیت میں بروز جنگ بدر (مشرکین قریش) سے جنگ کی تھی۔

یہ ان کی رائے شوریٰ کے دن ہی سے تھی اس وقت سے جب کہ عثمان کی طرف سے ابھی کوئی بات ظہور میں نہیں آئی تھی اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب مقداد نے حضرت عثمان کے اقدامات وافعال کا مشاہدہ کیا ہوگا تو ان کے غیظ وغضب رنج واندوہ کی کیا حالت ہوگی۔

(۱۰) حجر بن عدی کی رائے:

معاویہ نے ۴۱ھ میں مغیرہ بن شعبہ کو جب کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو کہا میں تمہیں کئی باتوں کی وصیت کرنا چاہتا تھا۔مگر تمہاری سمجھ بوجھ کو دیکھتے ہوئے ضرورت نہیں معلوم ہوتی، البتہ ایک بات کی ضرور تاکید کروں گا دیکھو علیؑ کی مذمت اور انہیں گالیاں دینے میں کمی نہ کرنا اور عثمان کے لیے دعائے مغفرت کرنا، علیؑ کے اصحاب کو برا کہنا انہیں اپنے سے دور رکھنا اور ان کی کسی درخواست پر توجہ نہ دینا اور شیعیان عثمان کی قدر ومنزلت بڑھانا، اپنے سے قریب کرنا، ان کی باتوں کو توجہ سے سننا، مغیرہ نے کہا ایسا ہی ہوگا۔

سات برس کچھ مہینے مغیرہ کوفہ کا گورنر رہا اور اس عرصہ میں اس نے علیؑ کی تنقیص، ان کی مذمت اور قاتلین عثمان کی برائی ان پر لعنت، عثمان کے لیے دعائے مغفرت ان کے اصحاب کی تقدیس وتعریف میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔حجر بن عدی کی کیفیت یہ تھی کہ جب وہ علیؑ اور اصحاب علیؑ کی مذمت سنتے تو بول اٹھتے کہ تم خود ایسے ہو! کھڑے ہوجاتے اور کہتے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ۔اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم لوگ جس کی مذمت کرتے ہو عیب لگاتے ہو وہی مجموعۂ فضائل ہے اور جن کی تم مدح وستائش کرتے ہو وہی مذمت کا مستحق ہے۔مغیرہ کہتا! حجر! بادشاہ سے ڈرو اور اس کے

غیظ وغضب اور دبدبہ سے بچو۔ بادشاہ کا غصہ بسا اوقات تمہارے ایسے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ مغیرہ اتنا ہی کہہ کر رہ جاتا اور درگذر کرتا۔ یہی حالت برابر جاری رہی۔ یہاں تک کہ مغیرہ نے اپنے آخری زمانۂ گورنری میں حسب دستور علیؑ وعثمان کے متعلق وہی سب باتیں کہیں عثمان کے لیے دعائے رحمت واستغفار اور علیؑ کی مذمت ومنقصت اور بددعا۔ حجر بن عدی اٹھ کھڑے ہوئے اور زور سے چیخے اور کہا کہ یہ کیا فضول بکواس ہے تم ہماری تنخواہیں اور عطایا دلواؤ جسے تم نے ناحق روک رکھا ہے وہ تمہارے لیے نہیں ہے نہ تم سے پہلے کے گورنروں نے اس میں کوئی لالچ کی، تم امیر المومنینؑ کی مذمت کرتے ہو اور مجرموں کی مدح وستائش؟ حجر کے اس کہنے پر دوتہائی مجمع چیخ پڑا کہ حجر نے بخدا سچ کہا، ہماری تنخواہیں ملنا چاہئے تمہاری اس بکواس سے ہمارے پیٹ نہیں بھریں گے نہ ہمیں کوئی اس سے فائدہ ہوگا۔

یہاں تک کہ مغیرہ ۵۱ھ میں مرگیا اور کوفہ وبصرہ دونوں زیاد ابن ابیہ کے ماتحت کر دیئے گئے زیاد نے کوفہ آ کر بالائے منبر تقریر کی جس میں عثمان اور ان کے اصحاب کی بڑی تعریفیں کیں اور ان کے قاتلوں پر لعنت کی۔ حجر اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی طرح جواب دیا جس طرح وہ مغیرہ کو دیا کرتے تھے۔

محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ زیاد نے ایک مرتبہ جمعہ کو خطبہ پڑھنا شروع کیا اور اتنا طول دیا کہ ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا نماز میں کافی تاخیر ہوگئی۔ حجر نے کہا نماز! زیاد نے توجہ نہ دی خطبہ جاری رکھا پھر حجر نے نماز یاد دلائی مگر اس مرتبہ بھی اس نے خطبہ ختم نہیں کیا۔ جب حجر کو اندیشہ ہوا کہ کہیں نماز قضا نہ ہو جائے تو انہوں نے ایک مٹھی کنکری اٹھا کر زیاد پر پھینکی اور خود نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ سارا مجمع اٹھ کھڑا ہوا۔ زیاد نے جب یہ دیکھا تو منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھانے لگا۔ نماز سے فارغ ہو کر معاویہ کو خط لکھا اور اس میں خوب بڑھا چڑھا کر حجر کی شکایت لکھی۔ معاویہ نے زیاد کو لکھا کہ حجر کو لوہے میں جکڑ کر میرے پاس بھیج دو، جب معاویہ کا خط آیا تو حجر کے قبیلے والے مقاومت پر تیار ہو گئے اور چاہا کہ بہ زور وقوت زیاد کو ایسا کرنے سے روک دیا جائے مگر حجر نے منع کیا کہ اپنی طرف سے زیادتی مناسب نہیں۔ چنانچہ حجر اور ان کے اصحاب، لوہے میں جکڑ کر معاویہ کی طرف روانہ کر دیئے گئے۔ جب یہ لوگ دمشق کے قریب پہنچے تو معاویہ کا قاصد یہ پیغام لے کر آیا کہ چھ آدمی چھوڑ دیئے جائیں اور آٹھ آدمی قتل کر دیئے جائیں۔ معاویہ کے قاصد نے کہا ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر آپ لوگ علیؑ سے برأت کا اظہار کریں ان پر سب وشتم کریں تو ہم چھوڑ دیں گے اور اگر انکار کریں گے تو قتل کر ڈالیں گے۔ امیر معاویہ کا کہنا ہے کہ آپ لوگوں کا خون مباح ہے کیونکہ آپ ہی کے شہر کے لوگوں نے آپ کے خلاف گواہی دی ہے مگر امیر نے معاف کر دیا۔ اب آپ علیؑ پر تبرا کریں تو ہم آپ کو آزاد کر دیں۔ حجر اور ان کے اصحاب نے کہا ہم ایسا کرنے پر تیار نہیں۔ اس پر قبریں تیار کی گئیں کفن مہیا کر لیا

گیا، حجر اور ان کے اصحاب نے تمام رات نماز میں بسر کی جب صبح ہوئی تو معاویہ کے اصحاب نے کہا لوگو! ہم نے تمہیں گذشتہ شب بہت دیر تک نمازیں پڑھتے پایا دعائیں بھی تمہاری بہت عمدہ تھیں اب یہ بتاؤ کہ عثمان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے، حجر اور ان کے اصحاب نے کہا عثمان ہی نے سب سے پہلے ظالمانہ فیصلے دیئے اور ناجائز افعال کئے۔ شام والوں نے کہا امیر کا اندازہ تمہارے متعلق ٹھیک ہی تھا۔ ان لوگوں سے پھر علیؑ سے برأت کرنے کے لیے کہا گیا۔ حجر اور ان کے اصحاب نے کہا نہیں بلکہ ہم ان سے تولا رکھتے ہیں اور جو ان سے برأت کرے ہم اس پر تبرا کرتے ہیں اس پر حجر اور ان کے پانچ اصحاب قتل کر ڈالے گئے۔ (تاریخ طبری ج ۶، ص ۱۴۱، تا ۱۶۰، تاریخ ابن عساکر ج ۲، ص ۳۰۷ تا ۳۸۱، تاریخ کامل ج ۳، ص ۲۰۲ تا ۲۱۰، تاریخ ابن کثیر ج ۸، ص ۴۹ تا ۵۵)

اس عبارت سے جناب حجر اور ان کے نیکوکار رفقا کی رائیں، ان کے نظریے محتاج بیان نہیں رہتے، ان کے اعتقاد میں حضرت عثمان پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے غیر عادلانہ فیصلے کئے اور حق کے خلاف عمل کئے۔ حجر انہیں مجرمین سے شمار کرتے تھے جیسا کہ انہوں نے مغیرہ کے جواب میں کہا تھا، حجر اور ان کے اصحاب اپنے اس اعتقاد میں اتنے پختہ تھے کہ قتل ہونا گوارا کیا مگر اپنے عقیدہ کی تبدیلی گوارا نہ کی۔

(۱۱) عبدالرحمان بن حسان عنزی کوفی کی رائے:

عبدالرحمان جناب حجر کے رفقا میں سے تھے، ان سے معاویہ نے پوچھا کہ تم علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو۔ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ خدا کا ذکر کرنے والوں میں سے تھے، نیکی کا حکم دیتے، بری باتوں سے روکتے لوگوں سے درگذر کرنے والے تھے، معاویہ نے کہا عثمان کے متعلق کیا کہتے ہو کہا عثمان ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ظلم کے دروازے کھول دیئے۔ حق کے دروازے مسدود کئے۔ معاویہ نے کہا تم نے اپنے کو ہلاک کیا۔ معاویہ نے زیاد کو لکھا کہ یہ تم نے سب سے زیادہ خراب آدمی میرے پاس بھیجا ہے۔ جب عبدالرحمان زیاد کے پاس واپس آئے تو اس نے انہیں زندہ دفن کرا دیا۔

(تاریخ طبری ج ۶، ص ۱۵۵، تاریخ ابن عساکر ج ۲، ص ۳۷۹، کامل ج ۳، ص ۲۰۹)

ملاحظہ کیجئے اس اعتقاد کی پختگی کو، علیؑ و عثمان کے متعلق ان کے جو نظریے تھے جان کا خوف بھی اس نظریہ کو نہ بدل سکا۔ جان جانی منظور لیکن دل میں جو عقیدہ راسخ ہو چکا تھا اس سے ہٹنا ناممکن۔

(۱۲) ہاشم مرقال کی رائے:

جنگ صفین میں معاویہ کے لشکر سے ایک نوجوان رجز پڑھتا ہوا نکلا اور حضرت امیر المومنینؑ کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ اس

کے بعد حضرت امیرالمومنینؑ پر سب وشتم کرنے لگا۔ ہاشم مرقال نے اس جوان سے کہا ان کلمات کا ایک دن جواب دہ ہونا پڑے گا اور اس جنگ کا بعد میں حساب دینا ہوگا، تم خدا سے ڈرو تمہیں اپنے پروردگار کی طرف پلٹ کر جانا ہے اور وہ تم سے آج کے دن کے متعلق سوال کرے گا۔

نوجوان نے کہا میں تم سے ضرور لڑوں گا کیونکہ تمہارے صاحب (علیؑ) نماز نہیں پڑھتے جیسا کہ مجھ سے بتایا گیا ہے اور تم لوگ بھی نماز نہیں پڑھتے اور دوسری وجہ تم سے جنگ کرنے کی یہ ہے کہ تمہارے صاحبؑ نے ہمارے خلیفہ کو قتل کر دیا اور تم لوگوں نے ان کے قتل میں ان کی مدد کی۔

ہاشم نے کہا تمہیں ابن عفان سے کیا سروکار انہیں پیغمبرؐ خدا کے اصحاب نے قتل کیا جو دین والے ہیں۔ اور مسلمانوں کے امور کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ اس امت اور اس دین کے معاملہ کے متعلق چشم زدن کے لیے بھی تم نے سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی ہوگی۔

نوجوان نے کہا۔ سچ ہے خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں بولوں گا کیونکہ جھوٹ نقصان ہی پہنچاتا ہے نفع نہیں پہنچاتا ننگ وعار ہی ہے۔ زینت وو قار نہیں۔

ہاشم نے کہا اس معاملہ کا تمہیں کچھ پتہ نہیں جو لوگ اہل ہیں انہیں کے ہاتھوں میں اس معاملہ کو چھوڑ دو۔

نوجوان نے کہا بخدا آپ نے میری نصیحت کر دی۔

ہاشم نے کہا رہ گیا تھا تمہارا یہ کہنا کہ ہمارے صاحب نماز نہیں پڑھتے تو سنو وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسولؐ اللہ کے ساتھ نماز پڑھی، سب سے زیادہ دین خدا کے عالم سب سے زیادہ رسولؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ ان کے ساتھ تم جن لوگوں کو دیکھ رہے ہو یہ سب کے سب قرآن کے قاری اور رعابد شب زندہ دار ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ دھوکے میں پڑے ہوئے بدبخت لوگ تمہیں دین میں بہکا دیں۔

نوجوان نے کہا اے بندۂ خدا میں تمہیں مرد صالح سمجھتا ہوں اور اپنے متعلق خیال ہوتا ہے کہ میں خطا کار و گنہگار ہوں بتاؤ میری توبہ قبول ہو سکے گی؟ ہاشم نے کہا ضرور تم خدا سے توبہ کرو وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا۔ (کتاب صفین ابن مزاحم ص ر ۴۰۲، تاریخ طبری ج ر ۶ ص ر ۲۳، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۲، ص ر ۲۷۸، تاریخ کامل ج ر ۳ ص ر ۱۳۵)

یہ ہاشم مرقال پیغمبرؐ کے مقدس ترین صحابی اور اسلام کے بہت بڑے سورما تھے۔ حضرت عثمان کے متعلق ان کی یہ رائے تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت عثمان نے احکام قرآنی کی مخالفت کی اور ایسی نت نئی باتیں کیں جس کی وجہ سے اصحاب کے لیے ان کا قتل مباح ہو گیا اور ان کے قاتلین ہی ارباب دین وصاحبان قرآن تھے۔

(۱۳) جہجاہ بن سعید غفاری کی رائے:

حضرت عثمان تقریر کر رہے تھے کہ جہجاہ غفاری اٹھ کھڑے ہوئے چیخ کر کہا اے عثمان یہ اونٹ ہم لے کر آئے ہیں جس پر چادر ہے اور ہتھکڑی بیڑی ہے۔منبر سے اترو تا کہ تمہیں اوڑھا پہنا کر اونٹ پر بٹھائیں اور تمہیں جبل دخان پر جا کر چھوڑ آئیں۔ حضرت عثمان نے کہا خدا تمہارا اور تمہاری لائی ہوئی چیزوں کا ناس کرے یہ سب باتیں بھرے مجمع میں ہوئی تھیں بنی امیہ کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عثمان کو گھر میں لے گئے۔

عبدالرحمان بن حاطب کے واسطے سے مروی ہے کہ مین خود اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ دیکھ چکا ہوں کہ عثمان عصائے پیغمبرؐ پر ٹیک لگائے خطبہ دے رہے تھے جہجاہ نے پکار کر کہا اے نعثل اتر آ اس منبر سے اور عصا چھین کر اپنے گھٹنے پر توڑ ڈالا کچھ ٹکڑے لکڑی کے ان کے گھٹنے میں چبھ گئے جس نے زخم کی صورت اختیار کر لی۔

بلاذری کی لفظوں کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک دن عثمان تقریر کر رہے تھے کہ جہجاہ نے کہا اے عثمان منبر سے اترو کہ ہم تمہیں چادر اوڑھائیں اور ایک اونٹ پر بٹھا کر جبل دخان کی طرف لے جائیں جس طرح تم نے مقدس اور برگزیدہ لوگوں کو جلاوطن کیا ہے۔عثمان نے کہا خدا تمہارا برا کرے۔

یہ جہجاہ عثمان پر بے حد غضبناک تھے جس دن عثمان مقتول ہوئے۔جہجاہ بھی گھر میں گھسے اور حضرت عثمان کا عصا جو اصل میں پیغمبرؐ کا عصا تھا اپنے گھٹنے پر توڑ ڈالا جس سے جہجاہ کا گھٹنا زخمی ہو گیا اور زخم میں کیڑے پڑ گئے۔

(کتاب الانساب بلاذری ج/۵،ص/۴۷،تاریخ طبری ج/۵،ص/۱۱۴،استیعاب حالات جہجاہ،کامل ج/۳،ص/۷۰،ریاض نضرہ ج/۲، ص/۱۲۳،تاریخ ابن کثیر ج/۷،ص/۱۷۵،اصابہ ج/۱،ص/۲۵۳،تاریخ خمیس ج/۔ص/۲۶۰)

یہ جہجاہ ان جلیل القدر اصحاب پیغمبرؐ میں سے تھے جنہیں بیعت الرضوان کا خصوصی شرف حاصل تھا۔بتصریح قرآن یہ خدا سے راضی تھے اور خدا ان سے راضی تھا۔ایسے جلیل القدر صحابی،عثمان کی معزولی ان کی جلاوطنی،چادر اوڑھا کر طوق وزنجیر میں مقید کر کے جبل دخان کی طرف ان کی تشہیر مباح سمجھتے تھے۔ان کی ہتک حرمت میں کوئی مضائقہ ان کے نزدیک نہیں تھا۔ انہوں نے ان کا عصا توڑ ڈالا اور جو کچھ کیا اور کہا وہ مہاجرین وانصار کے بھرے مجمع میں مگر کسی نے روکا ٹوکا نہیں سب خاموشی سے جہجاہ کے طرز عمل پر راضی رہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سبھی جہجاہ کے اس فعل پر راضی تھے اور جہجاہ کا سلوک تمام مہاجرین وانصار کے دلی جذبات کا ترجمان اور ان کے معتقدات کا آئینہ تھا۔

رہ گیا یہ کہ عصا توڑنے سے کچھ ریزے لکڑی کے ان کے گھٹنے میں چبھ گئے اور اس نے زخم کی صورت اختیار کر لی اور

زخم مرتے دم تک رہا تو اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو اتفاق کی بات ہے۔اس میں مقتول (عثمان) کی کرامت کا کوئی دخل نہیں تھا جس طرح عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی کا جو حضرت عثمان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا۔حضرت عثمان کی مدد کے لیے مدینہ آتے وقت گھوڑے سے گرنا اور فوراً مر جانا عذاب و وبال نہیں کہا جا سکتا یہ بھی اتفاق تھا اور وہ بھی اتفاقی امر تھا۔

علامہ ابوعمر و استیعاب میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ مخزومی حضرت عثمان کی مدد کے لیے (یمن سے) روانہ ہوا مکہ کے قریب گھوڑے سے گر کر مر گیا۔(استیعاب ج ۱ص ۳۵۱،اسد الغابہ ج ۳ص ۱۵۵،اصابہ ج ۲ص ۳۰۵)

(۱۴) سهل ابن حنیف ابوثابت انصاری (بدری)

(۱۵) رفاعه بن رافع بن مالک ابی معاذ انصاری (بدری)

(۱۶) حجاج بن غزیه انصاری:

بلاذری لکھتے ہیں ابومخنف کی روایت ہے کہ زید بن ثابت انصاری نے کہا اے گروہ انصار تم خدا اور رسولؐ کی مدد کر چکے ہو اب اس کے خلیفہ کی بھی مدد کرو۔جواب میں کچھ لوگوں نے جس میں سہل بن حنیف بھی تھے کہا کہ زید! عثمان نے تمہارا خوب پیٹ بھرا ہے اسی لئے نا!۔

زید بن ثابت نے کہا اس بوڑھے (عثمان) کو تم لوگ قتل نہ کرو،ان کے مرنے کے دن خود ہی قریب ہیں حجاج بن غزیہ انصاری نے کہا خدا کی قسم اگر ان کی زندگی کا اتنا مختصر وقت بھی باقی ہو جتنا ظہر و عصر کے درمیان ہوتا ہے تب بھی تقرب الٰہی کے لیے ان کا خون ہم ضرور کریں گے۔

رفاعہ بن مالک جلتی ہوئی لکڑی لے کر آئے اور عثمان کے گھر کے دروازہ میں آگ لگا دی وہ جل کر گر پڑا اور لوگ گھر میں گھس گئے۔(بلاذری ج ۵ص ۷۸)

دوسری جگہ بلاذری لکھتے ہیں کہ زید نے انصار سے کہا تم خدا اور رسولؐ کی مدد کر چکے ہو جس کی وجہ سے تم خدا کے انصار واقربا قرار پائے اب ان کے خلیفہ کی مدد کرو تا کہ دوبارہ تم انصارِ خدا قرار پاؤ۔حجاج نے کہا! خدا کی قسم اگر ان کی زندگی کا تھوڑا سا لمحہ بھی باقی ہے تو ہم خوشنودیٔ خدا کے لیے ان کو ضرور قتل کریں گے۔

(کتاب الانساب ج ۵ص ۹۰)

یہ تین صحابی جن میں دو غزوہ بدر میں شریک ہونے کا بھی شرف رکھتے تھے،حضرت عثمان کے متعلق ایسی رائے رکھتے تھے ان کے نزدیک قتل عثمان خوشنودی و تقرب الٰہی کا ذریعہ تھا۔

(۱۷) ابوایّوب انصاری کی رائے:

جناب ابوایوب انصاری عظیم المرتبت صحابی اور سابقین اسلام سے ہیں جنگ بدر میں شرکت فرما چکے ہیں، ایک مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ کی حمایت میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''بندگان خدا کیا کل تم جور وعدوان جھیل نہیں چکے، ایسا جور وعدوان جو تمام بندگان خدا پر اسلام میں شائع ومنتشر تھا۔ صاحبان حق محروم تھے ان کی عزت خاک میں ملائی جاتی تھی۔ان کی پشتوں پر کوڑے مارے جاتے تھے،ان کے چہروں پر طمانچے لگتے تھے، ان کے پیٹ روندے جاتے اور ویرانوں میں نکال باہر کیا جاتا تھا جب امیر المومنینؑ تشریف فرما ہوئے تو آپ نے حق کو آشکار کیا، انصاف عام کیا، کتاب خدا پر عمل کیا، تم خدا کی اس گراں قدر نعمت کا شکر ادا کرو۔ اور مجرم ہو کر روگردانی نہ کرو، اوران منافقین کی طرح نہ ہو جو کہتے تھے۔ہم نے نہ سنا حالانکہ وہ کان نہیں دھرتے تھے۔اپنی تلواروں کو تیز کرلو آلات حرب کو تازہ کرو اور جہاد کے لیے مستعد ہو جاؤ جب تمہیں بلایا جائے تو چل پڑ و اور جب تمہیں حکم دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔اوراسی طرح تم صادقین میں سے ہوگے۔''

(کتاب الامامت والسیاست ص ر ۱۱۲، وص ر ۱۴۸، جمہرۃ الخطب ج ر ۱، ص ر ۱۳۶)

یہ جناب ابوایوب انصاری، وہ عظیم المنزلت جلیل القدر صحابئ رسولؐ ہیں کہ پورے انصار میں خداوند عالم نے انہیں کے گھر کو رسالت مآبؐ کے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔کیا کہنا اس بے پناہ شرف کا، یہ ان مقدس صحابہ میں سے ایک ہیں جنہوں نے پیغمبرؐ کی معیت میں جنگ بدر اور تمام غزوات میں شرکت کی پیغمبرؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی لا یصیبك السوء یا ابا ایوب۔تمہیں کوئی برائی لاحق نہ ہو۔ برائی کی لفظ عام ہے ہر قسم کی ظاہری برائیوں کو بھی شامل ہے جیسے قتل، قید، گھناؤنی بیماریاں جذام، برص وغیرہ دیوانگی وخبط الحواسی وغیرہ اور باطنی برائیوں کو بھی شامل ہے جیسے ایمان کی کمزوری، عقیدہ کی خامی، دین سے انحراف وغیرہ، جناب ابوایوب پیغمبرؐ خدا کی مقبول دعا کی بدولت ان دونوں قسم کی برائیوں سے پاک وصاف تھے۔ایسا مقدس بزرگ جناب عثمان کے عہد کو ظلم وستم سے تعبیر کرتا ہے۔اگر دیگر صحابہ کے بیانات نہ بھی ہوتے صرف ابوایوب ہی کی گواہی تنہا ہوتی تب بھی کافی تھی چہ جائیکہ تمام سرگروہ مہاجرین وانصاران کے ہم خیال وہم نوا تھے۔

(۱۸) قیس بن سعد کی رائے:

ا۔مصر میں امیر المومنینؑ کی بیعت لیتے وقت انہوں نے ایک تقریر میں کہا:

''اس خدا کا شکر جس نے حق کو غالب اور باطل کو مردہ کیا اور ظالموں کو ملیا میٹ کیا، اے لوگو! ہم نے اس شخص کی بیعت

کی جسے بعد پیغمبرؐ ہم سب سے بہتر سمجھتے ہیں، لوگو! اٹھو اور کتاب الٰہی اور سنت رسولؐ پر بیعت کرو۔''

(تاریخ طبری ج ر ۵، ص ر ۲۳۸، کامل ج ر ۳، ص ر ۱۱۵، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۲، ص ر ۲۳)

(۲) معاویہ نے جنگ صفین سے پہلے قیس کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا۔ اگر تم لوگ عثمان پر اس سبب سے غضبناک تھے کہ انہوں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو ترجیح دی، لوگوں کو کوڑے سے پیٹا، کسی کو گالیاں دیں، کسی کو شہر بدر کیا، چھوکروں کی گورنری پر فائز کیا؟ پھر بھی یہ تو تمہیں ماننا ہی پڑے گا کہ ان کا خون بہانا تمہارے لئے جائز نہیں تھا تم نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔ اور انتہائی بری حرکت کی ہے۔ اے قیس تم خدا سے توبہ کرو کیوں کہ تم بھی عثمان پر یورش کرنے والوں میں تھے اگر مومن کو قتل کر کے توبہ کوئی فائدہ پہنچا بھی سکے۔ رہ گئے تمہارے صاحب علیؑ تو ہمیں پورا یقین ہے کہ انہیں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکایا اور ان کے قتل پر آمادہ کیا یہاں تک کہ لوگوں نے قتل بھی کر ڈالا، تمہاری قوم کے بیشتر لوگ ان کے خون سے آلودہ ہیں، اگر تم انتقام لے سکو تو ضرور لو۔ ہمارے پیرو ہو جاؤ۔ اگر میں فتحیاب ہو گیا تو جب تک میں زندہ رہوں گا کوفہ بصرہ دونوں کے تمہیں حاکم رہو گے۔ اور جسے تم چاہو گے اسے حجاز کی حکومت بھی دے دی جائے گی اس کے علاوہ اور جس چیز کا تم سوال کرو۔ تم جس چیز کا بھی سوال کرو گے میں دوں گا میں نے جو تمہیں بات لکھی ہے اس کے متعلق اپنی رائے سے ضرور مطلع کرو۔''

قیس نے جواب میں لکھا۔

''تمہارا خط ملا اور قتل عثمان کے متعلق جو کچھ تم نے لکھا وہ میں سمجھا، عثمان کے قتل میں میری شرکت نہیں ہوئی تم نے ہمارے صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ انہیں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکایا اور ان کے قتل پر ابھارا تو یہ بھی میرے علم سے باہر ہے تم نے لکھا ہے کہ ہمارے قبیلہ کے بیشتر افراد عثمان کے خون میں آلودہ ہیں تو سب سے پہلے ہمارے ہی خاندان والے ان کے خلاف کھڑے ہوئے اور اپنی جان کی قسم ان کا طرز عمل لائق اتباع ہے۔ (تاریخ طبری ج ر ۵، ص ر ۲۲۷، تاریخ کامل ج ر ۳، ص ر ۱۱۶، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۳، ص ر ۱۲۳، النجوم الزاہرہ ج ر ۱، ص ر ۹۹، جمہرۃ الھائل ج ر ۱، ص ر ۵۲۴)

(۳) جنگ صفین میں معاویہ کی طرف سے نعمان بن بشیر نکلا اور امیر المومنین کی صف سے قیس بن سعد باہر آئے۔ نعمان نے کہا۔ اے گروہ انصار تم نے عثمان کی مدد نہ کی۔ نیز جنگ جمل میں انصار عثمان کو قتل کر کے اور جنگ صفین میں اہل شام پر چڑھائی کر کے خطا کی ہے۔ اگر تم نے عثمان کی مدد سے گریز کیا تو چاہیئے تھا کہ علیؑ کی مدد سے بھی گریز کرتے دونوں کا پلہ برابر ہو جاتا لیکن تم نے حق کی مدد سے گریز کیا اور باطل کی مدد کی پھر تم عام لوگوں کی طرح بے تعلق بھی نہ ہوئے بلکہ تم نے جنگ کے شعلے بھڑکائے اور لڑائی کے لیے للکارا تم نے خدا کی قسم شام کے نبرد آزماؤں کو بہت جلد مقابلہ میں آنے والا پایا ہوگا جو جنگ کرنے میں پیچھے ہٹنے والے نہیں۔''

قیس یہ سن کر ہنسے اور بولے۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ اے نعمان کہ تم اس مقام پر آنے کی جرأت کرو گے جو شخص خود مبتلائے فریب ہو وہ دوسرے کی خیرخواہی کیا کرے گا اور تم خدا کی قسم اپنے نفس کو فریب دینے والے ہو اور غلط خیرخواہی تم نے کی ہے۔

تم نے عثمان کا جو ذکر کیا تو اگر مختصر سننا چاہتے ہو تو سنو۔ عثمان کو ان لوگوں نے قتل کیا جو تم سے بہتر تھے، اور جن لوگوں نے عثمان کی مدد سے گریز کیا وہ بھی تم سے بہتر تھے۔ رہ گئے جنگ جمل والے تو ہم نے ان سے اس لئے جنگ کی کہ انہوں نے بیعت کر کے توڑ ڈالی اور یہ معاویہ اگر پورے عرب والے بھی معاویہ کی بیعت کر لیں تب بھی انصار پورے عرب سے جنگ کریں گے تمہارا یہ کہنا کہ ہم عام لوگوں کی طرح بے تعلق نہ ہوئے تو سنو ہم اس جنگ میں اسی طرح دل و جان سے شریک ہیں جس طرح رسولؐ اللہ کی معیت میں تھے اپنے چہروں پر تلواریں کھاتے۔ اپنے سینوں پر نیزے روکتے یہاں تک کہ حق غالب ہوا اور خدا کا امر پورا ہو کر رہا اور تم تلملاتے ہی رہ گئے لیکن نعمان ذرا اس پر غور کرو کہ معاویہ کے ساتھ سوائے آزاد کردہ اعرابیوں یا معمولی یمنیوں کے اور بھی کوئی ہے؟ پھر دیکھو کہ مہاجرین و انصار صحابہ پیغمبرؐ اور نیکو کار تابعین کدھر ہیں، پھر دیکھو کہ معاویہ کے ساتھ سوا تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے اور بھی کوئی ہے اور تم دونوں نہ بدری ہو نہ عقبہ کی بیعت کا شرف تمہیں حاصل ہے۔ نہ اسلام میں کسی سابقیت کے مالک ہو۔ نہ تمہاری مدح میں کلام مجید کی کوئی آیت نازل ہوئی۔" (کتاب صفین ص/۵۱۱، امامت والسیاست ج/۱ص/۹۴ جمہرۃ الخطب ج/۱ص/۱۹۰، ابن ابی الحدید ج/۲ص/۲۹۸)

یہ قبیلۂ انصار کے راس و رئیس کا اعتراف ہے ان کے قبیلہ والے "انصار" ہی سب سے پہلے عثمان کا خون بہانے پر تیار ہوئے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں صاف صاف کہا کہ حق علیؑ کے ساتھ اور باطل عثمان کے ساتھ تھا جو لوگ واقعہ دار میں مقتول ہوئے وہی ظالم تھے۔

(۱۹) فروہ بن عمرو ابن دوقہ بیاضی انصاری کی رائے

یہ مقدس صحابی انصار سے ہیں اور جنگ بدر میں شرکت کر چکے ہیں۔ امام مالک نے مؤطا میں ان کی ایک حدیث باب (العمل فی القراۃ) میں درج کی ہے مگر نام نہیں لیا بلکہ ان کے لقب بیاضی کے ساتھ حدیث لکھی ہے۔

ابن وضاح اور ابن مزین لکھتے ہیں۔ مالک نے ان کا نام اس لیے نہیں لکھا کہ قتل عثمان میں ان کا بھی ہاتھ تھا۔ علامہ ابوعمرو نے استیعاب میں ان دونوں حضرات کے اس جملہ پر ریمارک کیا ہے کہ اس کا پتہ نہیں اور نہ ایسا کہنے کی کوئی وجہ ہے معلوم ہوتا ہے ابن وضاح و ابن مزین کو اس کی خبر ہی نہیں کہ واقعہ قتل عثمان میں انصار کا کیا کردار رہا ہے؟ (استیعاب حالات فروۃ اسد الغابہ ج/۴ص/۱۷۹، اصابہ ج/۳ص/۲۰۴، شرح موطا زرقانی ج/۱ص/۱۵۲)

ابن وضاح وابن مزین کے قول کی رکاکت اور مہملیت کا بین ثبوت یہ ہے کہ دونوں نے فروہ پر جو فرد جرم لگائی ہے یعنی قتل عثمان میں ان کی شرکت واعانت تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو اس جرم کی وجہ سے یہ عادل باقی نہیں رہے اس صورت میں ان کا نام لیا جاتا یا نہ لیا جاتا ان کی حدیث کا درج کرنا ہی غلط تھا اور اگر اس جرم کی وجہ سے عادل ہونے میں ان کے فرق نہیں پڑا تو جتنے صحابہ وتابعین قتل عثمان میں شریک تھے۔ان کی عدالت میں قدح کرنا جائز نہیں۔لہٰذا فروہ کی حالت بہر حال حجۃ اور اس پر عمل مناسب ہے۔امام مالک کے ان کے نام کو ترک کر دینے سے کوئی حرج نہیں ہوتا۔علاوہ اس کے اگر یہ جرم قابل مواخذہ تھا تو تمام انصار قابل مواخذہ ٹھہرتے ہیں جیسا کہ صاحب استیعاب نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے (کہ معلوم ہوتا ہے ابن وضاح وابن مزین کو اس کی خبر ہی نہیں کہ واقعہ قتل عثمان میں انصار کا کیا کردار رہا ہے) اس صوت میں تمام انصار کی بیان کردہ حدیثیں نکال پھینکنی چاہیئے یا ان کا نام نہ لینا چاہیئے۔

اور اگر یہ جرم قابل مواخذہ نہیں تو پھر فروہ کے متعلق یہ قدغن کیوں؟

مختصر یہ کہ یہ انصاری اور جنگ بدر کی شرکت کا شرف رکھنے والے صحابی پیغمبرؐ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے قتل عثمان میں مدد کی اور ان کی رائے انصار یا دوسرے صحابہ سے جداگانہ نہیں تھی۔عثمان کے متعلق جو سب کی رائے تھی وہی ان کی بھی۔

(۲۰) محمد بن عمرو ابن حزم انصاری کی رائے:

یہ بزرگ ان محمدوں میں سے ایک ہیں جن کا خود پیغمبرؐ نے نام محمد رکھا۔علامہ ابوعمرو استیعاب میں بسلسلۂ حالات محمد بن عمرو لکھتے ہیں:

یقال انه کان اشد الناس علی عثمان المحمدون محمد بن ابی بکر محمد ابن ابی حذیفه محمد بن عمرو بن حزم۔

کہا جاتا ہے کہ عثمان کے شدید ترین مخالفین محمدون تھے محمد بن ابی بکر، محمد ابن حذیفہ، محمد بن عمرو بن حزم۔

(۲۱) جابر بن عبداللہ انصاری کی رائے:

آپ کی عظمت، جلالت سے کون واقف نہیں ہوگا۔مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس ہوا کرتا تھا اور لوگ ان سے استفادہ علوم کیا کرتے۔حجاج بن یوسف ثقفی مشہور ستم کیش کے مظالم کا جو لوگ شکار ہوئے انہیں میں جابر بن عبداللہ انصاری بھی ہیں، حجاج مدینہ میں آکر ایک مہینہ تک ٹھہرا اور باشندگان مدینہ کو ہر ممکن اذیت پہنچائی، ذلیل ورسوا کیا اس الزام پر کہ یہ عثمان کے قاتل ہیں اور جناب جابر اور بہت سے لوگوں کے ہاتھ داغے گئے جس طرح ذمی کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔(کتاب الانساب بلاذری

ج/۵،ص/۳۷۳،تاریخ طبری ج/۷،ص/۲۰۶،کامل ج/۔۔ص/۱۴۹)

مورخین کی یہ عبارت بتاتی ہے کہ حجاج کا باقی ماندہ صحابہ پیغمبرؐ سے جن میں جابر بھی تھے۔مواخذہ کرنا اسی بنا پر تھا کہ ان لوگوں کا بھی کسی نہ کسی جہت سے قتل عثمان سے تعلق تھا خواہ قاتلوں میں رہے ہوں یا قاتلین کی مدد کرنے والوں میں رہے ہوں یا دوسروں کو عثمان کی مدد سے روکتے رہے ہوں۔

ہمیں حجاج کے قول کا اعتبار نہیں نہ اس کے الزام کو ہم درست سمجھتے ہیں لیکن صورت حال یہ تو ضرور بتاتی ہے کہ واقعہ قتل عثمان میں صحابہ کرام کی شرکت بہت مشہور بات تھی، سب متہم تھے۔اور حجاج نے ان کے ساتھ جتنی بدسلوکیاں کیں اسی الزام کی بنا پر، اور صحابہ نے ان بدسلوکیوں کو ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کیا اور انکار نہیں کیا۔

(۲۲) جبلہ بن عمرو ابن ساعدہ ساعدی کی رائے

طبری نے روایت کی ہے کہ عثمان جبلہ بن ساعدی کی طرف سے گذرے وہ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے، جبلہ نے کہا اے نعثل خدا کی قسم میں تمہیں ضرور قتل کروں گا اور خارشتی اونٹ کی پیٹھ پر بٹھا کر پہاڑوں کی طرف نکال باہر کروں گا۔ پھر ایک مرتبہ خود جبلہ عثمان کی طرف سے گذرے، عثمان منبر پر تھے جبلہ نے منبر سے ہاتھ پکڑ کر اتار دیا۔

یہی طبری دوسری جگہ روایت کرتے ہیں۔عثمان سے بدکلامی کی جرأت سب سے پہلے جبلہ بن عمرو نے پیدا کی۔ایک مرتبہ جبلہ اپنی قوم والوں میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ میں زنجیر تھی ادھر سے عثمان کا گذر ہوا۔انہوں نے سلام کیا لوگوں نے جواب سلام دیا۔جبلہ نے کہا تم ایسے شخص کے سلام کا کیوں جواب دیتے ہو۔جس نے ایسی ایسی حرکتیں کیں پھر عثمان سے مخاطب ہو کر کہا۔خدا کی قسم میں یہ زنجیر تمہاری گردن میں ڈال دوں گا۔ورنہ تم اپنی اعزہ پروری سے باز آؤ۔عثمان نے کہا اعزہ پروری کیسی، خدا کی قسم میں نے تو کبھی امتیاز نہیں برتا، جبلہ نے کہا کیوں نہیں؟ تم نے مروان کو امتیازی درجہ دیا، معاویہ کو امتیازی درجہ دیا، عبداللہ بن عامر اور عبداللہ بن سعد کو امتیازی درجے دیئے۔ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی قرآن نے مذمت کی ہے اور رسولؐ نے ان کا خون مباح کیا۔(یعنی عبداللہ بن سعد) یہ سن کر عثمان واپس گئے اور اس روز سے آج کے دن تک لوگوں کی جرأتیں عثمان پر باقی رہیں۔(تاریخ طبری ج/۵،ص/۱۱۴،کامل ج/۳،ص/۷۰،ابن کثیر ج/۷،ص/۱۷۶،شرح ابن ابی الحدید ج/۱،ص/۱۶۵)

بلاذری مذکورۂ بالا پہلا جملہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''پھر جبلہ عثمان کے پاس آئے وہ منبر پر تھے جبلہ نے انہیں منبر سے کھینچ کر اتار لیا، یہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے

عثمان پر جرأت کی اور رودررو سخت و سست باتیں سنائی اور ایک دن زنجیر لے کر آئے کہا کہ میں اسے تمہاری گردن میں ڈال دوں گا ورنہ تم اپنی خویش پروری چھوڑ دو۔ تم نے حارث بن حکم کو بازارِ مدینہ پیٹ بھرنے کے لیے دے دیا اور یہ کیا وہ کیا۔" حضرت عثمان نے بازار مدینہ حارث کے حوالہ کر دیا تھا جو سامان بازار میں بکنے آتا تھا اسے خرید لیتا اور مہنگے داموں بیچتا اور دوکانداروں سے ان کے بیٹھنے کی جگہ کا کرایہ لیتا اور بھی بہت سی ناگفتہ بہ حرکتیں اس نے کی تھیں۔ حضرت عثمان سے کہا گیا کہ بازار اس کے ہاتھ سے نکال لیجئے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

جب لوگوں نے منع کیا کہ عثمان سے اس طرح نہ پیش آیا کرو۔ اور انہیں ستانا چھوڑ دو جبلہ نے کہا خدا کی قسم بروز قیامت خداوندعالم کے حضور یہ کہنا نہیں چاہتا۔ انا اطعنا سادتنا و کبرءنا فاضلونا السبیل۔ خداوندا ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کی پیروی کی انہوں نے ہمیں راہِ است سے گمراہ کر دیا۔ (الانساب ج ۵ ص ۴۷)

ابن شیبہ نے مدینہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ جب لوگوں نے عثمان کو دفن کرنا چاہا تو بقیع کی طرف لے چلے مگر کچھ لوگوں نے جن میں جبلہ بھی تھے دفن نہ کرنے دیا مجبوراً حش کوکب لے گئے وہاں دفن کیا۔ (اصابہ ج ۱ ص ۲۲۳)

یہ جبلہ پیغمبر کے بہت جلیل القدر صحابی اور جنگ بدر میں شرکت کا شرف رکھتے ہیں۔ علامہ ابوعمر و استیعاب میں بسلسلۂ حالات جبلہ لکھتے ہیں۔ "یہ فقیہ صحابہ کرام میں برگزیدہ انسان تھے، یہ جبلہ ان عادل صحابہ میں سے ایک ہیں جن کی بیان کردہ حدیثوں سے احتجاج کیا جاتا ہے در آں حالیکہ یہ عثمان کے شدید ترین دشمن اور اپنی عداوت میں ثابت قدم تھے، یہاں تک کہ انہوں نے عثمان کی ایذارسانی سے باہر رہنے کو گمراہی سے تعبیر کیا۔ عثمان کو دھمکیاں دیتے، ان پر گرجتے برستے۔ لوگوں کو ان کے سلام کا جواب دینے سے روکتے۔ بھرے مجمع میں منبر سے اتار لیتے اور زندگی بھر ان کی توہین و اہانت کرتے رہے اور مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ جبلہ نے عثمان کے ساتھ یہ سب سلوک اصحاب پیغمبرؐ اور مومنین کے بھرے مجمع میں کیا۔ تمام صحابی خاموشی سے دیکھا کیے اور کسی نے اف نہ کی۔

(۲۳) محمد بن مسلمہ انصاری بدری کی رائے:

محمد بن مسلمہ کا اپنا بیان ہے کہ میں اپنی قوم کے چند افراد کی معیت میں مصر والوں کی طرف گیا۔ ان کے چار افسر تھے عبدالرحمان بن عدیس بلوی، سودن بن حمران مرادی، عمرو بن حمق خزاعی، اور ابن نباع۔ یہ چار خیموں میں فروکش تھے اور بہت سے لوگ ان کی معیت میں تھے، میں نے ان لوگوں کو بتایا کہ حضرت عثمان کا کتنا بڑا حق ہم مسلمانوں پر ہے، ان کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کی وجہ سے کتنی ضروری ان کی اطاعت ہے میں نے انہیں فتنہ سے خوف دلایا اور بتایا کہ ان کے قتل پر بہت

بڑا طوفان واختلاف اٹھ کھڑا ہوگا تم لوگ اس اختلاف کی بنیاد رکھنے والے نہ بنو۔تم لوگ ان کی جن حرکتوں پر ناراض ہو وہ ان سے باز رہیں گے اور میں اس کا ضامن ہوں ان لوگوں نے کہا کہ اگر وہ باز نہ آئے؟ میں نے کہا تو پھر تمہیں اختیار ہے جواب کرنا چاہتے ہو وہ تب کر لینا۔وہ لوگ خوش خوش واپس ہو گئے۔میں حضرت عثمان کے پاس واپس آیا اور کہا تخلیہ چاہتا ہوں،انہوں نے تخلیہ کرلیا،میں نے کہا اپنے متعلق خدا کا خوف کیجئے یہ لوگ آپ کے قتل کا تہیہ کر کے آئے تھے اور آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے اصحاب نے ساتھ چھوڑ دیا ہے بلکہ وہ آپ کے دشمنوں کو قوت پہنچا رہے ہیں۔حضرت عثمان مجھ سے خوش ہوئے اور کہا خدا تمہیں جزائے خیر دے۔میں اپنے گھر چلا آیا۔جب سب خاطر جمع ہوگئی تو حضرت عثمان نے باشندگان مدینہ کے سامنے تقریر کی اور کہا کہ ''جب ان لوگوں نے دیکھا کہ جو کچھ ہمارے دشمنوں نے ان کو خبر پہنچائی تھی وہ جھوٹ ہے اور جو منشاء ان کا تھا پورا نہیں ہوسکتا تو چاروناچار شرمندہ وپشیمان ہو کر الٹے پیروں واپس گئے۔

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ حضرت عثمان کے پاس جا کر انہیں سرزنش کروں پھر سکوت ہی مناسب معلوم ہوا۔تھوڑی ہی دیر کے بعد کسی کہنے والے کو کہتے سنا کہ ''مصر والے آگئے اور وہ مدینہ سے ہی قریب ہی ہیں۔'' میں نے اس سے کہا سچ کہتے ہو۔اس نے کہا ہاں۔اس وقت حضرت عثمان نے مجھے بلا بھیجا اور کہا خبر ملی ہے کہ وہ لوگ واپس پلٹ آئے ہیں اور مقام ذی حشب پر ٹھہرے ہیں اب بتاؤ کیا کیا جائے میں نے کہا میرا تو یہی خیال ہے کہ وہ اچھی نیت لے کر نہیں پلٹے۔حضرت عثمان نے کہا جاؤ انہیں واپس کردو۔میں نے کہا خدا کی قسم میں اب ایسا ہرگز نہ کروں گا۔حضرت عثمان نے پوچھا یہ کیوں؟ میں نے کہا اس لیے کہ میں نے انہیں ضمانت دی تھی کہ آپ اپنی حرکتوں سے باز رہیں گے مگر آپ رتی برابر بھی باز نہ رہے۔حضرت عثمان نے کہا اچھی بات ہے خدا مددگار ہے۔

میں باہر نکلا،دیکھا کہ مصر والے مدینہ پہنچ کر تلواریں کھول چکے ہیں اور عثمان کا محاصرہ کرلیا ہے۔عبدالرحمان بن عدیس سودان بن حمران اور ان کے دونوں رفقا میرے پاس آئے کہا کہ تم نے کل ہمیں سمجھا کر واپس کر دیا تھا اور کہا تھا کہ عثمان پھر ایسا کام نہ کریں گے میں نے کہا ہاں! اس وقت ان لوگوں نے ایک خط نکال کر دکھایا اور کہا کہ ایک سرکاری اونٹ پر عثمان کا غلام جارہا تھا ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی۔یہ خط نکلا۔(عنقریب پوری حدیث آئے گی)۔

(کامل ج/۳،ص/۷۷،تاریخ طبری ج/۵،ص/۱۸)

(۲۴) عبداللہ ابن عباس کی رائے:

(۱) علامہ ابوعمر واستیعاب میں بسلسلۂ حالات امیرالمومنینؑ لکھتے ہیں کہ کچھ لوگ ابن عباس کے پاس آئے کہا کہ ہم کچھ

سوالات کرنا چاہتے ہیں۔

ابن عباس! کیا پوچھنا چاہتے ہو پوچھو۔

وہ لوگ! یہ بتائیے ابو بکر کیسے آدمی تھے؟

ابن عباس! اچھے تھے البتہ کچھ مزاج میں ان کے تیزی تھی۔

وہ لوگ! عمر کیسے تھے؟

ابن عباس! وہ مثل ایک چالاک پرندے کے تھے جو یہ خیال کرتا ہو کہ ہر راستہ میں میرے لیے جال بچھا ہوا ہو۔

وہ لوگ! عثمان کیسے تھے؟

ابن عباس! وہ ایسے آدمی تھے جسے اس کی نیند نے بیداری سے غافل کر دیا ہو۔

وہ لوگ! اور علیؑ کیسے تھے؟

ابن عباس! علیؑ کے اندر حکمت، علم، رعب، داب، شجاعت و بہادری ہی بھری تھی اور ان کو پیغمبرؐ سے جو قرابت تھی وہ ظاہر ہے۔ علیؑ کو یقین تھا کہ ہم جس چیز کی طرف ہاتھ بڑائیں گے پالیں گے اور واقعاً ہوتا بھی ایسا ہی تھا۔ انہوں نے جس چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا پالیا۔

(۲) معاویہ نے ابن عباس کے نام ایک خط میں لکھا۔

''اپنی جان کی قسم اگر میں تمہیں عثمان کے بدلہ قتل کر ڈالوں تو مجھے امید ہے کہ یہ خدا کی خوشنودی کا باعث ہوگا۔ اور بالکل ٹھیک رائے ہوگی کیونکہ تم ان لوگوں میں ہو جنہوں نے عثمان کے خلاف جدو جہد کی اور ان کی نصرت سے گریز کیا اور ان کا خون بہایا۔ ہمارے تمہارے درمیان کوئی مصالحت بھی نہیں ہوئی جو تمہیں میرے ہاتھوں سے محفوظ رکھے، نہ تمہیں میری جانب سے امان ہی حاصل ہے۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۴ ص ۵۸)

(علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ صلح حسن کے بعد معاویہ نے اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہوئے یہ خط ابن عباس کو لکھا تھا۔)

اس کے جواب میں ابن عباس نے ایک لمبا چوڑا خط لکھا جس میں لکھتے ہیں:

تم نے یہ جو لکھا ہے کہ میں عثمان کے خلاف جدو جہد کرنے والوں، ان کی مدد سے گریز کرنے والوں، ان کا خون بہانے والوں میں سے ہوں اور ہمارے تمہارے درمیان کوئی مصالحت نہیں ہوئی جس کی وجہ سے میری جان تمہارے ہاتھوں

سے محفوظ رہے تو میں خدا کی قسم کے ساتھ کہتا ہوں کہ تمہیں ان کے قتل کے متمنی اور ان کی ہلاکت کے خواہش مند تھے۔ تم ہی نے اپنے پاس کے لوگوں کو حقیت حال سے واقف ہوتے ہوئے ان کی مدد سے روکا، حالانکہ ان کے خطوط ان کی فریادیں تم تک پہنچا کیں، ان کے خطوط تمہیں ملتے رہے جس میں انہوں نے تم سے مدد طلب کی تھی مگر تم نے ان کی فریادوں پر کوئی توجہ نہ کی بلکہ ایک کرایہ کا آدمی ٹھیک کرکے ان کے پاس معذرت ظاہر کرنے کے لیے بھیج دیا، تم جانتے تھے کہ لوگ بغیر قتل کئے عثمان کو چھوڑ دیں گے نہیں، نتیجہ تمہاری خواہشوں کے مطابق ہوا۔ آخر وہ قتل کر ڈالے گئے پھر تمہیں احساس ہوا کہ لوگ تمہیں ہمارے برابر کی جگہ نہیں دیں گے لہٰذا تم نے یہ ڈھونگ رچایا کہ عثمان کے انتقام کا نعرہ بلند کر دیا اور ان کا خون ہماری گردن پر دھرنے لگے اور کہنے لگے کہ عثمان بحالت مظلومی قتل ہوئے۔ اگر واقعاً عثمان مظلوم قتل ہوئے تو تم تمام ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہوئے۔

یہ عبداللہ ابن عباس کی رائے ہے! ابن عباس جو ابن عم پیغمبرؐ تھے اور مسلمانوں میں حبر الامہ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ قتل عثمان سے اگرچہ انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ کیونکہ جس سال حضرت عثمان قتل ہوئے۔ ابن عباس افسر حج مقرر ہو کر مکہ چلے گئے تھے، لیکن مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ حقیقت ضرور آشکار ہو جاتی ہے کہ عثمان کے متعلق ان کی رائے صحابہ کرام سے جداگانہ نہیں تھی وہ خلیفہ کو کوئی وزن نہیں دیتے تھے نہ ان کی کوئی منزلت ان کے نزدیک تھی یہی وجہ تھی کہ جب پوچھنے والوں نے ابوبکر کے متعلق پوچھا عمر کے متعلق پوچھا تو ایسے جوابات دیئے جو ان کے خاطر خواہ تھے لیکن عثمان کے متعلق وہ اپنے خیالات چھپا نہیں سکے۔ اور ایسی بات کہی جس سے سمجھنے والے سمجھ لیں کہ عثمان بہ سبب اپنے خوابِ غفلت کے لائق منصب نہ تھے۔ ابن عباس کے اسی نظریہ و رائے کا نتیجہ تھا کہ جب مکہ میں نافع بن طریف عثمان کا خط لے کر پہنچے جس میں انہوں نے حاجیوں سے فریاد کی تھی اور مدد کے لیے بلایا تھا اور نافع نے ابن عباس کی تقریر کے دوران میں وہ خط پڑھ کر سنایا تو ابن عباس نے ایک حرف بھی عثمان کی حمایت میں نہ کہا بلکہ نافع جب لوگوں کو خط سنا چکا تو انہوں نے جہاں سے اپنی تقریر چھوڑی تھی وہیں سے پھر شروع کر دیا اور عثمان کی مصیبت اور ان کی محصوری اور ان کے معاملہ کی طرف اشارہ تک نہ کیا۔ ابن عباس چاہتے تو بہت کچھ کر سکتے تھے ہزاروں ہزار حاجی موجود تھے۔ انہیں بہت آسانی سے عثمان کی مدد پر آمادہ کیا جا سکتا تھا مگر انہوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ عثمان کے متعلق کچھ اچھے خیالات نہیں رکھتے تھے یا ان کے معاملہ کو اہمیت نہیں دیتے یا عثمان کے مخالفین کے متعلق ان کے اچھے خیالات تھے، جو بھی سبب ہو۔ اور ممکن ہے ساری باتیں ہی ہوں۔

جناب عائشہ کو بھی ابن عباس کی دلی کیفیات کا اندازہ تھا جبھی حج کو جاتے ہوئے راستہ میں انہوں نے کہا تھا۔ابن عباس! تمہیں خدا نے عقل وفہم اور رقتِ تقریر عنایت کی ہے دیکھو لوگوں کو اس طاغیہ سے برگشتہ کردو۔

اپنے اسی نظریہ کے سبب سے ابن عباس معاویہ سے خوفزدہ تھے ڈرتے تھے کہ کہیں معاویہ کا شکار نہ ہو جاؤں۔جب امیر المومنینؑ نے ان سے کہا کہ شام جاؤ میں نے تمہیں وہاں کا والی مقرر کیا ہے تو انہوں نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ معاویہ عثمان کے خون کے بدلہ میں مجھے قتل نہ کر ڈالے یا مجھے مقید کردے کیونکہ میں آپ کا قریبی رشتہ دار ہوں۔ (تاریخ ابن کثیر ج ر ۷، ص ر ۲۲۸، تاریخ کامل ج ر ۳، ص ر ۸۳)

(۲۵) عمرو عاص کی رائے:

(ا) عمرو بن عاص سب سے زیادہ قتل عثمان پر لوگوں کو ابھارتا تھا، عمرو عاص عثمان کی طرف سے مصر کا عامل تھا عثمان نے اس کو خراج سے ہٹا کر نماز پر مقرر کر دیا اور عبداللہ بن سعد اپنے رضاعی بھائی کو عمرو کی جگہ دی۔جب عمرو مدینہ میں آیا تو عثمان پر طعنہ زنی کرنا شروع کر دی۔ایک دن عثمان نے اس کو تنہائی میں بلا بھیجا اور کہا اے نابغہ کے بیٹے کس قدر جلد تیرے جبہ میں جوئیں پڑ گئیں، کیوں مجھ پر طعن کرتا ہے اور مجھ سے نفاق کی دو رنگی کی باتیں کرتا ہے۔منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ خدا کی قسم ہم جاہلیت سے لے کے اس حکومت تک تجھ سے کنبہ کے اعتبار سے معزز رہے، عمرو نے کہا اس قصہ کو چھوڑو۔اس خدا کا شکر جس نے ہم کو رسولؐ کی وجہ سے بزرگ کیا میں نے عاص بن وائل کو بھی دیکھا تھا اور تمہارے باپ عفان کو بھی دیکھا۔خدا کی قسم عاص عفان سے کہیں زیادہ شریف تھے یہ سن کر عثمان جھینپ گئے اور کہا کہ ہمیں اب جاہلیت کی باتوں سے کیا حاصل۔ عمرو عثمان کے پاس سے نکلا اور مروان داخل ہوا۔اور کہا اے امیر المومنین اب تو حد یہ پہنچی ہے کہ عاص کا بیٹا آپ کے باپ کو بھی کہنے لگا۔

عمرو عثمان کے پاس سے نکلا اس حال میں کہ عثمان کی عداوت اس کے دل میں تھی کبھی علیؑ کے پاس جاتا اور انہیں عثمان کے خلاف ابھارتا اور کبھی طلحہ وزبیر کے پاس جا جا کے عثمان کے خلاف پروپیگنڈا کرتا۔یہی نہیں بلکہ حاجیوں کے آنے جانے والے قافلوں سے عثمان کی بدعتیں اور ان کی خلافِ اسلام باتوں کا تذکرہ کیا کرتا تا کہ دوسرے ملکوں میں بھی یہ خبریں پھیلیں۔ (جب اس کی لگائی ہوئی آگ کارگر ہو چکی) اور عثمان محصور ہو گئے تو یہ مدینہ سے چل دیا اور اپنی زمین میں پہنچ گیا جو فلسطین میں تھی اور جس کو ''سبع'' کہا جاتا تھا یہاں پہنچ کے اپنے قصر میں اترا جس کا نام عجلان تھا (روزانہ) ابن عفان کی خبر کی تاک میں لگا رہتا کیوں کہ سمجھتا تھا کہ کیا کر چکا ہے، ایک روز اپنے بیٹوں محمد اور عبداللہ سمیت بیٹھا ہوا تھا، سلامہ بن روح خدامی

بھی پاس تھے کہ اتنے میں ایک سوار ادھر سے گذرا۔عمرو نے اسے پکارا اور پوچھا کہاں سے آئے ہو۔اس نے کہا مدینہ سے۔کہا اس آدمی (عثمان) کا کیا حشر ہوا؟ کہا۔میں نے تو اسے محصور چھوڑا ہے۔عمرو نے کہا میں ابوعبداللہ ہوں۔اور یہ مثل کہی ''گو زشتر نکلنے لگتا ہے اور داغنے کا آلہ ابھی آگ ہی میں ہوتا ہے یہ نشست ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ دوسرا سوار گذرا، عمرو نے اس سے بھی پوچھا۔اس نے کہا عثمان قتل کر دئیے گئے۔عمرو نے کہا میں ابوعبداللہ ہوں جب کسی زخم کو کھجاتا ہوں تو گھاؤ ڈال دیتا ہوں، میں ہی عثمان کے خلاف لوگوں کو ابھارتا رہا، یہاں تک کہ پہاڑ کی چوٹی پر چرواہے کو بھی اس کے گلے میں ابھارا۔یعنی کسی کو نہیں چھوڑا میں نے چاہا حق کو باطل کے گھر سے نکال لوں۔عمرو کو عثمان کی مادری بہن ام کلثوم بنت عقبہ بیاہی ہوئی تھیں، جب عثمان نے اس کو معزول کیا تو عمرو نے طلاق دے دی۔

(۲) جب اہل مصر کو سمجھا بجھا کر واپس کرنے کے لیے حضرت امیرالمومنینؑ ۳۰ مہاجرین وانصار کے ساتھ تشریف لے گئے اور آپ نے انہیں واپس کر دیا تو اس کے دوسرے دن مروان نے پھر حیلہ بازی شروع کر دی اور کہا کہ ان لوگوں کا واپس جانا کوئی بڑی بات نہ تھی، آپ ناحق علی ابن ابی طالبؑ کے ممنون ہوئے۔اہل مدینہ کا یہ گمان ہے کہ آپ نے رو پیٹ کے اس گروہ کو واپس کیا ہے۔اس موقع پر اگر آپ خاموش رہیں گے تو لوگوں کا گمان پختہ ہو جائے گا اور دوسروں کو جسارت وجرأت پیدا ہوگی۔ان کو جتا دینا چاہئے کہ یہ لوگ باطل پر جمع ہوئے تھے، جب انہیں اپنا بطلان ظاہر ہوا اور جان لیا کہ کچھ پیش نہیں چلنے کا، متفرق ہو کر واپس چلے گئے۔حضرت عثمان نے مروان کا یہ کلام سن کر باشندگان مدینہ کو جمع کیا اور منبر رسولؐ پر جا کر تقریر کرتے ہوئے کہا، جب ان لوگوں نے دیکھا کہ جو ہمارے دشمنوں نے ان کو خبر پہنچائی تھی جھوٹ ہے اور جو منشاء ان کا تھا پورا نہیں ہوسکتا۔مجبوراً پشیمان ہو کر واپس چلے گئے۔

عمرو عاص اس مجمع میں موجود تھا باآواز بلند بولا: اے عثمان خدا سے ڈرو کیونکہ تم نے اور تمہاری وجہ سے ہم سب نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں لہٰذا خدا سے توبہ کرو، عثمان نے پکار کر کہا اچھا اے نابغہ کے بیٹے تو یہاں ہے جب سے میں نے تجھے مصر کی حکومت سے معزول کیا ہے تیرے جبہ میں جوئیں پڑ گئی ہیں، اس کے بعد ہی مسجد کے دوسرے گوشے سے ایک دوسری آواز بلند ہوئی توبہ کرو عثمان توبہ، عثمان نے اپنے ہاتھ اونچے کر دئیے اور قبلہ رو ہو کر کہا خداوندا میں توبہ کرتا ہوں اس کے بعد اپنے گھر چلے گئے۔عمرو عاص فلسطین چلا گیا اور کہا کرتا تھا کہ میں نے خدا کی قسم عثمان کے خلاف چرواہے تک کو بھڑکایا اور ابھارا کیا۔

(تاریخ طبری ج ر ۵، ص ر ۱۱۰، ۱۱۴ کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵، ص ر ۷۴، استیعاب حالات عثمان، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱، ص ر ۱۱۳، کامل ج ر ۳، ص ر ۶۷، فائق زمخشری ج ر ۲، ص ر ۲۹۲، نہایہ ابن اثیر ج ر ۱، ص ر ۱۹۶، تاریخ ابن کثیر ج ر ۷، ص ر ۱۷۵، تاریخ ابن خلدون ج ر ۲، ص ر ۲۹۶،

لسان العرب ج ر ۷، ص ر ۵۸، نہایہ ابن کثیر ج ر ۴، ص ر ۱۹۶)

(۳) ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ ''قبیلہ ہمدان کا ایک شخص برد نامی معاویہ کے پاس پہنچا۔ اس نے عمرو عاص کو علیؑ کے متعلق بے ادبانہ کلمات کہتے سنا۔ اس نے کہا۔

برد۔ اے عمرو میرے بزرگوں نے رسولؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔ من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔

میں جس کا مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے یا غلط؟

عمرو عاص: نہیں بالکل صحیح ہے اور میں تمہیں اس سے زیادہ بتاؤں۔ علیؑ کے جتنے فضائل ومناقب ہیں۔ صحابہ پیغمبرؐ میں کسی ایک کے بھی نہیں۔

برد یہ سن کر بہت متوحش ہوا اس پر عمرو عاص نے کہا ''علیؑ نے عثمان کے معاملہ میں اپنے طرز عمل کی وجہ سے ان تمام مناقب کو اکارت کر دیا۔

برد: علیؑ نے خود عثمان کو قتل کیا یا دوسرے لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا؟

عمرو عاص: نہ خود قتل کیا نہ دوسرے کو حکم دیا لیکن انہوں نے قاتلوں کو پناہ دی ان کی حفاظت کی۔

برد: کیا لوگوں نے علیؑ کے فضائل اور مناقب ہی کی وجہ سے ان کی بیعت کی۔

عمرو عاص: ہاں۔

برد: تو تم ان کی بیعت سے باہر کیوں آگئے۔

عمرو عاص: چونکہ میں انہیں عثمان کے معاملہ میں اتہام لگاتا ہوں۔

برد: لیکن یہی اتہام تو تم پر بھی لگایا جاتا ہے۔

عمرو عاص: ہاں سچ کہتے ہو میں فلسطین چلا گیا تھا۔

اس کے بعد برد اپنی قوم والوں میں واپس آیا اور کہا کہ ہم نے ان لوگوں کو انہیں کی زبان سے قائل کر دیا، علیؑ ہی حق پر ہیں انہیں کی پیروی کرو۔ (امامت والسیاست ج ر ۱، ص ر 92)

(۴) طبری نے واقدی سے روایت کی ہے کہ جب عمرو عاص کو قتل عثمان کی خبر ملی تو کہا میں ابو عبداللہ ہوں۔ میں نے ہی عثمان کو قتل کیا اور میں یہی وادی السباع میں تھا ان کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اگر طلحہ ہوئے تو وہ عرب کے جوان ہیں اور اگر علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوئے تو وہ مجسمۂ حق ہوں گے اور ان کی حکومت سب سے زیادہ مجھے ناگوار ہوگی۔ (طبری ج ر ۵، ص ر ۲۳۴)

(۵) امام حسنؑ نے عمرو عاص سے فرمایا تھا۔ اور تم نے عثمان کے معاملہ کا جو ذکر کیا تو تمہیں نے ان کے خلاف ساری دنیا میں آگ بھڑکائی پھر تم فلسطین چلے گئے جب تمہیں ان کے قتل کی خبر ملی تو کہا میں ابوعبداللہ ہوں جب کسی زخم کو کھرچتا ہوں تو خون نکال دیتا ہوں پھر تم معاویہ کے ہو رہے اور اپنے دین کو معاویہ کی دنیا کے عوض بیچ ڈالا۔ تم ہم سے جو عداوت رکھتے ہو ہم اس پر تمہیں ملامت نہیں کرتے اور نہ اس وجہ سے تم سے خفا ہیں کہ تم ہم سے محبت کیوں نہیں کرتے۔ (ہمیں نہ تمہاری عداوت کی پروا ہے نہ محبت کی) خدا کی قسم نہ تو عثمان کی زندگی میں تم نے ان کی نصرت کی نہ ان کے مرنے پر تم غضبناک ہوئے۔

علامہ ابوعمر و استیعاب میں بسلسلۂ حالات عبداللہ بن سعد بن ابی سرح لکھتے ہیں ''یہ عثمان پر برابر طعن کیا کرتا لوگوں کو ان کے خلاف ابھارتا اور ان کی بربادی وتباہی کے لیے سرگرداں رہتا۔ جب اسے قتل عثمان کی خبر ملی اور وہ اس وقت فلسطین میں گوشہ نشین تھا تو کہا میں جب کوئی زخم کھرچتا ہوں تو خون نکال دیتا ہوں۔''

اور محمد بن حذیفہ کے حالات میں لکھتے ہیں۔''جب سے عثمان نے عمرو عاص کو مصر کی حکومت سے معزول کیا یہ طرح طرح کی چالبازیوں سے لوگوں کو ان سے بھڑکاتا اور ان پر طعن کرتا۔

(۲۶) ابوالطفیل عامر بن واثلہ کی رائے:

یہ پیغمبرؐ کے بڑے بزرگ صحابی تھے، ان کا بھتیجا معاویہ کا ملازم تھا۔ اس سے ملنے کے لیے یہ شام آئے۔ بھتیجے نے معاویہ کو ان کے آنے کی خبر دی، معاویہ نے بلا بھیجا۔ دیکھا تو بہت سن رسیدہ بزرگ تھے۔ جب پاس پہنچے تو معاویہ نے کہا

معاویہ: تم ہی ابوالطفیل عامر بن واثلہ ہو۔

ابوالطفیل: ہاں۔

معاویہ: کیا قاتلین عثمان میں تم بھی تھے؟

ابوالطفیل: نہیں البتہ اس وقت میں مدینہ میں موجود تھا اور میں نے ان کی مدد نہ کی۔

معاویہ: کیوں نہیں مدد کی؟

ابوالطفیل: کیوں کہ مہاجرین وانصار میں سے کسی نے مدد نہیں کی۔

معاویہ: خدا کی قسم عثمان کی مدد ان لوگوں پر بھی واجب تھی اور تم پر بھی فرض ولازم، اسی فرض کو بجا نہ لانے کی وجہ سے خدا نے تمہارے ساتھ وہ کیا جس کے تم مستحق تھے اور تمہارا وہ انجام ہوا جسے تم بھگت رہے ہو۔

ابوالطفیل : پھر حضور آپ نے کیوں نہیں مدد کی؟ آپ کے ساتھ تو یہ پورے شام والے تھے۔

معاویہ: یہ جو میں ان کے انتقام کا طالب ہوں کیا تم اسے ان کی مدد نہیں سمجھتے؟

ابوالطفیل : ہنسے اور کہا آپ کی اور ان کی تو وہ حالت ہے جس کے متعلق عبید بن ابرص کہتا ہے۔

لاعرفنك بعدالموت تندبنی

وفی حیاتی مازودتنی زادا

میں جانتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد تم مجھ پر بہت روؤ گے لیکن میری زندگی میں تم نے میرا آزوقہ نہ دیا۔

اس موقع پر مروان بن حکم، سعید بن عاص، عبدالرحمان بن حکم بھی دربار میں آپہنچے۔ جب یہ لوگ بیٹھ گئے تو معاویہ نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا تم لوگ اس بوڑھے کو پہچانتے ہو؟ سب نے کہا نہیں۔ معاویہ نے کہا یہ علیؑ کے دوست، صفین کے شہسوار اور اہل عراق کے شاعر ہیں۔ یہ ابوالطفیل ہیں، سعید بن عاص نے کہا اب پہچان گئے حضور! آپ کیوں نہیں انہیں مار ڈالتے۔ سبھوں نے ابوالطفیل کو گالیاں دیں، معاویہ نے سب کو جھڑک دیا اور کہا کہ روز بروز تمہارا سینہ تنگ ہی ہوتا جائے گا؟ پھر ابوالطفیل سے پوچھا۔

معاویہ: ان لوگوں کو پہچانتے ہو؟

ابوالطفیل : بلحاظ بدی اور برائی کے تو یہ اجنبی نہیں خوب پہچانتا ہوں اور بھلائی کے ساتھ کبھی نہیں جانا اس کے بعد انہوں نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ انسان کی بدترین عداوت گالیاں دینا ہے۔

معاویہ: ابوالطفیل! تمہارے دل میں علیؑ کی کتنی محبت باقی رہ گئی ہے؟

ابوالطفیل: اتنی ہی جتنی مادرِ موسیٰ کے دل میں موسیٰ کی تھی۔ (پھر بھی کوتاہی کی مجھے شکایت ہے)۔

معاویہ: ہنس پڑے اور کہا لیکن خدا کی قسم یہ لوگ جو تمہارے سامنے بیٹھے ہیں اگر ان سے میری محبت کے متعلق پوچھا جائے تو ایسا ہرگز نہ کہیں گے۔

مروان۔ بے شک خدا کی قسم ہم کبھی جھوٹ نہ کہیں گے۔ (یعنی ہمارے دل میں تمہاری اتنی محبت ہو ہی نہیں سکتی۔

(امامت والسیاست ج ۱/، ص/ ۸۵، مروج الذہب ج/ ۲، ص/ ۶۲، تاریخ ابن عساکر ج/ ۷، ص/ ۲۰۱، استیعاب تاریخ الخلفاء سیوطی ص/ ۱۳۳)

دید کے قابل ہے یہ منظر، معاویہ ایسے دشمن علیؑ کے دربار میں مقدس بزرگ اور پیغمبرؐ کے نیکو کار صحابی اتنے واضح

لفظوں میں اعتراف واعلان کرتے ہیں کہ ہم نے عثمان کی مدد نہ کی اور مدد نہ کر کے مہاجرین اور انصار کے قدم بہ قدم رہے عثمان کی مدد نہ کرنے پر انہیں کوئی ندامت نہ تھی۔

اگر عثمان کی ترک نصرت میں کوئی قباحت ہوتی تو انہیں بھی اور باقی دوسرے صحابہ کو بھی ان کی صحابیت اور عدالت ضرور مانع ہوتی، کم سے کم ان کی جانب سے ندامت کا اظہار ہی ہوتا لیکن یہ لوگ اپنے عقیدے پر مرتے دم تک باقی رہے اور زندگی کی آخری سانسوں میں بھی انہوں نے ندامت کا اظہار نہیں کیا۔

(۲۷) سعد بن ابی وقاص کی رائے:

(۱) عمرو عاص نے سعد بن وقاص کو خط لکھا جس میں عثمان کے قتل کی تفصیل دریافت کی تھی اور پوچھا تھا کہ کون کون لوگ ان کے قتل میں شریک تھے سعد نے جواب میں لکھا۔

''تم نے مجھ سے قتل عثمان کے متعلق دریافت کیا ہے میں تمہیں بتاتا ہوں وہ اس تلوار سے قتل کئے گئے جسے عائشہ نے کھینچا تھا اور طلحہ نے جس پر صیقل کی تھی اور علیؑ نے زہر آلود کیا تھا اور زبیر نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا البتہ ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم لوگ خاموش تماشا دیکھا کئے اگر چاہتے تو ان کی مدد کر سکتے تھے لیکن عثمان نے تغیر و تبدل کیا اور خود بھی بدل گئے کسی کے ساتھ نیکی کی تو کسی کے ساتھ بدسلوکی تو اگر ہمارا یہ کام اچھا تھا تو ہم نے اچھا کیا اور اگر برا تھا تو ہم خدا سے استغفار کرتے ہیں۔'' (امامت والسیاست ج ۱/ص ۴۳/)

ان جملوں کو پڑھنے کے بعد ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ سعد نے خلیفہ کی مدد سے گریز کیا، عثمان نرغہ میں تھے اور یقینی تھا کہ وہ قتل ہو کر رہیں گے مگر پھر بھی وہ ان کی حمایت میں نہیں اٹھے، صرف اسی نظریہ وعقیدہ کی وجہ سے کہ عثمان نے شریعت اسلامیہ میں الٹ پھیر کیا اور پہلے سے بدل گئے تھے یہاں تک کہ ہیجان ختم ہو جانے کے بعد بھی انہیں پورا یقین نہیں کہ ہم نے ان کی مدد سے گریز کر کے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ لکھتے ہیں کہ اگر ہم نے اچھا کام کیا تو اچھا کیا اور اگر برا کیا تو ہم خدا سے استغفار کرتے ہیں، غالباً یہ آخر کا فقرہ عمرو عاص کی دل جوئی کے لیے تھا کہ کہیں فہرست پر ہم بھی نہ چڑھ جائیں اور انتقام کا ہم سے بھی مطالبہ نہ کیا جانے لگے۔

(۲۸) مالک اشتر کی رائے:

جناب مالک اشتر کا مختصر تذکرہ گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے، ان کی رائے تاریخ کے کسی بھی طالب علم سے مخفی نہیں، حضرت عثمان نے مالک اشتر اور ان کے رفقا کے نام ایک خط لکھا جس میں انہیں فرمانبرداری کی تلقین کی تھی اور خدا

سے ڈرایا تھا اور لکھا تھا کہ تم ہی لوگوں نے افتراق واختلاف کی ابتدا کی ہے۔اس کے جواب میں مالک اشتر نے لکھا:

''مالک اشتر کی طرف سے اس خلیفہ کی طرف جو سرگشتہ، خاطی، سنت پیغمبرؐ سے کنارہ کش اور احکام قرآنی کو پس پشت ڈالنے والے ہیں، آپ کا خط ہم نے پڑھا، آپ اپنے نفس کو اپنے عاملوں کو ظلم وسرکشی اور نیکوکار مومنین کو شہر بدر کرنے سے روکئے ،ہمیں آپ کی اطاعت میں کوئی عذر نہ ہوگا آپ نے کہا ہے کہ ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا آپ کی انہیں بدگمانیوں نے آپ کو تباہ و برباد کیا آپ جو ظلم و جور کو عدل اور باطل کو حق سمجھتے ہیں ۔رہ گیا یہ کہ ہم آپ سے محبت کریں تو اگر آپ اپنی حرکتوں سے باز آئیں توبہ کریں اور ہمارے نیکوکار افراد پر جو مظالم ڈھائے ہیں ہمارے صالحین کو جو شہر بدر کیا ہے اور ہمیں ہمارے گھروں سے نکال باہر کیا ہے چھوکروں کو ہم پر مقرر کیا ہے۔ان امور کے متعلق اگر خدا سے استغفار کریں اور ہمارے شہروں پر جنہیں ہم چاہتے ہیں حاکم مقرر کردیں تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں آپ اپنے سعید ولید اور اپنے حمایتیوں کو ہم سے دور ہی رکھئے ۔(کتاب الانساب ج ر ۵ ،ص ر ۴۶)

حضرت عثمان نے توبہ کی یا نہیں اور کی تو کیسی کی اس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

جناب مالک اشتر کے نظریہ پر کسی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔انہوں نے اپنے خط میں اطاعت پر آمادگی اور ان کی حکومت پر راضی رہنے کی شرط قرار دی تھی کہ اپنی حرکتوں سے باز آئیں اور خدا سے توبہ واستغفار کریں لیکن چونکہ حضرت عثمان نے یہ شرط پوری نہیں کی بلکہ وہ ان تمام باتوں پر مصر رہے جو مالک اشتر اور ان کے رفقاء کی ناراضی کا باعث تھیں ۔اس لیے ان کی مخالفت پہلے سے دو چند ہوگئی اور آخر جو چاہتے تھے وہ پورا کر کے رہے۔

(۲۹) محمد بن حذیفہ کی رائے:

ان کی صحابیت روز روشن کی طرح واضح ہے۔ان کے متعلق ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں۔''محمد ابن ابی حذیفہ حبشہ میں پیدا ہوئے اور ان کے باپ ابوحذیفہ سابقین اولین میں تھے۔ان کا نام محمد ہے۔ان کا شمار صحابہ میں ہے ان کے باپ ابوحذیفہ شام کی جنگ میں شہید ہوگئے تو عثمان نے محمد ابن ابی حذیفہ کو پالا اور پرورش کی جب محمد سن تمیز کو پہنچے تو سب سے زیادہ جو شخص عثمان کے خلاف لوگوں کو جمع کرتا تھا وہ یہی تھے ۔انہیں نے عثمان کے معزول کرنے کی دعوت دی اور شہروں میں عثمان کے خلاف آگ بھڑکائی، لوگوں کو ابھارا، ازواج نبی کی طرف سے یہ خطوط لکھتے تھے جن میں عثمان پر طعن ہوا کرتی تھی ۔لوگوں کے مجمع میں خطوط پڑھے جاتے تھے۔ان میں یہ ہوتا تھا کہ اے اہل اسلام عثمان نے شریعت میں ایسے ایسے تغیرات کئے جس کی ہم تم سے شکایت کرتے ہیں، لوگ ان خطوط کو سن کر چیخ چیخ کر روتے تھے اور مسجد میں آواز گریہ بلند ہوتی

تھی۔محمد ہی نے وہ لشکر بھیجا تھا جس نے عثمان کا محاصرہ کیا اور ان کو قتل کر ڈالا۔(اصابہ ج/۳،ص/۳۷۳)

علامہ ابوعمر و استیعاب میں لکھتے ہیں۔''محمد بن حذیفہ لوگوں کو عثمان کے خلاف جمع کرنے میں سب سے زیادہ سخت اور پیش پیش تھے۔اور یوں ہی عمرو بن عاص بھی تھا جس سے عثمان نے اس کو معزول کیا، عمرو عاص عثمان سے بغاوت اور ان پر طعن و تشنیع کا حیلہ ڈھونڈھتا رہتا تھا۔

جن لوگوں نے قتل عثمان میں مدد دی ان میں سے ایک محمد بھی تھے۔انہوں نے اہل مصر کو ابھارا۔عثمان کے خلاف نفرت پھیلائی اور جب وہ قتل ہو گئے تو شام کی طرف بھاگ گئے۔(استیعاب حالات محمد بن حذیفہ)

جب محمد مصر آئے تو لوگوں نے ان کی عبادت کو دیکھ کر ان کی تعظیم و تکریم شروع کی اور ساتھ رہنے لگے۔یہ''غزوہ صواری'' میں عبداللہ بن سعد کی ماتحتی میں لڑے، محمد، عبداللہ بن سعد کی بھی مذمت کرتے تھے اور عثمان کی بھی کہ انہوں نے ایسے شخص کو مصر کا عامل بنایا جس کا خون رسولؐ اللہ نے ہدر کر دیا تھا، جب عبداللہ نے عثمان کو یہ شکایت لکھ بھیجی کہ میں نے تمام شہروں میں فساد پھیلا رکھا ہے اور ان کے ہمراہ محمد ابن ابی بکر ہیں، عبداللہ کو عثمان نے جواب میں لکھا کہ محمد بن ابی حذیفہ میرے بیٹے میرے بھائی کے صاحبزادے ہیں اور میری تربیت میں رہ چکے ہیں۔قریش کے چوزہ (بچہ) ہیں۔عبداللہ نے اس کا جواب دیا کہ اس بچہ کے پر نکل آئے ہیں اور اڑنا ہی باقی ہے۔عثمان نے محمد ابن حذیفہ کو ۳۰ ہزار درہم مع خلعت بھجوائے اس تحفہ کو محمد نے مسجد میں رکھا کہ اے گروہ مسلمین دیکھتے نہیں کہ عثمان مجھے فریب دینا چاہتے ہیں اور دین سے پلٹانا چاہتے ہیں، دیکھو یہ رشوت بھیجی ہے، مصر والوں کے دل میں محمد کی عظمت اور بڑھی۔اور انہوں نے انہیں اپنا سردار بنا لیا اور عثمان کی بدگوئیاں پہلے سے زیادہ کرنے لگے۔(کتاب الانساب بلاذری ج/۵،ص/۴۹۔۵۱، تاریخ ابن کثیر ج/۷،ص/۱۵۷، تاریخ کامل ج/۴،ص/۱۰۵)

سب سے پہلے اسی غزوہ صواری میں محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ نے عثمان کی بدگوئی شروع کی ہے اور ان کے عیوب کا اظہار کیا ہے اور ان تمام باتوں کا چرچا کیا جو مخالف شریعت اور مخالفت ابی بکر و عمر میں عثمان نے کی تھیں۔دونوں کہتے تھے کہ عبداللہ بن سعد جس کا خون رسولؐ اللہ نے ہدر کر دیا تھا اس کو عثمان نے مصر کا عامل بنا دیا وہ عبداللہ جس کو قرآن نے کافر کہا ہے۔عثمان نے پیغمبرؐ کے نکالے اور دھتکارے ہوئے اوباشوں کو واپس بلا لیا اور اصحاب رسولؐ سے نزاع کی اور سعید بن عاص اور ابن عامر ایسے لوگوں کو گورنر بنایا یہ سن کر عبداللہ نے دونوں سے کہا تم ہمارے ساتھ جنگ میں نہ جاؤ وہ قبطیوں کے ہمراہ ہو گئے اور بہت بے دلی سے جنگ کی جب ان سے کسی نے پوچھا کہ یہ کیا؟ تو کہا کہ ہم عبداللہ کی ہمراہی میں کیوں کر جنگ کریں؟ ان کو عثمان نے عامل بنایا ہے اور عثمان وہ ہیں جنہوں نے خلاف شریعت یہ یہ کیا۔عبداللہ نے ان کو منع کرا بھیجا اور دھمکایا، انہوں

نے اور زیادہ اپنی باتوں کو مخالف عثمان بنایا اور وہ کچھ کہا جو کبھی کہا ہی نہ تھا۔

(۳۰) عمرو بن زرارہ نخعی کی رائے:

یہ بزرگ بھی پیغمبرؐ کے صحابی تھے۔ بلاذری ان کے متعلق لکھتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے سب سے پہلے عثمان کو معزول کرنے اور علیؑ کی بیعت کرنے کی دعوت دی وہ عمرو بن زرارہ اور قیس نخعی اور کمیل بن زیاد ہیں عمرو بن زرارہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

لوگو! عثمان نے حق کو جانتے پہچانتے ہوئے چھوڑ دیا ہے اور تمہارے نیکو کار افراد کو مبتلائے مصیبت کیا ہے اپنے خاندان کے بدمعاشوں کو تم پر حاکم بناتے ہیں۔

ولید کو یہ خبر ملی تو اس نے ابن زرارہ کی شکایت حضرت عثمان کو لکھ بھیجی۔ حضرت عثمان نے کہا ابن زرارہ بدوعرب ہے اسے شام بھیج دو۔

(کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵، ص ر ۳۰، اسد الغابہ ج ر ۴، ص ر ۱۰۴، اصابہ ج ر ۱، ص ر ۵۴۸، ج ر ۳، ص ر ۵۲۶)

(۳۱) صعصعہ بن صوحان کی رائے:

ابن عسا کر نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان منبر پر تشریف فرما تھے، صعصعہ نے کھڑے ہو کر کہا، آپ کے منحرف ہونے سے آپ کی امت بھی منحرف ہوگئی ہے آپ جادۂ اعتدال پر آئیے امت والے بھی ٹھیک ہوجائیں گے۔

ایک دن صعصعہ نے عثمان کو بہت کچھ کہا سنا۔ حضرت عثمان نے کہا۔ لوگو! یہ بکواسی اور ہذیانی یہ تک نہیں جانتا کہ خدا کون ہے اور کہاں ہے، صعصعہ نے کہا آپ کا یہ کہنا کہ میں خدا کو نہیں جانتا کہ کون ہے تو خدائے وحدہ لاشریک ہمارا اور ہمارے آباؤ اجداد کا پروردگار ہے۔ رہ گیا یہ کہ خدا کہاں ہے۔ فان الله لبالمر صاد۔ خدا گھات میں ہے۔ پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان الله علی نصر ھم لقدیر۔ جن مسلمانوں سے کفار لڑا کرتے تھے چونکہ وہ مسلمان بہت ستائے گئے اس وجہ سے انہیں بھی جہاد کی اجازت دے دی گئی اور خدا تو ان لوگوں کی مدد پر یقینا قادر ہے۔

صعصعہ بن صوحان کی عظمت وجلالت، ان کا فضل وشرف، بہادری، دین ودنیا میں ان کا درجہ ومنزلت ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں یہ اعلان کرتے ہیں کہ خلیفہ وقت حق سے برگشتہ ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے امت والے بھی منحرف ہوگئے۔ اگر یہ ٹھیک ہوجاتے تو امت والے بھی ٹھیک ہوجاتے۔ درمیان گفتگو قرآن مجید کی آیت تلاوت کر کے انہوں نے آگاہی

دے دی تھی کہ ان مظالم کے خلاف جنگ کے سوا چارہ نہیں ہم پر اور ہمارے رفقا پر مظالم ہوئے ہیں اور ہم خدا کی مدد سے کامیاب ہوں گے۔ صعصعہ نے یہ تمام باتیں مجمع عام میں کہیں جب کہ خلیفہ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ صحابہ عدول میں سے کسی نے بھی صعصعہ کو نہیں ٹوکا نہ ان کی باتوں پر اعتراض کیا۔

(۳۲) حکیم بن جبلہ عبدی کی رائے:

یہ بزرگوار بڑے صالح و دیندار اور اپنی قوم میں واجب الاطاعت سمجھتے جاتے تھے جیسا کہ علامہ ابوعمرو نے توصیف کی ہے۔ حضرت عثمان کے خلاف جن لوگوں نے محاذ قائم کیا ان کے سرداروں میں سے تھے۔ مسعودی لکھتے ہیں کہ جب لوگ عثمان سے برہم ہوئے اور مدینہ پر یورش کی تو حکیم بن جبلہ بھی ساتھ ساتھ تھے۔ یہی لکھتے ہیں:

''یہ حکیم ان اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے لوگوں کو عثمان کے خلاف ابھارا، کسی کا یہ مشہور فقرہ ہے کہ عثمان کا محاصرہ کمشوح نے کیا اور ان کے متعلق فیصلہ حکیم نے کیا۔ محمد و عمار کرتا دھرتا رہے اور تین شخص کھلم کھلا شریک ہوئے، عدی ابن حاتم، اشتر نخعی، عمرو بن حمق اور طلحہ و زبیر نے اندر ہی اندر کاٹ کی۔

علامہ ابوعمرو لکھتے ہیں کہ یہ حکیم بن جبلہ منجملہ ان لوگوں کے ہیں جو حضرت عثمان کو عیب لگاتے تھے، عبداللہ بن عامر اور دیگر عمال عثمان کی وجہ سے، ابوعبیدہ کا بیان ہے کہ جنگ جمل میں ان کا ہاتھ کسی نے کاٹ ڈالا۔ یہ اپنا کٹا ہوا ہاتھ لے کر کاٹنے والے کے پیچھے دوڑے اور اسی ہاتھ سے مار مار کے مار ڈالا۔

(کتاب صفین ابن مزاحم ص/ ۸۴، مروج الذہب ج/ ۲، ص/ ۷، استیعاب ج/ ۱، ص/ ۱۲۰، دول اسلام ذہبی ج/ ۱، ص/ ۱۸، شرح ابن ابی الحدید ج/ ۱، ص/ ۲۵۰)

(۳۳) ہشام ابن ولید مخزومی کی رائے:

یہ صحابی، خالد بن ولید کے بھائی ہیں، گذشتہ صفحات میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جب عثمان نے عمار کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے تو یہ ہشام بگڑ گئے، کہا علیؑ سے تو ڈر گئے اور ہم پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت ہوگئی۔ ہمارے بھائی کو اتنا مارا کہ لب گور کر دیا۔ خدا کی قسم اگر عمار مر گئے تو میں بھی بنی امیہ کی کسی بڑی شخصیت کو قتل کر کے رہوں گا حضرت عثمان نے گالیاں دے کر ہشام کو نکلوا دیا۔ ہشام نے عثمان کے متعلق بہت سے اشعار بھی کہے ہیں۔ جنہیں مرزبانی نے معجم الشعراء میں درج کیا ہے جیسا کہ علامہ ابن حجر نے اصابہ ج/ ۳، ص/ ۲۰۶ میں ذکر کیا ہے۔ انہیں میں سے ایک شعر یہ بھی ہے۔

لسانی طویل فاحترس من شدائد

علیك وسیفی من لسانی اطول

میری زبان بہت دراز ہے اس کی تیزی سے ڈرو اور میری تلوار میری زبان سے بھی زیادہ طویل ہے۔

اس واقعہ سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ عثمان کے متعلق ہشام کی کیا رائے تھی، وہ دیگر صحابہ سے علیحدہ نہیں تھے جس طرح سبھی صحابۂ کرام ان کی مخالفت میں تھے ان کی بھی یہی کیفیت تھی اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اتنی خشونت و درشتی سے بات کی ہجو اور قتل کی دھمکی دی بے سوچے سمجھے نہیں بلکہ یہ یقین کر کے وہ ان تمام باتوں کے واقعاً مستحق ہیں۔

(۳۴) معاویہ ابن ابی سفیان کی رائے:

(۱) حضرت امیر المومنین معاویہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

فاما اکثارك الحجاج فی عثمان قتله فانك انما نصرت عثمان حیث کان النصر لك وخذلته حیث کان النصر له۔

قتل عثمان کے متعلق یہ جو تمہاری حد سے زیادہ حجت وتکرار ہے تو بلا شبہ تم نے عثمان کی مدد اس وقت کی جب تمہارا کام بنتا تھا اور ان کی مدد سے اس وقت گریز کی جب ان کا کام نکلتا تھا۔ (نہج البلاغہ ج ر ۲، ص ر ۹۲)

(۲) دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

فواللہ ماقتل ابن عمك غیرك۔

خدا کی قسم تمہارے سوا کسی نے عثمان کو قتل نہیں کیا۔

(۳) ایک اور خط میں لکھتے ہیں:

تم نے عثمان کے معاملہ کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ اپنی جان کی قسم انہیں تمہیں نے قتل کیا اور تم ہی نے ان کی مدد سے گریز کیا، ان کے متعلق گردش زمانہ کے متمنی رہے اور ان کی موت کی آرزوئیں کیں اس طمع میں جو تم سے ظاہر ہو کر رہی اور تمہارے کرتوت نے عالم آشکارا کر دیا۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ر ۳، ص ر ۴۱۱)

(۴) ابن عباس، معاویہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

تم نے یہ جو لکھا کہ ہم نے ناصران عثمان سے بدسلوکی کرنے میں جلدی کی اور بنی امیہ کی حکومت کو ناپسند کیا تو اپنی زندگی کی قسم تم نے عثمان کے بارے میں اپنا مقصود پالیا، جب کہ انہوں نے مدد مانگی تم نے مدد نہ کی اور اس مدد نہ کرنے ہی کی وجہ سے آج تم اس حیثیت کے مالک ہو۔ ہم ثبوت میں عثمان کے بھائی ولید بن عقبہ کو پیش کر سکتے ہیں۔ (کتاب صفین

ص ر ۴۷۲، امامت وسیاست ج ر ۱، ص ر ۹۶، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۲، ص ر ۲۸۹)

(۵) ابن عباس ایک اور خط میں معاویہ کو لکھتے ہیں:

تم نے یہ جو لکھا ہے کہ میں عثمان کے خلاف جدوجہد کرنے والوں، ان کی مدد سے گریز کرنے والوں، ان کا خون بہانے والوں میں سے ہوں اور ہمارے تمہارے درمیان کوئی مصالحت نہیں ہوئی جس کی وجہ سے میری جان تمہارے ہاتھوں سے محفوظ رہے تو میں خدا کی قسم کے ساتھ کہتا ہوں کہ تم ہی ان کے قتل کے متمنی اور ان کی ہلاکت کے خواہش مند تھے تم ہی نے اپنے پاس کے لوگوں کو حقیقت حال سے واقف ہوتے ہوئے ان کی مدد سے روکا حالانکہ ان کی فریادیں تم تک پہنچا کیں۔ ان کے خطوط ملتے رہے جس میں انہوں نے تم سے مدد طلب کی تھی مگر تم نے ان کی فریادوں پر توجہ نہ کی بلکہ ایک کرایہ کا آدمی ٹھیک کر کے ان کے پاس معذرت ظاہر کرنے کے لیے بھیج دیا۔ تم جانتے تھے کہ لوگ بغیر قتل کئے عثمان کو چھوڑیں گے نہیں نتیجہ تمہاری خواہشوں کے مطابق ہوا آخر وہ قتل کر ڈالے گئے، پھر تمہیں احساس ہوا کہ لوگ تمہیں ہمارے برابر کی جگہ نہیں دیں گے، لہٰذا تم نے یہ ڈھونگ رچا کہ عثمان کے انتقام کی آواز اٹھائی اور ان کا خون ہماری گردن پر دھرنے لگے اور کہنے لگے کہ عثمان بحالتِ مظلومی مقتول ہوئے، اگر واقعاً عثمان مظلومی کی حالت میں مقتول ہوئے تو تم تمام ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہو۔"

(۶) بلاذری کتاب الانساب میں لکھتے ہیں۔ جب عثمان نے معاویہ سے مدد مانگی تو اس نے یزید بن اسد قسری کو لشکر دے کر روانہ کیا اور تاکید کی کہ جب تم مقام ذی حشب (مدینہ سے تھوڑی دور) پر پہنچ جاؤ تو آگے نہ بڑھنا۔ چنانچہ یزید وہیں آ کر ٹھہرا رہا یہاں تک کہ عثمان قتل ہو گئے، اس کے بعد معاویہ نے اس لشکر کو واپس بلا لیا۔ معاویہ نے یہ حرکت اس وجہ سے کی کہ عثمان قتل ہوں اور میں خود خلیفہ بن جاؤں۔" (شرح ابن ابی الحدید ج ر ۴، ص ر ۵۷)

(۷) شبث بن ربعی ایک تقریر میں معاویہ کو خطاب کر کے کہتے ہیں:

خدا کی قسم تم جس لئے لڑ رہے ہو، اس سے ہم بے خبر نہیں، تمہیں کوئی بہانہ ہاتھ نہیں لگا جس سے لوگوں کو بہکاتے اور ان کی خواہش کو اپنی طرف مائل کرتے بس لے دے کے یہی ایک چال سمجھ میں آئی کہ قتل عثمان مظلوماً۔ عثمان مظلومی کی حالت میں قتل کئے گئے ہم ان کے خون کے طالب ہیں اس پر ناسمجھ اوباش افراد دوڑ پڑے ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تم نے مدد میں جان کر تاخیر کی اور متمنی رہے کہ وہ قتل ہو جائیں تاکہ تمہیں وہ منزلت حاصل ہو جائے جس کے آج تم طالب ہو۔ (کتاب صفین ص ر ۲۱۰، تاریخ طبری ج ر ۵، ص ر ۲۴۳، تاریخ کامل ج ر ۳، ص ر ۱۲۳، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱، ص ر ۳۴۲)

(۸) جناب ابو ایوب انصاری معایہ کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمیں قاتلین عثمان سے کیا نسبت، جو شخص عثمان کے متعلق حوادث زمانہ کا متمنی رہا اور اہل شام کو ان کی مدد سے

رو کے رہا وہ تمہیں تو ہو۔" (امامة وسیاسة ج ۱ ص ۹۳، شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۸۱)

(۹) محمد بن مسلمہ انصاری معاویہ کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

"خدا کی قسم اے معاویہ تم نے اس جنگ سے سوا دنیا کے کچھ نہیں چاہا اور سوا خواہش نفس کے کسی کی پیروی نہیں کی، اگر تم عثمان کے مرنے کے بعد ان کی مدد کے لیے اٹھے ہو تو تم ہی نے ان کی مدد ان کی زندگی میں نہیں کی۔" (امامة والسیاسة ج ۱ ص ۵۷)

(۱۰) معاویہ و ابوالطفیل کنانی کی گفتگو ہم اوپر لکھ آئے ہیں سلسلۂ گفتگو میں معاویہ نے ابوطفیل سے پوچھا تھا قاتلین عثمان میں کیا تم بھی تھے ابوطفیل نے کہا نہیں البتہ اس وقت میں مدینہ میں موجود تھا اور میں نے ان کی مدد نہیں کی، معاویہ نے پوچھا کیوں؟ ابوطفیل نے کہا اس لیے کہ مہاجرین و انصار نے مدد نہ کی تھی۔ معاویہ نے کہا لیکن عثمان کی مدد واجب تھی اس کے جواب میں ابوالطفیل نے کہا گر خیر میں نے تو نہیں کی آپ نے کب کی آپ شام میں بیٹھے ان کی بربادی کی تمنا کرتے رہے۔

(۱۱) ایک شطرنج کی صحبت میں عمرو عاص نے معاویہ سے کہا:

رہ گئے علیؑ تو خدا کی قسم مقام حرب میں ان کا ایک عظیم الشان حصہ ہے جو کسی ایک کو بھی نصیب نہیں اور یقیناً وہ خلافت کے مالک ہیں معاویہ نے کہا سچ کہتے ہو مگر ہم تو ان سے یہ الزام رکھ کر جنگ کریں گے کہ عثمان کو انہوں نے قتل کرایا اور خون عثمان ان کی گردن پر ہے عمرو نے کہا وائے خرابی حق تو یہ ہے کہ نہ عثمان کا ذکر تم کو کرنا چاہئے نہ مجھ کو۔ تمہیں اس لیے کہ تم نے ان کی نصرت نہ کی درانحالیکہ اہل شام تمہارے ساتھ تھے تم سے عثمان نے استغاثہ کیا اور تم نے دیر کی اور میں نے ان کو ظاہر باہر چھوڑا اور فلسطین بھاگ گیا۔ معاویہ نے کہا اچھا یہ سب قصہ تو چھوڑو، آؤ میری بیعت کرو عمرو نے کہا خدا کی قسم کبھی نہیں، میں اس وقت تک اپنا دین نہ کھوؤں گا جب تک تمہاری دنیا نہ لے لوں، معاویہ نے کہا اچھا جو مانگنا ہو مانگو۔ عمرو عاص نے کہا مصر (پر دانت ہیں) اور اسی کی خواہش ہے۔" (کتاب الامامة والسیاسة ص ۹۸)

ان تمام کلمات کا ماحصل یہ ہے کہ معاویہ بھی عثمان کے مسئلہ میں صحابہ کرام سے بڑی حد تک متفق تھے۔ اس وقت تک کنارہ کش رہے جب تک وہ قتل نہ ہو گئے اور ان کے منصوبوں کے لیے راستہ صاف نہ ہو گیا۔ جب تک عثمان جیتے رہے مدد نہ کی اور جب قتل ہو گئے تو فوراً ان کے خون کا مطالبہ لے کر کھڑے ہو گئے۔

مذکورہ بالا بیانات سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ معاویہ کی ترک نصرت کو عثمان کا کام تمام کرنے میں

بڑی مدخلیت حاصل ہے۔مدد نہ کرنے والے اور قاتل میں زیادہ فرق نہیں۔اگر معاویہ قتل عثمان کے متمنی نہ ہوتے تو عثمان کا خط پاتے ہی لشکر لے کر مدینہ پر چڑھ دوڑتے اور اس وقت یا تو وہ مخالفین کو مار بھگاتے یا اتنی دیر تک الجھائے رکھتے جب تک دوسرے شہروں سے کمک نہ آجاتی، مگر معاویہ تو عثمان کے بعد خلافت کا خواب دیکھ رہے تھے۔مدد کرتے تو کیونکر؟

(۳۵) مھاجرین وانصار کی رائے:

(۱) حضرت امیرالمومنینؑ نے معاویہ کو ایک خط میں لکھا:

''تم لکھتے ہو کہ چونکہ میں نے عثمان کی نصرت نہ کی اس لیے تم میری بیعت نہیں کرسکتے واقعہ یہ ہے کہ میں مہاجرین ہی کی ایک فرد تھا جو انہوں نے کیا وہ میں نے کیا جو انہوں نے نہیں کیا وہ میں نے نہیں کیا یہ ظاہر ہے کہ خداوند عالم نے تمام مہاجرین کو گمراہی پر متفق ہرگز نہ کیا ہوگا اور نہ سبھی بے بصیرت ہوں گے۔میں نے نہ تو عثمان کے قتل کا حکم دیا کہ حکم دینے کا قصوروار بنوں، نہ میں نے انہیں قتل کیا ہے کہ قصاص سے ڈروں۔(امامۃ والسیاسۃ ج ر ۱، ص ر ۸۷، عقد فرید ج ر ۲، ص ر ۲۸۴، کامل مبرد ج ر ۱، ص ر ۱۵۷، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱، ص ر ۲۵۲)

(۲) بلاذری۔مدائنی سے روایت کرتے ہی۔عبداللہ بن فائد کا بیان ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے فرزند ثابت نے اہل شام کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں ان سے نفرت کرتا ہوں۔حضرت عثمان کے پوتے سعید نے کہا تم اسی لیے نفرت کرتے ہو کہ انہوں نے تمہارے باپ عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا۔ثابت نے کہا سچ کہتے ہو مگر میرے باپ کو شام کے کافروں اور وحشیوں نے قتل کیا اور تمہارے دادا حضرت عثمان کو مہاجرین وانصار نے۔

(کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵، ص ر ۱۹۵، وص ر ۳۷۲)

(۳) جنگ صفین میں ابوہریرہ اور ابودرداء حضرت امیرالمومنینؑ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کی فضیلت قابل انکار نہیں اور معاویہ تو یہ چاہتا ہے کہ قاتلان عثمان کو اس کے حوالے کردیجئے اگر اس کے بعد بھی وہ آپ سے جنگ کرتے تو ہم آپ کے ساتھ ہوں گے، امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ تم قاتلان عثمان کو پہچانتے ہو؟ کہا ہاں، آپ نے فرمایا جاؤ پکڑ کے لے جاؤ یہ دونوں محمد بن ابی بکر، عمار یاسر اور اشتر کے پاس آئے اور کہا تم قاتلان عثمان ہو، ہمیں حکم ملا ہے کہ تم کو پکڑ لیں یہ سنتے ہی دس ہزار سے زائد آدمی یہ کہتے ہوئے دونوں کی طرف بڑھے کہ ''ہم نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ہم نے۔'' (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ص ر ۱۰۶)

اس واقعہ کے بعد ابوہریرہ اور ابودرداء گھر (حمص) پلٹے جب حمص میں پہنچے تو حضرت عثمان کے صاحبزادے

عبدالرحمان سے ملاقات ہوئی انہوں نے ان دونوں سے پوچھا کہ کہاں گئے تھے، انہوں نے تمام واقعہ بیان کر دیا عبدالرحمان نے کہا تم دونوں سے درانحالیکہ اصحاب نبیؐ ہو سخت تعجب ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے اپنے ہاتھ روکے ہیں تو زبانیں نہیں روکیں۔ ارے تم علیؑ کے پاس جاتے ہو اور ان سے قاتلین عثمان کو مانگتے ہو اور یہ نہیں جانتے کہ اگر مہاجرین وانصار عثمان کا خون بہانا حرام جانتے تو لامحالہ عثمان کی مدد کرتے اور علیؑ سے اسی شرط پر بیعت کرتے کہ قاتلین عثمان دے دیئے جائیں تو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ انہوں نے ایسا کیا؟ اس سے زیادہ تعجب خیز تمہارا اصحابہ کے افعال سے منھ پھیرنا ہے اور علیؑ سے ہی کہنا ہے کہ شوریٰ کرو اور خلافت سے دستبردار ہو۔ درآنحالیکہ تم جانتے ہو کہ علیؑ کی خلافت پر راضی رہنے والا اس سے بہتر ہے جو اس خلافت کو برا سمجھتا ہے۔ اور جس نے ان کی بیعت کی وہ اس سے بہتر ہے جس نے بیعت نہ کی۔

اس پر اور تعجب ہے کہ تم دونوں اس کے فرستادہ بن کے گئے جو اولاد طلقا (جو قید کر کے چھوڑ دیا گیا ہو) میں ہے جس کے لیے خلافت جائز ہی نہیں۔ یہ گفتگو عام ہوئی اور معاویہ نے چاہا عثمان کے بیٹے کو قتل کر دے گا مگر پھر ان کے قبیلہ وخاندان کا خیال کر کے باز رہا۔ (امامة وسیاسة ص ر ۱۰۶)

(۴) واقدی نے اپنے سلسلۂ اسناد سے روایت کی ہے کہ ۳۴ھ میں بعض اصحاب پیغمبرؐ نے دوسرے صحابہ کو خطوط لکھے جن میں عثمان کے طرز عمل اور ان کے تغیر وتبدل کی شکایت لکھی تھی اور ان مصائب کا تذکرہ کیا تھا جو حضرت عثمان کے عاملوں کے ہاتھوں عامۃ الناس جھیل رہے تھے۔ خط میں یہ بھی تھا کہ اگر آپ حضرات جہاد پر تیار ہیں تو مدینہ آئیے۔

اس وقت کیفیت یہ تھی کہ اصحاب پیغمبرؐ میں سے کوئی بھی عثمان کی حمایت نہیں کرتا اور ان پر جتنے اعتراضات وارد ہوتے ان پر نکتہ چینی ہوتی کسی کو ناگوار نہ گذرتی۔ چنانچہ مہاجرین وغیر مہاجرین حضرت علیؑ کے پاس اکٹھا ہو کر آئے اور عرض کی کہ ''عثمان کے پاس جا کر ان کو سمجھائیے اور ان کو ہشیار کیجئے، حضرت علیؑ، عثمان کے گھر گئے اور فرمایا کہ لوگ آپ کے عاملوں کے ہاتھ سے تنگ آ کر استغاثہ کو آئے ہیں اور آپ کے عیوب ونقائص مجلسوں اور محفلوں میں ذکر کر کے آپ پر مواخذہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بار بار ہم نے ان ظالموں کی شکایت دربار خلافت میں کی مگر انہوں نے قطعاً ان کے شر کا انسداد نہیں کیا اب اے عثمان دو صورتیں ہیں یا تو آپ ان شکایت کرنے والوں کو دوست جانتے ہوں گے یا دشمن اگر دوست جانتے ہیں تو ان کی نصیحت کو غنیمت جانیئے اور اگر دشمن سمجھتے ہیں تب بھی دو حال سے خالی نہیں اگر وہ خلافِ واقع کہتے ہیں تو کچھ پروا نہ کیجئے اور اگر وہ سچ کہتے ہیں تو ان کے شکر گذار ہو کر ان امور کو بدل دیجئے جو آپ کے عیوب ونقائص سمجھے جاتے ہیں اور سمجھ لیجئے کہ آپ کے عیوب ہی آپ کے دشمن ہیں خدا کے نزدیک بدترین حاکم وہ ہے جو ظالم وجابر ہو سنت کو ترک اور بدعت کو جاری کرے اور فتنوں

کے دروازے کھول دے، خدا سے ڈریئے کیونکہ ایسی باتوں کا عذاب شدید اور سخت ہے ان لوگوں کو ایسے عمدہ طور سے تسلی دے کر رخصت کیجئے کہ قرار سے بیٹھیں اور سرکشی نہ کریں تا کہ آپ کو ندامت نہ اٹھانی پڑے۔ اسی طرح کی بہت سی نصیحت کی۔ حضرت عثمان بولے خدا کی قسم اگر آپ میری جگہ ہوتے تو میں ہرگز آپ کو صلۂ رحم اور اقارب کے ساتھ احسان کرنے پر ملامت نہ کرتا، ایمان سے کہئے کیا مغیرہ بن شعبہ سیرت میں میرے عاملوں سے اچھا ہے جو عمر نے اس کو بصرہ کا حاکم بنا رکھا تھا اور جب بصرہ میں اس سے اعمال شنیعہ وقوع میں آئے تو اسے کوفہ کا گورنر بنا دیا اور کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ عمر کو ملامت کرتا پس مجھے کیوں ملامت کرتے ہیں اگر میں نے عبداللہ بن عامر وغیرہ کو صلہ رحم واحسان بر اقرباء کا خیال کر کے عامل بنایا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اگرچہ عمر نے ایک ایسے گروہ کو حکومتیں دیں کہ اصحاب رسولؐ میں اس گروہ سے زیادہ حقدار مستحق موجود تھے مگر عمر کی توبیخ وتہدید اور تادیب سے ان کا دم نکلتا تھا اور اس سبب سے ظلم وستم سے اجتناب کرتے اور انصاف کرتے تھے اگر ان کے کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو وہ فوراً بلاتے اور تحقیقات کر کے سزا دیتے تھے اور آپ اس کے برخلاف کرتے ہیں اور حد جاری کرنے اور سزا دینے میں بے پروائی کرتے ہیں ان کی برائیوں کا خیال بھی نہیں کرتے اور ان پر انعام واکرام فرماتے ہیں اور رسولؐ اللہ کے بڑے بڑے صحابیوں کو محروم رکھتے ہیں۔ عثمان بولے: اے علیؑ میرے رشتہ دار تمہارے بھی رشتہ دار ہیں فرمایا بے شک مگر فضل و بزرگی ان کے سوا اوروں میں ہے۔ پھر عثمان بولے: اے علیؑ معاویہ کو عمر ہی نے سردار بنایا تھا میں نے تو صرف اسے بحال رکھا ہے۔ علیؑ نے جواب دیا ایمان سے کہئے کیا معاویہ عمر سے ان کے غلام یرفا سے زیادہ نہیں ڈرتا تھا۔ عثمان نے ہاں یہ تو سچ ہے پھر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ معاویہ بڑے بڑے عذر اور افعال بغیر آپ کی اطلاع اور خبر کے کرتا ہے اور لوگوں سے کہہ دیتا ہے کہ یہ حضرت عثمان کا حکم ہے اور آپ بھی جانتے ہیں کہ یہ بات اسی طرح پر ہے اور آپ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ معاویہ سے کبھی جواب بھی طلب نہیں کرتے۔ عثمان خاموش ہو گئے۔ کچھ کہتے نہ بن پڑا۔ علیؑ اٹھ کر گھر چلے آئے۔

(کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵، ص ر ۶۸، تاریخ طبری ج ر ۵، ص ر ۹۷، تاریخ کامل ج ر ۳، ص ر ۶۳، تاریخ ابی الفداء ج ر ۱، ص ر ۱۶۸، تاریخ ابن خلدون ج ر ۲، ص ر ۳۹۱)

بیروت کے ایک ادیب ومورخ عمر ابوالنصر نے ایک کتاب لکھی ہے۔ ''خلفاء محمد'' حال ہی میں شیخ محمد احمد پانی پتی نے اس کا ترجمہ کیا اور ادارہ فروغ اردو لاہور نے اہتمام سے شائع کیا ہے ہم چند جملے اس کتاب سے یہاں نقل کرتے ہیں۔

''یہی حال مدینہ کا بھی ہوا اگر ان حالات کی چھان بین کی جائے اور حضرت عثمان کے حق میں جو باتیں وہاں کے سربرآوردہ لوگ آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے کرتے تھے ان پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمان سے نفرت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے اور بعض نے تو آپ کا لقب ہی نعثل رکھ دیا تھا۔ (نعثل ایک مصری تھا جس کی داڑھی

بہت لمبی تھی اس سے حضرت عثمان کو مشا بہت محض آپ سے نفرت اور نا گواری کی وجہ سے دی جاتی تھی) اور تو اور بڑے بڑے صحابہ بھی ایسی باتیں علانیہ عام لوگوں کے سامنے کہتے تھے۔" (خلفائے محمد عثمان, ص ۹۷)

"اہل مدینہ خاموشی اور سکون سے تمام حالات کا مطالعہ کر رہے تھے وہ حضرت عثمان کی مدد کرنے کو بالکل تیار نہ تھے۔" (ص ۳۸)

اہل مدینہ نے اس بغاوت کے وقت عجیب وغریب روش اختیار کر لی تھی بجائے اس کے کہ وہ متحد ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرتے اور بغاوت کا سر کچلتے انہوں نے اپنی عجیب غریب روش کی بنا پر مفسدین اور باغیوں کے ہاتھ مضبوط کر دیئے اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے کہ اہل مدینہ بھی حضرت عثمان کے محاصرہ اور قتل میں بالواسطہ شریک تھے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انہوں نے حضرت عثمان کو بالکل چھوڑ دیا اور محاصرہ کی تمام مدت میں بالکل خاموش رہے۔

"خلاصہ یہ کہ حضرت عثمان کے خلاف کئی عوامل کام کر رہے تھے ایک تو باغی کہ جو کچھ ان کے سر میں سما جاتا تھا اس کے کرنے پر تل جاتے تھے۔ دوسرے اہل مدینہ جو حضرت عثمان کو چھوڑ بیٹھے تھے اور اس معاملہ میں بالکل خاموش تھے ان میں سے بعض خاموشی کی حد سے گذر کر حضرت عثمان کے خلاف آمادۂ پیکار بھی تھے تیسرے بنو امیہ جو چاہتے کہ معاملہ کو یہاں تک ڈھیل دی جائے کہ فوجیں مدینہ پہنچ جائیں اگر حضرت عثمان کوئی وعدہ کرتے تو وہ اسے تڑوا دیتے۔ اگر آپ لوگوں کے مطالبات کو ماننے کا ارادہ کرتے بھی تو آپ کو اس سے پھیر دیتے۔ انہوں نے حضرت عثمان کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ انہیں کے کہنے پر چلیں اور خلافت سے معزول ہونے سے بالکل انکار کر دیں۔" (ص ۱۵۷)

"واقعہ یہ ہے کہ جو شخص ان حوادث کی تفصیل پڑھے جو حضرت عثمان کے قتل سے پہلے رونما ہوئے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ قریش کے سر برآوردہ لوگوں کو ہر قسم کے الزامات سے بری قرار دے سکے۔ اگر چہ یہ بھی مشکل ہے کہ ان پر فسادیوں کے ساتھ کسی حقیقی عملی قدم اٹھانے کا الزام لگایا جا سکے۔ مگر وہ غفلت کے مجرم ضرور تھے۔ چنانچہ سب سے بڑا جو اعتراض ان پر آتا ہے وہ یہی کہ انہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان کی مدد کرنے میں انتہائی لاپروائی سے کام لیا اور آپ کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ استعمال کئے جو حضرت عثمان جیسے انسان کے مرتبہ سے بعید تھے۔ ایسے الفاظ انتہائی نازک زمانہ میں اور فتنہ کے سرغنوں کے سامنے کہے گئے جن کو وہ لوگ اپنی بغاوت کی تائید اور اپنے اٹھائے ہوئے فساد کے جواز میں استعمال کرتے تھے۔

مصنف اشہر مشاہیر الاسلام لکھتا ہے: "بنی امیہ کو تمام معاملات حکومت سپرد کر دینا، انہیں کو اپنا مشیر و وزیر بنا لینا ایک ایسا امر تھا جس نے مہاجرین کو بہت برانگیختہ کر دیا تھا اور دور اندیش لوگوں کو اس بات کا ڈر پیدا ہونے لگا تھا کہ کہیں حکومت

اسلامیہ اموی رنگ میں نہ رنگ جائے وہ کہتے تھے کہ حکومت ان لوگوں کا حق نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں کا اور خصوصاً سابقون الاولون اور مہاجرین کا حق ہے لیکن حضرت عثمان چاہتے تھے کہ اپنے رشتہ داروں کو ان عہدوں سے نہ ہٹائیں، اسی وجہ سے انہوں نے امت کے مطالبہ کا کوئی جواب نہ دیا اس اصرار کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں (۱) ان کی قوم بنو امیہ اور ان کے رشتہ داروں نے ان کو کمزور پا کر ان پر غلبہ حاصل کرلیا۔(۲) حضرت عثمان کو ڈر ہوا کہ اگر وہ اپنی قوم سے الگ رہے اور اپنے اہل وعیال وخاندان سے علیحدگی اختیار کرلی اور عمال نے آپ کے خلاف بغاوت کردی تو ان کے خاندان کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو باغیوں کے مقابلہ میں آپ کی طرف سے کھڑا ہوسکے۔اس وجہ سے آپ نے اپنے رشتہ داروں کو ہی ہر معاملہ میں ترجیح دی اور مختلف علاقوں پر انہیں کو والی اور حاکم بنایا۔جب اس طرز عمل کے خلاف شور وغل برپا ہوا۔حضرت عثمان کے خلاف اعتراضات کی بوچھار ہونے لگی اور لوگوں نے ان کو معزول کرنے کے لیے آوازیں اٹھانی شروع کیں تو حضرت عثمان کو بہت فکر پیدا ہوئی اور یقین ہوگیا کہ میرا خدشہ صحیح ثابت ہوا۔انہوں نے ان شکایتوں پر کان نہ دھرا۔ولایات پر اپنے رشتہ داروں ہی کو باقی رکھنے پر اصرار کیا اور انہیں کے مشوروں پر اعتماد کیا۔اس پر عامۃ المسلمین اور صحابہ میں ہیجان پیدا ہوگیا اور باغیوں نے اسی بات کو لے کر آپ سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا۔" (ص ر ۱۸۷)

یہ چند سطریں ہم نے نمونۃً ذکر کی ہیں ان کے مطالعہ کے بعد ہمارے اس قول کی صداقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ باشندگانِ مدینہ بھی جو اکثر وبیشتر مہاجرین وانصار ہی تھے، حضرت عثمان کے متعلق متفقہ طور پر ایک ہی نظریہ وعقیدہ رکھتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے محاصرہ وقتل میں کسی کو لب کھولنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

دوسری فصل

باشندگان مدینہ کے خطوط محاذ جنگ بر مقیم صحابۂ کرام کے خطوط

طبری نے عبدالرحمان بن یسار کے واسطے سے روایت کی ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عثمان کے افعال واعمال کی شدت محسوس کی تو مدینہ کے اصحاب پیغمبرؐ نے ان صحابہ کو جو سرحدی شہروں میں فروکش تھے خط لکھا۔

انکم انما خرجتم ان تجاهدوا فی سبیل الله عزوجل تطلبون دین محمد فان دین محمد قد افسده من خلفکم و ترك فهلموا فاقیموا دین محمد۔

آپ لوگ مدینہ سے باہر اس لیے تشریف لے گئے ہیں کہ دین محمدؐ کی اشاعت و سربلندی کے لیے راہِ خدا میں جہاد کریں مگر آپ جسے مدینہ میں چھوڑ گئے اس نے دین محمدؐ کو غارت کر دیا اور پس پشت ڈال دیا ہے جلد آئیے اور دین محمدؐ کو استوار کیجئے۔(تاریخ طبری ج/۵،ص/۱۱۵)

علامہ ابن اثیر کی لفظیں ہیں: فان دین محمد قد افسده خلیفتکم فاقیموه۔

دین محمدؐ کو آپ کے خلیفہ نے فاسد کر دیا ہے آ کر استوار کیجئے۔(تاریخ کامل ج/۵،ص/۷۰)

علامہ ابن ابی الحدید کی لفظیں ہیں:

قد افسده خلیفتکم فاخلعوه فاختطفت علیه القلوب فاقبلوا من کل افق حتیٰ قتلوه۔

آپ کے خلیفہ نے دین محمدؐ کو فاسد کر دیا ہے (آ کر) انہیں معزول کیجئے یہ خط پا کر لوگوں کے دل تڑپ گئے وہ ہر جانب سے امڈے پڑے یہاں تک کہ ان لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا۔(شرح ابن ابی الحدید ج/۱،ص/۱۶۵)

علامہ طبری نے محمد بن مسلمہ سے روایت کی ہے۔محمد کہتے ہیں کہ جب ۳۴ھ آیا تو بعض اصحاب پیغمبرؐ نے دوسرے اصحاب پیغمبرؐ کو خطوط لکھے جن میں عثمان کے طریقہ کار ان کے تغیر و تبدل کی شکایت کی تھی اور درخواست کی کہ:

ان اقدموا فان کنتم تریدون الجهاد فعندنا الجهاد۔

آپ لوگ مدینہ پہنچئے کیونکہ اگر آپ جہاد کے خواہشمند ہیں تو جہاد کی یہاں ضرورت ہے۔

لوگ بہت شدت سے حضرت عثمان کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی اتنی بدترین مذمت کی جا رہی تھی جتنی کسی کی بھی نہ کی گئی ہوگی، اصحاب پیغمبرؐ دیکھتے اور سنتے لیکن ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو لوگوں کو منع کرتا اور ان کی طرف سے

مدافعت کرتا سوائے دو چار شخصوں کے جیسے زید بن ثابت ابو اسید ساعدی، کعب بن مالک، حسان بن ثابت وغیرہ کے۔ اس وقت مہاجرین و انصار وغیرہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ آپؑ حضرت عثمان سے گفتگو کیجئے انہیں نصیحت فرمائیے۔" (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۹۶، کتاب الانساب بلاذری ج ۵ ص ۶۰، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۶۴، ابن کثیر ج ۷ ص ۱۹۸)

(۲) مہاجرین کا خط مصر والوں کے نام

من المهاجرين الاولين وبقية الشورىٰ الى من بمصر من الصحابة والتابعين ۔ اما بعد ان تعالوا الينا وتداركوا خلافة رسول الله قبل ان يسلبها اهلها، فان كتاب الله قد بدل ۔ وسنة رسول الله قد غيرت واحكام الخليفتين قد بدلت فننشد الله من قرا كتابنا من بقية اصحاب رسول الله والتابعين باحسان الا اقبل الينا واخذ الحق لنا واعطاناه فاقبلوا الينا ان كنتم تومنون بالله واليوم الاخر واقيموا الحق على المنهاج الواضح الذى فارقتم عليه نبيكم وفارقكم عليه الخلفا غلبنا على حقنا واستوىٰ علىٰ فيئنا وحيل بيننا وبين امرنا، وكانت الخلافة بعد نبينا خلافة نبوة ورحمة وهى اليوم ملك عضوض من غلب علىٰ شى اكله ۔ (الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۳۲)

مہاجرین اولین اور بقیہ ارکان شوریٰ کی جانب سے مصر میں مقیم صحابہ کرام و تابعین کے نام۔ آپ لوگ جلد مدینہ آئیے اور قبل اسکے کہ خلافت پیغمبرؐ حقداروں کے ہاتھ سے نکلے آ کر تدارک کیجئے کیونکہ کتاب خدا الٹ پلٹ دی گئی، سنت رسولؐ میں الٹ پھیر کر دیا گیا، ابوبکر و عمر کے احکام بدل دیئے گئے۔ بقیہ اصحاب پیغمبرؐ اور نیکوکار تابعین جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں انہیں ہم خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ جلد ہم تک پہنچیں۔ ہمارا حق وصول کر کے ہمیں دے دیں اگر آپ لوگ خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تو جلد ہم تک پہنچئے اور حق کو سیدھی راہ پر کر دیجئے جس سیدھی راہ پر آپ کے پیغمبرؐ اور سابق کے خلفاء چھوڑ گئے تھے۔ ہمارے حق پر غلبہ کر لیا گیا، ہمارے خراج پر قبضہ ہو گیا اور ہمارے اور ہمارے حق کے درمیان دیوار کھڑی کر دی گئی ہے۔ پیغمبرؐ کی جو خلافت نبوت و رحمت تھی آج جابر و قاہر حکومت ہو گئی ہے کہ حاکم جو پاتا ہے چٹ کر جاتا ہے۔

(۳) اہل مدینہ کا خط حضرت عثمان کے نام

طبری نے عبداللہ بن زبیر کے واسطہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ باشندگان مدینہ نے حضرت عثمان کو ایک خط لکھا جس میں انہیں توبہ کرنے کی دعوت دی تھی، ان پر الزامات عائد کئے تھے اور خدا کی قسم کھائی تھی جب بھی قابو پائیں گے انہیں قتل کر کے رہیں گے ورنہ وہ ہمارے وہ حقوق عنایت کریں جو خداوند عالم نے ان پر فرض کئے ہیں۔" (طبری ج ۵ ص ۱۱۶)

تیسری فصل

اجماع اور حضرت عثمان

بے شمار کلمات واحادیث جنہیں ہم نے اس باب میں بیان کیا ہے جو صحابہ کرام، مہاجرین وانصار، اور دیگر اکابر اسلام کے زبان وقلم سے نکلے، اس حقیقت کا مظہر ہیں کہ سوا دو چار آدمیوں کے سبھی۔ حضرت عثمان سے نالاں، ان پر برہم اور ان کے خلاف صف بستہ تھے، کسی کے ہاتھ ان کے خون میں رنگے ہوئے ہیں، کسی نے دوسروں کو ان کے قتل پر برانگیختہ کیا، کسی نے ان کی حرکتوں کے پروپیگنڈے کئے، کسی نے ان کی تباہی و بربادی کے سامان فراہم کئے۔ کسی نے انہیں برا بھلا کہنے کی جرأت وجسارت کی، کسی نے خردہ گیری ونکتہ چینی کی۔ انہیں نیک کاموں کا مشورہ دیا، بری حرکتوں سے روکا، کسی نے مدد سے پہلوتہی کی۔ عبرت کی بات یہ ہے کہ جو لوگ حضرت عثمان سے برہم تھے ان کے قتل پر آمادہ تھے۔ انہیں کوئی ناپسند نہیں سمجھتا تھا، انہیں ٹوکنے روکنے سے منع کرتے تھے کسی نے ضرورت نہیں سمجھی یا خلیفہ وقت کے حقوق کا خیال کر کے ان کی ہمدردی کی طرف توجہ نہیں کی اگر پیغمبرؐ نے سچ کہا ہے کہ لا تجتمع امتی علیٰ خطا۔ میری امت کبھی خطا پر مجتمع نہ ہوگی۔ لا تجتمع امتی علیٰ ضلال۔ میری امت کبھی گمراہی پر اکٹھا نہ ہوگی وہ سب کے سب اکٹھے بے بصیرت نہ ہو جائیں گے تو یقینا ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمان کے تمام صحابہ وتابعین ایک نقطہ پر متحد ومتفق تھے ایک مسئلہ پر ان کا اجماع منعقد تھا اور ظاہر ہے کہ وہ اجماع حضرت عثمان کے حق میں نہ تھا اور یہ بھی یقینی ہے کہ یہ اجماع اس اجماع سے زیادہ کامل ومکمل تھا جس کا ابوبکر کی خلافت کے موقع پر دعویٰ کیا جاتا ہے اگر پہلا اجماع بفرض محال ثابت ومسلم اور واجب الاتباع تھا تو حضرت عثمان کے متعلق مومنین کا اجماع اس سے زیادہ مسلم الثبوت تھا۔ اگر

۱۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ
۲۔ جناب عائشہ ام المومنین۔
۳۔ عبد الرحمان بن عوف۔
۴۔ طلحہ بن عبد اللہ۔
۵۔ زبیر بن عوام۔
۶۔ عبد اللہ بن مسعود۔
۷۔ عمار یاسر۔
۸۔ مقداد بن اسود۔
۹۔ حجر بن عدی کوفی۔
۱۰۔ ہاشم مرقال۔

۱۱۔ جہجاہ بن سعید غفاری۔

۱۲۔ سہل بن حنیف انصاری۔

۱۳۔ رفاعہ بن رافع انصاری۔

۱۴۔ حجاج بن غزیہ انصاری۔

۱۵۔ ابوایوب انصاری۔

۱۶۔ قیس بن ساعد انصاری۔

۱۷۔ فروہ بن عمرو بیاضی۔

۱۸۔ محمد بن عمرو بن خزم انصاری۔

۱۹۔ جابر بن عبداللہ انصاری۔

۲۰۔ جبلہ بن عمرو ساعدی انصاری۔

۲۱۔ محمد بن مسلمہ انصاری۔

۲۲۔ عبداللہ بن عباس حبر الامۃ۔

۲۳۔ عمرو بن عاص۔

۲۴۔ ابوالطفیل عامر بن واثلہ کنانی لیثی۔

۲۵۔ سعد بن ابی وقاص۔

۲۶۔ مالک بن حارث اشتر۔

۲۷۔ عبداللہ بن حکیم۔

۲۸۔ محمد بن ابی حذیفہ عبث۔

۲۹۔ عمرو بن زرارہ بن قیس نخعی۔

۳۰۔ صعصعہ بن صوحان۔

۳۱۔ حکیم بن جبلہ۔

۳۲۔ ہشام بن ولید مخزومی۔

۳۳۔ معاویہ بن ابی سفیان۔

۳۴۔ زید بن صوحان۔

۳۵۔ عمرو بن حمق خزاعی۔

۳۶۔ عدی بن حاتم طائی۔

۳۷۔ عروہ بن سعد۔

۳۸۔ عبدالرحمان بن حسان غزی کوفی۔

۳۹۔ محمد بن ابی بکر بن ابی قحافہ۔

۴۰۔ کمیل بن زیاد نخعی۔

۴۱۔ عائذ بن حلمۃ طہوری تمیمی۔

۴۲۔ جندب بن ظہیر ازدی۔

۴۳۔ ارقم بن عبداللہ کندی۔

۴۴۔ شریک بن شداد حضرمی۔

۴۵۔ قبیصہ بن ضبیعہ عبسی۔

۴۶۔ کریم بن عفیف خثعمی۔

۴۷۔ عاصم بن عوف بجلی۔

۴۸۔ ورقا بن سمی البجلی۔

۴۹۔ کدام بن حیان۔

۵۰۔ صیفی بن نسیل شیبانی۔

۵۱۔ معزز بن شہاب تمیمی منقری۔

۵۲۔ عبداللہ بن حویۃ سعدی تمیمی۔

۵۳۔ عتبہ بن اخنس سعدی۔

۵۴۔ سعید بن عمران ہمدانی۔

۵۵۔ ثابت بن قیس نخعی۔

۵۶۔ اصعر بن قیس حارثی۔

۵۷۔ یزید بن مکفف نخعی۔

۵۸۔ حارث بن عبداللہ الاعور ہمدانی۔

۵۹۔ فضل بن عباس ہاشمی۔
۶۰۔ عمرو بن بدیل بن ورقا خزاعی۔
۶۱۔ زیاد بن نصر حارثی۔
۶۲۔ عبداللہ الاصم عامری۔
۶۳۔ عمرو بن الاہتم نزیل الکوفہ۔
۶۴۔ ذریع بن عباس عبدی۔
۶۵۔ بشر بن شریح قیسی۔
۶۶۔ سودان بن حمران سکوئی۔
۶۷۔ عبدالرحمان بن عدیس بلوی۔
۶۸۔ عروہ بن شمیم کنانی لیثی۔
۶۹۔ کنانہ بن بشر سکونی۔
۷۰۔ غافقی بن حرب مکی۔
۷۱۔ کعب بن عبدہ۔
۷۲۔ مثنیٰ بن مخزبہ عبدی۔
۷۳۔ عامر بن جبیر بن عبد یالیل۔
۷۴۔ عبید بن رفاعہ بن رافع زرقی۔
۷۵۔ عبدالرحمان بن عبداللہ جمحی۔
۷۶۔ مسلم بن کریب قاضی ہمدانی۔
۷۷۔ عمرو بن عبید حارثی ہمدانی۔
۷۸۔ عمرو بن حزم انصاری۔
۷۹۔ عمیر بن ضبا تمیمی۔
۸۰۔ اسلم بن اوس بن بجرہ ساعدی۔

اور انہیں مذکورۂ بالا حضرات جیسے اکابر امت اسلام کے کلمات پر غور کیا جائے۔ جنہیں ہم مختصراً گذشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں تو اس اجماع کی حقیقت آئینہ بن کر سامنے آجائے گی اور اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے گا اور اس اجماع سے چشم پوشی ممکن بھی کیونکر ہے حالانکہ اس میں عمائد و اکابر صحابہ داخل ہیں۔ اعاظم ملتہ وارکانِ مذہب شریک ہیں صاحبان صلاح وتقویٰ موجود ہیں انہیں میں امہات مومنین ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے کئی افراد ہیں شوریٰ کے کئی ممبران ہیں، اگر ان حضرات کا اجماع رد کر دیا جائے تو پھر کسی اجماع کی حجیت قابل قبول نہیں رہتی۔

نواں باب

انجام کار

حضرت عثمان پر مدینہ کوفہ بصرہ اور مصر کے مسلمانوں کی یورش

بلاذری وغیرہ نے بسلسلۂ اسناد روایت کی ہے کہ کوفہ، بصرہ اور مصر کے سرکردہ افراد واقعہ قتل عثمان سے ایک سال پہلے مسجد الحرام میں اکٹھا ہوئے اہل کوفہ کے رئیس کعب بن عبدہ تھے۔ بصرہ والوں کے مثنیٰ بن مخزبہ عبد اور مصر والوں کے کنانہ بن بشر بن عناب۔ ان لوگوں نے باہم حضرت عثمان کی سیرت کا تذکرہ کیا اور یہ کہ وہ بالکل متغیر ہو گئے ہیں اور خلافت ملنے کے وقت انہوں نے جتنے عہدو پیماں کئے تھے انہیں پس پشت ڈال دیا ہے، ان لوگوں نے کہا ہم اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتے، باتفاق رائے طے ہوا کہ تینوں اشخاص اپنے شہر کو واپس جائیں اور وہاں کے لوگوں کے سامنے اس اجتماع کی روئداد پیش کریں اور اگلے سال انہیں دنوں مدینہ پہنچیں تا کہ حضرت عثمان کی خدمت میں اجماعی درخواست پیش کی جائے۔ اگر وہ کان دھریں تو خیر ورنہ پھر جو مناسب ہوگا جو کیا جائے گا۔

جب مقررہ وقت آیا تو مالک اشتر، کوفہ کے دوسو افراد لے کر مدینہ روانہ ہوئے، ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ چار ٹولیوں میں ہزار آدمی لے کر پہنچے، ان کے افسر مالک اشتر، زید بن صوحان، زیاد بن نضر حارثی، عبداللہ بن اصم عامری تھے اور سب کے سردار عمرو بن احتم تھے۔

بصرہ سے سو افراد کے ساتھ حکیم بن جبلہ عبدی روانہ ہوئے، ۵۰ اشخاص اور آ کر مل گئے، اس طرح ۱۵۰ کی تعداد ہوگئی۔

مصر سے چار یا پانچ یا چھ سات سو یا ہزار اور علامہ ابن ابی الحدید کے قول کے مطابق دو ہزار افراد چار ٹولیوں میں بٹ کر مدینہ پہنچے۔ ہر ٹولی کا ایک امیر تھا انہیں والوں میں محمد بن ابی بکر، سودان بن حمران سکونی، میسرہ یا قتیرہ سکونی، عمرو بن حمق خزاعی بھی تھے ان کے افسران حسب ذیل تھے۔

عبدالرحمان بن عدیس بلوی، کنانہ بن بشر سکونی، عروہ بن شییم کنانی لیثی، عمرو بن بدیل ورقاء خزاعی۔ ان سب کے سردار غافقی بن حرب مکی تھے اور محاصرہ کے دنوں میں لوگوں کو یہی نماز پڑھاتے تھے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں تینوں شہروں کی کل جماعتوں کے قائد اعظم عمرو بن بذیل خزاعی صحابی پیغمبرؐ اور عبدالرحمان بن عدیس بلوی تھے۔

مدینہ پہنچ کر یہ لوگ حضرت عثمان کے گھر آئے ۔مدینہ کے بعض مہاجرین وانصار بھی ان سے مل گئے مثلاً عمار بن یاسر (بدری) رفاعہ بن رافع انصاری (بدری) حجاج بن غزیہ صحابی، عامر بن بکیر (بدری) وغیرہ۔

نائلہ نے حضرت عثمان کے متعلق معاویہ کو جو خط لکھا تھا (جیسا کہ علامہ ابن عبدربہ صاحب عقد فرید نے روایت کی ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مصر نے اس معاملہ کا فیصلہ علی ابن ابی طالبؑ، محمد بن ابی بکر، عمار یاسر، طلحہ وزبیر کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا ان لوگوں نے حضرت عثمان کے قتل کا حکم دیا۔

ان لوگوں کی معیت میں قبائل سے قبیلہ خزاعہ، سعد بن بکر، ہذیل، جہنیہ ومزنیہ کے کچھ لوگ اور یثرب کے نبطی تھے یہ لوگ عثمان کے شدید مخالف تھے۔

کتاب الانساب اور عقد فرید میں سعید بن مسیب کی ایک روایت ہے کہ حضرت عثمان سے پہلے ہی کچھ ناگفتہ بہ باتیں عبداللہ بن مسعود، ابوذر اور عمار بن یاسر کے ساتھ پیش آچکی تھیں جس کی وجہ سے یہ تمام قبائل ان پر غضبناک تھے قبیلہ ہذیل و بنی زہرہ و بنی غفار ان کے حلیف ابوذر کی وجہ سے غضب ناک تھے اور بنومخزوم عمار یاسر کی وجہ سے۔

مسعودی لکھتے ہیں کہ دشمنان عثمان کے ساتھ بنوزہرہ بھی مل گئے تھے کیونکہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود کو مارا تھا اور عبداللہ بن مسعود بنی زہرہ کے حلیف تھے۔قبیلہ ہذیل والے بھی مل گئے تھے کیونکہ ابن مسعود اسی قبیلہ ہی کے تھے، بنومخزوم اور ان کے حلیف عمار کی وجہ سے مل گئے، قبیلہ غفار اور ان کے حلیف ابوذر کی وجہ سے مل گئے۔تیم بن مرہ، حضرت ابوبکر کا خاندان محمد بن ابی بکر کی وجہ سے مل گیا اس کے علاوہ اور لوگ بھی تھے جس کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں اور سب نے مل کر حضرت عثمان پر پہلی بار محاصرہ کیا۔ (طبقات ابن سعد طبع لیدن ج ر ۳، ص ر ۴۹، الانساب ج ر ۵، ص ر ۲۶، وص ر ۵۹، امامۃ وسیاسۃ ج ر ۱، ص ر ۳۴، معارف ابن قتیبہ ص ر ۸۴، تاریخ طبری ج ر ۵، ص ر ۱۱۶، مروج الذہب ج ر ۱، ص ر ۴۴۱، عقد فرید ج ر ۲، ص ر ۲۶۲، و ۲۶۳، و ۶۶۹، ریاض نضرہ ج ر ۲، ص ر ۱۲۳۔ ۱۲۴، کامل ابن اثیر ج ر ۳، ص ر ۲۶، تاریخ ابن خلدون ج ر ۲، ص ر ۳۹۳، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱، ص ر ۱۰۲، تاریخ ابن کثیر ج ر ۷، ص ر ۱۷۰ وص ر ۱۷۳۔ ۱۷۴، حیوۃ الحیوان دمیری ج ر ۱، ص ر ۵۳، اصابہ ج ر ۲، ص ر ۴۱۱، صواعق ص ر ۶۹، تاریخ الخلفاء ص ر ۱۰۶، تاریخ خمیس ج ر ۲، ص ر ۲۵۹)

مصروالون کا خط حضرت عثمان کے نام:

علامہ طبری عبداللہ بن زبیر کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ اہل مصر نے مقام سقیا یا ذی حشب نامی جگہ سے حضرت عثمان کو خط روانہ کیا ان کا ایک شخص خط لے کر خدمت عثمان میں پہنچا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ قاصد کو گھر سے نکلوا دیا، ان لوگوں نے لکھا تھا۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔ اما بعد! فاعلم ان الله لايغيرما بقوم حتیٰ يغيروا ما بانفسهم فالله الله ثم الله الله. فانك على دنيا فاستتم اليها معها آخرة. ولا نصيبك من الآخرة فلاتسوغ لك الدنيا واعلم انا والله لله۔ فغضب وفي الله نرضى وانا لن نضع سيوفنا عن هوا تقنا حتى تاتينا منك توبة مصرحة اوضلالة مبلجة. فهذه مقالتنا وقضيتنا اليك. والله عذيرنا منك والسلام۔ (طبری ج/۵، ص/۱۱۶)

جان لیجئے کہ خداوند عالم اس قوم کی حالت کبھی نہیں بدلتا جو خود اپنی حالت بدلنے پر تیار نہ ہو۔ ہم خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ خدا کا خیال کیجئے، آپ دنیا کے مالک ہیں آخرت بھی سمیٹ لیجئے اور آخرت کے حصے کو بھولئے نہیں کہ دنیا بھی آپ کے لیے ناسازگار ہو جائے۔

ہم اپنے کاندھوں سے اپنی تلواریں اس وقت تک نہ اتاریں گے۔ جب تک کھلے لفظوں میں آپ کی توبہ ہمیں نہ معلوم ہو جائے یا صاف صاف گمراہی ہی نہ واضح ہو جائے۔ ہماری یہی عرضداشت ہے اور آپ سے یہی کہنا ہے۔ والسلام۔

حضرت عثمان کا عہدو پیمان:

بلاذری ابومخنف سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''مصر کے لوگ مدینہ پہنچے اور سبھوں نے پہلی مرتبہ عثمان کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ مغیرہ بن شعبہ حضرت عثمان کے پاس پہنچے کہا کہ ذرا مجھے ان لوگوں کے پاس جا کر گفتگو کرنے دیجئے۔ چنانچہ وہ مصر والوں کے سامنے پہنچے، جب وہ ان کے قریب پہنچے تو ان لوگوں نے چیخ کر کہا، اوکانے واپس جا۔'' او بدکار واپس جا'' مغیرہ الٹے پیروں واپس آگئے۔ حضرت عثمان نے عمرو عاص کو بلا کر کہا کہ ذرا تم جا کر انہیں سمجھاؤ اور انہیں اطمینان دلادو کہ اب کتاب خدا پر عمل کیا جائے گا اور ان کی تمام شکایتیں دور کردی جائیں گی۔ عمرو عاص مصر والوں کے سامنے آئے، قریب پہنچ کر سلام کیا۔ مصر والوں نے کہا خدا تجھے سلامتی نہ دے۔ پلٹ جا اے دشمن خدا واپس ہو اے بدکار عورت کے فرزند تم ہمارے نزدیک امین ہو نہ مامون۔

عبداللہ بن عمر نے عثمان سے کہا مصر والوں کو علیؑ ہی سمجھا سکیں گے۔ چنانچہ حضرت علیؑ بلائے گئے۔ عثمان نے کہا اے ابوالحسنؑ ذرا آپ جا کر انہیں سمجھائیے اور کتاب خدا اور سنت پیغمبرؐ کی دعوت دیجئے۔ حضرت علیؑ نے کہا میں جانے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ آپ عہد و پیمان کیجئے کہ میں مصر والوں کو جن باتوں کا اطمینان دلاؤں اور آپ کی طرف سے ضمانت کرلوں، آپ انہیں ضرور پورا کریں گے۔ عثمان نے کہا میں تیار ہوں، چنانچہ حضرت علیؑ نے ان سے بہت سخت قسم کا عہد و پیمان لیا اور مصر

والوں کے سامنے پہنچے،مصر والوں نے کہا واپس جائیے۔علیؑ نے کہا نہیں میں تمہارے پاس آ کے رہوں گا۔تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ کتاب خدا کے مطابق تمہارے معاملات طے کئے جائیں گے اور تمہاری شکایتیں دور کر دی جائیں گی۔ چنانچہ حضرت عثمان نے جن جن باتوں کا وعدہ کیا تھا سب آپ نے ان سے بیان کر دیا۔ان لوگوں نے پوچھا آپ ضمانت لیتے ہیں۔حضرت علیؑ نے فرمایا ہاں ان لوگوں نے کہا تب ہم راضی ہیں۔اس کے بعد مصر کے معززین واشراف حضرت علیؑ کے پاس آئے اور ان کی معیت میں حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی شکایتیں پیش کیں،انہوں نے وعدہ کیا کہ سب شکایتیں دور کر دی جائیں گی۔ان لوگوں نے کہا ایک نوشتہ اس کے متعلق لکھ دیجئے چنانچہ حضرت عثمان نے نوشتہ لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ھذا کتاب من عبداللہ عثمان امیر المومنین لمن نقم علیہ من المومنین والمسلمین ان لکم ان اعمل فیکم بکتاب اللہ وسنۃ نبیہ،یعطی المحروم ویومن الخائف ویرد المنفی ولا تجمرد البعوث ویوفر الفی وعلی بن ابی طالب ضمین المومنین والمسلمین علی عثمان بالوفاء فی ھذا الکتاب۔

یہ نوشتہ ہے خدا کے بندے اور مومنین کے امیر عثمان کی طرف سے ان مسلمانوں اور مومنین کے لیے جو ان سے ناراض ہیں کہ ہم تم میں کتاب خدا اور سنت پیغمبرؐ کے مطابق حکومت کریں گے جن لوگوں کے وظائف روک لئے گئے تھے پھر جاری کر دیئے جائیں گے جو لوگ خائف تھے انہیں اطمینان دلایا جاتا ہے۔جلاوطن اشخاص کو واپس بلا لیا جائے گا۔سپاہیوں کو محاذ جنگ پر روک کر نہ رکھا جائے گا،خراج کی کمی کر دی جائے گی عثمان کی طرف سے اس عہد نامہ کی پابندی کے ضامن علی بن ابی طالبؑ ہیں۔"

اس نوشتہ پر زبیر،طلحہ،سعد ابن ابی وقاص،عبداللہ بن عمر،زید بن ثابت،سہیل بن حنیف،ابوایوب،خالد بن زید نے بطور گواہ دستخط کئے۔ایک ایک کاپی عہد نامہ کی ہر گروہ لے کر اپنے اپنے وطن واپس گیا۔

حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے عثمان سے کہا بہتر یہ ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے آئیے اور ایک تقریر کیجئے جسے سب سنیں اور اپنے اپنے وطن پہنچ کر دوسروں کو سنائیں اور اپنے خلوص قلب پر خدا کو گواہ بنائیے کہ تمام اسلامی ممالک آپ سے برگشتہ ہو چکے ہیں،کل کلاں کو ایسا نہ ہو کہ کوفہ یا بصرہ یا مصر سے دوسرا گروہ پہنچے اور آپ مجھ سے کہیں کہ جا کر انہیں سمجھاؤ اور میں عذر کروں تو آپ کہیں کہ تم نے رشتہ داری کا خیال نہ کیا اور میرے حقوق کو سبک سمجھا،اس فہمائش پر حضرت عثمان نے لوگوں کے سامنے آ کر تقریر کی جس میں اپنی کوتاہیوں کا اقرار کیا اور ان کے متعلق توبہ واستغفار کی اور کہا کہ میں نے پیغمبرؐ خدا کو ارشاد فرماتے سنا ہے من زل فلیتب جو شخص لغزش کرے وہ تائب ہو۔میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے نصیحت قبول کی جب میں اپنے گھر پہنچوں

تو تمہارے معززین ہمارے پاس آئیں اور اپنے مشورے دیں، خدا کی قسم اگر کوئی غلام بھی مجھے حق کی طرف لوٹا دے تو میں اس کی پیروی کروں گا۔ خدا سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا۔" اس تقریر سے حاضرین بہت مسرور ہوئے اور جیسا کہ حضرت عثمان نے اپنی تقریر میں لوگوں کو اجازت دی تھی۔ خوش خوش ان کے دروازے پر پہنچے وہاں مروان باہر نکلا، اور اس نے مجمع کو ایک جھاڑ بتائی کہا کہ تمہارا منہ کالا ہو، یہ کیسا تم لوگوں نے مجمع لگا رکھا ہے امیر المومنین کو تم سے ملنے کی فرصت نہیں۔ انہیں جس سے ملنا ہوگا خود بلا لیں گے۔ وہ لوگ شرمندہ و نادم ہو کر واپس چلے آئے۔ حضرت علیؑ کو بھی اس واقعہ کی خبر ملی آپ غصہ میں بھرے ہوئے عثمان کے پاس آئے اور فرمایا کہ "کیا آپ مروان سے جبھی خوش ہوں گے اور وہ آپ سے اسی وقت راضی ہوگا جب وہ آپ کا دین فاسد اور آپ کو عقل سے کورا بنا دے میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ آپ کو ہلاکت میں جا گرائے گا اور پلٹ کر خبر بھی نہ لے گا۔ آج کے بعد پھر میں کچھ کہنے سننے کے لیے نہیں آؤں گا۔"

نائلہ بنت فرافصہ عثمان کی بیوی نے کہا "مروان کے متعلق آپ نے علیؑ کا قول سن لیا وہ آپ کو جتا گئے ہیں کہ پھر آپ کے پاس نہیں آئیں گے۔ آپ نے ہر بات میں مروان کی اطاعت کی حالانکہ مروان کی نہ تو کوئی پوزیشن ہے۔ نہ لوگوں کے دلوں پر اس کا کوئی رعب و داب، اس پر حضرت عثمان نے پھر علیؑ کے پاس آدمی بھیجا مگر وہ نہیں آئے۔ (کتاب الانساب بلاذری ج/ ۵، ص/ ۶۲)

علامہ ابن سعد نے ابوعون کے واسطہ سے روایت کی ہے۔ ابوعون کا بیان ہے کہ میں نے عبدالرحمان ابن اسود بن عبد یغوث کو مروان کا ذکر کرتے سنا انہوں نے کہا خدا غارت کرے مروان کو عثمان مجمع کے سامنے آئے اور ان کے مطالبے مان لئے اور منبر پر اتنا روئے کہ آنسوؤں کا تار بندھ گیا مگر مروان انہیں برابر بہکاتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کے خیالات بدل دئیے۔ میں حضرت علیؑ کے پاس آیا وہ قبر رسولؐ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ ان کے پاس عمار یاسر اور محمد بن ابی بکر بیٹھے تھے ان دونوں نے مجھ سے پوچھا کیا واقعی مروان نے ایسا کیا میں نے کہا ہاں۔" (طبری و ابن اثیر نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے، حیوٰۃ الحیوان ج/ ۱، ص/ ۵۳ پر بھی یہ روایت موجود ہے۔)

توبہ عثمانی کی دوسری تفصیل:

طبری نے روایت کی ہے کہ مصر والوں کی واپسی کے بعد حضرت علیؑ عثمان کے پاس آئے اور فرمایا کہ آپ ایک تقریر کیجئے جسے سب سن لیں آپ کی توبہ و ندامت کے لوگ بھی شاہد ہو جائیں اور خدا بھی گواہ ہو کیونکہ تمام اسلامی ممالک آپ سے برگشتہ ہو چکے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں پھر کوفہ یا بصرہ سے دوسرے قافلے نہ آدھمکیں۔ اور آپ مجھے بلا کر انہیں سمجھانے کے لیے

بھیجنا چاہیں ۔میں نہ جاسکوں اور آپ خیال کریں کہ میں نے آپ کا پاس نہ کیا۔آپ کے حق میں کمی کی۔

اس پر حضرت عثمان مجمع عام کے سامنے آئے اور وہ تقریر فرمائی جس میں اپنی ندامت وشرمندگی کا اظہار کیا تھا حمدوثنائے الٰہی کے بعد آپ نے فرمایا''اے لوگو!تم نے مجھے جس بات کا عیب لگایا ہے اس سے میں ناواقف نہیں اور جو باتیں مجھ سے سرزد ہوچکیں ان سے بھی آگاہ ہوں لیکن کیا کروں میرے نفس نے مجھے جھوٹی تمناؤں میں الجھایا۔میری سمجھ جاتی رہی میں نے رسول خداؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ من زل فلیتب اگر کسی سے لغزش ہوجائے تو وہ تلافی کرے اور جس سے خطا سرزد ہو تو وہ توبہ کرے اور ہلاکت میں ڈوبا نہ رہے وہ شخص جو ظلم وجور میں غرق ہوگا وہ جادۂ مستقیم سے کوسوں دور ہوگا میں پہلا شخص ہوں جس نے نصیحت سنی اور قبول کی میں جو کچھ کرچکا ہوں اس سے استغفار کرتا ہوں اور خدا سے توبہ کرتا ہوں۔میرے ہی ایسے شخص کو شرمندہ وتائب ہونا چاہیئے۔جب میں گھر واپس جاؤں تو تمہارے معززین میرے پاس آئیں اپنے مشورے دیں خدا کی قسم اگر ایک غلام بھی مجھے حق کی طرف لوٹائے تو میں اس غلام کی پیروی کرنے پر تیار ہوں۔غلاموں کی طرح ذلیل بننے پر آمادہ ہوں، میں اس غلام کی طرح بن جاؤں گا جسے اگر غلامی میں رکھا جائے تو وہ صبر سے کام لے اگر آزاد کردیا جائے تو شکر کرے خدا سے کوئی بھاگ کر کہاں جاسکتا ہے۔تمہارے بھلے لوگ میرے قریب آنے میں عاجزی نہ کریں اگر میرے داہنے ہاتھ نے گریز کیا ہے تو بایاں ہاتھ ضرور پیروی کرے گا۔

حضرت عثمان کی اس تقریر کا بڑا اثر ہوا وہ خود بھی روئے اور انہیں روتے دیکھ دوسرے بھی آبدیدہ ہوگئے حضرت عثمان تقریر کے بعد گھر پہنچے وہاں دیکھا کہ مروان،سعید بن عاص اور بنی امیہ کے کچھ اور لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔یہ لوگ تقریر میں موجود نہیں تھے جب عثمان بیٹھ گئے تو مروان نے پوچھا حضور میں کچھ کہوں یا خاموش رہوں، نائلہ زوجہ عثمان نے کہا نہیں تم خاموش ہی رہو۔خدا کی قسم مصر والے ان کی جان لے کے رہیں گے اور بچوں کو ان کے یتیم بنا کے رہیں گے انہوں نے ایسے عہدوپیمان کیئے ہیں جس سے پھرنا کسی طرح مناسب نہیں۔''مروان نے کہا تمہیں اس سے کیا سروکار خدا کی قسم تمہارا باپ مرگیا اور اسے اچھی طرح وضو کرنا بھی نہیں آتا تھا نائلہ نے کہا چپ رہو،باپ دادا کے ذکر کو جانے دو میرا باپ یہاں موجود نہیں اور تم اس پر جھوٹی تہمت باندھتے ہو تمہارا باپ بھی ہوتا تو وہ ان (عثمان) کی جان نہیں بچا سکتا۔خدا کی قسم اگر تمہارا باپ (عثمان) کا چچا نہ ہوتا اور اس کے متعلق کہنا سننا ان کی آزردگی کا باعث نہ ہوتا تو میں تمہارے باپ کا وہ کچا چھٹا سناتی کہ تم جھٹلا نہیں سکتے اس پر مروان خاموش ہوگیا۔پھر اس نے عثمان سے پوچھا سرکار کچھ بولوں یا خاموش رہوں۔

حضرت عثمان۔کہو کیا کہتے ہو؟

مروان ۔حضور خدا کی قسم اگر آپ کی یہ تقریر اس وقت ہوتی جب آپ ہر طرح محفوظ و مطمئن ہوتے تو سب سے پہلے میں اس پر راضی ہوتا لیکن آپ نے یہ تقریر تو اس وقت کی ہے جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اور نوبت انتہا کو پہنچ چکی ہے ۔خدا کی قسم خطا پر جمے رہنا اور دل میں استغفار کر لینا کہیں مناسب و بہتر ہے اس توبہ سے جس میں طرح طرح کے اندیشے ہوں ۔اگر ایسا ہی تھا تو آپ توبہ کر لیتے مگر اپنی خطا کا اقرار نہ کرتے، حالت یہ ہے کہ اس وقت آپ کے دروازے پر لوگوں کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں ۔

حضرت عثمان ۔تو جاؤ ان سے گفتگو کرو مجھے تو اب ان سے گفتگو میں شرم آتی ہے ۔

یہ اجازت پا کر مروان دروازہ پر آیا لوگ ایک دوسرے پر چڑھے پڑتے تھے، مروان نے پوچھا یہ کیسی بھیڑ تم لوگوں نے لگا رکھی ہے معلوم ہوتا ہے جیسے تم لوگ گھر لوٹنے آئے ہو ۔تمہارا منہ کالا ہو، تم یہ ارادہ کر کے آئے ہو کہ ہماری حکومت ہم سے چھین لو ۔خدا کی قسم اگر تم نے ہمارے ساتھ برائی کا ارادہ کیا تو ہم بھی وہ سلوک کریں گے کہ یاد رکھو گے ۔اور پچھتاؤ گے ۔جاؤ اپنے گھروں کو جاؤ ۔ہم اپنے اختیارات پر کسی غلبہ کو ہرگز برداشت نہ کریں گے ۔یہ سن کر لوگ اپنا اپنا سامان لے کر لوٹ آئے کچھ لوگ نے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا کہہ سنایا، حضرت علیؑ غصہ میں بھرے ہوئے عثمان کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ آپ مروان سے جبھی خوش ہوں گے اور وہ آپ سے تب ہی راضی ہوگا جب وہ آپ کو دین سے برگشتہ اور عقل سے کنارہ کش بنا دے بلکہ سدھے اور کمزور اونٹ کی طرح جہاں چاہے لے جائے خدا کی قسم یہ مروان نہ تو اپنے دین ہی میں سوچنے کی صلاحیت رکھتا ہے نہ اپنے نفس ہی کے متعلق یہ آپ کو ایسے مصائب میں مبتلا کر دے گا جس سے وہ نکالنے پر قادر نہ ہوگا ۔آج کے دن کے بعد کبھی میں آپ سے شکوہ شکایت کرنے نہیں آؤں گا آپ نے اپنی عزت خاک میں ملا دی اور بالکل کٹھ پتلی بن کر رہ گئے ہیں ۔"

علیؑ کے جانے کے بعد نائلہ زوجہ عثمان آئی پوچھا کہ کچھ بولوں یا خاموش رہوں عثمان نے کہا کہو ۔نائلہ نے کہا آپ سے علیؑ نے جو کہا وہ آپ نے سنا ہوگا اور یہ بھی کہ وہ اب پھر آپ کے پاس نہ آئیں گے آپ نے ہر بات میں مروان کی اطاعت کی وہ جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے، عثمان نے کہا تو اب میں کیا کروں ۔نائلہ نے کہا خدائے وحدہٗ لاشریک سے ڈریئے ۔آپ سے پہلے جو گذر گئے ابوبکر و عمر ان کی پیروی کیجئے کیونکہ اگر آپ مروان کی اطاعت کریں گے تو آپ کو قتل کرا کے رہے گا، لوگوں کی نگاہوں میں نہ تو مروان کی کوئی قدر و منزلت ہے نہ رعب و داب نہ محبت و الفت اسی مروان ہی کی وجہ سے لوگ آپ سے بیزار ہیں، آپ علیؑ کے پاس کسی کو بھیجئے ان سے مصالحت کیجئے وہ آپ کے قرابت دار بھی ہیں اور ان کی بات کوئی ٹالتا بھی نہیں ۔عثمان نے علیؑ کے پاس آدمی بھیجا مگر انہوں نے آنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اب پلٹ کر دوبارہ

نہیں آؤں گا۔ مروان کو نائلہ کی ان باتوں کی خبر ملی وہ حضرت عثمان کے پاس آیا اور پوچھا کہ میں کچھ کہوں یا خاموش رہوں۔ عثمان نے کہا کہو۔ مروان نے کہا یہ (نائلہ) فرافصہ کی بیٹی! عثمان نے کہا اس کے متعلق ایک لفظ بھی برا نہ کہو کہ مجھ سے بھی تمہیں کچھ سننا پڑے۔ خدا کی قسم وہ تم سے زیادہ میری خیر خواہ ہے اس پر مروان چپ ہو گیا۔

(کتاب الانساب بلاذری ج ر ۵ ص ر ۶۴، ۶۵، تاریخ طبری ج ر ۵ ص ر ۱۱۱، کامل ج ر ۳ ص ر ۶۸، تاریخ ابن کثیر ج ر ۷ ص ر ۱۷۲، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱ ص ر ۱۶۳۔ ۱۶۴، تاریخ ابن خلدون ج ر ۲ ص ر ۲۹۶۔ ۲۹۷)

عہد شکنی اور پھر دوبارہ عہدو پیمان

طبری نے عبداللہ بن زبیر سے روایت کی ہے کہ باشندگان مدینہ نے عثمان کو خط لکھا جس میں ان سے توبہ کرنے کو کہا تھا ان پر الزامات لگائے تھے اور خدا کی قسم کھائی تھی کہ انہیں بغیر قتل کئے نہ چھوڑیں گے۔ یا خدا کی طرف سے ان پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں پورا کریں۔ جب انہیں اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہو گیا تو انہوں نے اپنے خیر خواہوں اور عزیزوں سے مشورہ لیا کہا کہ لوگوں کا جو برتاؤ ہے اسے تم دیکھ رہے ہو۔ اب بتاؤ کیا کیا جائے۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ علیؑ کے پاس کسی کو بھیجئے اور درخواست کیجئے کہ وہ ان لوگوں کو واپس کر دیں اور جن باتوں کو وہ چاہتے ہیں ان کا وعدہ کر کے انہیں کچھ دنوں کے لیے ٹال دیں جب تک مدد آجائے گی حضرت علیؑ نے کہا۔ یہ لوگ بہانہ بازیوں میں آنے والے نہیں یہ کوئی بات طے کر چکے ہیں پہلی مرتبہ جب یہ آئے تھے اور ہم نے جن دقتوں سے انہیں راضی کیا وہ معلوم ہے میں اگر ان سے کسی چیز کا وعدہ کروں گا تو اس کے پورا کرنے کا مجھی سے تقاضہ کریں گے۔

مروان نے کہا حضور جب تک یہ ٹل سکیں انہیں ٹالئے اور جو کچھ کہیں مان لیجئے۔ یہ لوگ باغی ہیں ان سے کیسا عہدو پیمان اور کیا ضروری اس کی تکمیل؟

عثمان نے علیؑ کو بلا بھیجا جب وہ آئے تو کہا اے ابوالحسنؑ ان لوگوں کی یورش دیکھ رہے ہیں اور مجھ سے جو فروگذاشتیں ہو چکیں وہ بھی آپ کو معلوم ہیں مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے، انہیں واپس کر دیجئے۔ خدا کو ضامن بنا کے کہتا ہوں کہ میں ان کی تمام شکایتوں کی تلافی کر دوں گا اور ان کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں انہیں پورا کروں گا چاہے اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا لوگ آپ کے عدل وانصاف کے زیادہ محتاج ہیں، بہ نسبت آپ کی جان کے، مجھے یقین ہے کہ جب تک ان کی پوری شکایتیں دور نہ کر دی جائیں گی یہ راضی نہ ہوں گے اور اسی وعدہ پر میں نے انہیں واپس کر دیا تھا مگر آپ نے کوئی وعدہ بھی پورا نہ کیا نہ ان کی کسی ایک شکایت کی بھی تلافی کی اب آپ مجھے دھوکہ نہ دیجئے گا،

یں پھر جا کر انہیں اطمینان دلاتا ہوں اور آپ کی طرف سے تمام شکایات کے ازالہ کا وعدہ کئے دیتا ہوں۔حضرت عثمان نے کہا ہاں آپ ضرور ایسا کریں خدا کی قسم اب میں ضرور تمام وعدوں کو پورا کروں گا۔

حضرت علیؑ باہر نکلے فرمایا لوگو! تم نے حق کا مطالبہ کیا تھا وہ اب تمہیں دیا جا رہا ہے عثمان نے وعدہ کیا ہے کہ تمہارے ساتھ انصاف اور تمہاری تمام شکایتوں کی تلافی کریں گے اور جن باتوں سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے ان سے باز رہیں گے تم ان کے وعدوں کو قبول کرو اور ان سے بات کر کے اپنا اطمینان کرلو۔لوگوں نے کہا ہمیں منظور ہے آپ ان سے بات پختہ کر دیں خدا کی قسم ہم زبانی باتوں پر راضی نہیں جب تک ان پر عمل بھی نہ ہو۔حضرت علیؑ نے کہا یہ اطمینان کر لینے کا تمہیں حق حاصل ہے اس کے بعد حضرت عثمان کے پاس آئے۔انہیں ساری روئداد کہہ سنائی حضرت عثمان نے کہا ان سے میرے لیے تھوڑی مہلت لے لیجیے کیونکہ ایک ہی دن میں ان کی کل شکایتوں کی تلافی میرے بس کی بات نہیں۔علیؑ نے کہا مدینہ کے رہنے والوں کے لیے تو مہلت کی ضرورت نہیں آج ہی سے ان کے شکایات کی تلافی ہونی چاہئے البتہ باہر کے لوگوں کے لیے اس وقت تک آپ کو مہلت ہے جب تک انہیں آپ کے اس عہدو پیمان کی خبر پہنچے۔حضرت عثمان نے کہا ہاں ٹھیک ہے لیکن مدینہ والوں سے کم سے کم تین دن کی مہلت لے لیجیے۔علیؑ نے کہا اچھی بات ہے۔آپ نے باہر نکل کر لوگوں کو آگاہ کیا پھر آپ نے حضرت عثمان اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ تحریر کیا اور اس میں تین دن کی مہلت دی تھی اس عہد نامہ کی موٹی موٹی باتیں یہ تھیں کہ عثمان ہر ظلم وزیادتی کی تلافی کریں گے۔جن جن عاملوں کو مسلمان ناپسند کرتے ہیں انہیں معزول کر دیں گے۔اس عہد نامہ پر سخت سے سخت عہدو پیمان حضرت عثمان سے لیا گیا اور اکابر مہاجرین وانصار نے اپنی گواہیاں بنائیں۔مسلمانوں نے محاصرہ ختم کر دیا اور واپس ہو گئے تا کہ حضرت عثمان سے جو عہدو پیمان کئے ہیں انہیں پورا کرسکیں مگر حضرت عثمان نے اس تین دن کی مہلت سے فائدہ اٹھا کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔اسلحے فراہم کئے جانے لگے۔مال خمس میں جو غلام حاصل ہوئے تھے انہیں اسلحوں سے آراستہ کر کے ایک بڑا لشکر کرلیا گیا جب تین دن گذر گئے اور حضرت عثمان جیسے تھے ویسے ہی رہے۔لوگوں کی ایک شکایت بھی دور نہ کی۔ایک عامل بھی معزول نہ کیا تو اب لوگ بپھر گئے۔عمرو بن حزم مصریوں کے پاس جو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مقام ذی حشب میں مقیم تھے آئے اور انہیں صورت حال کی خبر دی اور انہیں لے کر پھر مدینہ پلٹے۔مصر والوں نے حضرت عثمان کے پاس کہلایا کہ ہم آپ کے اس وعدہ پر واپس ہوئے تھے کہ آپ اپنی حرکات سے باز آئیں گے اور ہم جن باتوں سے رنجیدہ ہیں ان سے پرہیز کریں گے۔اس پر آپ نے سخت و شدید قسم کے عہدو پیمان کئے تھے حضرت عثمان نے جواب دیا ہاں میں اب بھی اس عہد پر قائم ہوں مصر والوں نے کہا تو پھر یہ خط کیسا ہے جیسے ہم نے آپ کے قاصد سے حاصل کیا ہے؟

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۱۶، کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۷۱۔۷۲، شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۱۶۶)

بدترین سیاست:

جس وقت حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے مصر والوں کو سمجھا بجھا کر اپنے اپنے گھروں کو پلٹا دیا اور خود مدینہ واپس ہوئے تو آپ حضرت عثمان کے پاس آئے انہیں اطمینان دلایا کہ وہ لوگ واپس چلے گئے وہ دن خیریت سے گذرا دوسری صبح کو مروان حضرت عثمان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آپ مجمع عام میں تقریر کیجئے اور لوگوں کو بتائیے کہ مصر والوں کو اپنے خلیفہ کے متعلق غلط سلط خبریں ملی تھیں جب مصر والوں کو یقین ہوگیا کہ سب جھوٹی خبریں تھیں تو وہ اپنا منھ لے کر واپس چلے گئے۔ آپ کی یہ تقریر بہت جلد شہروں میں مشتہر ہو جائے گی اور دوسرے مخالفین اپنی جگہ چپکے ہو بیٹھیں گے حضرت عثمان نے ایسی تقریر کرنے سے انکار کیا مگر مروان برابر اصرار کرتا رہا آخر حضرت عثمان باہر نکلے اور منبر پر جا کر تقریر کی اور کہا: ''یہ مصر والے انہیں اپنے امام کے متعلق کچھ غلط سلط خبریں ملی تھیں۔ یہاں آ کر جب انہیں اچھی طرح یقین ہوگیا کہ انہوں نے غلط خبریں سنی تھیں تو اپنے شہروں کو واپس چلے گئے جیسے ہی یہ فقرہ زبان سے نکلا ہر طرف سے یہ آوازیں آنے لگیں۔ عثمان خدا سے ڈرو اور توبہ کرو۔ سب سے پیش پیش عمرو عاص تھا اس نے کہا خدا سے ڈرو اے عثمان تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دوسری فصل

دوبارہ محاصرہ

علامہ بلاذری نے ابومخنف کے واسطے سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان کے عہد نامہ لکھنے کے بعد جب مصر والے مدینہ سے رخصت ہو گئے اور کچھ منزلیں بھی انہوں نے طے کر لیں تو راستہ میں انہیں ایک سوار ملا جوان کے پیچھے پیچھے چلا آرہا تھا اس کا رخ بھی مصر کی طرف تھا ان لوگوں نے اس سے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے کہا میں خلیفہ کا پیغام لے کر گورنر مصر عبداللہ بن سعد کے پاس جارہا ہوں۔ میں حضرت عثمان کا غلام ہوں، بعض لوگوں نے کہا کیا اچھا ہوتا کہ ہم اس کی تلاشی لیتے۔ ممکن ہے حضرت عثمان نے ہم لوگوں کے متعلق کچھ لکھا ہو۔ چنانچہ تلاشی لی گئی مگر کوئی خط نہ ملا۔ کسی نے کہا جانے دو۔ اس کے پاس کچھ نہیں مگر کنانہ بن بشر نے کہا اس کے پانی کا برتن دیکھنا باقی ہے وہ بھی دیکھ لینا چاہئے لوگوں نے کہا بھلا پانی کے برتن میں خط رکھا جاسکتا ہے؟ بشر نے کہا لوگ بڑی بڑی چالیں چلتے ہیں چنانچہ پانی کا برتن کھولا گیا اس میں ایک سر بمہر شیشی نکلی اس میں ایک خط اس مضمون کا تھا۔

"جب تمہارے پاس عمرو بن بدیل پہنچے تو فوراً اس کی گردن اڑا دو۔ ابن عدیس، کنانہ اور عروہ کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالو۔ اور انہیں خون میں لوٹنے کے لیے چھوڑ دو کہ اسی طرح لوٹ کر مر جائیں۔ پھر انہیں درخت خرمہ کے تنوں سے باندھ دو۔"

کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان کی لاعلمی میں یہ خط مروان نے لکھا تھا جب ان لوگوں نے پڑھا تو کہنے لگے اب عثمان کا خون حلال ہے اور الٹے پیروں مدینہ واپس پلٹے مدینہ پہنچ کر حضرت علیؑ سے ملے اور انہیں خط دکھایا۔ حضرت علیؑ خط لئے ہوئے عثمان کے پاس آئے انہوں نے قسم کھائی کہ نہ تو میں نے لکھا ہے نہ مجھے معلوم کہ کس نے یہ حرکت کی ہے۔ حرف تو میرے کاتب کا ہے مہر میری ہے۔ علیؑ نے پوچھا تو آپ کا کس پر شک ہے۔ عثمان نے کہا میرا شک آپ پر ہے اور اپنے کاتب پر ہے اس پر حضرت علیؑ غصہ میں بھرے ہوئے یہ کہتے ہوئے نکلے۔ بلکہ یہ آپ ہی کی حرکت ہے۔

ابومخنف کہتا ہے کہ حضرت عثمان کی مہر پہلے حمران کے پاس رہا کرتی جب حمران بصرہ کو نکالا گیا تو اس سے مروان نے لے لی تھی۔

مصر والوں نے آ کر حضرت عثمان کا گھر گھیر لیا۔ حضرت عثمان جب سامنے آئے تو انہوں نے پوچھا اے عثمان یہ آپ کا خط ہے انہوں نے انکار کیا اور قسم کھائی کہ میرا نہیں۔ مصر والوں نے کہا تو یہ اور برا ہے، آپ کی طرف سے خط لکھا جائے آپ کی

مہر لگائی جائے اور آپ کو پتہ نہ ہو۔ آپ ایسے شخص کو خلیفۃ المسلمین ہونا ہرگز روا نہیں۔ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیے۔ عثمان نے کہا جو لباس خدا نے مجھے پہنایا ہے میں اسے اتارنے کا نہیں۔

بنو امیہ نے حضرت علیؑ سے کہا آپؑ ہی نے ہماری حکومت کو درہم برہم کیا ہے اور لوگوں کو مخالفت پر ابھارا ہے۔ آپؑ نے فرمایا۔ نادانو! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھے اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں، میں نے کئی مرتبہ مصر والوں کو سمجھا بجھا کر واپس کیا اور بگڑی ہوئی بات بنائی بھلا اس سازش سے میرا کیا تعلق۔ آپ یہ کہتے ہوئے گھر واپس گئے کہ خداوندا یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں۔ میں بالکل بری ہوں اور عثمان اگر قتل ہوئے تو ان کے خون سے میرا دامن بالکل پاک ہوگا۔

اس محاصرہ کے زمانہ میں حضرت عثمان نے ایک فرمان جاری کیا جسے ابن زبیر نے لوگوں کو پڑھ کر سنایا۔ اس میں عثمان نے لکھا تھا۔

''خدا کی قسم میں نے یہ خط نہیں لکھا نہ میں نے لکھنے کا حکم دیا نہ مجھے اس قصہ کی خبر ہی ہے۔ وعدہ کیا جاتا ہے کہ تمہاری تمام شکایتیں دور کی جائیں گی۔ جسے تم چاہو مصر کا گورنر بنالو۔ یہ بیت المال کی کنجیاں ہیں۔ جس کے حوالے کرنا چاہو کر دو۔''

مصر والوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کو خلافت کے لائق نہیں سمجھتے آپ الگ ہو جائیے۔

دوسری تفصیل:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان خلیفہ مقرر ہوئے تو ان کی حکومت بہت سے صحابہ رسولؐ کو ناگوار گذری کیونکہ وہ اپنے خاندان والوں کو بہت محبوب رکھتے تھے، انہوں نے بارہ برس حکومت کی، اس عرصہ میں انہوں نے زیادہ تر بنی امیہ کے ایسے افراد کو عامل مقرر کیا جنہیں پیغمبرؐ کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا ان کے مقرر کردہ حکام ایسی حرکتیں کرتے رہتے جو اصحاب کو ناگوار گذرتیں۔ حضرت عثمان سے اس امر کی شکایت کی جاتی مگر وہ ان حکام کو معزول نہیں کرتے آخری زمانہ خلافت میں انہوں نے اپنے خاندان والوں کو بہت سر چڑھالیا اور ہر جگہ انہیں کو حاکم مقرر کیا۔ انہیں لوگوں میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔ چند برس اس نے حکومت کی ہوگی کہ مصر والے اس کی شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس پہنچے اور اس کے مظالم کی فریاد کی۔ اس سے پہلے حضرت عثمان عبداللہ بن مسعود، ابوذر، عمار یاسر کے ساتھ بہت کچھ بدسلوکی کر چکے تھے جس کی وجہ سے قبائل ہذیل، بنی زہرہ، بنی غفار اور ان کے حلیف ابوذر کی ہمدردی میں غضبناک تھے، بنو مخزوم عمار کی وجہ سے برہم تھے۔ جب اہل مصر نے ابن ابی سرح کی شکایت کی تو حضرت عثمان نے اسے خفگی سے بھرے خطوط لکھے مگر اس نے کوئی پرواہ نہ کی بلکہ اس کی جسارتیں اور زیادہ ترقی پذیر رہیں، جو لوگ شکایت لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے تھے

انہیں مارا پیٹا ایک شخص کو قتل بھی کر ڈالا۔ مصر والے سات سو کی تعداد میں مدینہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر مسجد میں اترے وہاں اصحاب پیغمبرؐ سے اوقات نماز میں انہوں نے ابن ابی سرح کی زیادتیوں کی شکایت کی۔ طلحہ نے حضرت عثمان سے اس معاملہ میں سخت لہجہ میں گفتگو کی۔ جناب عائشہ نے بھی عثمان کے پاس کہلا بھیجا کہ مصر والوں کے معاملہ میں انصاف سے کام لیا جائے۔ حضرت علیؑ مصر والوں کے ترجمان بن کر حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا یہ لوگ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ابن ابی سرح کو ہٹا کر دوسرے کو عامل مقرر کر دیجئے۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے ایک آدمی کے بے گناہ قتل کئے جانے کی فریاد کی تھی۔ آپ ابن ابی سرح کو معزول کر دیجئے اور ان کے مقدمہ کا فیصلہ کیجئے اگر ابن ابی سرح کی زیادتی ثابت ہو تو اس سے قصاص لے کر ان کے ساتھ انصاف کیجئے۔ عثمان نے محمد ابن ابی بکر کو بلا کر مصر کی گورنری کا پروانہ لکھ دیا اور ان کے ساتھ مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کر دی کہ مصر جائیں اور وہاں جا کر ابن ابی سرح کی زیادتیوں کی تحقیقات کریں۔ یہ سب لوگ مدینہ سے روانہ ہوئے تین منزلیں طے ہوئی تھیں کہ ان لوگوں کو ایک حبشی غلام ملا جو اونٹ پر بیٹھا تیزی سے اسے بھگاتا ہوا لے جا رہا تھا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی کا پیچھا کر رہا ہے یا اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ محمد بن ابی بکر کے رفقاء نے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ غلام نے کہا میں امیر المومنین (عثمان) کا غلام ہوں کبھی کہا میں مروان کا غلام ہوں گورنر مصر ابن ابی سرح کے پاس پیغام لے کر جا رہا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی خط بھی ہے۔ اس نے کہا نہیں، اس پر لوگوں نے اس کی تلاشی لی۔ بڑی چھان بین کے بعد ایک خط ملا جو حضرت عثمان کی طرف سے والی مصر کے نام تھا محمد نے اپنے ساتھ کے مہاجرین وانصار اور مصر والوں کو جمع کر کے لفافہ چاک کیا پڑھا تو اس میں یہ مضمون درج تھا۔

"جب محمد بن ابی بکر اور فلاں فلاں تمہارے پاس پہنچیں تو کسی بہانہ سے انہیں قتل کر ڈالو۔ محمد جو خط لے کر پہنچیں اسے منسوخ سمجھو، اپنی حکومت پر جمے رہو۔ جب تک کہ میرا دوسرا خط نہ پہنچے اور جو شخص تمہارے پاس فریاد لے کر پہنچے اسے جیل میں بند کر دو۔"

جب یہ خط پڑھا گیا تو سراسیمگی اور غیظ وغضب کی سب میں لہر دوڑ گئی۔ محمد ابن ابی بکر نے پھر اس خط کو تمام لوگوں کے سامنے سر بمہر کیا اور خط لے کر مدینہ واپس ہوئے۔ انہوں نے حضرت علیؑ طلحہ، زبیر، سعد اور دوسرے اصحاب پیغمبرؐ کو جمع کر کے انہیں غلام کا واقعہ سنایا اور اس خط کو پڑھ کر سنایا۔ اس پر مدینہ کا کوئی باشندہ ایسا نہیں تھا جو حضرت عثمان کے خلاف غم وغصہ سے بھر نہ گیا ہو، جو لوگ ابوذر، عمار اور ابن مسعود کی وجہ سے پہلے ہی سے برہم تھے ان کے غیظ وغضب کی تو کوئی انتہا نہ رہی۔ اصحاب پیغمبرؐ اپنے اپنے گھروں میں جا بیٹھے اور ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اس خط پر رنجیدہ واندوہگیں نہ ہو۔ مصر والوں نے حضرت

عثمان کا گھر گھیر لیا۔ محمد بن ابی بکر نے اپنے خاندان بنی تیم والوں کو بھی اکٹھا کر لیا۔ طلحہ بن عبیدہ بھی مددگار بن گئے۔ عائشہ تو سب سے زیادہ لوگوں کو بھڑکاتی تھیں۔

حضرت علیؑ، طلحہ، زبیر، سعد اور عمار اور دیگر اصحاب پیغمبرؐ کے ساتھ جو سب کے سب بدری تھے۔ حضرت عثمان کے پاس پہنچے، ان کے ساتھ حضرت عثمان کا وہ خط ان کا وہ غلام اور وہ اونٹ بھی تھا جس پر وہ غلام جارہا تھا۔

حضرت علیؑ۔ یہ آپ کا غلام ہے؟

حضرت عثمان۔ ہاں۔

حضرت علیؑ۔ یہ اونٹ بھی آپ ہی کا ہے؟

حضرت عثمان۔ ہاں۔

حضرت علیؑ۔ یہ خط بھی آپ ہی نے لکھا ہے؟

حضرت عثمان۔ نہیں خدا کی قسم میں نے نہیں لکھا نہ میں نے اس کے لکھنے کا حکم دیا نہ مجھے اس کی حقیقت کا پتہ ہے۔

حضرت علیؑ۔ لیکن مہر تو آپ ہی کی ہے؟

حضرت عثمان۔ ہاں۔

حضرت علیؑ۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ہی کا غلام آپ ہی کے اونٹ پر بیٹھ کر جائے اور اس کے ساتھ ایسا خط ہو جس پر مہر بھی آپ ہی کی لگی ہوئی ہو اور آپ کو کچھ پتہ نہ ہو۔؟

حضرت عثمان۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ نہ میں نے خط لکھا نہ لکھنے کا حکم دیا نہ اس غلام کو مصر کی طرف بھیجا۔

لوگوں نے دیکھا تو طرز تحریر مروان کا تھا انہوں نے درخواست کی کہ مروان کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ حضرت عثمان نے انکار کر دیا۔ مروان حضرت عثمان ہی کے گھر میں تھا۔ اس پر صحابہ پیغمبر بے حد غیظ و غضب کے عالم میں گھروں کو واپس گئے۔ انہیں یہ یقین تھا کہ عثمان جھوٹی قسم نہیں کھاتے مگر بعض کہتے تھے کہ عثمان کو جبھی ہم بے قصور سمجھیں گے۔ جب وہ مروان کو ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ ہم اس سے باز پرس کر کے اس خط کی حقیقت معلوم کر سکیں۔ اگر خود حضرت عثمان نے یہ خط لکھا ہے تو ہم انہیں معزول کر دیں۔ اگر مضمون عثمان کا ہے اور قلم مروان کا تو پھر ہم سوچیں گے کہ مروان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے مگر حضرت عثمان مروان کو حوالہ کرنے پر کسی طرح تیار نہ ہوئے۔

ان لوگوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کر لیا اور پانی اندر جانے سے روک دیا۔ حضرت عثمان نے بلندی سے جھانک

کر مجمع سے پوچھا کہ تم میں علیؑ بھی ہیں؟ جواب ملا نہیں، پوچھا سعید ہیں معلوم ہوا نہیں اس پر حضرت عثمان چپ ہو گئے۔ پھر کہا کوئی شخص علیؑ کے پاس میرا یہ پیغام نہیں پہنچا سکتا؟ کہ وہ ہمیں پانی پلائیں۔

یہ خبر علیؑ کو ملی اور انہوں نے پانی سے بھری ہوئی مشکیں ان کے پاس بھیجیں اور یہ مشکیں بھی ان کے پاس اس وقت پہنچ پائیں جب بنی امیہ و بنی ہاشم کے بہت سے لوگ اچھے خاصے زخمی ہو گئے۔

توبہ اور شکستِ توبہ

طبری نے سفیان بن العوجا کے واسطے سے روایت کی ہے۔ جب مصر والے پہلے پہل آئے تو حضرت عثمان نے محمد بن مسلمہ کو بلا کر مصر والوں کو سمجھانے بجھانے کی فرمائش کی۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ ۵۰ انصار کے ہمراہ ان کے پاس گئے اور سمجھا بجھا کر انہیں واپس کر دیا۔ ان لوگوں نے کچھ ہی راستہ طے کیا ہوگا کہ انہیں حضرت عثمان کا غلام جو عبداللہ بن ابی سرح گورنر مصر کے نام عثمان کا خط لے کر جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے خط برآمد کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا اور الٹے پیروں مدینہ پلٹے۔ مالک اشتر اور حکیم بن جبلہ ابھی مدینہ ہی میں تھے۔ یہ سب مل کر حضرت عثمان کے پاس گئے پوچھا کہ یہ خط کیسا آپ نے لکھا ہے۔ حضرت عثمان نے انکار کیا کہ میرا لکھا ہوا نہیں بلکہ کسی اور کی حرکت ہے۔

اہل مصر۔ لیکن حرف تو آپ ہی کے کاتب کا ہے۔

حضرت عثمان۔ ہاں لیکن میں نے اسے لکھنے کا حکم نہیں دیا۔

اہل مصر۔ مگر وہ غلام بھی آپ ہی کا تھا جو یہ خط لے کر جا رہا تھا۔

حضرت عثمان۔ ہاں، لیکن میں نے اسے نہیں بھیجا نہ میری اجازت سے وہ گیا۔

اہل مصر۔ اونٹ بھی آپ ہی کا تھا جس پر وہ غلام سوار ہو کر جا رہا تھا۔

حضرت عثمان۔ ہاں اونٹ بھی میرا ہی تھا مگر میری لاعلمی میں اسے لیا گیا۔

اہل مصر۔ یا تو آپ جھوٹ بول رہے ہیں یا سچ اگر جھوٹ بولتے ہیں معزولی کے سزاوار ہیں کیونکہ آپ نے بے جرم وخطا ہمارے قتل کا حکم دیا اور سچ کہہ رہے ہیں تب بھی معزول کئے جانے کے لائق ہیں کیونکہ حکومت میں آپ بہت کمزور ہیں اور حالات سے بے پرواہیں اور آپ کے خویش و اقارب شر و فساد سے بھرپور ہیں۔ ہم ایسے غافل کمزور انسان کو اپنی گردن پر مسلط نہیں رہنے دیں گے۔ آپ نے بہت سے اصحاب پیغمبر کو محض اس جرم وخطا پر کہ انہوں نے آپ کو وعظ و نصیحت کی تھی نبیؐ کے مطابق عمل کرنے کی فرمائش کی تھی مار اپیٹا ذلیل و رسوا کیا۔ آپ نے جتنی زیادتیاں کی سب قصاص چکائیے۔

حضرت عثمان۔ امام سے غلطیاں بھی ہوا کرتی ہیں، میں اپنی خطاؤں کا بدلہ اتارنے پر تیار نہیں کیونکہ میں نے نہ جانے کس کو مارا پیٹا ہے سب کا بدلہ چکانے لگوں تو اپنی جان سے ہاتھ دھوؤں۔

اہل مصر۔ آپ نے بہت سی نت نئی باتیں بھی کی ہیں ان کی وجہ سے بھی آپ معزول کئے جانے کے لائق ہیں۔ ان باتوں کے متعلق جب آپ سے پوچھ گچھ کی گئی آپ نے جھٹ توبہ کرلی اور اس کے عد پھر وہی حرکتیں کرنے لگے۔ جب حرکتوں کی شکایت لے کر آپ کے پاس آئے تو آپ نے پھر توبہ کرلی اور حق کی طرف پلٹنے کا وعدہ کیا۔ محمد بن مسلمہ نے آپ کے متعلق کہا تھا اور ضمانت لی کہ پھر آپ کی طرف سے ایسی باتیں عمل میں نہ آئیں گی مگر آپ نے انہیں جھوٹا بنایا نتیجہ میں وہ آپ سے بیزار ہو کر بیٹھ رہے اور کہا میں اب ان کے بیچ میں نہ پڑوں گا۔ ہم نے پہلی مرتبہ محض اس لیے چھوڑ دیا اور واپس چلے گئے تاکہ آپ کی حجت پوری ہو جائے اور کوئی عذر باقی نہ رہے۔ ہم ابھی راستہ ہی میں تھے کہ آپ کا خط ہمارے ہاتھ لگ گیا جو آپ نے ہمارے عامل کو لکھا تھا اور جس میں ہمیں قتل کرنے ہمارے ہاتھ پاؤں کاٹنے ہمیں سولی دینے کی تاکید تھی۔ آپ مدعی ہیں کہ وہ خط آپ کی لاعلمی میں لکھا گیا مگر تماشا یہ کہ وہ خط آپ ہی کے کاتب کا لکھا ہوا ہے آپ کی مہر بھی ہے آپ ہی کا غلام آپ ہی کے اونٹ پر سوار ہو کر اس خط کو لے بھی جا رہا تھا۔

ہم پہلے بھی آپ کی زیادتی، ناانصافی، تقسیم اموال میں خویش واقربا پروری دیکھ چکے ہیں اگر کوئی لب کشائی کرے تو دردناک سزاؤں کا دیا جانا، بار بار توبہ کرنا اور پھر توبہ توڑ کر کے وہی باتیں عمل میں لانی مشاہدہ کر چکے ہیں۔ اور درگذر کر کے آپ کو چھوڑ چکے ہیں، حالانکہ ہمیں مناسب تھا کہ ہم اس وقت تک واپس نہ جاتے جب تک آپ کو معزول کر کے پیغمبرؐ کے صحابہ میں سے کسی دوسرے بزرگ کو مقرر نہ کر جاتے مگر اب تو الزام آپ پر ہر طرح قائم ہو چکا ہے۔ اب آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیے۔ یہی آپ کے لیے بھی بہتر ہے اور ہمارے لیے بھی۔

حضرت عثمان۔ تم لوگوں کو جو کہنا تھا کہہ چکے؟

اہل مصر۔ ہاں۔

حضرت عثمان۔ تم اپنی گفتگو میں جادۂ اعتدال پر نہیں رہے اور نہ فیصلہ کرنے میں تم نے انصاف سے کام لیا۔ تمہارا یہ کہنا کہ خلافت سے دستبردار ہو جائیے تو میں اس قمیص ا

۔ حضرت عثمان سے جب بھی یہ مطالبہ کیا گیا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیے تو آپ نے ہر مرتبہ یہی عذر کیا کہ میں اس قمیص کو اتارنے کو تیار نہیں جو خدا نے مجھے پہنائی ہے اس سلسلہ میں محدثین اہل سنت نے ایک حدیث ڈھونڈھ نکالی اور اس طرح حضرت عثمان کی ضد طمع خلافت معزولی سے انکار کا رشتہ پیغمبرؐ خدا سے جا ملایا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرسری طور پر اس حدیث کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔

(ا) امام احمد مسند میں روایت کرتے ہیں۔

''مجھ سے ابو مغیرہ حمصی نے بیان کیا اس نے ولید بن سلیمان دمشقی سے سنا اس نے ربیع بن زید دمشقی سے سنا۔ اس نے عبداللہ بن عامر دمشقی سے سنا، اس نے نعمان

بن بشیر قاضی دمشق سے سنا اس نے جناب عائشہ سے۔ جناب عائشہ فرماتی ہیں کہ پیغمبرؐ نے عثمان بن عفان کو بلا بھیجا وہ آئے گفتگو کے خاتمہ پر پیغمبرؐ نے ان کے کاندھے پر مار کر کہا اے عثمان بہت جلد خدا تمہیں ایک قمیص پہنائے گا اگر منافقین وہ اتروانا چاہیں تو مرتے مرتے نہ اتارنا یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی نعمان بن بشیر نے عائشہ سے کہا مادر گرامی پھر آپ نے اس حدیث کا کہاں کیا گیا۔ جناب عائشہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں بھول گئی تھی نعمان نے اس واقعہ کی اطلاع معاویہ کو دی۔ انہیں اس کے بیان پر اطمینان نہ ہوا۔ عائشہ کو لکھا کہ آپ لکھ بھیجئے چنانچہ انہوں نے معاویہ کو لکھ بھیجا۔'' (مسند ج ۶ ص ۱۵۹)

یہ حدیث جن اشخاص کے ذریعہ مروی ہے وہ سب کے سب شامی اور عثمانی ہیں سب سے پہلا راوی نعمان بن بشیر ہے جس نے امام زمانہ حضرت امیرالمومنینؑ پر خروج کیا اور باغیوں کی معیت میں آپ سے جنگ کی اس نعمان کے متعلق قیس بن سعد انصاری بزرگ ترین صحابی پیغمبرؐ کا مشہور فقرہ ہے۔ انه ضال مضل یہ نعمان گمراہ ہے اور گمراہ کن ہے روایت کا مفہوم بھی ایسا ہے کہ قلعی خود ہی کھل جاتی ہے۔

(۲) امام احمد نے ابو یحییٰ ابن کناسہ اسدی کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ اس نے عاص کے پوتے اسحاق بن سعید سے سنا اسحاق نے اپنے باپ سعید بن عاص حضرت عثمان کے چچازاد بھائی سے جو دمشق میں بس گیا تھا سنا، سعید کہتا تھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ جناب عائشہ فرماتی تھیں میں نے رسولؐ اللہ کی باتیں ایک مرتبہ چھپ کر سننے کی کوشش کی، عثمان ٹھیک دوپہر میں آئے میں نے خیال کیا عورت کا معاملہ ہے سننا چاہئے چنانچہ میں نے کان لگا کر سنا کہ رسالت مآبؐ نے ان سے کہا کہ خداوند عالم تمہیں ایک قمیص پہنانے والا ہے میری امت اسے اتروانا چاہے گی مگر نہ اتارنا عائشہ کہتی ہیں کہ جب میں نے دیکھا کہ عثمان مخالفین کی ہر شرط پوری کرنے پر آمادہ ہیں لیکن خلافت چھوڑنے پر تیار نہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ رسولؐ اللہ ہی کی وصیت کا نتیجہ ہے۔ (مسند ج ۴ ص ۱۱۴)

اس روایت کے تمام راوی بنی امیہ اور حضرت عثمان کے خویش و اقارب ہیں اس روایت کا سلسلہ حضرت عائشہ سے ملایا گیا ہے جس کی سرگذشت ہم بیان کر آئے ہیں علاوہ بریں یہ حدیث مرسل بھی ہے یہ پتہ نہیں کہ سعید نے یہ خبر سنی تو کس سے سنی۔ غالباً کسی کذاب و مفتری سے سنی ہوگی۔

۳۔ طبرانی نے مطلب بن شعب ازدی سے روایت کی ہے اس نے عبداللہ بن صالح سے سنا اس نے خالد بن یزید سے سنا اس نے سعید بن ابی ہلال سے سنا اس نے ربیعہ بن سیف سے سنا کہ ہم شفی الاصبحی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ شفی نے عبداللہ بن عمر کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسالت مآبؐ نے عثمان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے عثمان خداوند عالم تمہیں ایک قمیص پہنانے والا ہے۔ لوگ اسے اتروانا چاہیں گے تم ہرگز نہ اتارنا اگر اتار دوگے تو ہرگز جنت میں نہ جاؤ گے۔

ابن کثیر اپنی تاریخ ج ۷، ص ۲۰۸ پر اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ابو یعلی نے عبداللہ بن عمر سے اس کی روایت کی ہے، اس روایت کے متن میں ضرابت ہے۔

اس حدیث کے راوی:

۱۔ عبداللہ بن صالح جس کی کنیت ابو صالح تھی مصر کا رہنے والا اور لیث کا کاتب تھا۔ امام احمد لکھتے ہیں کہ ابتداً ٹھیک تھا پھر آخر میں ناکارہ ہوگیا انہ لیس بشی یہ کچھ بھی نہیں۔

عبداللہ ابن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد امام احمد کو ایک دن عبداللہ بن صالح کا ذکر کرتے سنا انہوں نے اس کی مذمت کی اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا صالح بن محمد کہتے ہیں کہ ابن معین اس عبداللہ بن صالح کو ثقہ سمجھتے تھے مگر میرا فیصلہ یہ ہے کہ یہ حدیث میں جھوٹ بولا کرتا تھا۔ ابن مدینی کہتے ہیں کہ میں نے اس کی حدیثیں بالائے طاق رکھ دیں اور اس کی کوئی بات روایت نہیں کی۔

احمد بن صالح کہتے تھے کہ یہ شخص متہم ہے اور کچھ بھی نہیں نسائی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں۔ ابو زرعہ کہتے ہیں کہ یہ کذاب ہے ابن حیان کہتے ہیں کہ بہت ہی منکر الحدیث ہے۔

۲۔ سعید بن ابی ہلال مصری، ابن حزم وغیرہ کا بیان ہے کہ اس کی روایت قوت نہیں رکھتی۔

۳۔ ربیعہ بن سیف اسکندرانی ابن حبان کہتے ہیں کہ بہت زیادہ خطا کرنے والا تھا ابن یونس کہتے ہیں کہ اس کی حدیثوں میں بہت سی انہونی باتیں ہوا کرتی۔ بخاری کہتے ہیں کہ اس نے ایسی حدیثیں روایت کی ہیں جن پر توجہ نہیں کی جاسکتی۔ نسائی کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۵۶)

۴۔ امام احمد نے طریق بن سنان بن ہارون کے واسطے سے روایت کی ہے اس نے کلیب بن وائل سے سنا اس نے عبداللہ بن عمر سے کہ ایک مرتبہ رسالت مآبؐ نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس فتنہ میں یہ مقنع پوش مظلوم قتل کیا جائے گا میں نے نظر اٹھا کے دیکھا تو وہ عثمان تھے۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۷ ص ۲۰۸)

راویان حدیث: ۱۔ سنان بن ہارون کوفی کے متعلق نسائی کا بیان ہے کہ ضعیف ہے۔ ساجی کہتے ہیں کہ ضعیف اور منکر الاحادیث ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ بہت ہی منکر الحدیث ہے مشاہیر کی طرف منسوب کر کے انہونی حدیثیں بیان کرتا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۴۳)

۲۔ کلیب بن وائل کو ابو زرعہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۴۷)

۵۔ امام احمد نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ موسیٰ بن عقبہ بیان کرتا ہے کہ مجھ سے میرے نانا ابو حنیفہ نے بیان کیا کہ جب عثمان اپنے گھر میں محصور تھے تو میں ان کے گھر گیا۔ ابو ہریرہ نے عثمان سے کلام کرنے کی اجازت مانگی اجازت ملتے پر ابو ہریرہ نے بعد حمد و ثنا کے بیان کیا کہ میں نے رسالت مآبؐ کو ارشاد فرماتے ہوئے

سنا کہ تم لوگ میرے بعد فتنہ اور اختلاف کا سامنا کرو گے، پوچھنے والے نے پوچھا حضور اس وقت ہم کس کا سہارا لیں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم پر فرض ہے کہ تم امین اور ان کے اصحاب کے ہمراہ ہونا یہ کہہ کر آپ نے عثمان کی طرف اشارہ کیا۔

ابن کثیر اس حدیث کو اپنی تاریخ ج ۷، ص ۲۰۹ پر ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ تنہا امام احمد نے اس حدیث کی روایت کی ہے اس کے اسناد عمدہ ہیں۔

سچ پوچھئے تو ہمیں اس کے اسناد کی نہ عمدگی کا پتہ چل سکا نہ اچھائی کا کیونکہ سلسلہ اسناد میں موسیٰ بن عقبہ کا نانا ہے اور یہ بالکل اجنبی شخص ہے کہیں اس کا پتہ نہیں ملتا نہ راویوں کے حالات میں اس کا نام ملتا ہے عقلاً بھی اس روایت کا پیغمبرؐ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں کیونکہ حضرت عثمان کے اصحاب، مروان اور اسی قسم کے صاحبان شر وفساد اور بنی امیہ کے اوباش افراد ہی تو تھے کیا کسی طرح یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کو چھوڑ کر پیغمبرؐ مروان اور اسی قسم کے اموی اوباشوں کی پیروی کا حکم دیں؟ معاذ اللہ

مذکورہ بالا احادیث پر نظر

یہ چند حدیثیں منجملہ ان من گڑھت روایات کے ہیں جو امت مسلمہ کے دجال اور مکاروں اور فریبی اشخاص کی طبعزاد ہیں جس کے سلسلہ اسناد میں کوئی اموی ہے تو کوئی شامی کوئی دشمن علیؑ ہے تو کوئی ضعیف وکذاب، متروک ساقط الاعتبار ہے۔ علاوہ بریں سلسلہ اسناد سے بڑھ کر ان حدیثوں کے مضامین مہمل وواہیات ہیں۔ اگر یہ مذکورہ بالا حدیثیں صحیح مان لی جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہم تمام صحابہ کو بے دین سمجھنے پر مجبور ہوں گے کیونکہ بعض حدیثوں کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ عثمان کے خلاف صف بستہ ہوئے اور انہیں خلافت سے الگ کرنا چاہا وہ منافقین ہیں اور بعض کا مفہوم یہ ہے کہ عثمان اور ان کے اصحاب حق پر ہوں گے۔ تم پر فرض ہے کہ عثمان اور ان کے اصحاب کی پیروی کرنا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ عثمان کے مخالفین گنتی کے دو چار آدمی چھوڑ کر سب کے سب صحابہ کرام ہی تھے مہاجرین بھی اور انصار بھی لہٰذا الصحابة کلهم عدول کا جو دعویٰ کیا جاتا ہے وہ دعویٰ خاک میں مل جاتا ہے ہم صحابہ کو عادل بھی مانیں اور قاتلین عثمان کو منافق بھی قرار دیں ممکن ہی نہیں۔

نیز اگر فرض کر لیا جائے کہ جب یہ ہنگامے کھڑے ہوئے اور تمام مسلمان حضرت عثمان کے خلاف صف بستہ ہو گئے تو حضرت عائشہ خود اپنی روایت کردہ حدیثیں بھول گئیں۔ اور بھولنے کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمان کے قتل کا حکم دیا۔ نعثل کافران کا نام رکھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ باقی راویان حدیث عبداللہ بن عمر۔ ابوہریرہ وغیرہ جنہوں نے عثمان کے متعلق حضرت عائشہ سے یہ حدیثیں سنیں تھیں انہیں کیا ہو گیا تھا؟ کیا یہ سب بھی ایک ساتھ بھول گئے۔ سبھی کو نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا کسی کو بھی تو یہ حدیثیں یاد آجاتیں اور توفیق ہوتی کہ جا کر حضرت عائشہ سے کہتے کہ مادر گرامی آپ ہی نے عثمان کے متعلق کل یہ حدیث بیان کی تھی اور آج آپ ہی یہ کہہ رہی ہیں۔؟

کو ہرگز نہیں اتار سکتا جسے خدا نے مجھے پہنایا ہے۔ اور جس کے ذریعہ مجھے عزت بخشی ہے اور دوسروں سے ممتاز کیا ہے لیکن میں شرمندہ اور نادم ہوں۔ اب کوئی کام ایسا نہیں کروں گا جس پر مسلمان حرف گیری کر سکیں۔

اہل مصر۔ اگر آپ کی یہ خطا پہلی خطا ہوتی اور آپ توبہ کرتے اور اپنی توبہ پر قائم رہتے تو ہم ضرور توبہ قبول کرتے۔ آپ کو چھوڑ کر واپس ہو جاتے لیکن آپ نے مسلسل ایسی ہی حرکتیں کی ہیں جیسا کہ آپ کو خود بھی اعتراف ہے ہم پہلی مرتبہ درگذر کر کے واپس ہو گئے تھے، ہمیں وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ آپ ہمارے متعلق مصر کے حاکم کو ایسا خط لکھیں گے اور خط میں بھی ایسی حیلہ سازی سے کام لیں گے۔ ہم آپ کی توبہ قبول بھی کریں تو کیونکر حالانکہ ہم آپ کو بار بار آزما چکے ہیں۔ آپ نے جب بھی کسی گناہ سے توبہ کی پھر فوراً ہی اس کا ارتکاب کیا اب تو ہم بغیر آپ کو خلافت سے الگ کئے اور آپ کے بدلے دوسرے کو خلیفہ بنائے پلٹنے کے نہیں۔ اگر آپ کے رشتہ دار عزیز واقارب حاشیہ نشین ہمارے اس ارادہ میں مزاحم ہوں گے لڑنا چاہیں گے تو ہم لڑنے کے لیے بھی تیار ہیں یا تو اپنی جان دے دیں گے یا آپ کی جان لے کر رہیں گے۔

حضرت عثمان۔ اپنے ہاتھ سے امارت دیدوں اور خلافت سے دستبردار ہو جاؤں اس سے اچھا تو یہی ہے کہ تم مجھے پھانسی

دے دورہ گیا تمہارا یہ کہنا کہ میری طرف سے کوئی مزاحم ہوگا تو اس سے جنگ کروگے تو میں نے تم سے لڑنے کے لیے کسی کو بھی نہیں کہا اگر کوئی میری حمایت میں لڑے گا تو وہ بغیر میری اجازت کے لڑے گا۔ اپنی جان کی قسم اگر میرا ارادہ تم سے جنگ ہی کا ہوتا میں اپنے سپہ سالاروں کو خط لکھتا وہ لشکر لے کر آجاتے[1]۔ یا میں عراق وغیرہ ہی کی طرف نکل جاتا۔ اگر تم مجھ پر رحم کھانا نہیں چاہتے تو اپنے او پر رحم کھاؤ اور خدا سے ڈرو اگر تم نے مجھے قتل کیا تو خون ناحق کے مرتکب ہوگے۔

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ اس جواب پر مصر والے عثمان کے پاس سے ہٹ آئے اور جنگ کا اعلان کر دیا۔

(کتاب الانساب، ج ر ۵ ص ر ۲۶، و ۲۹، و ۹۵، امامۃ وسیاسۃ ج ر ۱ ص ر ۳۳ تا ۳۷، معارف ابن قتیبہ ص ر ۸۴، عقد فرید ج ر ص ر ۲۶۳، تاریخ طبری ج ر ۵ ص ر ۱۱۹۔ ۱۲۰، ریاض نضرہ ج ر ۲ ص ر ۱۲۳ و ۱۲۵، تاریخ کامل ج، ص ر ۷۰۔ ۷۱، شرح ابن ابی الحدید ج ر ۱ ص ر ۱۶۵۔ ۱۶۶، تاریخ ابن خلدون ج ر ۲ ص ر ۳۹۷، تاریخ ابن کثیر ج ر ۷ ص ر ۱۷۳۔ ۱۷۴، و ۱۷۶، و ۱۸۹، حیاۃ الحیوان ج ر ۱ ص ر ۵۳، صواعق محرقہ ص ر ۶۹، تاریخ خمیس ج ر ۲، ص ر ۲۵۹، تاریخ الخلفا سیوطی ص ر ۱۰۶، و ۱۱۷، سیرۃ حلبیہ ج ر ۲ ص ر ۸۴ و ۸۶۔ ۸۷)

---

[1] حضرت عثمان نے جنگ کی تیاریاں بھی کیں، اسلحے بھی فراہم کئے سپہ سالاروں کو مدد کے لیے خطوط بھی لکھے۔ شام سے فوجیں بھی بلائیں۔ عنقریب وہ خطوط آپ ملاحظہ کریں گے جنہیں حضرت عثمان نے زمانہ محاصرہ میں لکھا۔ حضرت عثمان جنگ سے باز نہیں رہے تھوڑے بہت ان کے جو ہمدرد تھے یعنی بنی امیہ کے اوباش افراد انہوں نے اپنی ساری جوانمردی صرف کر ڈالی۔ مگر قضاوقدر نے انہیں ناکامی کا منہ دکھلایا آخر ام حبیبہ زوجہ رسولؐ کے یہاں پناہ لینے پر مجبور ہوئے ام حبیبہ نے انہیں سامان رکھنے کی کوٹھری میں بند کیا اور موقع پا کر یہ لوگ مدینہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

دوسری فصل

محاصرہ سے متعلق مروی احادیث اور بیانات مورخین پر ایک نظر

گذشتہ صفحات میں کتب احادیث وسیر کے جو اقتباسات پیش کئے گئے۔ان کے مطالعہ کے بعد ہر شخص آسانی سے حسب ذیل نتائج کا استنباط کر سکتا ہے۔

اول یہ کہ حضرت عثمان پر جن لوگوں نے یورش کی وہ سب کے سب مہاجرین وانصار صحابہ پیغمبرؐ ہی تھے۔سوا تین چار افراد کے جن کے نام ہم ذکر کر چکے ہیں جتنے بھی صحابہ کرام تھے سبھی اس مہم میں شریک تھے۔جب حضرت عثمان کو ان کے افعال سے باز رکھنے کی کوئی تدبیر کامیاب نہ ہوئی راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش بے کار گئی تو انہیں مہاجرین وانصار و باشندگان مدینہ نے اہل بصرہ وکوفہ ومصر کی پشت پناہی کر کے ان کے قتل وہلاکت کو آسان کر دیا۔دیگر شہروں سے جو مسلمان اس مہم کو انجام دینے کے لیے آئے وہ بھی یا تو کبار صحابہ پیغمبرؐ تھے یا جلیل القدر تابعین اور اربابِ فضل وشرف عالم وفقیہ عابد وزاہد مومنین جن کی دین داری پر حرف رکھنے کی کسی کو مجال نہیں ہو سکتی۔چنانچہ باشندگان کوفہ میں سے۔

(۱) زید الخیر تھے جو صحابی پیغمبرؐ تھے آنحضرتؐ نے ان کی مدح وثنا فرمائی ہے۔برگزیدہ نیکو کار مومنین سے تھے۔

(۲) مالک اشتر۔یہ بھی صحابی تھے ان کی عظمت وجلالت کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

(۳) کعب بن عبدی نہدی جن کے متعلق بلاذری کا جملہ لکھا جا چکا ہے کہ مشہور زاہد تھے۔

(۴) زیاد بن نضر حارثی۔صحابی۔

(۵) عمرو بن الاہتم۔صحابی،فصیح البیان،خطیب اپنی قوم کے سردار تھے۔استیعاب،اسد الغابہ واصابہ میں ان کے حالات مذکور ہیں۔

باشندگان مصر سے۔

(۶) عمرو بن حمق خزاعی جو مدتوں صحبتِ رسولؐ میں رہے آپ کی بکثرت حدیثوں کے حافظ اور آنحضرتؐ کی خصوصی دعا سے بہرہ یاب تھے۔

(۷) عمرو بن بدیل خزاعی۔صحابی۔

(۸) عبداللہ بن بدیل خزاعی۔جن کے متعلق علامہ ابو عمرو صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ خزاعہ کے سردار تھے اور

جنگ حنین وطائف وتبوک میں شریک رہ چکے ہیں، بڑی قدر ومنزلت کے بزرگ ہیں۔ اکابر صحابہ میں ان کا شمار ہے۔ (استیعاب، اسد الغابہ، اصابہ)

(۹) عبد الرحمان بن عدیس بلوی۔ پیغمبرؐ کے صحابی ہیں اور اصحاب بیعت الرضوان سے ہیں۔

(۱۰) محمد بن ابی بکر جن کی جلالت قدر کا اندازہ استیعاب واصابہ کے اس فقرہ سے ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؑ ان کی مدح فرماتے اور انہیں دوسروں سے افضل قرار دیتے تھے۔ عابد بھی تھے اور عالم بھی اور اپنے زمانہ کے افضل ترین لوگوں میں سے تھے۔

بصرہ کے سردار:

حکیم بن جبلہ تھے جن کی جلالت قدر ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

محاصرہ کے قبل اور محاصرہ کے دوران میں جو واقعات پیش آئے، ان محاصرین اور حضرت عثمان میں جو بحث وتکرار ردوکد اور گفتگو ہوئی وہ ان محاصرین کے صلاح وتقویٰ کی بین ثبوت ہیں۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کا غیظ وغضب محض خوشنودی خدا کے لیے تھا، ان کا محاذ قائم کرنا صاف کجی دور کرنے، دین الٰہی کے استوار بنانے اور شریعت اسلامیہ کو کثافتوں سے پاک وصاف کرنے کے لیے تھا۔ امارت وحکومت کی لالچ کارفرما نہیں تھی نہ حکومت واقتدار کی تمنا گھیرے ہوئے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی حضرت عثمان نے ندامت کا اظہار کیا، جب بھی انہوں نے ان کی شکایتوں کی تلافی کا وعدہ کیا اپنے افعال واعمال سے باز رہنے پر آمادگی ظاہر کی وہ راضی ومطمئن ہو جاتے تھے۔

ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں کہ یہ حضرات کتنی مرتبہ خلیفۂ وقت کے پاس اپنی شکایات لے کر گئے، اور ہر مرتبہ ان کے وعدوں پر مطمئن ہو کر ان کی باتوں کا یقین کر کے پلٹ پلٹ آئے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ وہ وعدہ کر کے فوراً وعدہ خلافی کرتے بجائے شکایتوں کی تلافی کے تشدد میں اور اضافہ کر دیتے۔ ظاہر ہے یہ صورت حال کم ہیجان انگیز نہیں تھی۔ یہاں تک کہ جب بالکل مایوسی ہوگئی تو چاروناچار انہیں اٹھنا ہی پڑا۔ اور جو مقدرات الٰہی تھے وہ پورے ہو کر رہے۔

اگر ان مومنین کی برہمی کی کوئی اور وجہ بھی ہوتی، حضرت عثمان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے میں کوئی دوسری غرض پنہاں ہوتی تو حضرت امیر المومنینؑ نے مصر والوں کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ جملہ ہرگز نہ لکھتے کہ **ان القوم غضبوا للہ حین عصیٰ فی ارضہ وذھب بحقہ**۔ ان لوگوں کی طرف جو خدا کے لیے غضبناک ہوئے اس وقت جب روئے زمین پر خدا کی نافرمانی کی جارہی تھی اور اس کا حق لوٹا جارہا تھا۔ نہ کتب سیر وتواریخ ان کی مدح وثنا سے مملو ہوتیں۔

سچ تو یہ ہے کہ ان مخالفین نے حضرت عثمان کے ساتھ جو سلوک برتاؤ روا رکھا اگر اس سے کم اور ادنی درجہ کا سلوک بھی کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے ساتھ کرتا تو یہ نا قابل مغفرت گناہ قرار دیا جاتا اور اس کی نہ کوئی حرمت ہوتی نہ عزت مگر حضرت عثمان کے ساتھ بدسلوکی کرنے والے کبار صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور دنیائے اسلام ان کی عظمت و جلالت کے آستانے پر سر بھی جھکاتی ہے۔

دوم: یہ کہ حضرت عثمان سے برابر قابل اعتراض افعال سرزد ہوتے، جب دیکھتے کہ رائے عامہ خلاف ہو رہی ہے تو اعتراف کر لیتے۔ مجمع میں توبہ فرماتے۔ مگر توبہ ٹوٹتے دیر نہیں لگتی پھر وہی باتیں شروع ہو جاتیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ان دونوں حالتوں مین سے کس حالت میں راستی پر تھے۔ جب انہوں نے اپنے افعال کا اعتراف کیا تھا اور توبہ کی تھی اس وقت جب مروان نے انہیں بہکا کر منبر پر بھیج دیا او انہوں نے منبر پر جا کر کہا، یہ مصر والے انہیں اپنے امام کے متعلق غلط سلط خبریں ملی تھیں۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ بالکل غلط تھیں تو اپنا منھ لے کر چلے گئے۔

سوم: یہ کہ حضرت عثمان نے بڑے سخت و شدید عہد و پیمان کئے کہ ہم سے پھر ایسی باتیں عمل میں نہیں آئیں گی۔ اس کے متعلق انہوں نے نوشتہ بھی لکھا جس کی نقلیں مخالفین اپنے شہروں میں لے کر گئے۔ حضرت امیر المومنینؑ اور محمد بن مسلمہ ضامن بنے، اکابر صحابہ نے گواہیاں بنائیں مگر ان مخالفین کے واپس ہوتے ہی حضرت عثمان نے وہ نوشتہ وہ عہد و پیمان سب بالائے طاق رکھ دیئے نہ وعدوں کی پابندی ضروری سمجھی نہ ضمانت کا کوئی وزن ان کی نگاہوں میں تھا نہ ضمانت کرنے والوں کی کوئی قدر و منزلت ان کے نزدیک تھی اور نہ عہد شکنی معیوب تھی۔ حضرت عثمان کی نگاہوں میں یہ طرز عمل شاید مناسب رہا ہو لیکن صحابہ کرام جن کے عادل ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹا جاتا ہے انہوں نے حضرت عثمان کو بری الذمہ نہیں سمجھا۔ معاف نہیں کیا اور آخر جان لینے پر تیار ہو گئے۔

چہارم: یہ کہ پہلے محاصرہ کے وقت حضرت عثمان کا عہد نامہ لکھنا کہ اب ہم کتاب و سنت پر عمل کریں گے بین ثبوت ہے کہ عہد نامہ لکھنے کے قبل وہ کتاب و سنت سے برگشتہ تھے۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کے اعمال کتاب و سنت کے برعکس ہوں، خدا و رسولؐ اور سچے مسلمانوں کی نگاہوں میں اس کی کیا وقعت ہونی چاہئے۔

پنجم: یہ کہ طرید بن طرید یا پیغمبرؐ کی لفظوں میں الوزغ بین الوزغ اللعین بن اللعین۔ مروان بن حکم حضرت عثمان کے ہوش و حواس، عقل و دماغ پر اتنا تسلط رکھتا تھا کہ جو چاہتا تھا وہ ان سے کرا لیتا، شدید تعجب ہے کہ حضرت عثمان کیونکر ایسے شخص کے اشاروں پر متحرک تھے؟ حالانکہ وہ مروان کے دین و ایمان صدق و امانت سے ناواقف نہ تھے، وہ یہ بھی جانتے

تھے کہ اسی مروان اور انہیں بنی امیہ نے آفت میں پھنسایا اور ہلاکت کے سامان فراہم کئے ہیں وہ یہ سب باتیں جانتے سمجھتے تھے، تباہی ان پر پنجہ گاڑ چکی تھی عمر کے تھوڑے ہی دن رہ گئے تھے مگر ان سب کے باوجود کرتے تھے وہی جو مروان کہتا تھا۔

ضروری نوٹ:

حضرت عثمان کتنے دن محاصرہ کی حالت میں رہے اس کے متعلق مورخین کے مختلف بیان ہیں۔ واقدی نے لکھا ہے مخالفین ۴۹ دن محاصر کئے رہے۔ زبیر کا بیان ہے کہ دو مہینے ۲۰ دن محاصرہ رہا۔ ایک روایت میں ہے ۴۰ دن محصور رہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں ایک مہینہ سے زیادہ محاصرہ رہا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ۴۰ دن سے کچھ زیادہ شعبی کا قول ہے کہ ۲۲ دن محصور رہے۔

تیسری فصل

ایام محاصرہ میں نامہ وپیام

طبری نے کلبی کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ خط پکڑے جانے کے بعد جب مصر والے پھر پلٹ پڑے اور دوبارہ آکر محاصرہ کرلیا تو حضرت عثمان نے معاویہ بن ابی سفیان گورنر شام کو خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

امابعد۔ فان اھل المدینة قد کفرواواخلفوا الطاعة ونکثوالبیعة۔ فابعث الیّ من قبلك من مقاتلة اھل الشام علیٰ کل صعب وذلول۔

اہل مدینہ کافر ہو گئے، اطاعت سے گریزاں ہیں، انہوں نے بیعت توڑ دی ہے۔ اپنے پاس کی جنگجو فوج جلد میری طرف روانہ کرو۔

جب معاویہ کو یہ خط ملا تو انہوں نے توقف سے کام لیا اصحاب پیغمبرؐ کی مخالفت مناسب نہ معلوم ہوئی کیونکہ انہیں پہلے ہی سے علم تھا کہ سب نے ان کی مخالفت میں ایکا کرلیا ہے۔ جب جواب آنے میں دیر ہوئی تو حضرت عثمان نے پھر یزید بن اسد بن کرز اور اہل شام کو خط لکھا جس میں انہوں نے مدد کی درخواست کی تھی، اپنے حقوق جتائے تھے اپنے پیشرو خلفاء کا ذکر کیا تھا اور خداوند عالم کے وہ احکام بیان کئے تھے جو خلفاء کی اطاعت فرمانبرداری اور ان کی پاسداری سے متعلق ہیں، نیز اس امر کا وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہیں مستقل فوج اور اپنا مقرب خاص بنالیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ اہل شام پر اپنے احسانات اور ان زحمتوں کا ذکر کیا جو ان کی خاطر برداشت کئے تھے یہ سب کچھ لکھنے کے بعد تحریر کیا کہ:

''اگر تم مدد کرسکو تو جلدی کرو۔ بہت جلدی کرو۔ مخالفین بہت جلد میرا خاتمہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔''

جب یہ خط اہل شام کے مجمع میں پڑھا گیا تو یزید بن اسد اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے حضرت عثمان کی حمایت میں جوشیلی تقریر کی اور شام والوں کو ان کی مدد پر ابھارا بے شمار افراد تیار ہو گئے۔ سب یزید کی ہمراہی میں مدینہ کی طرف

چل کھڑے ہوئے۔ابھی یہ لشکر راستہ ہی میں تھا کہ خبر ملی کی عثمان قتل ہو گئے یہ لشکر الٹے پیروں شام واپس آ گیا۔ [1]

بلاذری نے شعبی کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ جلد میری مدد کرو،معاویہ نے یزید بن اسد کی سر کردگی میں ۴ ہزار فوجیں روانہ کیں مگر ابھی یہ فوج راستہ ہی میں تھی کہ قتل عثمان کی خبر ملی یہ سب وہیں سے پلٹ آئے،یزید

---

[1] مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی اپنے ترجمہ نہج البلاغہ ج ر ۲،وشائع کردہ غلام علی اینڈ سنز تاجر کتاب کشمیری دروازہ لاہور کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''خلیفہ کا قتل اور وہ بھی خلیفہ عثمان کا قتل معمولی واقعہ نہ تھا پھر اسلام میں یہ اپنی قسم کا پہلا واقعہ تھا اور بڑا ہی بھیانک تھا۔اسی لئے تعجب کیا جاتا ہے کہ ایسا بڑا واقعہ اتنی آسانی سے خود دارالخلافہ میں کیسے پیش آ گیا اور وہ بھی باہر کے باغیوں کے ہاتھ سے لیکن تاریخی واقعات پر غور کرنے سے یہ تعجب دور ہو جاتا ہے۔

بات یہ ہے کہ مدینہ کی عام آبادی حضرت عثمان سے روٹھ چکی تھی۔اکابر صحابہ کے بڑے بڑے سردار طلحہ وزبیر بھی حضرت عثمان کے سخت مخالف تھے۔ستم پر ستم یہ کہ خود بنی امیہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے انتشار اور خانہ جنگی چاہتے تھے۔اسی لیے مصر،کوفہ اور بصرہ کے شورہ پشتوں نے مدینہ کا رخ کیا تو یہاں کسی نے انہیں روکنا ضروری نہ سمجھا یہ سرکش آئے اور مدینہ پر چھا گئے۔ان کی مجموعی تعداد سات سو بانوے تھی۔سب لڑنے والے آدمی تھے،قابض ہو جانے کے بعد مدینہ والوں کا ان سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا پھر وہ باغیوں کے ہاتھوں اصلاح کی امید بھی رکھتے تھے یہ واقعہ ہے کہ مدینہ میں اکیلے صرف حضرت علیؑ تھے جو آخر دم تک اصلاح کی کوشش کرتے رہے شورش پسند بھی حضرت کی عزت کرتے تھے کیونکہ بے غرض یقین کرتے تھے مگر مدینہ پر شورش پسندوں کے قبضے کے بعد اکیلے حضرت علیؑ،حضرت عثمان کو بچا نہیں سکتے تھے۔ وہ صرف بنی امیہ تھے جو اس المیہ کو روک سکتے تھے۔بنی امیہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جس راہ پر حضرت عثمان کو لئے جا رہے ہیں قتل پر ختم ہو گی یہ جانتے ہوئے بھی بنی امیہ نے پوری کوشش کی کہ حضرت عثمان کی مسلمانوں سے صفائی نہ ہونے پائے تاریخ بتاتی ہے کہ مدینہ میں لوگوں نے حضرت عثمان پر معترض ہونا شروع ہی کیا تھا کہ امیر معاویہ شام سے آئے اور صحابہ کے ایک مجمع کو جس میں حضرت علیؑ،طلحہ،زبیر،سعد ابن ابی وقاص،عبدالرحمان بن عوف اور عمار یاسر موجود تھے۔اس طرح مخاطب کیا''میں اپنے بوڑھے بزرگ کے حق میں تمہیں نیک وصیت کرتا ہوں۔یاد رکھو اگر تمہاری آبادی میں انہیں قتل کر ڈالا گیا تو بخدا میں مدینہ کو پیدلوں اور سواروں سے بھر دوں گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔''

اسی مجلس میں ابن عباس کو مخاطب کرتے ہوئے مگر حضرت علی علیہ السلام کو دھمکانے کے لیے کہا۔تم نے ایک ایسی آگ سلگائی ہے جو پانی سے نہیں بجھے گی۔''

معاویہ ابھی مدینہ ہی میں تھے کہ حضرت عثمان نے ایک دن اکابر صحابہ کو جمع کیا،حضرت علیؑ کو خاص طور سے بلایا اور کہنے لگے کہ میرا چچیرا بھائی معاویہ تم سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔معاویہ نے اپنی اس تقریر میں بھی حضرت علیؑ کو دھمکیاں دیں کہ حضرت عثمان کو کچھ ہو گیا تو قیامت برپا کر دوں گا۔

تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ معاویہ نے حضرت عثمان سے کہا کہ سب کچھ ٹھیک رہے گا اگر علیؑ طلحہ اور زبیر کی گردنیں ماردی جائیں اور جب حضرت عثمان نے یہ منظور نہ کیا تو معاویہ نے کہا میں چار ہزار سپاہی آپ کی حفاظت کے لیے مدینہ بھیج دوں گا حضرت عثمان نے یہ بھی قبول نہیں کیا تو صلاح دی کہ تینوں کو دور دراز سرحدوں پر لڑنے کے لیے بھیج دیا جائے اور یہ بھی نہیں تو مجھے اجازت دیجئے کہ آپ قتل ہو جائیں تو آپ کے خون کا دعویٰ کر دوں گا۔

ان تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ معاویہ اور دوسرے بنی امیہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت عثمان کو قتل کی راہ پر لئے جا رہے مگر یہ جانتے ہوئے بھی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ کیا کیونکہ منصوبہ یہی تھا کہ قتل کا واقعہ پیش آئے اور خانہ جنگی برپا کرنے کا موقع مل جائے۔بعض روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان نے محاصر کے دنوں میں معاویہ سے فوجی مدد طلب کی تھی اور معاویہ نے ایک فوج بھی شام سے روانہ کر دی تھی مگر اس ہدایت کے ساتھ کہ راستے میں ایک جگہ رکی رہے اور نئے حکم کا انتظار کرے۔فوج برابر پڑی رہی اور جب حضرت عثمان شہید ہو گئے تو شام کو واپس چلی گئی۔(ترجمہ نہج البلاغہ ج ر ۲،از مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی ص ر ۳۱)

نے کہا اگر عثمان کی زندگی میں مدینہ پہنچ جاتا تو ہر بالغ کو تہہ تیغ کر کے رہتا کیونکہ قاتل اور نہ مدد کرنے والا دونوں برابر ہیں۔

حضرت عثمان کا خط اہل شام کے نام:

علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے اہل شام کو ایک خط لکھا جس میں اہل شام کو عموماً اور معاویہ اور باشندگان دمشق کو خصوصیت سے مخاطب کیا تھا۔

اما بعد: فانی فی قوم طال فیهم مقامی واستعجلوا القدر فی واقد خیرونی بین ان یحملونی علی شارف من الابل الدحیل، وبین ان انوا ع لهم رداء الله الذی کسانی وبین ان اتیدهم ممن قتلت ومن کان علی سلطان یخطی ویصیب فیاغوثاه یاغوثاه ولا امیر علیکم دونی فالعجل العجل یامعاویة، وادرك ثم ادرك وما اراك تدرك۔

میں ایسی قوم میں ہوں جنہیں میرا وجود بار ہو رہا ہے اور میرے متعلق قضاو قدر کی انہیں بہت جلدی ہے۔ انہوں نے چند باتیں میرے سامنے رکھی ہیں۔ یا تو مجھے لاغر اونٹ کی پشت پر بٹھا کر کہیں روانہ کر دیں یا میں اس چادر کو اپنے سر سے اتاروں جو خدا نے مجھے اوڑھائی ہے۔ یعنی خلافت سے دستبردار ہو جاؤں یا جو لوگ میرے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں ان کا قصاص چکاؤں جو شخص حاکم ہوتا ہے وہ خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ المدد المدد! میرے سوا تمہارا حاکم کوئی اور نہیں اے معاویہ دوڑو، دوڑو، اور جلد آ کر میری جان بچاؤ اگر چہ مجھے امید نہیں کہ تم میری جان بچا سکو گے۔"

اہل بصرہ کے نام خط:

اسی مضمون کا خط عبداللہ بن عامر، گورنر بصرہ کی معرفت بصرہ والوں کے نام بھی لکھا، عبداللہ نے لوگوں کو جمع کر کے یہ خط سنایا۔ اس پر بصرہ کے مقررین نے کھڑے ہو کر پر جوش تقریریں کیں اور لوگوں کو عثمان کی مدد اور ان کی نصرت کے لیے مدینہ جانے پر برانگیختہ کیا۔ عبداللہ بن عامر نے مجاشع بن عامر کی سرکردگی میں ایک لشکر تیار کر کے مدینہ روانہ کیا۔ یہ لشکر بھی ابھی مدینہ نہیں پہنچنے پایا تھا کہ راستہ میں معلوم ہوا عثمان قتل کر دیئے گئے۔

بلاذری لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن عامر (گورنر بصرہ) اور معاویہ ابن ابی سفیان کو خطوط بھیجے جس میں لکھا تھا کہ عراق و مصر و مدینہ کے باغی اور دشمن لوگوں نے میرا گھر گھیر لیا ہے وہ میرے قتل کے علاوہ اور کسی چیز پر راضی نہیں یا یہ کہ میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤں۔ حضرت عثمان نے ان دونوں گورنروں کو حکم دیا تھا کہ بہادر و شجاع اور با تدبیر لوگوں سے میری مدد کرو شاید خدا ان کے ذریعہ مجھے ان دشمنوں کی سختی سے محفوظ رکھے۔

اس خط پر عبداللہ بن عامر نے ۵۰۰ کا دستہ روانہ کیا ہر ہر شخص کو اس نے پانچ پانچ سو درہم دیئے تھے معاویہ نے ہزار سپاہی بھیجے جب اہل مصر اور ان کے ساتھیوں کو اس نامہ و پیام کی خبر ملی تو انہوں نے محاصرہ اور سخت کر دیا اور جلد سے جلد قصہ ختم کر دینے کی کوشش کی۔

بلاد اسلام کے مسلمانوں کے نام خط:

طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان نے اسلامی شہروں کے مسلمانوں کے نام مدد کے لیے خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو بشیر و نذیر بنا کر برحق مبعوث فرمایا، آپ نے احکام الٰہی کی تبلیغ فرمائی، پھر ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئے اور ہمارے درمیان خدا کی وہ کتاب چھوڑ گئے جس میں حلال و حرام خداوندی کی تفصیل اور ان امور کا بیان ہے جو خداوند عالم نے مقدر فرمائے ہیں۔ آں حضرتؐ کے خلیفہ ابو بکر و عمر ہوئے، پھر مجھے شوریٰ میں گھسیٹ لیا گیا جس کی نہ مجھے پہلے سے خبر تھی۔ نہ امت پیغمبرؐ سے اس کے متعلق پوچھ لیا گیا تھا۔ ممبران شوریٰ نے میری خواہش کے بغیر مجھے خلیفہ بنانا طے کر لیا۔ میں نے خلیفہ ہو کر پسندیدہ کام کیئے کوئی نامناسب فعل مجھ سے سرزد نہیں ہوا۔ جب معاملات اپنی حد پر پہنچے اور ارباب شر کی ہمتیں ٹوٹ گئیں تو کینے رونما ہوئے۔ ہوا و ہوس نے سر اٹھایا۔ حالانکہ میرا کوئی جرم نہ تھا۔ چنانچہ یہ مخالفین طلبگار تو کسی بات کے ہوئے اور ظاہر کچھ کیا اس کی نہ کوئی دلیل تھی اور نہ کوئی ثبوت انہوں نے مجھے بہت سے من مانے عیوب لگائے، میں نے صبر سے کام لیا اور اپنے نفس کو بہت دنوں سے روکتا رہا، حالانکہ میں سب کچھ دیکھتا اور سنتا تھا، ان لوگوں کی جرأتیں دن بدن بڑھتی گئیں نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان (مخالفین) نے جوار رسولؐ حرم پیغمبرؐ اور دار ہجرت کا ادب بھی ملحوظ نہیں رکھا اور مجھ پر چڑھ دوڑے یہ لوگ اسی طرح گروہ در گروہ ہیں جس طرح جنگِ خندق میں مشرکین گروہ در گروہ تھے یا جیسے جنگ احد میں۔ لہٰذا تم میں جو ہماری مدد کے لیے پہنچ سکے وہ جلد پہنچے۔

اہل مکہ اور حجاج بیت الحرام کے نام خط:

علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں، حضرت عثمان نے نافع بن طریف کے ہاتھوں اہل مکہ اور حاجیوں کے نام مدد کے لیے خط روانہ کیا۔ اس سال افسر موسم حج عبداللہ بن عباس تھے عرفہ کے دن وہ حاجیوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ نافع خط لے کر وہاں پہنچا۔ ابن عباس رک گئے۔ نافع نے وہ خط پڑھ کر حاجیوں کو سنایا۔

خدا کے بندے اور مسلمانوں کے امیر عثمان کی طرف سے فریضہ حج بجالانے والے مسلمانوں کی طرف۔۔۔۔ میں یہ خط تمہاری طرف روانہ کر رہا ہوں اور میری حالت یہ ہے کہ میں نرغہ میں لے لیا گیا ہوں، قصر کے کنوئیں کا گندہ پانی پیتا ہوں۔ پیٹ بھر کر

کھانا نہیں کھاتا اس ڈر سے کہ کہیں ذخیرہ ختم نہ ہو جائے اور میں اور میرے ساتھی بھوک سے مر جائیں۔ نہ میری کوئی توبہ قبول کی جاتی ہے نہ میری کوئی بات سنی جاتی ہے۔ میں ہر اس مسلمان کو جسے میرا پیام پہنچے۔ خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ جلد میری مدد کو آئے میرے حق کی حفاظت کرے اور مجھے ظلم و باطل سے محفوظ رکھے۔"

جب نافع یہ خط پڑھ کر سنا چکا تو ابن عباس نے جہاں سے تقریر چھوڑی تھی وہیں سے پھر شروع کر دی نہ اس خط کے متعلق ایک لفظ کہا نہ حضرت عثمان کے متعلق۔

(اس فصل کے مضامین حسب ذیل کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں، امامۃ وسیاسۃ ج ۲، ص ۳۲۔ ۳۳، کتاب الانساب ج ۱۵، ص ۱۷۔ ۲۷، تاریخ طبری ج ۵، ص ۱۰۵، وص ۱۱۶، و ۱۱۹، تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۲۵۲، تاریخ کامل ابن اثیر ج ۵، ص ۶۷ و ۱۷، شرح ابن ابی الحدید ج ۱، ص ۱۶۵، تاریخ ابن خلدون ج ۲، ص ۳۹۴، الفتنۃ الکبریٰ ص ۲۲۶)

حضرت عثمان کے مذکورہ بالا خطوط پر ایک نظر:

حضرت عثمان سے جو قابل اعتراض افعال وقوع میں آئے وہ تو الگ رہے آپ کے یہ خطوط بھی کچھ کم قیامت خیز نہیں۔ ان خطوط میں بہت سے ایسے جملے آپ کے قلم سے نکل گئے ہیں جن کا ایک ایک لفظ دنیائے اسلام میں غیظ و غضب کی آگ بھڑکانے کے لیے کافی ہے۔

پہلی بات:

تو یہ ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ مدینہ میں مہاجرین و انصار رہتے تھے اور انہیں مہاجرین و انصار کے متعلق حضرت عثمان لکھتے ہیں۔ ان اھل المدینۃ قد کفروا واخلفوا الطاعۃ ونکثوا البیعۃ۔ اہل مدینہ کافر ہو گئے۔ اطاعت سے گریزاں ہیں اور بیعت توڑ دی فھم کالاحزاب ایام الاحزاب ومن غزانا باحد۔ یہ لوگ اسی طرح گروہ در گروہ ہیں جس طرح جنگ خندق میں مشرکین گروہ در گروہ تھے۔ یا جیسے جنگ احد میں یہ فقرے کس کے متعلق ہیں؟ اصحاب پیغمبرؐ خدا کے متعلق، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ الصحابۃ کلھم عدول صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں، ہر ہر صحابہ جمہور مسلمین کے نزدیک مجسمۂ عدالت ہے۔ جمہور مسلمین کو صحابی کے ایمان پر اتنا وثوق اور عدالت پر اتنا اطمینان کامل ہے کہ جس طرح پیغمبرؐ کے افعال و اقوال سے احتجاج و استدلال کیا جاتا ہے بعینہ اسی طرح ان صحابہ کے افعال و اقوال حجت سمجھے جاتے ہیں۔ جمہور مسلمین کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ پیغمبرؐ کے زبان کی ہر جنبش ترجمان ہوتی ہے پیغمبرؐ کی، ان کا ہر قدم اٹھتا ہے تو پیغمبرؐ کی متابعت میں وہ اگر کچھ کہیں گے یا کریں گے تو وہی جسے وہ پیغمبرؐ سے سن چکے ہوں یا پیغمبرؐ کو کرتے دیکھ چکے ہوں، مختصر یہ کہ

صحابہ کرام آئینہ ہوتے ہیں رفتار وگفتار حرکت وسکون پیغمبر خداؐ کا۔

اب جائے انصاف ہے کہ ایسے صحابہ کرام مومنین کاملین پر اس سے بڑا بہتان اس سے بڑی تہمت بھی کوئی لگائی جا سکتی ہے؟ اس سے بڑھ کر بھی ان کی عزت خاک میں ملانا ممکن ہے۔ خدا کی قسم صحابہ کرام کے متعلق اتنا ناپاک الزام سننا اور سن کر ہیجان میں نہ آنا بس اسی شخص کے لیے ممکن ہے جو جذبۂ دینی سے خالی شجاعت اسلامی سے کورا حمیت وغیرت مذہبی سے دور کا بھی واسطہ نہ رکھتا ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ جب صحابہ کرام کو حضرت عثمان کے ان خطوط کی اطلاع ہوئی تو ان کا غیظ وغضب اور بھی حد سے سوا ہوگیا۔ پھر سچ پوچھئے تو خدا اور رسولؐ کے بعد مسلمانوں پر بس اسی امام برحق کی اطاعت فرض ہے جو کتاب خدا اور سنت رسول کا پابند ہو حضرت عثمان کے مخالفین یعنی تمام صحابہ کرام یقین رکھتے تھے کہ حضرت عثمان نے کتاب خدا اور سنت رسولؐ دونوں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور ان کا قول وفعل دونوں حق کے مخالف ہے۔ ایسی صورت میں کیسی اطاعت اور کیسا اس کا وجوب اور اطاعت نہ کرنے والوں سے کیسا مواخذہ؟

بیعت تو اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک صاحب بیعت ان تمام باتوں کا پابند رہے جن پر بیعت لی گئی تھی۔ مسلمانوں نے حضرت عثمان کی بیعت اس شرط پر کی تھی کہ وہ کتاب وسنت اور سیرت شیخین پر عمل کریں گے، جب اس شرط کی پابندی نہیں ہوئی تو فطری طور پر بیعت بھی رخصت ہوگئی، مسلمانوں کی برہمی کا سبب بھی یہی تھا۔ اب ایسی صورت میں اگر مسلمان قلادۂ بیعت اپنی گردن سے نکال دیں تو پھر ان سے مواخذہ یا زور زبردستی سے اپنی بیعت منوانا کیونکر جائز ہوسکتا تھا۔

اس بات سے مسلمانوں کو برہمی اور زیادہ ہوگئی کہ ایک تو شرائط بیعت کی پابندی نہیں کی گئی۔ ناپسندیدہ سے ناپسندیدہ افعال بجالائے گئے اور اب ہمیں کچلنے کے لیے فوجیں طلب کی جارہی ہیں۔ لشکر مہیا کئے جارہے ہیں۔ ہمیں قتل و برباد کرنے، لوٹنے تاراج کرنے کے لیے ان فوجوں کو احکام دیئے جارہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آفت نازل ہونے سے پہلے روک تھام ضروری تھی اور اسی روک تھام ہی کے طور پر واقعہ قتل رونما ہوا۔

یہ صحابہ کرام وہ تھے جنہوں نے پیغمبرؐ خدا کو پناہ دی تھی، ہر نازک مرحلہ میں مدد کی تھی، کفار ومشرکین سے جہاد کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، ایسے صحابہ پر حضرت عثمان کفر کا اتہام لگائیں اور جنگ خندق واحد کے کفار ومشرکین سے تشبیہ دیں تو ان کا ہیجان میں آنا ذرہ برابر بھی تعجب خیز نہیں۔

دوسری بات:

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عثمان کا توبہ کے معاملہ میں عجیب وغریب رویہ رہا۔ بھرے مجمع میں برسر منبر انہوں

نے توبہ کی، اپنی غلطیوں کا اقرار کیا۔ اس کے متعلق نوشتہ بھی لکھ دیا۔ جس پر بڑے بڑے صحابہ کرام نے اپنی گواہیاں بنائیں۔ اس کی نقلیں تیار کرا کر مخالفین اپنے اپنے وطن بھی لے گئے مگر جیسے ہی مخالفین مدینہ سے ہٹے۔ انہوں نے توبہ توڑ ڈالی۔ جتنے عہد و پیمان کیئے تھے سب خاک میں ملا دیئے اور ہر صوبے کے گورنروں کے پاس آدمی دوڑائے کہ جلدی میری مدد کو آؤ۔

حضرت عثمان سمجھتے تھے کہ میری تحریر کا خاطر خواہ اثر ہوگا۔ سارے حکام وعمال اپنے خویش واقارب ہیں۔ ہر ایک ہزاروں کا لشکر لے کر مدینہ چڑھ دوڑے گا اور ہم نے جو نوشتہ توبہ وندامت کا لکھا ہے وہ خون سے دھل جائے گا۔ حضرت عثمان کے منصوبے یہ تھے کہ اس وقت مخالفین کی مان کر توبہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں نوشتہ لکھ کر انہیں وقتی طور پر ٹال دیا جائے۔ جب تک ہماری مدد کے لیے ہر سمت سے فوجیں امنڈ کر آجائیں گی۔ پھر ان مخالفین کو پیس کر رکھ دینا مشکل نہ ہوگا۔

حیرت ہے اور شدید حیرت! کہ کہاں برسر منبر غلطیوں کا اقرار، خطاؤں پر ندامت وتوبہ کا اظہار اور کہاں اہل مکہ کے نام آپ کا وہ خط جس میں آپ لکھتے ہیں:

”نہ تو میری کوئی توبہ قبول کی جاتی ہے نہ میری کوئی بات سنی جاتی ہے۔“

مخالفین کی طرف سے کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جناب والا! کیا آپ سے توبہ کرنے کو کہا نہیں گیا؟ کہا آپ نے بھرے مجمع میں برسر منبر یکے بعد دیگرے توبہ نہیں کی؟ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ آپ کسی توبہ پر قائم ہی نہیں رہتے تھے، نہ کسی بات پر جمتے تھے۔ مخالفین نے یہ دیکھ کر کہ آپ نت نئے رنگ توبہ میں بدلتے ہیں۔ یقین کر لیا کہ آپ ہزار توبہ کیجے مگر اپنے افعال سے باز نہ آئیے گا، آپ صرف بہلائے رکھنا چاہتے تھے جب تک آپ کے گورنروں کی فوجیں آپ کی مدد کو نہ آجائیں۔ مروان کو حوالہ نہ کرنے ہی سے آپ کی نیت معلوم ہوگئی۔ مخالفین نے یقین کر لیا کہ آپ جادۂ مستقیم سے ہٹ چکے ہیں، کوئی چیز آپ کو استوار کرنے والی نہیں۔ اسی لیے انہوں نے تدارک کر لینا ضروری سمجھا قبل اس کے کہ آپ کا داؤں چلے اور آپ کے گورنروں کی فوجیں آکر انہیں پیس ڈالیں۔

مزید برآں ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ حضرت عثمان بات بات میں اپنی خلافت کے متعلق یہ جو کہا کرتے کہ ”یہ وہ خدا کی چادر ہے جسے اس نے خاص کر مجھے اڑھایا ہے۔“ یا ”یہ وہ قمیص ہے جسے خدا نے مجھے پہنایا ہے۔“ آخر اس کا کیا مطلب تھا۔ کب خدا نے یہ قمیص پہنائی اور کیونکر پہنائی؟ یہ قمیص تو پہنائی انہیں عبدالرحمان بن عوف نے وہی عبدالرحمان بن عوف جو مرنے سے پہلے ان کے سخت مخالف بن گئے اور جنہیں آپ نے منافق کا لقب عنایت فرمایا جنہوں نے وصیت کی تھی کہ ”آپ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھانے پائیں۔“ جو حضرت علیؑ سے کہا کرتے تھے کہ ”آپ بھی تلوار اٹھائیے میں بھی اٹھاتا ہوں۔“ یہ (عثمان)

ان تمام عہد و پیمان سے مکر گئے ہیں جو انہوں نے مجھ سے کئے تھے وہی عبد الرحمان بن عوف جو حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کو ابھارتے اور کہتے کہ قبل اس کے کہ عثمان اپنی حکومت میں چوڑے ہوں جلد ہی ان سے نپٹ لو۔'' جنھوں نے آپ سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی تھی حتیٰ کہ آخر وقت جب آپ ان کی عیادت کو گئے تو انہوں نے دیوار کی طرف منھ پھیر لیا بات کرنا تو درکنار صورت دیکھنا گوارا نہ کیا۔

کہا تو یہ جاتا ہے کہ خلیفہ کا تقرر اللہ پر واجب ہی نہیں بلکہ امت والوں کے اختیار کی چیز ہے وہ جسے چاہیں خلیفہ بنالیں تو پھر یہ خدا کا بار بار کیوں حوالہ دیا جارہا تھا؟ کیا آپ کے نزدیک خداوند عالم امت والوں کے انتخاب کا پابند ہے؟ امت والے جو انتخاب کریں خدا پر فرض ہے کہ ان کے فیصلہ پر صاد کردے؟ کیا وہ خود انتخاب و اختیار کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ امت کے ووٹ کی راہ تکتا رہے۔ جب امت والے اپنے ووٹوں سے کسی کو خلیفہ مقرر کردیں تو وہ بھی اپنا فیصلہ اسی کے حق میں صادر کردے؟ کیا اسی مناسبت سے اس پیراہن خلافت کی نسبت اللہ کی طرف دی جاتی ہے؟

ان میں کوئی بات بھی کہنا ممکن نہیں واقعہ یہ ہے کہ خلافت سے علیحدگی پر دل تیار نہ تھا۔ ادھر مخالفین کے الزامات تھے جو حرف بہ حرف صحیح تھے جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو یہ کہہ دیا کہ یہ خدا کی پہنائی ہوئی قمیص ہے میں کیسے خلافت سے دستبردار ہوسکتا ہوں؟

چوتھی فصل

یومُ الدار محاصرہ کا آخری دن اور جنگ وجدال

علامہ ابن سعد نے مروان کے غلام ابوحفصہ سے روایت کی ہے کہ اس دن مروان بن حکم رجز پڑھتا اور یہ کہتا ہوا نکلا کہ کون لڑنے کو آتا ہے۔عروہ بن شمیم مقابلہ کو نکلے اس کی گدی پر تلوار ماری مروان منھ کے بل زمین پر گر پڑا۔عبید بن رفاعہ چھری لے کر بڑھے کہ گردن کاٹ ڈالیں۔مروان کی دایہ جس نے دودھ پلایا تھا چلا پڑی کہ اگر تم اسے مارنا چاہتے تھے تو مار چکے بوٹی کاٹ کر اس کی کیا کرو گے۔عبید نے چھوڑ دیا۔(طبقات ابن سعد ج/۵،ص/۲۵)

بلاذری نے روایت کی ہے کہ بروز قتل عثمان بنوامیہ نے ام حبیبہ زوجہ پیغمبر کے یہاں پناہ لی،انہوں نے عاص،ابی العاص،اُسید کے گھر والوں کو اپنے مکان کی ایک کوٹھری میں چھپا دیا اور باقی سبھوں کو دوسرے مکان میں۔

ایک دن معاویہ نے عمرو بن سعید کو اکڑ کر چلتا ہوا دیکھا کہنے لگے قربان جاؤں ام حبیبہ پر وہ اس خاندان کی حقیقت سے خوب ہی واقف تھیں جب ہی انہیں کوٹھری میں بند کر دیا تھا۔

بلاذری لکھتے ہیں کہ ہجوم حضرت عثمان کی طرف بڑھا۔کچھ لوگ ایک انصاری کے گھر کے راستہ حضرت عثمان کے گھر میں گھس آئے،وہاں قریش کے تین شخصوں نے دادِ شجاعت دی۔عبداللہ بن وہب بن زمعہ بن اسود،عبداللہ بن عوف،عبداللہ ابن عبدالرحمان بن عوام۔یہ تینوں ان کی حمایت میں لڑتے ہوئے مارے گئے۔عبداللہ بن عبدالرحمان بن عوام یہ کہتے ہوئے نکلے بندگان خدا ہمارے تمہارے درمیان کتاب خدا ہے۔عبدالرحمان بن عبداللہ جمحی نے یہ رجز پڑھتے ہوئے ان پر حملہ کیا۔

آج کے دن ہم کاٹنے والی تلوار سے بقیہ کفار ومشرکین کو ماریں گے تم ہمیں کتاب خدا کی طرف بلاتے ہو۔حالانکہ تمہیں نے اسے بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

جمحی نے عبداللہ بن عبدالرحمان کو تلوار پر دھر لیا کچھ اور لوگوں نے حملہ کر کے عبداللہ بن عوف اور عبیداللہ بن وہب کو قتل کر ڈالا۔

مالک اشتر عثمان کی طرف بڑھے دیکھا کہ وہ تنہا ہیں کوئی پاس نہیں،پلٹ آئے ایک شخص نے کہا اشتر!تم تو ہمیں عثمان سے جنگ کرنے کے لیے بلا کر لائے اور اب انہیں دیکھ کر الٹے پیروں واپس جا رہے ہو،مالک اشتر نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے کیا تم دیکھتے نہیں کہ عثمان یکہ وتنہا بیٹھے ہیں کوئی حامی ومددگار آس پاس نہیں جب وہ واپس جانے لگے تو عثمان کے

غلام ناتل نے کہا یہی اشتر سارے فساد کی جڑ ہیں اگر میں انہیں قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کرے یہ کہہ کر پیچھے سے ان پر ٹوٹ پڑا۔ ایک شخص نے چیخ کر کہا، اشتر! ہوشیار! دشمن پیچھے ہے۔ اشتر نے پلٹ کر ناتل کو دیکھا اور تلوار کا ایک ہلکا سا وار کیا جس سے اس کا بایاں ہاتھ اڑ گیا۔ اشتر نے اپنے کسی ہمراہی سے کہا بھاگ کر نہ جانے پائے ایک شخص نے پیچھا کر کے مار ڈالا۔

ابومخنف کی روایت میں ہے کہ مروان اور اس کے ساتھ بہت سے لوگوں نے جنگ کی تیاری کر رکھی تھی۔ حضرت عثمان نے انہیں منع کیا مگر وہ مانے نہیں اور جو لوگ حضرت عثمان کے گھر میں گھسے تھے حملہ کر کے انہیں گھر سے باہر کر دیا۔ مروان کے ساتھیوں میں سے مغیرہ بن اخنس رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا۔ رفاعہ یا کسی اور کے ہاتھوں مارا گیا، پھر مروان رجز پڑھتا باہر نکلا اور داہنے بائیں ہاتھ چلاتے لگا۔ حجاج بن غزیہ اس کے مقابلہ کو نکلے۔ اس کی گردن پر تلوار ماری وار کاری نہ پڑا۔ منہ کے بل گرا۔ اس کی دایہ سرہانے آ کر کھڑی ہو گئی اور گھر میں اٹھالے گئی۔

سعید بن عاص کے سر پر عامر بن بکیر نے تلوار ماری مگر نائلہ زوجۂ عثمان بیچ میں آ گئی اور اسے گھر میں لے جا کر دروازہ بند کر دیا۔ (کتاب الانساب ج ۵ ص ۸۷ تا ۸۱)

طبری نے ابوحفصہ غلام مروان سے روایت کی ہے، ابوحفصہ کا بیان ہے کہ جب عثمان محصور ہوئے تو بنی امیہ نے لڑنے پر کمریں کس لیں، مروان حضرت عثمان کے گھر میں آیا میں بھی ساتھ ساتھ تھا اور میں نے ہی پہل کر کے لڑائی کی آگ بھڑکائی۔ میں نے دیوار کے اوپر سے تیر چلا کے قبیلہ اسلم کے ایک شخص کو مار ڈالا۔ جس کا نام نیاز اسلمی تھا اس پر جنگ شروع ہو گئی۔ میں چپکے سے دیوار سے اتر آیا وہاں دروازے پر گھمسان کا رن پڑنے لگا۔ پہلے ان لوگوں نے حضرت عثمان کے پاس پیام بھیجا کہ نیاز کے قاتل کو ہمارے حوالے کر دیجئے حضرت عثمان نے جواب دیا کہ مجھے کچھ خبر نہیں کہ کس نے قتل کیا۔ شب اسی تکرار میں گذری صبح کے وقت کنانہ بن عتاب آگ لئے ہماری چھتوں پر بنی حزم کے گھر کے راستہ سے چڑھ آیا۔ آگے آگے آگ تھی پیچھے پیچھے روغن نفط کا چھڑکاؤ، نتیجہ یہ ہوا کہ مکان کی لکڑیاں سلگ اٹھیں۔ حضرت عثمان نے اپنے اصحاب سے کہا اب آگ کے بعد بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہیں رہی، تمام لکڑیاں جل اٹھیں۔ دروازے جل گئے۔ مجھے جو واجب الطاعت سمجھتے ہیں۔ انہیں میرا حکم ہے کہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ مروان سے کہا تم بیٹھو یہاں سے باہر نہ نکلو مگر مروان نے عثمان کی بات نہیں مانی اور لڑنے کے ارادے سے باہر نکل پڑا۔

انہیں طبری نے حسین بن عیسیٰ کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ جب ایام تشریق گذر گئے اور مخالفین نے عثمان کا گھر گھیر لیا، حضرت عثمان اپنی بات پر جمے رہے کہ میں خلافت سے دستبردار نہیں ہوں گا۔ انہوں نے اپنے حشم خدم مخصوصین وحوارین

کو اپنے پاس بلا کر اکٹھا کر لیا، پیغمبرؐ کے ایک بہت بوڑھے صحابی نیاز بن عیاض نے حضرت علیؑ کو آواز دی وہ سامنے آئے، نیاز نے انہیں خدا کا واسطہ دے کر سمجھانا چاہا دونوں میں باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت عثمان کے ساتھیوں میں سے کسی نے تیر چلا دیا اور نیاز جاں بحق ہوئے۔ مخالفین نے اس موقع پر حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ نیار کے قاتل کو ہمارے حوالے کیجئے۔ حضرت عثمان نے کہا واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے ناصر و مددگار کو قتل کرنے کے لیے تمہارے حوالے کر دوں درانحالیکہ تم لوگ خود میری جان لینے کے درپے ہو۔ اس پر مخالفین ابل پڑے، انہوں نے دواز ہ کو آگ لگا دی۔

مروان بن حکم حضرت عثمان کے گھر سے ایک ٹوپی کے ساتھ نکلا، سعید بن عاص ایک جماعت کے ساتھ برآمد ہوا۔ مغیرہ بن اخنس ایک جماعت کے ساتھ باہر آیا اور بڑی سخت جنگ ہوئی۔ حضرت عثمان کے حامیوں نے خود ہی جنگ کا آغاز اس وجہ سے کیا کہ انہیں خبر ملی تھی کہ بصرہ سے مدد آ گئی ہے اور مدینہ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ ادھر شام والے بھی کمک لے کر چلے آ رہے ہیں۔ دروازہ پر بڑی ہولناک لڑائی ہوئی۔ مغیرہ بن اخنس ثقفی رجز پڑھتا ہوا نکلا۔ اس کے جواب میں عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی رجز پڑھتے ہوئے نکلے اور مغیرہ کو قتل کیا۔ رفاعہ بن رافع انصاری نے مروان پر حملہ کر کے اسے پچھاڑ ڈالا۔ پھر یہ سمجھ کر کہ یہ تو مر چکا ہے چھوڑ دیا۔ حضرت عثمان کے ہمراہی پسپا ہو کر قصر میں گھس آئے اور دروازہ پر جم کر خوب لڑے۔ بڑی دیر تک معرکے گرم رہے یہاں تک کہ عمرو بن حزم انصاری نے اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا جو حضرت عثمان کے گھر کے پہلو میں تھا دروازہ کھول کر لوگوں کو آواز دی سب اس گھر کے راستہ حضرت عثمان کے گھر میں گھس آئے اور گھر کے بیچوں بیچ لڑائی ہوئی۔ حضرت عثمان کے ہمراہیوں کے پیر اکھڑ گئے انہوں نے دروازہ چھوڑ دیا اور مدینہ کی گلیوں میں بھاگ نکلے۔ حضرت عثمان گنتی کے چند اصحاب واعزہ کے ہمراہ رہ گئے۔" (تاریخ طبری ج/۵، ص/۱۲۲ تا ۱۲۵، تاریخ کامل ج/۳، ص/۳۷۔۷۴)

مورخین کی ان عبارتوں سے یہ حقیقت ڈھکی چھپی نہیں رہتی کہ اس وقت حضرت عثمان کے حامی و مددگار اموی کے سوا کوئی نہ تھا یا پھر کچھ غلام تھے حضرت عثمان کے جنہوں نے نمک حلالی سے کام لیا، کچھ گنتی کے دوسرے لوگ بھی تھے۔ بنی امیہ ہی کے قماش کے اور اس طرف تمام مہاجرین وانصار کی جمعیت تھی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حضرت عثمان کے گنے چنے ہمراہی بھی آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور آخر کار قتل کی نوبت آ گئی۔ اس وقت کوئی بچانے والا نہ تھا۔

اس حقیقت کو اپنے ذہن میں رکھئے گا آگے چل کر اس سے بڑے نتائج حاصل ہوں گے۔

پانچویں فصل

حادثۂ قتل

علامہ بلاذری لکھتے ہیں کہ جب اہل مصر اور دیگر محاصرین کو حضرت عثمان کے ان خطوط کا علم ہوا جو آپ نے عبداللہ بن عامر اور معاویہ کو مدد کے لیے لکھے تھے تو انہوں نے محاصرہ اور سخت کر دیا۔ اور کوشش کی کہ یہ قصہ جلد ختم ہو جائے۔

محاصرہ کرنے والوں کی کمان طلحہ نے اپنے ہاتھ میں لے لی، انہوں نے پہرہ لگا دیا کہ کوئی عثمان کے پاس آنے جانے نہ پائے پانی بھی روک دیا، ام حبیبہ دختر ابوسفیان نے تدبیروں سے کچھ پانی بہ دقت عثمان تک پہنچایا۔

جبیر بن مطعم حضرت علیؑ کے پاس پہنچے اور کہا کہ صورت حال اتنی سنگین ہوگئی ہے کہ پانی تک بند کر دیا گیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ نوبت یہاں تک آگئی!! یہ کہہ کر اٹھے اور چند مشکیں پانی کی ان تک پہنچائیں اور انہیں سیراب کیا۔

جب جنگ چھڑ گئی اور معرکہ میں زیاد بن نعیم فہری حضرت عثمان کے چند حامیوں کے ساتھ مارے گئے، تو لڑائی نے اور شدت اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ عمرو بن حزم انصاری نے جس کا گھر حضرت عثمان کے گھر سے بالکل ملا ہوا تھا۔ اپنا دروازہ کھول کر لوگوں کو آوازیں دیں۔ سب گھس پڑے اور ان کے گھر کے راستہ حضرت عثمان کے گھر میں اتر آئے۔ گھر کے بیچوں بیچ گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت عثمان کے ہمراہی پسپا ہوئے اور دروازہ چھوڑ کر مدینہ کے گلی کوچوں میں بھاگ نکلے۔ عثمان اپنے گھر والوں میں تنہا رہ گئے اور قتل کر ڈالے گئے۔

علامہ ابن سعد اور طبری نے روایت کی ہے کہ محمد ابن ابی بکر، عمرو بن حزم انصاری کے گھر کے راستے عثمان کے گھر میں پھاند پڑے۔ ان کے ساتھ کنانہ بن بشیر بن عتاب، سودان بن حمران، عمرو بن حمق بھی تھے حضرت عثمان اپنی بیوی نائلہ کے ساتھ بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے، محمد بن ابی بکر نے آگے بڑھ کر ان کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا۔

محمد بن ابی بکر۔ اے نعثل خدا نے تجھے ذلیل کیا۔

حضرت عثمان۔ میں نعثل نہیں ہوں۔ عثمان اور امیر المومنین ہوں۔

محمد بن ابی بکر۔ معاویہ اور فلاں فلاں خاک تمہارے کام آئے۔

حضرت عثمان۔ میری ڈاڑھی تو چھوڑو۔ اگر تمہارے باپ ہوتے تو ہرگز اسے نہ پکڑتے۔

محمد بن ابی بکر۔ اگر میرے باپ تمہیں ایسے کام کرتے دیکھتے تو وہ بھی ایسا ہی کرتے اور میں تو ڈاڑھی پکڑنے سے بھی زیادہ سخت کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

حضرت عثمان۔ میں تمہارے خلاف خدا ہی سے مدد چاہتا ہوں۔

محمد ہاتھوں میں تیر کا ایک پھل لئے ہوئے تھے انہوں نے حضرت عثمان کی پیشانی میں جھونک دیا۔

بلاذری کی لفظوں کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت عثمان نے قرآن اپنی گود میں کھول لیا اور کہا بندگانِ خدا تمہیں قرآن کا واسطہ تمہاری شکایتیں دور کر دی جائیں گی۔ محمد بن ابی بکر نے کہا الان وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین۔ اب؟ درآنحالیکہ پہلے نافرمانیاں کر چکے ہو۔ اور تم مفسدین میں سے تھے۔ ہاتھوں میں کچھ تیر لیے ہوئے تھے۔ انہیں تیروں سے کنپٹی کے پیچھے کی ہڈی پر مارا۔ حضرت عثمان نے کہا خدا کے بندے! مجھے قتل نہ کرو ورنہ پچھتاؤ گے اور اختلاف میں پڑ جاؤ گے۔

ابن کثیر کی لفظوں کا ترجمہ یہ ہے کہ" محمد بن ابی بکر تیرہ آدمیوں کے ساتھ گھر میں گھسے اور ان کی ڈاڑھی پکڑ کر زور سے جھٹکے دیئے کہ ان کے دانت بج اٹھے اور کہا کہ معاویہ نے تمہاری کیا مدد کی؟ ابن عامر کیا کام آئے؟ اور اپنی مدد کے لیے جو خطوط تم نے بھیجے تھے ان سے کیا فائدہ ہوا۔"

ابن عساکر کی لفظیں یہ ہیں کہ محمد بن ابی بکر نے کہا تم کس دین پر ہو اے نعثل؟

حضرت عثمان نے کہا میں دین اسلام پر ہوں اور نعثل نہیں ہوں بلکہ امیر المومنین ہوں۔

محمد بن ابی بکر نے کہا تم نے کتاب خدا بدل کر رکھ دی ہے۔

حضرت عثمان نے کہا ہمارے تمہارے درمیان یہ خدا کی کتاب ہے۔

محمد بن ابی بکر نے بڑھ کر ان کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا کل قیامت کے دن ہمارا یہ کہنا نہیں سنا جائے گا۔ انا اطعنا سادتنا و کبراءنا فاضلونا السبیل۔ خداوندا ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کی اطاعت کی اور انہوں نے راہ راست سے ہمیں گمراہ کر دیا یہ کہہ کر محمد نے دروازہ کی طرف انہیں ڈھکیل دیا۔ حضرت عثمان کہتے ہی رہے بھتیجے! تمہارے باپ کبھی میری ڈاڑھی نہیں پکڑتے۔

علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ کنانہ بن بشیر نے تیر کا پھل عثمان کے کان کی جڑ میں مارا جو ان کے حلق میں گھس گیا پھر تلوار کا وار کر کے قتل کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ کنانہ بن بشیر تجیبی نے لوہے کی سلاخ سے ان کے سر پر مارا جس سے حضرت عثمان پہلو کے

بل گر پڑے، اس کے بعد سودان بن حمران مرادی نے تلوار کا وار کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔ عمرو بن حمق کمرے میں داخل ہوئے۔ عثمان میں ابھی کچھ جان باقی تھی وہ سینہ پر چڑھ بیٹھے اور ۹ وار کیئے۔ کہا کہ تین وار تو میں نے خدا کے لیے لگائے ہیں اور ۶ وار اپنی طرف سے کیونکہ میرا سینہ ان سے داغدار ہے۔

عمرو بن ضابئ نے آپ کی ایک یا دو پسلی توڑ ڈالی۔

طبری ابن عبدربہ قرطبی اور ابن کثیر کی ایک روایت کی لفظیں ہیں کہ لوگوں نے حضرت عثمان کے سر پر تین وار کیئے، سر پر تین گھاؤ لگائے اور آنکھ اور ناک کے قریب ایک زخم لگا یا جو ہڈی تک اتر گیا، چاہتے تھے کہ سر کاٹ لیں مگر نائلہ اور دختر شیبہ حضرت عثمان کی بیویوں نے اپنے کو عثمان کے اوپر گرا دیا۔ ابن عدیس نے کہا جانے دو سر نہ کاٹو۔ دونوں عورتیں بری طرح کچلی گئیں۔

ابن کثیر کی ایک روایت کی لفظیں ہیں کہ محمد ابن ابی بکر کے بعد غافقی آگے بڑھا اور لوہے کہ ایک سلاخ سے حضرت عثمان کے منھ پر مارا۔ (طبقات ابن سعد ج/۳، ص/۵۱، کتاب الانساب بلاذری ج/۵، ص/۲۷ و ۸۲، و ۸۳، و ۹۲، و ۹۷۔ ۹۸، امامت والسیاست ج/۱، ص/۳۹، تاریخ طبری ج/۵، ص/۱۲۵، و ۱۳۱۔ ۱۳۲، عقد فرید ج/۲، ص/۲۷۰، مروج الذہب ج/۱، ص/۴۴۲، استیعاب ج/۲، ص/۴۷۷۔ ۴ و ۴۴۸، تاریخ بن عساکر ج/۴، ص/۳۷۷، تاریخ کامل ج/۳، ص/۷۲ و ۷۵، تاریخ ابن خلدون ج/۲، ص/۴۰۱، تاریخ ابی الفدا ج/۱، ص/۱۷۰، تاریخ ابن کثیر ج/۷، ص/۱۸۴ و ۱۸۷۔ ۱۸۸، تاریخ خمیس ج/۲، ص/۲۶۳)

چھٹی فصل

حضرت عثمان کا کفن ودفن

طبری نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان تین دن تک بے دفن وکفن پڑے رہے۔حکیم بن حزام، جبیر بن مطعم وغیرہ نے حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ عثمان کے عزیزوں کو اجازت دی جائے کہ وہ لاش سپرد خاک کریں، آپ نے انہیں اجازت دی، جب یہ خبر مشہور ہوئی تو دشمن راستہ میں پتھر لے کر بیٹھ گئے۔حضرت عثمان کے رشتہ داران کی میت لے کر مدینہ کے ایک باغ حش کوکب کی طرف روانہ ہوئے جس میں یہودیوں کے مردے دفن ہوتے تھے، راستہ میں دشمنوں نے میت پر پتھر پھینکے، میت اٹھانے والوں نے چاہا کہ میت ڈال کر بھاگ نکلیں مگر حضرت علیؑ نے دشمنوں سے کہلا بھیجا کہ ان حرکتوں سے باز رہواس پر دشمن رک گئے اور میت لے جا کر حش کوکب میں دفن کر دی گئی۔

معاویہ نے اپنے دور حکومت میں حش کوکب کو قبرستان بقیع میں ملا دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ عثمان کی قبر کے ارد گرد اپنے مردے دفن کریں، رفتہ رفتہ وہ جگہ بھی مسلمانوں کے قبرستان سے متصل ہوگئی۔

طبری نے ابی کرب کے واسطہ سے روایت کی ہے ”ابی کرب حضرت عثمان کی طرف سے بیت المال کا نگراں تھا، اس کا بیان ہے کہ حضرت عثمان مغرب کے بعد دفن ہوئے ان کے جنازہ پر صرف مروان بن حکم۔تین غلام اور ان کی ایک بیٹی تھی، بیٹی چلا کے رونے لگی لوگوں نے نعثل نعثل کہہ کر پتھر پھینکنا شروع کئے قریب تھا کہ میت سنگسار ہو جائے آخر ایک دیوار کے تلے دفن کئے گئے۔

عبداللہ بن ساعدہ کے واسطے سے روایت ہے کہ عثمان دو رات بے دفن پڑے رہے۔کسی کو ان کے دفن وکفن کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔آخر چار شخص میت کو اٹھا کر لے چلے، حکیم بن حزام، جبیر بن مطعم، نیار بن مکرم اور ابوجہم ابن ابی خذیفہ جب میت نماز کے لیے رکھی گئی تو کچھ صحابہ آکر نماز میں مزاحم ہوئے نہ نماز پڑھنے دی نہ بقیع میں دفن ہونے دیا۔کہا کہ خدا کی قسم یہ مسلمانوں کے قبرستان میں ہرگز دفن نہیں کئے جاسکتے۔مجبوراً حش کوکب میں دفن کئے گئے جب بنو امیہ بادشاہ ہوئے انہوں نے حش کوکب کو بقیع میں داخل کر دیا۔چنانچہ وہ آج کے دن بنی امیہ کا قبرستان ہے۔

عبداللہ بن موسیٰ مخزومی کے واسطہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عثمان قتل کر ڈالے گئے تو دشمنوں نے چاہا کہ سر بھی کاٹ لیں مگر نائلہ اور ام البنین عثمان کی بیویاں ان کی لاش پر گر پڑیں اور چیخنے چلانے منہ پیٹنے لگیں اور اپنے کپڑوں کو پھاڑ

ڈالا۔ابن عدیس نے کہا جانے دو سر نہ کاٹو۔

حضرت عثمان کی میت بقیع میں بے غسل وکفن لے جائی گئی لوگوں نے چاہا کہ نماز پڑھیں مگر انصار نے پڑھنے نہ دیا۔ میت ایک دروازہ کے پاس رکھی ہوئی تھی کہ عمیر بن ضابی آیا اور میت پر چڑھ کر اس نے ایک پسلی توڑ ڈالی اور کہا کہ تم نے میرے باپ کو قید میں ڈال دیا تھا اور وہ قید خانہ ہی میں مرگیا۔

ابن سعد وطبری دونوں نے مالک بن عامر کے واسطے سے روایت کی ہے کہ عثمان کی میت اٹھانے والوں میں میں بھی تھا۔ہم لوگ دروازہ کے ایک پٹ پر لاش رکھے لے جارہے تھے تیز تیز چلنے کی وجہ سے میت کا سر تختہ سے ٹکراتا جاتا اور ٹھک ٹھک کی آواز دیتا جاتا تھا۔ہم لوگوں پر قیامت کی دہشت طاری تھی آخر ہم لوگوں نے حش کوکب میں لے جا کر دفن کیا۔

بلاذری نے ابومخنف کی روایت لکھی ہے کہ حضرت عثمان جمعہ کے دن قتل ہوئے اور ان کی میت گھر ہی میں پڑی رہی۔اس کے بعد جبیر بن مطعم ،عبدالرحمان بن ابی بکر،مسور بن مخرمہ زہری اور ابوالجہم آئے کہ نماز پڑھ کر سپرد خاک کریں انصار کے کچھ لوگ آکر مزاحم ہوئے کہ ہم تمہیں نماز نہ پڑھنے دیں گے ابوجہم نے کہا کہ تم ہمیں ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھنے دیتے حالانکہ ملائکہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی ہے۔

حجاج بن غزیہ نے کہا خدا تمہیں بھی انہیں کے پاس لے جائے۔

ابوجہم نے کہا ہاں خدا مجھے عثمان کے ساتھ محشور کرے۔

ابن غزیہ نے کہا خدا ضرور تمہیں عثمان کے ساتھ بھی محشور کرے گا اور شیطان کے ساتھ بھی، خدا کی قسم تمہیں بھی انہیں عثمان سے ملحق نہ کرنا خطا اور عاجزی ہوگی اس پر ابوجہم خاموش ہوگیا۔

دشمن تھوڑی دیر کے لیے غافل اور اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے۔موقع سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی اور دفن کر دیا۔جبیر بن مطعم نے نماز پڑھائی ،ام البنین زوجۂ عثمان روشنی دکھا رہی تھیں۔

نماز جنازہ کی روک تھام کو علامہ ابوعمرو نے بھی استیعاب میں ہشام بن عروہ کے واسطے سے ذکر کیا ہے ابوعمرو لکھتے ہیں کہ جب میت لے جائی جارہی تھی تو انصار کے کچھ لوگ آگئے اور میت لے جانے والوں سے برسرپیکار ہوگئے آخر ان لوگوں نے میت زمین پر ڈال دی ،عمیر بن ضابی نے عثمان کے پیٹ کو روند ڈالا اور کہتا جاتا تھا کہ آج تک میں نے کسی کافر کا پیٹ اتنا نرم نہیں پایا۔

عمیر بن ضابی حضرت عثمان کا بڑا شدید دشمن تھا۔یہ اس دن کہتا تھا۔''مجھے ضابی میرے باپ کو دکھاؤ۔مرے لیے

ضابی کو زندہ کر دو تا کہ آج وہ عثمان کی یہ حالت اپنی آنکھ سے دیکھ لے۔

ابن قتیبہ کتاب الشعر والشعراء ص/۱۲۸ میں لکھتے ہیں کہ عمیر بن صنابی نے آکر پیر سے ٹھوکر ماری۔

مدائنی نے وقاصی سے انہوں نے زہری سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے حضرت عثمان کے دفن سے گریز کیا آخرام حبیبہ (زوجہ رسولؐ) مسجد کے دروازہ پر آکر کھڑی ہوئیں اور کہنے لگیں تم لوگ ہمیں عثمان کو دفن کرنے دو۔ ورنہ میں رسولؐ اللہ (کی قبر کا) پردہ چاک کر دوں گی۔ لوگوں نے یہ سن کر مزاحمت ترک کر دی۔

ابن جوزی، محب طبری، ہیثمی وغیرہ نے عبداللہ بن فرخ کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ میں حضرت عثمان کے دفن کے موقع پر موجود تھا وہ اپنے خون بھرے کپڑوں میں دفن کئے گئے بغیر غسل کے۔

بخاری، بغوی، ابن اثیر اور ابن ابی الحدید نے بھی لکھا ہے کہ بغیر غسل کے اپنے کپڑوں میں دفن کئے گئے۔

علامہ ابوعمر نے استیعاب میں روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان قتل کئے گئے تو ان کی میت مزبلہ پر ڈال دی گئی جہاں تین دن تک پڑی رہی، آخر رات کے وقت ۱۲ آدمی آئے اور اٹھا کر قبرستان میں لے گئے چاہا کہ دفن کریں مگر بنی مازن کے کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ اگر تم یہاں دفن کرو گے تو صبح کو ہم سب کو بتا دیں گے۔ ان لوگوں نے میت تختہ پر اٹھائی میت کا سر ٹک ٹک کرتا جاتا تھا۔ حش کوکب میں لائے وہاں قبر کھودی گئی۔ عائشہ بنت عثمان چراغ لئے ساتھ تھیں۔ جب دفن کے لیے میت نکالی گئی تو چیخنے چلانے لگیں۔ عبداللہ بن زبیر نے آکر کہا اگر چپ نہ ہوگی تو تمہاری آنکھوں پر ماریں گے۔

محب طبری نے ریاض نضرہ میں نقل کیا ہے کہ میت حش کوکب میں تین دن بے نماز پڑی رہی۔

صفدری نے تمام المتون ص/۸۹ میں مالک سے نقل کیا ہے کہ عثمان تین دن تک مزبلہ پر پڑے رہے۔

یعقوبی لکھتے ہیں کہ تین دن تک میت بے دفن پڑی رہی، آخر شب میں حش کوکب نام کی ایک جگہ دفن ہوئے۔ چار شخص جوان کی میت کو اٹھا کر لے گئے تھے انہیں نے نماز جنازہ پڑھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھی ہی نہ گئی۔

(طبقات ابن سعد ج/۳، ص/۵۵، کتاب الانساب بلاذری ج/۵، ص/۸۳، و۸۶، و۹۹، امامۃ والسیاستہ ج/۱، ص/۴۰، تاریخ طبری ج/۵، ص/۱۴۳-۱۴۴، تاریخ یعقوبی ج/۲، ص/۱۵۳، استیعاب ج/۲، ص/۴۷۸-۴۷۹، صفۃ الصفوۃ ج/۱، ص/۱۱۷، کامل ابن اثیر ج/۳، ص/۷۶، ریاض نضرہ ج/۲، ص/۱۳۱-۱۳۲، معجم البلدان ج/۳، ص/۱۸۱، تاریخ ابن کثیر ج/۷، ص/۱۹۰-۱۹۱، حیٰوۃ الحیوان دمیری ج/۱، ص/۵۴، وفاء الوفاء ج/۳، ص/۹۹، سیرۃ الحلبیہ ج/۲، ص/۸۵، تاریخ خمیس ج/۲، ص/۲۶۵)

یہ مرحلہ بڑا نازک مرحلہ ہے۔ عقل حیران ہے کہ ان واقعات سے کس نتیجہ پر پہنچا جائے۔ حضرت عثمان کے ساتھ جو سلوک کئے گئے، ان پر تشدد برتا گیا، ہولناک طریقہ پر انہیں قتل کیا گیا، مرنے کے بعد میت کی بے حرمتی کی گئی، تجہیز وتکفین دفن اور نماز جنازہ سے محروم رکھا گیا، میت پر سنگ باری کی گئی۔ مردہ کی پسلی توڑ ڈالی گئی۔ ان تمام باتوں سے فقط دو ہی نتیجے نکلتے ہیں۔ یا تو تمام صحابہ سب کے سب فاسق ہو گئے تھے کیونکہ انہیں کی بدولت یہ تمام باتیں ظہور میں آئیں، کسی نے مدد سے گریز کر کے ہلاک ہو جانے دیا، کسی نے خود اپنے ہاتھوں قتل کیا، کوئی ہنسی خوشی ان کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھا کیا۔ صحابہ کرام کے کانوں میں خداوندعالم کی یہ آوازیں گونج رہی ہوں گی کہ لاتقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق۔ خداوندعالم نے جن نفوس کو حرام قرار دیا ہے انہیں قتل نہ کرو اور قتل کرو بھی تو کسی واقعی خطا پر۔ من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً۔ جس نے کسی کو بغیر کسی قصاص کے یا زمین میں فساد پھیلانے کے قصور کے بغیر قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ ومن یقتل مومناً متعمداً فجزاہ جھنم خالداً فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدلہ عذاباً عظیماً۔ جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کر ڈالا اس کی جزا جہنم ہے ہمیشہ اسی میں رہے گا اور خداوندعالم اس پر غضب ناک ہوگا۔ اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب مہیا کرے گا۔

اسی طرح پیغمبر خدا کے وہ بے شمار ارشادات واقوال بھی ان کے دماغوں میں محفوظ تھے جو آپ نے مردے کے غسل ونماز جنازہ اور دفن کے واجب ہونے کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں۔ نیز یہ کہ مومن کا احترام جتنا زندگی میں ضروری ہے اتنا ہی مرنے کے بعد بھی۔

ان تمام ارشادات الٰہی، ان تمام فرامین نبوی کے بعد بھی صحابہ کرام کا حضرت عثمان کے ساتھ یہ تمام سلوک روا رکھنا بتاتا ہے کہ سب ہی فاسق ہو گئے تھے۔ یا پھر یہ کہنا پڑے گا کہ خود حضرت عثمان جادۂ مستقیم سے منحرف ہو گئے تھے۔ صحابہ کرام نے یہ یقین کر لیا تھا کہ عثمان ان تمام ارشادات الٰہی وفرامین نبوی کے مصداق باقی ہی نہیں رہے۔

بس یہی دو صورتیں نکلتی ہیں، مگر قیامت یہ کہ دونوں صورتوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرنا مشکل ہے۔ نہ تو صحابہ ہی کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ سب کے سب ایک ایک کر کے فاسق ہو گئے تھے۔ نہ حضرت عثمان ہی کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ دین سے خارج تھے۔

صحابہ کو لیجئے تو وہ تمام صحابہ مسلمانوں کے نزدیک عدل مجسم ہیں۔ ان پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ ان کے افعال واقوال سے دلیل پیش کی جاتی ہے۔ ان کے ایمان کا یقین کامل رکھا جاتا ہے۔ صحبت پیغمبر نے ان پر جلا کر دی تھی۔ ان کے نفوس کی

کثافتیں نکال پھینکی تھیں۔ قیامت بالائے قیامت یہ کہ اس ہنگامے میں بعض ایسے صحابہ کرام بھی تھے جو عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں جیسے طلحہ، زبیر، طلحہ نے تو اس واقعہ میں خصوصی کردار ادا کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے نامی گرامی صاحب فضائل ومناقب مقدس صحابہ ومومنین تھے جیسے عمار یاسر، مالک اشتر، عبداللہ بن بدیل وغیرہم۔

اس موقع پر خود حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ بھی موجود تھے، آپ کی ہستی اس وقت مرکزی حیثیت رکھتی تھی۔ تمام مسلمان آپ ہی کی خلافت کی تمنائیں دل میں رکھتے تھے، آپ کی ہر بات واجب التعمیل سمجھی جاتی تھی سوچنے کی بات ہے کہ آپ جو قوانین شریعت کے سب سے بڑھ کر عالم تھے۔ چپ چاپ بیٹھے مسلمانوں کی یہ تمام بدسلوکیاں دیکھا کئے اور ان کے مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑے نہیں ہوئے۔

یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ اکابر صحابہ ان واقعات سے بے خبر تھے، یا انہیں گمان نہیں تھا کہ نوبت یہاں تک آجائے گی، یا وہ ان تمام بدسلوکیوں کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ واقعہ ناگہانی طور پر نہیں پیش آیا نہ اچانک یادھوکے سے عثمان قتل کئے گئے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ یہ ہنگامے دو مہینہ سے زیادہ قائم رہے، اس مدت میں مخالفین کا حضرت عثمان سے دو ہی باتوں کا مطالبہ رہا یا تو اپنی حرکتوں سے باز آجائیں یا پھر مسند خلافت چھوڑ دیں، وہ دھمکیاں دیتے کہ اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی قبول نہ کریں گے تو ہم قتل کر ڈالیں گے، مخالفین کے نعروں سے مدینہ کی فضا گونج رہی تھی، اور حضرت عثمان کا توبہ کرنا پھر توبہ کو توڑ دینا، پھر مخالفین کو قتل وہلاکت کی تخویف وتہدید بچہ بچہ جانتا تھا۔ اگر اکابر صحابہ دشمنان عثمان کی رائے کے مخالف ہوتے تو بہت آسانی سے وہ ان کے مجمع کو پراگندہ کر سکتے تھے۔ زور وزبردستی سے بھی اور وعظ و پند کر کے بھی، مگر کسی صحابی کے متعلق ذرا بھی پتہ نہیں چلتا کہ اس نے اس آگ کے بجھانے کی کوشش کی ہو۔ انتہا یہ کہ حضرت عثمان کا قاتل مدینہ کی گلی کوچوں میں چیخ چیخ کر کہتا پھرتا ہے انا قاتل نعثل۔ میں نعثل کا قاتل ہوں مگر کسی کو بھی اس کی آواز ناگوار نہ گذری۔ (استیعاب ج ر ۲ ص ر ۴۷۸)

رہ گیا دوسرا احتمال کی حضرت عثمان ہی دین سے خارج ہو گئے تھے۔ زبان سے نکالنا یہ بھی ناممکن ہے۔ اگرچہ صحابہ کرام اسی کا یقین واعتقاد رکھتے تھے۔ سچ ہے الشاھد یری مالا یراہ الغائب۔ موقع پر موجود انسان حقیقت حال سے جتنا واقف ہوتا ہے اتنا غیر حاضر انسان نہیں۔

ہم صحابہ کرام کے اقوال ونظریات حضرت عثمان کے متعلق گذشتہ صفحات میں ذکر کر آئے ہیں۔ ایک نظر پھر ان پر ڈال لیجئے۔

اس نازک ترین مرحلہ پر پہنچ کر دونوں احتمالوں میں سے کسی نہ کسی احتمال کی طرف جھکنا پڑے گا یا ایک اکیلے شخص کو حق وانصاف پر سمجھنا ہوگا۔ اور جلیل القدر مقدس صحابہ پیغمبرؐ کی بے شمار تعداد کو مجرم وخطاوار یا بے اندازہ اکثریت کو برحق اور شخص واحد کو مجرم وخطاوار۔

دسواں باب

سلسۂ موضوعات

واقعہ قتلِ عثمان اور ان کی بے گناہی کے متعلق من گڑھت حدیثوں کا طومار اور ان پر ایک نظر

حضرت عثمان نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد جو افعال کئے، جن اسباب سے ان کے خلاف دنیائے اسلام اٹھ کھڑی ہوئی اور آخر کار ان کے محاصرہ اور قتل کی نوبت پیش آئی اس کے متعلق اکابر علمائے اہل سنت کے بیانات اور ان کی بے شمار کتابوں کے اقتباسات نذر ناظرین کئے گئے۔ اسی سلسلہ میں بنی امیہ اور ان کے زلہ خواروں نے افتراء و بہتان کا جو طومار باندھا ہے ان کا سرسری تذکرہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ محبت کتنا اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

(۱) علامہ طبری لکھتے ہیں:

''سری نے شعیب وغیرہ کے واسطہ سے جو باتیں مجھے لکھ لکھ کر بھیجیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن سبا صنعاء کا ایک یہودی تھا جس کی ماں حبشن تھی، یہ زمانہ عثمان میں مسلمان ہوا۔ پھر شہر شہر پھر کر مسلمانوں میں گمراہی پھیلانے لگا۔ ابتدا اس نے حجاز سے کی۔ پھر بصرہ آیا، اس کے بعد شام پہنچا۔ شام میں تو وہ کسی کو بہکا نہ سکا۔ انہوں نے اسے نکال باہر کیا۔ آخر وہ مصر پہنچا اور وہیں مقیم ہوگیا۔ وہ مصر میں لوگوں سے کہتا، تعجب ہے ان لوگوں پر جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ پھر پلٹ کر آئیں گے اور اس کو نہیں مانتے کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ بھی دوبارہ تشریف فرما ہوں گے۔ حالانکہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ ان الذی فرض علیك القرآن لرادك الیٰ معاد۔ لہٰذا حضرت محمد مصطفیٰؐ حضرت عیسیٰؑ سے زیادہ حقدار ہیں۔ دوبارہ دنیا میں آنے کے۔''

مصر والوں نے اس بات کو تہ دل سے قبول کیا اور طرح طرح کی موشگافیاں اس مسئلہ میں ہوئیں پھر اس نے کہا کہ بے شمار نبی آئے۔ ہر نبی کا ایک وصی ضرور رہا۔ حضرت علیؑ پیغمبرؐ خدا کے وصی ہیں۔ محمدؐ خاتم الانبیاء ہیں، اور علیؑ خاتم الاوصیا۔ اس کے بعد اس نے کہا اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جس نے پیغمبرؐ کی وصیت نہ پوری ہونے دی اور علیؑ وصی پر زبردستی کی اور امت کا معاملہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ عثمان نے اس خلافت پر علیؑ کے رہتے ہوئے بغیر حق کے قبضہ کرلیا ہے۔ تم لوگ اس مسئلہ کو لے کر اٹھ کھڑے ہو۔ ابتدا اپنے گورنروں سے کرو۔ پہلے اپنے حاکموں کو اعتراضات کا نشانہ بناؤ۔ ظاہری طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دو۔ اس طرح لوگوں کو اپنی طرف مائل کرو اور اس معاملہ کی طرف ان کو بلاؤ۔

جب اس نے دیکھا کہ مصری اس کی دعوت قبول کرنے پر تیار ہیں اور اسکی باتوں کی تائید کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں تو اس نے اپنے داعیوں کو تمام ملک میں پھیلا دیا اور ان لوگوں سے جو شہروں میں فساد برپا کرنا چاہتے تھے خط وکتابت شروع کر دی۔ اس کے حواری مختلف شہروں کے باشندوں کو ان کے والیوں کی برائیاں خوب بڑھا چڑھا کر اور اس طرح اس فتنہ کی آگ بھڑکاتے۔

جب یہ خبریں مدینہ پہنچیں تو صحابہ میں بہت اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی۔ مدینہ مہاجرین وانصار اور خلافت کا مرکز تھا۔ ہر چہار طرف کے لوگ مختلف علاقوں سے اپنے شکایات لے کر مدینہ ہی میں آتے تھے۔ اور یہاں کے لوگوں سے ظلم وستم کے ازالہ کے لیے مدد مانگتے تھے۔ اہل مدینہ بھی اس بات کو محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ جب اس فتنہ کی خبریں اور سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت عمال کی شکایت کثرت سے اہل مدینہ کو پہنچنے لگیں تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی، وہ حضرت عثمان کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے پوچھا کہ امیر المومنین کیا آپ کو بھی وہ اضطراب انگیز خبریں پہنچ رہی ہیں جو ہمیں پہنچتی ہیں۔؟

انہوں نے کہا نہیں، مجھے تو خیر وعافیت کی خبریں ہی مل رہی ہیں۔ اس پر اہل مدینہ نے سارے معاملہ کی آپ کو اطلاع کی اور مشورہ دیا کہ آپ ہر علاقہ میں لوگوں کو بھیج دیں جو وہاں جا کر حالات کی اچھی طرح تفتیش کریں اور پتہ چلائیں کہ ان شکایتوں میں کہاں تک صداقت ہے جو عمال کے متعلق کثرت سے پہنچ رہی ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان نے ایسا ہی کیا اور مختلف اشخاص کو سلطنت کے تمام صوبوں میں حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا۔ محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عبد اللہ بن عمر کو شام اور عمار بن یاسر کو مصر بھیجا۔ اسی طرح اور دوسرے علاقوں میں بھی لوگ بھیجے گئے کچھ عرصہ کے بعد عمار کے سوا باقی سب واپس آ گئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے ان خبروں میں کوئی صداقت نہیں پائی جو مدینہ میں پہنچ رہی تھیں۔ ان علاقوں کا نظم ونسق بالکل ٹھیک ہے، اور ان کہانیوں میں ذرہ برابر صداقت نہیں ہے کہ امراء لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ان کے حقوق غصب کر لیتے ہیں۔

البتہ عمار کے نہ واپس آنے کو لوگوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا لوگوں نے خیال کیا کہیں ان کے ساتھ فریب نہ کیا گیا ہو۔ دفعۃً عبد اللہ بن ابی سرح والی مصر کا خط پہنچا جس میں اس نے لکھا تھا کہ عمار کو لوگوں نے بہلا پھسلا کر اپنے حق میں کر لیا ہے۔ ان لوگوں میں پیش پیش عبد اللہ بن سودا اور خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر ہیں۔ (طبری ج ۵/ ص/ ۹۸)

میں کہتا ہوں کہ اگر ابن سبا نے اتنا سر اٹھا لیا تھا۔ اس کے فتنہ وفساد تفرقہ اندازیوں کی نوبت یہاں تک آ پہنچی تھی اور اس کی بدمعاشیوں سے صوبوں کے عمال، شہروں کے حکام بھی آگاہ ہو چکے تھے اور خلیفۂ وقت کے کانوں تک اس کے سازشوں کی خبریں پہنچ چکی تھیں تو کیوں نہیں اس کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی؟ ان باغیانہ افعال وحرکات کی وجہ سے اسے گرفتار

کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جاتا۔ مارا پیٹا جاتا، مسلمانوں کو اس شر و فساد سے نجات دی جاتی۔ جس طرح مقدس و نیکو کار مومنین، جو صرف امر بالمعروف نہی عن المنکر کے قصوروار تھے، کے ساتھ یہ سب کچھ کیا گیا۔

قرآن مجید کی آواز تمام دنیائے اسلام میں گونج رہی تھی۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَیَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَاَرۡجُلُہُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ذٰلِکَ لَہُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَلَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۔(سورہ مائدہ آیت ۳۳)

جو لوگ خدا اور رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین پر فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے جائیں یا سرزمین مملکت سے نکال باہر کیا جائے یہ رسوائی تو دنیا میں ان کے لیے ہے آخرت میں تو ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

واضح لفظوں میں قرآن مجید کا فرمان جب پہلے ہی سے موجود تھا تو کیوں نہیں حضرت عثمان نے ابن سبا کو قتل کر کے فتنہ و فساد کی جڑ ہی کاٹ ڈالی یہ کیا ان کی ساری سختی، سارا رعب و داب محض مقدس و نیکو کار مومنین ہی کے لیے مخصوص تھا کہ ان کے ساتھ ایک سے ایک بڑھ کر بدسلوکیاں روا رکھی گئیں؟

مان لیا جائے کہ ابن سبا کی یہ بھڑکائی ہوئی آگ تھی اور اسی نے سارے شہروں کو حضرت عثمان سے الگ کر دیا پھر بھی سوال ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے عمال و حکام کے متعلق جن باتوں کے اس نے پروپیگنڈے کئے کیا وہ باتیں ابن سبا کی من گڑھت تھیں ایجاد بندہ تھیں اور خواہ مخواہ سارے مسلمان جن میں اکابر صحابہ مہاجرین و انصار بھی تھے بگڑ بیٹھے، یا ان باتوں کا کچھ وزن تھا ان میں کچھ صداقت بھی تھی، واقعاً عمال و حکام قصوروار تھے اور ان سے جرائم سرزد ہوئے تھے۔ اگر واقعاً وہ عمال و حکام مجرم تھے تب تو مسلمانوں کی صف آرائی بے جا نہیں کہی جا سکتی، ایک دینی خدمت تھی چاہے ابن سبا اپنی کسی ذاتی غرض و غایت کو لے کر اس تحریک میں کیوں نہ شامل ہو گیا ہو۔

اور اگر ابن سبا اور اس کے ہمراہیوں کے پروپیگنڈے غلط، مہمل، سرتاپا لغو تھے تو جب مختلف شہروں کے وفد حضرت عثمان اور ان کے عمال کی شکایت لے کر مدینہ آئے تو کیوں نہیں مدینہ والوں نے ان کو جھڑک دیا؟ کیوں نہیں انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان، تمام اتہامات والزامات سے بری ہیں، حضرت عثمان مدینہ ہی میں تو تھے، حضرت عثمان کے تمام افعال وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے، ان کی باتیں اپنے کانوں سے سنتے تھے مگر ہوا کیا؟ بجائے اس کے کہ اہل مدینہ شکایت لے کر آنے والوں کو جھڑک کر مار بھگاتے وہ ان کے ہمنوا ہو گئے اور رفتہ رفتہ یہ تحریک انہیں کے ہاتھوں میں چلی گئی وہ دشمنوں کے سرغنہ

اور لیڈر بن گئے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اس موقع پر بڑی اچھی بات کہی ہے کہ:

''میرا قوی گمان یہ ہے کہ عبداللہ ابن سبا (اس کے متعلق جو باتیں بیان کیجاتی ہیں اگر وہ صحیح بھی ہوں) اس نے جو کچھ کہا سو کہا اور جو کچھ کیا سو کیا، اس وقت جب فتنہ رونما اور اختلاف پیدا ہو چکا تھا اس نے فتنہ کی آگ کو صرف بھڑ کایا تھا سلگایا نہیں تھا اسی طرح میرا قوی گمان ہے کہ امویوں اور عباسیوں کے دور حکومت میں شیعوں کے دشمنوں نے عبداللہ ابن سبا کے معاملہ میں بہت مبالغہ آمیزی کی، اس کے حالات بہت چڑھا کر بیان کئے اس سے ایک فائدہ تو یہ مدنظر تھا کہ حضرت عثمان اور ان کے عمال کی طرف جن خرابیوں کی نسبت دی جاتی ہے اور ناپسندیدہ باتیں جو ان کے متعلق مشہور ہیں۔ان کے متعلق لوگ شک وشبہ میں پڑ جائیں۔ دوسرا فائدہ یہ کہ علیؑ اور ان کے شیعہ لوگوں کی نگاہوں مین ذلیل وخوار ہوں۔نہ معلوم شیعوں کے دشمنوں نے شیعوں پر کتنے غلط الزامات لگائے اور نہ جانے شیعوں نے کتنی غلط باتیں اپنے دشمنوں کی طرف عثمان وغیرہ کے معاملہ میں منسوب کیں۔

ہمیں اس مرحلہ پر احتیاط بہت ضروری ہے۔ہم صدر اول کے مسلمانوں کو اس سے کہیں بلند وبرتر سمجھتے ہیں کہ یمن سے آنے والا ایک شخص جس کے ماں باپ یہودی تھے۔جس کی ماں حبشن تھی جو مدتوں یہودی رہ کر دھوکہ فریب کی خاطر مسلمان ہوا تھا ان کے دین وانتظام مملکت کا مذاق اڑائے۔ان کی عقل و دولت سے کھیل کھیلے اور اسے اپنے مقاصد میں اتنی خاطر خواہ کامیابی ہو کہ سلطنت کا تختہ الٹ دے اور مسلمانوں کو ان کے خلیفہ سے اتنا برگشتہ کر دے کہ وہ اپنے ہاتھوں ان کے قتل پر آمادہ ہو جائیں۔ یہ سب باتیں عقل میں نہیں آتیں، نہ پرکھنے پر درست قرار پاتی ہیں نہ ان پر تاریخ کی بنیاد قائم کی جاسکتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت کے اسلامی زندگی کے حالات ہی کچھ اس کے مقتضی تھے کہ لوگوں کی رائیں مختلف خواہشیں جداگانہ ہوں اور متضاد سیاسی جماعتیں ظہور میں آئیں۔

پرانے زمانہ کے لوگ جو ارشادات قرآنی، فرامین نبوی، سیرت شیخین کے پابند تھے وہ بہت سے ناپسندیدہ امور رونما ہوتے دیکھتے اور چاہتے تھے کہ ان کا اسی طرح سامنا کیا جائے جس طرح عمر سامنا کرتے تھے۔ دور اندیشی، تشدد، ضبط نفس، اور رعایا پر سختی کے ساتھ۔

اور نوجوان ونوخیز لڑکے، وہ قریش کے ہوں یا دیگر قبائل کے وہ ان نئے حالات کا نئے نفوس کے ساتھ استقبال کرتے جس میں لالچ بھی ہوتی سرکشی بھی اپنی برتری کا احساس بھی۔اور لمبی چوڑی آرزوئیں بھی ان کی ہمتیں بھی غیر معمولی طور پر بلند وبالا تھیں، اسی وجہ سے ان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جذبہ تھا۔ بڑھ جانے کی امنگ تھی، صرف حکومت کے عہدوں کے لیے نہیں بلکہ حکومت اور ہر چیز کے لیے۔ یہ نئے حالات تھے ہی ایسے کہ جوان و پیر دونوں کو ایک رنگ میں رنگ

دیں۔ممالک دھڑادھڑ فتح ہوتے جارہے تھے۔ ہر جانب سے بے شمار دولت خراج کے طور پر سمٹ سمٹ کر آرہی تھی۔لہٰذا اگر وہ ان ممالک مفتوحہ کے لیے ان کے اموال خراج سے فائدہ اٹھانے کے لیے باہم مقابلہ کرتے تو کون تعجب کی بات تھی۔ابھی تو بہت سے شہر ایسے بھی باقی تھے جو فتح نہیں ہو پائے تھے۔ ہر جہت سے ان کی کوشش تھی کہ جو ممالک باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ہم فتح کرلیں۔

دو ہی صورتیں ہیں یا تو اس وقت کے مسلمان دنیا کے طلب گار تھے یا دین کے، دونوں ہی صورتوں میں کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ان ممالک کی فتح کے لیے بے چین اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرتے۔طالب دنیا تھے تو فاتح بننے کا شرف اور مال غنیمت ہی کیا کم وجہ کشش تھا اور اگر طالب دین تھے تو جہاد کا ثواب اور غازی بننے کی فضیلت کیا کم تھی۔

پھر نہ تو یہ تعجب خیز ہے کہ اتنی بڑی سلطنت اور اس بے پناہ دولت کے انتظام میں اختلاف رونما ہوں۔نہ یہی اچنبھے کی بات ہے کہ قریش کے حریص ولالچی نوجوان نیک نامی، حکومت، مال و دولت کے حصول کے لیے اس رو میں بہ جائیں نہ یہ تعجب خیز ہے کہ انصار اور دیگر قبائل کے نوخیز نوجوان قریش کے نوجوانوں پر بازی لے جانے کے خواہاں ہوں۔نہ یہ بات تعجب انگیز تھی کہ ان کے دلوں میں غیظ وغضب، حزن واندوہ کا طوفان برپا ہو۔جب وہ یہ دیکھتے ہوں کہ خلیفہ وقت ہماری ترقیوں کی راہ میں حائل ہیں وہ بڑے بڑے عہدے صرف قریش اور ان میں بھی خاص کر بنی امیہ کو دیتے ہیں۔

اس حقیقت میں کسی کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت عثمان نے سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ولید اور سعید بن عاص کو کوفہ کا حکم مقرر کیا، ابوموسیٰ اشعری کو معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو گورنر بنایا، ملک شام پورا معاویہ کے حوالہ کر دیا اور تقریباً خود مختار اسٹیٹ کی حیثیت دے دی، حالانکہ اسی شام میں کئی کئی عامل مقرر ہوا کرتے تھے جن میں کچھ قریش کے ہوتے کچھ دوسرے قبائل کے، عمرو عاص کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا، یہ سب جدید حکام وگورنران حضرت عثمان کے قریبی رشتہ دار تھے۔کوئی مادری بھائی تھا تو کوئی رضاعی بھائی، کوئی ماموں تھا تو کوئی چچا یا کوئی دور کا رشتہ دار۔ یہ تمام حقائق ایسے ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ابن سبا نے لوگوں کو اس بہانے بھڑکایا ہو کہ انہوں نے فلاں کو معزول کیا۔فلاں کو حاکم مقرر کیا۔ ہر زمانہ کا دستور رہا کہ ملوک وسلاطین نے جب اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دی۔اپنے عزیزوں کو کلیدی عہدے دیئے تو رعایا میں شورش پیدا ہوگئی احتجاج کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔حضرت عثمان کے مسلمان رعایا دنیا سے نرالے نہیں تھے، پہلے زمانہ کے لوگ جن باتوں کو پسند یا ناپسند کرتے آئے وہی انہوں نے بھی کیا۔" (الفتنۃ الکبریٰ ص ر ۱۳)

علاوہ اس کے طبری کی اس روایت میں یہ جو مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے عمار اور دیگر معززین کو اسلامی شہروں میں روانہ کیا تا کہ وہ حقیقتِ حال کی تحقیقات کریں۔ یہ ایسی چیز ہے کہ صحت سے اسے کوئی لگاؤ نہیں۔نہ اس روایت کے علاوہ

دیگر روایات سے اس کا پتہ ملتا ہے، حضرت عثمان کے محاصرہ اور قتل کے متعلق جتنی روایتیں کتابوں میں مذکور ہیں وہ سب یہی بتاتی ہیں کہ جناب عمار اور محمد بن مسلمہ مدینہ سے باہر گئے ہی نہیں۔شورش کی ابتداء سے حضرت عثمان کے قتل تک دونوں کے دونوں مدینہ ہی میں موجود رہے۔جس دن سے کہ حضرت عثمان کو عمال پر طعن واعتراضات کا سلسلہ شروع ہوا۔اسی دن سے جناب عمار مخالفین کے پیش پیش تھے۔

حضرت عثمان نے ابوذر کی وفات کے بعد عمار کو بھی جلاوطن کرنا چاہا تھا مگر مہاجرین وانصار مانع ہوئے۔اس عرصہ میں نہ جانے کتنی مرتبہ مار پیٹ گالم گلوج زجروتوبیخ کی نوبت آئی، حضرت عثمان اپنی خلافت کے پہلے ہی دن سے یہ یقین رکھتے تھے کہ عمار مجھ سے شدید کراہت رکھتے ہیں، بھلا انہیں عمار سے کیا ہمدردی کی امید ہوسکتی تھی، کہ وہ انہیں تحقیقات کے لیے دوسرے شہر میں بھیجتے، نیز جب وہ روز اول سے عثمان کے مخالف تھے تو پھر ابن سبا کو انہیں ورغلانے اور بہکانے کی حاجت ہی کیا تھی، یہ حقیقت تو کسی بھی دل دادۂ تحقیق سے پوشیدہ نہیں ہونی چاہئے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں: ''مجھے قریب قریب یقین ہے کہ جناب عمار مصر بھیجے ہی نہیں گئے۔نہ ان دونوں فتنہ پردازوں محمد ابن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ کی سازشوں میں جا کر شریک ہوئے۔اصل بات یہ ہے کہ حضرت عثمان اور عمار کے درمیان جو آویزش تھی اس پر پردہ ڈالنے کے لیے حضرت عثمان کے ہوا خواہوں نے یہ قصہ گڑھ لیا۔''

(۲)

طبری نے اسی مذکورہ بالا شعیب کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ معاویہ جب عثمان سے رخصت ہو کر شام جانے لگے تو کہا اے امیرالمومنین قبل اس کے کہ بے حساب دشمن آپ پر چڑھ آئیں میرے ساتھ شام چلے چلئے شام والے اسی طرح ابھی آپ کے مطیع ہیں فرمانبردار ہیں، حضرت عثمان نے کہا میں رسولؐ اللہ کی ہمسائیگی کسی قیمت پر بیچ نہیں سکتا چاہے میری گردن ہی کیوں نہ کٹ جائے۔معاویہ نے کہا تو میں شام سے ایک لشکر آپ کی حفاظت اور فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیج دوں۔ حضرت عثمان نے کہا میں لشکر کی وجہ سے رسولؐ کریم کے پڑوسی مہاجرین وانصار کی زندگی دوبھر نہیں کرسکتا اور نہ انہیں تنگی وکشاکش میں مبتلا کرنا چاہتا ہوں۔معاویہ نے کہا پھر آپ کی جان ہر وقت خطرہ میں ہے۔حضرت عثمان نے کہا حسبی اللہ ونعم الوکیل۔(طبری ج/۵،ص/۱۰۱)

(۳)

طبری نے اسی شعیب کے واسطہ سے یہ روایت کی ہے۔

''ماہ شوال ۳۵ھ میں اہل مصر چار ٹولیوں میں بٹ کر مدینہ چلے۔ ہر ٹولی کا ایک امیر تھا۔ ان کی تعداد چھ سو سے ایک ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ان کے امراء مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) عبدالرحمن بن عدیس بلوی۔ (۲) کنانہ بن بشیر لیثی۔ (۳) سودان بن حمران سکونی۔ (۴) قتیرہ سکونی۔ ان سب کا امیر غافقی بن حرب عکسی تھا۔

ان لوگوں نے اپنے اصل مقصد کو عام لوگوں پر ظاہر نہیں کیا بلکہ یہ بات بنادی کہ وہ حج کو جارہے ہیں۔ ان کے ساتھ ابن السوداء (عبداللہ بن سبا) بھی تھا، اہل کوفہ بھی چار گروہوں میں بٹ کر نکلے ان کے سردار مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) زید بن صوحان عبدی۔ (۲) اشتر نخعی۔ (۳) زیاد بن نضر حارثی۔ (۴) عبداللہ بن اصم عامری۔ ان کی تعداد مصریوں کے برابر تھی ان سب کا سردار عامر بن اصم تھا۔

اہل بصری بھی چار گروہوں میں نکلے ان کے سردار مندرجہ ذیل تھے۔

(۱) حکیم بن جبلہ عبدی۔ (۲) ذریع بن عباد عبدی۔ (۳) بشر بن شریح القیسی۔ (۴) ابن المحرش حنفی، ان کی تعداد بھی اہل مصر کے برابر تھی۔ ان سب کا سردار حرقوص بن زہیر سعدی تھا۔

ان کے علاوہ اور بھی ادھر ادھر کے لوگ آکر مل گئے تھے۔

اہل مصر حضرت علیؑ کے خواہش مند تھے، اہل بصرہ طلحہ کو چاہتے تھے۔ اور اہل کوفہ زبیر کو۔ غرض ہر گروہ یہی چاہتا تھا کہ معاملہ اسی کے حق میں فیصلہ ہو لیکن حضرت عثمان کو معزول کرنے پر سب متفق تھے۔

جب یہ قافلے مدینہ پہنچے تو اہل بصرہ نے ذی حشب، اہل کوفہ نے اعوص اور اہل مصر نے ذی المروۃ پر ڈیرے ڈالے، اہل بصرہ کو دو اشخاص زیاد بن نضر اور عبداللہ بن اصم نے مشورہ دیا کہ ابھی جلدی نہ کرو۔ ہم مدینہ جاتے ہیں اور وہاں کے حالات کا پتہ چلاتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اہل مدینہ نے ہمارے خلاف جنگی تیاریاں کر رکھی ہیں یہ حال اس وقت ہے جب کہ تفصیلات کا انہیں علم نہیں لیکن جب وہ تمام حالات سے آگاہ ہوں گے تو معاملہ اور بھی زیادہ بگڑ جائے گا اور ہم کسی صورت میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ ہم مدینہ جا کر معلوم کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی ہے اور ان کی تیاریوں کے متعلق ہمارے پاس جو رپورٹ پہنچی ہے وہ غلط ثابت ہوئی تو پھر ہمارا مقصد بہت جلد حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ دونوں مدینہ میں آئے۔ ازواجِ پیغمبرؐ اور حضرت علیؑ اور طلحہ و زبیر سے ملے اور کہا کہ ہم صرف حضرت عثمان سے اپنے بعض عمال کی تبدیلی کرانے آئے ہیں۔ اس کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں آپ ہمیں مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں۔ لیکن ان سب نے انکار کیا اور مدینہ میں آنے سے منع کیا۔ دونوں آدمی مدینہ کے حالات معلوم کر کے اور اپنے مقصد میں ناکام

ہو کر واپس چلے آئے اور اپنے ساتھیوں سے سارے حالات بیان کر دیئے۔اس کے بعد مصریوں کا ایک وفد حضرت علیؑ کے پاس۔اہل بصرہ کا ایک وفد طلحہ کے پاس اور اہل کوفہ کا ایک وفد زبیر کے پاس آیا۔دراصل ہر فریق چاہتا تھا کہ بیعت اس کے ہاتھ پر کی جائے جسے وہ پسند کرتا ہے۔اگر کوئی بیچ میں حائل ہو تو اس کا سر کچل دیا جائے۔

چنانچہ مصر والے حضرت علیؑ کے پاس آئے،آپ اس وقت مقام احجاز الزیت پر تھے۔آپ کے جسم پر سفید دھاریوں والا لباس تھا۔سر پر سرخ رنگ کا عمامہ تلوار لگائے ہوئے تھے۔حسنؑ کو عثمان کی حفاظت کے لیے آپؑ بھیج چکے تھے،اہل مصر حضرت علیؑ کے پاس آئے۔اور ان کے سامنے اپنی درخواست پیش کی۔آپ نے ڈپٹ کر انہیں بھگا دیا۔اور فرمایا نیکو کار مومنین جانتے ہیں کہ ذی المروہ اور ذی حشب کے لشکر معلون ہیں۔پیغمبر خداؐ نے ان پر لعنت فرمائی ہے۔تم لوگ چلے جاؤ یہاں سے خدا تمہارے ساتھ نہ ہو۔

بصرہ والے طلحہ کے پاس آئے وہ بھی حضرت علیؑ کے آس پاس کچھ لوگوں کے ہمراہ موجود تھے۔انہوں نے بھی اپنے بیٹے کو عثمان کی حفاظت کے لیے بھیج دیا تھا،بصرہ والوں نے ان کے سامنے اپنی درخواست پیش کی طلحہ نے ڈانٹ کر انہیں بھگایا اور کہا مومنین جانتے ہیں کہ ذی المروۃ ذی حشب اور اعوص کے لشکر ملعون ہیں۔پیغمبرؐ نے ان پر لعنت فرمائی ہے۔

کوفہ والے زبیر کے پاس آئے وہ بھی کچھ لوگوں کے ہمراہ تھے۔انہوں نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ کو عثمان کی حفاظت کے لیے بھیج دیا تھا۔کوفہ والوں نے ان کے آگے بھی درخواست کی اور انہوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا جیسا علیؑ و طلحہ نے جواب دیا تھا۔

حضرت علیؑ اور طلحہ و زبیر کے اس حقارت آمیز سلوک کے بعد یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے۔ظاہر تو انہوں نے یہی کیا کہ اب وہ مدینہ سے واپس جا رہے ہیں لیکن پہنچے سیدھے اپنے اپنے لشکروں میں جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر پڑے ہوئے تھے۔دراصل وہ چاہتے تھے کہ مدینہ والے متفرق ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں اور بے خبری میں ان پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔اہل مدینہ اس ناگہانی حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھے۔انہوں نے اچانک مدینہ کے اطراف سے تکبیر کی آواز ہی سنی۔مخالفین مدینہ کی چھاؤنیوں میں اتر پڑے اور حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔انہوں نے اعلان کر دیا جو اپنے ہاتھ روکے رکھے گا وہ محفوظ رہے گا۔

اہل مصر حضرت علیؑ کے پاس آئے،حضرت علیؑ نے ان سے پوچھا تم واپس کیوں آگئے،انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک قاصد کو پکڑا ہے جس کے پاس سے حضرت عثمان کا ایک خط والی مصر کے نام برآمد ہوا۔اس خط میں لکھا تھا کہ جب ہم واپس پہنچیں تو ہمیں قتل کر دیا جائے۔یہی بات اہل بصرہ نے طلحہ سے اور اہل کوفہ نے زبیر سے کہی۔

اس پر حضرت علیؑ نے اہل کوفہ اور اہل بصرہ سے کہا کہ جب تم علیحدہ علیحدہ راستوں پر جا رہے تھے۔اور تمہاری منزلیں

علیحدہ علیحدہ تھیں تو تم نے کیسے جان لیا کہ اہل مصر کے بارے میں اس قسم کا خط لکھا گیا ہے۔ خدا کی قسم یہ بات تو مدینہ میں اور تمہاری باہمی سازش سے بنائی گئی ہے۔

انہوں نے جواب دیا کہ خواہ کچھ بھی ہو ہم نہیں چاہتے کہ عثمان خلیفہ رہیں ہم تو ان کو معزول کر کے ان کی جگہ دوسرا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔

حضرت عثمان اس دوران میں اپنے گھر سے نکلتے مسجد نبوی میں جا کر نماز پڑھاتے تھے خود یہ باغی بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور کسی کو مسجد میں جانے سے روکتے بھی نہیں تھے لیکن انہوں نے شہر کے اہم بازاروں اور گلیوں میں پہرہ لگا دیا تھا اور کسی جگہ لوگوں کا اجتماع نہ ہونے دیتے تھے۔ (طبری ج ر ۵، ص رر ۱۰۳، خلفائے محمد عمر ابو النصر ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی مطبوعہ ادارہ نقوش لاہور)

یہ من گڑھت روایت بتاتی ہے کہ مصر و بصرہ اور کوفہ کی جماعتوں کو اجازت کے افسران فوج نے الٹے پیروں واپسی پر مجبور کیا۔ یعنی حضرت علیؑ اور طلحہ وزبیر نے۔ ان حضرات نے بآواز بلند انہیں پھٹکارا اور ایک حدیث بیان کی جس میں پیغمبرؐ نے لعنت فرمائی تھی۔ اور اس ڈانٹ ڈپٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر والے مصر واپس ہو گئے اور کوفہ اور بصرہ والوں نے اپنی اپنی راہ لی حالانکہ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ کوفہ و بصرہ و مصر والے نہیں گئے بلکہ وہ مدینہ میں گھس آئے اور مدینہ والوں کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان کا گھر گھیر لیا اور کم و بیش چالیس روز تک محاصرہ کئے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان امیر المومنینؑ کے طالب امداد ہوئے اور حضرتؑ ہی نے ان کے مخالفین کے درمیان بیچ بچاؤ کیا۔ مخالفین کو سمجھایا بجھایا۔ حضرت عثمان سے عہد و پیمان لئے کہ اب پھر ان سے قابل اعتراض باتیں عمل میں نہ آئیں گی، اس موقع پر حضرت عثمان نے مسلمانوں کے مجمع میں توبہ کی ندامت کا اظہار کیا اور نوشتہ لکھ دیا جس کی نقلیں بلادِ اسلامی میں بھیجی گئیں۔ اور ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی دیر کے لیے مخالفین کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ حضرت علیؑ اور محمد ابن مسلمہ کے ضامن بننے پر وہ مطمئن ہو کر گھروں کو پلٹ گئے لیکن حضرت عثمان نے ادھر توبہ و ندامت کا اظہار کیا ادھر والی مصر کو خط لکھ دیا کہ مصر والے جب واپس جائیں تو ایک ایک کو قتل کر دو۔ پھانسی دے دو۔ یہ خط راستہ میں پکڑا گیا۔ مصر والے پلٹ پڑے اور انہوں نے آ کر دوبارہ محاصرہ کر لیا۔

اگر آپ دونوں محاصروں کی تفصیلات پر غور کریں اور محاصرہ سے پہلے اور محاصرہ کے بعد طلحہ وزبیر کا اس واقعہ میں جو اہم کردار رہا ہے اس پر گہری نظر ڈالیں تو کسی حیثیت سے بھی انہیں حضرت عثمان کے خون سے پاک قرار نہیں دے سکتے۔ طلحہ تو خصوصیت کے ساتھ شدید ترین جانی دشمن تھے یہاں تک کہ انہیں نے حضرت عثمان تک پانی بھی جانے نہ دیا۔ اور مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ لیکن من گڑھت روایتیں گڑھنے والوں نے جن کی روزی ہی نت نئی روایتیں

اختراع کرنے میں تھی چاہا کہ عثمان سے مسلمانوں کی عام ناراضی ظاہر نہ ہونے پائے لہٰذا انہوں نے اپنی طرف سے گڑھ کر یہ روایت پیش کردی کہ علیؑ وطلحہ وزبیر تو حضرت عثمان کے بڑے ہمدرد اوران کے مخالفین کے شدید دشمن تھے۔

(۴)

علامہ طبری اسی شعیب کے واسطہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

لوگوں کا بیان ہے کہ محاصرہ ۴۰ دن تک رہا، ۱۸ دن محاصرہ کو گذرے تھے کہ محاصرین کو معلوم ہوا۔ کہ چاروں طرف سے فوجیں عثمان کی مدد کو آرہی ہیں۔ شام کی طرف سے حبیب بن مسلمہ فہری لشکر لے کر آرہا ہے۔ مصر سے معاویہ کوفہ سے قعقاع اور بصرہ سے مجاشع، یہ خبر پا کر انہوں نے محاصرہ اور سخت کر دیا، لوگوں کو حضرت عثمان کے پاس آنے جانے سے روک دیا اور سخت پہرہ لگا دیا کہ ان کے پاس کوئی خبر نہ پہنچ سکے۔ یہاں تک کہ پانی بھی روک دیا۔ حضرت علیؑ کسی صورت سے ان کی ضرورت کی چیزیں پہنچاتے رہے۔

حضرت عثمان نے علیؑ وطلحہ وزبیر اور عائشہ کے پاس آدمی بھیجے کہ دشمنوں نے پانی تک بند کر دیا ہے۔ ہو سکے تو پانی بھیجو۔ یہ خبر سن کر علیؑ اور ام حبیبہ ان کی مدد پر کمر بستہ ہوئے۔

حضرت علیؑ رات کے وقت محاصرین کے پاس آئے اور ان سے کہا۔ اے لوگو! تم ایسا کام کر رہے ہو جو نہ مومنین کے مشابہ ہے نہ کافرین کے شایاں، تم عثمان کا کھانا پانی بند کر رہے ہو حالانکہ رومی اور فارسی بھی جب کسی کو قید کرتے ہیں تو اس کو کھانا پانی دیتے ہیں، اس شخص نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم نے اس کا محاصرہ کر رکھا ہے اور اس کے قتل کے درپے ہو؟ انہوں نے کہا خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ ہم کھانے پینے کی کوئی چیز عثمان تک نہیں پہنچنے دیں گے اس پر حضرت علیؑ اپنا عمامہ حضرت عثمان کے گھر میں پھینک کر چلے گئے تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ آئے تھے مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

ام حبیبہ زوجہ پیغمبرؐ نے چاہا کہ حضرت عثمان کے پاس پانی لے کر جائیں۔ وہ ایک خچر پر بیٹھی، پانی کی مشک ساتھ لے آئیں مگر مخالفین نے خچر کا منھ پھیر دیا۔ ام حبیبہ نے کہا بنی امیہ کے کچھ وصایا عثمان کے پاس ہیں ایسا نہ ہو عثمان مارے جائیں اور یتیموں بیواؤں کا مال ضائع ہو جائے۔ لوگوں نے کہا جھوٹی ہے اور بڑھ کر خچر کی رسی کاٹ ڈالی۔ اگر کچھ لوگوں نے بڑھ کر سنبھال نہ لیا ہوتا تو ام حبیبہ گر کر ہلاک ہو جاتیں، جناب عائشہ حج کا ارادہ کر کے بھاگ نکلیں۔ محمد ابن ابی بکر کو بھی ساتھ لے جانا چاہا مگر انہوں نے انکار کیا۔

عائشہ نے کہا خدا کی قسم اگر میرے بس میں ہوتا تو دشمنوں کے ارادے پورے نہ ہونے دیتی عائشہ مصر والوں سے انتہائی غضبناک ہو کر روانہ ہوئیں، مروان نے آکر روکنا بھی چاہا کہ مادر گرامی آپ رک جائیں تو حضرت محفوظ رہیں گے، انہوں

نے جواب دیا کہ تم چاہتے ہو کہ میرا بھی وہی حشر ہو جو ام حبیبہ کا ہوا۔ میرا تو کوئی پشت پناہ بھی نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں یہاں ٹک نہیں سکتی، نہ مجھے یہی اندازہ ہے کہ دشمن کیا کرکے رہیں گے۔

طلحہ و زبیر کو بھی علیؑ و ام حبیبہ کا انجام معلوم ہوا وہ لوگ گھر میں چپکے بیٹھے رہے۔

حضرت عثمان کی تشنگی کا وہی حال تھا۔ بنی حزم آپ کے پڑوسی تھوڑا بہت پانی پہنچا دیتے تھے۔ حضرت عثمان نے عبداللہ بن عباس کو جو آپ کی حفاظت کی خاطر دروازہ پر ہر وقت موجود رہتے تھے پکار کر کہا کہ میں تمہیں افسر حج مقرر کرتا ہوں تم مکہ روانہ ہو جاؤ۔ عبداللہ بن ابن عباس نے کہا حضور، ان دشمنوں سے جہاد کرنا مجھے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عثمان نے قسمیں دے کر کہا کہ تم ضرور ہی چلے جاؤ۔ چنانچہ ابن عباس مکہ روانہ ہو گئے۔

حضرت عثمان نے اپنا وصیت نامہ لکھ کر زبیر کی طرف پھینکا وہ لے کر کسی طرف روانہ ہو گئے۔ زبیر کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ قتل عثمان کے موقع پر موجود تھے یا اس سے پہلے ہی روانہ ہو گئے تھے۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۲۶)

اس روایت کے الفاظ صاف صاف بتا رہے ہیں کہ بنی امیہ کی خانہ ساز روایت ہے۔ عائشہ طلحہ اور زبیر کے سلوک وطرز عمل ان کی دشمنی وعداوت، ان کے جنگ کی آگ بھڑکانے، لوگوں کو قتل عثمان پر ابھارنے کے متعلق جو مسلم الثبوت روایتیں مروی ہیں ان کے مقابلہ میں یہ روایت گڑھی گئی تاکہ اصل حقیقت پر پردہ پڑ جائے۔ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں کہ جناب عائشہ و طلحہ و زبیر وغیرہ حضرت عثمان کے بڑے ہمدرد اور بڑے ہی خواہ اور ان کے دشمنوں سے شدید ناراض تھے مگر افسوس کہ بنی امیہ کی تمنائیں خاک میں مل گئیں۔ طلحہ و زبیر اور جناب عائشہ کی دشمنی وعداوت حضرت عثمان کے خون کے پیاسے ہونے کو ان جلیل القدر مورخین نے بیان کیا ہے جن کی کتابیں تاریخ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ جو آئمۃ المورخین اور موسسین تاریخ کہے جاتے ہیں۔

شاید ہی عقل و خرد سے کوئی بے بہرہ ایسا ہوگا جو اتنی مسلم الثبوت روایات سے قطع نظر کرکے اس قسم کے مزخرفات اور من گڑھت روایات کی طرف دھیان دے۔ معتبر کتب تاریخ کے صفحات پر حضرت عائشہ کا یہ فقرہ آج بھی موجود ہے۔ اقتلوا نعثلاً قتله الله فقد کفر۔ اس نعثل کو قتل کر ڈالو۔ خدا نعثل کو قتل کرے کہ یہ کافر ہو گیا ہے۔ اس فقرہ کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد کسی کے تصور میں بھی یہ آسکتا ہے کہ عائشہ عثمان سے ہمدردی رکھتی تھیں؟

طلحہ کا عثمان پر تشدد، ان کے قتل میں ان کی کد و کاوش اور ریشہ دوانیاں حدیث و تاریخ کے کسی طالب علم سے پوشیدہ نہیں۔ بروز قتل عثمان چہرے پر وہ نقاب ڈالے چھپ چھپ کر تیر چلاتے تھے، انہیں نے عثمان کی طرف پانی جانا بند کیا۔ انہیں نے لوگوں کو ابن حزم کے گھر کے راستے عثمان کے گھر میں پہنچایا۔ انہیں نے عثمان کی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں

دفن نہ ہونے دیا۔اور جب میت قبرستان لے جائی جا رہی تھی تو انہیں نے راستہ میں کچھ لوگوں کو بٹھا دیا کہ میت پر سنگ بارانی کریں۔

انہیں طلحہ کو مروان نے عثمان کے انتقام میں قتل کیا۔اور ابان بن عثمان سے کہا کہ تمہارے باپ کے ایک قاتل سے تو میں نے بدلہ چکا لیا۔انہیں طلحہ اور ان کے دوست زبیر کے متعلق امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے۔

کان طلحة والزبیر اھون سیرھما فیه الوجیف وارفق حداھما العنیف۔

یہ طلحہ وزبیر کا قتل عثمان میں ان کی ہلکی چال بھی تیز دوڑ تھی اور نرمی سے ہنکانا بھی سختی سے جھڑکنا تھا۔

اگر طلحہ حضرت عثمان کے ایسے ہی ہمدرد تھے جیسا کہ اس من گڑھت روایت میں گڑھنے والے نے بیان کیا ہے تو پھر حضرت عثمان کی اس دعا کے کیا معنی کہ:

اللھم اکفنی طلحة بن عبداللہ فانه حمل علی ھوالاء والبھم ویلی علی بن الحضرمیة (یعنی طلحة)اعطیته کذاو کذا بھاراً اذھبا وھویروم رمی یحرض علی نفسی اللھم لاتمتعه به ولقه عواقب بغیه۔

خداوندا مجھے طلحہ بن عبداللہ سے بچا، اسی نے لوگوں کو بھڑکایا اور میرے خلاف ابھارا ہے۔ستیاناس ہوا بن حضرمیہ (طلحہ) کا میں نے اسے اتنا اور اتنا سونا دیا اور وہ میری جان کا خواہاں اور خون کا پیاسا ہے خداوندا میری عطا کردہ دولت سے فائدہ اٹھانے کا اسے موقع نہ دے اور سرکشی کی پاداش میں مبتلا کر۔''

زبیر کے یہ فقرے حضرت عثمان کے متعلق کس کو نہیں معلوم کہ اقتلوہ فقد بدل دینکم۔اسے قتل کر ڈالو کہ اس نے تمہارے دین کو بدل ڈالا ہے۔ ما اکرہ ان یقتل ولو بدیٔ بابنی۔مجھے عثمان کا قتل ہونا ذرا بھی ناگوار نہیں چاہے پہلے میرا لڑکا ہی کیوں نہ قتل ہو جائے۔ ان عثمان لجیفة علی الصراط غداً۔بروز قیامت پل صراط پر عثمان مردار ہوں گے۔خود حضرت عثمان سے زبیر کا یہ کہنا ان فی مسجد رسول اللہ جماعة یمنعون من ظلمك ویاخذونك بالحق۔پیغمبرؐ کی مسجد میں ایسے لوگوں کی جماعت موجود ہے جو تمہیں ظلموں سے روک دے گی۔اور تم سے حق کا مواخذہ کرے گی۔ سعد بن ابی وقاص کا یہ جملہ تاریخ کی سب ہی کتابوں میں موجود ہے کہ عثمان کو اس تلوار نے قتل کیا جسے عائشہ نے کھینچا تھا۔طلحہ نے تیز کیا تھا علیؑ نے زہر آلود۔لوگوں نے پوچھا اور زبیر کا کیا حال تھا انہوں نے کہا زبیر نے ہاتھ سے اشارہ کیا زبان بند رکھی۔

نیز اگر عبداللہ بن عباس حضرت عثمان کے ایسے ہی فدائی اور جان نثار تھے جیسا کہ اس من گڑھت حدیث میں مذکور ہے تو جب ایام حج میں حاجیوں سے مدد کے لیے حضرت عثمان کا قاصد ان کا خط لے کر پہنچا تو کیوں نہیں ابن عباس نے اس خط کا پاس ولحاظ کیا وہ افسر حج تھے اور اس وقت حاجیوں کے مجمع میں کھڑے افتتاحی تقریر کر رہے تھے، تاریخ بتاتی ہے کہ جب قاصد پہونچا تو عبداللہ بن عباس نے اپنی تقریر روک دی۔قاصد نے خط پڑھ کر سنایا جب خط ختم ہو گیا تو ابن عباس نے جہاں سے تقریر

چھوڑی تھی وہیں سے پھر شروع کر دی، حضرت عثمان کے متعلق حاجیوں سے کچھ بھی نہ کہا۔ نہ خط کی اہمیت کی طرف کسی کو توجہ دلائی نہ عثمان کی مدد پر ابھارا۔

مزید برآں اگر ابن عباس ایسے ہی حامی و مددگار عثمان ہوتے تو پھر انہیں معاویہ سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ حضرت امیر المومنینؑ نے جب ابن عباس کو شام بھیجنا چاہا تو انہیں ذرہ برابر اس کا خوف نہ ہونا چاہئے کہ عثمان کے بدلے کہیں معاویہ مجھے نہ قتل کر دے۔

(۵)

علامہ محب طبری وغیرہ لکھتے ہیں:

''پھر حضرت علیؑ کو معلوم ہوا کہ دشمن حضرت عثمان کی جان لینے کے درپے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو صرف مروان کے طالب تھے۔ عثمان کے قتل کے ہرگز روادار نہیں۔ آپ نے حسنؑ وحسینؑ سے کہا کہ تم دونوں اپنی تلوار لے کر جاؤ اور عثمان کے دروازے پر کھڑے ہو اور ان کی حفاظت کرو، زبیر وطلحہ نے اپنے اپنے بیٹے اور بہت سے صحابہ نے اپنے بیٹوں کو بھیج دیا کہ حضرت عثمان کی حفاظت کریں اور ان سے درخواست کریں کہ مروان کو باہر کر دیں۔ لوگوں نے تیر بارانی شروع کی۔ یہاں تک کہ حسنؑ شدید زخمی ہو گئے۔ ایک تیر مروان کو بھی لگا حالانکہ وہ گھر کے اندر تھا۔ اسی طرح طلحہ کے فرزند محمد اور حضرت علیؑ کے غلام قنبر بھی زخمی ہو گئے اس موقع پر کچھ محاصرین ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حسن کے زخمی ہونے کی وجہ سے بنی ہاشم غضبناک ہو جائیں اور ہمارے منصوبے درہم و برہم ہو جائیں۔ وہ آپس میں صلاح و مشورہ کر کے حضرت عثمان کے پڑوسی کے گھر کے راستہ عثمان کے گھر میں کود پڑے۔ حضرت عثمان کے ساتھیوں کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی کیونکہ وہ لوگ مکان کی چھت پر تھے۔ حضرت عثمان تنہا اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھے تھے۔ دشمن گھر میں گھسے اور عثمان کو قتل کر کے جس راستہ آئے تھے اسی راستہ بھاگ نکلے، عثمان کی بیوی چیخیں چلائیں مگر شور و غل کی وجہ سے ان کی چیخ پکار کسی کے کانوں میں نہ پہنچ سکی آخر وہ چیختی ہوئی چھت پر پہنچیں اور کہا امیر المومنین (عثمان) تو مار ڈالے گئے۔ اس پر حسنؑ وحسینؑ اور ان کے ساتھی اس کمرہ میں آئے دیکھا کہ عثمان ذبح کئے پڑے ہیں سب ان کی لاش سے لپٹ کر رونے لگے، اب باہر کے لوگ بھی آئے۔ انہوں نے بھی یہ منظر دیکھا۔ حضرت علیؑ طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور دیگر صحابہ کو بھی یہ خبر پہنچی۔ سب بدحواس ہو کر دوڑے اور سب نے آکر یہ ہولناک منظر دیکھا۔ حضرت علیؑ نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ جب تم دونوں دروازے پر موجود تھے تو امیر المومنین کیسے قتل ہو گئے۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر حسنؑ کے رخسارہ پر طمانچہ مارا اور حسینؑ کے سینہ پر ہاتھ مارا۔ محمد بن طلحہ کو برا بھلا کہا۔ عبداللہ ابن زبیر پر لعنت فرمائی اور غصہ میں بھرے

ہوئے واپس ہوئے۔ راستہ میں طلحہ ملے انہوں نے کہا ابوالحسنؑ! یہ آپ کو کیا ہوا تھا کہ آپ حسن وحسینؑ کو مار بیٹھے۔"

(ریاض نضرہ ج ر ۲ ص ر ۱۵۲، تاریخ الخلفا سیوطی ص ر ۱۰۸، تاریخ خمیس ج ر ۲ ص ر ۲۶۱۔ ۲۶۲)

مسعودی کی لفظیں یہ ہیں کہ جب حضرت علیؑ کو معلوم ہوا کہ مخالفین قتل عثمان کے درپے ہیں تو آپ نے اپنے دونوں فرزندوں حسنؑ وحسینؑ اور غلاموں کو اسلحہ دے کر عثمان کے دروازہ پر ان کی امداد کے لیے روانہ کیا اور تاکید کی کہ ان کی پوری حفاظت کرنا، زبیر نے بھی اپنے فرزند عبداللہ کو اور طلحہ نے اپنے فرزند محمد کو اور اکثر صحابہ نے اپنے بیٹوں کو عثمان کی مدد کے لیے بھیجا۔ انہوں نے جا کر مخالفین کو مکان میں گھسنے سے روکا۔ دشمنوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ اور جنگ چھڑ گئی۔ حسنؑ وحسینؑ دونوں زخمی ہوئے۔ قنبر کچل گئے۔ محمد بن طلحہ زخمی ہوئے۔ مخالفین ڈرے کہ کہیں بنو ہاشم اور بنو امیہ نہ بھڑک اٹھیں۔ انہوں نے لوگوں کو دروازے پر لڑتے بھڑتے چھوڑا اور ایک انصاری کے گھر کے راستہ عثمان کے گھر میں گھس آئے، گھسنے والوں میں ایک محمد بن ابی بکر تھے۔ ان کے علاوہ دو اور شخص، عثمان کے پاس صرف ان کی بیوی تھیں۔ ان کے گھر والے اور غلام جنگ میں مشغول تھے۔ محمد ابن ابی بکر نے داڑھی پکڑ لی۔ عثمان نے کہا اے محمد اگر تمہارے باپ ہوتے تو انہیں تمہاری حرکت بڑی ناگوار گزرتی۔ محمد کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے اور وہ گھر سے نکل گئے ان کے جانے کے بعد دو شخص آئے اور انہوں نے آپ کو قتل کر ڈالا۔ مصحف آپ کے ہاتھوں میں تھا اور آپ اس کی تلاوت کر رہے تھے۔ آپ کی بیوی چھت پر چڑھ کر چیخیں اور لوگوں کو بتایا کہ امیرالمومنین قتل کئے جا چکے، یہ خبر سن کر حسنؑ وحسینؑ اور ان کے ہمراہ بنی امیہ کے افراد عثمان کے کمرہ میں آئے دیکھا کہ ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔ سب رونے لگے، حضرت علیؑ، طلحہ، زبیر، سعد اور دیگر مہاجرین وانصار کو بھی خبر پہنچی۔ سب دوڑ کے آئے، حضرت علیؑ بھی مارے رنج وغم کے بدحواس تھے۔ آپ نے اپنے دونوں فرزندوں سے کہا دروازہ پر تمہارے موجود ہوتے امیرالمومنین کیسے قتل ہو گئے؟ آپ نے حسنؑ کو طمانچہ لگایا، حسینؑ کو مارا، محمد بن طلحہ کو برا بھلا کہا، عبداللہ بن زبیر پر لعنت فرمائی۔ طلحہ نے کہا اے ابوالحسنؑ مارو پیٹو نہیں نہ برا بھلا کہو نہ لعنت کرو۔ اگر عثمان مروان کو حوالے کر دیتے تو نہ قتل ہوتے نہ اس کی نوبت آتی۔

مروان اور بہت سے بنی امیہ کے افراد بھاگ نکلے، لوگوں نے قتل کرنے کے لیے ڈھونڈا مگر وہ ہاتھ نہ لگے حضرت علیؑ نے نائلہ زوجہ عثمان سے پوچھا کہ تم تو یہیں تھیں تم بتاؤ کس نے عثمان کو قتل کیا؟ نائلہ نے دو شخصوں کے آنے اور محمد ابن ابی بکر کا قصہ سنایا محمد سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے انکار کیا کہا میں آیا تھا قتل ہی کے ارادے سے مگر ان کی باتیں سن کر پلٹ گیا پھر پتہ نہیں کہ میرے جانے کے بعد کون آیا کون گیا۔ (مروج الذہب ج ر ۱ ص ر ۴۴۱)

سبط ابن جوزی نے تبصرہ میں ابن عمر کے واسطے سے روایت کی ہے کہ بروز قتل عثمان حضرت علیؑ اپنے فرزند حسنؑ کے ہمراہ تشریف لائے، دروازہ بند تھا آپ نے حسن سے کہا کہ امیرالمومنین (عثمان) کے پاس جاؤ میرا سلام کہو اور کہو کہ میں آپ

کی مدد کے لیے آیا ہوں۔ مجھے جو حکم دینا ہو دیجئے۔ حسنؑ گھر میں آئے پھر باہر نکل کر اپنے پدر بزرگوار سے کہا امیر المومنین آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں جنگ وجدال اور خون ریزی نہیں چاہتا، اس پر حضرت علیؑ نے اپنا سیاہ عمامہ اتار کر دروازہ کے سامنے پھینک دیا۔ مطلب یہ تھا کہ عثمان جان لیں کہ ہم نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کی ہے۔" (قرۃ العیون المبصرہ تلخیص تبصرہ ج ۱/ص ۱۸۰)

شداد ابن اوس سے جو شام میں جا کر رہ گئے تھے اور عہد معاویہ میں مرے کی روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ بروز قتل عثمان جب محاصرہ سخت ہوگیا تو میں نے علیؑ کو دیکھا کہ پیغمبرؐ کا عمامہ پہنے تلوار حمائل کئے اپنے گھر سے نکلے آگے آگے حسنؑ وحسینؑ، عبداللہ بن عباس اور مہاجرین وانصار کے کچھ لوگ تھے۔ ان لوگوں نے دشمنوں پر حملہ کر کے متفرق کر دیا اور حضرت عثمان کے پاس پہنچے، حضرت علیؑ نے کہا امیر المومنین میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ آپ کے قتل کے درپے ہیں آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان سے جنگ کریں۔ حضرت عثمان نے کہا خدا کے لیے کوئی بھی میری وجہ سے ایک قطرۂ خون نہ بہائے۔ حضرت علیؑ نے اصرار کیا مگر حضرت عثمان اپنی بات پر جمے رہے۔ اس پر حضرت علیؑ یہ کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔ خداوندا تو آگاہ ہے کہ ہم نے کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ آپ مسجد میں آئے۔ نماز کا وقت ہو چکا تھا، لوگوں نے کہا اے ابوالحسنؑ آپ نماز پڑھائیے آپ نے کہا کہ امام محصور ہیں اور میں تمہیں نماز پڑھاؤں؟ میں اکیلے ہی پڑھوں گا۔ چنانچہ آپ نے تنہا نماز پڑھی اور گھر پلٹ آئے۔ راستہ میں آپ کے فرزند آ کر ملے، کہا بابا جان دشمن گھر میں داخل ہو چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ لوگ خدا کی قسم عثمان کو ضرور قتل کر ڈالیں گے۔ لوگوں نے پوچھا یا ابوالحسنؑ مرنے کے بعد عثمان کہاں ہوں گے؟ فرمایا جنت میں، لوگوں نے پوچھا اور دشمن کہاں ہوں گے۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا جہنم میں۔"

(ریاض نضرہ ج ۲/ص ۱۲۷، تاریخ خمیس ج ۲/ص ۲۶۲)

سعید بن مقبری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ ابوہریرہ کہتے تھے کہ میں بھی عثمان کے ساتھ ان کے گھر میں محصور تھا، محاصرہ کرنے والوں نے تیر مار کر ہمارے ایک شخص کو مار ڈالا، میں نے کہا امیر المومنین اب تو بغیر جنگ کے چارۂ کار نہیں، ان لوگوں نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا، حضرت عثمان نے کہا ابوہریرہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم اپنی تلوار پھینک دو۔ یہ لوگ صرف میری جان کے خواہاں ہیں اور میں یہ ساری مصیبت صرف اپنے سر لینا چاہتا ہوں، ابوہریرہ کہتے ہیں اس پر میں

نے اپنی تلوار پھینک دی۔ آج تک مجھے پتہ نہ چلا کہ وہ تلوار کیا ہوئی۔ [۱]

(استیعاب ج ر ۲،ص ر ۴۷۸، تہذیب التہذیب ج ر ۷، ص ر ۱۴۲، تاریخ خمیس ج ر ۲،ص ر ۲۶۳)

موضوعات پر تبصرہ:۔

یہ من گڑھت اور خانہ ساز حدیثیں جن کا ہم نے مشتے نمونہ از خروارے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ ان سیکڑوں صحیح ومتواتر احادیث کے مقابلہ میں گڑھی گئی ہیں۔ جو ثقہ اور مستند رواۃ سے مروی ہیں اور جن پر فن تاریخ کی بنیادیں قائم ہیں۔ یہ من گڑھت حدیثیں جتنی رکیک وواہیات اور مضحکہ خیز ہیں۔ تاریخ کے طالب علم سے مخفی نہیں۔ یہ تمام موضوعات، مہاجرین وانصار کے ان نظریات ومعتقدات کے بالکل برعکس ہیں، جو وہ حضرت عثمان کے متعلق رکھتے تھے، اس طرز عمل اور اس سلوک کے بالکل متبائن ہیں جو اکابر صحابہ ومومنین کرام نے حضرت عثمان کے لیے روا رکھا۔ ہم گذشتہ صفحات میں معتبر ترین کتب تاریخ کے اقتباسات پیش کر چکے ہیں، جن کے بعد ان موضوعات پر مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

اختراع کرنے والوں نے دنیا کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہا کہ اکابر صحابہ حضرت عثمان کے بڑے فدائی وجاں نثار تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے جگر کے ٹکڑوں تک کو نثار کر دیا۔ اپنے فرزندوں کو عثمان کی نصرت کے لیے بھیجا حالانکہ تاریخ پکار پکار کر کہتی ہے کہ وہ سخت ترین دشمن تھے، عثمان کے قتل ہونے ہی تک نہیں بلکہ قتل ہونے کے بعد بھی ان کی عداوت کا وہی حال رہا۔ اس سے بڑھ کر عداوت کیا ہوگی کہ انہوں نے دفن وکفن میں مزاحمت کی نماز جنازہ کی روک تھام کی مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے میں مزاحمت کی۔ حضرت علیؑ کے متعلق یہ امر ثابت ومسلم ہے کہ آپ قتل کے موقع پر مدینہ میں موجود ہی نہ تھے چہ جائیکہ آپ قتل عثمان کے پہلے عثمان کے پاس آ کر جنگ کرنے کی اجازت مانگتے۔ قتل ہونے کے بعد گریہ وبکا کرتے۔ کسی کو زدوکوب کرتے۔ کسی کو برا بھلا کہتے۔ کسی پر لعنت فرماتے۔

---

[۱] یہ روایت جن لوگوں کے واسطے سے مروی ہے ان میں سے کسی کا پتہ کتب رجال سے نہیں چلتا لے دے کر ایک سعید مقبری کا نام ملتا ہے مدینہ میں کوئی مقبرہ تھا اسی مقبرہ کے پاس یہ شخص رہتا تھا۔ یعقوب ابن شیبہ، واقدی اور ابن حبان کا بیان ہے کہ یہ شخص بوڑھا اور مرنے سے چار برس پہلے سڑی ہوگیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ر ۴، ص ر ۲۸) روایت کی لفظیں تو سب سے بڑا ثبوت ہیں کہ یہ شخص واقعی سنکی ہوگیا تھا کیونکہ سب سے پہلے حضرت عثمان ہی کے لوگوں نے تیر مار کر ایک کبیر السن بزرگ نیاز اسلمی کو مار ڈالا تھا جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے تیر چلانے والا مروان کا غلام ابو حفصہ تھا اسی نے چھیڑ خوانی کر کے جنگ کی ابتدا کی، ابو ہریرہ بھی جتنے سچے دیانتدار تھے وہ ظاہر ہے حضرت حجۃ الاسلام آقا عبدالحسین شرف الدین موسوی طاب ثراہ نے ابو ہریرہ کے حالات میں ایک زبردست تحقیقی کتاب عربی میں لکھی ہے جس میں ان کے تفصیلی حالات کے ساتھ ساتھ ان کی حدیثوں پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا ہے دفتر اصلاح سے اردو میں یہ پوری کتاب شائع ہو کر ہمہ گیر مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ قیمت چھ روپیہ ہے۔ ناظرین اس کتاب کو ضرور ملاحظہ کریں۔ ۱۲)

علامہ ہیثمی اسی موقع پر ایک موضوع حدیث کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

الظاھر ان ھٰذا ضعیف لان علیا لم یکن بالمدینۃ حین حصر عثمان ولا شھد قتلہ ۔

ظاہر و واضح امر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس لیے کہ جب عثمان محصور ہوئے تو آپ (علیؑ) مدینہ میں تھے ہی نہیں نہ قتل کے موقع پر موجود تھے ۔ (مجمع الزوائد ج ر ۷، ص ر ۲۳۰)

حضرت عثمان نے امیر المومنینؑ سے فرمائش کی تھی کہ آپ اپنی جائداد ینبع پر چلے جائیے تاکہ خلافت کے لیے آپ کا نام لوگ نہ لیں ۔ یہ فرمائش کوئی ایک مرتبہ نہیں کی گئی بلکہ کئی مرتبہ ۔ ایک مرتبہ انہوں نے ابن عباس سے کہا تھا کہ جا کر علیؑ سے کہہ دو کہ وہ اپنی جائداد ینبع پر چلے جائیں ۔ نہ انہیں میری طرف سے رنج پہنچے نہ مجھے ان کی طرف سے ، ابن عباس نے آ کر یہ پیغام پہنچایا ۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا عثمان مجھے آب کشی کا اونٹ بنانا چاہتے ہیں کہ میں آتا جاتا ہی رہوں ۔ ایک مرتبہ کہلا بھیجا کہ ینبع چلے جائیے ۔ پھر پیغام بھیجا کہ جلدی آئیے اور اب پھر کہلا بھیجا ہے کہ ینبع چلے جائیے ۔

حضرت علیؑ کا جو نظریہ اور ان کی جو رائے عثمان کے متعلق تھی وہ گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے ان کے دیکھنے کے بعد کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ عثمان کے قتل ہو جانے پر علیؑ مارے رنج و غم کے بدحواس ہو گئے ہوں ، نہ یہ کہ قتل عثمان کے دن آپ کی عقل رخصت ہو گئی تھی ۔ ایسی تہمت آپ کو تو کوئی مخبوط الحواس ہی لگا سکتا ہے ۔ جسے شیطان نے دیوانہ بنا دیا ہو اور بنی امیہ کی محبت نے اندھا کر دیا ہو ۔

رہ گئے طلحہ تو یہ سب سے زیادہ عثمان کے دشمن تھے ۔ انہوں نے دونوں محاصروں میں قتل کے دن دفن و کفن کے موقع پر بڑے بڑے خطرناک پارٹ ادا کئے ہیں ۔ جسے بہت تفصیل سے گذشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے ۔ اگر کسی کو شک ہو تو امیر المومنینؑ سے ان کی حقیقت دریافت کریں ۔ آپ فرمائیں گے ۔

واللہ ما استعجل متجرد الطلب بدم عثمان الا خوفا من ان یطالب بدمہ لانہ مظنتہ ولم یکن فی القوم احرص علیہ منہ فاراد ان یغالط مما اجیب فیہ لیلبس الامر ویقع الشك لحا اللہ ابن الصعبہ اعطاہ عثمان ما اعطاہ وفعل بہ ما فعل من طعن و آخر من امر ۔

قسم بخدا طلحہ نے اس ڈر سے انتقام خون عثمان کا مطالبہ کر دیا کہ کہیں خود ان سے انتقام نہ لیا جائے کیونکہ خود ان کی ذات آلودہ ہے مہاجرین میں ان سے بڑھ کر عثمان کے خون کا کوئی پیاسا نہیں تھا ۔ انہوں نے انتقام کا ڈھونگ رچا کر لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہا کہ حقیقت مشتبہ ہو جائے اور لوگ شک میں پڑ جائیں خدا صعبہ کے فرزند طلحہ کو ہلاک کرے عثمان نے انہیں اتنا اور اتنا دیا اور انہوں نے عثمان کے ساتھ ایسا ایسا کیا ۔ اور سب کے آخر میں قتل کا حکم لگایا ۔

سعید بن عاص کا یہ جملہ بھی جو اس نے مروان سے کہا تھا۔

هٰولاء قتلة عثمان معك ان هٰذين الرجلين قتلا عثمان طلحه والزبير وهما يريدان الامر لا نفسهما، فلما غلبا عليه تالا نغسل الدم بالدم والحوبة بالتوبة۔

یہی لوگ جو تمہارے ساتھ ہیں عثمان کے قاتل ہیں یہ دونوں (طلحہ وزبیر) انہیں نے عثمان کو قتل کیا اور اب اپنے لیے حکومت کے طلب گار ہیں جب حکومت نہیں ملی تو کہنے لگے کہ ہم خون کو خون کے ذریعہ اور گناہ کو توبہ کے ذریعے سے دھونا چاہتے ہیں۔

رہ گئے سعد ابن وقاص تو انہیں کا یہ جملہ تھا۔

وامسكنا عنه ولو شئنا دفعنا عنه ولكن عثمان غير وتغيره احسن واساء، فان كنا احسنا فقد احسنا وان كنا اساء نافاستغفر الله۔

ہم ان کی مدد ونصرت سے اپنے کو روکے رہے اگر چاہتے تو ان کی مدد کر سکتے تھے لیکن اس کو کیا کریں کہ عثمان خود بھی بدل گئے تھے اور دین وشریعت بھی انہوں نے بدل ڈالی تھی انہوں نے اچھے کام بھی کئے اور برے بھی اگر ہم نے ان کی مدد سے پہلوتہی کر کے اچھا کام کیا تو سبحان اللہ اور اگر برا کیا تو ہم خدا سے امیدوار عفو ہیں۔

انہیں حضرات پر بقیہ صحابہ کرام کا بھی قیاس کیجئے، جن کے متعلق موضوع روایتوں کے گڑھنے والوں نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے عثمان کی حفاظت کے لیے اپنے فرزندوں کو بھیجا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ صرف تین شخصوں کو چھوڑ کر باقی تمام صحابہ کرام مہاجرین وانصار حضرت عثمان سے برگشتہ وناراض تھے اور ان کی ناراضی ہی آگے بڑھ کر حضرت عثمان کی ہلاکت کا سبب قرار پائی۔کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ کہاں باپ تو اس حد تک حضرت عثمان سے ناراض اور کہاں وہ بیٹوں کو عثمان کی حمایت اور ان کی طرف سے جنگ وجدال کرنے قتل ہونے کے لیے بھیج دیں کتنی بھونڈی من گڑھت ہے؟''

یہ بھی کسی کے سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ صحابہ کرام حضرت عثمان پر اتنا جان جی دیں، ان پر اپنی جان نثار کرنے، ان کی طرف سے لڑنے کے لیے ہر وقت دروازہ پر موجود رہیں اور دو شخص ان سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر حضرت عثمان کے پاس گھس آئیں اور بری طرح قتل کر کے بھاگ نکلیں اور کسی کو خبر نہ ہوئی؟ انہیں بتایا بھی تو حضرت عثمان کی بیوی نے اور تماشا یہ کہ وہ بھی ان دونوں قاتلوں کی شکل پہچانتی نہ تھی حالانکہ وہ حضرت عثمان کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی اور سارا منظر اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

سچ کہا ہے کسی نے کہ دروغ گورا حافظہ نہ باشد، ایک طرف موضوع حدیثوں کے گڑھنے والے یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ

حضرت عثمان کا کوئی بھی مخالف یا دشمن نہیں تھا سبھی ان کے فدائی اور جان نثار تھے گنتی کے چند لوگ تھے جو ان کے دشمن تھے ورنہ صحابہ کرام وغیرہ سبھی حضرت عثمان کے طرفدار تھے دوسری طرف کہتے ہیں کہ جب لوگ حضرت علیؑ کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ جن لوگوں نے عثمان کو قتل کیا ہے ان سے بیعت لوں۔ یہ صریحی اقرار ہے کہ حضرت علیؑ کی بیعت کرنے والے وہی لوگ تھے جنہوں نے عثمان کو قتل کیا اور دنیا جانتی ہے کہ علیؑ کی بیعت مہاجرین وانصار اور کبار صحابہ پیغمبرؐ نے کی جن کے متعلق جنگ صفین کے موقع پر مشہور ہے کہ معاویہ نے حضرت امیرالمومنینؑ سے قاتلان عثمان کا مطالبہ کیا اور حضرت امیرالمومنینؑ نے قاتلین عثمان کو جب سامنے آنے کا حکم دیا تو دس ہزار سے زیادہ اشخاص یہ نعرہ بلند کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ ہم ہیں قاتلان عثمان۔ اس مجمع میں عمار یاسر تھے، مالک اشتر تھے۔ محمد ابن ابی بکر تھے۔ وہ جلیل القدر صحابہ کرام تھے جنہیں جنگ بدر میں پیغمبرؐ کی معیت کا شرف حاصل تھا۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ان موضوعات کے گڑھنے والے جو یہ بیان کرتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام عثمان کے ہمدرد اور ان کی حمایت پر کمربستہ تھے۔ خود بھی تلواریں لئے دروازے پر موجود تھے اور اپنے بیٹوں کو بھی دشمنوں سے بھڑا رکھا تھا۔ اس کا کیا عذر بیان کریں گے کہ انہوں نے حضرت عثمان کی میت کے دفن وکفن میں شرمناک حد تک تاخیر کی۔ تین دن تک میت مزبلہ پر پڑی رہی۔ تیسرے دن لاش کو اڑکے ایک پٹ پر رکھ کر حش کوکب لے جائی گئی جو یہودیوں کا قبرستان تھا لاش پر پتھر پھینکے گئے۔ ان کی پسلی توڑ دی گئی لحد میں بغیر غسل وکفن کے ڈال دیئے گئے۔ جنازہ کے ہمراہ چار آدمی جاسکے انہیں بھی نماز جنازہ پڑھنا ممکن نہ ہوا۔ کیا یہ سب باتیں اسلام میں جائز ہیں۔ مجسمۂ عدالت صحابہ حضرت عثمان کو خلیفۃ المسلمین سمجھتے ہوئے ان کے قاتل کو ظالم جانتے ہوئے خاموش تماشائی کی حیثیت سے دیکھا کئے اور حضرت عثمان کی ہمدردی میں ہونٹوں کو جنبش تک نہ دی نہ ان کے مرجانے پر اسلامی احکام کا انہیں سزاوار سمجھا؟ یا یہ باتیں ناجائز تھیں اور تمام صحابہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے۔ معاذ اللہ! کس کی مجال ہے کہ ایسی بات زبان سے نکال سکے؟ یا خود حضرت عثمان ہی ایسے تھے اور انہوں نے افعال ہی ایسے کئے تھے کہ وہ اسلامی احکام یعنی دفن وکفن تشیع ونماز جنازہ کے لائق نہیں سمجھے گئے؟

کتنا مضحکہ خیز ہے، بلاذری کا محمد بن سیرین سے نقل کر کے یہ لکھنا کہ عثمان قتل کر ڈالے گئے اور اس وقت۔ اسی طرح امیرالمومنینؑ کے اور بھی بہت سے ارشادات ہیں جنہیں ہم گذشتہ صفحات میں بقدر ضرورت بیان کر آئے ہیں۔

خود حضرت عثمان سے طلحہ کے متعلق دریافت کیا جائے، آپ کے بہت سے کلمات ان کے متعلق اوپر نقل کر چکے ہیں۔

مروان سے پوچھا جائے کہ آخر اس نے طلحہ کو کیوں مار ڈالا اور مار کر عثمان کے بیٹے سے کہا۔ قد كفيتك بعض

قتلة ابيك۔ تمہارے باپ کے ایک قاتل سے تو میں نے بدلہ چکا لیا۔

سعد بن ابی وقاص اور محمد ابن طلحہ سے دریافت کیا جائے، جن کے کلمات ہم ذکر کر چکے ہیں۔

زبیر کا بھی یہی حال تھا۔ ان کے متعلق بھی حضرت امیر المومنینؑ سے دریافت کیا جائے تو آپ فرمائیں گے۔

اتطلب منی دم عثمان وانت قتلته؟ سلط الله علی اشدنا علیه الیوم مایکره۔

زبیر تم مجھ سے خون عثمان کے طالب ہو؟ حالانکہ تم ہی نے قتل کیا ہم میں سے جو شخص عثمان کے لیے زیادہ سخت تھا خدا کرے آج کے دن اس کا کیا اس کے سامنے آئے۔

امیر المومنین طلحہ وزبیر دونوں کے متعلق فرماتے ہیں:

انهم یطلبون حقاهم ترکوه ودماهم سفکوه،فان کنت شریکهم فیه فان لهم نصیبهم منه،وان کان ولوه دونی فما الطلبة الا قبلهم۔ (نہج البلاغہ ج/۔۔ص/۲۹۴)

یہ لوگ مجھ سے ایسی بات کے طالب ہیں جس کو خود انہوں نے پورا نہیں کیا اس خون کا عوض چاہتے ہیں جسے انہوں نے خود بہایا ہے۔ بفرض محال اگر میں اس خون میں ان کا شریک تھا تو ان کا بھی تو اس میں بڑا حصہ ہے اور اگر ان لوگوں نے بغیر میری رائے اور شرکت کے اس قتل عثمان کو انجام دیا ہے تو اس کی پاداش انہیں کو بھگتنا چاہئے۔

عبداللہ ابن عباس کا یہ جملہ ہم ذکر کر چکے ہیں:

اما طلحه والزبیر فانهما اجلبا علیه وضیقا خناقه۔

انہیں طلحہ وزبیر نے لوگوں کو ان کے خلاف صف بستہ کیا اور ان کا گلا گھونٹ ڈالا۔

جناب عمار کا قول بھی کہ:

ان طلحة والزبیر کانا اول۔

انہیں طلحہ وزبیر نے سب سے پہلے عثمان پر اعتراض کیا۔

ان کے گھر میں سات سو افراد موجود تھے، انہیں میں حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر بھی تھے اگر ان لوگوں کو اجازت دے دی جاتی تو یہ دشمنوں کو مدینہ سے نکال باہر کرتے۔ (کتاب الانساب ج/۵،ص/۹۳)

حسن بصری سے منقول ہے کہ انصار نے عثمان کے پاس آ کر کہا امیر المومنین ہم خدا کی دوبارہ مدد کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے رسولؐ کی مدد کی تھی آج آپ کی، عثمان نے کہا ہمیں مدد کی ضرورت نہیں تم لوگ واپس جاؤ۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ اگر انصار چاہتے تو بخوبی عثمان کی مدد کر سکتے تھے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ یہ بھی کوئی معقول یا جائز عذر ہے؟ خلیفۃ المسلمین امیرالمومنین اپنے گھر کے اندر سات سو صحابہ کرام کے بیچوں بیچ قتل کئے جارہے ہیں اور وہ بیٹھے اپنی آنکھوں سے تماشا دیکھا کئے۔ محمد ابن ابی بکر سختی سے ڈاڑھی پکڑ کر جھٹکا دیتے ہیں۔ دھکا دے کر دروازہ کے پاس لڑھکا دیتے ہیں۔ عمرو بن حمق کود کر ان کے سینے پر چڑھ جاتے ہیں، عمرو بن ضابی ان کی پسلی توڑ ڈالتا ہے، کنانہ بن بشیر تیر کا پھل پیشانی میں دھنسا دیتے ہیں۔ تجیبی لوہے کی سلاخ سر پر دے مارتے ہیں۔ عافقی ان کے منھ پر ایک لوہے سے مارتے ہیں وار پر وار پڑتے ہیں۔ دشمن سر تک کاٹ لینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ مگر دونوں بیویاں اپنے کو نعش پر گرا دیتی ہیں یہ سب کچھ واقعات، یہ تمام ہولناک مناظر ان سات سو انصار کی نظروں کے سامنے پیش آتے ہیں جو بقول جمہور مسلمین صحابہ عدول تھے اور وہ چپکے بیٹھے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور اجازت کے منتظر ہیں کہ حضور اجازت دیں تو ہم تلوار اٹھائیں اگر اجازت مل جاتی تو وہ تمام دشمنوں کو مار ڈالتے یا مدینہ سے نکال باہر کرتے۔

اس مضحکہ خیز حماقت کو کیا تعلق ہے اسلام سے؟ کیا واسطہ ہے کتاب وسنت سے؟ کیا ربط ہے عقل و جذبات سے؟ کیا لگاؤ ہے منطق و اجماع سے اور کیا نسبت ہے مسلم الثبوت تاریخ سے؟؟؟

ضروری نوٹ:

اس جلد کے مضامین ۲۴۹ کے آخر کتاب تک حضرت حجۃ الاسلام آقا عبدالحسین امینی کی گرانقدر تالیف الغدیر جلد ہشتم ونہم کے ضروری اقتباسات اور ترجمہ ہیں اس سلسلہ میں ادارہ اصلاح جناب مولانا سید ابن حسن صاحب قبلہ نونہروی پرنسپل مدرسۃ الواعظین لکھنؤ، جناب مولانا غلام محمد مہدی صاحب قبلہ مدراس اور جناب مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ دام ظلھم کا خصوصی طور سے ممنون وشکرگذار ہے کہ الغدیر کی جلدیں عاریۃً مرحمت فرما کر بڑی مدد فرمائی اور حضرت امیرالمومنین حصہ ثانیہ کی تکمیل مشکل سے آسان کردی۔ فجزاھم اللہ عنا خیر الجزاء۔